

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْكَ جَعَلْنَا فُتُورًا فَادْعُ أَهْلَهُ فَأَتَّبِعِ الْفُتُورَ كَمَا نَزَّلْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ

اگر خداوند الهی است که درین زمان میرسد اقرآن تفسیر را پانویز گنجینه حقائق و معارف و خزینہ اسرار و لطافت بکشاف مشکلات قرآنیہ و وصف مختصرات فرقانیہ مستغنی بہ

مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد درویش صاحب کاندھلوی
رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً شَيْخُ الْحَدِيثِ جَامِعَةِ أَشْرَفِيَةِ لَاهُورِ

جلد اول مثل بر تفسیر پارہ ① ② ③

○

بر ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف بابتہ حضرت شاہ عبدالقادر برہن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور

سیندھ، پاکستان

باجازت از مکتبہ عثمانیہ بیٹ محمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۷
نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد :- ۷۰۳

کتب بہت متن قرآن کریم، خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوہر والہ
تعداد طبع اول :- ۱۳۱۹ھ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- ۱۳۲۲ھ

پریس :- القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان
فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۲۲۳۳۲)

منے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر پارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ

نزد سبیل چوک کراچی - پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت محمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگلہ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کہ کوئی غلطی رہ گئی ہو۔
لہذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ
اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

اہم نوٹ



خط و کتابت کیجئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

احوال و آثار

ہندوستان کے صوبہ اُردی میں شاہرہ دہلی اور سہارنپور ریلوے لائن پر مظفرنگر سے ۵۰، دہلی سے ۶۲ اور سہارنپور سے ۵۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ایک قصبہ ہے جسے "کاندھلہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چالیس پچاس ہزار نفوس پر مشتمل یہ قصبہ برگ و گل کے اعتبار سے ندرتیز اور افراد کے اعتبار سے مردم خیز ہے۔

بادہوی، تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں جس قدر اہل علم و فضل اس قصبہ کی خاک سے اٹھے، وہ شرف کسی اور قصبہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ بقول احسان دانش "کاندھلہ میں متعدد شاعر بھی تھے، اور جید مولوی بھی، انگریزی کے فارغ التحصیل فضلا بھی اور اصول و عقیدہ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحب نظر بھی، نیز پرانی فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث بڑی بڑی درس گاہیں، اور دنیا بھر کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ جس روشن ضمیر نے مشنوی مولانا سے روم کا ساتواں دفتر لکھا وہ بھی اسی قصبہ کی خاک سے اٹھا تھا۔"

کاندھلہ کے ارباب علم و فضل کی ایک طویل فہرست ہے، جسے اس وقت چھپڑنا طوالت کا باعث ہوگا، کاندھلہ کے انہی علماء و فضلا کے باعث دنیائے علم و دانش میں دیوبند اور علی گڑھ کی طرح کاندھلہ کا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا تعلق بھی اسی مردم خیز قصبہ سے ہے۔ اگرچہ آپ کی جائے پیدائش بھوپال ہے لیکن آپ کا وطن، لائف کاندھلہ ہے۔ مقدمۃ التفسیر میں مولانا نے خود اس بات کی صراحت فرمائی۔

"بھوپال میری جائے ولادت اور کاندھلہ میرا وطن ہے۔"

شہر بھوپال میں مولانا ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اس طرح آپ صدیقی نسب ہیں، آپ مشنوی مولانا روم کے ساتویں نژد کے متوفی مولانا مفتی الہی بخش کی اولاد میں ہیں۔

تعلیم و تربیت

خانہ دینی روایات کے مطابق مولانا نے قرآن کریم حفظ کیا۔ کاندھلہ میں قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد مولانا حافظ محمد الطیقل کاندھلوی آپ کو تھانہ بھون لے گئے اور وہاں مولانا اشرف علی تھانوی کے مدرسہ اشرفیہ میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولوی عبداللہ، مؤلف تیسرے المنطق سے آپ نے کسب فیض کیا۔ مولانا تھانوی کے مدرسہ میں چونکہ صرف ابتدائی تعلیم کا اہتمام تھا اس لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے مولانا آپ کو بہار بنپور لائے اور مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم میں داخل کیا۔ مظاہر العلوم میں آپ نے مولانا خلیل احمد بہار بنپوری، مولانا حافظ عبداللطیف، مولانا ثابت علی جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا اور ۱۹ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ مظاہر العلوم سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد ذوق پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں بھی جو علم اسلام کی مقتدر ہستیوں کا مرکز تھا، دورہ حدیث کیا جائے چنانچہ مظاہر العلوم سے سند فراغ حاصل کر کے دوبارہ دورہ حدیث کیا، اور مولانا علامہ الزہد شاہ کاشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، میاں اصغر حسین دیوبندی، اور مفتی عزیز الرحمن رحمہم اللہ جیسے اجلاء محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تدریسی زندگی ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۱ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مفتی محمد کفایت اللہ کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے آپ نے تدریس شروع کی اور ایک سال بعد ہی ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو دیوبند میں تدریس کی دعوت دی۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی تدریس ایک بڑا اعزاز تھا، مولانا نے اس پیش کش کو قبول کیا اور دیوبند فرودکش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو اس طرح دیا کہ آتشہ کیا کہ ایک سال قبل جن کبار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا، انہی کے پہلو میں بیٹھ کر ان سے حاصل کردہ فیض کو عام کرنا شروع کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے سال اول ہی میں آپ نے فقہ کی اعلیٰ ترین کتاب المدلیہ، ادب کی ایک اہم کتاب مقامات حریری جیسی مشکل کتب پڑھائیں۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو سال قائم رہا۔ اس دوران نماز فجر کے بعد نذرہ میں درس قرآن دیتے جس میں دارالعلوم کے متوسط اور اعلیٰ درجات کے طلباء حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ اسی درس کی بنا پر آپ کو بیضاوی اور نسیر ابن کثیر پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدر آباد دکن آ گئے۔

حیدر آباد دکن میں قیام

حیدر آباد دکن کا نو برس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی گردانا جاتا ہے کہ وہاں قیام کے دوران آپ نے عظیم الشان کتب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح تالیف کی۔ حیدر آباد دکن میں قیام کے دوران دنیا سے علم کے ایک عظیم کتب خانہ، کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں تور بشی کی المفاتیح شرح مصابیح سب سے اہم ہے جس سے آپ نے تعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اس کے حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظہ لاشعری کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوط نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں

علامہ شبیر احمد عثمانی، صدر مہتمم اور قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوتے تو ان حضرات نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ

نے قبول کر لی اور حیدر آباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ستر روپے ماہانہ کی دارالعلوم کی تدریس کو ترجیح دی۔ اور ۱۹۳۹ء میں دوبارہ دارالعلوم آگئے۔ دارالعلوم میں یہ قیام ہجرت پاکستان تک (دس سال) رہا اور وہاں آپ نے تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، سنن ابی داؤد اور طحاوی کی مشکل الآثار جیسی اہمات الکتب پڑھائیں۔

پاکستان ہجرت | مارچ ۱۹۴۷ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور اس کے بعد پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کے حصول کے لیے بھرپور تحریک شروع ہو گئی۔ مولانا نے اگرچہ عملاً تو سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے، سیرۃ المصطفیٰ میں بھی جہاد کی بحث میں دو قومی نظریہ پر مدلل اور علمی گفتگو کی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مئی ۱۹۴۹ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے بادل ناخواستہ دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا۔ اس موقع پر آپ کو دارالعلوم ہاٹھ ہزاری چالنگام، مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی جانب سے بحیثیت شیخ الحدیث آنے کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے مغربی پاکستان آنے کو ترجیح دی اور دسمبر ۱۹۴۹ء میں ریاست بھادپور کی دعوت پر آپ پاکستان آگئے اور جامعہ عباسیہ بھادپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

جامعہ عباسیہ بھادپور سے وابستگی | ۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے جامعہ عباسیہ میں بحیثیت شیخ الجامعہ چارج لیا۔ جامعہ عباسیہ میں عصری و دینی تعلیم کے اختطاط کی وجہ سے روحانیت اور لہیت نہ تھی جو دینی مدارس کا خاصہ ہوتی ہے، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو وہاں کا بڑا ماحول اور مادی ورلڈ پسندہ آئی اور جلد ہی طبیعت میں ٹھکر پیدا ہو گیا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق | ۱۹۵۱ء کے اوائل میں مولانا جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے اور یہاں خطاب فرمایا، مولانا مفتی محمد حسن کی نظر انتخاب نے مولانا کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے طور پر منتخب کر لیا۔ چنانچہ بھادپور واپس جانے کے بعد ایک خط میں مولانا کو جامعہ اشرفیہ آنے کی دعوت ان الفاظ میں دی۔

”میں آپ کو پلاؤ اور بریانی چھوڑ کر دال روٹی کی دعوت دے رہا ہوں“

مولانا نے دال روٹی کی اس مخلصانہ دعوت کو بصداغلاص قبول کیا۔ مفتی صاحب نے دل کی گہرائیوں سے جو بات کہی تھی، مولانا کے دل پر اثر کر گئی اور مولانا ۱۲ اگست ۱۹۵۱ء کو جامعہ عباسیہ سے کم مشاہرہ پر جامعہ اشرفیہ آگئے اور پھر عمر عزیز کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ سے اپنا تعلق قائم رکھا۔

وفات حسرت آیات

۲۲ اگست ۱۹۷۳ء کی شب اچانک ہچکیاں آنی شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر اور اطباء معائنہ کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ مدہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۲۲ اگست ۱۹۷۳ء سے جولائی ۱۹۷۴ء تک کا یہ تمام سال اسی طرح کمزوری اور نقاہت میں گزرا۔ لیکن شدید مرض اور اضمحلال میں بھی درس بخاری کا سلسلہ بند نہ کیا۔ ۱۶ جولائی ۱۹۷۴ء کو شدید دورہ پڑا اور طبیعت پر غزوہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اخیر وقت میں جب ذرا ہوش آتا تو کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا اور یہ آیت تلاوت کرتے: اِنَّمَا اَسْكُوْا بَثِّيْ وَخُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء ۸ رجب ۱۳۹۴ھ کو صبح صادق کے وقت طلوع آفتاب سے قبل علم کا یہ آفتاب و ماہتاب اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ خلف الرشید، والد محترم مولانا محمد مالک کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس طرح اس پیکرِ علم و عرفان کو سپردِ خاک کیا گیا۔ مولانا کی وفات حسرت آیات برصغیر میں عموماً پاکستان میں خصوصاً اہل علم پر غم کا ایک پہاڑ بن گئی۔ مولانا کی وفات سے ایک ایسا علمی خلا پیدا ہوا کہ جو بے حد میں پورا نہ ہوا۔

تصنیفی خدمات

تدریسی خدمات کا ایک مختصر خاکہ گذشتہ ادراک میں پیش کیا جا چکا ہے، درس تدریس اور وعظ و خطبات کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی مولانا نے دین متین کی لازوال خدمات سرانجام دی ہیں۔ تصنیف و تالیف میں مولانا کسی خاص میدان کے شہسوار نہیں بلکہ ہر میدانِ علم میں شہسواری کا ایسا مالک رکھتے ہیں کہ گویا زندگی ہی اس میدان میں گزری ہے۔ علم تفسیر، حدیث، عقائد و کلام، سیرت نبی کریم، رد فریق باطلہ، غرض کہ ہر علمی میدان میں مولانا نے اپنی لازوال خدمات کے ایسے سنگ میل نصب کیے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔ مولانا کی تصانیف کے مفصل تذکرہ کا تو یہ موقع نہیں لیکن اختصار کے ساتھ آپ کی چند تصانیف کا تعارف پیش خدمت ہے۔

علم تفسیر = معارف القرآن

علوم و معارف کا ایک بھرپور خزینہ اور علماء متقدمین کے علوم کا ایک بہترین مجموعہ ہے، مطالب قرآنہ کی توضیح و تشریح، ربط آیات کا بیان، امل و اش صحیحہ اور اقوال و آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل تفسیری نکات، ملاحظہ اور زاد قرآن کی تردید، ان کے شہادت اور جوابات کلام الہی کی عظمت و شوکت، اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا بیان، یہ چند خصوصیات ہیں جو معارف القرآن میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء میں اس تفسیر کی تالیف کا آغاز کیا گیا اور ابھی سورۃ صافات کے اختتام تک پہنچے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ پھر سورۃ صافات سے آخر تک بطور تکملہ مولانا محمد مالک کاندھلوی نے تحریر فرمائی۔ مولانا محمد مالک صاحب نے بھی مولانا ہی کے طرز و اسلوب کا تتبع کیا ہے۔

الفتح السامی بتوضیح تفسیر البیضاوی

ساتویں صدی ہجری کے مفسر قرآن قاضی ناصر الدین ابوالخیر عبد بن عمر الشیرازی البیضاوی م ۴۸۵ھ کا نام علم تفسیر میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی مرتب کردہ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل ہمیشہ علماء مفسرین کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے اور اس پر متعدد تعلیقات کی گئیں اور بہت سی شروحات لکھی گئیں۔
۲۔ شوال ۱۳۶۹ھ کو اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا گیا یہ تفسیر ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی اور اس کا واحد مخطوطہ ادارہ اشرف التحقیق میں موجود ہے۔

بیضاوی کی توضیح اور اس کے ادق نکات کی تشریح میں یہ کتاب ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ طوالت و اطناب سے گریز کیا گیا ہے اور نہ اس قدر اختصار سے کام لیا گیا کہ بیضاوی کے دقیق نکات وضاحت طلب رہ جائیں۔ اس مسودہ کی تمدین کے بعد اگر موندوں سائز پر طبع کرایا جائے تو تقریباً چار ہزار صفحات اس کی ضحاست ہوگی۔

مقدمۃ التفسیر | اہول و ناریخ تفسیر پر ایک جامع اور مفصل رسالہ ہے جو ابھی تک مخطوط شکل میں ہے۔

علم حدیث و تحفۃ القاری بجل مشکلا البخاری | بخندی کے مشکل مقامات خصوصاً تراجم ابواب جو امام بخاری کی ایک امتیازی شان ہے، کی توضیحات پر مشتمل ہے۔ اس کے تین اجزاء طبع ہو چکے ہیں جبکہ بقیہ اجزاء ابھی طبع نہیں ہو سکے۔

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح | دلی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح مجموعہ حدیث میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ طائر نے اس کتاب کی جس قدر شروح لکھی ہیں، شاید کسی اور کتاب کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔ مولانا نے اس کتاب میں مشکوٰۃ کی عمدہ اور آسان زبان میں مٹھے پیرایہ میں توضیح و تشریح کی ہے۔ مولانا کی حیات میں اس کتاب کے چار اجزاء دمشق اور باقی چار اجزاء پاکستان میں شائع ہوئے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد یہ کتاب از سر نو سات جلدوں میں مکمل طبع ہوئی ہے۔

حجیت حدیث | حدیث کی قطعیت، اس کی حجیت اور اس کا مصدر شرعی ہونا اس پر مولانا نے اپنی اس کتاب میں دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بڑی بھرپور بحث کی ہے اور یہ کتاب منکرین حدیث کے لیے ایک مکت جواب ہے

علم عقائد و کلام: الکلام الموثوق فی ان کلام اللہ غیر مخلوق، قرآن کے کلام الہی ہونے اور کلام الہی کے غیر مخلوق اور قدیم ہونے پر مولانا نے

اس رسالہ میں بھرپور علمی، تحقیقی اور مدلل گفتگو کی ہے اور معتزلہ و فلاسفہ کے غلط نظریات کی تردید کی ہے۔

احسن الحدیث فی ابطال التثلیث: عیسائیت کے نظریہ تثلیث کی تردید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و بشریت پر ایک عظیم تحقیق ہے عیسائیت کے خلاف مولانا کے متعدد

رسالے ہیں جن کو تدریس و تعلیق کے بعد شائع کیا جائے اور قوم کے ان بد نصیبوں کو پڑھایا جائے جو عیسائی مشنری سکولوں میں پڑھ کر اپنے ایمان و اسلام کو ضائع کر رہے ہیں۔

عقائد اسلام: دین اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد جن میں توحید و رسالت، قیامت اور ملائکہ پر ایمان شامل ہیں، پر مشتمل اردو زبان میں ایک منفرد کتاب ہے جو اس مسئلہ میں علمی بحث پر مشتمل ہے۔

علم الکلام: مذہب اسلام کی خصوصیات، احوال قیامت، جنت و جہنم عالم برزخ، جوفی کوثر کے وجود پر مدلل و محکم بحث پر مشتمل ہے۔

دستور اسلام: اسلامی نظام حکومت کے بیان پر مشتمل ایک عمدہ کتاب ہے جس میں اسلامی نظام انتخاب، اقتصادی نظام اور تعلیمی نظام پر بحث کی گئی ہے اور نظام حکومت کی بنیادوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

خلافت راشدہ: صحابہ کی عظمت پر ایمان، عقائد اسلامی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، مولانا نے اپنی اس کتاب میں خلافت راشدہ پر علمی بحث کی ہے۔

سیرۃ المصطفیٰ: مولانا کی خلافت دینی و علمی میں سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ایک تابندہ ستارہ کی مانند ہے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ قبولیت عامہ سیرۃ المصطفیٰ کو حاصل ہوئی۔

اس کتاب کے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں ”جو شخص اردو کی ضروری استعداد رکھتا ہو کتاب مذکور کے مطالعہ یا درس سے محروم نہ رہے۔“ ان کتب کے علاوہ مولانا کی بہت سی دیگر مولفات ہیں جن کو خوف طوالت سے ترک کر دیا گیا

محمد سعد صدیقی

حضرت کا نہ صلوٰۃ کے دست مبارک سے لکھا ہوا صغیر

يٰۤاٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنٰ عَلَيْكَ لِبَاسًا يُؤَارِي سُوْاۤتِكُمْ
وَرِيْثًا وَّ لِبَاسَ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ
اٰيَةِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ يَذْكُرُوْنَ ۝ يٰۤاٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ
الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوٰكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا
لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سُوْاۤتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَتَبِيْعُهٗ مِنْ
حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاۡ لِلَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحْشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا
عَلَيْنَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمْرًا بِهٖا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمُرُّ

حضرت کا نذر صلوٰۃ کے دست مبارک سے لکھا ہوا صفحہ

لطائف معارف

اس آیت سے حضرت ابو بکر صدیق کی جو فضیلت نکلتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ واقعی واقعہ غار میں انکی جان نثار کا قابل بعد آفرین ہے۔ غار کی شکل جو دنیا میں مشہور ہے وہ یہیں کے ہے۔ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابو بکر جیہوت غار کی فضیلت دیرین اور مجھ سے عام عمر کی مبارک اور بیکان کے پس تو میں کہہ کر راضی ہوں۔

امت مرحومہ ~~لما قتل~~ کہہ کر اتفاق ہے کہ اس وقت انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۷ رقیق غار سے فوت صدیق آج حتیٰ کہ مخالفین بھی اس قدر اور معترف ہیں بسہ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت صدیق کی شان عظمت کو واضح کر رہی ہے۔ اور اگر خدا پاکو شرف قبولیت حاصل نہ ہوتا تو ابھی اس فضیلت

معارف القرآن اور اس کے مؤلف کے بارے میں

زیر نظر تفسیر (جس کی پہلی جلد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے ہاتھوں میں ہے) حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ درجۃ واسعۃ کے علمی جلالتِ شان و اغلاں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تفسیر اور صاحب تفسیر کے بارے میں میرا کچھ کہنا سورج کو چرخ دکھانے والی بات ہے تاہم تفسیر ہذا میں غور کرنے والوں کو علوم کا ایک ٹکڑا نہیں مارتا سمندر نظر آئے گا اس بات کا اندازہ اہل علم حضرات مطالعہ کے بعد کر سکیں گے۔ اس بارے میں اگر مختصراً یوں کہا جائے تو جامع تبصرہ ہو گا کہ یہ تفسیر سلفِ صالحین اور علمائے خیرین کے علوم و معارف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس میں ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شال کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کے بعد رواں ترجمہ ہے جس میں ضروری تشریح لکھی گئی ہے۔

حضرت مولفؒ کو آیات اور سورتوں میں ربط کا خاص ذوق تھا اس ذوق کو اپنی تفسیر میں پورے طور پر محفوظ رکھا ہے آیات کی ضروری تشریح کے بعد فائدہ کے عنوان سے اسرار و نکات بیان کیے ہیں اور ہر جگہ فقہی و دلائل کی توضیح کی ہے۔ حضرت مولفؒ جہاں ایک طرف حافظ بن کثیر، امام قرطبی، امام غزالی، ابن رزی اور علامہ سید محمود آلوسی جہم اللہ کے اقوال نقل کرتے ہیں وہاں شیخ محمد لدین ابن عربی، حضرت حسن بصریؒ اور مولانا رام کے صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی نقل کرتے ہیں۔ نیز ہر جگہ فقہ و شہادت کے جوابات بھی دیے ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام کتب تفسیر آپ کے پیش نظر ہیں اور مختلف ائمہ تفسیر اور مفسرین کے اقوال نقل کر کے آخر میں قول راجح بیان کرتے ہیں مآخذ میں سب سے زیادہ علامہ آلوسیؒ کی روح المعانی اور امام رازیؒ کی تفسیر کبیر پر بھروسہ کیا ہے۔

حضرت مولفؒ کی تفسیر و حدیث اور علمِ کلام میں گراں قدر تصانیف اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہیں کہ ہر فن میں آپ کا مقام بہت بلند تھا لیکن اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تفسیر قرآن کریم اور علوم کتاب اللہ کی شرح و تحقیق کا رنگ سب پر غالب تھا اسی جذبہ و شوق میں تفسیر معارف القرآن شروع فرمائی جو اپنے موضوع پر ایک بے مثل تفسیر ہے اور تمام متقدمین کے علوم و معارف کا ایک جامع خزینہ ہے۔ اس تفسیر کے ساتھ حضرت مولفؒ کے فقہی لگاؤ اور شغف کا یہ عالم تھا کہ اخیر حیات میں جب کہ ضعفِ نقاہت کی کوئی حد نہیں رہی تھی حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی لیکن اس ضعف کے باوجود بھی تفسیر کا سلسلہ بڑھ رہا دن رات یہی فکر تھی کہ کسی طرح تفسیر منجمل کر لوں وفات سے کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ جب مولانا محمد الیاس ندوی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولفؒ کے صاحبزادے) رمضان مبارک میں عمرہ کے لیے جا رہے تھے تو ان کے نام پہنے ایک مکتوب گرامی میں واللہ اندر میں تکمیل تفسیر کے لیے دعا کا ذکر فرماتے ہوئے یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے ”میرا دل از حد پریشان ہے سوائے تفسیر کے کسی چیز میں دل نہیں لگتا اس لیے سب سے فارغ اور بیکو ہونا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تفسیر اور شرح بخاری کو جلد مکمل فرما دیں اور اس کی طباعت کا غیب سے انتظام

فرادیں " اللہ تعالیٰ حضرت مولفؒ کی اس عظیم خدمت کو قبول فرما دیں آمین
حضرت مولفؒ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ کو بھوپال شہر میں (جب کہ آپ کے والد صاحب وہاں مقیم تھے) پیدا ہوئے آپ کا
اصل وطن کانڈھ تھا آپ کے والد صاحب کا نام مولانا محمد اسماعیل کانڈھوی صدیقی ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا شجرہ
نسب خلیفہ اول یا بر غار سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

آپ نے ۹ برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور ۱۹ برس کی عمر میں مدرسہ مظاہر علوم بہار پور (انڈیا) سے
سند فراغت حاصل کی اور پھر دوسری مرتبہ دارالعلوم دیوبند سے دوسری حدیث کر کے سند حاصل کی۔

ایک سال مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس رہے پھر ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے اور پھر جنس و علوم
کی بنا پر وہاں سے حیدرآباد دکن تشریف لے گئے کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ التفسیر آپ کا
تقرر ہوا عرصہ دس سال آپ اس منصب پر فائز رہے قیام پاکستان کے بعد جب آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے
تو جامعہ عباسیہ بھاولپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ (پرنسپل) آپ کا تقرر ہوا وہاں کے ماحول میں آپ جو توقعات لے کر گئے تھے
جب وہ پوری ہوئی نظر نہ آئیں تو آپ نے اسے بھی خیر باد کہہ دیا اور پھر مستقل طور پر جامعہ شرفیہ نیکنہ دہا پور تشریف لائے
یہاں تک کہ جب ۴۴ برس کی عمر میں جو مانی ۱۹۶۴ء کو آپ نے اس درخانی سے رحلت فرمائی تو آپ مدرسہ ہذا کے روح
رواں اور شیخ الحدیث و التفسیر تھے۔

شیخ حضرت مولفؒ ۳ صدی کے مایہ ناز محدث و شیخ الحدیث و التفسیر تھے آپ کی تمام زندگی ہی علم و دین کے
خدمت میں گزری علوم اسلامیہ میں شغف و اہتمام اور تصنیف و تالیف ہمیشہ سرمایہ حیات رہی۔ حضرت مولفؒ کی علمی جہالت
شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ اپنی مشہور و معروف کتاب تعلق نصیب شرح مشکوٰۃ المصابیح کے
طباعت کے سلسلہ میں دمشق تشریف لے گئے اور وہاں ایک سال قیام کیا تو شام و طرقت اور مصر کے اکابر علمائے اہل سنیہ
پناہ عقیدت کا اظہار کیا اور اپنی تحریرات میں خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا کہ آپ عرب و عجم کے یک مایہ ناز محدث
و مفسر ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ حافظ قرآن تھے، مجتہد تھے، مفسر و شارح تھے، اسیرِ دارِ ہوسنے والے شوکِ دہشت کے جواب
دینے والے تھے، واعظ تھے، صوفی تھے، سخنیں س قطعہ پر بہت ختم کرتا ہوں۔

قطعہ ۱

علم میں تھے شاہِ انورؒ فسر میں اشرف علیؒ
اللہ اللہ کیا شوق تھے حضرت ادریسؒ میں
علم کے دریا رواں تھے آپ کی تدریس میں
دربِ قرآن میں وہ بیضاویؒ پر سبقت لے گئے

علم النال

خادم القارئ والتدريس دارالعلوم حنفیہ شہید پور سندھ پاکستان
۲۴ شعبان ۱۴۱۹ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَثَرَلَنَا عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَعَلَّ يُجْعَلَ لَهُ عِوَجًا
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالْأُولَى وَالْآخِرِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ أَجْمَعِينَ
وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

مقدمہ حد اور سیاسی بے قیاس خاص تیرے ہی لئے ہے اسے خداوند ذوالجلال کہ تو نے ہم کو
وجود عطا کیا اور ایمان اور اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی امت میں ہم کو پیدا کیا اور قرآن کھایا تا کہ دل روشن ہو اور افہامی الفہم اور بیان کے لئے زبان عطا کی
تا کہ تیرا کلام پڑھ سکیں اور تیرا نام پڑھ سکیں اور تیرے حکموں کو لگاتے اور سچا ستے پھر سکیں۔ در ہزاراں ہزار
مسئلہ و سلام ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے ذریعہ ہم نابکاروں اور ناہنجاروں کو تیرے پیغام پہنچا
درجن کے ذریعہ ہم گمشدگان راہ کو تجھ تک پہنچے کا راستہ معلوم ہوا اور ہزاراں ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں حضور پرورد
کے آل و اصحاب پر جنہوں نے بد کم و کاست نہایت امانت و دیانت در کمال حفاظت کے ساتھ تیرے کلام کو اور
تیرے پیغام اور تیرے دین کو اور تیرے رسول کی شریعت کو لوگوں تک پہنچایا اور دنیا میں تیرے دین کا ڈنکا بجایا
اور تیرے دشمنوں سے جہاد و قتال کیا اور تیری راہ میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو پالی کی طرح بہایا اور اپنے
بل و عیال کو تجھ پر اور تیرے رسول پر قربان کیا حتی کہ تیرے دین کو سر بلند کیا اور کفر کو سرنگوں کیا۔ رضی اللہ
عنہم و رضوا عنہ۔

اور ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں ان علمائے دین پر جنہوں نے تیرے عطا کردہ نور فہم اور نور تقویٰ سے کتاب
و سنت کے حقائق و دقائق کو اور شریعت کے لطائف و معارف کو ایسا روشن کیا کہ جس کو دیکھ کر دنیا جزا
ہے اور کسی امت میں یہ جہرات نہیں کہ وہ امت محمدیہ جیسے مفسرین اور محدثین اور فقہاء و متکلمین اور اولیاء
اور عارفین کے مقابلہ میں توریت و انجیل کا مفسر اور محدث اور فقیہ اور متکلم اور صوفی اور مفتی پیش کر سکے
کہ وہ علماء اسلام کی طرح توریت و انجیل کی تفسیر کرتا ہو اور توریت و انجیل کی روشنی میں اپنے ہم مذہبوں کو
فتوے دیتا ہو اور حلال و حرام سے انکو آگاہ کرتا ہو۔ یہود اور نصاریٰ میں اگر کچھ امت ہے تو کثرۃ ارضی کے
کسی گوشہ میں توریت اور انجیل کا کوئی پکا کیا حافظ یا چھوٹا مفسر اور محدث اور مفتی ہو تو نکال کر

لائیں اور دنیا کو دکھلائیں -

اے اللہ تو اپنی رحمت اور عنایت سے اس نابیکار و نابھار صرف نگار کو ان علماء ربانین کے زمرہ میں داخل فرما جنہوں نے تیرے کام کی خدمت کی اور اس کی تفسیریں لکھیں اور میرے والدین پر بھی رحمت فرما جنہوں نے اس ناپیز کو قرآن کریم حفظ کرایا اور دین کا علم سکھایا -

روح پدرم شد دگر می گفت با استاد

فرزند مرا عشق بیاموز و دگر هیچ

اور اے اللہ مجھ کو اور میری اولاد کو اور اولادِ اولاد کو اپنے علم کا صحیح وادب بنا اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنے دین کے رنگ سے رنگیں فرما اور صبغة اللہ من احسن من اللہ صبغة کا صحیح مصداق بنا آمین یا رب العالمین -

اتابعہ

بندۂ ناپیز حافظ محمد ادریس بن مولانا حافظ محمد اسماعیل کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو نہاد صدیقی اور نہاد خنی اور شریا پشی تھے۔ (۱) اسلام کی خدمت میں عرض پر واز ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے سرورِ عالم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا پس عام بندوں پر اس کا سمجھنا اور علماء پر اس کا سمجھنا فرض ہوتا کہ خدا تعالیٰ کے حکموں اور اس کی اتاری ہوئی ہدایتوں پر عمل کر کے فریضۂ بندگی بجالائیں جو بندہ خدا تعالیٰ کے حکموں کو نہ جانے اور بندگی نہ بجالائے تو وہ بندہ نہیں بلکہ وہ گندہ ہے۔ قرآن کریم عربی زبان میں، تراجم کا ہندوستان کے عوام کو سمجھنا بہت مشکل تھا اس لئے ہندوستان میں سب سے پہلے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۵۰ھ میں کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام "فتح الرحمن" رکھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان بکثرت فارسی زبان سمجھتے تھے اور خط و کتابت اکثر فارسی میں ہوتی تھی اور سرکاری مراسلے سب فارسی میں ہوتے تھے اس لئے شاہ صاحب نے لوگوں کی ہولت کے لئے فارسی میں ترجمہ کیا بعد ازاں فارسی کا دواج کم ہوتا چلا گیا اور ضرورت اس کی ہوئی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ کے ترجمہ کے پچیس سال بعد ۱۲۰۵ھ میں ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر دہلوی نے اردو میں قرآن کریم کا محاورہ ترجمہ کیا مگر اس کا یورپورا لحاظ رکھا کہ محاورہ - مدلول قرآنی کے تابع رہے ایسا نہ ہو کہ مدلول قرآنی کو محاورہ زبان پر قربان کر دیا جائے۔ یہ اردو میں سب سے پہلا ترجمہ تھا جو نہایت عمدہ ہے اور بے مثال

علہ والہ صاحب مرحوم یعنی مولانا حافظ محمد اسماعیل نے تاریخ ۱۹ شوال ۱۳۳۸ھ بمقام قصبہ کا ندھلہ ضلع مظفرنگر انتقال فرمایا اور محکمہ نماز کے بعد عید گاہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ وصالہ علیہ والہ الدی والمومنین یوم یقوم الحساب آمین

درجہ تفسیر ہے اور ہر طرح سے قابل طینان اور قابل وثوق و اعتماد ہے اور علماء ربانین کے نزدیک مستند اور معتد ہے شاہ عبدالقادر صاحب نے علاوہ ترجمہ کے مختصر اور ضروری فوائد بھی لکھے ہیں جو مشکلات میں مشعل راہ کا کام دیتے ہیں اور جن مشکل مقامات میں اکابر علماء کا قلم خاموش نظر آتا ہے وہاں شاہ عبدالقادر کا قلم بولتا ہے اور بالبداهت اس شعر کا مصداق نظر آتا ہے ۔

بسی اندر خود علوم اولیاء بہ کتاب و لے معید و اوستا

اور اس ترجمہ کا نام ”موضح القرآن“ رکھا جو اس کی صفت بھی ہے اور تاریخ بھی۔ شاہ عبدالقادرؒ نے ۱۲۳۰ھ میں بمقام دہلی وفات پائی۔

دوسرا اردو ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب دہوی متوفی ۱۲۳۲ھ نے کیا مگر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تحت اللفظ تھا کہ جو ترتیب الفاظ قرآنی کی ہے وہی ترتیب اردو ترجمہ کے الفاظ کی رہے تاکہ کم استعداد والے کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے اس امر کو ملحوظ رکھ کر شاہ رفیع الدین نے لفظی ترجمہ فرمایا اور یہ امر ایک درجہ میں بہت مشکل ہے کہ اردو ترجمہ میں الفاظ قرآنی کی ترتیب بھی ملحوظ رہے اور تا حد امکان اردو زبان کی فصاحت بھی ملحوظ رہے الغرض اس مصلحت کی بنا پر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی تھا اور شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ با محاورہ تھا تاکہ قرآن کا سمجھنا آسان ہو جائے اور مطلب بخوبی ذہن میں آجائے اس لیے کہ جو سہولت فہم با محاورہ ترجمہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہ لفظی ترجمہ سے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ تحت اللفظ ترجمہ کرنا اور ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا یہ بھی بہت بڑا کمال ہے لیکن آسانی سے مطلب سمجھنا جو با محاورہ ترجمہ سے ممکن ہے وہ تحت اللفظ ترجمہ سے ممکن نہیں غرض یہ کہ شاہ عبدالقادرؒ نے با محاورہ ترجمہ کیا جو عجب شان رکھتا ہے کہ جس کے الفاظ فصاحت و بلاغت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے تحت معانی کا ایک سمندر موجزن ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگر قرآن اردو زبان میں نازل ہوتا تو انہی محاورات اور الفاظ کے لباس میں نازل ہوتا جو شاہ عبدالقادرؒ نے استعمال کیے ہیں اسی حصہ میں شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز نے ۱۲۴۸ھ میں فارسی زبان میں ایک مبسوط تفسیر لکھی شروع کی جو حقائق و معارف میں بلاشبہ امام رازی کی تفسیر کبیر کا نمونہ تھی کاشش کہ عمل ہو جاتی مگر افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی ایک حصہ میں صرف پارہ آلم اور پارہ سیقول کی آیت وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ تفسیر آئی اور دوسرے حصہ میں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم کی تفسیر آئی۔ درمیان قرآن کی تفسیر نہ ہو سکی اگرچہ یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو بیضا ارض پر اس تفسیر کی نظیر نہ ہوتی جیسا کہ تفسیر عزیزی کے موجودہ حصہ کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے دقیق اور عمیق علوم کسی اور تفسیر میں نظر نہیں آتے۔

علیہ رآۃ التفسیر ص ۶۵ مفسر مولانا ذوالفقار احمد میں شاہ عبدالقادرؒ کی تاریخ وفات ۱۲۳۰ھ لکھی ہے اور صاحب حدائق الخفیہ نے یہ لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی اور منظور الہی تاریخ وفات ہے دیکھو حدائق الخفیہ ص ۶۵ والنداء ص ۲۵

شاہ عبدالعزیزؒ نے ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی نماز جنازہ بیرون شہر دہلی ادا کی گئی۔ اطراف واکناف سے آنے والوں کے حجوم کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا بچپن مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور دہلی کے ترکمن دروازہ کے باہر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

غرض یہ کہ ہندوستان میں فارسی اور اردو میں ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہؒ سرورہ کے وقت سے شروع ہوا۔ شاہ ولی اللہؒ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جس کا نام ”فتح الرحمن“ رکھا اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ ”مقتدائے دقیقہ شناس مبارک“ وفات ہے۔

تفسیر قرآن کا پہلا وہ بنیادی پتھر جس کا وہ صحیح ترجمہ ہے جو قواعد عربیت اور قواعد شریعت کے پورا پورا مطابق ہو ہندوستان میں تفسیر قرآن کا یہ سنگ بنیاد یعنی صحیح ترجمہ قرآن۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے دونوں بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ہاتھوں رکھا گیا اور ہندوستان میں یہ خیر کثیر (ترجمہ قرآن کریم) اس مبارک باپ اور مبارک بیٹوں کے ہاتھوں سے جاری ہوئی اور یہی تین ترجمے اردو زبان میں تفسیر قرآن کے لئے سنگ بنیاد بنے اور ہندوستان میں کوئی عالم ان ترجموں سے بہتر ترجمہ نہ کر سکا۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ بہ عن الاسلام وسانہ المسلمین خیرا آمین یا رب العالمین۔

غرض یہ کہ یہ حضرات ترجمہ قرآن کے بانی اور امام ہیں اور علوم دینیہ میں تمام ہندوستان کے استاد ہیں اور حق تو یہ ہے کہ اگر یہ تین ترجمے نہ ہوتے تو ہر کس ونا کس کو ترجمہ کا حوصلہ بھی نہ ہوتا اس لیے کہ کسی کے کلام اور مطلب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ادا کرنے کا نام ترجمہ ہے اور یہ کام نہایت دشوار ہے جب تک مترجم دونوں زبانوں کے لغات اور محاورات اور استعارات و کنایات اور حقیقت و مجاز اور اسالیب کلام سے پورا واقف نہ ہو تو ترجمہ نہیں کر سکتا ہر کس ونا کس کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر ان حضرات کے یہ ترجمہ نہ ہوتے تو ہر سے بڑے بڑے علماء کو ترجمہ دشوار ہو جاتا اور شاید بڑی بڑی تفسیر کے مطالعہ کے بعد بھی یہاں ترجمہ نہ کر سکتے۔ ان حضرات جیسا نور فہم اور نور تقویٰ کس سکے یا س ہے جو ان جیسا ترجمہ کر سکے۔ ان تین ترجموں کے بعد جس کسی نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا سو اس نے شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کی مدد اور بہار سے کیا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک کی اس خدمت یعنی ترجمہ کے لیے سر زمین ہند سے شاہ ولی اللہؒ اور اس کے بیٹوں کو منتخب فرمایا اِنَّكَ فَضَلُ اللّٰهُ يُوْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ

بحمدہ تعالیٰ جب فہم قرآن کی یہ پہلی منزل یعنی ترجمہ کی منزل گذر گئی اور ہندوستان کے مسلمان

علیہ شاہ عبدالعزیزؒ کا ترجمہ نام کلامِ حلیم ہے جس سے ۱۱۵۹ھ تکلتا ہے یہی آپ کا سن ولادت ہے۔ الحمد للہ اتنا عشریہ کے دیباچہ میں غلامِ حلیم کے نام سے لینے کو مؤلف کتاب فابر کیا ہے علوم و فنون اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہؒ سے حاصل کیے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہر سے ہر سے سال کی عمر میں وفات پائی۔

کے ہاتھوں میں ان تین علماء ربانین اور اسخنین فی العلم کے تین نہایت صحیح اور بے مثال ترجمے پہنچ گئے تو اب اس منزل کے طے ہو جانے کے بعد ضرورت اس کی تھی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی کوئی مختصر اور جامع تفسیر لکھی جائے جس میں فقط عمل مطالب اور ربط آیات کا خاص اہتمام کیا جائے اور شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح اقوال مختلفہ میں سے رائج القول پر اکتفا اور اقتصار کیا جائے اور لطائف اور نکات اور مذاہب باطلہ کی تردید کی تفصیل سے گریز کیا جائے تاکہ خاص و عام اس سے نفع اٹھا سکیں۔

یہ خدمت اور یہ سعادت من صاحب اللہ حکیم الامت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۹۶ھ قدس اللہ سرہ کے حصہ میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت اور جامعیت اور مقبولیت میں ترقی سے شریک نہ ہو سکتی تھی۔

اور اسی زمانہ میں "بیان القرآن" سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے "فتح لمنان" کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے جس میں مختصر عمل القرآن و توضیح مطالب کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور ملحدہ اور زنادقہ کی تردید پر بھی کلام فرمایا اور فسطح قدیم و جدید کے اعتراضات کے نشی و خاش جوابات دیتے یہ تفسیر بھی مجرہ تعالیٰ بہت مقبول ہوئی اور گم گشتگان راہ کے لیے مشعل ہدایت بنی مگر تفسیری حیثیت سے مطالب قرآنہ کی بلاستیعاب و توضیح اور مسلسل تشریح اور ربط آیات اور حل مشکلات اور بیان معانی میں جو زالی شان "ماکان القرآن" کو حاصل ہوئی وہ اردو زبان میں کسی اور تفسیر کو حاصل نہیں ہوئی وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يُّشَاءُ۔

اور اسی طرز پر ایک نہایت مختصر اور جامع تفسیر جو جدید شہادت کے قلع قمع کے لیے کافی اور شافی ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی قدس اللہ سرہ نے لکھی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اور فصاحت و بلاغت اور حسن تعبیر کے اعتبار سے بھی بے مسطیر ہے۔

مجہد تعالیٰ جب فہم قرآن کی یہ دو منزلیں اور طے ہو گئیں اول صحیح ترجمہ دوم مختصر اور جامع تفسیر جس سے قرآن کریم کے مطالب اور معانی بخوبی و آسانی سمجھ میں آسکیں تو اب ضرورت اس کی ہوئی کہ بیان القرآن کے طرز پر ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنہ کی توضیح و تشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدر سے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ و تابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف و معارف اور نکات اور مسائل مشکل کی تحقیقات اور ملحدہ و زنادقہ کی تردید اور ان کے شہادت اور اعتراضات کے جوابات پر بھی مشتمل ہو تاکہ کلام خداوندی کی عظمت و شوکت اور اس کی جامعیت اور اس کے عجائز کا کچھ نمونہ نظروں کے سامنے آجائے پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صاحبین کے مسلک سے ذرہ برابر ہٹا ہو نہ ہو عہد نبوت اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک امت کے علماء ربانین اور اسخنین فی العلم نے جس طرح قرآن کریم کا مطلب سمجھا ہے اسی طرح اس امانت کو بلا کسی خیانت کے مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے اور کسی جگہ بھی اپنی راستے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے ہر نہ سے بیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب نہ دیا جائے جیسا کہ

آج کل آزاد منشوں کا یہ طریقہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ تاویل و تحریف کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب و تمدن کے مطابق کر دیں ان آزاد مفسرین کی ہمت یہ کہشش ہوتی ہے کہ لفظ تو عربی ہوں اور معنی مغربی ہوں اور یورپ کے محدثین کے خیالات باطلہ کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا جائے۔ غرض یہ کہ یہ گروہ قانون خداوندی کو مسخ کر رہا ہے اور اپنے حسب مشاء قرآن کے معنی گھڑا کر لوگوں میں شائع کر رہا ہے۔ اللہم احفظنا منہم۔

اسے مسلمانو! خوب سمجھ لو یہ گروہ قرآن کریم کا مترجم اور مفسر نہیں بلکہ یورپ کے نفی تمدن کا مترجم اور مفسر ہے ان سے بچتے رہنا، چیزیں مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لیے تفسیر لکھنی شروع کی کہ جیسا مطلب قرآن کریم کا اللہ کے رسول نے اور صحابہ و تابعین نے سمجھا ہے وہی مسلمانوں کے سامنے پیش کر دے تاکہ لوگ صحیح طور پر قرآن کو سمجھ سکیں اور صحیح طور پر اس پر عمل کر سکیں بغیر علم صحیح کے عمل صحیح ناممکن ہے یہ ناجیز سلف صاحبین کے اتباع کو سعادت سمجھتے ہیں اور سلف کے مسلک سے ہٹ کر تفسیر کو ضلالت اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت سمجھتے ہیں۔

تو بامش اصل کمال اینت ولس تو دروگم شو وصال اینت ولس
بگوہ تعالیٰ اس فقیر و حقیر نے اسی التزام کے ساتھ تقریباً ۳۶ سال میں تفسیر لکھنی شروع کی مگر گیسر مشاغل کی بنا پر پابندی نہ ہو سکی جب موقع ملا کچھ لکھ لیتا۔ اور ارادہ یہ کیا کہ جس طرح صحابہ و تابعین اور سلف صاحبین نے قرآن کریم کو سمجھا ہے عینہ ہی طرح اس کو مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے مغربیت اور عصریت کے نفالی تقاضوں سے مرعوب ہو کر قرآن کریم کے مدلول اور مفہوم کو نہ بدلا جائے۔

اور ”معارف القرآن“ اس تفسیر کا نام رکھا جو اس رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں سورہ نسا کے ختم تک پہنچی و بئذ الحمد و المنة اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے میری تکمیل فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین
اس حقیر و فقیر کی یہ تفسیر گدا گروں کی جھولی کی طرح ہے جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نواؤں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گدڑی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے یونہ منظر آئیں گے۔ اگر کوئی اس گدائے بے نواسے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اٹس و کتوب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آتے تو یہ ناجیز جواب میں یہ عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے کے لیے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لا کر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں جس کو جو لقمہ اور نوالہ خوش ذائقہ معلوم ہو نوش جان کرے اور جو مرغوب طبع نظر آئے وہ تناول کرے یہی حال اس علم کے گدائے بے نوا کا ہے کہ اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب خسروان علم و حکمت کے دروازوں سے ملی ہوئی بھیک ہے جو ایک دروازہ میں جمع کر دی گئی ہے اور اکثر و بیشتر ان دروازوں کے نام بھی بتلا دیئے ہیں جہاں سے یہ تفسیر بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ مانگا اور لینا ہو تو وہ خود ان دروازوں پر پہنچ جائے اس انہماک

حقیقت کے بعد امید ہے کہ احباب کرام کس بھیجاں کو اس تالیف میں ایک دسترخوان بچھانے والے سے زیادہ نہ بکھیں گے۔ اور گاہ بگاہ اس سفرہ چین کو جو غرق معصیت ہے دعا مغفرت سے نواز دیا کریں گے۔ اس سفرہ جو خدام دسترخوان بچھائے اور اس پر کھانے مار چنے اس کا بھی کچھ حق ہے۔ علمی سفرہ چین کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازیں اور اس خیرت کی ذلت اور ندامت سے محفوظ رکھیں۔ آمین

مرض حال کے بعد اب یہ ناچیز اپنے خدائے پروردگار سے بصد ہزار عجز و نیاز ملتی ہے کہ اس تفسیر کو اس فقیر و حقیر کے ہاتھ سے تکمیل کو پہنچائے اور اس کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے اور میری اولاد جسمانی اور روحانی کے لیے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لیے عفو و مغفرت اور نافع اور مشعل ہدایت بنائے آمین۔ اور اس تحریر پر اپنا تقصیر کو اس فقیر و حقیر کے لیے زادِ معاد اور توثرہ آخرت اور خیر جاری اور ذریعہ مغفرت اور سرمایہ سعادت بنائے آمین یا رب العالمین

ویرحمہ اللہ عبد اقبال آمین

در قیامت ہر کے دردستِ رزنامہ من نیز ماضی شوم تفسیر قرآن در بغل
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وثب علينا انت انت التواب الرحيم

بسنۃ نایز

محمد ادریسؒ کان اللہ وکان ہوللہ ووفقہ لما یحب

دیر ضاہ و جعل آخرتہ خیر امن اولاہ۔ آمین

۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ ہجری

جامعہ اشرفیہ لاہور
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت تفسیر معارف القرآن

مُقرآن بابر معارف القرآن اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی مٹھ حرکہ دارالعلوم الحنبلیہ (جنوب)
منہجہ دلپور رائے پور ضلع خود دہارہ کھوایا ہے اور چھاپا ہے

ہماری طرف سے اجازت ہے جس کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھاپیں اور فروخت کریں

دکتر محمد رفیع

۲۷/۱/۹۹



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین جلد اول تفسیر "معارف القرآن"

سُورَةُ فَاتِحَةٍ وَبَقَرَةِ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون (سُورَةُ فَاتِحَةٍ)
۲۷	ایمان اور کفر کی تعریف و تشریحات	۱	سُورَةُ فَاتِحَةٍ کی تفسیر
۲۹	مسئلہ تکفیر اہل قبلہ	۲	اسماءِ سُورَةُ فَاتِحَةٍ
۵۳	ایمان کیلئے کفر سے برأت اور بیزاری شرط ہے	۶	استعاذہ
۵۶	ایمان کی صورت اور اس کی حقیقت	۱۲	خلاصہ
۵۹	ایمان کے وجودی مراتب	۱۷	مالک اور ملک کی وجوہات ترجیح
۶۰	غیب سے کیا مراد ہے	۲۱	سوال در بارہ استغانت بغیر اللہ و جواب
۶۱	ایک لطیفہ	۲۵	ہدایت کا معنی اور صراطِ مستقیم کی وضاحت
۶۱	یقینون الصلوٰۃ کی تفسیر	۳۲	اسرار مجہودہ و سورت
۶۲	دعا رقبہم یتفقون کی تفسیر اور مصارفِ سجود	۳۳	فائدہ (ختم فاتحہ پر ایمین کا حکم)
۶۵	صفات کفرین	۳۴	صلوٰۃ مسلمین و صلوٰۃ نصاریٰ کا تقابل
۶۶	کفر کی تعریف		سُورَةُ الْبَقَرَةِ
۶۷	اقسام کفر	۳۶	تفسیر سورہ بقرہ
۶۸	نکتہ ختم اللہ علی قلوبہم کی تفسیر کہ ختم اور غشا وہ سے کیا مراد ہے	۳۸	سورہ بقرہ کا سورہ فاتحہ کیساتھ ربط
۷۳	لطائف و معارف (قلب کی تعریف)	۴۴	الہ (حروف مقطعات کی تحقیق)
۷۴	سمع، البصار، ختم و غشا وہ کی تحقیق	۴۵	صفات مومنین مخلصین
۷۸	قبائح منافقین - پہلی قباحیت	۴۶	مراتب تقویٰ - پہلا مرتبہ، دوسرا مرتبہ
			تیسرا مرتبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۷	ذکر تخلیق سامان حیات روحانی و اعطاء خلافت ربانی	۷۹	فوائد
	حقیقت ملائکہ	۸۱	مناقضین کی دوسری قباحات
۱۲۱	جواب تفصیلی بعد جواب اجمالی	۸۳	مناقضین کی تیسری قباحات
۱۲۲	فائدہ	۸۴	مناقضوں کی چوتھی قباحات
۱۲۴	ایک شد اور اسکا ازالہ	۸۷	مناقضین کی دو مثالیں
۱۲۵	فائدہ	۹۲	مثال اول مناقضین
۱۲۶	فائدہ	۹۴	مناقضین کی دوسری مثال
۱۲۷	مناظرہ عدو اللہ دربارہ خلافت خلیفہ اللہ	۹۶	تعلیم توحید
۱۲۸	فائدہ	۹۸	فائدہ
۱۳۰	خلاصہ کلام	۱۰۰	اثبات رسالت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم
۱۳۲	فائدہ	۱۰۱	بعض اثبات حقیقت قرآن عظیم
	فائدہ ۱ ۲ ۳	۱۰۲	پچھلی آیات سے ربط اول و ربط دیگر
۱۳۴	ازالہ اشتباہ از لغزش سیدنا دایمہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و تحقیق مسلک علماء اسلام دربارہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام	۱۰۳	فائدہ
۱۳۵	عصمت کے معنی	۱۰۴	ذکر معاد یعنی قیامت کا بیان و بشارت
۱۳۶	عصمت کے معنی	۱۰۵	مومنین صالحین
۱۳۹	متعلقات عصمت : قسم اول	۱۰۶	ربط
۱۴۰	قسم دوم ، قسم سوم ، قسم چہارم	۱۰۷	فائدہ
۱۴۵	دلی اور رسول میں فرق	۱۰۸	قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر ایک شبہ اور
۱۴۶	فائدہ : عصمت انبیاء اور حفاظت اولیاء میں فرق	۱۰۹	اداسکا جواب
۱۴۷	دلائل عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۱۰	مراتب ہدایت : مرتبہ اولی
۱۴۸	دلیل اول	۱۱۱	مرتبہ ثانیہ
۱۴۹	دلیل دوم	۱۱۲	مراتب اضلال : معنی اول
۱۵۰	دلیل سوم ، دلیل چہارم ، دلیل پنجم	۱۱۳	معنی ثانی
			استعجاب بر کفر و نافرمانی و تذکیر انعامات
			ربانی اور مبادر و معاد کی یاد دہانی
			ذکر تخلیق سامان حیات جسمانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۶	انعام اول	۱۴۹	دلیل ششم، دلیل ہفتم، دلیل ہشتم
۱۷۷	فائدہ	۱۵۰	دلیل نہم، دلیل دہم، دلیل یازدہم
۱۷۸	تنبیہ - انعام دوم - انعام سوم	۱۵۱	دلیل دوازدہم، دلیل سیزدہم، دلیل چارہم
۱۷۹	انعام چہارم	۱۵۱	دلیل پانزدہم
۱۸۲	انعام پنجم - حکایت - انعام ششم	۱۵۲	دلیل شانزدہم، دلیل ہفدہم -
۱۸۳	انعام ہفتم - فائدہ	۱۵۳	اعادۂ حکم یہود فائدہ
۱۸۴	انعام ہشتم	۱۵۴	فائدہ - یہود آدم علیہ السلام کے اسرار و حکم
۱۸۵	انعام نہم	۱۵۴	فائدہ مستطاب قصہ آدم صلی اللہ علیہ نیناد علیہ
۱۸۶	فائدہ - انعام دہم	۱۵۵	دس لم وبارک و شرف و کرم - فائدہ ۱
۱۸۸	تمتہ انعام دہم - فائدہ	۱۵۸	فائدہ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶
۱۸۹	فائدہ ۱ ۲	۱۵۹	فائدہ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰
۱۹۰	ذکر شائع بنی اسرائیل بیان لغت ایشال	۱۶۳	فائدہ ۱۱ فائدہ جلیلہ ترک اطاعت و ارتکاب
	بانیار رب جلیل - شاعت اول کفران		منصیت میں فرق -
	نعمت بنا بردنارت و حساست		تذکرۃ اجمالی انعامات خاصہ براسلاف یہود
۱۹۱	فائدہ		دائر ایشال بانیار یہود و نہی از دین فروشی
۱۹۲	فائدہ		دحق پوشی یعنی ان نعمتوں کا بیان جو خاص
۱۹۴	ذلت سے نکلنے اور عزت میں داخل ہونیکا		بنی اسرائیل پر مبذول ہوئیں -
	طریقہ - تنبیہ	۱۶۷	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۱۹۵	فائدہ (صائبین کی تفسیر)	۱۶۸	تو بیخ عالم ہے صل
۱۹۶	شاعت دوم، فائدہ	۱۶۹	تنبیہ
۱۹۹	شاعت سوم	۱۷۰	اصلاح نفس کا طریقہ اور حبیب ال وحبیب جا
۲۰۰	فائدہ (مسخ کی قسین)		کا علاج
۲۰۱	فائدہ (مسخ شدہ ہلاک ہوئے)	۱۷۱	فائدہ
۲۰۳	شاعت چہارم - معاندانہ سوالات	۱۷۵	تفصیل انعامات و عنایات خداوند جلیل و شریف
۲۰۵	فائدہ ۱		جنایات و تفسیرات قوم بنی اسرائیل و حکم مراقبہ جنایات
۲۰۶	فائدہ ۲ شاعت پنجم -		و ملاحظہ جنایات کہ در حیار اکیر وارد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۶	شناخت ہفتم	۲۰۷	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۲۳۷	فائدہ ۱ (گوسالہ پرست حلوئیہ یا مجسمہ تھے)	۲۰۹	استعجاب بر قساوت بعد مشاہدہ عجائب قدرت
۲۳۸	شناخت ہشتم	۲۱۰	فائدہ (سبب قساوت در دل) ایک شبہ اور جواب
۲۳۹	شناخت نوزدہم	۲۱۳	شناخت ششم متضمن بدفع کلفت بامین و مشفقین از انتظار و طبع ایمان معاندین
۲۴۰	فائدہ ۱ (لایات تمنا موت)	۲۱۴	فائدہ ۱ (توریت میں تحریف)
۲۴۱	فائدہ ۲ تمنا موت کا خطاب عام ہے	۲۱۵	شناخت ہفتم
۲۴۱	فائدہ ۳ یہود نے زبان سے یہ تمنا نہ کی	۲۱۶	تحقیق یہودیہ بہہود - تنبیہ
۲۴۲	شناخت ہفتم	۲۱۷	شناخت ہشتم، شناخت نہم
۲۴۳	نکتہ (نزول کلام کے دو طریقے)	۲۱۹	شناخت دہم
۲۴۴	شناخت بست و یکم	۲۲۰	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۲۴۵	فائدہ شیطین کا سحر کفر ہے و	۲۲۱	فائدہ ۳ (کافر محمد فی النار ہے)
۲۴۶	قصہ ہاروت و ماروت	۲۲۲	شناخت یازدہم
۲۴۷	تحقیق قصہ ہاروت و ماروت	۲۲۳	فائدہ اولی
۲۴۸	خلاصہ کلام (دوبارہ قصہ ہاروت و ماروت)	۲۲۴	فائدہ دوم، فائدہ سوم، فائدہ چہارم
۲۴۹	ایک شبہ اور ازالہ ایک اور اشکال و جواب	۲۲۵	فائدہ پنجم در بیان رزق مارت و ملامت
۲۵۰	فائدہ ۱	۲۲۶	شناخت دوازدہم
۲۵۱	شناخت بست و دوم متضمن بتلقین احباب	۲۲۷	فائدہ
۲۵۲	باو اب خطاب فائدہ ۱ امت محمدیہ کو امتیاسی جگہ	۲۲۸	شناخت سیزدہم
۲۵۳	خطاب	۲۲۹	فائدہ کذب کفر ماضی اور تفتلون مفسد کافر
۲۵۴	فائدہ ۱ (دوم توہین الفاظ کا استعمال ہے)	۲۳۰	شناخت چہارم
۲۵۵	فائدہ ۲ نبی کی تحقیر اشارہ و کنایہ بھی کفر ہے	۲۳۱	فائدہ (غلف کی تحقیق)
۲۵۶	شناخت بست و سوم شان نزول آیت مذکورہ	۲۳۲	شناخت پانزدہم
۲۵۷	فائدہ (رحمت سے مراد) شناخت بست چہارم	۲۳۳	شناخت شانزدہم
۲۵۸	مشتمل بر تحقیق نسخ - شان نزول تفصیل	۲۳۴	
۲۵۹	فائدہ اولی (نسخ کے معنی) فائدہ ثانیہ نسخ لایت کی	۲۳۵	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۵	فائدہ مقام ابراہیم کی تحقیق نکتہ	۲۵۸	فائدہ سوم (نسج کی قسمیں) فائدہ چہارم (نسج اور امر و نہی میں ہے)
۲۸۶	دعائے ابراہیم برائے حرم و ساکنان حرم	۲۵۹	فائدہ پنجم (نسج باعتبار کثرت ثواب)
۲۸۷	دعائے ابراہیم واسمعیل برائے قبولیت خدمت تعمیر بیت اللہ	۲۵۹	شناخت بستی و پنجم
۲۸۸	دعا ابراہیمی برائے وجود امت مسلمہ و قوم مسلمانان و ظہور رسول محترم از ساکنان حرم کہ صاحب قرآن و خاتم پیغمبران باشد	۲۶۰	شناخت بستی و ششم
۲۹۲	لطائف و معارف	۲۶۱	شناخت بستی و ہفتم با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۴	ترغیب تاکید اتباع ملت ابراہیمی کہ عین توحید و عین ملت اسلام است فضائل ملت اسلام	۲۶۲	فائدہ تشبیہ با قول و مقولہ
۲۹۶	یہودیت اور نصرا نیت کی طرف دعوت دینے و لوگو جواب	۲۶۵	شناخت بستی و نہم با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۷	فائدہ جلیلہ (مفید مسلم کا انتخاب)	۲۶۷	شناخت سی ام ایضا با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۸	فائدہ دیگر (ہر شریعت میں تین چیزیں تعلیم طریقہ ایمان	۲۷۰	فائدہ مسیح ابن اللہ کے بارے میں نصاری کی تاویل جواب عذر لنگ مع جواب
۲۹۹	تقریر بر مضمون سابق مع توبیخ و تقریر	۲۷۱	شہ (موجود کو وجود کا حکم) جواب
۳۰۰	فائدہ "صفت اللہ" کا اعراب	۲۷۲	شناخت سی و یکم ایضا با شتر اک نصاری و مشرکین
۳۰۱	ملقین جواب از مجادلہ اہل کتاب	۲۷۳	فائدہ تشبیہ اور تشابہ میں فرق
۳۰۲	فائدہ آیت مذکورہ کا تکرار	۲۷۴	حائزہ کلام و اتمام حجت و الزام و تسدیر سیلان علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام
۳۰۳	پارہ دوم سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ	۲۷۵	فائدہ
۳۰۴	اثبات فضیلت قبلہ ابراہیمی و اسرار توحیل قبلہ و آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ کے بارے میں قول اول و قول ثانی	۲۷۶	تحریر تذکر و اعادہ تحذیر
۳۰۵	شان نزول	۲۷۷	قصہ کامیابی ابراہیم خلیل علیہ السلام در امتحان خداوند جلیل و توحیل کلام از ذکر بنی اسرائیل برائے ذکر بنی اسمعیل علیہ السلام
۳۰۶		۲۷۸	فائدہ ظلم و فسق بمقابلہ عدالت و تقویٰ
		۲۷۹	اقوال مفسرین در تفسیر کلمات ابتدائے قصہ بنائے خانہ تجلی آشیانہ و فضائل قبلہ اسلام و ملقین آداب بیت حرام (فائدہ مشابہ کا معنی)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۱	رجوع بخطاب یہود و عید برکتان حق و مجود	۳۰۸	تمام اشعار پر امت محمدیہ کو فضیلت
۳۳۲	اعلان توحید	۳۰۹	فائدہ ۱ امت وسطا کی وضاحت
۳۳۳	دلائل توحید	۳۱۰	تحويل قبلہ پر ایک شبہ مع الجواب
۳۳۶	حکایت	۳۱۱	ایک شبہ اور اسکا ازالہ
۳۳۷	استعجاب استبعاد براتخاذ انداد بعد واضح	۳۱۲	تحويل قبلہ کا حکمانہ جواب، حکمت اول
۳۳۹	شدن وحدانیت رب عباد	۳۱۴	عاد اہل کتاب در بارہ قبلہ
۳۴۰	انجام شرک - فائدہ	۳۱۵	عاد اہل کتاب در بارہ صاحب قبلتین در رسول
۳۴۱	خطاب عام و تذکیر العالم و الباطل رسوم شرکیہ		تلقین صلی اللہ علیہ وسلم و حکمت اول
۳۴۱	و تفصیل حلال و حرام		در تحويل قبلہ
۳۴۱	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۱۶	حکمت دوم در تحويل قبلہ و حکمت سوم در
۳۴۲	فائدہ ۴		تحويل قبلہ
۳۴۳	خطاب خاص بر اہل اختصاص	۳۱۷	حکمت چہارم، حکمت پنجم تحويل قبلہ کا حکم کر
۳۴۹	ذکر محرمات معنویہ مثل دین فروششی و		لانے کی حکمت
	حق پوششی	۳۱۸	بیان وظائف رسول اعظم کہ از قبلہ براہیسی و حرم
۳۵۱	البواب البر والصلۃ اصول بر		محترم مبعوث باشد
۳۵۲	فائدہ (آیت ہدایں بر کی چھ قسمیں)	۳۲۰	تلقین ذکر و شکر (فائدہ غفلت قلب کے لئے ذکر)
۳۵۲	فروع بر یعنی احکام عملیہ و فرعیہ کا بیان -		نکتہ
	حکم اول در بارہ قصاص -	۳۲۱	طریقہ تحصیل ذکر و شکر و بیان فضیلت صبر
۳۵۶	فائدہ - مساوات در قتل و در کیفیت قتل	۳۲۲	بیان حیات شہدا کہ از ثمرات صبر است
۳۵۸	حکم دوم وصیت	۳۲۳	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۳۵۹	حکم سوم صوم	۳۲۴	بیان استحباب صبر و بشارت صابرین و جزا صبر
۳۶۲	تعیین ایام معدودہ	۳۲۵	فائدہ ۱ اللہ عز و اسی امت کیساتھ مخصوص ہے
۳۶۳	نزل قرآن اور صیام رمضان میں مناسبت	۳۲۶	فائدہ ۱ (اللہ کی منفعت)
۳۶۵	فائدہ جلیلہ فرضیت رمضان سے پہلے صیام	۳۲۷	فائدہ ۲ فائدہ ۳
	کی فرضیت	۳۲۸	استشہاد بر فضیلت صبر شان نزول
۳۶۶	اقوال علماء کرام در بارہ تغیر بیت فدیہ صیام	۳۲۹	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰۲	فائدہ اول	۳۶۶	گرہ اول
۴۰۳	فائدہ دوم	۳۶۷	دوسرا گرہ توجیہ اول
۴۰۴	فائدہ سوم	۳۶۸	دوسری توجیہ
۴۰۵	تنبیہات و تہدیدات	۳۶۹	تیسری توجیہ خلاصہ کلام
۴۰۸	حکم یزدہم متعلق بمصارف اتفاق	۳۷۰	ترغیب بے تلقین تکبیر و شمار
۴۱۰	حکم چار دہم متعلق بفریضہ جہاد و قتال در شہر حرام	۳۷۱	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۴۱۱	شان نزول	۳۷۲	فائدہ ۳ فائدہ ۴
۴۱۳	انجام ازتداد مسند ۱	۳۷۳	حکم چارم متعلق بسجود و افطار
۴۱۴	مسند ۲ حکم پانزدہم متعلق بشراب قمار	۳۷۴	فائدہ ۱ فائدہ ۲ (خیط ایضاً کا استعارہ)
۴۱۵	فائدہ شراب کی ممانعت بتدریج نازل ہونی	۳۷۵	فائدہ ۳ - حکم پنجم در بارہ اعتکاف
۴۱۶	حکم شانزدہم متعلق بمقدار اتفاق	۳۷۶	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳ - فائدہ ۴
۴۱۸	حکم ہفدہم متعلق بخلعت یتیم	۳۷۷	حکم ششم منع از مال حرام
۴۱۹	حکم ہش دہم مناکحت کفر	۳۷۸	مسند
۴۲۰	فوائد	۳۷۹	حکم ہفتم اعتبار حجاب قمری
۴۲۱	حکم نوزدہم حرمت جماع در حالت حیض	۳۸۰	حکم ہشتم اصلاح بعض رسوم جاہلیت
۴۲۳	حکم بستم متعلق براحترام نام پاک خلونہ نام	۳۸۱	حکم نہم متعلق بقتل کفار
۴۲۴	شان نزول	۳۸۲	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳
۴۲۵	فائدہ ۱ اقامہ یسین قسم اول، دوم، سوم	۳۸۳	حکم دہم اتفاق فی الجہاد - فائدہ -
۴۲۶	فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۸۴	حکم یازدہم متعلق حج و عمرہ
۴۲۷	حکم بہت ویکم ایلا فائدہ ۱ فائدہ ۲	۳۸۵	تتمہ احکام حج
۴۲۸	فائدہ ۳، فائدہ ۴، فائدہ ۵	۳۸۶	اباحت تجارت در زمانہ حج -
۴۲۹	حکم بہت و دوم و سوم عدت، طلاق، میت و حجت	۳۸۷	اہل ذکر و اہل دعا کے اقامہ
۴۳۰	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۸۸	فائدہ ایام معدودات کی تحقیق
۴۳۱	حکم بہت و چہرہم عدد طلاق رجعی	۳۸۹	تقسیم دیگر
۴۳۲	حکم بہت و پنجم خلع	۳۹۰	فائدہ - (یشری کے معنی)
		۳۹۱	حکم دوازدہم استسلام تمام و قبول جمیع احکام اسلام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۰	خاتمہ احکام معاشرت برتذکیر آخرت، حکایت	۴۳۳	حکم بست و ششم حلالہ و طلاق ثلاث
۴۶۱	قصہ گریزندگان از موت و دبار برائے تنبیہ	۴۳۴	فائدہ
۴۶۲	شیفتگان حیات دنیا و تمہید تشبیح بر جہاد و	۴۳۵	نصیحت
۴۶۳	قتال و ترغیب النفاق مل	۴۳۶	حدیث ابن عباسؓ
۴۶۴	نکتہ زیہ موت، موت محقوبت تھی) فائدہ	۴۳۷	اہل سنت و جماعت کے دلائل
۴۶۵	پانچ فائدے	۴۳۸	اجماع صحابہ کرامؓ
۴۶۶	تشبیح کریمین بر جہاد و قتال کفرین	۴۳۹	حدیث بن عباس کا جواب جواب اول
۴۶۷	ترغیب النفاق مل و در راہ خداوند ذوالجلال	۴۴۰	جواب دوم، جواب سوم
۴۶۸	فائدہ ۱ (خدا کی راہ میں دینیکو مجازاً قرض کہا)	۴۴۱	حکم بست و ہفتم منع از ضرر آرد و جہاز لعل
۴۶۹	فائدہ ۲ (حضرت ابوالدرداءؓ کا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا)	۴۴۲	یا حکام خداوندی
۴۷۰	فائدہ قرض دینے کا اجر	۴۴۳	حکم بست و ہفتم منع از اضرارنا و بعد از عدت
۴۷۱	قصہ طالوت و جالوت برائے ترغیب جہاد و قتال	۴۴۴	حکم بست نہم متعلق بہ رضاء
۴۷۲	در عایت آداب جہاد	۴۴۵	پانچ فوائد
۴۷۳	فائدہ نبی نبوت سے پہلے دلی ہوتا ہے	۴۴۶	حکم سی ام عدت و فاقہ زوج
۴۷۴	بیان حکمت مشروعیہ جہاد	۴۴۷	فائدہ ۱، ۲، ۳
۴۷۵	اثبات رسالت محمدیہ	۴۴۸	حکم سی یک متعلق پیغام نکاح وراثت عدت
۴۷۶	پاسرہ ۳ یتلک الرئس	۴۴۹	حکم سی دوم بابت ہر
۴۷۷	ذکر فضائل رسل و بیان حال ام	۴۵۰	فائدہ (ہر کی چار صورتیں)
۴۷۸	فائدہ ۱ (رفع بعضہم درجات سے کون مراد ہے)	۴۵۱	حکم سی سوم محافظت صلوات عموماً و صلوة
۴۷۹	فائدہ ۲ (یکسانیت کے بحار کی حکمت)	۴۵۲	وسطی خصوصاً
۴۸۰	فائدہ ۳ (انبیاء کے درمیان تفصیل و مفاضل کی حجت)	۴۵۳	فائدہ ۱ (صلوة وسطی کی تحیین) فائدہ ۲
۴۸۱	ترغیبات و ترمیمات و در بارہ صدقات و نفقات	۴۵۴	عصر کی تخصیص
۴۸۲	اثبات توحید ذات و کمال صفات (ایہ الکرسی)	۴۵۵	فائدہ (ام صاحب کے نزدیک صلوة خوف)
۴۸۳	فوائد لطائف	۴۵۶	حکم سی و چہارم وصیت برائے سکونت پیروہ
۴۸۴	فائدہ ۱ (کرسی کی تحقیق)	۴۵۷	فائدہ دعوتوں کے لئے سال کی وصیت کا حکم شروع
۴۸۵		۴۵۸	حکم سی پنجم متعلق برائے مطلقات فائدہ ۱، ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۵	احکام ربا (سود)	۴۹۱	فائدہ ۲ (آیت الکرسی سید الایات)
۵۲۶	فائدہ (اخلاص الیوم مثل الربا)	=	فائدہ ۳ الحی القیوم پر فہم عبد العزیز کا کلام
۵۲۷	بیع اور سود میں فرق	۴۹۴	حق و باطل اور نور و ظلمت کا فرق واضح ہے
۵۲۸	سود خوار کے استدلال کی ایک مثال و	۴۹۵	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
=	ربا کی اقسام	۴۹۶	فائدہ
=	سود کے حرام ہونے کی وجہ	۴۹۷	ذکر مہد و معاد
۵۳۰	سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے	۴۹۸	قصہ اول و بارہ اثبات وجود باری عز و جہ
۵۳۱	سود ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تنزل کا ذریعہ ہے	۴۹۹	فائدہ قصہ بارہیم بانہود آگ میں ڈال جانے کے بعد
۵۳۲	فائدہ و لطائف	=	کا ہے
۵۳۳	احکام قرض و رہن	۵۰۰	قصہ دوم برائے اثبات معاد یعنی اثبات حشر و نشر
۵۳۴	فائدہ ۱۔ فائدہ ۲۔ پانچ مسائل	۵۰۲	فائدہ حضرت عزیر کو چار نشانیاں دکھائی گئیں
۵۳۵	خاتمہ سورت = مشعل برتند کیر جلال خداوندی	۵۰۳	قصہ سوم نیز برائے اثبات حشر و نشر
=	وعظمت و تحذیر از محاسبہ آخرت و تلقین ایمان	۵۰۵	فائدہ و لطائف
=	در سمع و طاعت و تعلیم دعار فلاح دارین در	۵۰۸	حکایت رجوع با حکام صدقات
=	آخرت عفو و مغفرت در دنیا فتح و نصرت	۵۱۰	فضیلت اتفاق فی سبیل اللہ و ذکر بعض شرائط قبول
۵۳۵	مدح اہل ایمان	=	فائدہ
۵۳۶	بیان مدار تکلیف بعد از بیان مدح و توصیف	۵۱۲	مثال نفقات مقبولہ
=	تعلیم دعار جامع متضمن بصلاح دارین	۵۱۳	فائدہ ۱ (تبیہ تا من انفسہم) کے معنی
۵۹۷	فائدہ (خطا اور نسیان کا حکم)	۵۱۴	فائدہ ۲
۵۹۸	فائدہ (لا تھمل - ولا تحمل کافرق)	۵۱۵	مثال نفقات و طاعات غیر مقبولہ
۵۹۹	فائدہ (سورہ بقرہ کے خاتمہ پر ایمین)	۵۱۶	بیان بقیہ آداب صدقات و ذکر مصارف خیر
	تفسیر سورۃ آل عمران	۵۱۹	فائدہ
۵۵۰	سورہ بقرہ کے ساتھ ربط پانچ وجوہ سے	۵۲۱	حکایت (خلافتکم پر) فائدہ کفار کو صدقا
۵۵۳	اثبات توحید و بیان حکم ذرا بطلان الوہیت	۵۲۲	کا حکم
		۵۲۳	فائدہ مسلمانوں کو صدقا سوچ کر خرچ کرنا چاہیے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹۰	بشارت غلبہ مومنین براعدار ہنزان مناجات و دعا	۵۵۹	عیسیٰ ابن مریم و مناظرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۵۹۱	شان نزول	۵۶۱	بالنصاری بخران
۵۹۲	چار فائدے	۵۶۲	فوائد و لطائف
۵۹۳	مانعت دوستاں از دوستی دشمنان	۵۶۳	تفسیر آیات بسوئے حکمت و تشبیہات مع تفسیر
۵۹۴	شان نزول	۵۶۴	سامعین بسوئے زائفین فہم و راستین علم
۵۹۵	تین فائدے	۵۶۵	لطائف و معارف
۵۹۶	آغاز مضمون رسالت و بیان آئندہ معیار محبت	۵۶۶	مال و اولاد کے نشیمن حق سے استغفار پر
۵۹۷	خداوندی اتباع رسول است	۵۶۷	وعید و تہدید
۵۹۸	نکتہ	۵۶۸	ذکر استشہاد برائے دفع استبعاد
۵۹۹	ذکر اصطفاء بعض گزیدگان خداوندانام علیہم السلام	۵۶۹	فائدہ (دو آیتوں میں رفع تعارض)
۶۰۰	فائدہ — نکتہ	۵۷۰	فائدہ (مرد و عورت میں تفسیر میں اقوال)
۶۰۱	قصہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام	۵۷۱	بیان حقارت لذت و نیویہ
۶۰۲	فائدہ	۵۷۲	لطائف و معارف
۶۰۳	فوائد	۵۷۳	بیان نقاست نعمائے اخرویہ و مستحقین انہا
۶۰۴	قصہ دعا زکریا علیہ السلام برائے فرزندارجمند	۵۷۴	نکتہ
۶۰۵	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳ نکتہ	۵۷۵	صفات متعین
۶۰۶	تمتہ قصہ حضرت مریم علیہا السلام	۵۷۶	فائدہ (توت کا معنی)
۶۰۷	نکتہ (وامع کوا مع الذاکین کے سن)	۵۷۷	فائدہ ۲ شب اخیر کی تخصیص
۶۰۸	آغاز قصہ عیسیٰ علیہ السلام	۵۷۸	رجوع بسوئے مضمون و حید
۶۰۹	نکتہ	۵۷۹	بیان حقانیت اسلام و جواب مجادلہ
۶۱۰	حضرت مریم کا تعجب اور اس کا جواب	۵۸۰	مخالفتین اسلام
۶۱۱	خوارق عادات کے متعلق فلاسفہ اور ملاحدہ	۵۸۱	فائدہ (عنادی کیساتھ بحث یکبار ہے)
۶۱۲	کے شبہات کے جوابات	۵۸۲	ذکر بعض احوال شنیعہ یہود و عیسویہ
۶۱۳	فضائل و کمالات عیسیٰ علیہ السلام — نکتہ	۵۸۳	تین فوائد
۶۱۴	ذکر عداوت یہود با عیسیٰ علیہ السلام و حفاظت	۵۸۴	استعجاب بر اعراض اہل کتاب
۶۱۵	خداوندانام و بشارت رفع الی السہار و مغفولیت	۵۸۵	فائدہ (بقول فریق منہم اور وہم مع مضمون میں فرق)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۶۲	تذکیر یشاق انبیاء و توبیح بر انحراف ازاں	۶۲۲	از کرا اعداد
۶۶۳	تشریح آئہ رسول میں قول اؤں ہاکی تشریح	۶۲۲	بشارت اول بشارت دوم
۶۶۴	تشریح قول دوم - دونوں میں فرق	۶۲۳	بشارت سوم، بشارت چہارم، بشارت پنجم
۶۶۵	فائدہ یہ عہد کب لیا گیا	۶۲۴	استدلال بر نبوت محمد یہ بقصہ مذکورہ
۶۶۸	خلاصہ حقیقت اسلام و عدم قبول غیر دین اسلام	۶۲۴	نصاری کے ایک استدلال یا شبہ کا جواب
۶۶۹	فائدہ احکام کی دو قسمیں تشریح، تکوینی	۶۲۵	نکتہ
۶۷۰	بیان حکم مرتدین	۶۲۵	لطائف و معارف
	فائدہ کافروں کی تین قسمیں ہیں	۶۲۶	حکایت
		۶۲۸	نکتہ (توفی کے معنی)
		۶۳۱	نکتہ
		۶۳۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ پانچ وعدے
		۶۳۵	دعوت مباہلہ برائے تمام حجت براہی مجاہدہ
		۶۳۶	فائدہ (روافض کا آیت مذکور سے استدلال)
		۶۳۸	جواب
		۶۳۹	دعوت اہل کتاب بطف و عنایات
		۶۴۲	ابطال دعوائے اہل کتاب ذر بارہ ملت ابراہیم
		۶۴۵	ضروری تنبیہ (حضرت ابراہیم کے مسلم ہونیکا معنی)
		۶۴۹	یہودیوں کی شرارتوں، خیانتوں اور افترا پردازیوں
			کا بیان
		۶۵۰	فائدہ (آیات اللہ سے مراد)
		۶۵۳	اہل کتاب میں سے ہل امانت کی صحت اور
			اہل خیانت کی مذمت
		۶۵۶	مسکہ تحریر
		۶۵۹	ایک ضروری تنبیہ
		۶۶۰	اہل کتاب کا حضرات انبیاء پر افترا اور اس کی تردید
		۶۶۱	فائدہ (عبادت اور اطاعت میں فرق)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسم اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب مہربانی ہے جہاں کا بہت مہربان نہایت رحم والا

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ

مالک انصاف کے دن کا تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے

نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

مرد چاہیں جلا ہم کو راہ سیدھی

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ

راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے۔

سُورَةُ فَاتِحَةٍ كِي تَفْسِير

سورۃ فاتحہ جمہور علماء کے نزدیک مکی ہے بعض علماء اس کے مدنی ہونے کی طرف

لے منسجم گوید یعنی عالم انس و عالم جن و عالم ملائکہ و علیٰ ہذا القیاس - فتح الرحمن

گئے ہیں مگر یہ قول شاذ ہے۔ ابتداء بعثت میں سب سے پہلے اقرأ باسم ربك الم چند آئیں نازل ہوئیں جیسا کہ سمجھیں میں ہے اور چند روز کے بعد پوری سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ کے نازل ہوئی جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور ابو نعیم اور بیہقی کی دلائل النبوت میں عمرو بن شریح سے مرسل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے یہ فرمایا کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو غیب سے کچھ آوازیں سناتا ہوں خدا کی قسم مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی آپ کے ساتھ ایسا نہ کرے گا۔ خدا کی قسم آپ امانتیں ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اتفاق سے اسی وقت ابوبکر آگئے۔ حضرت خدیجہ نے کہا اے ابوبکر تم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ساتھ لیکر ورقہ کے پاس جاؤ اور یہ واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ہاتھ پکڑ کر ورقہ کے پاس لے گئے۔ ورقہ نے آپ سے حل دریافت کیا اس پر آپ نے یہ فرمایا۔

کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو پیچھے سے غیبی آواز یا محمد یا محمد کی سناتا ہوں، جس کی دہشت سے بھاگنے لگتا ہوں۔ ورقہ نے کہا ایسا مست کرو ٹھہر کر اس کی بات سنو اور پھر جو کہے۔ اس کی آکر مجھ کو خبر دو۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ایک جگہ تنہا تھے کہ آواز آئی، اے محمد یہ پڑھئے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ رب العالمین الی آخرہ سورۃ اس کے بعد کہا لا الہ الا اللہ کہو آپ یہ سب سن کر ورقہ کے پاس آئے اور سارا واقعہ ذکر کیا۔ ورقہ نے کہا اے محمد تم کو بشارت ہو اور پھر بشارت ہو تحقیق میں گواہی دیتا ہوں کہ تم بلاشبہ وہی نبی ہو کہ جن کی مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے اور تمہاری شریعت موسیٰ کی شریعت کے طرز کی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یقیناً نبی مرسل ہو۔

فقل اذا خلوت وحدی
سمعت نداء خلفی یا محمد
یا محمد فانطلق هارباً فی الارض
فقال لا تفعل اذا اتاک فاثبت
حتى تسمع ما یقول ثم ائتنی
فاخبرنی فلما خلا ناداه یا
محمد قل بسم اللہ الرحمن
الرحیم۔ الحمد لله رب
العالمین حتی بلغ و
لا تضالین قال قل لا الہ
الا اللہ فاتی ورقہ ف ذکر
ذلك له فقال لہ البشیر
البشیر فاتی اشهد انک الذی
بشیر بہ ابن مریم و
انک علی مثل ناموس
موسی و انک نبی مرسل
الحديث (تفسیر در مشنور ص ۱۱۵ ج ۱) و تفسیر قرطبی

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سورت ابتداء بعثت کے چند روز بعد اتاری ہے کہ جب خدیجہ الکبریٰ اور ابوبکر صدیق مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اور ورقہ بن نوفل بھی بقید حیات تھے۔ ابتداء بعثت میں نزول وحی کی شدت اور اس کی عجیب و غریب کیفیت کی وجہ سے جو اس سے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی تھی آپ پر ایک خاص خشیت اور دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب آدمی پر کوئی خاص کیفیت اور شدت طاری ہوتی ہے تو دل کی تسلی اور تشفی کے لیے اپنے محرم خاص اور محب بااختصاص سے ذکر کرتا ہے تاکہ دل کو سکون اور اطمینان ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے ذکر کرنا اور ورقہ کے پاس جانا محض اس لیے تھا کہ یہ محرم راز اور ہمدم و ہم ساز ہیں۔ حبیب اور لبیب ہیں۔ ہوشمند اور دانش مند۔ ذی علم اور ذی فہم ہیں ان سے مل کر تسلی ہوگی۔ معاذ اللہ آپ کو اپنی نبوت و رسالت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا اور نہ ورقہ سے کوئی تعین و تلقین مقصود تھی۔ ورقہ تو صرف تربیت اور انجیل کے ایک عالم تھے۔ اور حضرت تو اوتیت علو الاولین والآخرین کے مصداق تھے حضور ورقہ سے کیا علم اور فیض حاصل کرنے جاتے۔ اصل بات یہ تھی کہ ورقہ اگرچہ عالم تھے مگر صاحب حال اور صاحب کیفیت نہ تھے آپ کے قلب مبارک پر جو وحی کی کیفیت گزر رہی تھی اس کی حقیقت اور اس کی لذت کی کیفیت تو آپ ہی کو معلوم تھی۔ ورقہ ذوقی طور پر نہیں جانتے تھے۔ بلکہ محض علمی طور پر اتنا جانتے تھے کہ حضرات انبیاء پر نزول وحی کے وقت یہ کیفیات گزرتی ہیں۔ اس لیے وہ آپ کی تسلی کرتے تھے اور ایسے وقت میں تسلی اور تشفی وہی کر سکتا ہے کہ جس پر یہ حالت اور یہ کیفیت نہ گزر رہی ہو اور کچھ اجالی طور پر اس قسم کی چیزوں سے واقف اور باخبر ہو۔ جیسے بیمار دار بیمار کی تسلی کرتا ہے۔ ورنہ جس پر یہ کیفیت گزرے گی اور جس پر یہ حالت طاری ہوگی وہ خود ہی خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو جائے گا۔ اسے اپنی ہی خبر نہ رہے گی۔ دوسرے کی کیا تسلی اور کیا تشفی کرے گا۔ اور عقلاً یہ ضروری نہیں کہ تسلی دینے والا صاحب حال سے افضل اور اکمل یا اعلم و را فہم ہو۔ فافہم ذلک واستفہم۔ ورقہ بن نوفل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ انجیل متی کے باب سوم میں یوحنا حواری کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دینا مذکور ہے۔ اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا جائے۔

چونکہ سب سے پہلے اَنَّا اِیَّاسُوْہُ رَبِّکَ کا نزول ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ اللہ کے نام سے پڑھو اس لیے اس کے چند روز بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کا نزول ہوا یعنی ہم اسی حکم سابق کے مطابق اللہ ہی کے نام سے پڑھتے ہیں۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ مگر صحاح ستہ

کی تمام روایتوں میں سورۃ اقرار کی ابتدائی آیتوں کا سبب سے پہلے نازل ہونا مذکور ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ عجیب نہیں کہ ان بعض علماء کی مراد یہ ہو کہ سب سے پہلے پوری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ اقرار ابتداءً پوری نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی چند آیتیں اتریں اور بقیہ سورت بعد میں نازل ہوئی اور سورۃ فاتحہ پہلی ہی مرتبہ میں پوری نازل ہوئی جیسا کہ روایت مذکور سے ظاہر ہے۔

اسماء سورۃ فاتحہ

اس سورت کے بہت سے نام ہیں مشہور نام فاتحہ ہے اس لئے کہ قرآن شریف اسی سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ الحمد ہے۔ اس لئے کہ ابتداءً میں یہ لفظ حمد واقع ہے اور اس سورۃ کو فاتحۃ الکتاب اور فاتحۃ القرآن بھی کہتے ہیں اس لئے کہ کتاب الہی کا آغاز اور شروع اسی سورت سے ہوتا ہے اور اس کا ایک نام ام الکتاب بھی ہے یعنی تمام کتاب الہی کا خلاصہ اور اجمال۔

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عالم کی ہدایت کے لئے ایک سو چار کتابیں مختلف انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر اتاریں اور تمام علوم اور حکمتوں کو ان میں ودیعت رکھا اور پھر ان سب کا خلاصہ تو رسمیت و انجیل و زبور و قرآن حکیم میں درج فرمایا اور پھر ان سب علوم کو قرآن حکیم میں بھر دیا اور پھر قرآن کے تمام علوم کو مفصل میں اور علوم مفصل کو فاتحۃ الکتاب میں ودیعت فرمایا اور فاتحۃ الکتاب کے علوم کو اپنی حکمت بالغہ سے ﷺ الرحمن للرحیم میں بھر دیا۔

کہتی ہے سوز بان سے قرآن کی خاموشی

لاذیب ذات پاک کی سچی کتاب ہوں

مجھ میں بھرے جہاں کے علوم و فنون ہیں

قرآن میرا نام ہے ام الکتاب ہوں

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الکثر بھی ہے۔ یعنی یہ علوم الہی کا ایک عظیم خزانہ ہے ایک حدیث میں ہے کہ یہ سورت ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے اور چونکہ اس سورت میں حق جل شانہ نے بندوں کو اپنی بارگاہ میں عرض و معروض کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اس لئے اس سورۃ کا نام تعلیم المسئلہ بھی ہے یعنی جب ہمارے دربار میں حاضر ہو، کرو تو اس طرح معروض کیا کرو کہ اپنی التجار پیش کرنے سے پہلے خدا کی حمد و ثناء کرو اور اسکی عظمت اور طاقت اور اسکی قدرت اور ربوبیت کا دل اور زبان سے اعتراف کرو اور پھر اس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو اور اسی کو اپنی حاجتوں کا برلانی والا اور معین و مددگار سمجھو اور یہ دعا مانگو کہ اے اللہ

ہیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تیرا فضل و کرم ہو چکا ہے نہ ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تیرا قہر و غضب ہوا اور نہ مگرہوں کا راستہ۔ سبحان اللہ کیسی دعا ہے جو دین و دنیا کی ایسی تمام نعمتوں کو شامل ہے جو قہر و غضب و مگرہی سے پاک صاف ہوں یعنی سعادت عطا فرما اور شقاوت سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل انعام کی طرح ہم کو فضائل سے آراستہ فرما اور اہل غضب اور اہل ضلال کے ذمائم اور ذرائع سے ہم کو بچاتا کہ ناسکار و ناہنجار بندے تیرے مقبول بندوں کی صف میں گھرے ہو کہ تیرے انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اہل عقل خود کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر کوئی دعا ہو سکتی ہے جو لاکھوں امیدوں اور آرزوں کو اپنے اندر لیے جوتے ہو۔ اور اس سورت کا ایک نام سورۃ الشفار اور سورۃ شافیہ بھی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ سورۃ فاتحہ ہر مرض کے لیے شفا ہے اور ایک نام اسکا کافیر اور وافیہ بھی ہے کہ خیرات برکت کے لیے کافی اور وافی ہے اور اس سورت کا ایک نام سورۃ الصلاۃ بھی ہے کہ نماز میں اسکا پڑھا جانا ضروری ہے جانا چاہیے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھا جانا ضروری ہے۔ مگر ہر نمازی کے لیے نہیں بلکہ جو امام ہو یا منفرد ہو یعنی اپنی تنہا نماز پڑھتا ہو۔ اس کے لیے نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سنا اور خاموش رہنا فرض و لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ پڑھنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے قُلْ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَخُذُوْا اِلَیْهِ ذُرُیَّتَکُمْ وَرِجَالَکُمْ لَا تَمْلُکُوْا یَوْمَ الْقُرْآنِ اِنَّ یَوْمَ الْقُرْآنِ اَکْبَرُ لَکُمْ اَنْ تَسْمَعُوْا اِنَّ یَوْمَ الْقُرْآنِ اَکْبَرُ لَکُمْ اَنْ تَسْمَعُوْا اِنَّ یَوْمَ الْقُرْآنِ اَکْبَرُ لَکُمْ اَنْ تَسْمَعُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو نہایت غور اور توجہ کے ساتھ امام کی قرأت کی طرف کان لگا کر سنو اور بالکل خاموش رہو۔ امید ہے کہ اگر تم نے امام کی قرأت کو سنا اور خاموش کھڑے رہے اور امام کے ساتھ قرآن میں کوئی منازعت اور مخالفت نہ کی تو تم پر رحم کیا جائے گا۔ یعنی مقتدیوں سے رحمت خداوندی کا وعدہ استماع اور انصاف کے ساتھ مشروط ہے ورنہ پھر یہ وعدہ نہیں اور یہ آیت بالجماع قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ امام بیہقی اور زر قالی نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ لا صلۃ الا بفاتحۃ الكتاب کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ سو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ سے ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ یہ حکم امام اور منفرد کا ہے۔ احادیث دو قسم کی ہیں ایک وہ قسم ہے کہ جس میں امام اور منفرد کے احکام وارد ہوئے ہیں ان میں یہ آیا ہے کہ نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور دوسری قسم احادیث کی وہ ہے کہ جس میں مقتدی کے احکام آئے ہیں ان تمام احادیث میں صرف یہی حکم آیا ہے اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو امام کے احکام الگ ہیں اور مقتدی کے احکام الگ اپنی اپنی جگہ دونوں ٹھیک ہیں امام پڑھے اور مقتدی خاموش رہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ بعض علماء کے نزدیک سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کا جزو ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سوائے سورۃ نمل کے کسی سورۃ کا جزو نہیں دو سورتوں میں محض فصل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ تبرکاً ہر سورت کے ابتداء میں اسکو لکھا جاتا ہے۔
سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلو کاں لا یعرف فصل السورۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو
سورتوں میں فصل نہ جانتے تھے یہاں
تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی۔

اسی وجہ سے بسم اللہ الخ کو نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ جہراً نہیں پڑھا جاتا تا کہ جزو فاتحہ ہونے کا وہم نہ ہو۔ اور اسی لیے بسم اللہ الخ کو کسی سورۃ کے ساتھ ملا کر نہیں لکھتے بلکہ ہمیشہ سورۃ سے علیحدہ دو خطوں کے درمیان میں لکھتے ہیں تا کہ جزو سورت ہونے کا شبہ نہ ہو مگر سورۃ نمل میں بسم اللہ بالاتفاق سورت کا جزو ہے اس لیے اس کو مثل دیگر آیات کے ملا کر لکھا جاتا ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کی مستمر سنت یہ تھی کہ بسم اللہ کو نماز میں آہستہ پڑھتے تھے۔ (ابن کثیر۔ ترمذی۔ زاد المعاد)

امام ابو بکر رازی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں اس مسئلہ کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کا خوب مدلل اور مبرہن ہونا ثابت کیا ہے حضرت اہل علم اسکی طرف مراجعت فرمائیں۔

بسم اللہ کے شروع میں جو باب ہے بعض علماء کے نزدیک وہ مصاحبت اور الصاق کے لیے ہے اور بعض علماء کے نزدیک استعانت کے لیے ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں ابتداء ہی سے اپنی عبودیت اور عجز و استکانت کا اظہار اور پہلے ہی وہلہ میں اپنی حول اور قوت سے تبری کا اعلان ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی اعانت اور توفیق سے ہم شروع کرتے ہیں۔ حاشا اپنی حول اور قوت سے نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور بارگاہ الوہیت کا ادب بھی اسی کو مقتضی ہے کہ وہاں عبودیت اور تذلل ہی کا اظہار ہو۔ اور ادعا و مصاحبت نہ ہو۔ تَعْلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً اور یہی معنی اِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ کے زیادہ مناسب ہیں اور یہی معنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے مراد ہونے کی وجہ سے کُنْزٌ مِّنْ كُتُوْبِ الْجَنَّةِ (یعنی جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ) کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور بسم اللہ کی با کا کسرہ بھی انکسار اور ذل عبودیت ہی کی طرف مشیر ہے۔

اللہ اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے اور ہر قسم کے عیب اور نقص کے شائبہ اور راہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اور اسی وجہ سے لفظ جلالت ہمیشہ موصوف

ہی واقع ہوتا ہے اور اسماء حسنیٰ کو بطور صفت اس اسم عظیم کے بعد ذکر کیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ
 هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
 هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْتِمِرُ
 الْمُهَيَّمُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ
 الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط

اور یہ اسم عظیم رب اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اسکا اطلاق ہمیشہ سے صرف اسی وحدہ
 لا شریک لئے کی ذات پاک کے لیے ہوا ہے جس طرح کوئی اس کی ذات اور صفات میں اسکا شریک
 و سیم نہیں۔ اسی طرح اس اسم عظیم میں بھی اسکا کوئی قیم نہیں۔ اسی وجہ سے تمام اولیاء اللہ کا
 مسلک یہ ہے کہ کم ذات ہی اکم عظم ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بھی لفظ اللہ ہی کو اسم اعظم فرمایا ہے
 جیسا کہ امام عسکری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

محمد بن حسن نے روایت کیا امام ابو حنیفہؒ
 سے کہ اسم اعظم وہ لفظ اللہ ہے کہا محمد
 بن حسن نے اس لیے کہ رحمن مشتق
 ہے رحمت سے اور رب مشتق ہے
 ربوبیت سے اور اس قسم کی مثالیں
 ذکر فرمائیں اور لفظ اللہ کسی شئی سے
 مشتق نہیں۔

(مشکل الآثار)

خوشتر از آب حیات ادراک تو
 ہر بنی مواز عسل جوئے شود
 شیر و ملکہ می شود جانم تمام
 حرف حرفش میدہد جان را رواق
 جان جان و محی عظم ربیم

(خاتم ثنوی از مفتی الہی بخش کاندھلوی قدس اللہ سرہ)

اسم اللہ کے بعد تمام اسماء حسنیٰ میں اسم رحمن کامرہ معلوم ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ
 قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوَادْعُوا الرَّحْمَنَ
 بظاہر اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے

زیادہ محبوب یہ دو نام ہیں۔ عبد اللہ اور عبد الرحمن۔ عبد اللہ میں عبد اکرم اعظم کی طرف مضاف ہے اور عبد الرحمن میں اسم رحمن کی طرف مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے اسی وجہ سے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو پہلے ذکر فرمایا اور عبد الرحمن کو بعد میں۔
رحمن اور رحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اختلاف اس میں ہے کہ کس میں مبالغہ زیادہ ہے جمہور کا قول یہ ہے کہ رحمن میں بہ نسبت رحیم کے زیادہ مبالغہ ہے اس لیے کہ لفظ رحمن اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن کریم میں رحیم کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ بِالْمُحْسِنِينَ رَحُوفٌ شَرَّ حَيْثُورٌ پس رحمن کے معنی ایسا انعام کرنے والا کہ کوئی اس جیسا انعام نہ کر سکے اور یہ معنی حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور رحیم مطلق منعم کو کہتے ہیں خواہ دوسرا اس جیسا انعام کر سکے یا نہ کر سکے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دونوں ہم معنی ہیں جیسے ندرمان اور ندیم تاگید کے لیے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ان صفتوں کا اطلاق حق جل و علا پر ایسا ہی حقیقی ہے جیسا علیم و قدیر اور سمیع و بصیر کا اطلاق اس پر حقیقی ہے۔ اور جس طرح اس کی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا ہمارے سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کے مشابہ نہیں اسی طرح اسکی رحمت بھی ہماری رحمت کے مماثل نہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ
الْغَنِيُّ وَ أَنْتُمْ
الْفُقَرَاءُ

کوئی شے اُس کے مثل نہیں وہ
خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے
وہ اپنے سننے اور دیکھنے میں اور ادراک اور علم میں حوارج کا محتاج نہیں۔
اللہ ہی ہر طرح سے بے نیاز ہے اور
تم ہی ہر طرح سے اس کے محتاج ہو۔

اسی طرح وہ اپنی صفت رحمت میں بھی نہ رقت قلب کا محتاج ہے۔ اور نہ انفعال فیض کا جیسے اُس کی ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کی صفت علم و قدرت اور صفت رافت و رحمت وغیرہ بھی بے چون و چگون ہے۔

اُسکی بے چون و چگون رحمت حقیقیہ۔ علم کی مجاز و تاویل اور استعارہ و تمثیل کی ذرہ برابر محتاج نہیں۔

اے برون از وہم و قال و قبل من
صفت باری تعالیٰ میں صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع کا یہی مسلک تھا اور وہ
حضرات اس لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے اسما و حسنی میں تاویل کو بدعت سمجھتے تھے۔
امام ابو الحسن اشعری نے اخیر عمر میں مشکبہ کے طریق تاویل و تمثیل کو چھوڑ کر مذہب سلف

ہی کی طرف رجوع فرمایا جیسا کہ امام مصوف نے اپنی آخری تصنیف کتاب الایمانہ میں اُسکی تصریح کی ہے قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ رحمت کے حقیقی معنی رقت قلب کے ہیں۔ باری تعالیٰ کی شان میں رحمت کا اطلاق مجاز ہے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں جہاں رحمت حقیقی تھی وہاں تو مجاز بنادیا اور جہاں مجاز سرتاپا مجاز تھا وہاں حقیقت بنادی یعنی حقیقت کے اعتبار کو دیکھا جائے تو رحمت بارگاہ خداوندی میں حقیقت ہے اور بندہ میں سراسر مجاز مگر ارباب تامل نے معاملہ برعکس کر دیا۔

اور ابتداء کے لیے ان تین ناموں کو یعنی اللہ اور رحمن اور رحیم کو اس لیے خاص فرمایا کہ انسان پر تین حالتیں گزرتی ہیں۔ اول اُسکا عدم سے نکل کر وجود میں آنا۔ دوم۔ اس کا باقی رہنا اور جس قدر خلاق علیم نے اُس کے لیے مدۃ بقا مقرر فرمائی ہے اس کو پورا کرنا جسکو عرف میں حیات دنیا اور زندگی کہتے ہیں۔ سوم اس نشاۃ دنیا کے ختم ہونے کے بعد حیات دنیویہ پر غمرات کا مرتب ہونا۔ عمل نیک پر جزا اور عمل بد پر سزا پانا۔

پس ابتداء میں تین نام ذکر فرمائے تاکہ تینوں حالتوں کی جانب اشارہ ہو جائے لفظ اللہ پہلی حالت کی جانب اشارہ ہے اس لیے کہ تخلیق و تکوین بارگاہ الوہیت سے متعلق ہے اور لفظ رحمن سے دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ دنیا دار ابتداء اور دار امتحان ہے جو اس جگہ ٹھیک راستہ پر چلا اس کے لیے آخرت کی تمام منزلیں آسان ہیں۔ شیطان اور نفسِ مارہ ہر وقت اس کی تاک میں ہے اس لیے بندہ ایسی حالت میں بے پایاں اور بے انتہا رحمت کا محتاج ہے۔

اور لفظ رحیم کو تیسری حالت یعنی نشاۃ آخرت کے بار دلانے کے لیے ذکر فرمایا۔ دار دنیا چونکہ مومن و کافر سب کے لیے باعث رحمت ہے۔ مومن کے لیے تو ظاہر ہے کافر کے حق میں دنیا میں لیے رحمت ہے کہ وہ اپنے گھر سے توبہ کر سکتا ہے اور اگر سو برا اختیار سے توبہ بھی نہ کرے تو فی الحال اسکا عذاب جہنم سے رہا رہنا ہی بہت بڑی رحمت ہے نیز بعثت انبیاء اور ارسال رسل اور انزال کتب ایک ایسی عظیم رحمت ہے کہ جو مومن اور کافر سب کے لیے ہے یا مگر آخر ہے کہ کوئی اس رحمت سے مستمع اور مستفیع ہوا اور کوئی نہ ہوا۔ حاصل دار دنیا مومن و کافر سب کے لیے باعث رحمت ہے اور دار آخرت صرف مومنوں کے لیے باعث رحمت ہے اور کافروں کے واسطے باعث عذاب و لعنت۔ کما قال تعالیٰ۔

فَإِذَا نَفَخَ فِي السَّافِرِ فَذَاكَ
يَوْمَئِذٍ يَوْمُهُمْ عَسَىٰ عَلَى الْكَافِرِينَ
جب صور پھونکا جائیگا تو وہ دن کافروں
پر نہایت سخت اور دشوار ہوگا۔ کسی قسم

غَيْرُ لَيْسٍ

کی اس میں آسانی نہ ہوگی۔

اس لیے نشاۃ دنیا کے یاد دلانے کے لیے لفظ رَحْمَن ذکر فرمایا کہ جس میں بہ نسبت رحیم کے زائد مبالغہ ہے اور نشاۃ آخرت کے یاد دلانے کے لیے رحیم کا لفظ استعمال فرمایا اس لیے کہ رَحْمَن مبالغہ کا صیغہ ہونے کی وجہ سے عموم رحمت پر دلالت کرتا ہے اور عموم رحمت کا محل صرف دار دنیا ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا اور دار آخرت صرف مومنوں کی رحمت کے لیے ہے۔

نیز رَحْمَن فعلان کا وزن ہونے کی وجہ سے کچھ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ کلام عرب میں وزن فعلان اکثر صفات غارضہ اور اوصاف متجددہ اور حادثہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے عطشان اور غضبان اور ریان اور لہمان وغیرہ لہذا لفظ رَحْمَن سے اس دار حدوث و تجدد اور دار فانی کی طرف اشارہ مناسب ہوا۔ اور لفظ رَحْمَن چونکہ عموم رحمت پر دلالت کرتا ہے اس لیے قرآن کریم میں استواء علی العرش کو صفت رَحْمَن کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اَللّٰهُ حَاطٌّ عَلٰی الْكَرْسِيِّ اسْتَوٰی اِسْمٌ عَلٰی عَرْشٍ اِسْمٌ عَلٰی عَرْشٍ تمام مخلوقات کو محیط ہے جیسا کہ اسکی رحمت تمام مخلوق کو محیط اور واسع ہے۔ کما قال تعالیٰ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ پس التَّحَضُّنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی سے یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ وسیع مخلوق یعنی عرش پر سب سے زیادہ وسیع صفت رَحْمَن کے ساتھ استواء فرمایا ہے اور صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قصائے خلق کے بعد ایک کتاب میں یہ لکھ کر ان رحمتی تغلب عصبی یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اپنے قریب عرش پر رکھا۔ حضرت مولانا نور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سبقت رحمتی عصبی مزاحم خسروانہ کا قانون ہے جو عرش پر آدیاں ہے۔

رحیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے یا اسکے ہم وزن ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے فعل کا وزن کلام عرب میں معانی ثابتہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ علیم و حکیم و جمیل، لہذا لفظ رحیم سے درِ باقی اور عالم جاودانی کی طرف اشارہ مناسب ہوا۔ علامہ آلوسی کے کلام سے رَحْمَن اور رحیم میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ رَحْمَن سے عام رحمت مراد ہے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ صورتہ اور معنی ظاہر اور باطن ہر طرح سے رحمت ہو یا فقط معنی اور باطن رحمت ہو۔ اگرچہ صورت اور ظاہر کے لحاظ سے وہ عذاب ہو۔ جیسے مریض کو تلخ دوا کا پلانا صورتہ ایلام اور تکلیف ہے مگر معنی سراسر رحمت ہے پس رَحْمَن سے ایسی ہی عام رحمت مراد ہے کہ جو ان تمام انواع و اقسام کو شامل ہو۔ یہ دار فانی اسی قسم کی رحمت کا محل ہے اسکی رحمت راحت و انعام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی مصائب و آلام کی شکل میں۔ کما قال تعالیٰ عَسٰی اَنْ تَكُوْنُ مِّنْ

شَيْءٌ فِي هُوَ خَيْرٌ لِّكَ اور رحیم سے وہ رحمت مراد ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے رحمت ہی رحمت ہو۔ دارِ آخرت میں اسی قسم کی رحمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ بھی ہوگی اور کسی قسم کا اس میں شائبہ رنج و الم کا بھی نہ ہوگا۔

خلاصہ

یہ کہ لفظ اللہ میں جس کے معنی یہ ہیں کہ جو ذات تمام صفات کمال کی جامع اور تمام نقائص و ثوب سے پاک اور منزہ ہے۔ تمام مباحث الہیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ الرحمن میں مباحث نبوت و خیریت کی طرف اشارہ ہے کہ جنکے بغیر خدا کی مرضی کے موافق ایک لمحہ گزارنا محال ہے۔

اور لفظ رحیم میں اجمالاً تمام امور آخرت کی طرف اشارہ ہے اور یہی وہ تین امر ہیں کہ جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا لباب اور عطر ہیں۔ اور تقنازانی اور جرجانی انہیں تین مقاصد اور موافقت کی شرح میں لکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علامہ تقنازانی اور علامہ جرجانی اور تمام متکلمین کو تمام اہل اسلام کی طرف سے جزائے غیر عطا فرمائے۔ کہ دین کے مقاصد اصلیہ کو خوب واضح فرمایا اور امت کے لیے صحیح موقف کو خوب واضح اور روشن کر دیا۔ آمین۔ یارب العالمین۔ سورۃ فاتحہ میں بھی انہی تین باتوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ میں صفات الہیہ کو بیان فرمایا ہے اور مَا لِكُ يَوْمَ الدِّينِ سے احوال آخرت کی طرف اشارہ فرمایا اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ الخ سے مباحث نبوت و رسالت۔ ایمان اور کفر، سعادت اور شقاوت۔ ہدایت اور ضلالت کے فرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

اور تمام قرآن انہیں مضامین ثلاثہ کی تفصیل ہے جو سورۃ فاتحہ میں اجمالاً ذکر فرمائے اسی وجہ سے اس سورت کا نام ام الكتاب ہے یعنی تمام کتاب الہی کا خلاصہ اور اجمال اور چونکہ کتاب الہی کی ہر سورت انہی مضامین ثلاثہ کی تفصیل ہے جو اجمالاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں درج ہیں۔ اس لیے ہر سورت کی ابتداء میں بسم اللہ کا لکھنا اور پڑھنا مسنون قرار دیا گیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حقیقی ستائش اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے

۱۔ جو فعل علم اور اختیار اور قدرت اور ارادہ سے صادر ہو اس کی واقعی خوبی بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں۔ مدح میں نہ فعل کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور نہ اس خوبی کا واقعی ہونا لازمی ہے اسی وجہ سے مدح کسی وقت ممنوع بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

احتوا المتعاب وجوه المذاحین مدح کرنے والوں کے منہ پر خاک

ڈال دو۔

مگر حمد سے کسی وقت منع نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اس میں واقعی خوبی کا اظہار ہوتا ہے بعض ملہار نے تعریف حمد سے قید اختیار کو حذف کر دیا ہے اس لیے کہ اس قید کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ کی صفات ذاتیہ کی شمار کو حمد کہنا دشوار ہوگا۔ اس لیے کہ صفات ذاتیہ جیسے علم و قدرت افعال خداوندی کی طرح اختیاری نہیں۔ اگرچہ یہ تادیلی ہو سکتی ہے کہ یہ صفات اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان کے اثرات ضرور اختیاری ہیں یا ان کے موصوف کا فاعل مختار ہونا حمد کے لیے کافی ہے۔ حمد اور مدح میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حمد انہی صفات کمال پر ہو سکتی ہے جن کا صفات کمال ہونا قطعی اور یقینی ہو۔ اور ان میں کسی قسم کے نقص اور عیب کا شائبہ بھی نہ ہو بخلاف مدح کے کہ اس میں نہ یہ ضروری ہے کہ وہ صفت قطعاً اور یقیناً صفت کمال ہو، قطعاً بھی صفت کمال ہونا مدح کے لیے کافی ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ صفت کمال شائبہ نقص سے پاک ہو، بلکہ اگر اس میں کچھ نقص بھی ہو تب بھی مدح ہو سکتی ہے۔

نیز حمد میں یہ ضروری ہے کہ محاسن و کمالات کا ذکر محبت اور اجلال کے ساتھ ہو اور مدح میں یہ ضروری نہیں۔ مطلقاً محاسن اور کمالات کے بیان کرنے کو خواہ وہ محبت اور اجلال سے ہو یا نہ ہو مدح کہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک برابر والا دوسرے برابر والے کی مدح کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ لفظ حمد سے جو تعظیم و تہنیم مترشح ہوتی ہے وہ لفظ مدح سے نہیں ہوتی اس لیے کہ حمد کا اکثر اطلاق اس غنی حمید پر ہوتا ہے۔ نیز حمد زندہ ہی کی ہوتی ہے اور مدح زندہ اور غیر زندہ دونوں کی ہوتی ہے اور حمد کے بعد سب سے پہلے اسم ذات کو ذکر فرمایا اور اس کے بعد پھر دیگر اسماء صفات و افعال کو ذکر کیا، تاکہ ذاتاً اور صفۃً اور فعلاً ہر طرح سے اس کا مستحق حمد و ثناء ہو ماحول

۲۔ قولہ حقیقی ستائش اشارۃً الی اللہ الاولیٰ ان ینکون لام التعریف فی الحمد للہس والمحققة کما اختارہ جلالہ العلامۃ وھو بلغم من الاستغراق۔ کمالاً یخفی علی ارباب الذوق فافہموا وادعوا استم قولہ مخصوص ہے۔ ھذہ ترجمۃ لام الاحتماس فی اللہ۔

ہو جائے۔

۲۔ ربوبیت بمعنی پرورش کرنا اور کسی شئی کو بتدریج حد کمال تک پہنچانا تربیت اگرچہ والدین سے بھی ظہور میں آتی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

فَلْيَرْبِّهِمْ لَنَا كَمَا رَبَّيْتِ
صَغِيرًا۔

اور یہ دعا مانگ کہ اے اللہ میرے
مال باپ پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے

خود سالی میں مجھ کو پالا۔

مگر والدین کی تربیت نور آفتاب کی طرح اصلی اور ذاتی خانہ زاد نہیں بلکہ نور زمین کی طرح مستعار اور عطار غیر ہے۔ جس طرح نور زمین آفتاب کا فیض و عطیہ ہے اسی طرح والدین کی تربیت بھی عطیہ الہی ہے۔

نیز حقیقی تربیت جب ہو سکتی ہے کہ کسی شے کو نیست سے نیست کیا جائے۔ اور پھر اس کے تمام اسباب تربیت کو پیدا کیا جائے۔ اور پیدا کرنے کے بعد انتفاع کے تمام موانع دور کر دیئے جائیں۔ تب تربیت مکمل ہو سکتی ہے۔ والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں مگر نہ اولاد ان کی مخلوق ہے اور نہ وہ سامان تربیت کی خالق ہیں بلکہ سب کا سب خدا ہی کا پیدا کیا ہوا ہے نیز والدین کی تربیت چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے۔ تمام عالم کے لیے عام اور محیط نہیں اور حق تعالیٰ شانہ کی تربیت غیر محدود اور عام اور محیط ہے پس قابل ستائش و ہی ربوبیت ہو سکتی ہے۔ جو اصلی اور ذاتی ہو۔ مستعار اور عطار غیر نہ ہو۔ ہر طرح سے کامل اور مکمل ہو کسی قسم کا اس میں نقص نہ ہو۔ تمام عالمین کے لیے عام اور محیط ہو اس لیے ارشاد ہوا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یعنی حقیقی ستائش خدا تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے کہ جس کی ربوبیت اصلی اور ذاتی اور کامل ہونے کے علاوہ تمام جہانوں کے لیے عام اور محیط ہے اسی وجہ سے جب فرعون نے کہا۔

وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ۔

رَبُّ الْعَالَمِينَ کیا چیز ہے

تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَمَا بَيْنَهُمَا

یعنی وہ ہے کہ جس کی تربیت سبع سموات اور سبع ارضین اور کل عالم کو محیط ہے۔

اس اشارہ اس طرف ہے کہ الحمد کا لام تحریر۔ لام حقیقت اور لام جنس ہے یعنی حمد کی حقیقت اور جنس ہی نہ کیلئے مخصوص ہے اور جن علامت کے لام کو استراق کیلئے لیا ہے انہوں نے اس طرح ترجمہ کیا کہ سب تعریف واسطے اللہ کے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد شاید فرعون کو یہ تردد ہوا ہو کہ تربیت کو صرف ذات خداوندی میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم والدین اور آفتاب اور ماہتاب کی تربیتوں کا بھی روزانہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام درجہ جواب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

رَبُّكُمْ ذُو رُبٍّ أَبَاحُكُمْ
أَكَاوَلِينَ۔ وہ رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے
آباد و اجداد کا۔

یعنی تمہارے آباد و اجداد کی تربیت اصلی در ذاتی نہیں بلکہ عطیہ الہی ہے، تمہارا اور تمہارے تمام آباء اولین کا حقیقی رب اور پروردگار وہی ہے اور تیسری بار یہ فرمایا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ كَمَا بَيَّنَّاهُمْ
أَنَّ كُنُوتَهُمْ لَعَقْلُونَ ط۔ وہ رب ہے مشرق اور مغرب کا اور
انکے درمیان کا اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔

یعنی آفتاب اور ماہتاب کو اپنی کھیتوں کا مربی سمجھنا غلط ہے اس لیے کہ خود آفتاب و ماہتاب اور ان کے نور کو اسی رب العالمین نے پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ صَيَّاعًا
وَالْقَمَرَ نُورًا۔ اسی نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو
روشن بنایا۔

اگر وہ رب العالمین شمس و قمر کو روشنی نہ بخشتا یا کھیتیاں پکانے کی خاصیت ان میں نہ رکھتا تو کہاں سے کھیتیاں پکاتے۔

رب العالمین میں ربوبیت خداوندی کا تمام اجناس و انواع اور تمام افراد و اشخاص کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آیت یعنی رَبُّ الشَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں اس کی ربوبیت کا تمام امکان مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ اور دوسری آیت رَبُّكُمْ ذُو رُبٍّ أَبَاحُكُمْ الْمَاوَلِينَ میں اس کی ربوبیت کا ماضی اور حال اور مستقبل اور تمام اوقات اور ازمہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا اور تیسری بار رب المشرق والمغرب فرما کر اس کی ربوبیت کا تمام اوضاع اور حالات تمام تغیرات اور کیفیات کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کسی شخص اور کسی مکان اور کسی حالت اور وضع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب کو عام اور محیط ہے اس لیے وہی لائق عبادت اور ستیج حمد و ثناء ہے۔

حضرت صوفیہ کرام قدس اللہ اسرارہم فرماتے ہیں کہ ارواح کے کانوں میں سب سے پہلے وصف ربوبیت ہی کا نغمہ جاننے پہنچا ہے اور اسی وصف سے اول خدا کو پہچانا ہے۔ کما قال تعالیٰ ۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ
مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ

اس وقت کو یاد کرو کہ تیرے رب نے
بنی آدم کی پشت سے، نکی ذریت کو نکالا

اَشْهَدُكُمْ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوا
بلى .
اور خود انکو انکی جانوں پر گواہ بنایا کیا میں
تمہارا رب نہیں یہ سب نے کہا ہے شک
آپ ہمارے رب ہیں .

حق تعالیٰ شانہ نے سب سے پہلے اسی اسم رب کے ساتھ ادواح کو مخاطب کیا اور اسی نام سے اُن سے عہد اور میثاق لیا اور بظاہر یہی وجہ ہوگی کہ اَوَّلُ الْاَنْبِیاءِ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و مرسلین اور عباد مخلصین کی جو دعائیں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائی ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر کلمہ رَبَّنَا سے وارد ہوئی ہیں اور ایک مقام پر یعنی رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادً یَاۤءُ اِلٰہِ اِنِ الْاٰیٰتِ مِیْنِ کَلِمَ رَبَّنَا سے دعا کرنے والوں کو۔ دِلْوَالا بَاب فرمایا ہے۔ (۳۶) عالم اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے عالق کا علم حاصل ہوتا ہو۔ عالم علامت سے مشتق ہے۔ عالم کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ علامت ہے اسماء الہی اور صفات خداوندی کے لیے عالم میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اسی کے کسی اسم کا مظہر اور آئینہ سے مومن و کافر اس کی شان اور انعام اور انتقام کے مظہر ہیں۔ صاحب عزت اور صاحب ذلت اس کی شان تُعِزُّهُ مِّنْ تُشَاۤءُ وَ تُذِلُّهُ مِّنْ تُشَاۤءُ کے آئینہ میں ہیں۔ عالم غیب اور عالم شہادت اُسکے نام نامی ہوا بظاہر والباطن کے لیے آئینہ ہیں۔

الْمَرْحُومِ الرَّحِیْمِ

بے حد مہربان۔ نہایت رحم والا

عجب نہیں کہ بسم اللہ میں وہ شان رحمت مراد ہو کہ جو تکوین اور تربیت عالم کے لیے باعث ہوئی۔ اور الحمد میں الرحمن سے وہ رحمت مراد ہو جو خاص حالت تربیت میں مینزل ہوئی ہے اگر یہ رحمت روک لی جائے تو تربیت اور پرورش ناممکن ہو جاتے۔

اور الرحیم سے وہ رحمت مراد ہو کہ جو تربیت اور پرورش کے بعد جزا اور سزا کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اس لیے کہ تربیت اور تکمیل کے بعد آثار اور ثمرات کا نہ مرتب ہونا اس تربیت کے ضائع کرنے کے مرادف ہے۔

کھیتی پک جانے کے بعد اگر اس پر درختی نہ چلتی۔ گندم اور بھوسہ الگ الگ نہ کیا جائے تو کھیتی کو ضائع کرنا ہے۔

اسی طرح اگر اس عالم کی تربیت ختم ہو جائے کہ بعد مومن اور کافر۔ سعید اور شقی کہ جدا جدا نہ کیا جائے تو عالم کی تربیت کا ضائع اور بیکار ہونا لازم آئے گا۔ اور آئندہ آیت یعنی مالک یوم الدین میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ الْمَرْحُومِ الرَّحِیْمِ۔ کا تکرار اسکی رحمت کے مکرر اور مضاعف ہونے کی طرف مشیر ہے لیکن مبادا رحمت کی یہ فراوانی کہیں بندوں کو مغرور نہ بنادے اس لیے

ہَلَاکِ یَوْمِ الدِّینِ۔ کا اضافہ فرمایا تاکہ رغبت کے ساتھ رہبت کا ضروری ہونا معلوم ہوئے جیسے۔ تَخَافِ الذُّکُوبَ وَ قَابِلِ التَّوْبِ کے بعد شِدِّیدِ الْعِقَابِ کی صفت کا ذکر فرمایا۔
۱۔ کلامہ

اور عجب نہیں کہ الرَّحْمَنُ الرَّحِیمُ کا ہَلَاکِ یَوْمِ الدِّینِ سے پہلے ذکر کرنا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَظْمٰی کی جانب مشیر ہو۔

ہَلَاکِ یَوْمِ الدِّینِ
روزِ جزاء کا مالک

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت اور جزاء کے دن کا مالک ہے جس میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی جزاء کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس لیے کہ نیکی اور بدی اور فرمانبردار اور نافرمان اور موافق اور مخالف میں فرق کرنا عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ لہٰذا لے لے۔ اَمْ یَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ یَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ۔ وَقَالَ تَعْلٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اٰیْمًا عَمِلُوْا وَ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَحْسِنُوْا بِالْحُسْنٰی وَقَالَ تَعْلٰی اِنَّ السَّاعَةَ اَیْمًا کَادَتْ اُخْفِیْهَا لَیَجْزِیْ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی۔ نیز دنیا میں کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم اور مظلوم کا ظالم سے انتقام میں عدل اور عین حکمت ہے اور دنیا میں یہ انتقام نہیں لیا گیا تو آخرت میں لا محالہ لیا جائے گا۔

اس آیت میں دو قرار ہیں اور دونوں صحیح اور متواتر ہیں ایک ہَلَاکِ یَوْمِ الدِّینِ یعنی روزِ جزاء کا بادشاہ اور دوسری قرارتِ ہدایت یَوْمِ الدِّینِ۔ یعنی روزِ جزاء کا مالک۔ اور اسکی مالکیت اور ملکیت یعنی بادشاہت کے لیے روزِ جزاء کو اس لیے خاص کیا گیا کہ اسکے جلال و جمال کا بلا واسطہ ظہور علی وجہ التماہ و الکمال۔ عالم کے ہر فرد کے لیے ایک ہی آن میں صرف اسی روز ہو گا۔ دنیا میں بھی وہی حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ ہے مگر دنیا میں اس کی مشیت اور حکمت سے کچھ مجازی بادشاہت اور مجازی مالکیت نظر آتی ہے۔ قیامت کے دن سارے مجاز ختم ہو جائیں گے اور صرف حقیقت ہی حقیقت رہ جائے گی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں قراروں میں سے کون سی قرارت افضل ہے بعض علماء ملکیت یعنی بادشاہ کی قرارت کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اور وجہ ترجیح یہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ کہ ملکیت یعنی بادشاہت میں جو عظمت ہے وہ وصفِ ملکیت میں نہیں۔ مالک تو ہر ایک ہوتا ہے مگر بادشاہ ہر ایک نہیں ہوتا۔

۲۔ مالک کا حکم فقط اپنے مملوک پر چلتا ہے اور بادشاہ کا حکم تمام ملک اور تمام رعایا پر جاری اور نافذ ہوتا ہے۔

- ۳۔ بادشاہ کی اطاعت سب پر واجب ہے اور مالک کی اطاعت فقط اسکے مملوک پر واجب ہے۔
- ۴۔ نیز لفظ رَبِّ الْعَالَمِينَ بھی مالکیت پر دلالت کرتا ہے پس اگر ملک کے بجائے مالک پٹھا جائے تو تکرار لازم آتا ہے۔
- ۵۔ قرآن کریم کی آخری سورت میں هَلِكِ النَّاسُ آیا ہے لہذا قرآن کی پہلی سورت میں بھی هَلِكِ يَوْمَ الدِّينِ پڑھنا چاہیئے تاکہ اول قرآن اور آخر قرآن ایک دوسرے کے مناسب اور ہم رنگ ہو جائے۔
- ۱۔ اور جو حضرات علماء هَلِكِ کی قرارت کو ترجیح دیتے ہیں وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ملکیت یعنی بادشاہت انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔
- ۲۔ مالک اپنی مملوک کو فروخت کر سکتا ہے۔ بادشاہ رعایا کو فروخت نہیں کر سکتا۔
- ۳۔ رعیت بادشاہ کے ملک اور سلطنت سے بھاگ کر نکل سکتی ہے اور مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔
- ۴۔ غلام پر مولیٰ کی خدمت واجب ہے۔ رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔
- ۵۔ غلام بغیر آفا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور رعیت بغیر بادشاہ کی اجازت کے کام کر سکتی ہے۔ اور مملوک چونکہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کو سوا مولیٰ کے کسی چیز سے تعلق بھی نہیں ہوتا۔ غلام کے پیش نظر سر وقت آفا کی خوشنودی رہتی ہے رعایا چونکہ اپنی چیزوں کی مالک بھی ہوتی ہے اس لیے ان کو بادشاہ سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔
- ۶۔ غلام کو آفا سے توقع رحم و کرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل و انصاف کی امید ہوتی ہے۔ اور بندہ رحم و کرم کا زیادہ محتاج ہے۔
- ۷۔ بادشاہت میں ہیبت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے۔
- ۸۔ بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ورنہ مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر اور مزید توجہ کرتا ہے اور ان کی عانت اور خبر گیری میں مشغول ہوتا ہے۔
- ۹۔ مالک کو مملوک سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں جتنا کہ آفا کو غلام سے ہوتا ہے اور عاشقوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مژدہ جاننا نہیں کہ محبوب کو ہم سے محبت اور تعلق ہے۔

۱۰۔ ہِلَالِکَ مِیں ہِلَالِکَ سے ایک حرف زیادہ ہے۔ لہذا ہِلَالِکَ کی قرارت میں ثوب بھی زیادہ ہو گا۔ اس لیے کہ ایک حرف کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دس نیکیاں اور زیادہ ہوں گی۔ فِتْنَتُکَ عَشْرَتٌ کَامِلَةٌ۔

اِيَّاكَ لَعْبُدُ وَاِيَّاكَ كَسْتَعِيْنُ

(خاص تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے ہر کام میں مدد چاہتے ہیں)

اس لیے کہ بغیر تیری اعانت اور امداد کے کچھ نہیں ہو سکتا)

یعنی اجسام طویہ اور سفلیہ اور کوکب اور نجوم اور نور اور خلعت کسی کو تیرا شریک نہیں ٹھہرتے ہیں ہر خیر و شر اور سعادت و شومست کا تجھے ہی مالک سمجھتے ہیں پہلی آیت میں حق تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کو بیان کیا اور معرفت ربوبیت کے بعد معرفت عبودیت کا درجہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد عبادت کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ کسی کی نہایت درجہ تعظیم کے لیے دل و جان سے غایت درجہ کا تذل و اختیار کرنا اسکا نام عبادت ہے لہذا جو تذل و اختیاری نہ ہو بلکہ اضطرابی یعنی بلا اختیار کے ہو وہ عبادت نہیں کہلائے گا اور اسی طرح جو تذل کسی کے جبر اور قہر اور زور سے ہو وہ بھی عبادت نہ کہلائے گا اور جس تذل سے تعظیم مقصود نہ ہو وہ استہزار اور تمسخر کہلائیگا اور لائق عبادت اور مستحق بندگی وہی ذات ہوگی، جو غایت درجہ کی عظمت اور جلال اور نہایت درجہ خوبی اور کمال اور انتہائی النعم و اکرام اور انتہائی جود و نوال کے ساتھ مقصوف ہو کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی درجہ اور مرتبہ عقل اور خیال میں نہ آ سکے۔ اور جو انتہائی عظمت و جلال کے ساتھ موصوف نہ ہوا سکے سامنے انتہائی تذل و اختیار کرنا سرسریے موقع اور بے محل ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ اور کسی چیز کو بے محل رکھنے ہی کا نام ظلم ہے۔ خداوند ذوالجلال کو اگرچہ کسی کی عبادت اور بندگی کی ذرہ برابر حاجت نہیں۔ مگر مقتضائے حکمت یہ ہے کہ صاحب نقصان صاحب کمال کے سامنے تذل اور پستی اختیار کرے ورنہ کمال اور نقصان کی مساوت لازم آئے گی جو سرسری خلاف حکمت ہے ابتدائے آفرینش عالم کے اس وقت تک دنیا کے تمام عقلا اور عالم کے تمام حکما اس پر متفق رہے ہیں کہ ہر صاحب کمال کی تعظیم اور اسکا احترام عقلاً واجب اور فرض ہے یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ناقص کامل کی تعظیم کو اس لیے ضروری نہ سمجھے کہ اس ناقص کو اپنے زعم میں اس کامل کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ احتمال خداوند و بلند میں جاری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ مخلوق کا خالق سے مستغنی ہونا ناممکن اور محال ہے۔ ممکن کا وجودی واجب الوجود کے ہمارے سے ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچه ہستی توئی

اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو شخص وجود باری یا توحید باری کا منکر ہو وہ ناجی نہیں

بلکہ نامہ ی ہے۔ اگرچہ اسکو کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اس لیے کہ وجود باری اور توحید باری کا مسئلہ فطری اور عقلی اور بدیہی ہے اور عقائد عالم کا اجماعی ہے۔ بعثت انبیاء پر موقوف نہیں ہجرت پوری ہو چکی ہے لہذا اب کوئی عذر مسموع نہیں۔

اور اسی وجہ سے کہ عبادت اختیاری تذل کا نام ہے حضرات فقہار نے عبادت کے لیے نیت کا ہونا بالاجماع شرط قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ کمال محبت کے ساتھ کمال عظمت کا نام عبادت ہے۔ کمال عظمت کے ساتھ کمال محبت بھی عبادت کے مفہوم میں داخل ہے جس درجہ کی محبت اور عظمت ہوگی اسی درجہ کی عبادت ہوگی عظمت کے ساتھ جب تک محبت نہ ہو عبادت نہیں کہلائے گی اور آیات جو تَعَبُّد کا مفعول ہے اسکی تقدیم صبر کے لیے ہے یعنی خاص تیری بندگی کرتے ہیں کسی اور کی نہیں نیز تقدیم مفعول میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عابد کی نظر اپنی عبادت پر نہ ہونی چاہیے بلکہ معبود پر ہونی چاہیے نیز عبادت سے فقط معبود کی رضا اور خوشنودی مقصود و مطلوب ہونی چاہیے۔

خلاف طریقت بود کا ولیا ۴۰ تمنا کنند از خدا جز خدا

گر از دوست چہشت برسان دوست ۴۱ تو در بند خویشی نہ در بند دوست

اور تَعَبُّد صیغہ جمع ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ ہم سب تیری بندگی کرتے ہیں بجائے اَعْبَدُ کے صیغہ جمع لانے میں التزام جماعت کی طرف اشارہ ہے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بندگی کرنے والا اپنی عبادت پر ناز نہ کرے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ عبادت کرنے والا صرف وہی ایک نہیں بلکہ بے شمار بندگی کرنے والوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ابتداء سورت میں طرز کلام غائبانہ تھا۔ اور آیات ۱۰۰ تَعَبُّد میں بجائے غائبانہ کے حاضرانہ طرز کلام اختیار کیا گیا اور اس طرح عِبَادَت سے خطاب کی طرف انتقال کیا گیا وجہ اس کی یہ ہے ۱۔ کہ شروع سورت میں حمد و ثناء کا ذکر تھا اور تعریف اور ثناء غائبانہ زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ غائبانہ حمد زیادہ اخلاص کی علامت ہے اور آیات ۱۰۰ تَعَبُّد میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت اور خدمت حضوری میں ہوتی ہے۔

۲۔ نیز نمازی نے جب نماز شروع کی تو شروع نماز میں بمنزلہ اجنبی کے اگر کھڑا ہو گیا اور خود نہ ذوالجلال کی غائبانہ حمد و ثناء شروع کی یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا یعنی اسم ظاہر کے ساتھ اس کی حمد و ثناء کی اور اسم ظاہر حکم میں غائب کے ہے اور جب حمد و ثناء حید کمال کو پہنچی تو جو حجابات درمیان میں تھے وہ اٹھ گئے اور بُعد قرب سے اور اجنبیت یگانہ سے بدل گئی اور یہ شخص اس قابل ہو گیا کہ خداوند ذوالجلال کے حضور بصیغہ خطاب عرض معروض کر سکے۔

۳۔ نیز آیات ۱۰۰ تَعَبُّد کے بعد ہدایت کے سوال کا ذکر ہے اور سوال اور درخواست حضوری ہی میں زیادہ بہتر اور مناسب ہوتی ہے اس لیے کہ جب سخی کے سامنے سوال کیا جائے تو سخی

اور کریم اُس کے رد کرنے سے شرماتا ہے۔
 اور اِيَّاكَ كَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ کو اس لیے ذکر فرمایا کہ اللہ کی عبادت اور
 اس کی اطاعت پر قوت اور قدرت بدون اس کی اعانت اور توفیق کے حاصل نہیں ہو سکتی اور
 توفیق کا طلب کرنا یہی استعانت ہے مطلب یہ ہے کہ عبادت کے لیے بندہ کی حول اور قوت کافی
 نہیں جب تک خدا کی اعانت حاصل نہ ہو۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ غرض یہ کہ اِيَّاكَ
 كَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ کا ذکر کرنا عجیب (گھنڈ) کوڑا اہل کرتا اور نخوت اور کبر کو فنا
 کرتا ہے۔ اِيَّاكَ كَعْبُدُ میں فرقہ جبریت کے رد کی طفسا اشارہ ہے۔ جبریت۔ بندہ کو جہاد کی طرح
 مجبور محض بتاتے ہیں۔ اِيَّاكَ كَعْبُدُ سے اس فرقہ کا رد ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کے معنی اختیار
 تذل کے ہیں۔ فی الجہ بندہ کے لیے اختیار ثابت ہوا اور جبر محض کی نفی ہوئی اور اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ
 میں فرقہ معتزلہ کے رد کی طرف اشارہ ہے۔ ارباب اعتزال بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور فاعل
 مستقل قرار دیتے ہیں۔ اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ سے اس فرقہ کا رد ہو جاتا ہے اس لیے کہ مطلب
 یہ ہے کہ بندہ اگرچہ عبادت اور بندگی اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن جہاد کی طرح مجبور محض اور
 اختیار سے عاری اور کورا نہیں مگر ایسا فاعل مستقل بھی نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کی اعانت سے
 مستغنی اور بے نیاز ہو جائے بندہ فاعل مختار ضرور ہے مگر اپنے اس خدا داد اختیار میں مختار نہیں
 ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی اعانت اور امداد کا محتاج ہے۔ فافہو ذلک فانہ دقیق و
 لطیف و سیاقی تفصیل ذلک النشار اللہ تعالیٰ۔

(سوال) درباره استعانت بغير الله

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگی جائے حالانکہ قرآن
 و حدیث میں جا بجا اس کا ذکر ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ پیاد ہو تو علاج کرو۔ آخر یہ طبیب
 اور دوا سے استعانت اور استمداد نہیں تو اور کیا ہے لہذا یہ بتلایا جائے کہ وہ کون سی استعانت
 ہے جو غیر اللہ سے جائز ہے اور کون سی کفر اور شرک ہے۔

جواب

جانتا چاہیے کہ غیر اللہ سے مطلقاً استعانت حرام نہیں استعانت بغير الله بعض صورتوں میں
 کفر اور شرک ہے اور بعض صورتوں میں جائز ہے۔ ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اگر سوائے خدا تعالیٰ

کے کسی کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر یا بعد عطار الہی اور تفویض خداوندی اس کو قادر مختار جان کر اس سے مدد مانگے تو بلاشبہ کفر اور شرک ہے یا اس شئی کو تاثر اور فاعلیت میں مستقل باللہ یا مستقل بالعرض تو نہیں سمجھتا لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا سا نہیں کرتا لیکن دوسروں کو اسکے استقلال کا تو ہم ہوتا ہے تو یہ استعانت بالغیر ناجائز اور حرام ہوگی۔ اور بعض صورتوں میں کفر اور شرک کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

پہلی صورت جبکہ غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھے اسکے شرک ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر کو قادر بالذات تو نہیں سمجھتا لیکن قادر بعطائے الہی سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قدرت اور اختیار عطا کیا ہے کہ جو امور طاقت بشری سے باہر ہیں۔ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جبکہ چاہے دے اور جبکہ چاہے نہ دے جیسے بادشاہ اپنے وزراء اور حکام کو کچھ اختیارات عطا کر دیتا ہے اور وہ بعد عطاء کے اختیارات مستقل سمجھ جاتے ہیں۔ اور پھر بادشاہ کے علم و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح معاذ اللہ۔ خدا تعالیٰ نے بھی کچھ اختیارات اختیار اور اولیاء کو عطا کیے ہیں۔ ورنہ بعد عطار الہی مستقل و مختار ہیں۔ مشرکین عرب۔ مانا کہ اور اصنام کے متعلق بعینہ یہی عقیدہ رکھتے تھے مَا نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُنَا اِلَى اللّٰهِ ذِی الْقَرْبَىٰ مشرکین انکو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے بلکہ انکو فاعل مستقل بعطائر الہی سمجھتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا ہی کا دیا ہے قرآن کریم میں جاہل اسی عقیدہ کو باطل کیا گیا کہ اَنْ تَعْلَمَ۔ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَقَالَ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ شَيْئًا رَّزَقْنَا فَاْتَبِعُوا عِنْدَ اللّٰهِ الْیَسْرَۃَ وَاعْبُدُوْهُ۔ یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ اور غلطی اختیارات کا کسی طرف منتقل ہونا یا عطا کیا جانا نہ اختیاراً ممکن ہے اور نہ اضطراراً۔ کفار بغیر عطار الہی کسی چیز پر انکو قادر نہیں سمجھتے تھے۔ وَقَالَ تَعَالٰی قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ شَيْئًا وَّلَا رَشْدًا وَّ قَالَ تَعَالٰی قُلْ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ان آیات میں بالذات نفع اور ضرر کے مالکیت اور اختیار کی نفی نہیں اس لیے کہ نہ کوئی نفع اور ضرر کے بالذات مالک اور مختار ہونے کا مدعی تھا اور نہ کوئی عاقل اسکو تسلیم کر سکتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نفع اور ضرر کا باندہ مالک ہو۔ مشرکین بھی اسکے قائل تھے۔ اصل مالک اور خالق وہی اللہ ہے۔

تیسری صورت کہ جب اس غیر کو نہ مستقل بالذات سمجھے نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا سا کرے۔ مثلاً اسکو یا اسکی قبر کو سجدہ کرے یا اسکے نام کی نذر مانے تو یہ بھی حرام اور شرک ہے لیکن یہ شرک اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہے۔ اسکا منکر جب حرام کا منکر سمجھا جائیگا۔ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ چوتھی صورت کہ جب استعانت بالغیر میں اس غیر کے استقلال کا ایہام

ہوتا ہو جیسے ردعانیات سے مدد مانگنا۔ اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن مشرکین چونکہ ارجح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اس لیے ردع سے مدد مانگنا قطعاً حرام ہوگا۔ حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں تردد اس میں ہے کہ اس شخص کو دائرۃ اسلام سے خارج کیا جائے یا نہیں یہ فعل چونکہ مشرک کا مظہر اتم ہے اس لیے دائرۃ اسلام سے خارج ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے خلاصہ کلام یہ کہ اول کی دو صورتیں قطعاً کفر اور شرک ہیں اور ان کا مرتکب دائرۃ اسلام سے خارج ہے اور اخیر کی دو صورتیں قطعاً حرام ہیں تردد اس میں ہے کہ ایسے شخص کو کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج مانا جائے یا نہیں لیکن اگر ایسی شے سے مدد مانگے کہ جس سے مدد مانگنا کفار اور مشرکین کے شعائر سے ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی فقہاء اور مفتی زُتار باندھنے والے کی طرح اس پر بھی ظاہر کے اعتبار سے کفر اور شرک کا فتویٰ دے اور کافر ہونے کا حکم لگائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چونکہ وہ شے شعائر کفر اور شرک سے ہے اس لیے اس کی نیت کا اعتبار نہ کیا جائیگا البتہ امور عادیہ جو طاقت بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عام اسباب ان کے ساتھ مربوط اور متعلق ہو اور کسی شخص کو ان کے فاعل مستقل ہونے کا توہم بھی نہ ہوتا ہو جیسے روٹی کی امداد سے بھوک دفع کرنا اور پانی کی امداد سے پیاس دفع کرنا تو یہ استعانت بالغیر جائز ہے بشرطیکہ اعتماد محض اللہ پر ہو اور غیر کو محض ایک ذریعہ اور وسیلہ اور عون الہی کا ایک مظہر سمجھے جیسے نل محض پانی کے آئینا راستہ ہے اسی طرح اسباب فیض خداوندی کے راستے ہیں اصل دینے والا وہی ہے اور مشرک یہ سمجھتا ہے کہ یہ نل ہی مجھ کو پانی دے رہا ہے۔ اس لیے نل ہی سے پانی مانگتا ہے ورنہ نل ہی کی خوشامد کرتا ہے مثلاً جو شخص دوا کو محض ایک وسیلہ سمجھے اور طبیب کو محض معالج جانے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر دوا کو مستقل مؤثر سمجھے اور طبیب کو صحت بخشنے والا جانے تو یہ شرک ہوگا جاننا چاہیے کہ اسباب شرعیہ کا بھی وہی حکم ہے کہ جو اسباب عادیہ کا حکم ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اسباب عادیہ کا اسباب ہونا عادیہ سے معلوم ہوا اور اسباب شرعیہ کا سبب ہونا شریعت سے معلوم ہوا پس جس طرح اسباب عادیہ سے استعانت اور اعتماد جائز ہے اسی طرح اسباب شرعیہ مثل دعا اور رقیہ صبر اور نماز وغیرہ سے بھی استعانت جائز ہے اس لیے کہ ان امور کا سبب ہونا شریعت سے معلوم ہوا اور امور غیر عادیہ میں اگرچہ غیر کو مظہر عون الہی سمجھے اور اصل اعتماد بھی اللہ ہی پر ہو مگر چونکہ امور غیر عادیہ کا سبب نہ عادیہ ثابت ہے نہ من جانب اللہ اور بالغرض اگر ثابت بھی ہو تو قطعی اور دلی نہیں اس لیے امور غیر عادیہ میں استعانت بغیر اللہ کفر اور شرک تو نہ ہوگی مگر بدعت مضلالت ضرور ہوگی حضرت شاہ عبدالمزید قدس اللہ فرماتے ہیں

در اینجا باید فهمید کہ استعانت از غیر بوجہ اس جگہ جاننا چاہیے کہ غیر اللہ سے استعانت کہ اعتماد بر آن غیر باشد و اورا مظہر عون الہی نہ اند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے

اس وقت حرام ہے کہ جب اعتماد اور بھروسہ اس غیر پر ہو اور اس غیر کو امداد الہی کا مظہر نہ سمجھے اور اگر التفات اور

از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ
اسباب و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ
بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان
نخواہر بود و در شرع نیز جائز و رواست
و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت
بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع
استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت
بحضرت حق است لا غیر۔

(فتح العزیز صفحہ ۸)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

استعانت یا بکس سے است کہ تو ہم
استقلال آپنجیز در وہم و نہم هیچ کس از
مشرکین و موحدین نے گزر دے۔ مثل استعانت
بمحبوب و غلات در دفع گرسنگی و استعانت
باب در دفع تشنگی و استعانت برائے
راحت بسایہ درخت و مانند آں و در
دفع مرض بآدوبہ و عقاقیر و در تعیین دہ
معاش بامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاونہ
خدمت بہمال است و موجب تذلل
نیست یا باطباء و معالجین کہ بسبب
تجربہ و اطلاع زائد از انہما طلب مشورہ
است و استقلالے متوہم نمی شود پس
ایں قسم استعانت بلا کراہت جائز است
چرا کہ در حقیقت استعانت نیست
و اگر استعانت است استعانت بکذا
است و یا بکس نیست کہ تو ہم استقلال در
مدارک مشرکین جاگزنتہ مثل استعانت

نظر صرف خدا پر ہو۔ اور اس غیر کو اعانت
الہیہ کا محض مظہر جان کر کارخانہ اسباب
پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہری طور
پر مدد چاہے تو خلافت عرفان نہیں اور
شرایت میں بھی جائز ہے اور حضرات انبیاء
اور اولیاء نے بھی غیر اللہ سے اس قسم کی
استعانت کی ہے اور چونکہ نظر صرف حق
تعالیٰ پر ہے اس لیے یہ استعانت بالغیر
نہیں بلکہ در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے

استعانت ہے۔

استعانت اور استمداد یا تو ایسی چیز سے
ہے کہ موحدین اور مشرکین کو بھی اس کے
مستقل ہونے کا شبہ نہیں ہوتا جیسے بھوک
دفع کرنے کے لیے غلہ اور اناج سے مدد
حاصل کرنا اور پیاس دفع کرنے کے لیے
پانی اور شربتوں سے مدد حاصل کرنا اور راحت
آرام حاصل کرنے کیلئے درخت کے سایہ سے مدد
حاصل کرنا اور بیماری دفع کرنے کیلئے دواؤں اور بوٹیوں سے مدد حاصل کرنا
معاشی امور میں امیر اور بادشاہ سے
مدد چاہنا کہ جو در حقیقت معاونہ خدمت
ہے موجب تذلل نہیں۔ یا اطباء اور معالجین
سے اُن کے تجربہ اور زیادتی و اطمینان کی
بنامہ مشورہ لینا ان صورتوں میں استقلال
کا وہم بھی نہیں ہوتا پس اس قسم کی استعانت
بلا کراہت جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ استعانت
حقیقتہً نہیں محض ظاہری استعانت ہے
حقیقتہً استعانت خدا تعالیٰ سے ہے۔
یا ایسی چیز کے ساتھ استعانت ہے کہ جس
کا مستقل بالتاثرہ ہونا مشرکین کے ذہنوں

بارواح دروہائیات فلکیہ یا عنصریہ
یا ارواح سائرہ مثل بہوانی و شیخ
سرد و زین خاں و این نوع استعانت
عین شرک است و منافی ملت حنفی
(فتح العزیز ص ۳۷)

میں جگہ لیے ہوئے ہے جیسے ارواح
سے یا روحانیات فلکیہ اور عنصریہ سے
استعانت کرنا یا ارواح سائرہ یعنی چلنے
پہرنے والی ارواح سے مدد طلب کرنا
جیسے بہوانی اور شیخ سرد و زین خاں
اس قسم کی استعانت عین شرک ہے اور
ملت حنفیہ اسلامیہ کے بالکل منافی اور
مباہین ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

ہم کو راہ راست دکھا اور اس پر چلا اور منزل مقصود تک پہنچا

۱۔ ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ حقیقتہً ہمیشہ
غیری کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور فَاَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں بطور تہکم
اور بطریق استہزاء آیا ہے۔

۲۔ ہدایت کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے اگر ہدایت سے کسی شئی کی نشان دہی اور رہنمائی مراد
ہو تو لفظ الی کے ساتھ متعدی ہوگا۔ اور اگر ہدایت سے منزل مقصود تک پہنچنا مراد ہو تو لام کے
ذریعے سے متعدی ہوگا۔ اور اگر راستہ کا قطع کرنا اور منزل مقصود تک پہنچنا مراد ہو تو بلا واسطہ
متعدی ہوگا جیسا کہ اس آیت میں بلا واسطہ متعدی ہے۔ اس لیے ہم نے اس کے ترجمہ میں دکھانا اور
چلانا اور پہنچانا تینوں چیزوں کا ذکر کیا۔

۳۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ صراط اصل میں اس راستہ کو کہتے ہیں۔ جس میں پانچ باتیں پائی جائیں۔

۱۔ مستقیم یعنی سیدھا ہو۔ (۲) اور موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو (۳) اور سب
سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو۔ (۴) اور وسیع اور کشادہ ہو۔ (۵) اور مقصد تک پہنچنے کے
پے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔ جس راستہ میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اسکو صراط کہتے ہیں
جب تک یہ پانچ باتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک صراط کا اطلاق نہیں کیا جائیگا۔

اس جگہ صراط کی صفت مستقیم ذکر کرنے میں اس طائر اشارہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے
سب سے قریب راستہ ہی ہے اس لیے کہ اقلیدس کا قاعدہ ہے کہ جب دو نقطوں میں مختلف اور
متعدد خطوط ملائے جائیں تو تمام خطوط میں سب سے قریب اور سب سے چھوٹا خط ہی خط مستقیم ہوگا
اور سیدھا ہی راستہ منزل مقصود تک پہنچاتا ہے نیز خط مستقیم متغیر نہیں ہوتا اور غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے
اور اسی ایک راستہ کا تمام عالم کے مروجہ اور عبور کے لیے کافی ہونا اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے اور خدا

تک پہنچنے کے لیے ہی ایک راستہ ہے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہا قال تعالیٰ
 وَ أَتَٰ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی
 فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَلْبِغُوْا السَّبِيْلَ راستہ پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو
 فَتَنَٰ قَبَٰلَٰکُمْ عَنْ سَبِيْلِکُمْ مبادا تم کو خدا کے سیدھے راستے سے نہ ہٹا دیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اسے پروردگار میں عاجز اور ناتواں ہوں مجھ کو قریب اور سیدھے راستے پہنچانے تک پہنچا دے طرہ سے راستہ پر چلنے سے خطر ہے کہ
 منزل مقصود تک نہ پہنچوں اور دور کے راستہ میں مشقت ہے۔

۴۔ عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ سے (دین
 اسلام مراد ہے اور بعض احادیث صحیحہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
 فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے اسلام مراد ہے جو حاسبین السَّعَاءِ وَالْاَرْضِ سے بدرجہا زائد وسیع
 ہے محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے اندک دین مراد ہے جس کے سوا اور کوئی دین مقبول نہیں (ابن کثیر)
 ۵۔ اس آیت میں صراط کو اہل انعام کی طرف مضاف فرمایا اس لیے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والے
 یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا اور متعدد آیات میں صراط کو اللہ کی طرف مضاف
 فرمایا کما قال تعالیٰ وَ اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلَیْ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ صِرَاطِ اللّٰہِ۔ وَ اِنَّ
 ہَٰذَا صِرَاطٌ اِطِی۔ اس لیے کہ وہ صراط مستقیم اللہ ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ سنا ہے کہ قادیان کے دہقان
 یوں کہتے ہیں کہ نبی کے راستہ پر چلنے سے آدمی نبی بن جاتا ہے۔ اللہ اکبر اگر یہی قاعدہ ہے تو پھر خدا
 کے راستہ پر چلنے سے خدا بن جانا چاہیئے اور تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۹ میں بن عباس سے منقول
 ہے کہ اَلَّذِیْنَ اَلْعَمْتُ عَلَیْہِمْ سَے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین
 سب مراد ہیں لہذا قادیانوں کے نزدیک فرشتوں کے راستہ پر چلنے سے فرشتہ بن جانا چاہیئے۔
 ۶۔ استقامت کے معنی توسط اور اعتدال کے ہیں جو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے
 حق تعالیٰ کی محبت اور اطاعت پر قدم کا ٹھیک جم جانا کہ اب ڈگمگانے کا ختمال نہ رہے اس کا
 نام استقامت ہے اور استقامت کا مقام نہایت بلند ہے اسی وجہ سے حضرات عارفین استقامت
 کو کرامت سے فوق اور برتر سمجھتے ہیں۔

۷۔ ہدایت اور استقامت کے مراتب نہایت مختلف اور متفاوت ہیں۔ ہدایت اور استقامت کا کوئی
 مرتبہ ایسا نہیں کہ اس کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور افضل مرتبہ نہ ہو۔ اور صراط مستقیم اگرچہ ایک
 ہے لیکن وسیع ہونے کی وجہ سے اور سالک کے سریع اور بطی ہونے کی وجہ سے اس میں بھی قرب
 اور بعد کا تفاوت ہو سکتا ہے اس لیے طلب ہدایت کا ہر شخص مامور ہے۔ غالب کو اگر ہدایت و استقامت
 کے بعض مراتب حاصل بھی ہوں تب بھی وہ ہدایت کے اعلیٰ مراتب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

۸۔ اے برادر بے نہایت درگہ نیست ہر چہ برو سے میر سی برو سے بالیست

علاوہ ازیں ہدایت پر قائم اور ثابت رہنے کے لیے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی اعانت اور توفیق کی حاجت ہے جیسا کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا**۔ اے ایمان والو ایمان لاؤ۔ اس آیت میں ایمان داروں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام پر ثابت اور مستقیم رہنا مراد ہے۔ اکی طرح **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**۔ میں مزید ہدایت کی طلب اور ثابت قدمی اور استقامت کی دعا تعلیم کرنا مقصود ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔
یعنی ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنا ایسا خاص انعام فرمایا کہ اسی خاص انعام اور خاص فضل کی بنا پر وہ نہ تیرے مغضوب اور محتوب ہیں بلکہ تیرے مقرب اور محبوب ہیں۔ تیری رضا اور خوشنودی کا تحفہ اور پروانہ حاصل کیے ہوئے ہیں اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ صحیح راستہ انکو معلوم ہے منزل مقصود سامنے ہے بصورت ذوق و شوق خطِ مستقیم کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ عین و یسار کی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے پروردگار عالم ہم نابکاروں کو انعام اور اہل انعام کی راہ پر چلا اور دارِ انعام میں پہنچا اور غضب و رضال کی راہ سے محفوظ اور دور رکھ اور اپنی توفیق اور اعانت کو ہمارا ہادی اور معین اور دستگیر بنا اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کو رہنمائی طریق بنا تاکہ انکی معیت اور رفاقت میں اُفتال و خیراں تیری بارگاہ میں پہنچ سکیں آمین۔
پس قول اللہ تعالیٰ۔ **الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**۔ **الْمُحْسِنِينَ**۔ کے ساتھ مناسبت رکھنا ہے اور قولہ **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ**۔ **هَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ**۔ کے ساتھ مناسبت رکھنا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ **الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**۔ سے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین مراد ہیں۔ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور عبادت کی نعمت سے سرفراز فرمایا (ابن کثیر) اور انعام کی خاص نوع اور کسی خاص قسم کو نہ ذکر کرنے میں اس حرف اشارہ ہے کہ اے اللہ ہم پر ہر قسم کا انعام فرما اور وہ تمام الطاف و کرم اور وہ تمام لار و نعم

لہ **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ** چونکہ اللہ ان کی صفت ہے اس لیے ہم نے ترجمہ میں اسکا لحاظ رکھا ہے کہ ترجمہ ہی سے اسکی صفہ موصوفہ ہونا معلوم ہو جائے اور بعض نے اس طرح ترجمہ کیا ہے نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہوئے۔ انتہی یہ ترجمہ بتقدیر المضاف ہے۔ **مَحَابِلِ الْوَحِبَانِ وَقَدَرِ بَعْضِهِمْ فِي غَيْرِ الْمَغْضُوبِ** محذوفاً قال التقدير غير صراط المغضوب عليهم و طلق هذا التقدير فلم يقيده بحی غیر ولا نصبه وهذا لا يتأتى الا بنصب غیر فيكون صفة لقوله الصراط وهو صيغة الخ كذا في البحر المحیط جلد ۳ ص ۳

جو تو نے اپنے تمام انعام داسے بندوں پر متفرقا نازل فرمائے وہ ہم پر مجتمعاً نازل فرما۔ آمین
نیز لفظ صواط کو اَلَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی طرف مضاف کرنے میں سالکین راہ حق اور
راہِ رواں منزلِ آخرت کے لیے ایک عظیم الشان تسلیہ ہے کہ وہ سفرِ اور راستہ کی تنہائی سے ہرگز نہ ڈریں
نبیین اور صدیقین، ورہمہدار اور صالحین انکے رفیق سفر ہیں۔ وَحَسْبِيَ اَدْنٰی اَلْاَشْجَارِ کَرَفِیقًا۔
نیز مقام سوال میں منعم کے انعامات و احسانات کا تذکرہ، اجابت اور قبول میں خاص اثر رکھتا ہے
اسی طرح سوالِ ہدایت کے وقت حق جل و علا کے انعام عام کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے رب
العالمین اور اسے ارحم الراحمین نے اپنی رحمت و اسع سے بہت بندوں پر ہدایت کا انعام فرمایا، ہم
کو بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز اور اس پر استقامت نصیب فرما، اور ہم گنہگاروں کو بھی اپنے لطف
عظیم سے اہل انعام کے زمرہ میں داخل فرما۔ آمین۔

مَقْضُوْبٍ عَلَیْہِمْ سَے وہ فریق مراد ہے جو دیدہ و دانستہ راہِ راست کو چھوڑ دے اور علم
صحیح کے باوجود ہوائے نفس کی پیروی میں غلط راستہ اختیار کرے۔ اس نوع کے کامل ترین افراد یہود
بے بہود ہیں کہ باوجود تورات کے عالم ہونے کے کتمانِ حق اور استکبار اور تباع ہوئی جیسے امراض
میں مبتلا رہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہمیشہ معاندانہ رویہ رکھا، جان بوجھ کر قتل، انبیاء اللہ کے
مترکب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اب تک ذلت و مسکنت کی ہر گادی گئی غضب اور عنت
کا طوق انکی گردنوں میں ڈال دیا گیا۔ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ۔

اور ضَالِّیْنَ سَے وہ گروہ مراد ہے جو سو راہِ سبیل سے بھٹک کر غلط راستہ پر جا پڑا۔
اس نوع کے کامل ترین افراد نصاریٰ ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاَصْلُوْا کَثِیْرًا وَّصَلُّوْا عَنْ سُبُوْحِ السَّبِیْلِ۔
بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھے راستے
سے بھٹک گئے۔

یہود اور نصاریٰ کے کامل ترین افراد ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفسد
علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی تفسیر نصاریٰ سے فرمائی۔ سکا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مفسد علیہم
اور ضالین کے مصداق صرف یہود اور نصاریٰ ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان دو قسموں کے تحت میں ہر
قسم کے گمراہ اور کافر اور فاسق و فاجر عاصی اور مبتدع علی اختلاف المراتب داخل ہیں مگر یہود
مفسد علیہم کے کامل ترین افراد اور نصاریٰ ضالین کے اولین مصداق ہیں۔ سلف صالحین یہ فرمایا
کرتے تھے کہ اس امت کے علماء میں سے جو بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہوا اس لیے کہ وہ اپنی اغراض کی
وجہ سے کلماتِ الہیہ کی تحریف اور کتمانِ ہا اسزل اللہ اور قلبیس الحق بالباطل اور اہل عدم
فضل کے حسد میں گرفتار ہوا کہ یہود کے خلاق ہیں اور اس امت کے عباد اور زیادہ سے جو بگڑا وہ

نصاری کے مشابہ ہوا۔ اس لیے کہ اس نے اپنی عبادت میں بجائے شریعت غرار اور ملت ہینار کے ہوئے نفس کا اتباع کیا اور نصاریٰ کی طرح تعظیم مشائخ میں اس درجہ کا غلو کیا کہ اعتقاد نہ سہی عملاً تو ضرور ان کو رب اور انکی قبور کو مساجد بنالیا۔ بعض مرتبہ چونکہ نعمت ہی علم و عمل کے فساد کا باعث ہوتی ہے اکثر عیش اور تنعم ہی میں پڑ کر انسان خدا کو بھول جاتا ہے، احکام الہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے اس لیے الَّذِينَ اَلْعَمَتْ عَلَيْهِمْ کے بعد غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کا اضافہ مناسب ہوا کہ اسے رب الدلیلین اپنی نعمتوں پر حمد و شکر کی توفیق عطا فرما خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ تیسرے انعام کے بعد غرور اور تکبر میں مبتلا ہو کر سیدھے راستہ سے ہٹک جائیں اور تیری لعنت و غضب کے مستحق بنیں۔ اپنی نعمت کو اطاعت کا ذریعہ بنا۔ معصیت کا سبب نہ بنا۔

آیت موصوفہ میں صرف انعام کو اپنی جانب منسوب فرمایا۔ غضب اور ضلال کو اپنی جانب منسوب نہیں فرمایا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ انعام محض اسکا فضل ہے بلا کسی استحقاق کے بندوں پر مبذول فرماتا ہے۔ مگر غضب ابتداءً نازل نہیں فرماتا بلکہ ان کی نافرمانی اور دیدہ و دانستہ عدول مٹکی کے بعد اور علیٰ ہذا گمراہ جب ہوتے ہیں کہ جب صراط مستقیم کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

نیز ادبِ الہی کا اقتضایہ یہ ہے کہ جب افعال احسان و رحمت کا ذکر ہو تو صراحۃً اللہ جلّٰلہ کی طرف اُس کی اسناد ہونی چاہیے۔ اور جب افعال جزاء اور عقوبت کا ذکر ہو تو پھر فاعل کا حرف اور فعل کا مبنی مفعول لانا مناسب ہے مثلاً ابوہریرہ علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِيْنِي وَ اَلَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَ يَسْتَفِئُنِي وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِي۔
جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

خلق اور ہدایت اور المعام اور اسقار اور شفا ان تمام افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا۔ مگر مرض کو شفیٰ شکر وہ ہونے کی وجہ سے ادباً اپنی جانب منسوب کیا اور یہ کہا۔

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِي۔
جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

اور یہ نہیں کہا
وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِي
کہ جب وہ مجھ کو بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔
اور مؤمنین جن نے کہا۔

وَ اَنَا لَا نَذْرُ مِیَّ اَشْرَی
اُرِیدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ۔
اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے
ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا یا انکے رب
نے ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ
کیا ہے۔

میں ارادہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا اور صیغہ مجہول کے ساتھ اس کو ذکر کیا۔
یعنی شئی اُرِیدَ کہہا اور اُرِیَ اَرَاکَ بِہُمُ رَبُّہُمُ کَمُشَدَّ۔ میں ارادہ شر کو رب العزت
کی جانب منسوب کیا۔

اور علی ہذا خضر علیہ السلام نے فَادْرُدْتُ اَنْ اَحْبِبَّہَا (میں نے ارادہ کیا اس کشتی کو عیب دار
بنا دوں) عیب اور ارادہ عیب دونوں کو اپنی جانب منسوب کیا اور۔

فَاَدْرَاکَ رَبُّکَ اَنْ یَنْبُلُغَا
اَشَدَّاهُمَا وَ یَسْتَنْجِیَا کَا کَا
رَحْمَۃً مِّنْ رَبِّکَ۔
تیرے رب نے ارادہ کیا وہ دونوں اپنی
جوانی کو پہنچیں۔ اور خدا کی ہر بانی سے
اپنا خزانہ نکالیں۔

اس آیت میں ارادہ رحمت کو رب العالیٰ کی جانب منسوب کیا اور وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ
اُمْرِی (میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا) کہہ کر جس کو اور مؤکد کر دیا۔

اور اسی طرح

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَتُہُ الرِّیَاسِہِ الرِّقَّتِ
اِلٰی نِسَائِکُمْ اور اُحِلَّ
لَکُمْ مَا وَّرَاہُ ذٰلِکُمْ۔
روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں سے
مخالفت تمہارے لیے حلال کر دی گئی۔
ان محرمات کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے
حلال کر دی گئیں۔

میں اس خاص احلال کو چونکہ اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب تھا اس لیے
دونوں جگہ اُحِلَّ کو مبنی للمفعول ذکر کیا گیا۔

اور اُحِلَّ اللہُ الْبَیْسُ وَ حَرَّہُ الرِّیَاسِہِ میں یہ مانع نہ تھا۔ اس لیے اس احلال اور
تحریم کی اسناد صراحتہ اللہ کی طرف کی گئی۔

نیز منعم حقیقی صرف وہی تبارک و تعالیٰ ہے کما قال تعالیٰ۔ وَمَا یُکْمِلُہُ مِنْ نِّعْمَۃٍ
فَیَنْ اللہُ اس لیے انعام کو امتداد کی طرف منسوب کیا گیا۔ اور غضب خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ملا کہ
اور انبیاء اور عباد صالحین کی طرف سے بھی خدا کے نافرمان اور سرکش بندوں پر ہو سکتا ہے۔

نیز مغضوب علیہم کے فاعل کا حذف اہل غضب کی تحقیر اور تذلیل کی طرف مشیر ہے اور انعام کے
فاعل کی تصریح اہل انعام کے تشریف و تمکرم کی طرف مشیر ہے۔ مثلاً کسی شخص کی نسبت یہ کہنا ہذا

الَّذِي أَكْرَمَهُ السُّلْطَانُ وَخَلَعَ عَلَيْهِ (بادشاہ نے اس شخص کا اکرام کیا اور اس کو وضعت عطا کر کیا) بہ نسبت هذا الَّذِي أَكْرَمَهُ وَخَلَعَ عَلَيْهِ (اس شخص کا اکرام کیا اور اس کو خلعت دیا گیا) کے بدرجہا بلیغ ہے اور ذکر فاعل کی وجہ سے یہ پہلا کلام جس قدر ممدوح کی طرح وثار اور تشریف و تکرم پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا کلام اس دلالت میں اس کے پاسک بھی نہیں۔ نیز حذف فاعل کچھ اعراض اور ترک التعات پر دلالت کرتا ہے جو اہل غضب کے مناسب ہے، اہل انعام کے مناسب نہیں اس لیے انعام کا فاعل ذکر کیا گیا اور غضب کا فاعل حذف کیا گیا اور چونکہ انعام کی ضد غضب ہے۔ ضلال انعام کا مقابل نہیں بلکہ رشد اور ہدایت کا مقابل ہے اس لیے اہل انعام یعنی الَّذِينَ أَكْرَمَهُمْ حَلَّتْ عَلَيْهِمْ۔ کے بعد متصلاً ہی اہل غضب یعنی عَنِيرُ الْمُعْصُوبِ حَلَّتْ عَلَيْهِمْ۔ کا ذکر فرمایا اور اہل ضلال کو بعد میں ذکر کیا۔ کیونکہ ایک ضد کے بعد دوسری کا ذکر کلام میں ایک خاص شان اور خاص تناسب پیدا کر دیتا ہے۔

اور اہل غضب کی تقدیم کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ یہود بہ نسبت نصاریٰ کے اسلام سے زیادہ دور ہیں۔ اس لیے کہ نصاریٰ نے صرف ایک نبی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور یہود نے دو پیغمبروں کی یعنی مسیح بن مریم اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حتیٰ لتالی شانہ نے غیر المعصوب علیہم کو لفظ غیر کے ساتھ ذکر فرمایا اور حرف لا کے ساتھ یعنی لا المعصوب علیہم نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ حرف لا فقط ماقبل کی نفی کے لیے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اے اندہم کو اہل انعام کا راستہ بتلانا اہل غضب کا۔ اور لفظ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحت اور نفی ماقبل پر ضمناً۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اے اللہ ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا جن کا راستہ اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے بالکل مغایر اور مباین ہے خود اہل انعام اور انکار راستہ غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہے۔ اہل فہم غور کریں کہ یہ معنی بہ نسبت پہلے معنی کے کس قدر لطیف ہیں اور کیا یہ لطافت بجائے لفظ غیر کے حرف لا، لانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کلا، ہرگز نہیں۔ نیز لفظ غیر کے لانے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہ زعم کہ ہم ہی اہل انعام ہیں جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ تَحْنُ أَبْنَاؤُا اللّٰهِ وَ أَحِبَّاؤُا۔ غلط ہے بلکہ اہل انعام ان کے سوا اور غیر ہیں۔ کما قال تعالیٰ

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

اور وَلَا الضَّالِّينَ میں حرف عاطف یعنی واؤ کے ہوتے ہوئے حرف لا کا اس لئے اضافہ

فرمایا تاکہ اہل انعام کے راستہ کا اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے فرداً فرداً اور علیحدہ علیحدہ مغایر ہو نا معلوم ہو جائے وَلَا الضَّالِّینَ سے اگر حرف لا کو حذف کر کے عَلَیْہِمْ سَبَّ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّینَ کہا جائے تو مجموعہ فریقین کے راستہ سے اہل انعام کے راستہ کا مغایر ہونا معلوم ہو گا۔ اہل انعام کے راستہ کا ہر واحد سے علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم نہ ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ مجموعہ من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموعہ من حیث المجموع کی مغایرت کو بالاولویت مستلزم ہے فافہو ذلک واستقو۔

اسرار مجموعہ سورت

۱۔ اس سورت میں دس چیزیں مذکور ہیں۔ پانچ چیزیں خدا تعالیٰ کے متعلق ہیں اور پانچ بندوں کے متعلق ہیں۔ خدا تعالیٰ کے متعلق جو چیزیں یہ ہیں۔ الوہیت۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت۔ مذہ کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں۔ عبادت۔ استعانت۔ طلب ہدایت۔ طلب استقامت۔ طلب نعمت۔

بندہ کی یہ پانچ صفیں اسی ترتیب سے خدا تعالیٰ کی پانچ صفوں سے متعلق ہیں اور معنی کلام یہ ہیں کہ اے خدا تعالیٰ ہم خاص تیری عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ تو ہمارا اللہ یعنی معبود ہے اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس لیے کہ تو ہی تمام جہانوں کا مربی اور پرورش کرنے والا ہے اور تجھ ہی سے ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔ اس لیے کہ تو رحمن ہے تیری رحمت اور مہربانی عام ہے اور تجھ ہی سے استقامت کی التجا کرتے ہیں اس لیے کہ تو رحیم ہے۔ تیری خاص رحمت خاص اہل ایمان اور اہل ہدایت ہی پر مبذول ہے اور تجھ ہی سے انعام کے امیدوار ہیں۔ اس لیے کہ تو ہی جزاء اور سزا کا مالک ہے اسی کا مل نعمت ہم کو عطا فرما کہ جو غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکل پاک ہو (تفسیر کبیر ص ۱۵۱ جلد ۱)

۲۔ نیز بندہ جب مقام مناجات میں کھڑا ہوا اور خدا کی صفات کمال بیان کرتا ہوا مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ تک پہنچا تو بے اختیار سیرالی اللہ کا شوق و امنیگر ہوا۔ ارادہ سفر کا مصمم کیا تو سفر کے لیے عبادت کا توشہ لیا۔ اور استعانت اور امداد خداوندی کی سواری پر سوار ہوا۔ زاد اور راحلہ کے مکمل ہوجانے کے بعد راستہ معلوم کیا۔ جب یدِ ہمارا راستہ معلوم ہو گیا تو رفتار طریق کی فکر ہوئی کہ جن کی رفاقت اور معیت سے راستہ سہولت سے قطع ہو اور راہزنوں یعنی اہل غضب اور اہل ضلال کا کوئی خدشہ اور دغدغہ باقی نہ رہے۔ (تفسیر عزیزی ص ۴۷)

۳۔ جن علوم کی حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی۔ وہ تین علم ہیں۔ علم شریعت۔ علم

طریقت۔ علم حقیقت اور پھر علم شریعت کی دو قسمیں ہیں۔ اول علم عقائد۔ دوم علم احکام۔ سو الحمد للہ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَا لَیْسَ یُغۡیِّرُ الدِّیۡنَ فِیۡ الْاٰیٰتِ یعنی خدا تعالیٰ کے ذات و صفات کا بیان ہے اور اِیۡهٰدِنَا الصِّرَاطَ لَنُستَقِیۡمَ اِلَیۡهِ میں ہدایت و رستگاری سعادت اور شقاوت کا بیان ہے اور چونکہ اَلَّذِیۡنَ اٰتٰیۡنَہُمُ النِّعَمَ عَلَیۡہِہُمۡ سے انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین مرد ہیں اس لیے اس آیت میں مباحث نبوت و امامت کی طرف اشارہ ہے اور اِیۡتَاۡلَکَ لَعۡنُۤہُمۡ میں علم احکام کی طرف اشارہ ہے علم طریقت جس میں نفس اور قلب کے امراض اور معایجات سے بھت کی جاتی ہے۔ اسکے مین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ توحید فی العبادۃ ہے کہ مومن خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرے۔ دوسرا مرتبہ توحید فی الاستغانت ہے یعنی سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگے۔ تیسرا مرتبہ استغانت ہے یہ سلوک کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ طریق عبودیت اور جادۂ اخلاص و محبت پر قدم ایسا ٹھیک جم جائے کہ ذرہ برابر ادھر ادھر پہنچنے نہ پائے ان مراحل اور مقامات کے طے ہو جانے کے بعد درجہ ہے مکاشفات اور تجلیات کا کہ قلب پر سحاب البہام کی بارش ہونے لگے اور علوم اور معارف اسرار اور لطائف منکشف ہونے لگیں۔ یہ علم حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا انعام فرمائے۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اٰتٰیۡنَہُمُ النِّعَمَ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ

اس سورت کے ختم پر آمین کہنا مسنون ہے اور لفظ آمین اسم فعل ہے یعنی یہ کلمہ دراصل تو اسم ہے مگر معنی میں فعل کے ہے یعنی فعل (ایسا ہی کر) کے معنی میں ہے جیسے دُوۡیۡدَ اور حَیۡیۡلَ اور ہٰکُمَ۔ اسماء افعال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ جو ہم نے تجھ سے مانگا ہے وہی کر دے یعنی اہل انعام کے راستہ پر چلا اور اہل غضب اور اہل ضلال سے ہم کو الگ رکھ اور لفظ آمین بالاتفاق سورۃ فاتحہ کا جز نہیں بلکہ جس طرح عام دعاؤں کے بعد آمین کہنا سنت ہے اسی طرح الحمد کے بعد بھی آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ اختلاف صرف اسمیں ہے کہ آمین آہستہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے جھڑکنا بہتر ہے۔ کایسی مذہب ہے کہ آہستہ کہنا بہتر ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری کا قول ہے کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا کے آہستہ مانگنے کا حکم قرآن کریم میں صریح موجود ہے۔ اٰذۡنُکُمْ سَمِعَۃً لَّہٗۤ اُحۡسِنُوۡا سِرَّ بَکۡکُمۡ تَخۡشٰوۡنَہٗ عَآ وۡحَیۡۃً اِنَّہٗ لَآ یُحِبُّ الْمُتَعَدِّیۡنَ۔ اور صحیح حدیثوں میں قولوا آمین یعنی آمین کہنے کا حکم آ رہا ہے جس سے جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ قولوا النجیات لہ الخ اور قولوا ربنا لک الحمد (منفقین) میں بھی جہر کا قائل ہونا پڑے گا حالانکہ مست کا کوئی عالم اس کا قائل نہیں دلائل کی تفصیل شرح بخاری اور شرح ہدایہ میں دیکھیں۔

صلوۃ مسلمین اور صلوۃ نصاریٰ کا تقابل

کلام الہی کے دقائق و اسرار کا تو کون احاطہ کر سکتا ہے۔ بڑے سے بڑے فہیم اور ذکی اور صاحب فہم ثاقب کی بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ یہ مختصر سورت یعنی سورہ فاتحہ جس کے معارف و لطائف کا ایک نمونہ مدنیہ ناظرین کیا گیا ہے اس کے وہ اسرار و معارف جو اللہ رب العزت کے علم میں ہیں وہ تو درکنار علماء اسلام اور حضرات مفسرین نے جو اس مختصر سورت کے دقائق و معارف بیان فرمائے ہیں۔ ہم انہیں کے استیعاب اور استقصاء سے عاجز اور در ماندہ ہیں۔ جبکہ تصدیق علماء اسلام کے تفاسیر سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم سے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ سورۃ فاتحہ جیسی سورت نہ تو رسمیت میں اتاری گئی اور نہ زبور میں اور نہ انجیل میں (آخر جہ الترمذی و صحیحہ)

اسی وجہ سے ہر نماز میں اس سورت کا پڑھنا لازم قرار دیا گیا۔ اس وقت ہم انجیل کی وہ عبارت مدنیہ ناظرین کرتے ہیں جس کو نصاریٰ اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ تاکہ دونوں کے موازنہ اور مقابلہ سے اہل اسلام کے ایمان اور ایقان میں اضافہ ہو اور نصاریٰ کے لیے اگر وہ خدا سے ڈریں اور غور و فکر سے کام لیں تو ان کے لیے موجب ہدایت ہو۔

انجیل متی باب ششم آیت نہم میں ہے کہ اس طرح نماز پڑھا کرو۔

أَبُوْنَا الَّذِي فِي السَّمَوَاتِ لِيَتَعَلَّمَ اسْمُكَ لَتَأْتِيَ مَلَكُوتُكَ
اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہو۔ تیری بادشاہت آئی جاوے تیری
لَتَكُنْ مِثْلُكَ كَمَا فِي السَّمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ خَبَرْنَا كَفَانَا أَعْطِنَا
مشیت جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ایسے ہی زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی
الْيَوْمَ وَاعْفُ دُنَا خَطَايَا كَمَا نَعْفُو لِمَنْ أخطأ إِلَيْنَا. وَلَا تَدْخُلْنَا
آج ہمیں دے اور ہماری خطاؤں کو معاف کر جیسا کہ ہم اپنے خطاکاروں کی خطا میں معاف
فِي التَّجَارِبِ لِكِنْ نَجِّنَا مِنَ الشَّيْطَانِ الْهَيْنِ.

کرتے ہیں اور ہم کو آزمائش میں نہ لالکہ بڑے لوگوں سے بچا آمین۔ یعنی قبول فرما۔

ارباب فہم و بصیرت اگر سورۃ فاتحہ کے بعد اس عبارت پر ایک نظر ڈالیں تو انکو بخوبی منکشف ہو جائیگا کہ اس عبارت کو سورۃ فاتحہ کیساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ثریٰ (خاک) کو ثریا سے ہے۔ عیضہ امر سے تقدیس اسم اور اتیان ملکوت کو طلب کرنا محض لاطائل اور تحصیل حاصل ہے وہ ہمیشہ سے قدوس اور مسلم اور ملک مقتدر اور عزیز و حکیم ہے جس ملک ملکوت اور قدوس و حکیم کی شان میں یہ لفظ

کہنا کہ چاہئے کہ تیرا نام پاک ہو اور تیری بادشاہت آئے سراسر خلاف ادب ہے اور علیٰ ہذا یہ کہنا (لَتَكُنْ مَشِيَّتَكَ كَمَا فِي السَّمَاءِ عَلَى الْاَرْضِ) چاہئے کہ تیری مشیت جیسے آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں بھی ہو۔ یہ بھی سراسر خلاف ادب ہے کیا اس کی مشیت سبع سموات اور سبع ارضین میں جاری اور ساری نہیں؟ اور کیا کوئی ذرہ اس کی قدرت اور مشیت سے مستثنیٰ ہے؟ حاشا وکلا۔ بَلَىٰ اِنَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ وَمَا لَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور علیٰ ہذا آج کی روٹی کے سوال کو ہدایت اور صراطِ مستقیم کے سوال (جو دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح اور سعادت دارین کو علی وجہ الائم شامل ہے۔ اس سے کیا نسبت؟ اور پھر اس غفور رحیم اور کیسے کے مشیّد مشیّعی سے یہ سوال کرنا کہ ایسی مغفرت عطا فرما جیسا کہ ہم اپنے گنہگاروں اور خطا کاروں کی مغفرت کرتے ہیں۔ کھلی ہوئی سفاہت اور صریح گستاخی ہے اس کی کامل و عظیم اور وسیع و عمیم مغفرت کو اپنی ناقص اور محدود اور برائے نام مغفرت کے ساتھ تشبیہ دینا اور درپردہ اپنے خطا کاروں کو خدا کے خطا کاروں کے ساتھ مماثل بتلانا اور ضمناً اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی کے ہم پلہ قرار دینا کیا یہ کھلی ہوئی گستاخی نہیں؟

اُس رب العالمین اور اس حنان و منان کے تمام آلاء و نعم میں سے صرف آج کی روٹی کا سوال کرنا۔ رب غفور اور ارحم الراحمین سے اپنی ناقص اور محدود مغفرت کے مماثل مغفرت طلب کرنا۔ نصائی کے فہم و فراست کو خوب واضح کرتا ہے۔ اخیر میں لفظ آمین مذکور ہے۔ جو اہل اسلام سے سرقہ ہے سوائے اہل اسلام کے دنیا میں کوئی بھی آمین کو نہیں جانتا۔

وَ الْاٰخِرُ كَذٰلِكَ اِنَّا اِلٰهُمُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
كَرْبُ الْعَالَمِيْنَ.

۱۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۲۸۶ آيَاتُهَا

سورۃ بقرہ مدنی ہے اسکی دوسو چھیالیس آیتیں ہیں اور چالیس رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

الْحَمْدُ ۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۡ فِیْهِ ۚ

الم اس کتاب میں کچھ شک نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سُوْرَةُ بَقَرَةٍ كِی تَفْسِیْر

اس سورۃ کو سورۃ بقرہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح بقرہ کا واقعہ مذکور ہے جو حق جل و علا کی الوہیت اور کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ ایک مقتول کا محض ایک مذبحہ گائے کا ایک ٹکڑا دینے سے زندہ ہو جانا فقط اس فَعَالٍ لِّمَآ یُرِیْدُ کے ارادہ اور مشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضار کو اس میں اصلاً دخل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ منکریں حشر اجساد کے لیے ایک عظیم نشانِ حجت ہے کہ وہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا۔ جس طرح اس مقتول کو زندہ فرمایا۔ نیز یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے ایک معجزہ تھا جو اُن کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کے لیے من جانب اللہ ظہور کیا گیا تھا۔ عرض یہ کہ بقرہ کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور احیاء موتی اور قیام قیامت، تینوں کی دلیل ہے اور یہی تین امور قرآن کریم کے اعظم مقاصد ہیں۔ نیز اس واقعہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صراطِ مستقیم کا اقتضار یہی ہے کہ بغیر تفتیش اور تفحص کے انبیاء کرام کی اطاعت کی جائے جس چیز کا حضرات انبیاء حکم دیں اس کو بے چون و چرا قبول کیا جائے۔ حضرات انبیاء کے حکم کے بغیر تفتیش میں پڑنا شک اور نفاق کی علامت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یا اطمینان ہوتا تو اس تفتیش کے غلجان میں نہ پڑتا

لے سورۃ بقرہ اور سورۃ فاتحہ کے باہمی ربط کی طرف اشارہ ہے فافہم ذلک واسمعوا ۱۲ منہ عما نذر عنہ

اور حضرات انبیاء کی اطاعت سے انحراف ضلال میں (کھلی گراہی) ہے۔ اور ان حضرات سے محبتیں کرنا موجب غضب اور لعنت ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من خذلک آمین۔ نیز دنیا کی محبت ہی تمام فتنہ اور فساد کی جڑ ہے۔ جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہو جائے تو عہد اور اقارب کی محبت بھی دل سے نکل جاتی ہے اسد جل جلالہ کی ہدایت اور انبیاء کرام کی نصیحت جب ہی نفع دیتی ہے کہ دل میں خدا کا خوف اور کچھ ڈر ہو۔ جب خدا کا خوف دل میں ہوتا ہے تب ہی صراطِ مستقیم اور راہِ حق کی تلاش اور خداوند ذوالجلال کے غضب اور لعنت سے بچنے کی فکر ہوتی ہے ورنہ جس فتنی اور بد بخت کا دل خدا کے خوف سے خالی ہے اس کے حق میں انبیاء کا ڈرنا اور نہ ڈرنا مناسب برابر ہے۔ نیز سورہ فاتحہ میں ہدایت و صراطِ مستقیم کا ذکر تھا اور سورہ بقرہ میں شروع ہی سے ہدایت اور صراطِ مستقیم کا ذکر فرمایا۔ هٰذِهِ سَبِيلُ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ ابتداء ہی میں ہدایت کا ذکر فرمایا اور پھر یہ بتلایا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ وہ ایمان اور تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کی راہ ہے پھر یہ بتلایا کہ یہ ہدایت کی نعمت کس کو نصیب ہوئی۔ اور کون اس دولت و سعادت سے محروم رہا۔ هٰذِهِ سَبِيلُكَ عَلَىٰ هٰذِهِ سَبِيلُكَ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ تک اس فریق کا ذکر فرمایا جس کو ہدایت نصیب ہوئی اور جو ظاہراً اور باطناً اللہ کی ہدایت اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔ اور پھر اہل غضب اور اہل ضلال کے دو فرقوں کا ذکر فرمایا ایک کافرین مجاہرین جو ظاہراً اور باطناً صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے تھے۔ دوم منافقین جو ظاہراً صراطِ مستقیم پر تھے اور باطناً غضب اور ضلال کی راہ پر تھے۔ اور جو تھی قسم یعنی جو ظاہراً تو غضب اور ضلال کی راہ پر ہو اور معنی صراطِ مستقیم پر ہو یہ قسم عقلاً اور مشرعاً باطل ہے اس سے اس قسم کو ذکر نہیں فرمایا۔ نیز سورہ فاتحہ میں حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر تھا اس سے سورہ بقرہ کے شروع ہی میں صحیفہ ہدایت کا ذکر فرمایا کہ جس سے بڑھ کر کوئی تربیت اور رحمت نہیں پھر کیف تکفروا باللہ و کنتتمو اُمواتاً فاحیوا کم۔ الخ میں اس ظاہری ربوبیت اور رحمت کا ذکر فرمایا جس کا تمام نوع انسانی سے تعلق ہے اور کیا لکھا الناس اعبدوا میں تمام لوگوں کو اپنی عبادت اور بندگی کا خطاب عام فرمایا۔ بعد ازاں اس خاص ربوبیت اور اس خاص رحمت کا ذکر فرمایا کہ جو دو خاص فرقوں سے متعلق تھی۔ ایک فرقہ بنی اسرائیل دوم فرقہ بنی اسماعیل پھر مسئلہ طہیت اسلام در قبلہ اسلام کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ طہیت ابراہیمی اور قبلہ ابراہیمی کا اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس راہ سے اعراض سراسر سفاهت اور حماقت ہے اور آیت لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُوْا وُجُوْكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

لہ اس میں بھی ربط کی طرف اشارہ ہے کہ ہدی للمتقین اور سوا علیہم انذر تہمواہم تندرہم کو مضبوط علیہم اور ضالین کے ساتھ کیا ربط ہے ۱۲ منہ عن اللہ علیہ۔ لہ یعنی ذالک الکتاب کا ریب فیہ ۱۲ منہ۔

وَابْقُرْ الْآخِرَ وَالْمَلَكَةَ وَانْحَتَابِ میں جو ٹھیک سورۃ بقرہ کے نصف پر ہے صراطِ مستقیم کی تفصیل فرمائی کہ صراطِ مستقیم اللہ اور یومِ آخرت اور ملائکہ اور انبیاء پر ایمان لانا ہے گویا کہ یہ آیتہ الذین یؤمنون بالغیب کی تفسیر ہے کہ غیب سے یہ چیزیں مراد ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں بعد ازاں اخیرِ سورت تک احکام کا سلسلہ چلا گیا۔ اخیرِ سورت میں اَمِنَ الشُّرُوءُ بِسْمَا اُنْزِلَ الْیَسَّ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمِنَ بِاللّٰهِ وَهَلْیُكُتِبَہٗ وَکُتِبَہٗ وَرُسُلُہٗ الایۃ میں پھر صراطِ مستقیم کی حقیقت اور ایمان بالغیب کی کیفیت کو واضح فرمایا اور مغفرت اور رحمت اور نصرت کی دعا پر سورت کو ختم فرمایا خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی ہدایت اور صراطِ مستقیم اور رحمت اور ربوبیت کا ذکر فرمایا اور درمیان میں بھی اور اخیر میں بھی گویا کہ یہ تمام سورت سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور تشریح ہے۔

المر

اس قسم کے حروف جو سورتوں کے ابتداء میں ذکر کیے جاتے ہیں ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں اس لیے کہ یہ کلمات حروفِ تہجی کی طرح جدا جدا پڑھے جاتے ہیں اس لیے مقطعات (جدا جدا) کہلاتے ہیں انکے بارہ میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ خلفہ راشدین اور جمہور صحابہؓ اور تابعینؓ کے نزدیک یہ حروف مشابہات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَمَا يَغْنَصُہٗ تَأْوِيلُہٗ اِلَّا اللّٰہُ
ان مشابہات کی حقیقت سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

(۲) بعض سلف اور جمہور متکلمین اور خلیل اور سیبویہ کے نزدیک حروفِ مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جنکے شروع میں یہ مذکور ہیں جو مضامین اس سورت میں بالتفصیل مذکور ہیں یہ حروف مقطعات اس تفصیل کا اجمال ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کا نام (الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ وایامہ) کتاب موصوف کے تمام مفصل مضامین کا اجمال ہے جس طرح مرکبات کلامیہ کا مفید معنی ہونا انکے اجزاء یعنی کلمات مفردہ کے مفید معنی ہونے پر موقوف ہے اسی طرح کلمات مفردہ کا مفید معنی ہونا حروفِ ہجائیہ کے مفید معنی ہونے پر موقوف ہے جس درجہ کلام میں ترکیب ہوگی اسی درجہ معنی میں بھی ترکیب ہوگی یہ وجہ ہے کہ مرکبات اصنافیہ اور مرکبات توصیفیہ کے معنی میں اتنی ترکیب نہیں جتنی کہ مرکبات تامہ خبریہ کے معنی میں ترکیب ہے ترکیب غلطی کے انحطاط سے ترکیب معنوی میں بھی انحطاط آگیا

مرکبات اصنافیہ اگرچہ فی حد ذاتہ مرکبات ہیں مگر

مرکبات تمامہ خبریہ کے لحاظ سے فی الجملہ بسیط ہیں اور اسی نسبت سے ان کے معنی میں بھی بساطت اور اجمال ہے مگر حروف ہجائیہ مادہ کلمات ہونے کی وجہ سے انتہا درجہ کے بسیط ہیں پس اسی نسبت سے ان کے معنی میں بھی انتہا درجہ کی بساطت اور غایت درجہ کا اجمال ہو گا جن کا بغیر تعلیم الہی اور بدون تائید غیبی کے سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ”فوز الکبیر“ میں اسی مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے اسرار اور رموز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہی حضرات پر مشکف ہوتے ہیں جو من جانب اللہ خاص طور پر علوم نبوت کے وارث بنائے گئے بلکہ کسی وقت حروف مقطعات خود بخود ان وارثین علوم نبوت کے سامنے اپنے اندر ذاتی اسرار اور غوامض پوشنے لگتے ہیں جن طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سنگریزے تسبیح پڑھتے تھے اور صحابہ کرام اپنے کانوں سے سنگریزوں کی تسبیح کو سنتے تھے۔ اور گوہ اور ہرن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے تھے باقی ہم جیسوں کا حروف مقطعات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہنا ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کہ نفس الامراد واقع میں یہ حروف معانی اور حقائق سے عاری ہیں۔ (روح المعانی) حدیث میں ہے کہ ہر آیت کے لیے ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے یعنی ظاہری معنی کے علاوہ اس آیت کے کچھ باطنی و معنوی اسرار اور لطائف بھی ہوتے ہیں جنکو ارباب باطن ہی سمجھتے ہیں اور وہ باطنی اسرار۔ مدلول لفظی کے ماتحت ہونے میں مخالف نہیں ہوتے بلکہ باطنی اسرار کے حق اور باطل ہونے کا معیار ہی یہ ہے کہ وہ آیت کے ظاہری مدلول کے مطابق ہوں نہ کہ مخالف۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ وہ باطنی معنی ظاہری مدلول کے ماتحت ہوں اور ظاہر ہے کہ ماتحت ہو کر مافوق کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ حروف مقطعات ظاہر کے اعتبار سے جھول الکنہ اور غیر معلوم المراد ہوں اور باطن کے اعتبار سے ارباب باطن کے نزدیک معلوم المراد ہوں۔

۳۔ علامہ زعفرانی اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات۔ حروف تہجی کے اسماء ہیں اور ظاہر ہے کہ کلام کا مادہ اور عنصر ہی حروف تہجی ہیں۔ انہی سے مل کر کلام بنتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض سورتوں کو ان حروف سے شروع کرنے میں اعجاز قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن جس کے کلام الہی ہونے کا تم لوگ انکار کرتے ہو وہ انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو ترکیب دیتے ہو پس اگر یہ قرآن خدا کا کلام نہیں تو تم اس جیسے کلام کے بنانے سے کیوں عاجز ہو پھر اس ذاتی اعجاز کے علاوہ اس پر بھی تو نظر کرو کہ ان مقطعات کا پیش کرنے والا شخص محض امی ہے جس نے نہ کبھی کسی مکتب کا دروازہ جھانکا اور نہ کسی استاد اور کاتب کے سامنے زانوئے ادب تم کیا اور تم نعماء اور بلغاء اور ادباء اور خطباء ہو اور اس نبی امی نے جن حروف کو پیش کیا ہے ان میں ایسے ایسے دقیق اور نکات کی رعایت کی گئی ہے کہ جن کی بڑے سے بڑا ادیب اور ماہر عربیت بھی رعایت

نہیں کر سکتا۔

ۛ

صد ہزاراں دفتر اشعار بود ۛ پیش حرف امیش آں عار بود
مثلاً یہ کہ قرآن مجید کی انتیس سورتوں میں جو شمار کے اعتبار سے حروف تہجی کے برابر ہیں۔ چودہ حروف
لائے گئے ہیں جو حروف تہجی کا نصف ہیں۔ نیز حروف کی تمام اقسام یعنی مہوسہ اور مہورہ۔ شدیدہ اور
رخوہ۔ مطبقہ اور منفقہ وغیرہ وغیرہ میں سے ہر قسم کے نصف نصف حروف لائے گئے ہیں۔ تفصیل کے
کے لیے کثاف اور بیضاوی کی مراجعت فرمائیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حروف مقطعات کی تفسیر میں علماء
کے اقوال مختلف ہیں۔ اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ یہ تمام قول اپنی اپنی جگہ پر سب درست ہیں حروف
مقطعات لغت عربیہ کے اعتبار سے حروف تہجی کے اسما ہیں۔ جیسا کہ علامہ زحشری اور قاضی بیضاوی
فرماتے ہیں اور یہی خلیل بن احمد اور سیبویہ اور دیگر ائمہ عربیت کا مذہب ہے اور ظاہر شریعت کے
اعتبار سے نقشبات اور خداوند ذوالجلال کے مخفی اسما ہیں جنکے معانی سے عام طور پر لوگوں کو اطلاع
نہیں دی گئی اور نہ ان میں اسکی متعدد ہرے اس لیے ان پر ایمان لانا لازم ہے اور ان کی تحقیق اور تفتیش
کرنا ممنوع ہوا اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جب حروف مقطعات کو سر الہی مانا گیا تو قرآن مہموم الہی
نہ رہے گا تو پھر نزول سے کیا فائدہ؟ جواب یہ کہ نزول قرآن کا فائدہ۔ ہم معانی میں منحصر نہیں۔ بلکہ
بہمت سے مقامات ایسے ہیں کہ جہاں مکلفین سے فقط ایمان لانا مطلوب ہے اسی طرح حروف مقطعات
کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کے من جانب اندر ہونے کا
یقین کریں تاکہ بندوں کا کمال انقیاد ظاہر ہو ۛ

زبان تازہ کردن با قرار تو ۛ نینگختن علت از کار تو

یہ حضرات مفسرین اور محدثین (بکسر الدال) کا مذہب ہے اور حضرات محدثین (بفتح الدال) یعنی
جو حضرات محدث من اللہ اور ملہم من اللہ ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ شائد کبھی کبھی اپنے
خصوص بندوں کو حروف مقطعات کے معانی اور اسرار سے بذریعہ الہام کے مطلع فرما دیتے ہیں۔
محدثین (بکسر الدال) اور محدثین (بفتح الدال) میں حقیقی نزاع نہیں محض لفظی نزاع ہے۔ محدثین جو علم
اور ادراک کی نفی کرتے ہیں وہ عوام کے اعتبار سے ہے اور اس نفی سے ہی علم یقینی کی نفی مراد ہے
علم ظنی اور وجدی کی نفی مراد نہیں اور محدثین (بفتح الدال) جو حروف مقطعات کے معانی کے علم اور
ادراک کے قائل ہیں وہ خواص کے لیے قائل ہیں نہ کہ عوام کے لیے اور پھر خواص کو بھی جو علم ہوتا
ہے وہ ظنی اور وجدی ہوتا ہے قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور عجب نہیں کہ حروف مقطعات عالم غیب
میں ذوالوجہ ہوں کسی پر کوئی معنی اور کسی پر کوئی معنی منکشف ہوں۔ مثلاً کسی پر یہ منکشف ہوا ہو
کہ حروف مقطعات اسما الہی ہیں اور کسی پر یہ منکشف ہوا ہو کہ یہ اسما و سورا ہیں جس کسی نے جو کچھ
کہا وہ اپنے مکاشفہ اور مشاہدہ کے لحاظ سے کہا اور تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو عربی زبان میں اتارا عربی

زبان کے اعتبار سے حروف مقطعات حروف تہجی کے اسماء ہیں۔ سورتوں کے شروع میں طرح طرح کے حروف اور معارف اور قسم قسم اعجاز کی رعایت کے ساتھ ان کو لایا گیا ہے لہذا ائمہ عربیت اور علامہ زنجشیری اور قاضی بیضاوی کا یہ قول محدثین اور محدثین کے قول کے ہرگز منافی و مخالف نہیں علامہ زنجشیری اور بیضاوی کا قول لسان عربیہ میں کے قواعد پر مبنی ہے اور محدثین (بکسر الدال) کا قول کہ حروف مقطعات متشابہات سے ہیں ظاہر شریعت پر مبنی ہے اور محدثین (بفتح الدال) یعنی اولیاء اللہ اور عارفین کا قول باطن شریعت پر مبنی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور پھر ہر ظاہر اور ہر باطن کے لیے کچھ وجوہ ہوتے ہیں کوئی عالم کسی وجہ کو اختیار کرتا ہے اور کوئی کسی وجہ کو۔ **وَلِكُلٍّ رُجُومٌ مِّنْهُ هُوَ مَوْلَاهُمَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اَتَمُّوْا حُكْمَ**

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ

یہی کتاب حقیقت میں کتاب ہے کہ تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ کے متفرق علوم اور مضامین کی جامع ہے اور اسی وجہ سے اسکا اتباع تمام کتب سماویہ کا اتباع ہے اور اسکا انکار تمام کتب الہیہ کا انکار ہے کتاب کا اصل مادہ لغت میں جمع کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اس کے مناسب معنی بیان کیے گئے اور ذٰلک اسم اشارہ اس لیے لایا گیا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس کتاب کی جامعیت محسوس اور مشاہدہ ہے۔ ارباب معنی تو علوم اور معارف کی روشنی میں اسکی جامعیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اصحاب لفظ۔ فصاحت اور بلاغت کے آئینہ میں اسکی جامعیت کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

بہار عالم حسن دل و جاں تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت را ہوا رباب معنی را اور بجائے لفظ ہذا کے جو اشارہ قریب کے لیے مستعمل ہوتا ہے لفظ ذٰلک کا استعمال فرمایا جو اشارہ بعیدہ کے لیے وضع ہوا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی بے مثال جامعیت اور عجیب و غریب حقائق و معارف اور اسرار و غوامض اور دقائق اور لطائف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نظر و فکر کی جولانگاہ سے بہت ہی دور اور بلند اور برتر ہے۔ یعنی قرآن اگرچہ باعتبار صورت کے حاضر و قریب ہے مگر اسرار و حقائق کے اعتبار سے ہمارے فہم و ادراک سے بہت بعید ہے۔ اس لیے بجائے ہذا کے ذٰلک اسم اشارہ بعید لایا گیا۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ

اور اس کتاب کے کامل اور بیہمان ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے تمام مطالب مدلل اور

مہربن ہیں اس میں کسی قسم کے شک اور تردد کی ذرہ برابر گنجی نشیں ایسی جامع اور مکمل۔ اور واضح اور مدلل کتاب میں بھی اگر کسی کو کوئی شک اور شبہ پیش آئے تو وہ اسکے فہم کا تصور ہے اس کتاب میں تو کوئی شبہ نہیں یہ نا فہم اپنی نا فہمی سے شبہ میں پڑ گیا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی بات بھی عقل سلیم کے خلاف نہیں۔

یہ پہلی سورت ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی مگر ایک آیت وَ تَقُولُوا يٰقَوْمَا تَرٰوْجِعُوْنَ فِیْہِ اِلٰی اللّٰہِ۔ بالاتفاق حجتہ بوداع میں دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں اتری۔ تبیع کے زمانہ سے یہودی نبی آخر الزمان کے انتظار میں مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے ان آیات میں انہیں کو خطاب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے، جس کی خبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دیتے چلے آئے ہیں۔ مالک بن صفیہ یہودی مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا تھا کہ یہ وہ کتاب نہیں کہ جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے اور اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ علماء بنی اسرائیل میں سے جو حقیقت میں علماء تھے۔ وہ قرآن کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور جن کے دل ثمن قلیل اور درہم معدودہ کی محبت میں گرفتار تھے وہ اس سعادت سے محروم رہے کما قال قلنا۔

قرآن کو ہم نے بتفریق نازل کیا تاکہ آپ اسکو لوگوں کے سامنے آہستہ آہستہ پڑھیں اور بتدریج ہم نے اس کو نازل کیا آپ کہہ دیجیئے کہ اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ مگر وہ لوگ جنکو اس کے نازل ہونے سے پہلے اس کا علم دیا گیا ان کی حالت تو یہ ہے کہ جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو ٹھوڑوں پر سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ بیشک خدا کا وعدہ (جو اس کتاب کے نازل کرنے کے متعلق تھا) وہ پورا ہو کر رہا اور گریہ وزاری کرتے ہوئے ٹھوڑیوں پر گرتے ہیں اور اسکے نشوع میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَ قُرْآنًا فَرَقْنٰہُ لِتَقْرٰۤاۨ عَلٰی النَّاسِ عَلٰی مَکْنٰثٍ
وَ لَنُرٰیہُ تَنْزِیْلًا ۚ قُلْ اٰمِنُوْا بِہٖ اَوَّلًا ثُمَّ مِنْۢ بَعْدِہَا
اِنَّ الَّذِیْنَ اَوَّلُوْا اِلَیْہِہٖ مِنْ قَبْلِہٖ
اِذَا مِثْلٰی عَلَیْہِہٖ یَخِیْرُوْنَ ۚ
لَاۤ اَذِقَآیْ سَجْدًا ۙ وَ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا
اِنْ کَانَ وَ حُدَّ رَبِّنَا لِلْفَعُوْلَ
وَ یَخِیْرُوْنَ ۚ لَاۤ اَذِقَآیْ
یَبْکُوْنَ ۙ وَ یَزِیْدُوْہُمْ
خُشُوْعًا ۚ

ۛ ۛ ۛ
ۛ ۛ ۛ
ۛ ۛ ۛ

۱) اس روایت سے ذلک اسم اشارہ بعید لانے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ ذلک کا اشارہ اس کتاب کی طرف ہے کہ جس کی انبیاء سابقین خبر دیتے چلے آئے تھے۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کی خبر کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔

۲) یہ خصوصیت قرآن کریم ہی کی ہے کہ اسکے تمام مضامین عقل سلیم کے مطابق اور سب کے سب یقینی ہیں۔ تقلیدی اور ظنی نہیں کہیں ریب اور تردد کی گنجائش نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس کتاب کے مضامین اور مطالب اس درجہ قطعی اور یقینی ہوں کہ اس میں کہیں شک اور شبہ کی گنجائش نہ ہو تو اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں کیا شک اور شبہ ہو سکتا ہے تو ریت اور انجیل کو دیکھیے کہ اصل ہی سے مشکوک ہے تثلیث اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے مضامین فقط اس درجہ ہی ہیں نہیں کہ عقل کو ان میں کوئی شک اور تردد ہو بلکہ عقل قطعاً انکو غور و باطل سمجھتی ہے تو ریت میں الیاذ باللہ حضرات انبیاء کا بت پرستی کرنا اور جھوٹ بولنا اور الیاذ باللہ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا مذکور ہے اسکو کون عقل باور کر سکتی ہے۔ وید اور دساتیر میں جا بجا عناصر اور کواکب پرستی کے مضامین مذکور ہیں جن سے عقل نفرت کرتی ہے لنگ اور بہک (فرج) کی پوجا کا ذکر ہی عقل کے لیے باعث صد عار و ننگ ہے۔ شرک اور بے شرمی کی بھی حد ہو گئی کہ شرمگاہ کو بھی پرستش سے نہ چھوڑا۔

مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ص ۶۱ ج ۲ گبن جو کہ انگلستان کا بڑا مشہور دین اور مقنن ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

محمد کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے مکہ کے پیغمبر نے جن اور انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا ہے کہ جو شئی طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادثہ ہے وہ فانی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ محدود ہو جاتی ہے الخ ان بڑے بڑے حقانی کو پیغمبر نے مشہور کیا الخ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے عقائد مذکورہ بالا کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ عقائد ہمارے ادراک اور قوائے عقلی سے بڑھ کر ہیں وہ اصل کہ جس کی بنا عقل اور وحی پر ہے محمد کی شبہات سے استحکام کو پہنچی انتہی مختصراً اور سبیل باوجود سخت تعصب کے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں اقرار کرتا ہے کہ تمہارے سے دنوں میں جو محمد کا دین مشرقاً و غرباً راسخ زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ امور ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے جو لوگ تلوار کے زور سے اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ انتہی مختصراً۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَ

رہ بتاتی ہے ڈر والوں کو جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے اور درست

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾

کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

صِفَاتِ مُؤْمِنِينَ مُخْلِصِينَ

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کے لیے جس درجہ کا تقویٰ ہے اس درجہ کی ہدایت ہے یہ جملہ حَالِکَ الْکِتَابِ کی دوسری دلیل سے یعنی کتاب حقیقت میں یہی ہے اس لیے کہ اول تو اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں دوم یہ کہ یہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نور مبین اور مشعل ہدایت ہے۔ جب تک دل میں خدا کا خوف نہ ہو اس وقت تک راہ ہدایت نظر نہیں آتی یا یہ کہو کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ لَا دُشِبَ فِيْهِ کی دلیل سے یعنی اس جامع کتاب میں اس لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتاب نہ مشعل ہدایت ہے لوگوں کے شبہات اور توہمات کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے اتاری گئی ہے ہر بات اسکی میزان عقل میں تلی ہوئی ہے ہر بیان اسکا شافی اور کافی مدلل اور مبہر ہے۔ اور ام پرستوں کے لیے سیف قاطع ہے۔ بھلا ایسی کتاب میں کہاں شک اور شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے چند سال میں جو لوگوں کو ہدایت کی طرف کھینچا تو ریت انجیل اس کی نظیر تو کیا عشر عشیر بھی نہیں پیش کر سکتی۔ چند ہی روز میں عرب جیسے وحشی ملک کو خدا پرستی کا گہوارہ بنا دیا۔ عرب کے درندے سے یگانگت شمع نبوت کا پردانہ بن گئے حواریں کی بے وفائی کے خود نصاریٰ معترف ہیں کہ حضرت مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور یہود نے تیس درہم رشوت لیکر حضرت مسیح کو گرفتار کر دیا۔ سورۃ فاتحہ میں بندوں کی جانب سے خدا کی حمد و ثناء کا ذکر تھا۔ سورۃ بقرہ میں اسکے برعکس خدا کے عزوجل کی جانب سے عباد متقین کی مدح و ثناء کا ذکر ہے۔ سبحان اللہ۔ خود اپنی رحمت اور فضل سے ایمان اور تقویٰ کی صفت عطا فرماتے اور پھر خود ہی اسکی توصیف فرماتے ہیں۔ اللہو لا نخصی ثناء علیک انت کما اثلیمت علی نفسک۔

لغت میں تقویٰ کے معنی صیانت اور حفاظت کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ان چیزوں

سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں جو آخرت کے لحاظ سے ضرور سامں ہوں۔ خواہ از قبیل عمامہ و اخلاق ہوں یا از قبیل اقوال و افعال و احوال ہوں۔ اور چونکہ ضرر کے درجات مختلف ہیں اسی اعتبار سے تقویٰ کے درجات بھی مختلف ہیں۔

پہلا مرتبہ

یہ ہے کہ کفر سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو وراپنے کو عذاب دائمی کی مغفرت سے بچالے۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ كَلِمَةِ الْتَقْوَىٰ فِي تَقْوَىٰ سَعِيٍّ مُّراد ہیں۔

دو سطر مرتبه

یہ ہے کہ اپنے نفس کو ارتکابِ کبائر اور اصرارِ علی الصغائر کی مضرت سے محفوظ رکھے کما
 قَالَ تَعَالَى ذِكْرُكَ اَهْلَ الْقُرَى اٰمَنُوا وَالتَّقْوَى۔ اہل شریعت کی اصطلاح میں جب تقویٰ کا
 لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔
 نَحَلَّ الذُّنُوبَ صَغِيرَهَا .. وَكَبِيرَهَا ذَاكَ التَّقْوَى
 چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ یہی تقویٰ ہے۔

نَحْلُ الذُّنُوبِ صَغِيرَهَا .. وَكَبِيرَهَا ذَاكَ الثَّقَلُ
چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ یہی تقویٰ ہے۔

چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ یہی تقویٰ ہے۔

وَاصْنَعْ كَمَا شِ فَوْقَ أَرْضِ الشَّوْكِ بِحَذَرٍ مَا يَرَى

غڈ کی راہ میں اس طرح چل جس طرح کہ خاردار جنگل میں ڈر ڈر کر اور سنبھل سنبھل کر کوئی چلتا ہے۔

لَا تَخْشَوْنَ صَافِرَةَ إِنَّ الْجَبَالَ مِنَ الْمَعْصِي

چھوٹے چھوٹے گناہ کو بھی حقیر مت سمجھو۔ چھوٹے سنگریزوں سے پہاڑ بنتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی تو یہ جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کبھی کسی پر ظار راستہ سے بھی گزرے ہیں فرمایا کیوں نہیں۔ ابی بن کعب نے کہا کہ اے امیر المؤمنین پھر آپ نے اس وقت کیا کیا۔ فرمایا کہ میں نے دامن چڑھائے بچا کر قدم رکھے کانٹوں سے بچنے کے لیے اپنی تمام جدوجہد کو خرچ کر ڈالا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہی تقویٰ ہے یعنی حق جل و علا کی معصیت اور نافرمانی سے بچنے کے لیے اپنی پوری

۱۲۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ اگر دنیاوی ذلت و ندامت سے ڈر کر محیصیت کو چھوڑا تو وہ تقویٰ نہیں دے گا کہ
ڈر سے گناہ کو چھوڑنے کا نام تقویٰ ہے ۱۲ منہ عما اللہ عنہ

ہمت اور طاقت کو خرچ کر دینے کا نام تقویٰ ہے، اسی لیے ارشاد فرمایا۔
 اِنَّ اَكْثَرَ مَكْرُوحٍ عِنْدَ اللّٰهِ
 اَتَقٰتُكُمُ
 یقیناً خدا کے نزدیک سب سے زیادہ
 عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ
 خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی
 سے بچنے والا ہے۔

تیسرا مرتبہ

یہ ہے کہ قلب کو ہر اس چیز سے محفوظ کر لیا جائے جو خدا تعالیٰ سے غافل کرتی ہو اور
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ۔ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ
 اس سے ڈرنے کا حق ہے) اس آیت میں تقویٰ کا یہی مرتبہ مراد ہے۔ خدا کا خوف ہی ہدایت
 کا مہدار اور ہر قسم کے فوز و فلاح کا سرچشمہ ہے اسی لیے حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت
 صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی
 نصیحت فرمائی۔ اَلَا تَتَّقُونَ کیا تم کو خدا کا خوف نہیں۔ اور فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ اطِيعُوا أَمْرًا
 ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس لیے کہ بغیر خدا کے خوف کے کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی کہا قال
 تَعَالَى سَيِّدُ الْكَرَمِ مَنْ يَخْشَى۔ یعنی نصیحت وہی قبول کرے گا جو خدا سے ڈرتا ہوگا۔

حق جل و علانے دوسرے موقع پر سبائے ہُدٰی يَلْمِزُ الْمُتَّقِينَ، هُدٰی لِلنَّاسِ
 (یعنی ہدایت ہے انسانوں کے لیے)، ارشاد فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو متقی نہیں وہ حقیقت
 انسان نہیں نہایت اور آدمیت کا اقتضایہ یہ ہے کہ اپنے خالق اور مالک سے ڈرے اور جو اس
 حکم الٰہی کیوں سے نہیں ڈرتا وہ انسان نہیں بہائم کے مثل ہے بلکہ بہائم سے بدتر قال تَعَالَى اُولٰٓئِكَ
 كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

سفر آخرت کے لیے تقویٰ ہی کا توشہ اور تقویٰ ہی کا لباس کارآمد ہو سکتا ہے کہا قال تَعَالَى
 وَكَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ مَلَأٍ
 التَّقْوٰی۔
 سفر کے لیے توشہ ہے توپس تحقیق سب
 سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔

جس طرح بغیر زاد راہ کے مسافر کا دنیاوی سفر نامہ ممکن ہے۔ اسی طرح بغیر تقویٰ کے توشہ کے آخرت
 کا سفر نامہ ممکن ہے اور جس طرح ایک معمولی راستہ سے برہنہ اور عرباں گزرنا خلاف حیا اور خلاف شرم ہے
 اسی طرح اس عظیم الشان شاہراہ سے جو ایک لمحہ کے لیے بھی بے شمار ملائکہ اللہ سے خالی نہیں رہتی
 لباس تقویٰ سے برہنہ اور عرباں گزرنا کس طرح بے حیائی اور بے شرمی نہ ہوگا۔ اَعَاذَ نَا اللّٰهُ مِنْ

ذٰلِكَ اٰمِيْنَ

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ایمان بالغیب متقیوں کا خاص شعار ہے یہ کلمہ المتقین کی صفت ہے یا یوں کہو کہ پرہیزگاروں کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ پرہیزگار وہ ہیں جو خدا پر اور خدا کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور عبادت گزار ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں المتقین میں تمام بڑی باتوں کے ترک کی طرف اشارہ تھا۔ اب امور خیر کا ذکر فرماتے ہیں چونکہ اجزاء انسانی میں سب سے اعظم اور اشرف جزء قلب ہے۔ اس لیے سب سے پہلے فعل قلب یعنی ایمان کا ذکر فرمایا جو درست اعتقاد کا نشان ہے اور آئندہ آیت وَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ میں اعمال بدنیہ کا ذکر فرمایا جو درست اعمال کی نشانی ہیں۔

ایمان اور کفر کی تعریف

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق اور تسلیم کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان اسکو کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے لیکر آئے نبی کے اعتماد اور بھروسہ پر دل سے اسکی تصدیق کرنا یعنی دل سے اسکو سچا جانا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا یہ تو ایمان ہے اور دین کی کسی ایک چیز کا نہ ماننا اور انکار کرنا کفر ہے۔

تشریحات

۱۔ تصدیق قلبی سے محض علم اور معرفت مراد نہیں۔ تصدیق اور چیز ہے اور علم اور معرفت اور چیز ہے اور علم کے معنی جاننے کے ہیں۔ اور معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں اور تصدیق کے معنی ماننے کے ہیں اور ایمان نام ماننے کا ہے۔ جانتے کا نام ایمان نہیں۔ کفار مکہ دلائل نبوت کو دیکھ کر جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں اور علماء یہود آئینہ خوب پہچانتے تھے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی انبیاء کرام بشارت دیتے چلے آئے آپکی جو علامتیں توریت اور انجیل میں تھیں وہ تمام علامتیں اپنی آنکھوں سے آپ میں دیکھتے تھے۔

يَقْرُؤْنَہٗ کَمَا یَعْرِیْوْنَہٗ
اَبْنَاءُہُمْ۔

مگر جانتے نہ تھے اس لیے ایمان سے بے بہرہ تھے۔ ایمان محض جاننے اور پہچاننے کا نام نہیں بلکہ اپنے اختیار اور ارادہ اور رضا و رغبت سے ماننے کا نام ایمان ہے وقال تعالیٰ۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُمَا سُلَيْكَةً
الْفُسْهُهُ ظُلْمًا ذَعُولًا
آپ کی نبوت کا محض تکبر کی وجہ سے
انکار کرتے ہیں مگر دل ان کے یقین

کیے ہوئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ محض علم و ایمان - ایمان کی حقیقت نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت تسلیم اور ایمان سے باہر بالفاظ دیگر - ایمان جاننے اور پہچاننے اور یقین کرنے کا نام نہیں بلکہ ماننے کا نام ایمان ہے۔ ایمان کی تعریف میں نبی کے بھروسہ اور اعتماد کی قید اس لیے لگائی گئی کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اللہ کی باتیں محض نبی کے کہنے سے اور محض نبی کے اعتماد اور بھروسہ پر ماننے مثلاً کوئی شخص توحید اور رسالت دونوں کا اقرار کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ میں توحید خداوندی کا فلاسفہ کی طرح محض دلائل عقلیہ کے بنا پر قائل ہوں۔ رسول اللہ کے کہنے سے توحید کا قائل نہیں تو ایسے شخص کا ایمان معتبر نہیں اس کی توحید فلاسفہ یونان کی توحید ہے اہل ایمان کی توحید نہیں جیسا کہ عارف جامی شواہد النبوت کے پہلے ہی صفحہ میں حمد و لغت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

”تختین رکن ازالہ کان اسلام اقرار بکلمہ شہادت است و حقیقت ایمان تصدیق بمضمون آں و آں شتمبر دو امر است یکے اقرار بوحثیت حق سبحانہ قائلے و گردیدن بآں و دوم اقرار نبوت و رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و گردیدن بآں۔ و امراول وقتے معتبر است کہ مقتبس از مشکوٰۃ نبوت باشد اگر بجز دلائل عقلی اکتفا نہ کنند چون فلاسفہ و از مشکوٰۃ نبوت دیگر و مفید نجات نیست“ انتہی کلام۔

۳۔ دین کی باتوں کا ماننا وہی معتبر ہے کہ جب ان کو اسی طرح مانا جائے کہ جس طرح اور جس ہیئت سے انکا دین ہونا ثابت ہو رہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز کا شمار اسلام اور فریضہ دین ہونا تو تسلیم کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ صلوٰۃ سے مطلق دعا اور حضور و حضور مراد سے اور نماز کی فرضیت بہ ہیئت مخصوصہ یعنی بطریق قیام و قعود اور رکوع و سجود۔ تسلیم نہیں کرتا تو ایسا شخص قطعاً دائرہ ایمان سے خارج ہے یا مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت کو تسلیم کرے مگر یہ کہے کہ زکوٰۃ سے محض تزکیہ اور تطہیر مراد ہے یہ خاص نصاب اور مال کی خاص مقدار ضروری نہیں تو ایسا شخص مؤمن نہیں۔ بعد اور زندگی ہے۔ اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے الفاظ کو بحال اور برقرار رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے یہ ایمان نہیں بلکہ دین کا متحضر اور مذاق ہے اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا
اٰمَنَ النَّاسُ۔
اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ ایمان لاؤ
جیسا کہ یہ لوگ یعنی صحابہ ایمان لائے۔

اسی طرف مشیر ہے کہ ایمان میں وہی تصدیق اور اذعان معتبر ہے جو صحابہ کرام کے قبول و تسلیم اور ان کے تصدیق اور اذعان کے ہم رنگ ہو۔ یہ نہیں کہ نام تو وہی ہو اور حقیقت کچھ اور ہو۔ اصل ایمان تو تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار حقیقت ایمان کی حکایت ہے اگر حکایت محکی عنہ

کے مطابق ہے تو فہم۔ ورنہ سوائے مکرو فریب کے کوئی شے نہیں۔ محض ایک جھوٹ ہے جو صدق اور راستی کے باس میں نمودار ہے۔

۵۔ حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ ایمان کی اصل حقیقت تو تصدیق قلبی ہے اور اقرار لسانی۔ دینی احکام کے جاری کرنے کے لیے شرط ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے بغیر زبان کے دل کا حال کبے معلوم ہو تصدیق قلبی چونکہ ایک پوشیدہ چیز ہے ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا اس لیے بطور علامت اقرار لسانی اس کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ ظاہری احکام جاری ہو سکیں ورنہ اگر کوئی شخص گونگا ہو یا کسی کے اکراہ اور زبردستی سے محض زبان سے کلمہ کفر کہے اور دل میں تصدیق موجود ہو تو کافر نہیں یا تصدیق قلبی کے بعد مرجائے اور زبانی اقرار کی لو بہت نہ آئے تو اس کے ایمان میں کوئی خلل نہیں۔ حضرات محدثین اگرچہ اقرار باللسان اور عمل بالاركان کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں لیکن ایمان کی اصل اور جڑ تصدیق قلبی ہی کو بتاتے ہیں اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان بغیر عمل صالح کے ناقص ہے کفر نہیں۔ حضرات متکلمین اور حضرات محدثین میں محض صوری نزاع ہے حقیقی اور معنوی نزاع نہیں۔ امام غزالی قدس التدریس فیصل التفرقة بین الاسلام والنزہۃ میں ایمان اور کفر کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں

أَكْفَرُ مَنْ تَكْذَبُ الرَّسُولَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
شَيْءٍ مِمَّا جَاءَ بِهِ وَالْإِيمَانُ
تَصْدِيقُهُ فِي جَمِيعِ مَا جَاءَ بِهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی
چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی تکذیب
کر دینے کا نام کفر ہے اور تمام امور میں
آپ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام غزالی قدس سرہ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے فقط ایک دو امر کی تصدیق کافی نہیں۔ تمام امور میں رسول اللہ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ ہاں کفر میں تمام امور کی تکذیب ضروری نہیں۔ ایک شے میں بھی رسول کی تکذیب کفر ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں اہل ایمان اور اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام متواترات اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہوں گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انکی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ محترمہ اور خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے دائرۃ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ فقط قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے اہل ایمان اور اہل قبلہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک رسول کی تمام باتوں کی تصدیق نہ کرے

کما قال اللہ تعالیٰ .

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْتَمَسَ الْوِلْدَانَ

نیکی اور بھلائی اس میں منحصر نہیں کہ فقط تم
اپسے چہروں کو مشرق اور مغرب کی جانب
پھیر لو لیکن نیکی اور بھلائی یہ ہے کہ ایمان
لائے اللہ پر اور یوم قیامت پر اور تمام فرشتوں
پر اور اللہ کی برکت پر اور تمام پیغمبروں پر

الحاصل اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتے
ہوں اور کسی امر دینی کے مکذب اور منکر نہ ہوں اور ضروریات دین سے وہ امور مراد ہیں کہ جو شریعت میں
ایسے معلوم اور مشہور ہوں کہ خواص و عوام سب انکو جانتے اور پہچانتے ہوں۔ جیسے توحید اور رسالت اور
جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک امر کا بھی انکار کر دے کہ حسادین سے ہونا قطعی اور برہمی
طور سے ثابت ہے تو وہ شخص قطعاً دارۃ ایمان اور زمرہ اہل قبلہ سے خارج ہے اگرچہ وہ شخص
قبلہ رو ہو کر دن میں پچاس نمازیں ادا کرتا ہو۔ قال تعالیٰ .

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ
وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ
مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ
إِلاَّ خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
يُؤْتَوْنَ الْعَذَابَ أَشَدَّ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ط

کیا تم لوگ کتاب الہی کی بعض باتوں کو مانتے
اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ ایسے شخص کی
جزا سوائے اسکے کچھ نہیں کہ دنیا میں زاری
ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت
عذاب کی طرف لوٹایا جائے تم جو کچھ کرتے
ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ محض بعض احکام کو مان لینا کافی نہیں جب تک تمام احکام
کی تصدیق نہ کرے۔ ایسے ہی لوگوں کی بابت پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ
عَذَابَ الْعَذَابِ وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ ه وَلَقَدْ آتَيْنَا
مُوسَى الْكِتَابَ وَكَفَيْنَا
وَمِنْ كُنُودِهِ الرَّسُولَ
وَأَتَيْنَا هَارُونَ مِنْ بَيْنِهِ
الْبَيْتَ وَآتَيْنَاهُ يَدُورَ
الْعُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ
رَسُولٌ مِّنْكُمْ يَبْشُرُكُمْ
بِحَيَاةٍ ط

ایسے ہی لوگوں نے حیات دنیا دیر کو آخرت
حیات کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ پس
ان پر سے نہ عذاب میں کمی کی جائے گی
اور نہ انکی کوئی مدد کی جائے گی اور البتہ ہم
نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکے بعد پے درپے
رسل بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے ہوئے
نشانات دیئے اور روح القدس سے ان
کی نائید کی تو پھر کیا تم ایسے ہو گئے کہ تب

عہ یہ قدر اس لیے لکھا کہ دین امر کا ثبوت ظنی ہے ایسے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔

اَسْتَحْبَرْتُمْ فَرِيقًا كَذَّبْتُمْ
وَفَرِيقًا تَقْتُلُوْنَ ۚ وَقَالُوْا
قَدْ بَيَّنَّا غُلْفٌ كُلِّ لَعْنَتُهُ اللّٰهُ
بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا
يُؤْمِنُوْنَ ط ۝

کبھی کوئی رسول تمہارے پاس تمہاری
خوابشات کے خلاف کچھ لیکر آیا تو تم نے
سرکشی کی۔ پھر کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل
کرنے لگے۔ مابوں نے کہا کہ ہمارے دل
غلاظوں میں محفوظ ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ نے
انکے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی
پس وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جس خاص کفر پر لعنت فرمائی ہے وہ یہی کفر ہے کہ جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام من جانب اللہ ایسی چیز لیکر آئے جو نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو تو یہود بے مہود نے اس
کے ماننے سے سرکشی کی اور حضرت انبیاء کی تکذیب کی۔

دوام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ فلاسفہ یونان جو سموات و کواکب
کے فنا و نساد کے قائل نہیں وہ قطعاً کافر ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی نے اپنے رسائل میں اس کی تصریح کی ہے
اس لیے کہ یہ لوگ نصوص قطعیہ اور اجماع انبیاء کرام کے منکر ہیں کما قال تعالیٰ - اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ
وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَ قَالَ تَلٰٓئِيْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ - وَ قَالَ تَلٰٓئِيْ
وَ فُتِحَتْ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۚ وَ فَسَّحْنَا لِلْكَافِرِيْنَ فِيْ السَّعٰتِ ۚ

نہیں جانتے کہ بعض کلمہ شہادت پڑھ لینا
مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں تمام
امور کی تصدیق ضروری و لازمی ہے کہ
جن کا دین سے ہونا قطعی اور یقینی طور
پر ثابت ہو گیا ہو۔

نہیں اند کہ مجرد تقوہ بکلمہ شہادت
در اسلام کافی نیست تصدیق جمیع ما
علم مجید من لدین بالضروریۃ باید
د حکمران ص ۲۲۳ ج ۱

البتہ جو امور ظنی طور پر ثابت ہوئے ہوں ان کی تصدیق جزر ایمان نہیں اور نہ انکار کفر کے
درجہ تک پہنچاتا ہے۔ ہاں جو امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور تو اتر کے درجہ کو نہ پہنچے ہوں ان
کے انکار سے اگرچہ کفر لازم نہیں لیکن گمراہی یقیناً ہے اور کفر کا اندیشہ ہے اور یہ گمراہی کا حکم بھی اس شخص
کے لیے ہے جو کسی ایسے خاص امر کا انکار کر دے جو خبر واحد سے ثابت ہوا ہو اور جو شخص سرے
ہی سے حدیث کا منکر ہو اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کو حجت نہ سمجھتا ہو وہ بد شہ
ہے

یعنی جب سورج بے نور ہو جائیگا اور جب تارے بھڑ جائیں گے۔ لے جب آسمان پھٹ جائے گا۔
لے اور آسمان کھل جائیگا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔

کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شبہ کرے وہ بھی کافر ہے کما قال تعالیٰ۔

تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ بین میں ایک راہ نکالیں۔ ایسے لوگ بکے کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور کسی میں فرق نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور انکا ثواب عطا کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ كَوْنًا اللَّهُمَّ خُفِّضْ أَعْرَاجَهُمْ ۝

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کرنا اللہ کے کلام کو جھٹ بھنا اور پیغمبر کی حدیث کو جھٹ نہ سمجھنا قطعاً کفر ہے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ پکا کافر ہے۔ و قال تعالیٰ۔

قسم سے تیرے پروردگار کی لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپکو آپس کے جھگڑاؤں میں حکم اور منصف نہ بنائیں۔ اور پھر آپکے فیصلہ کے بعد ذرہ برابر قلب میں کوئی القابض نہ پائیں اور برضا و رغبت آپکے فیصلہ کو اچھی طرح تسلیم کر لیں۔

فَلَا ذَرْبَكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي شَيْءٍ مِّنْ بَيْنِهِمْ لَوْ لَا يَخْلُؤُوا بِفِئْسَةِ النَّفْسِ لَوْ جَاءَ مَا قَصَبْتِ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

معلوم ہوا کہ ایمان محض اقرار کرنے کا نام نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ پیغمبر کے حکم اور فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہو اور ہزار برضا و رغبت اسکو تسلیم کرے۔ اور اگر کسی ایک بات کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دے تو قطعاً کافر ہے۔ کفر کے لیے یہی ضروری نہیں کہ تو حید و رسالت ہی کا انکار کرے جب ہی کافر ہو جو حکم بھی دین کا نبی سے قطعی طور سے ثابت ہوا ہو اس کا انکار کفر ہے۔ مثلاً جس شئی کی حلت یا حرمت نص قرآنی یا حدیث متواتر سے ثابت ہو جیسے زنا اور لواطت اس کا انکار بھی

کما قال تعالیٰ.

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
لَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ.

ان لوگوں سے ضرور جہاد و قتال کرو
جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت
پر اور نہ حرام سمجھتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ
اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔

ایمان کیلئے کفر سے برائت اور بیزاری شرط ہے

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ دلفعنا بعلمہ و بركاتہ۔ سین پٹے ایک
طویل مکتوب میں جو عقائد اسلامیہ کی تحقیق میں قلم مبارک سے نکلا ہے فرماتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے ان
چیزوں کی تصدیق کی جائے جو دین سے
بطریق بداہست اور لوازم تک پہنچی
ہیں۔ علماء نے اقرار لسانی کو بھی ایمان
کا جزو اور رکن کہا ہے مگر یہ ایسا رکن
ہے کہ بعض حالات میں مثلاً اجبار اور
اکراہ کی حالت میں ساقط ہو جاتا ہے
اور اس تصدیق کی علامت یہ ہے کہ
کفر اور کافری اور کفر کے تمام خصائص
و لوازم جیسے زنا باندھنا ان سب سے
تبری اور بیزاری کا اظہار کرے اور اگر
کوئی شخص باوجود دعویٰ ایمان کے معاذ اللہ
کفر سے تبری اور بیزاری نہ ظاہر کرے
تو وہ دو متضاد دینوں کی تصدیق کرنے
والا ہے جو داغ ارتداد سے داغی ہے
اور درحقیقت ایسا شخص منافق کے حکم
میں ہے نہ ادھر نہ ادھر۔ پس ایمان کے
ثابت کرنے کے لیے کفر سے تبری اور

ایمان عبارت از تصدیق قلبی است
آئینہ از دین بطریق ضرورت و تواتر بارید
است و اقرار لسانی نیز رکن ایمان گفتہ
اند کہ احتمال سقوط دارد و علامت اس
تصدیق تبری است از کفر و بیزاری از
کافری و آنچه در کافریست از خصائص
و لوازم آن ہيچنان بسطن زنا و مثل آن و
اگر عیاذ باللہ سبحانہ باد حولے اس
تصدیق تبری از کفر نماید مصدق دینین
است کہ بدایع ارتداد متسم است و فی
الحقیقت حکم منافق است لا الی ہو لا یو
ولا الی ہو لا پس در تحقیق ایمان
از تبری کفر چارہ نبود و ادانے
آن۔ تبری قلبی است و اعلائے
آن تبری قلبی و قلابی۔ و
تبری عبارت از دشمنی
است با دشمنان حق جل و
علا، آن دشمنی غلوہ بقلب

انہوں نے اپنی قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم بالکل بری اور بیزار ہیں تم سے اور ان تمام چیزوں سے جن کی تم سوا ئے خدا کے پرستش کرتے ہو۔ ہم تمہاری تکذیب کرتے ہیں۔ یعنی ہم اللہ کے مومن اور تمہارے کافر ہیں اور ظاہر ہوئی ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ ایمان لاؤ تم اللہ وحدہ لا شریک لہ پر۔

یہ آیتیں سورہ ممتحنہ کی ہیں۔ بظاہر یہ سورت اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے نازل ہوئی جیسا کہ اس کے شان نزول سے ظاہر ہے تفصیل کے لیے اس سورہ کی تفسیر مطالعہ کریں۔ وقال تعالیٰ۔

اَلَمْ تَكُنْ اِلٰى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَن تَكُنْ
عِيْنًا كَمَنْ اٰلِ الطَّاغُوْتِ وَقَدْ
اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ
۞ ۞ ۞

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی مگر باوجود اس دعوے کے حالت یہ ہے کہ اپنا مقدمہ شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ شیطان کو ہرگز نہ مانیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کے بعد طاغوت کیساتھ کفر اور اس کی تکذیب بھی ضروری اور لازم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو سوتے ہوئے بیدار ہو جائے اگر وہ دس بار بسم اللہ اور دس بار سبحان اللہ اور دس بار اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالطَّاغُوْتِ (تصدیق کی میں نے اللہ کی اور تکذیب کی میں نے طاغوت یعنی شیطان کی) پڑھے تو وہ ہر خوفناک چیز سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ (حسن حصین ص ۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منشا ربوبی یہ ہے کہ خدائے عزوجل کی تصدیق اور اس کے دشمنوں کی دشمنی اور برارت اور بیزاری قلب میں اس درجہ راسخ ہو جائے کہ غفلت کے وقت میں بھی اس سے ذہول اور غفلت نہ ہو۔ وقال تعالیٰ۔

فَلَمَّا رَاَوْْا بَاسًا قَالُوْا اَمَّا
بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ وَكَفَرْنَا بِمَا
كُنَّا بِهٖ مُّشْرِكِيْنَ فَلَمَّ يَلِكْ
يَنْفَعُهُمْ اِنَّمَا اُنْهٰهُمْ لَمَّا
رَاَوْْا بَاسًا۔

پس جب ہمارے قبر کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایمان لاتے خدا وحدہ لا شریک لہ پر اور اس چیز کے منکر ہوئے جس کو خدا کے ساتھ شریک گردانتے تھے۔ پس یہ ایمان ان کو نفع بخش نہ ہوا کہ ہمارے قبر کو دیکھ کر ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ اگر مشاہدہ عذاب سے پہلے شرک اور مشرکین سے تبری اور بیزاری کا اظہار کرتے تو مفید اور نافع ہوتا۔ ناظرین غور کریں کہ کافروں نے مشاہدہ عذاب کے وقت فقط ایمان پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ایمان کے ساتھ خدا کے دشمنوں کی تکذیب اور ان سے تبری اور بیزاری کو بھی نہ ہر کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ کفر اور کافری سے تبری اور بیزاری بھی ضروری ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں جا بجا مہاجرین کی جو مدح اور ثناء فرمائی ہے وہ بھی اس تبری اور کفر سے بیزاری کی بدولت ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں کفر سے اس قدر بیزار ہوئے کہ اپنے وطن مالوف اور آباد دار، بنار، بوی اور بچکے، خویش اور اقارب، دوست احباب سب ہی کو چھوڑ دیا۔ اور علیؑ ہذا اصحاب کہف کا سوائے ہجرت اور اعتزال عن الکفار کے کوئی اور عمل ایسا نمایاں نہیں کہ اس کی جانب اس منقبت کبریٰ کو منسوب کیا جاسکے۔ اصحاب کہف کو یہ تمام درجات و فضائل صرف دشمنان حق سے ہجرت کی بدولت حاصل ہوئے۔

غلبہ، عداوت اور هجوم دشمن کے وقت سپاہیوں کی معنوں نقل و حرکت بھی بہت وقعت رکھتی ہے بخلاف زمانہ امن و سکون کے کہ اس وقت کی غیر معمولی نقل و حرکت بھی کسی شمار میں نہیں۔ زمانہ جنگ میں معمولی و فاداری کا اظہار بھی حکومت کی نظر میں غیر معمولی شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عنفوان شباب کی عبادت زمانہ پیری کی عبادت سے ہزار درجہ افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ زمانہ شباب میں اعداء دین یعنی نفس امارہ اور شیطان لعین کا غلبہ اور هجوم ہوتا ہے۔ شیاطین اور شہوات کا لشکر ہر طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ دشمنان دین کے مقابلہ ہی کی وجہ سے زمانہ شباب کی عبادت پر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دینے کا وعدہ آیا ہے۔

ایمان کی صورت اور اس کی حقیقت

حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان کی صورت ہے اور اطمینان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہونا یہ ایمان کی حقیقت ہے۔ اطمینان نفس سے مراد یہ ہے کہ مقتضائے شریعت، مقتضائے طبیعت بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ
يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا
يَحْتَسِبُ ۖ

تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب
تک کہ اس کی طبعی خواہش میری لائی ہوئی
شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اس حدیث میں ایمان سے بھی اطمینان نفس مراد ہے یعنی نفس اس درجہ مطمئن ہو جائے کہ اللہ اور اس کے

رسول کا حکم اس کو لہذا اور شیریں معلوم ہو اور اس کی معصیت اور نافرمانی کا ادنیٰ سا خیال اور معمولی سا دوسرے بھی آگ میں جلنے سے درجہا زائد اس پر شاق و گراں ہو۔ ایمان کی اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ذاک صریح الايمان (یہی کھلا ہوا ایمان ہے) فرمایا ہے۔

حاشا وکلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ معصیت کا دوسرے صریح ایمان ہے ورنہ ہم ناانقوں کے ایمان کا صحابہ کے ایمان سے زیادہ صریح اور جلی ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ ہمارے نفوس تو ہر وقت و سادس کی جولان گاہ بنے رہتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب قلب میں کفر اور فسوق اور عصیان کی کراہت اور ناگواری اس درجہ راسخ ہو جائے کہ معصیت کا دوسرے اور خیال بھی اس قدر شاق اور گراں ہو کہ آگ میں جلنا اس سے آسان معلوم ہوتا ہو تو اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صریح ایمان فرمایا۔

اور علیٰ ہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک ”اذا زنى العبد خرج منه الايمان“ (بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اس حدیث میں ایمان سے اسی یقین اور اطمینان کا زائل ہونا مراد ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا“ (اے ایمان والو ایمان لاؤ) ایمان اول سے تصدیق قلبی مراد ہے اور دوسرے ایمان سے ایمان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہو جانا مراد ہے۔ کیا قال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایمان یعنی اطمینان نفس کو مدار نجات نہیں قرار دیا بلکہ اپنی بے پایاں رحمت سے ایمان کی صورت یعنی تصدیق اور اقرار سانی ہی کو قبول فرما کر عذاب جہنم سے نجات اور دخول بہشت کا وعدہ فرمایا۔ ہاں تقرب اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بغیر اطمینان نفس اور یقین کامل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایمان صوری اور ظاہری اگرچہ ایمان حقیقی کے لحاظ سے بہت معمولی اور ادنیٰ شے ہے مگر کفر اور شرک کے اعتبار سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود لیک بس عالی ست پیش خاک تود اسی وجہ سے حدیث میں ہے مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَانْزَلَ عَنْ سُرَّتِهِ جَسَدٌ مِثْلُ جَسَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جس نے لایلا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ زنا اور چوری کرے بجاؤ اللہ

۱۔ اشارۃً الی قولہ تعالیٰ وَكَرِهَ اللَّهُ لَكُمْ الْإِيمَانَ وَرَزَقَكُمْ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرِهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (فائدہ) عجب نہیں کہ خلفاء و خیرین اس معنی کی بنا پر پرکھا جاتا ہو۔ فافہم واستمع۔ ۲۔ اے نفس مطمئنہ تو اپنے خدا کی طرف لوٹ جا کہ تو خدا سے راضی اور خدا تجھ سے راضی۔

ایمان کے وجودی مراتب

علامہ میاں سوری تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین درجات ہیں۔ ایک وجود عینی دوسرا وجود ذہنی تیسرا وجود لسانی۔ اصل ایمان وجود عینی یعنی وجود خارجی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجابات مرتفع ہو جائیں تو اس وقت مومن کے دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے۔ یہی نور، ایمان کا وجود عینی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا
يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ۔

اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا
نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی
طرف۔

جب کوئی جدید حجاب مرتفع ہوتا ہے اتنا ہی یہ نور کامل اور قوی ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے متعلق اس کو شرح صدر ہو جاتا ہے اور نبی کریم اور تمام انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا صدق اس کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن اور جلی ہو جاتا ہے۔ وقال تعالیٰ۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ
مِّنْ رَبِّهِ۔

جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے
کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی جانب
سے ایک نور پر ہے۔

اور یہی نور قیامت کے دن پل صراط پر اہل ایمان کی رہنمائی کرے گا۔ کما قال تعالیٰ۔
تُؤْتِيهِمُ يَسْعَىٰ بَيْنَ يَدَيْهِمْ
وَبِأَعْيُنِهِمْ۔

ان کا نور سامنے اور دائیں جانب
دوڑتا ہو گا۔

ایمان کا نور علی نور ہونا اہل ایمان قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور جو شخص دنیا میں نور ایمان سے محروم رہا وہ قیامت کے دن بھی نور ایمان سے محروم رہے گا۔
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ
نُورًا فَلَا لَهُ مِن نُّورٍ۔

جسے اللہ نے نور نہیں دیا پھر اس کے
لیے کہیں نور نہیں۔

قیامت کے دن تو سب ہی کو ایمان کا نور ہونا معلوم ہو جائے گا لیکن اس دایرہ میں بھی جب کبھی کسی عارف اور صاحب بصیرت کو دیا گئے صالحہ یا کشف سے ایمان مکشوف ہوا تو وہ نور ہی کی شکل میں مکشوف ہوا۔

اور اس نور کا مطالعہ اور تصور یہی ایمان کا وجود ذہنی ہے اور زبان سے توحید و رسالت کا اقرار یہ ایمان کا وجود لسانی ہے یا درکھنا چاہیے کہ ایمان کا محض لسانی وجود بغیر نور کے مفید اور

کار آمد نہیں ہے۔ یہاں سے کہیے آپ زلال کا فقط تلفظ اور تصور کافی نہیں۔ جب تک کہ اس سے
یہاں نہ ہو۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ صَدُّوْنَا لِلْاَسْلَافِ وَ تَوَيَّرْ قُلُوْبَنَا بِمُؤَسَّطَاتِكَ
اِهْنِ يَارَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

بِالْغَيْبِ

یعنی جو چیزیں عقل اور حواس سے پوشیدہ ہیں جیسے جنت اور جہنم اور ملائکہ وغیرہ
اور اللہ اور اس کے رسول کے فرما نے سے ان سب چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور انکو حق
جانتے ہیں۔ اور جو لوگ ان امور غیبیہ کے منکر ہیں وہ کفر ایمان اور ہدایت سے محروم ہیں اور انکی مثال ایسی ہے جیسے شاعر نے کہلے
چو آں کرے کہ در سبکے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است
اور ایمان بالغیب کو تقویٰ کی علامت اس لیے قرار دیا کہ محسوسات کی تصدیق ایمان اور
تقویٰ کی علامت نہیں اس لیے کہ جو چیز ظاہری یا باطنی حواس سے محسوس اور مدرک ہو اس کی
تصدیق اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے اور مشرعا دی تصدیق مستبر ہے جو ارادہ اور اختیار
سے ہو۔

غیب سے کیا مراد ہے

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ بظاہر غیب سے وہ امور مراد ہیں جن کا ذکر حدیث جبریل میں
آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ۔ کتب الہیہ۔ رسل۔ یوم آخرت۔ قضا و قدر۔ ایمان بالغیب سے
ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ کتاب اور رسول اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے محسوس ہیں غیب نہیں
لیکن کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور پیغمبر کا منزل من اللہ اور فرستادہ خدا ہونا ایک غیبی امر ہے
اس اعتبار سے کتب اور رسل بھی ضرور غیب میں داخل سمجھے جائیں گے اور صحابہ کرام کا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایمان بالغیب ہی کہلائیگا۔ اس لیے کہ رسول کی ذات اگرچہ
محسوس اور مشاہد ہے مگر وصف رسالت اور فرستادہ خدا ہونا یقیناً غیب ہے۔ یہ کسی نے
آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ایمان کا اصل تعلق اسی وصف رسالت کے ساتھ ہے۔

بعض اہل علم نے غیب اور غائب میں فرق بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ
اَلْغَائِبُ مَا لَا يَرَاكَ وَلَا تَرَاهُ غائب تو وہ ہے کہ نہ وہ تجھ کو دیکھے
وَالْغَيْبُ مَا لَا تَرَاهُ اَنْتَ۔ اور نہ تو اس کو دیکھے اور غیب وہ ہے

۔ اس کی طرح کی مانند جو پتھر میں پوشیدہ ہے اور وہی اسکا زمین و آسمان ہے۔

- (۱) زکوٰۃ مفروضہ۔
- (۲) صدقہ، فطر۔
- (۳) خیرات و مبرات جیسے فقراء کو دینا اور یمانوں کی ضیافت اور حاجتمندوں کو قرض دینا۔
- (۴) وقف جیسے بنارس مسجد و مدارس اور کنواں اور یمان سرائے اور مسافر خانہ۔
- (۵) مصارف حج۔
- (۶) مصارف جہاد۔
- (۷) نفقات واجبہ جیسے نفقہ عیال اور نفقہ زوجہ اور نفقہ محارم۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۱﴾

پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔ انہوں

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی

الْمُفْلِحُونَ ﴿۲﴾

مراد کو پہنچے

قالی تعالیٰ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ... اِلٰی... اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور وہ متقی لوگ ایسے ہیں جو یمان لائے اس کتاب پر جو تیری طرف نازل ہوئی اور ان کتابوں پر جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اس سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ اسی لیے اس جگہ وَالَّذِينَ کو مکرر لائے کہ یہ متقین کا دوسرا گروہ ہے۔ اور پہلی آیت میں اہل عرب اور امین کا ذکر تھا وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اور متقین کے یہ دونوں گروہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تذکرہ اور استحضار متقین کا خاص شمار ہے بخلاف کافروں کے کہ وہ ہر وقت دینا ہی کی فکر میں رہتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں، اُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ایسے ہی لوگ ہدایت پر قائم ہیں جو ان کو خدا کی توفیق اور فضل سے ملی ہے کلمہ

علیٰ جو استعلاء کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر حاوی اور متکبر ہیں اور ہدایت پر جم گئے ہیں اور **ذَٰلِکَ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ نور ہدایت محض اس رب العالمین کی رحمت اور مہربانی اور اس کی توفیق سے ان کو عطا ہوا ہے جس سے انکی تربیت اور اصلاح مقصود ہے **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**۔ اور ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی مومنوں کے یہ دونوں گروہ دنیا میں حق تعالیٰ کی توفیق سے نور ہدایت سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں اسکی رحمت اور فضل سے مراد کو پہنچیں گے اور مفلح اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنی مراد کو بخوبی پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اور کمی واقع نہ ہو پہلے جملہ یعنی **أُولَٰئِكَ** مفلح ہیں ایمان اور تقویٰ کے دنیاوی ثمر کا ذکر ہے اور دوسرے جملہ یعنی **أُولَٰئِكَ** مفلح مفلحون میں آخری ثمرہ ذکر ہے یہی کامیابی کا سفر اگر غلطی سے ٹکرائیں مفلح بنیں اور یہی چھوٹے کے بعد علوم ہو کہ یہ گاڑی بجائے یہی کے کلکتہ جا رہی ہے تو اس مسافر کی پریشانی کی کوئی حد نہیں رہتی اور کلکتہ کے مسافروں کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا راستہ صحیح ہے۔ اور ہم دیر یا سویر میں منزل منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

اور **أُولَٰئِكَ** کو مکرر لانے میں اس طعنے اشارہ ہے کہ جس طرح ان متقین کو ہدایت پر تمکن اور استعلاء کی خصوصیت حاصل ہے اسی طرح ان کو فلاح کی بھی خصوصیت حاصل ہے یہ لوگ غیروں سے ان دو خصوصیتوں کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ

وہ جو منکر ہوئے برابر ہے کہ تو ان کو ڈرا دے

أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ

یہ نہ ڈرا دے وہ نہ مانیں گے مہر کر دی ہے اللہ

قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ط وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۝

نے اُن کے دل پر اور اُنکے کان پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اور اُن کو بڑی مار ہے



صفاتِ کافرین

قَالَ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ كُفْرٌ وَذَا..... اِی..... عَذَابٌ عَظِيمٌ
یہاں تک گروہ اختیار کا ذکر فرمایا کہ جو قرآن کریم کی ہدایت سے متمتع اور منتفع ہوئے
اب آئندہ اختیار کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو اپنی شقاوت اور فسادِ فطرت کی وجہ سے اس
چشمہ ہدایت سے منتفع نہیں ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا یعنی جو لوگ
اللہ کے علم میں کافر ہیں ان کے حق میں آپکا ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے
سب اس قسم کے لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں قرآن کی ہدایت اور آپ کی
تبلیغ اور دعوت کا قصور نہیں بلکہ ان کی فاسد اور بگڑی ہوئی استعداد اور فطرت کا قصور ہے
اصل کافر وہی ہے کہ جسکا خاتمہ اور موت اللہ کے علم میں کفر پر مقرر ہو چکا ہو۔ جیسے ابو جہل
اور ابولہب و امثالہم۔ ورنہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ فی الحال محض ظاہر کے
اعتبار سے کافر ہے حقیقت اور انجام کے اعتبار سے مومن ہے۔

بدرِ عمر نام ایسا بہت پرست ایک مومن بود نامش دراست
جو لوگ محض ظاہر کے اعتبار سے کافر تھے ان میں سے بہت سے مشرف باسلام ہوئے اور
ہوتے رہیں گے لیکن جو اللہ کے علم میں کافر تھے ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا۔ ایسے کافروں
کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

گزشتہ آیات میں اہل الخام کا ذکر تھا یعنی جنکو حق تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت اور
تقویٰ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اب اہل غضب اور اہل ضلال کا ذکر فرماتے ہیں۔ ان دو آیتوں میں
خالص کافروں کا ذکر ہے اور اس کے بعد تیرہ آیتوں میں منافقین کا ذکر ہے۔

حرف تحقیق یعنی کلمہ اِنَّ کا استعمال اکثر ان مواقع میں ہوتا ہے کہ جہاں مخاطب کو کسی قسم کا
کوئی تردد ہو مگر کبھی کبھی ایسے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے کہ جہاں مشکل یا مخاطب کے گمان
کے خلاف کوئی شئی ظاہر ہو جیسے حضرت مریم کی والدہ کا بطور حسرت یہ فرمانا:

رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَلذَّکَرُ ۚ وَاسْتَعْجِلْ عَلٰیَّ ۚ وَاسْتَعْجِلْ عَلٰیَّ ۚ وَاسْتَعْجِلْ عَلٰیَّ ۚ
اے پروردگار تحقیق میں نے تو یہ لڑکی
جنی ہے۔

۱۔ یہ آیت نازل ہوئی ان کے حق میں جن کی موت کفر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدیم میں جان تھی جیسا کہ عقبہ
و شیبہ و ابی جہل و ولید بن مغیرہ (موضح القرآن)

خلاف اُمید لڑکی کی ولادت کو بطور حسرت حرفِ اِنّ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور علی ہذا النوح علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی قوم سے یہ اُمید تھی کہ وہ میری تصدیق کریں گے جب خلاف اُمید انہوں نے تکذیب کی تو بطور حسرت یہ فرمایا۔

اے پروردگار تحقیق میری قوم نے تو میری

ذبت اِنّ قَوْمٌ
کَلَّا بُؤْسٍ۔

اسی طرح اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمید کے خلاف کفار کے نہ ایمان لانے کو حرفِ اِنّ کے ساتھ ذکر فرمایا کہ اے ہمارے نبی آپ ان کافروں کے ایمان کی اُمید نہ رکھیں۔ ان کے حق میں آپ کا ڈرنا اور نہ ڈرانا برابر ہے یہ ایمان نہ لائیں گے اور سَقِ آءٌ عَلَیْہُمْ۔ اس لیے فرمایا کہ کافروں کے حق میں ڈرنا اور نہ ڈرنا برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں آپ تو مامور ہیں اللہ میں۔ آپ کو تبلیغ اور دعوت کا اجر ہر حال میں ملے گا اس آیت سے یہ مقصود نہیں کہ آپ ان کو تبلیغ اور ہدایت نہ فرمائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین اور طول نہ ہوں۔

کُفر کی تعریف

ہم یُرْوَدُونَ بِالْفِئْیَسِبِ کی تفسیر میں ایمان کے ساتھ کفر کی حقیقت بھی امام غزالی سے نقل کر چکے ہیں لیکن امام رازی نے جو کفر کی تعریف فرمائی ہے وہ زیادہ واضح ہے اور کفر کی تمام اقسام کو حادی اور جامع ہے وہ یہ ہے۔

یعنی کفر کے معنی یہ ہیں کہ رسول اور پیغمبر کی اس چیز میں تصدیق نہ کرنا جس کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہے۔

اَلْکُفْرُ حَدُّهُ تَصْدِیْقُ الرَّسُوْلِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ
فِیْمَا عَلِمَ بِالْضَّرُوْرَةِ بِحِیْثُہٗ
یَسِبُ (تفسیر ص ۱۵۹ ج ۱)

کیونکہ کفر کی یہ تعریف یعنی عدم تصدیق الرسول تکذیب اور ترک تصدیق دونوں کو شامل ہے اور امام غزالی نے جو تعریف کی ہے یعنی تکذیب الرسول وہ بظاہر اس شخص کے کفر پر صادق نہ آئے گی۔ کہ جو نہ تصدیق کرتا ہے ورنہ تکذیب حالانکہ وہ شخص بالاجماع کافر ہے نبی کی تصدیق نہ کرنا ہی کفر ہے خواہ تکذیب کرے یا نہ کرے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کفر کی تعریف بجائے تکذیب کے ترک تصدیق کے ساتھ کی جائے تاکہ کفر کی دونوں صورتوں پر صادق آ سکے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمَرْ بِاللّٰہِ وَ

وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَخْتَدْنَا
لِلْكَافِرِينَ سَعِيدًا۔
تو ہم نے ایسے کافروں کے لیے دیکھی
ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔
اس آیت شریفہ میں نہ تصدیق کرنے والوں کو کافر کہا گیا۔ وقال تعالى۔
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنُؤْمِنَ
بِهَذَا الْقُرْآنِ
کافروں نے کہا ہم ہرگز اس قرآن کی تصدیق
نہ کریں گے۔
سورہ صافات میں ہے کہ اہل جنت اہل نارسے یہ کہیں گے۔
بَلْ لَّكُم مِّنْهُم مِّنْهُمْ۔
بلکہ تم تصدیق کرنے والے نہ تھے۔
فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى۔
اس کافروں نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔
بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
كَذِبًا عَظِيمًا
بلکہ خود ہی آیت یعنی ان الدین کذب کر رہے تھے۔
كَذِبُوا بِآيَاتِنَا
كَذِبًا عَظِيمًا
امام رازی کی تائید کرتی ہے اس لیے کہ اس آیت
میں نہ ایمان لانے والوں اور نہ تصدیق کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔

اقسام کفر

علماء نے کفر کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ کفر تکذیب :- یعنی انبیاء و رسول کو جھٹلانا کھانا تو لے۔

وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ
كَذَّابٌ۔
ان کافروں نے کہا یہ ساحر اور جھوٹا ہے۔
ان کلمۃ الا کذب الرسول
فحق عقاب۔
ان قوموں میں سے ہر ایک نے پیغمبروں
کو جھٹلایا پس میرا عذاب ان پر ثابت ہو گیا۔
(۲) کفر استکبار :- تکبر کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ ماننا اور اس کے قبول سے
انکار کر دینا۔

آفَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ
مِنَ الْكَافِرِينَ۔
ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور
جکھڑ کیا اور تھا وہ کافروں میں سے۔
(۳) کفر اعراض :- یعنی پیغمبر کی نہ تصدیق کرے اور نہ تکذیب بلکہ اعراض اور روگردانی کرے کما
قال تعالى۔

وَلَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا
مُعْرِضُونَ۔
اور کافروں جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا
ہے اس سے اعراض کرتے ہیں۔
شاہ عبدالقادر صاحب معروضون کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ڈھیان نہیں کرتے یعنی نبی
کی نصیحت کی طرف توجہ اور التفات نہیں کرتے۔ وقال تعالى۔
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ
کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا

کے رسول کی۔ اور اگر رد گردانی کریں تو کہہ دیجئے

يُحِبُّ الْكَافِرِينَ

کہ اللہ کافروں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس آیت میں رد گردانی کرنے والوں کو کافر بتایا گیا ہے اور اس قسم کی ہمت سی اُنہیں ہیں۔

(۴) کفر اریاب یعنی پیغمبر کے نہ صادق ہونے کا یقین ہے نہ کاذب ہونے کا بلکہ شک اور تردد ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ چنانچہ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ کی علت حق تعالیٰ نے یہ بیان زمانی ہے۔ اِنَّهُمْ كَانُوا فِي سَكَنٍ مُّبِينٍ (یعنی بیشک تھے وہ شک میں متردد)

(۵) کفر نفاق۔ یعنی زبان سے اقرار اور قلب سے انکار کرے اور مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ۔ سے دور تک اسی کفر نفاق کا بیان ہے۔

حق جل شانہ کا یہ ارشاد حَتَّمَا اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ پہلے جملہ کی دلیل ہے یعنی ان کافروں کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا اس لئے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قرداد و عناد اور سرکشی کے سزا میں ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے جو ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور عناد کے سزا میں ان پر علم اور ہدایت کے دروازے بند کر دیئے ہیں نہ آنکھ کے راستہ سے ہدایت پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ کان کے راستہ سے لہذا اب کوئی صورت نہیں کہ ہدایت ان کے دلوں تک پہنچ سکے۔ دل کا دروازہ اگر کھلا ہوا ہو تا تو پھر شاید ہدایت اندر داخل ہو جاتی مگر وہ بند کر دیا گیا۔ یہ دنیا میں ہوا۔ اور آخرت میں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے جو فلاح کی سب سے

نکتہ

عَلَى قُلُوْبِهِمْ اور عَلَى سَمْعِهِمْ۔ میں کلمہ علی کو مکرر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قلوب اور اسماغ ہر ایک کی ہر جدا گانہ اور مستقل ہے۔ جمہور

علماء و مفسرین و متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ میں ختم اور غشاوہ سے مراد نہیں کہ حق تعالیٰ نے حقیقتہً ان کے دلوں اور کانوں پر کوئی مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال دیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ متکبرین اور سعادین اور ہوا پرست اور دشمنان حق و ہدایت اپنی طبعی ذہنی اور جلی بکھری کی وجہ سے اس درجہ اور اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ اخلاق ذمیمہ اور رذائل ان کے دلوں میں اس درجہ راسخ اور بختہ ہو چکے ہیں کہ ہر نعتیہ اور منکر ان کو مستحسن نظر آتا ہے اور حق جل و علا کی ہر نافرمانی ان کو لذیذ معلوم ہوتی ہے ان کی حالت نجاست کے کیرے کی طرح ہے کہ جس کو گندگی سے طبعی رغبت ہوتی ہے اور خوشبو سے اس کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ نجاست کا کیرا عطر کی تیز خوشبو کو برداشت بھی نہیں

کر سکتا اور بعض اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ کفر کی نجاست پر فریفتہ ہیں اور حق اور ہدایت کے عطر سے انکو نفرت ہے۔

حق تعالیٰ نے کافروں کی اس حالت کو بطور استعارہ ختم اور غشاوہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح مہر اور پردہ بیرونی اشیاء کے وصول اور لغو سے مانع جھٹے ہیں اسی طرح ان کی یہ حالت ایمان اور ہدایت کو ان کے دلوں تک نہیں پہنچنے دیتی اور اندرونی کفر کو اندر سے باہر نہیں آنے دیتی اور نہ ان کے کان کسی حق بات کی طرف التفات کرتے ہیں اور نہ ان کی آنکھیں کسی امر حق کو دیکھنا چاہتی ہیں ایسے لوگوں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

قدوة الادیب امام حسن بصریؒ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ختم اور غشاوہ (مہر اور پردہ) ظاہر اور حقیقت پر محمول ہے کافروں کے دلوں پر حقیقت ایک مہر ہے اور حقیقت انکی آنکھوں پر ایک پردہ ہے جو مجہول کیفیہ ہے اور ہماری نگاہوں سے مستور ہے۔ اللہ کے فرشتے اس ختم اور غشاوہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی مہر اور پردہ کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان پر لعنت کرتے ہیں جس طرح قلوب مؤمنین پر نقش ایمان لکھا ہوا دیکھ کر ان کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں کما قال تعالیٰ اُولَٰئِكَ حُكِّتْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانُ یہی لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے پس جس طرح مؤمنین کے دلوں پر ایمان کی کتابت حقیقت ہے اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ بھی حقیقت ہے اگرچہ کتابت ایمان کی طرح اس کی کیفیت مجہول ہے لکن اللہ جس طرح قلوب مؤمنین پر کتابت ایمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح وہ قلوب کافریں پر مہر اور ان کی ابصار پر پردہ کا بھی حقیقتہً معائنہ کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۱)

امام بزاز اور امام بیہقی شحب الایمان میں عبد اللہ بن عمرؓ سے راوی ہیں اور امام بیہقی سے اس کی سند کو ضعیف بتا رہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مہر لگانے والا فرشتہ عرش کا پایا پکڑے کھڑا رہتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے حکم کی بجماعتی کرتا ہے اور کھلم کھلا اس کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ کے مقابلہ میں گستاخ اور دیر ہو جاتا ہے تو اللہ قلعے میں مہر لگانے والے فرشتے

والآخر البزار والبیہقی فی الشعب وضعفہ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الطابع معلق بقائمة العرش فاذا انتهکت الحرمة وعمل بالمعاصی واجتوئ علی اللہ بحث اللہ الطابع فطبع علی قلبہ فلا یقبل بعد ذلک شیئاً (تفسیر در منثور ص ۲۳۸) تفسیر سورۃ نساء تحت تفسیر قولہ تعالیٰ

بَلَىٰ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰهَا
يَكْفُرُ بِهَا
کو حکم دیتے ہیں وہ فوراً اس گستاخ
اور بیباک کے دل پر ہر لگا دیتا ہے
جس کے بعد وہ کسی حق کو قبول نہیں کرتا۔
(تفسیر درمختور ص ۲۳۸ ج ۲)

اور احادیث صحیحہ اس معنی کی تائید کرتی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے
قلب پر لگ جاتا ہے پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صیقل کر دیا جاتا ہے اور اگر
کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے اور یہی وہ زین
(زنگ) ہے جس کی حق تعالیٰ نے کَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْكُفْرَ وَكَرِهْتُمُ السَّيْئَةَ اَن تَكُونَ مِثْلَ قُلُوبِ بَهْمٍ اَمْ كَانُتُمْ لَا يَكْفُرُونَ میں
غیردی ہے رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔

پس جس طرح ہم ظاہری سیاہی اور سفیدی اور زنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس سے
کیسے زائد طائفۃ اللہ قلوب بنی آدم کی سیاہی اور سفیدی اور زنگ کا معائنہ کرتے ہیں مجاہد فرماتے
ہیں کہ زین یعنی زنگ کا درجہ معتم اور طبع سے کم ہے۔ اور ختم اور طبع کا درجہ افعال سے کم ہے
اور افعال سب سے زائد سخت ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَعْرِضْ عَنْ قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا یَا
ان کے دلوں پر قفل ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث دین اور مجاہد کا قول اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں جس ختم
کا ذکر ہے وہ امر حقیقی ہے تفسیر قرطبی ص ۱۸۸ ج ۱۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا
كذب العبد تباعد عنه
الملائكة ميلا من نفع
ما جاء به رواه الترمذی
عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
یہ ارشاد فرمایا کہ بندہ جب جھوٹ بولتا
ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے
فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

و عن جابر قال كنا مع النبي
حضرت جابر راوی ہیں کہ ہم ایک سفر میں

لہ امام قرطبی حدیث دین کو نقل کر کے فرماتے ہیں قلت وفي قول مجاهد هذا وقوله عليه السلام ان في الجسد مضغة
اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب - دليل
على ان الختم يكون حقيقيا والله اعلم تفسیر قرطبی ص ۱۸۸ ج ۱۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے
 یکا یک ایک بدبو اٹھی آپ نے ارشاد
 فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے پھر فرمایا
 یہ بدبو ان لوگوں کے منہ سے آرہی ہے
 جو اس وقت مسلمانوں کی غیبت کر
 رہے ہیں۔ (مسند احمد)

صلی اللہ علیہ وسلم فارقت
 ریح منتنة فقال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم انذروا
 ما هذه الريح هاهنا ريح
 الذين يغتابون المؤمنين
 رواہ احمد

ہم اگر تصور بصیرت کی وجہ سے کذب اور غیبت کے دائرہ فکر میں اور اس کی بدبو کا احساس نہ کر سکیں
 تو ہمارا یہ عدم احساس معاذ اللہ۔ ملائکہ مکرمین اور انبیاء و مرسلین کے عدم احساس کی ہرگز ہرگز دلیل نہیں بن
 سکتا۔

اسی طرح اگر ہم اپنی در ماندہ اور قاصر بصیرت سے قلوب کافرین کی ہر اور ان کی آنکھوں کا پردہ نہ دیکھ
 سکیں۔ تو مانتے اللہ کے نہ دیکھنے کی کیسے دلیل ہو سکتا ہے۔

گر نہ بیند روز شہر چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ
 امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ختم اور طبع حق جل شانہ کی جانب سے ابتداء نہ تھا بلکہ ان کے عراض
 اور اسکی بار اور تکذیب اور انکار کی یاد اس میں اور سزا میں تھا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

پس بسبب ان کے عہد توڑ دینے اور
 آیات الہی کے انکار کر دینے اور انبیاء
 کو دیدہ دوستانہ ناحق قتل کرنے کی وجہ
 سے کہ ہمارے دل پردہ میں ہیں۔ اللہ نے
 ان کے دلوں پر ان کے کفر اور عناد کی وجہ
 سے ہر لگا دی پس یہ لوگ ایمان نہیں
 لائیں گے مگر ان میں کے بہت تھوڑے۔
 پس جب انہوں نے کج روی اختیار کی اور
 حق سے انحراف کیا تو اللہ نے ان کے دلوں
 کو بالکلہ حق سے پھیر دیا اور اللہ نہیں
 ترقیق دیتا حد سے نکلنے والوں کو۔

فَمَا لَقَيْنَهُمْ فَيَقْتُلُوهُمْ
 دَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ
 وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغْيًا
 وَبِغْيِهِمْ قُلُوبُهُمْ غَلَّتْ
 فَلَئِنْ دُعِيَ الْقَوْمَ
 الْفَاسِقِينَ

وقال تعالى فَلَمَّا رَأَوْهُ
 آزَاحَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ
 وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
 الْفَاسِقِينَ

وقال تعالى وَ لَقِيبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَ أَبْصَارُهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِمْ
 أَكَلْ مَرَّةً وَ نَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ
 آیات مذکورہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ اللہ کی جانب سے یہ ختم اور طبع ان کے نقص میثاق

اور قتل، بنیاء التہ اور ذریع اور انحراف کی پاداش اور سزا تھی ان کی دیدہ دلیری اور علی اما علان نافرمانی کی ان کو یہ سزا ملی کہ ہمیشہ کسی سے ہدایت سے محروم کر دیئے گئے اور سرنگا کر ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی سلب کر لی گئی۔ اور معرفت اور ہدایت کی سب راہیں ان پر بند کر دی گئیں اب وہ نہ حق کی باتوں کو سمجھ سکیں گے اور نہ سُن سکیں گے۔ اور نہ دیکھ سکیں گے اس لیے اب گھوڑانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے۔

اور اگر بالعرض حق تعالیٰ جل شانہ ابتداء ہی کسی کے دل پر مہر لگا دیں اور اپنی توفیق اور ہدایت سے محروم کر دیں تب بھی ذرا برابر کوئی ظلم نہیں جیسا کہ عطار بن ابی رباح سے منقول ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے یہ سوال کیا کہ اگر حق تعالیٰ مجھ سے اپنی ہدایت کو روک لیں اور گمراہی اور ہلاکت کو میرے لیے مقدر فرمادیں تو کیا یہ ظلم نہ ہو گا حضرت ابن عباسؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیری کسی مملوک شئی کو روک لیا ہے تو بے شک تجھ پر ظلم کیا اور اگر خدا نے اپنی مملوک شئی کو روک لیا ہے تو وہ اس کی ملک ہے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ وَقَالَ تَعَالَىٰ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

اسی طرح ہدایت بھی اس کی ملک ہے اور اس کی رحمت ہے جس سے اپنے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو نوازتا ہے اور مشکرتین اور سرکشوں کو اس سے محروم کرتا ہے۔ کتاب الحجرتین للمافظ ابن القیم ص ۹۹

حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے لوگوں کو مختلف الاستعداد بنایا کسی کو غبی اور کسی کو ذکی کسی کو خوبصورت اور کسی کو بد صورت کسی کو بینا اور کسی کو نابینا کسی کو صحیح سالم تندرست اور کسی کو معذور اور اپاہج اور گونگا اور بہرا۔ جس کسی کو جو کمال اور خوبی عطا کی وہ محض اس کا فضل ہے اس پر کسی کا کوئی حق اور قرضہ نہیں اور جس کو نہیں دیا اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اسی طرح اس نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے کسی کی طینت میں تکبر اور عصیان اور اباہ اور سرکشی کی استعداد رکھی اور کسی کی فطرت میں اطاعت اور فرمانبرداری کی استعداد رکھی اور اپنے احکام کو ان استعداد کے ظہور کا ذریعہ بنایا حکم کے بعد استعدادوں کا ظہور ہوا۔ جس میں عصیان اور اباہ کی استعداد تھی اس نے نافرمانی کی اور جس میں اطاعت اور فرمانبرداری کی استعداد تھی وہ حکم خداوندی سنتے ہی سر بسجود ہو گیا جیسے بیج میں برگ و بار سب نہلاں ہوتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو سب باہر نکل آتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اس نے بندوں کو مختلف الاستعداد کیوں بنایا سو یہ سوال بالکل بھل ہے وہ مالک مطلق اور فَخَالٍ تَمَا يُرِيدُ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔

کرا ز ہرہ آنکہ ازیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
 زباں تارہ کردن اقرار تو بے شکستن علت از کار تو
 حق تعالیٰ نے جس زمین کو چاہا ایسا شور بنایا کہ جو تنم اس میں ڈالا جائے وہ سوخت ہو جائے
 اور کسی زمین کو مرغزار اور لالہ زار بنایا کوئی فلسفی اور سائنس دان اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ
 خدا تعالیٰ نے زمین کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں یہ فرق کیوں رکھا وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ
 نَاسًا يَأْذِنُ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبِثَ لَا يَخْرِجُهُ إِلَّا تَكْدًا ۝
 ایں زمین پاک و آں شہادت مہر ہر دوگون زبور خوردند از محل
 ہر دوگون ہو گیا خوردند و آب ہر دو نے خوردند از یک آب خود
 صد ہزاراں ایں چنین اشباہ میں فرق شال ہفتاد سالہ راہ میں
 ایں خورد گرد پلیدی ز وجد را داں خورد گرد ہرہ نور خدا

لطائف و معارف

۱۔ (قلب)۔ لخت میں اُس صغیری گوشت کے ٹکڑے کا نام ہے جو سینہ کے بائیں جانب ایک
 خالی جگہ میں رکھا ہوا ہے اور یہی مضغہ لحم۔ روح حیوانی کا منبع اور سرچشمہ ہے اسی میں روح حیوانی پیدا ہوتی
 ہے جسکے وجود پر بدن کی حسی و حرکت موقوف ہے اور جو شرائین کے ذریعہ تمام اعصار میں پہنچتی
 ہے مگر اصطلاح مخرج میں اُس لطیفہ ربانی کو قلب کہتے ہیں جو اس مضغہ لحم میں من جانب اللہ رکھا ہوا
 ہے اور انسان کی انسانیت اسی سے قائم ہے اور اسی کی وجہ سے احکام شرعیہ کا مکلف اور مخالف
 بناتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ
 قَلْبٌ اَوْ اَلْفَعٰی السَّمْعَ وَ هُوَ سَهْلٌ اُوْسٰی لَطِیْفٌ ربانی کو قرآن کریم میں کہیں نفس سے
 تعبیر کیا گیا ہے۔

کما قال تعالیٰ۔ وَ نَفِیْذُ مَا سَوَّاهَا فَالْهَمَّهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوَاهَا۔ اور کبھی روح کے
 ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ قُلِ الشُّرُوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ وَ نَفَعْتُ فِیْہِ
 مِنْ مُّوَدِّحِیْ۔ اس قسم کی آیات میں روح سے وہی لطیفہ انسانی مراد ہے انسان کا بدن عالم خلق
 سے ہے اور یہ لطیفہ انسانی عالم امر سے ہے اور الہام یزدانی کا عمل اور مورد ہے اس لطیفہ پر جب
 مہر لگ گئی تو اسدلال اور کشف اور الہام کے سبب دروازے بند ہو گئے۔

۲۔ (سمع)۔ سمع کے معنی کان کے ہیں جو ایک عضو ہے اور کبھی اس کا اطلاق قوت سامعہ پر بھی آتا ہے آیت میں یہی معنی مراد ہیں اس قوت پر جب ہر لگ گئی تو کان کے ذریعہ سے جو ہدایت دل تک پہنچ جاتی تھی اسکا دروازہ بند کیا۔

(۳) (البصار)۔ جمع بصر کی ہے آنکھ کی روشنی کو بصر کہتے ہیں جس طرح دل کی روشنی کو بصیرت کہتے ہیں۔

(۴) (ختم اور غشاوہ)۔ ختم کے معنی ہر کرنا تاکہ وہ چیز بند ہو جائے اور چیزیں باہر سے اندر کی طرف نہ پہنچ سکیں۔ اور غشاوہ پردہ کو کہتے ہیں آنکھ پر غشاوہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ پردہ آنکھ کی شعاع کو باہر سے روک دے۔

(۵)۔ معتزلہ کا گمان یہ ہے کہ کسی کے دل پر ہر لگا دینا ایک امر قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قبیح سے پاک اور منزہ ہے اس لیے معتزلہ قرآن کریم کے اس قسم کی تمام آیاتوں کی تاویل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ختم اور طبع کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف اسناد مجازی ہے۔ اہل حق کہتے ہیں کہ یہ اسناد حقیقی ہے قلوب بنی آدم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے قلوب کو پلٹیں دیتا رہتا ہے اور پھر تارہتا ہے کبھی خیر کی طرف اور کبھی شر کی طرف کھاتا ہے۔

وَقُلُوبُ أَفْئِدَتُهُمْ وَ أَبْصَارُهُمْ كَمَا لَهُمْ يُؤْمِنُونَ بِهِ أَوْ لَا مَسْرَّةَ وَ نَذَرُهُمْ فِي طَعْنَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ اس قسم کی آیات سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمام قلوب اس کی انگلیوں میں ہیں قلوب کی ہدایت اور ضلالت اور ان کی سعادت اور شقاوت اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے بغیر اسکی تو فتن اور غیبت کے ایمان اور ہدایت ممکن نہیں۔ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَ يَعْلَمُو أَنَّ اللَّهَ يُحَوِّلُ بَيْنَ الْمُعْذَرِ وَ قَلْبِهِ۔

تمام کائنات اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اسی نے اپنی قدرت سے ان کو عدم کے پردہ سے نکال کر وجود کی مسند پر بٹھلایا ہے لہذا یہ ناممکن ہے کہ عالم کا کوئی ذرہ بدوں اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت کر سکے ایمان اور ہدایت کفر اور ضلالت سب اسی کی مخلوق ہیں تخلیق و تخرین کے اعتبار سے ہر چیز کی اسناد اس کی طرف ہوگی۔ اور اسناد حقیقی ہوگی۔

البتہ کسب اور حصول کے اعتبار سے بندوں کی طرف اسناد ہو سکتی ہے۔ چونکہ یہ ختم اور غشاوہ بندوں کے اختیاری تمرد اور سرکشی کا نتیجہ اور اس کی سزا ہے اس لیے متمردين اور معاندین کے تفتیح اور تشنیع کے لیے اسکو ذکر کیا لہذا امور و مذمت اور مستحق ملامت صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان غیبت استعدادوں کے ظرف اور محل ہیں نہ ہر اور سنجیدہ کا پیدا کرنا تو کمال ہے مگر اسکا استعمال قبیح اور مذموم

ہے اسی طرح روحانی زہر (کفر و ضلالت) اور روحانی تریاق (ایمان و ہدایت) کو پیدا کرنا تو کمال ہی کمال ہے مگر اس کو اپنے اختیار سے استعمال کرنے کا حکم دوسرا ہے زمین اچھی ہو یا بُری۔ شور اور بنجر ہو یا گلزار اور مرغزار ہو پیدا کرنا تو دونوں ہی کا حکمت ہے مگر برائی کیساتھ شور اور بنجر زمین ہی کو موصوف کیا جائے گا۔ پیسدا کرنے والا تو ہر حال میں قابلِ حمد و ستائش و لائقِ صدا و فرین و تحسین ہے۔ وَاللّٰهُ الْعَلِیْبُ یَخْرُجُ نَبَاتًا بِأَذْبٍ رَبِّیْہِ وَالَّذِیْہِ خَبُثٌ لَا یُخْرِجُہُ إِلَّا نَجَسًا۔ جس زمین کو حق تعالیٰ نے شور اور بنجر بنایا اور انبات کی صلاحیتوں سے اسے محروم کر دیا تو خداوندِ ذوالجلال نے زمین کے اس ٹکڑے پر کوئی ظلم نہیں کیا، اسی طرح خداوندِ عظیم و حکیم نے اگر کسی کے دل پر مہر لگا کر اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر اس کی زمینِ قلب کو ہدایت کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا تو کوئی ظلم نہیں کیا اہل حق کہتے ہیں کہ یہ ختمِ اور غشاوہ۔ اُن کی سرکشی اور عناد کی سزا سے یہ مہر اُن کو کفر پر مجبور نہیں کرتی اس مہر کا توڑ نا ان کے اختیار میں ہے۔ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ابھی ہر ٹوٹنی ہے۔

حق جل شانہ نے مگر اہی کے قفل پیدا کیے اور کافروں کے دلوں پر ڈال دیئے۔ کیا قال تعالیٰ اَہْرِ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا۔ مگر اس عظیم و حکیم نے ان قفلوں کے کھولنے کے لیے مفاتیح (کنجیاں) بھی پیدا کیں تاکہ اگر کوئی قفلِ ضلالت کو کھولنا چاہے تو کلیدِ ہدایت اور مفتاحِ سعادت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے سہولتِ قفل کھل سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بد نصیب کنجی کا استعمال نہ کرے تو قفل خود بخود تو کھلنے سے رہا۔

(۶) امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ مدہ فرماتے ہیں کہ کفر اور کافروں کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کو ذاتی عداوت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اس حق جل و علا کے بالذات دشمن ہیں۔ اسی وجہ سے انکا عذاب دائمی ہے اور ان کی مغفرت ناممکن ہے اس لیے کہ صفتِ رأفت و رحمت جو کہ صفاتِ افعال میں سے ہے وہ ذاتی غضب اور ذاتی عداوت کے مقتضا کو ہرگز نہیں بدل سکتی۔ ایک صفتِ فعل کا مقتضا دوسری صفتِ فعل کے مقتضا سے متغیر اور متبدل ہو سکتا ہے مثلاً صفتِ ایما سے صفتِ امانہ کا مقتضا بدل سکتا ہے مگر مقتضا ذاتِ مقتضائے فعل سے نہیں بدل سکتا۔ اس لیے کہ اقتضائے ذاتی بلاشبہ اقتضائے فعلی اور اقتضائے صفاتی سے بدیدہا اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس لیے قیامت میں کافروں کو اس کی صفتِ رأفت و رحمت سے کوئی حقہ نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ اس وحدہ لا شریک لہ کے بالذات دشمن ہیں اور حدیثِ قدسی میں جو سبقتِ رحمتی علی غضبی۔ (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) وارد ہوا ہے۔ اس سے ذاتی غضب مراد نہیں جو کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلکہ صفاتی اور فعلی غضب مراد ہے جو گنہگار مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے عصاة مؤمنین (گنہگار مؤمنین) کے ساتھ ذاتی عداوت اور ذاتی

غضب متعلق نہیں مومنین مذہب کے حق میں جو عقاب اور عتاب بھی آیا ہے وہ ان کے افعال سیئہ کی طرف راجع ہے بلکہ گنہگاروں کے ساتھ ایمان کی وجہ سے ذاتی محبت متعلق ہے اور اسی ذاتی محبت کی وجہ سے اہل ایمان جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور گناہوں کی وجہ سے جو صفاتی اور فعلی غضب ان سے متعلق ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے چند روز عذاب میں رہیں گے اور پھر اسکے بعد ہمیشہ ہمیشہ روح و ربان اور نعیم مقیم میں رہیں گے۔ رہا یہ سوال کہ کافر کیلئے آخرت میں تو رحمت سے کوئی حصہ نہیں مگر دنیا میں بھی کیا اسکے لیے کوئی رحمت ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ دنیا میں کافر کے لیے کسی رحمت کا حامل ہونا فقط ظاہر اور صورت کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت میں وہ استدراج اور کید متین ہے اور دار آخرت کی طرح دار دنیا میں بھی کفار سے ذاتی عداوت اور ذاتی غضب و رحمت کے فیضان سے مانع ہے۔ کما تلتل تعالیٰ

کیا یہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال اور اولاد سے امداد کیسے جارہے ہیں تو انکے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ یہ استدراج ہے ہم بتدریج انکو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ایسی طرح سے کہ ان کو معلوم بھی نہیں۔ اور انکو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ
مِنْ مَّالٍ وَبَيْنَ يَدَيْهِمْ
فِي الْخَيْرَاتِ كُلَّ لَاحِظٍ
يَشْعُرُونَ
وَقَالَ تَعَالَى سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ
لَا يَشْعُرُونَ وَاُمِّي لَّهُمْ
الْبَاطِلُ حَكْدِي مَتِينٌ ۝۵

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

اور ایک لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم یقین دے لے اللہ پر اور

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۸ يَخْدَعُونَ

پچھلے دن پر اور ان کو یقین نہیں دغا بازی کرتے

اللّٰهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا

ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور کسی کو دغا نہیں دیتے مگر

أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ فِي قُلُوبِهِمْ

آپ کو اور نہیں بوجھنے ان کے دل میں

مَرَضٌ ۲ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۳ وَ لَهُمْ

آزار ہے پھر زیادہ دیا ہم نے ان کو آزار اور ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۴ لَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۱۰ وَإِذَا قِيلَ

دکھ کی مار ہے اس پر کہ وہ جھوٹ کہتے تھے اور جب کہتے

لَهُمْ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۲ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں کہیں ہمارا کام تو

مُصْلِحُونَ ۱۱ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ

سنوارنا ہے سب کچھ وہی ہیں بگاڑنے والے پر نہیں

لَا يَشْعُرُونَ ۱۲ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ

سمجھتے اور جب کہتے ان کو ایمان میں آؤ جس

النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ مِمَّنْ آمَنَ السُّفَهَاءُ ۱۳ إِلَّا

طرح ایمان میں آئے سب لوگ کہیں کیا ہم اس طرح مسلمان ہوں جیسے مسلمان بیوقوف سنا ہے

إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۱۴ وَإِذَا قِيلَ

وہی ہیں بیوقوف پر نہیں جانتے اور جب ملاقات

الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ ۲

کریں مسلمانوں سے کہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب اکیلے جاویں اپنے شیطانوں

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ ۱۵ أَلَا

پاس کہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے ہم تو ہنسی کرتے ہیں اللہ

يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۱۶

ہنسی کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے انکو انکی سخرات میں بہکے ہوئے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَیَحَتْ

وہی ہیں جنہوں نے خرید لی راہ کے بدلے گمراہی سو نفع نہ لائی

تَجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِیْنَ ۝

ان کی سوداگری اور نہ راہ پائی ۔

قبائح منافقین

قَالَ تَعَالٰی وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَقُولُ اَللّٰہُ..... وَمَا کَانُوْا مُہْتَدِیْنَ۔

رابط | ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی جنہوں نے دل سے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کو مانا اور زبان سے اسکا اقرار کیا۔ یہ اقیانہ کا گروہ تھا بعد میں اشیقار کا حال ذکر کیا۔ اشیقار میں دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ وہ تھا جو دل اور زبان دونوں سے منکر تھے۔ ان کا ذکر ہو چکا۔ اب آئندہ آیات میں اشیقار کے دوسرے گروہ کا ذکر ہے جو کسی دباؤ اور مصلحت کی بنا پر زبان سے تو مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ ایسے شخص کو اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ کافروں میں سب سے بدتر یہی فرقہ ہے کہ جس نے کفر کے ساتھ جھوٹ کو جمع کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اوس اور حذر ج کے اکثر قبائل سچے دل سے اسلام میں داخل ہو گئے مگر بعض قبائل جو یہود سے تعلق رکھتے تھے وہ اسلام کی توث اور شوکت کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان بنے تاکہ انکے جان و مال اور اہل و عیال محفوظ رہیں مگر اندرونی طور پر یہود اور مشرکین کے ساتھ رہے اللہ تعالیٰ نے انکے بارہ میں یہ آیتیں نازل کیں اور ان آیتوں میں منافقین کے اخلاق ذمہ اور افعال قبیحہ کو بیان کیا۔

پہلی قباحت

یہ ہے کہ وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور تعجب ہے کہ بعض لوگ باوجود انسان ہونے کے ایسے کیدنہ اور کج فہم ہیں کہ محض زبان سے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر حالانکہ وہ کسی درجہ میں بھی مؤمنین نہیں یعنی اللہ اور یوم آخرت کی

کیا تخصیص وہ تو کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ان کی ذوات کو ایمان اور اہل ایمان سے ذرہ برابر الصّاق اور اتصال نہیں۔ الحاق اور اتصاف کا تو ذکر ہی فضول ہے۔

خاص اللہ اور یوم آخرت کو ذکر کرنے کی وجہ یا یہ ہے کہ سلسلہ ایمان بالغیب میں سب سے زائد مہتمم بالشان اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہے یا یہ وجہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی سلسلہ کی پہلی اور آخری چیز کا ذکر کر دیتے ہیں اور مقصود استیعاب اور احاطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم اہل ایمان کی طرح اول سے آخر تک تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور سلسلہ ایمان کو اول سے آخر تک پکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ **مُخَذَّحُونَ** **اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ مَا يُخَذَّحُونَ** **إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَ مَا يَشْعُرُونَ**۔ یہ منافقین اپنے زعم میں اللہ اور مومنین سے فریب اور دھوکہ کرتے ہیں۔ حالانکہ نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے نفسوں کو اس لیے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہیں۔ ان سے کوئی شے مخفی نہیں اور مومنین کو بذریعہ وحی انکی دغا بازی کی اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ ان کے اس فریب سے اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ **ثَالِثًا** انہی کو نقصان ہوتا ہے **ف** انحرادعت مفاعلت کا وزن ہونے کی وجہ سے مشارکت کو مقتضی ہے۔ مومنا نفیقین کی طرف سے تو خداع اور مکر ظاہر ہے مگر حق جل شانہ کی طرف سے ان پر ظاہر احکام اسلام کا جاری ہونا یا دیوبی نعمتیں دیکر استدراج اور اصال میں مبتلا کرنا یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خداع ہے۔ مکر ظاہر میں تواغیر اور اکرام ہے اور درپردہ ارادۂ تذیل و تخفیر ہے۔ **وَ مَا يَشْعُرُونَ**۔ یعنی یہ منافقین اس قدر احمق اور بدحواس ہیں کہ اس امر کا ذرہ برابر احساس نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ پر کسی کا کوئی فریب اور دھوکہ کسی طرح نہیں چل سکتا۔

فائدہ (۱) اگر زبان سے اسلام اور ایمان کا اقرار ہو اور دل میں انکار ہو تو یہ اعتقادی نفاق کہلاتا ہے اور اگر دل میں بھی اقرار ہو مگر اعمال اسلام کے پورے مطابق نہ ہوں تو یہ عملی نفاق کہلاتا ہے اس سے کافر نہیں ہوتا اگر حال حال کے مطابق نہ ہو تو سلف صالحین اس کو بھی نفاق کہتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بلتعجب فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کو پایا کہ ہر ایک اپنے نفس پر نفاق سے ڈرتا تھا۔ حضرات صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ذرا قلب کی نوازینیت میں فرق پایا تو اس کو نفاق سمجھتے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ کی حضوری میں قلب کی جو حالت ہوتی ہے وہ اہل وعیال میں جا کر نہیں رہتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اگر ہمیشہ یہی حالت رہتی تو گلی کو چوں میں اور بستروں پر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

لے لفظ صفاق سے مومنین کے بار کے ترجمہ کی طرف اشارہ ہے فان البار للالصاق ۱۳

(۲) جاننا چاہیئے کہ شیعوں کا تفسیر بھی کھلا ہوا نفاق ہے۔ اگرچہ وہ اس کو ایمان کہیں کما قالوا اَلَا لَا اِيْمَان لِّمَنْ لَا تَقِيْعَةً لِّهٖ۔ اور کیوں نہیں منافق تو اپنے نفاق کو ایمان اور اخلاص ہی سمجھتا ہے۔

(۳) تفسیر ابن کثیر میں امام مالک سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں ملحد اور زندقہ میں حکم میں منافق کے ہے انتہی۔

(تشریح) جو شخص شریعت کے الفاظ و بحال رکھے مگر معنی ایسے بیان کرے جس سے اسکی حقیقت ہی بدل جائے ایسے شخص کو قرآن کی اصطلاح میں ملحد اور حدیث کی اصطلاح میں زندقہ کہتے ہیں ایسا شخص دعویٰ تو اسلام کا کرتا ہے مگر دل میں کفر مضمر ہے اور آیات قرآنہ اور احادیث نبویہ میں تاویلات فاسدہ کر کے مسلمانوں کو دھوکا دیتا ہے وجہ یہ ہے کہ دل میں زیغ اور کجی کی بیماری ہے جو ان کو تاویلات فاسدہ پر آمادہ کرتی ہے اور جتنی تاویلات فاسدہ زیادہ کرتے جاتے ہیں اتنی ہی انکی دل کی بیماری میں زیادتی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے۔

اور ان منافقین کا اپنے نفسوں کو دھوکہ اور فریب دینا بالکل ظاہر ہے مگر ان کو اس لیے ظاہر نہیں ہوتا کہ فی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَ اللَّهُ مَرَضًا۔ انکے دلوں میں ایک خاص قسم کا مرض ہے جس سے ان کی قوت اور اکیہ مآؤف ہو چکی ہے اور یہ کتاب بلاشبہ پیغام شفاء اور نسخہ ہدایت تھی۔ اگر دلوں کو بغض اور عناد سے صاف کر کے اس نسخہ و شفاء کو استعمال کرتے تو شفا یاب ہو جاتے۔ مگر اس کتاب ہدایت کے ساتھ ان کا بغض اور عناد زیادتی مرض کا سبب بن گیا۔ پس اللہ نے انکے مرض کو اور بڑھایا۔ جو عضو اور جو حاسہ جس غرض اور جس مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے اس حاسہ سے اس غرض کے نہ حاصل ہونے کا نام مرض ہے۔ زبان کے حق میں نطق اور گویائی اور آنکھ کے حق میں نظر اور بینائی کا۔ اور جسم کے حق میں گرفت اور احساس کا دشوار ہو جانا یہ زبان اور آنکھ اور جسم کا مرض ہے علیٰ ہذا قلب کے حق میں اللہ جل جلالہ کی معرفت اور اسکی محبت اور اسکی اطاعت کا دشوار ہو جانا کہ جس کے لیے یہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ قلب کا مرض ہے۔

ہرچہ جز عشق خدا کے احسن است
گر شکر خود دن بود جان کنون است
حالت مرض میں مرغ تمنجن اور بہتر سے بہتر غذا بھی مفید نہیں ہوتی بلکہ اور مرض اور بیماری میں قوت اور شدت پیدا کر دیتی ہے۔

ہرچہ گیسر دعلتی علت بود
اول ازالہ مرض کی فکر چاہیئے اسکے بعد مناسب غذا دی جائے۔ اسی طرح باطنی اور روحانی مرض کو ایمان و ہدایت کی تعلیم کوئی نفع نہیں دیتی بلکہ اور مرض میں اضافہ کر دیتی ہے۔

جو شخص صفراء کے مرض میں مبتلا ہے اس کو قند اور نبات بھی تلخ معلوم ہوتی ہے اور قند اور نبات کے استعمال سے اس کا صفراء اور زیادہ ہو جاتا ہے

وَمَنْ يَلِكُ ذَاقِمْ مُرٍّ مَرِيضٍ يَجِدُ مُسَابِغَ الْمَاءِ الشَّلَا لَا

جس کے منہ کا مزہ تلخ ہو اس کو آب زلال بھی تلخ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کفر اور لفاق کے مرض میں مبتلا ہو اس کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی کہاں محسوس ہو سکتی ہے۔ کفر اور لفاق کے صفراء نے اس کی قوت ذائقہ کو تلخ بنا دیا ہے اس لیے اس کو ایمان اور ہدایت کی حلاوت محسوس نہیں ہوتی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک آزار یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا ناچار قبول کرنا پڑا اور دوسرا آزار اللہ نے زیادہ دیا کہ حکم کیا جہاد کا جن کے خیر خواہ تھے۔ ان سے لڑنا پڑا۔ (موضح القرآن) وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ دعوائے ایمان میں جھوٹ بولتے تھے۔ اور پھر ظن یہ کہ اس جھوٹ کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ مردوں کی طرح اپنے عقیدہ کو کھول کر نہیں بیان کرتے۔ عورتوں کی طرح ڈرتے ہیں اسی وجہ سے منافق کھلے کافر سے بدتر ہے۔ اس لیے کہ کافر فقط کفر کرتا ہے مگر جھوٹ تو نہیں بولتا۔ اور نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے بخلاف منافق کے کہ وہ کفر بھی کرتا ہے اور زبان سے جھوٹ بھی بولتا ہے۔ کہ مسلمان ہوں اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ كَذٰبٌ بُّونَ۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھا وہ اس زمانہ میں زندیق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی زندیق وہ ہے جو منافقوں کی طرح دعویٰ تو اسلام کا کرے مگر دل میں کفر مضمر ہو۔

منافقین کی دوسری قباحت

قَالَ تَعَالٰی وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ اِلٰی وَ لٰكِنْ لَا یَسْعَیْوْنَ ۔ اور یہ منافقین اپنے باطنی مرض کی وجہ سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ فساد کو صلاح اور صلاح کو فساد اور مرض کو صحت سمجھنے لگے ہیں۔ کیونکہ جب اسے یہ کہا جلتے کہ زمین میں فساد مست کرد تو یہ کہتے ہیں کہ جزایں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ منافقین کئی طرح سے فساد پھیلاتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کے راہِ فاش کرتے۔ کبھی کافروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرتے اور کبھی کافروں کے اعتراضات ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تاکہ وہ مزید بد اور متزلزل ہو جائیں ان سب کو حق تعالیٰ نے فساد سے تعبیر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں لفاق خواہ دین کا ہو یا دنیا کا خود ایک مستقل فساد ہے۔ دُورِ رویہ ہونے سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں۔ ایسا شخص ہمیشہ فساد

اندیشہ ہے۔ اسی طرح سے اگر عداوت اللہ سے جہاد و قتال نہ کیا جائے تو روحانی طور پر تمام عالم کے خرب ہونے کا اندیشہ بلکہ ظن غالب ہے۔ اب آئندہ آیت میں ان کی بے شعوری کی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ وہ اہل عقل اور حق تولے کا اتباع کرنے والوں کو بے وقوف اور احمق سمجھتے ہیں۔

یہی حال ملاحظہ اور ذہن دہ کا ہے کہ آیات اور احادیث میں تاویلات فاسدہ کر کے مسلمانوں کو فتنہ اور فساد میں ڈالتے ہیں اور بے عقلی سے اس فساد کو اصلاح سمجھتے ہیں۔

منافقین کی تیسری قباحت

قَالَ تَعَالَى وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ... لَمْ يَخْلَعُوا حُلُوفَهُمْ الْيَمِينِ وَلَا يَخْلَعُونَ... لَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لانے والے وہ لوگ جو حقیقتاً انسان اور آدمی ہیں۔ انسان حقیقت میں وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان رکھنا ہو ورنہ وہ شخص نہ ابن آدم بل خلاف آدمند کا مصداق ہے۔ ناس سے اس جگہ مطلقاً صحابہ کرام مراد ہیں یا علماء بنی اسرائیل مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور تاریخ ابن عساکر میں ابن عباسؓ سے کہا آمَنَ النَّاسُ کی تفسیر اس طرح منقول ہے۔ کہا آمَنَ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور ان چارہ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ایمان وہی معتبر ہے جو خلفائے راشدین کے منہاج اور منوال پر ہو اور کہا آمَنَ النَّاسُ کے لفظ سے اس طے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور تصدیق اسی قسم کی معتبر ہے جس قسم کی صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے تصدیق کی۔ ورنہ جو شخص ملائکہ اور جنت اور جہنم وغیرہ کی تصدیق اس معنی کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی سے صحابہ کرام تصدیق کرتے تھے۔ بلکہ اپنی ہو، نئے نفسانی اور شیطان قرین کے القاریے ہوئے معنی کے لحاظ سے کرے تو وہ اصلاً معتبر نہیں۔ ایسی تصدیق تکذیب کے مترادف ہے اور ایسا ایمان بلاشبہ کفر کے ہم معنی ہے۔ الحاصل جب منافقین سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ایسا ایمان لاؤ کہ جیسا صحابہ کرام ایمان لائے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لانے کے یوقوت کر دین کے دیوانے بنے ہوئے ہیں اور زمانہ کے انقلابات سے نہیں ڈرتے ممکن ہے کہ دوسری طرف کا غلبہ ہو جائے دین کی محبت میں دنیادی مصالح کو نظر انداز کر دیا۔ روافض اور خوارج بھی صحابہ کرام کو احمق اور کافر اور منافق کہتے ہیں۔ سفیہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے نفع اور ضرر کو نہ پہچانتا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ آخرت کے نفع اور ضرر کے فکر میں اس درجہ سرشار اور منہمک

تھے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے کسی نفع اور ضرر کی ذرہ برابر انکو پرواہ نہ رہی تھی۔ اس لیے دنیا کے کتے ان کو دیوانہ اور بیوقوف کہتے تھے۔

اوسست دیوانہ کہ دیوانہ نشد اوسست فرزانہ کہ فرزانہ نشد
منافقین کا مخلصین کو دیوانہ اور سفید کہنا بھی ان کے عقل اور سمجھ دار ہونے کی دلیل ہے۔
وَإِذَا اتَّخَذَ مِزْمَتًا مِنْ نَاقِصٍ فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِي بِأَنِّي كَامِلٌ
ناقص العقل کا میری مذمت کرنا یہی میرے مکمل العقل ہونے کی شہادت ہے اس لیے
اگے ارشاد فرماتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہی لوگ احمق اور بیوقوف ہیں جنہوں نے باقی کو چھوڑ کر خانی
کو اختیار کیا ہے۔ اور عاقلوں کو احمق سمجھتے ہیں۔ اور حق کو باطل اور ہدایت کو ضلالت سمجھتے ہیں
شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ
وَالْأَحْمَقُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هُوَ أَمَّا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ
(رواہ الترمذی وابن ماجہ)
عاقل اور سمجھ دار وہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور مابعد الموت یعنی آخرت کے لیے عمل کیا اور احمق اور بیوقوف وہ ہے کہ جس نے ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اللہ پر آرزوئیں اور تمنائیں باقی رکھیں
(ترمذی شریف ابن ماجہ)

علاوہ ازیں ییل و نہار آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا اور جو نعمت اور صفت آپ کی آسمانی کتابوں میں دیکھی اور بڑھی تھی وہ ہو بہو آپ پر منطبق پائی اور پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو گی۔ اور یہ منافق ایسے احمق اور بیوقوف ہیں کہ وہ اپنی حماقت اور بیوقوفی کو بھی نہیں جانتے۔ جو احمق اپنی حماقت کو جانتا ہو وہ غنیمت ہے لیکن جو احمق اپنی حماقت اور سفاهت کو دانتا ہو اور فراموش سمجھتا ہو اس کا مرض لا علاج ہے۔ ان آیات میں یہ بیان فرمایا کہ منافقین اہل اخلاص کو زبان سے بیوقوف بتلاتے ہیں۔ آنزہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ محض زبان سے نہیں دل سے بھی انکو بیوقوف سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

منافقوں کی پوتھی قباحت

قَالَ تَعَالَى وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا... وَالْحَقُّ ... وَكَانُوا مُهْتَدِينَ
اور جب وہ منافقین ملتے ہیں اہل ایمان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب

اپنے شیاطین اناس یعنی اپنے رؤسا کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ سوائے اسکے نہیں کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مسخر اور منسی کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر مسلمانوں کی سفاہت اور یوقنی ظاہر ہو کہ بعض زبانی اقرار سے ہمکو دعوائے ایمان میں سچا سمجھتے ہیں۔ شیاطین سے منافقین کے پیشوا اور سردار مرد میں جو دین الہی کے مقابلہ میں ہر قسم کے فتنہ اور فساد کے سرغنہ بنے ہوئے تھے۔ شیطان لغت میں سرکش اور حد سے گزرنے والے کو کہتے ہیں۔ خواہ جنوں میں سے ہو خواہ انسانوں میں سے ہو۔ کما قال تعالیٰ شَیَاطِیْنُ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ اہل لفاق کو چونکہ ایمان سے دلی رغبت نہ تھی محض قتل سے جان بچانے کے لیے ایمان کا ظاہر اقرار کرتے تھے۔ اس لیے اُمّتا کہنے میں کسی حرف تاکید کا استعمال نہ کیا۔ اور جب اپنے شیاطین در نعمۃ الکفر کی معیت اور مسلمانوں کے استہزاء کو بیان کیا تو حرف ان اور اتما اور جملہ اسمیہ سے اس کو ہو کر گیا۔ یہ تاکید کی کلمات انکار کی بنا پر نہیں بلکہ اظہار حق و در عنبت کے لیے تھے۔ کما فی الموطول ما مذہ آیت میں ان کے استہزاء اور تمسخر کا جواب ہے کہ یہ نادان کیا اہل ایمان کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ لوگ خداوند علام الغیوب کے استہزاء اور تمسخر کا محل بنے ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا اہل ایمان اور اہل اخلاص کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِہُمْ وَیَمُذُّہُمْ فِی طَغٰیہُمْ یَعْمَلُوْنَ۔ ان کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ دقتاً فوقتاً تمسخر کرتا رہتا ہے اور انکی سرکشی اور گمراہی میں انکو ترقی دیتا رہتا ہے در آنحالیکہ وہ اس میں سرگشتہ اور سرگرداں ہیں۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہے کہ ان کو خوب مال و دولت دیا تاکہ خوب مغرور اور مست ہو جائیں اور پھر دفعۃً انکو بچڑایا جائے۔ کافراں مال و دولت کو نعمت سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ عذاب اور نعمت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جس مال اور
اولاد سے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اور ان
کے لیے خیر اور بھلائی کے لیے سعی کر رہے
ہیں۔ نہیں بلکہ ان کو اس کا احساس نہیں

اَیَحْسَبُوْنَ اَنْعَمَ لَہُمْ
بِمِنْ قَالٍ وَبَیِّنَ لَہُمْ
لَہُمْ فِی الْخَیْرَاتِ
بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

کہ (یہ استہزاء اور اہمال ہے)

بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ کافر جب کوئی مصیبت کرتا ہے تو اللہ جل شانہ ظاہراً اس کے لیے کوئی دیوی نعمت پیدا فرماتے ہیں۔ اور وہ حقیقت میں بلا عظیم اور نعمت یعنی مصیبت ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

پس جب کہ وہ بھول گئے اس نصیحت
کو حوان کو کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُکِّرُوا بِہِمْ
فَجَعَلْنَا عَلَیْہُمْ اَبْوَابَ کُلِّ

کو ہدایت کے عوض میں نہایت خوشی سے قبول کیا ہے۔

فَمَا رَحِمْتُمْ بِتِجَارَتِهِمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ پس نہ سود مند ہوئی ان کی تجارت اور وہ آخرت کی تجارت سے واقف بھی نہیں۔ آخرت کی تجارت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور جان و مال سے اس کی راہ میں کوئی دریغ نہ ہو۔

کَمَا قَالَ تَعْلَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَتَاكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُجْبِيكُمْ مِنْ عَذَابِ إِلَهِكُمْ تَوَدُّونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ اور یہ لوگ تجارت میں نفع تو کہاں سے حاصل کرتے انہوں نے تو اصل سرمایہ ہی کو ضائع کر دیا۔ یہاں اصل سرمایہ سے فطرتِ سلیمہ اور قبولِ حق کی استعداد مراد ہے۔

مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ

اُن کی مثال جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ پھر جب روشن کیا اس کے

مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا

گرد کو لے گیا اللہ ان کی روشنی اور چھوڑا انکو اندھیروں میں نظر

يُبْصِرُونَ ۝۱۵ ۞ كُمْ بِكُمْ عَنِ فُتُورِهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۱۶

نہیں آتا بہرے ہیں گونجے اندھے سودہ نہیں پھرے گئے۔

منافقین کی دو مثالیں

قَالَ تَعَالَىٰ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا... فَهُمُ لَا يَرْجِعُونَ۔ (در لفظ) حق جل شانہ جب منافقین کے قبائح بیان کر چکے تو مزید ایضاح کے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح ان کی سفاہت اور بے وقوفی واضح ہو جائے۔ جس کا ماقبل میں بیان ہوا۔

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں بار بار ایمان اور ہدایت کو نور فرمایا ہے اور مردہ دلوں کے لیے حیات اور زندگی فرمایا ہے اور کفر اور ضلالت کو ظلمت اور تاریکی اور دلوں کی موت اور بے باقی

بتایا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے منافقین کے مناسب جنہوں نے ہدایت کے عوض میں ضلالت اور گمراہی کو اختیار کیا دو مثالیں بیان فرمائیں ایک ناری اور دوسری مائی اس لیے کہ نار مادہ نور ہے اور مار یعنی پانی مادہ حیات ہے۔ کما قال تعالیٰ - وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا -

مثال اول منافقین

مثال ان منافقین کی کو نہ نظری اور غلط فہمی اور نور ہدایت کے بدرجہ میں ظلمات ضلالت کو خرید کر خسارہ اٹھانے میں اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پس جب آگ نے اس کے آس پاس کو خوب روشن کر دیا تو اندھ لٹے نے ان کی روشنی کو سلب فرمالیا اور چھوڑ دیا ان کو ایسی تاریکیوں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی مشعل کو روشن کیا جس کی وجہ سے حق اور باطل اور ہدایت اور ضلالت خوب واضح اور روشن ہو گئے اور تمام مخلوق نے اس میں راہ پائی لیکن منافق اس وقت اندھے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے نور فطرت اور نور بصیرت کو سلب فرمالیا۔ آفتاب نبوت و ہدایت نے اگرچہ تمام عالم کو روشن اور منور کر دیا مگر جب تک آنکھ میں نور اور بینائی نہ ہو تو آفتاب کی روشنی کا کام اُدھے گی۔ کاش کہ نہر سے اندھے ہوتے تب بھی غنیمت تھا کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی بات سن سکتا ہے مگر جب بہرا اور گونگا بھی ہو تو پھر راہ پر آنے کی کوئی امید نہیں۔ نابینا ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا بہرا ہونے کی وجہ سے کسی کی نصیحت بھی نہیں سن سکتا اور گونگا ہونے کی وجہ سے کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح منافقوں کو عقل کی آنکھ ہے کہ جس سے خود بیدار اور غلط راستہ پہچانیں اور دیکھ سکیں اور نہ مرشد اور کسی اللہ والے کی طرف رجوع ہے کہ وہ انکی دستگیری کرے اور ان کا راہنما بن جائے۔ اور نہ خود حق کی طرف کان لگاتے ہیں۔ پھر ایسے شخص کی راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو۔ ہذا توضیح ما قالہ استاہ عبد القادر الدہلوی فی موضعہ القرآن۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید حاصل مثل آنست کراعمال منافقان ہمہ بطور شدہ چنانکہ روشنی اُن جماعتہ دور شد۔ انتہی خاصہ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے بعد گمراہی میں چلا جانا ایسا ہے جیسا کہ روشنی کے بعد اندھیرے میں جا پھنسنا۔

عبد شد بن مسعود اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت شریفہ کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور بعد چند سے منافق بن گئے تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ظلمت اور تاریکی

میں تھا اس نے آگ سلگائی اسکی روشنی سے اس پاس کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں اور جو چیزیں پہنے کے قابل تھیں۔ وہ اس کو معدوم ہو گئیں۔ یکایک وہ آگ بجھ گئی ورنہ راستہ کے کانٹے اس کی نگاہ سے دھمل ہو گئے۔ اب وہ حیران اور سرگردن ہے کہ کس چیز سے بچے اور کس چیز سے نہ بچے۔ اسی طرح یہ منافقین پہلے سے کفر اور شرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں تھے کہ اسلام نے آتے جس کی وجہ سے حلال و حرام خیر اور شر سب معلوم ہو گیا۔ اور یہ سمجھ گئے کہ کس چیز سے بچیں اور کس چیز سے نہ بچیں۔ اسی حالت میں تھا کہ منافق ہو گیا۔ اور مثل سابق پھر ظلمات کفر میں جا پھنسا اب اس کو حلال اور حرام، خیر اور شر کی کوئی تمیز نہیں۔ (ابن کثیر)

امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ نہایت صحیح ہے اول ایمان لا کر نور حاصل کیا۔ پھر نفاق کر کے اس نور کو مٹا دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے حیرت میں پڑ گئے۔ راہ دنیا میں جو ظلمت کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کو اس پریشانی اور حیرت سے کہ جو راہ آخرت میں باطنی ظلمات کی وجہ سے پیش آتے۔ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے۔ دنیا کی ہر پریشانی محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی پریشانی غیر محدود اور غیر متناہی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کسی وقت میں بھی ایمان نہیں لاتے۔ ابتداء ہی سے منافق تھے کسی وقت بھی دل سے ایمان نہیں لاتے یہ لوگ از اول تا آخر منافق رہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب وہ ہو گا جو حضرت ابن عباسؓ اور ابو العالیہؓ اور ضحاکؓ اور قتادہؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ منافقین نے محض زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور محض ظاہر اسلام لائے تو انکو یہ نفع ہوا کہ اس کلمہ طیبہ کی روشنی میں دنیا میں خوب امن سے رہے۔ جان و مال محفوظ رہا۔ مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت میں شریک رہے جب تک زندہ رہے کلمہ شہادت کی روشنی سے یہ دنیوی منافع حاصل کرتے رہے۔ مرتے ہی ان کا یہ نور جاتا رہا اور عذاب سرمدی کے ظلمات میں جا پھنسے (ابن کثیر) کلمہ توحید اور کلمہ شہادت اگر اخلاص سے کہا جائے تو سبحان اللہ نور علی نور ہے۔ لیکن یہ کلمہ اگر نفاق سے بھی کہا جائے تب بھی اس میں ایک نور ہے اگرچہ وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ناقص اور نہ کافی ہے۔ اس لیے کہ یہ کلمہ سرمدی ہے اگرچہ منافق اس کو اپنی حماقت سے حق نہ سمجھے۔ اور ہر حق میں نور اور روشنی ہے۔ بہر حال منافق کو اس کلمہ طیبہ کے اعتراف و اقرار کی وجہ سے ایک درجہ کا نور ضرور حاصل ہو جاتا ہے ظلمت اور تاریکی جو کچھ ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے۔ اور اس کلمہ حق کی روشنی سے دنیاوی فوائد اور منافع حاصل کیے جن کو حق جل شانہ نے مآخول سے تعبیر فرمایا۔ ہر منافق اور خود غرض کا طریق یہی ہے کہ ہر وقت اس کی نظر ماحول پر رہتی ہے۔ اسی طرح ان منافقین نے ظاہری ماحول کو دیکھ کر فقط زبانی قول پر اکتفا کیا۔ درجائے مغرب کے خول کو کافی سمجھا اور یہ نہ سوچا کہ ظاہری ماحول کو دیکھنا آخول (بھینکا) کا کام ہے۔ چونکہ دنیاوی منافع چند روز ہوتے ہیں اس لیے اس کو تشبیہ اس جلانے والی آگ سے دی گئی جو تھوڑی دیر میں بجھ

الصَّوَاعِقُ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹

کواک کے ڈر سے موت کے اور اللہ گھیر رہا ہے منکروں کو

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ

قریب ہے بجلی کہ اُنک لے ان کی آنکھیں جس بار چمکتی ہے

مَشَوْافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

ان پر چلتے ہیں اسیں اور جب اندھیرا پڑا کھڑے رہے اور اگر چاہے اللہ

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

لے جاوے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۲۰

پر قادر ہے

منافقین کی دوسری مثال

قَالَ تَعَالَىٰ أَوْكَسْتَبِ مِنَ السَّمَاءِ اَللّٰہُ..... إِنَّ اللَّهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ

یا مثال ان منافقین کی گریہ کو ہدایت کے بدلہ خرید کر خسارہ اٹھانے میں ایسی ہے جیسے آسمان سے زوردار پانی پڑ رہا ہو۔ من السماء کا لفظ بڑھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بارش آسمان کے تمام اطراف اور جوانب کو محیط ہے جس طرح پورے آسمان کو سمار کہتے ہیں اسی طرح آسمان کی جانب کو بھی سمار کہتے ہیں۔ نیز من السماء کے لفظ میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ اس بارش کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کس کی مجال ہے کہ آسمان سے آنے والی چیز کو روک سکے۔ اس میں اندھیرے اور گرج اور

لے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں: مترجم گوید حاصل مثل آن سمت کہ منافقان در ظلمت نفسانی افتادہ اندوچوں مواعظ بلوغ شغور نہی الجملہ ایشان را تنبیہ میشود و آل فائدہ نکند مانند مسافران کہ در شب تاریک و ابر حیران باشند در برق دوسہ قدم بروند و باز بشینند۔ واللہ اعلم۔

بجلی ہے۔ جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں۔ خوف کی وجہ سے ان کی یہ حادثہ ہے کہ انگلیوں کے پورے نہیں بلکہ پوری انگلیاں اپنے کانوں کے نہتائی سوراخ تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ ہونا ک آواز کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور اس خوف کی شدت میں یہ بھی نہیں سمجھتے کہ انڈر تو کاروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ کانوں میں انگلیاں دینا اس کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچا سکتا۔ ڈریب سے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جب وہ برق ان کے لیے چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں وہ چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی دین اسلام بمنزلہ بارانِ رحمت کے ہے جو مردہ دلوں کے لیے آبِ حیات سے کہیں بڑھ کر ہے اور سراسر رحمت ہی رحمت اور نعمت ہی نعمت ہے مگر ابتداء میں کچھ محنت۔ ورنہ سختی ہے جیسے بارش رحمت ہی رحمت ہے اور مردہ زمین کی حیات اور زندگی ہے۔ مگر اول میں کچھ کڑک اور بجلی بھی ہے۔ منافقِ اول کی سختی سے ڈر گئے اور وہ برا کے نام مصائب جو حقیقت میں ان کے تزکیہ نفس کے لیے تھیں ان سے گھرا گئے۔ اور جس طرح بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہو کر راستہ نظر آ جاتا ہے اور بادل کی کڑک سے دل کانپ جاتا ہے۔ اسی طرح منافق جب دنیوی منافع (جیسے جان و مال کی حفاظت، مال غنیمت میں سے حصہ لانا) ان منافع پر نظر کرتا ہے تو اسلام کی طرف جھک جاتا ہے اور مثلاً جب جہاد کی سختی پر نظر کرتا ہے تو پھر اسلام سے ہٹ کر جاتا ہے بہر حال جس طرح بجلی میں کبھی روشنی اور اجالا اور کبھی تاریکی اور اندھیرا۔ اسی طرح منافق کے دل میں کبھی اقرار ہے اور کبھی انکار۔ کما قال تعالیٰ۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقْبِضُ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ طَغَىٰ وَ إِنْ أَصَابَهُ فِتْنَةٌ أُنْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ

الحاصل ان آیات شریفہ میں دین اسلام کو بارانِ رحمت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ورنہ ان کے شبہات اور نفسانی اغراض کو ظلمات کے ساتھ اور عذابِ الہی سے ڈرانے والی آیات کو سرد کے ساتھ اور فتوحاتِ اسلام اور غلبہ دین حق کو برق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب غلاب سے ڈرانے والی آیتیں نازل ہوتی ہیں تو یہ منافق ان کو سلنا نہیں چاہتے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں اور جب کبھی غلبہ اسلام کی برق کو نہ دیکھتے ہیں اور اسلام کا نور دیکھنے لگتے ہیں تو اسلام کی طرف چلنے لگتے ہیں اور جب اغراض نفسانی کی قلت اور تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے مثلاً کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم آتا ہے تو پھر اسلام کی طرف چلنے سے رک جاتے ہیں وَ لَقَدْ شَاءَ اللَّهُ لَذَّابِ مَسْجِدِهِ وَ الْأَصَادِرِ

اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اور اگر خدا چاہتا تو بعیر بجلی اور کڑک ہی کے ان کے کان اور آنکھیں سب ہی لے جاتا۔ بیشک اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ کسی سبب کا محتاج نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی مانع ہے۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی اس فریق کو پہلے فریق کی طرح بالکل اندھا اور بہرہ نہیں بنایا۔ اس فریق سے بھی ایمان کی امید بالکل قطع نہیں ہوئی ہے مثلاً یہ ایمان لے آئیں۔ بخلاف پہلے فریق کے کہ جن کی مثال مَثَلُهُمْ كَمِثْلِ الذُّبِّي اسْتَوْ قَدْ مَاءًا مِّنْ ذَرِّئَةٍ لَّيْسَ لَهُ ثَمَرٌ۔ ان کے ہریت پر آنے کی کوئی امید نہیں اس لیے کہ اللہ نے ان کے

نور کو بالکل سب فرمایا کہ انا تو اسے ذہب اللہ بنورِ حق اور وہ بہرے اور گونگے اور اندھے ہیں فہم لا یرجعون۔ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف لوٹنے والے نہیں اسی وجہ سے اس فریق کے لیے ذہب اللہ بنورِ حق نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ اللہ نے ان کے نورِ فطرت کو ابھی بالکل زائل نہیں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے بنایا تم کو

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ الَّذِي جَعَلَ

اور تم سے انگوں کو شاید تم پر ہیزگاری پکڑو جس نے بنا دیا

لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ

تم کو زمین بچھونا اور آسمان عمارت اور اتارا

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا

آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے کھانا

لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

تمہارا سونہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کوئی اور تم جانتے ہو

تعلیم توحید

قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي... إلخ... وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔
(رابطہ) یہاں تک مؤمنین اور کافرین اور منافقین کے احوال عیسویہ علیحدہ بیان فرماتے اب اس آیت میں علی العموم سب کو خطاب فرماتے ہیں نیز وہ ہدایت جس کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی وہ دو اصولوں پر منقسم ہے ایک توحید اور دوسرے رسالت۔ اس لیے اول توحید اور عبادت کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری کی جڑ ہے۔ یعنی یہ کتاب متقین کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے۔

لیکن تقویٰ کے حاصل کر نیک طریقہ یہ ہے کہ صرف خدا سے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو اسی وجہ سے
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا كَمَا بَدَأَكُمْ تَسْقُونَ۔ فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ مشروع سورت میں
 اس کتاب کے متقین کے لیے موجب ہدایت ہونا بیان فرمایا تھا اب ان آیات میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ بتلاتے
 ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو اگر واقع میں تم انسان ہو اور اپنی انسانیت کی حفاظت چاہتے ہو تو اپنے
 پروردگار کی عبادت کرو جس سے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا یعنی تم کو اور تمہارے اصول
 (آباد و اجداد) کو پرودہ عدم سے نکالا اور وجود کا عجیب و غریب خلعت تم کو پہنایا تاکہ تم اس غیر
 مترقب نعمت اور عمدہ مرحمت کا شکر کرو اور متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ متقی بننے کا طریقہ یہی ہے کہ
 ہر وقت تم اس امر کو پیش نظر رکھو کہ وہ تمہارا پروردگار ہے ایک لمحہ اور ایک لمحہ کے لیے تم
 اس کی تربیت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے اسی نے تم کو اور تمہارے آباء اجداد کو جس سے
 تم پیدا ہوئے ہو محض اپنی قدرت سے کتم عدم سے نکال کر وجود کا خلعت پہنایا ہے۔ اپنے امکان
 کو سوچو تاکہ اس کا وجوب معلوم ہو۔ اپنی عاجزی اور درماندگی کو سوچو تو اس کا قادر مطلق ہونا معلوم ہو
 اپنی ذلت اور خواری کو سوچو تو اس کا عزیز مطلق اور ذوالجلال والاکرام ہونا معلوم ہو۔ اپنے ملوک
 ہونے کو سمجھو تاکہ اس کا مالک ہونا سمجھ میں آئے۔ و علیٰ ہذا القیاس غایت محبت اور نہایت تعظیم
 و اجلال کے ساتھ انتہائی تذلل کا نام عبادت ہے۔ مطلق محبت اور مطلق تعظیم اور مطلق تذلل کا نام
 عبادت نہیں ماسی وجہ سے اوماد کی محبت اور والدین اور ساتذہ کی تعظیم اور ان کی تواضع عبادت
 نہیں کہلاتے گی۔ تمام عالم عبادت ہی کے لیے پیدا کیا گیا اور سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے
 اسی عبادت کی دعوت دی۔ حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہی
 فرمایا۔ اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ۔ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی
 معبود نہیں۔ وَقَالَ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنْهُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی
 بھیجتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں) پس میری ہی عبادت کرو۔ اس لیے اب آئندہ آیت میں معرفت
 معبود کا طریقہ بتاتے ہیں کہ معبود وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ اِنَّمَا الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ
 الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ
 الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَشْدَادًا ۖ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ وہ پاک
 ذات کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس
 پانی سے تمہارے کھانے کے لیے قسم قسم کے کچھ پھل اور میوے نکلے پس خدا کے لیے اس کے مقابل
 اور مماثل ہمتا اور شریک نہ بناؤ اور حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ تمہارا اور ان سب چیزوں کا پیدا
 کرنے والا صرف ایک وحدہ لا شریک ہے اور ان الغامات اور انتظامات میں کوئی اس کا شریک اور

سہیم نہیں پس ان انعامات کے شکر میں خاص اسی کی عبادت کرو اور کسی دوسرے کو شریک نہ کرو یعنی یہ سارا عالم بمنزلہ ایک مکان کے ہے۔ آسمان اس کی چھت ہے اور زمین اس کا فرش ہے اور شمس و قمر اور نجوم و کواکب اس گھر کے شمع اور چراغ ہیں۔ قسم قسم کے پھل اور الوان نعمت اس کے دسترخوان پر پٹنے ہوئے ہیں۔ عالم کے تمام شجر و حجر اور تمام چرند پرند انسان کی خدمت کے لیے حاضر اور سخر ہیں اور یہ مکان اس کے رہنے کے لیے ہے پس جس خدا نے یہ تمام نعمتیں پیدا کیں وہی قابل پرستش ہے جب ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہو۔

ابرو باد و سر و خورشید و فلک در کارد
تا تو نانے بکفت آری و بفت بخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ہوا
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہری

خلاصہ کلام یہ کہ جو بارانِ رحمت آسمان سے برسی رہی ہے وہ بندہ کی زندگی اور حیات ہے اور دلِ اسکی غذا ہے عاقل اور دانا کا کام یہ ہے کہ بارانِ رحمت کو نعمتِ عظمیٰ سمجھے نہ یہ کہ اس سے بھاگے۔ اسی طرح اہل ایمان اور اہل خلاص کو چاہیئے کہ ہدایتِ خداوندی کی جو بارش آسمان سے ہوئی ہے اس کو اپنی روحانی زندگی کا آبِ حیات سمجھیں۔ منافقوں کی طرح نہ اس سے بھاگیں اور نہ کانوں میں انگلیاں دیں۔ مسند احمد بن حنبل میں باسناد حسن حارث اشعری سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کے متعلق حکم فرمایا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کو حکم کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے یحییٰ ان احکام کا یا تو خود آپ بنی اسرائیل کو جلد حکم کریں یا مجھ کو اجازت دیں کہ میں بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم کروں۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ نے سبقت کی تو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کوئی عذاب نہ آجائے یحییٰ علیہ السلام نے فوراً ہی بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا، درمہر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ کہا کہ اللہ نے مجھ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی ان پر عمل کروں، در تم کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کروں پہلی بات یہ ہے کہ صرف لٹر کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے اپنے خالص مال سے بغیر کسی کی شرکت کے ایک غلام خریدا وہ غلام دن میں جو کچھ کھاتا ہے وہ بجائے آقا کے کسی اور کو دے دیتا ہے کیا کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ حاشا بر گز نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہی تمہارا خالق اور رازق اور مالک ہے پس اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو (بقیہ حدیث کے لیے تفسیر ابن کثیر کی طرف رجوع کریں)

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اگر ہزار اطاعت اور

ف

عبادت بھی کرے تو ذرہ برابر ثواب کا مستحق نہیں اس لیے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ عبادت اس لیے واجب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اوں تو تم کو پیدا کیا اور پھر بے شمار نعمتوں سے نواز فرمایا۔ لہذا اس منعم حقیقی کا شکر بذریعہ عبادت کے تم پر واجب اور لازم ہے بادشاہ کے انعام و اکرام کے بعد اگر کوئی بادشاہ کا شکر کرے تو اس شکر کی وجہ سے وہ شخص اپنے کو کسی انعام کا مستحق نہیں سمجھتا بلکہ محض فریضہ شکر سے عہدہ برآ ہو جانے کو غنیمت سمجھتا ہے اور یہ خوب سمجھتا ہے کہ میرا یہ شکر بادشاہ کے انعام و احسان کے مقابلہ میں، بیس ہے اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کے شکر کو سمجھو کہ بندہ کتنی ہی عبادت کرے۔ اسکی ایک نعمت کا بھی شکر نہیں ادا کر سکتا۔ استحقاق تو درکنار مگر اس نے محض اپنی رافت و رحمت اور اپنے فضل عظیم سے ہماری ناقص عبادتوں پر بھی اجر اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ رَبَّنَا وَ ارْتَبْنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَاتِ۔ آمین۔

حق جس شانہ نے اس آیت میں عبادت کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ معبود کی معرفت کے پانچ طریقے بتلائے یا یوں کہو کہ پانچ قسم کے دلائل بیان کیے دو تو نفس کے متعلقات میں سے ہیں اور تین آفاق سے متعلق ہیں اوں خلق تم فرمایا کہ تم اپنے نفسوں میں غور کرو کہ تم کو عدم کے بعد وجود کی نعمت عطا کی۔ دوم یہ کہ تمہارے آباؤ اجداد کو وجود عطا کیا۔ اور تیسرے سے ہست کیا جس کو دلائل مِّنْ قَبْلُکُمْ سے ذکر فرمایا۔ سوم یہ کہ زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا چارم یہ کہ آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا۔ پنجم یہ کہ آسمان اور زمین کی شرکت سے تمہارے رزق کیلئے قسم قسم کے پھل اور میوے پیدا کیے۔ پس جس خداوند ذوالجلال نے یہ عجیب و غریب نعمتیں تم کو عطا کی ہیں اس سے تم اس کی قدرت و عظمت کا اندازہ لگاؤ۔ اور ہم تن اس کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو کیونکہ عبادت خالص اسی منعم حقیقی کا حق ہے۔

غرض یہ کہ اعبدوا اس سورت میں پہلا حکم ہے اور وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا پہلی نہی ہے اور یہی اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے کہ صرف خدا کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور کسی کو اس کا شریک اور مثل نہ جانو حق تعالیٰ نے اس آیت میں عبادت کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ استحقاق عبادت کے وجہ اور دلائل بھی بیان کیے جو سب کے سب فطری اور عقلی ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

اور اگر ہو تم شک میں اس کلام سے جو اوتارا ہم نے اپنے بند پر

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۖ وَ ادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو

مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳﴾ فَإِنْ

اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر

لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو بچو آگ سے

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾

جس کی پھپھیاں ہیں آدمی اور پتھر تیار ہے منکروں کے واسطے

اثبات رسالت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم
بضمن اثبات حقیقت قرآن عظیم

قال تعالى وَإِنْ كُنْتُمْ فِي سَرِيبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا..... اِلَى..... أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

۱۔ ربط (گزشتہ آیات میں عبادت اور معرفت معبود کے طریقے بتلائے اور حکم دلائل سے وجود صالح اور اس کی تائید کو ثابت کیا اور شرک کو باطل کیا اب ان آیات میں دلائل نبوت بیان کرتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی معرفت حاصل ہو۔ اور معرفت نبوت کا طریقہ معجزہ ہے اس لیے ان آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ثابت کرنے کے لیے آپ کے سب سے اعلیٰ اور افضل معجزہ کو ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کی نبوت و رسالت میں منکرین کو کوئی مشبہ باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں گزشتہ آیات میں عبادت کا حکم فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک وہی عبادت مقبول ہے جو اس کی نازل کی ہوئی کتاب سے معلوم ہو لہذا آئندہ

آیت میں اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ذکر فرمائی کہ اگر تم اس کتاب کو کتاب اللہ نہیں سمجھتے بلکہ معاذ اللہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اور بنائ ہوئی کتاب سمجھتے ہو تو اس کتاب کی ایک سورت ہی کے مثل ایک سورۃ بنا کر پیش کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي سَرِيبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ۔ اور اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں ذرہ برابر کوئی شک اور تردد نہیں جیسے کہ ابتدا سورت میں ارشاد ہوا۔ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ

لَا رَيْبَ فِيهِ لَكِن اِذَا قُمْتَ فَصُوْرُ فِہِم یَا عٰنَاد کی وجہ سے اس کتاب کے بارہ میں جسکو ہم نے اپنے بندہ پر بتدیسج نازل کیا۔ تم کسی شک اور غلبان میں مبتلا ہو گئے تو تم بھی اسی طرح ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت جو فصاحت و بلاغت اور ہدایت و ارشاد اور علوم اور معارف میں اس کتاب کے مماثل اور مشابہ ہوئے آؤ قرآن کریم کا وقتاً فوقتاً ضرورت و واقعات کے لحاظ سے بتدیسج نازل ہونا یہی مشرکین کے شک کا زیادہ سبب تھا کہ اگر یہ کلام الہی ہے تو قورات و انجیل کی طرح دفعۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا کا قال تعالیٰ وَ قَالَ الَّذِیْں کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِمُ الْقُرْاٰنُ جُمْلَۃً قٰلَیْہِمْ تَدْرِیْکَ تَوْبَیْہِمْ کَلَام میں ہوتی ہے جیسا کہ شعراء اور خطباء وقتاً فوقتاً حسب موقعہ اور ضرورت اشعار اور خطبات کہتے ہیں تو حق تعالیٰ نے شانہ لئے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کاروں سے یہ کہہ دو کہ اگر تم اس زعم نامرد اور خیال باطل کی وجہ سے اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں متردد ہو تو تم بھی اسی طرح ایک ہی مرتبہ اس جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنا لاؤ۔ جو فصاحت و بلاغت اور حسن معانی اور لطافت اور احکام معارف و معاد میں قرآن کا نمونہ ہو اور یہ قرآن اگرچہ بتدیسج نازل ہوا ہے مگر اس کا آخر مربوط اور مسلسل ہے۔

کلام عرب میں تحقیق اور یقین کے لیے کلمہ اِذَا۔ اور شک و تردد۔ ظن اور تخمین کے لیے کلمہ اِنْ مستعمل ہوتا ہے اس مقام پر بجائے۔ وَ اِذَا کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ میں کلمہ اِنْ استعمال کرنے میں بظاہر اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ابھی اس میں بھی تردد ہے کہ تم کو اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں واقعی شک اور تردد ہے۔ یا بدل سے تو تم اس کو کتاب الہی سمجھتے ہو اور ظاہر میں محض عناد کی وجہ سے اس کے کتاب الہی ہونے میں شک اور تردد ظاہر کرتے ہو۔ اور رَیْب کی تئوین تخریر کے لیے ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا شبہ کوئی قوی نہیں بلکہ ایک نہایت معمولی اور جہل اور حقیر شبہ ہے جو ہر مفسر قصور فہم اور عناد پر مبنی ہے۔ اس عجیب و غریب بے مثیل اور بے نظیر کتاب میں بھی اگر تردد اور شک کی گنجائش ہے تو پھر توریت و انجیل کے کتاب الہی تسلیم کرنے کا کوئی اسکان ہی نظر نہیں آتا۔

جس شہ چشم کو عین نصف النہار کے وقت نور آفتاب میں شک اور تردد لاحق ہوتا ہو۔ وہ شبہ وجودی کو اکسب اور نجوم کا نور کہاں تسلیم کر سکتا ہے۔ رہا وید سو آج تک اسکا بھید کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ اس کی کیا مراد ہے اور اس کے کیا معنی ہیں۔ لہذا جس کتاب کا کوئی مفہوم ہی معلوم اور متعین نہ ہوا اس کے بارہ میں شک اور تردد کا سوال ہی عبث ہے علی عبدنا (اپنے غلام بندے پر) اس سے سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ اس اصافت میں (یعنی ہمارے عبد کہنے میں) ایک

لہ اشارۃ الی ان الامر بلا بیان فی قولہ تعالیٰ فاتوا بسوۃ من مثله لا یقتضی لتکرار ۱۲ عناد

تو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہلے۔

لا تدعنی الایام عیدھا فانہ اشرف اسمائی
مت پکارا کر مجھ کو مگر اس محبوب کا عید اور غلام کہہ کر میرے نام سب ناموں سے افضل اور بہتر ہے
اگر یکبار گوید بندہ من از عرشش بگذرد خندہ من

دوسرے اس اضافت میں آپ کے مطیع ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ ہمارے نہایت ہی مطیع اور فرمانبردار بندہ ہیں اور علی عبدنا میں کلمہ علی کے لانے میں جو کہ کلام عرب میں استعلاء، غلبہ اور احاطہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ کلام انبی کے انوار و برکات اور وحی ربانی کے تجلیات خدا کے اس خاص بندہ کو ہر طرف اور ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

بِسُورَةٍ۔ لفظ سورت قرآن کریم کی ہر سورت کو شامل ہے خواہ وہ طویل ہو یا قصیر جس طرح قرآن کی طویل سورتیں معجز ہیں اسی طرح چھوٹی سورتیں جیسے سورۃ اخلاص اور سورۃ کوثر اور سورۃ عصر بھی معجز ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ اگر فقط سورۃ والہصر میں تدبر اور تامل کریں تو ان کے لیے کافی اور دانی ہے۔ آہ۔ بلکہ قرآن کا جملہ نامہ معجز ہے۔ تمام عالم کے فصحاء اور بلغار مل کر بھی اگر چاہیں کہ قرآن کریم جیسا ایک جملہ بنا لائیں تو ناممکن اور محال ہے۔

اول حق تعالیٰ شانہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمام جن اور انس مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے جیسا کہ سورۃ اسرار میں ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تمام قرآن کا مثل اگر نہیں لاسکتے تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت اس سورت کے مماثل بنا لاؤ جیسا کہ سورۃ یونس میں ہے اور یہ تمام اعلانات مکہ مکرمہ ہی میں کیے گئے اس لیے کہ یہ تمام سورتیں مکہ ہی میں یعنی سورۃ اسرار جس میں تمام قرآن کے مثل لانے کا ذکر ہے اور سورۃ ہود جس میں دس سورتوں کے لانے کا اور سورۃ یونس جس میں ایک سورت کے لانے کا ارشاد ہے یہ تمام سورتیں مکہ ہی میں نازل ہوئیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر پھر ایک سورۃ کے مثل لانے کا اعلان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت یعنی وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ میں مذکور ہے اس لیے کہ یہ سورت یعنی بقرہ مدنی ہے

لے کہا قال تعالیٰ قُلْ لِّی اَجْمَعَتِ الْاِدْنُ وَالْحِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَذُوْكَ اَنْ یَّبْعَثُوْهُمۡ بِبَعْضِ ظُلُمِیۡرِیْ ۱۲ لے کہا قال تعالیٰ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِ مِثْلِیۡنِ
وَادْعُوْا مَنِ اسْتَدْعٰتُکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیۡنَ ۱۲

لے کہا قال تعالیٰ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰہُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَدْعٰتُکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیۡنَ

اور ہجرت کے بعد سب سے پہلے ہی سورت نازل ہوئی۔ قَدْ حُوتُوا شَهِدَ اَکْثَرُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
 اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَتَقْعُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَ قَدْ هَا
 النَّاسُ وَ الرَّجَارَۃُ ۱۰۱ عَدَّتْ لِّلْحَکِیْمِیْنَ۔ اور اگر تم تنہا اس کے مثل لانے پر قادر نہیں تو
 اس کا علاج یہ ہے کہ تم سوائے خدا تعالیٰ کے اپنے تمام احوان و انصار کو بلا کر تم اپنے اس اعتقاد میں
 سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں تاکہ وہ تمہاری اس کام میں مدد کر سکیں اور اس مشکل کو حل کر سکیں اور
 سب مل کر قرآن کے ہم پلہ کلام لاسکیں۔ پس اگر تم سب مل کر بھی ایسا نہ کر سکو۔ یعنی اس کے مثل کوئی چھوٹی
 سے چھوٹی سورت بھی نہ لاسکو اور ہم پیشینگوئی کیسے دیتے ہیں کہ تم ہرگز نہ لاسکو گے۔ قرآن کا ایک اعجاز تو یہ
 تھا کہ کوئی اس کے مثل نہیں لاسکتا۔ دوسرا اعجاز یہ ہے کہ پہلے ہی پیشینگوئی کر دی گئی اور غیب کی خبر
 دے دی گئی کہ قیامت تک کوئی شخص اس کے مثل نہ لاسکا۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن کا معارضہ کرتا تو ضرور نقل ہوتا اس
 لیے کہ ہر زمانہ میں قرآن کے غلافوں کا عدد ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ اگر کسی نے قرآن کریم کا معارضہ کیا
 ہوتا تو اس کا نقلی رہنا ناممکن تھا۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم اسکا مثل نہ لاسکو اور ہرگز نہ لاسکو گے تو پھر میری نبوت کی تصدیق کرو۔ اور اس
 کو کلام ربانی اور وحی رحمانی سمجھو۔ تم ذرا تو خود کرو کہ ایک یتیم بیکس اور امی جسکا سارا عرب مخالف اور
 دشمن ہو وہ ایسا عظیم الشان دعویٰ بغیر تائید الہی کیسے کر سکتا ہے کہ تمام جن اور انس بھی اس کا مثل نہیں لا
 سکتے اور اگر تم اس کی تصدیق نہیں کرتے تو پھر اس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس جگہ
 پتھر سے یا تو عام پتھر مراد ہیں یا گندک کے پتھر مراد ہیں یا وہ بت مراد ہیں جن کو کافر پوجتے تھے۔ کما قال
 تعالیٰ۔ اِنَّکُمْ وَاٰتِکُمْ وَاَمَّا تَتَّبِعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَحَصَبٌ مَّجَالِیْتُ یعنی تم اور وہ بت جن
 کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جو دراصل خاص کافروں کے لیے
 تیار کی گئی ہے۔ البتہ گناہوں کا میل نکیل صاف کرنے کے لیے گندگا مسلمانوں کو چند روز کے لیے
 جہنم میں رکھا جائیگا۔ پھر جو اصل ذات ہی سے نجاست اور گندگی ہیں وہ تو دوزخ میں رہ جائیں گے
 اور جو اصل سے پاک ہیں یعنی مومن ہیں اور گناہوں کی عارضی نجاست ان پر لگ گئی (کما فی
 حدیث البخاری ان المؤمن لا ینجس) وہ پاک صاف ہونے کے بعد نکال لیے جائیں گے
 اس آیت سے اور آئندہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے صاف ظاہر ہے کہ
ف دوزخ ابھی موجود ہے جو لوگ اس کے قائل ہوئے کہ جنت و جہنم ابھی موجود نہیں بلکہ
 قیامت کے دن موجود ہوگی۔ صریح غلطی پر ہیں اور یہ قول سراسر آیات قرآنہ اور احادیث متواترہ اور
 اجماع امت کے خلاف ہے۔ علامہ زبیدی الخاف شرح احیاء ص ۲۲۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اسی پر
 تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حادی الارواح الی بلاد الافراح میں فرماتے ہیں۔

جنت تیار کی جا چکی ہے مگر اس میں کچھ خالی میدان ہیں جن میں بندوں کے اعمال صالحہ سے باغات اور محل تیار ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنا کر سے اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار ہو جاتا ہے یا جو شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ایک مرتبہ الحمد للہ، ایک مرتبہ اللہ اکبر یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے تفصیل کسی اور موقع پر کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو رسول اللہ کی رسالت میں شک ہے اور ہماری وحی کو انسانی کلام جانتے ہو تو اٹھو اور میدانِ معارضہ میں آ جاؤ۔ مگر ہم پہلے ہی پیشینگوئی کیے دیتے ہیں کہ تم سب مل کر بھی اسکا معارضہ نہیں کر سکتے پس اگر تم معارضہ نہ کر سکو اور تم پر اپنا عجز اور قصور واضح ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ ایمان لے آؤ ورنہ سخت عذاب میں گرفتار ہو گے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ

اور خوشی سنا ان کو جو یقین لائے اور کام نیک کیے کہ ان

لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا

کو ہیں باغ بہتی نیچے ان کے ندیاں جس بار

رَزَقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا ۖ قَالُوا هَذَا الَّذِي

ملے ان کو وہاں کوئی میوہ کھانے کو کہیں یہ وہی ہے جو

رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ

ملتا تھا ہم کو آگے اور ان پاس وہ آویگا ایک طرح کا اور انکو ہیں

فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾

وہاں عورتیں ستھری اور ان کو وہاں ہمیشہ رہنا

ذکرِ معاد یعنی قیامت کا بیان

بشارتِ مؤمنین صالحین

قَالَ تَاللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْنَحُوا ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۖ

رابط

حق تعالیٰ شانہ کی یہ سنت ہے کہ جب کبھی ترغیب اور وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ترہیب اور وعید اور انذار کو بھی ذکر فرماتے ہیں تاکہ خوف اور رجاء سے مل کر ایمان میں ایک اعتدالی کیفیت پیدا ہو جائے اسی سنت کے مطابق حق تعالیٰ نے ان آیات میں جب انذار اور کافروں کی وعید کو ذکر فرمایا تو آئندہ آیات یعنی **وَلَيُشْرِيَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا** **الْآيَةَ** میں مومنین صالحین کے لئے بشارت کا ذکر فرمایا۔ نیز وہ انذار اور تہدید اگرچہ دشمنوں کو تھی مگر عاشقانِ جاں نثار میں تو اس کے سننے کی بھی سہا رہ نہیں وہ تو مسک کر گھبرا جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی تسلی اور دل تھامنے کے لیے بشارت ذکر فرمائی۔ تاکہ بشارت کی مسرت اور مخاطبت کی لذت سے وہ پریشانی، مہمل برشاومانی ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور خوشخبری دیدتجیے آپ اُن لوگوں کو جو اس کتاب پر ایمان لائے اور اس کتاب کے منزلیں من اللہ ہونے کی تصدیق کی اور اس کتاب کی ہدایت کے مطابق نیک عمل کیے کہ ان کے لیے عجیب قسم کے باغات ہیں۔ ہر ایک کا باغ سکے ایمان اور عمل صالح کے مطابق ہوگا جن کے بچے نہریں جاری ہونگی عثمان غنی فرماتے ہیں کہ عمل صالح اس عمل کو کہتے ہیں جو خالص اللہ کے لیے ہو اور ریا سے بالکل پاک ہو کما قال تعالیٰ **فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا**۔ معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ عمل صالح وہ عمل ہے جس میں چار چیزیں جمع ہوں۔

۱۔ علم ۲۔ نیت ۳۔ صبر ۴۔ اخلاص (معالم التنزیل) ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بشارت کا پورا استحصال جب ہے کہ جب ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں۔ اس آیت میں متعلقات ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیل نہیں فرمائی صرف بالا جمل اتنا کہد یا کہ جو لوگ ایمان دار اور نیک کردار ہوں گے ہم انہیں اُن کے وہم و خیال سے بڑھ کر انعام دیں گے۔

جنت لغت میں باغ کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں ایک خاص مکان کا نام ہے جو نشاء اخرت میں ہمیشہ کے لیے ابرار و متقین کو عنایت ہوگا۔ جیسا کہ جہنم اس مخصوص مکان کا نام ہے جس میں کفار کو ہمیشہ کے لیے اور گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے لیے رکھا جائیگا۔ جنت اور جہنم پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور اسکی حقیقت کی تحقیق کے درپے نہیں۔ آیات قرآنہ اور احادیث نبویہ نے جس قدر جنت اور جہنم کے احوال و اوصاف بیان کیے ہیں ان پر ان سے ایک حرف بھی زیادہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ عالم غیب میں قیاس نہیں چلتا۔

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ جن کے نیچے سے نہریں نہایت تیزی سے بہتی ہیں۔

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ انْزِلُوا بِهِ مُتَشَابِهًا۔ جب کبھی دیئے جائیں گے ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کے لیے تو یہ

مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا

انکے رب کا کہا اور جو منکر ہیں سو کہتے ہیں کیا عرض

أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي

تھی اللہ کو اس مثال سے گمراہ کرتا ہے بہتیرے اور راہ پر

بِهِ كَثِيرًا ۖ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۚ الَّذِينَ

لا تائبے اس سے بہتیرے اور گمراہ کرتا ہے انہیں کو جو بے حکم ہیں جو

يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

توڑتے ہیں عہد اقرار اللہ کا مضبوط کیے پیچھے اور توڑتے ہیں

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ

جو چیز اللہ نے فرمائی جوڑنی اور فساد کرتے ملک میں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۚ

انہیں کو آیا نقصان

قرآن کریم کے کلام الہی سونے پر کافروں کا ایک شبہ اور اس کا جواب

قال تعالى إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا... إلخ... أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔
گزشتہ آیات میں اجماع قرآن کی دلیل مذکور تھی۔ یہاں منکرین کے ایک شبہ کا جواب مذکور ہے۔
شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں کہیں بھی اور کہیں مکڑی کی مثال دی ہے۔
اس پر کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو اس میں ایسی حقیر اور خسیس چیزوں
کا ذکر نہ ہونا چاہیے کیونکہ ایسی خسیس اور حقیر چیزوں کا ذکر کلام الہی کی عظمت کے لائق نہیں یعنی اگرچہ
ہم قرآن کا مقابلہ نہ کر سکیں لیکن اس کتاب میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ
کی کتاب نہیں ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا

مَا بَعُوضَةً فَمَا كُوِّنَهَا فَمَا آتَى الدِّينَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا اٰزَادَ اللّٰهَ بِهٰذَا مَثَلًا ۚ بَشَكَ اللّٰهُ
نہیں شرماتا اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے کسی بچہ کی یا اس چیز کی جو حقارت میں پھر سے بھی بڑھ کر ہو
پس اہل ایمان خوب جانتے ہیں کہ یہ تمثیل بالکل حق ہے اور درست ہے ان کے رب کی طرف
سے اس لیے کہ تمثیل سے مثل لے (جس کی مثال دی گئی) کی توضیح اور تفصیل مقصود ہوتی ہے۔ لہذا
حقیر اور ذلیل چیزوں کی حقارت اور ذلت کی توضیح اور تشریح کے لیے اس کے مناسب پھر، مکھی اور
مکڑی اسی قسم کی حقیر و ذلیل چیزوں کی مثال ذکر کی جائے گی۔ تاکہ اُس شے کی حقارت اور ذلت واضح ہو
جائے عزیز اور عظیم چیزوں کی مثال سے حقیر اور خفیس چیزوں کی حقارت اور ذلت کو کس طرح سمجھا
جا سکتا ہے۔ مثال کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ مثال دینے والے کے مطابق ہو۔ بلکہ مثل لے کے
مطابق ہونی چاہیے حقیر کی مثال حقیر سے اور عزیز کی مثال عزیز سے دینی چاہیے۔ ورنہ ہر مائل
جانتا ہے کہ حقیر کو عزیز سے مثال دینا احمقوں کا کام ہے۔ تو ریت اور انجیل اور کلام حکما میں اس
قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہے لوگوں
کے لیے اس قرآن میں ہر مثال تاکہ نصیحت
پکڑیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ
فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَسْتَدْكُرُوْنَ۔

یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے
ہیں تاکہ وہ تفکر اور تامل کریں۔

وَ قَالَ تَعَالٰی وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

بعض صفت سے منقول ہے کہ جب میں قرآن کی کسی مثل کو سنتا ہوں اور اس کو نہیں سمجھتا
تو میں اپنے اوپر روتا ہوں اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے
ہیں اور نہیں سمجھتے ان کو مگر اہل علم۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ
وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ بچہ کی مثال اللہ نے دنیا کے لیے بیان فرمائی ہے پھر جب تک
بھوکا رہتا ہے زندہ ہے اور جب کھا کر موٹا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے اسی طرح اہل دنیا جب دنیا
سے خوب سیر اور میراب ہو جاتے ہیں تو اللہ ان کو پکڑتا ہے پس وہ ہلاک ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ۔

پس جب بھول گئے وہ اس نصیحت کو جو
ان کو کی گئی تھی تو کھول دیئے ہم نے ان
پر درد از سے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب
وہ خوش ہو گئے اس سے جو ان کو دیا گیا

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوا بِمَا
اَوْتُوا اَخَذْنَاهُمْ فَلَاذًا هُمْ
مُذَلَّلُوْنَ۔

پس پکڑ لیا انکو ناگہاں پس وہ ناامید ہو کر

رہ گئے (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ یہ کہ اہل ایمان مثالوں کو حق سمجھتے ہیں کہ اشیاء کی خست اور حقارت بیان کرنے کے لیے یہ مثالیں دی گئی ہیں۔ اور کافر لوگ اپنی حماقت سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ان حقیر مثالوں سے کیا غرض ہے۔ اور کیا ارادہ خداوندی ایسی حقیر چیزوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ آئندہ آیت میں اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ**۔ گمراہ کرتا ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتوں کو۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ اہل حق اور اہل باطل۔ اہل ہدایت اور اہل ضلالت میں فرق ہو جائے۔ قرآن اور اس کی تمثیلات سبب حق اور عین ہدایت ہیں صحیح المزاج اور سلیم الطبع اشخاص (یعنی اہل ایمان) جب ان تمثیلات کو سنتے ہیں اور ان میں تفکر اور تامل کرتے ہیں تو ان کی ہدایت میں اور اضافہ ہوتا ہے اور ان تمثیلات سے انکو صراطِ مستقیم و رُحِ حق کا راستہ خوب واضح ہو جاتا ہے اور جن کی روح کا مزاج بالکل فاسد اور خراب ہو چکا ہے ان کو ان تمثیلات سے کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ ان کی گمراہی میں، اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ فاسد المزاج کو جس قدر بہتر غذا دی جائے گی اسی قدر اسکے فساد اور مرض میں اضافہ ہوگا۔

قرآن عزیز میں جس طرح ہدایت اور اضلال کو حق جل شانہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح ہدایت کو انبیاء و مرسلین اور علماء ربانیین اور ائمہ مجتہدین کی جانب اور اضلال کو شیاطین اور اخوان شیاطین کی جانب بھی منسوب کیا گیا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ہدایت اور اضلال کے معانی اور مراتب کو ذکر کیا جائے تاکہ خدا کی ہدایت اور انبیاء و مرسلین کی ہدایت میں فرق معلوم ہوا اور جو اضلال حق تعالیٰ جل شانہ کی جانب منسوب ہے اس کی کیا حقیقت ہے اور جو اضلال شیاطین اور اخوان شیاطین کی جانب منسوب ہے اسکی کیا ماہیت ہے۔

مراتب ہدایت

مرتبہ اولیٰ | ہدایت بیان۔ یعنی حق کو بیان کرنا اور واضح کرنا اور لوگوں کو حق کی تعلیم اور دعوت دینا۔ اس معنی سے ہدایت اللہ کی طرف اور اس کے انبیاء و مرسلین اور ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہو سکتی ہے۔
اللہ نے بھی حق کو بیان کیا اور اس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دی اور اس کے حکم سے انبیاء و مرسلین اور علماء نے بھی حق کو بیان کیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور اس کی طرف بلایا۔
قال تعالیٰ۔

اَنَا هَدَيْتَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا
وَاِمَّا كَفُورًا - تحقیق ہم نے انسان کو راستہ بتایا تو شکر
کرے یا ناشکری کرے۔

وَقَالَ تَعَالَى وَاِمَّا تَمُودُ فَهَدَيْنَاهُ
فَاَسْتَعْجَلَ النُّعَى عَلَى الْهُدَى - قوم ثمود کو ہم نے سیدھا راستہ بتایا لیکن
انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرماتے ہیں۔
وَقَالَ تَعَالَى وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اُمَّةً
يَهْتَدُونَ بِاَمْرِ نَا - ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو سچے
حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔

ان تمام آیتوں میں ہدایت بمعنی الہدیان مراد ہے اور یہ ہدایت اللہ رب العزت کے ساتھ مخصوص
نہیں۔ انبیاء اور علماء کی طرف سے بھی اسکی اسناد ہو سکتی ہے۔ نیز یہ ہدایت اہل ایمان کے ساتھ مخصوص
نہیں بلکہ مؤمن اور کافر سب کے لیے ہے۔

ہدایت توفیق۔ یعنی خدا کا اپنے فضل و کرم سے بندہ کے لیے اپنی اطاعت
اور فرمانبرداری کو اس کی خواہش اور طبعی میلان کے ایسا موافق بنادینا کہ
اسکی اطاعت لذیذ اور شیریں معلوم ہو اور اس کی معصیت حنظل سے بھی زیادہ تلخ معلوم ہو۔ خیر
کے اسباب اور دوائی کو اس کے لیے جمع کر دینا اور اس کے تمام عوائق اور موانع کو یکفلت اٹھا دینا۔ یہ
ہدایت اللہ جل جلالہ کے ساتھ مخصوص ہے اس ہدایت پر نہ کوئی ملک مقرب قادر ہے نہ کوئی نبی مرسل
کما قال تعالیٰ۔

مرتبہ ثانیہ

ثَنَّاكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ ذَلِكِنَّ
اللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اللّٰهُ - تحقیق آپ جس کو چاہیں راہ پر نہیں چلا
سکتے۔ لیکن اللہ ہی جسکو چاہے راہ پر لائے۔

اس آیت میں اللہ کے لیے جس ہدایت کو ثابت کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس
ہدایت کی نفی کی گئی وہ یہی ہدایت بمعنی توفیق ہے اور اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
میں جس ہدایت کو نبی کریم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ ہدایت بمعنی الہدیان ودعوة الحق ہے۔ نبی کا کام
یہ ہے کہ حق کو بیان کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے، اور اسکی طرف بلائے مگر خداوندی اطاعت
کا ہوائے نفسانی کے مطابق بنادینا۔ اور خدا کی عبودیت اور بندگی کی ملاوت اور شیرینی کسی کے دل
میں اتار دینا یہ سوائے اسی ملک مقتدر کے کسی کے قبضہ میں نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے لا یتوفق
عبد حتی یوفقه اللہ۔ بندہ خود بخود توفیق نہیں پاتا یہاں تک کہ خدا اسکو توفیق دے۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ احزاب میں خندق میں کھودتے وقت یہ پڑھتے تھے۔ اللّٰهُمَّ
لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَاَنْزِلْ سَكِينَةً عَلَيْنَا۔ (اے اللہ اگر تیری
توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ پس تو ہم پر سکینت اور طمانینت

نازل فرما، اور یہ ہدایت اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ حق تعالیٰ اس نعمت کبریٰ اور رحمت عظمیٰ سے ان بندوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں ہفت آعلیم کی سطننت کی جانب گوشہ چشم سے ایک ادنیٰ التفات کو بھی روانہ رکھتے ہوں۔ کما قال تعالیٰ

يَهْدِي بِهٖ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَهُ سُبُلَ سَلَامٍ وَّ
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِي لَهُمُ الصِّرَاطَ
مُسْتَقِيْمًا

جو اللہ کی رضا مندی کا تابع ہو اس کو اللہ
تعالیٰ سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ظلمت
سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں اور یہ
راستہ پر اس کو چلاتے ہیں۔

مراتبِ اضلال

اضلال، ہدایت کا مقابل ہے جس طرح ہدایت کے دو معنی ہیں اسی طرح اضلال کے بھی دو معنی ہیں۔

معنی اول | اضلال کے ایک معنی یہ ہیں کہ خدا نے عزوجل کی معصیت کی دعوت دینا اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو قبیح کر کے بتلانا اور اس کی نافرمانی کو مزین اور مستحسن کر کے ظاہر کرنا اور حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنا۔ حق تعالیٰ نے اسی اضلال کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّهُۥ يَكُوْنُ مَلِيْٓئًاۢ بِهٖۤنَ۔ وقال تعالیٰ۔

زَيْنٌ لَّهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمٰلُهُمْ
فَصَدَّ هُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

اور شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے
سامنے خوبصورت بنا کر دکھایا۔ پس اس طرح
سے انکو سیدھے راستے سے روکا۔

اور ایک مقام پر اسی اضلال کو فرعون کی طرف منسوب کیا ہے۔
وَ اَضَلَّ فِرْعٰوْنُ قَوْمَهُ وَاَهْدٰى
اَوْ فِرْعٰوْنُ لَمْ يَهْدِمْ اَوْ فِرْعٰوْنُ لَمْ يَهْدِمْ

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ان
کو سیدھا راستہ نہ بتایا۔

اور ایک جگہ سامری کی طرف منسوب کیا۔
وَ اَضَلَّهُ السَّامِرِيُّ

اس معنی کے اضلال ہمیشہ شیاطین اور اخوان شیاطین اور ائمۃ الکفر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔
حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب بھی اس اضلال کی اسناد نہیں کی جاسکتی۔ وہ قدوس حکیم اس سے پاک
اور منزہ ہے کہ وہ معاذ التراپنے بندوں کو شر، غش، اور منکر کی طرف بلائے۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم کرتا ہے انصاف
کا اور بھلائی کا اور صلہ رحمی کا اور منع
کرتا ہے تم کو ہر بے حیائی اور نامعقول
بات اور سرکشی سے اللہ تعالیٰ تم کو
سمجھاتے ہیں شاید تم یاد رکھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْعَدْلِ
كَانَ لَكُمْ حُسْنٌ وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فِي
وَيْسَلِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُونَ

معنی ثانی

اضلال کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی توفیق اور لطف و رحمت
سے کسی کو محروم فرما دیں۔ توفیق اور لطف سے اس شخص کو محروم فرماتے ہیں جو
اللہ کی آیتوں کی تکذیب اور انبیاء و مرسلین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرے قال تعالیٰ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
مُسْرِفٌ كَذَّابٌ -
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ -
وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ -

اللہ نہیں ہدایت کرتا اس شخص کو جو حد سے
تجاوز کرے نیوالا اور جھوٹا ہو۔
اللہ نہیں ہدایت کرتا حد سے گزرنے والوں کو۔
اور گمراہ کرتا ہے اللہ ظالموں کو۔

یہ اضلال حقیقت میں انکے اسراف، تکذیب، ظلم اور تعوی کی سزا ہے حق تعالیٰ شانہ کی طرف یہی
اضلال منسوب ہوتا ہے اور یہ آیت یعنی یُضِلُّ بِہ کَثِيرًا ذِي يَهْدِي بِہ کَثِيرًا جس کی اس
دستِ تغیر کی جارہی ہے۔ اس میں ہدایت اور اضلال کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی خدا اپنی خاص
ہدایت اور توفیق اور لطف و رحمت سے بہت سے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس حق جل و علا کے
کلام کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی تمثیل کو حق اور عین ہدایت جانتے ہیں۔ اور اس کے کلام اور تمثیل
کا استہزاء اور تمسخر نہیں کرتے۔ اور ہتوں کو ان تمثیلات سے گمراہ کرتا ہے یعنی اپنے توفیق اور لطف و
رحمت سے محروم کرتا ہے۔ محروم ان لوگوں کو کرتا ہے جو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے
نکل جاتے ہیں اور خدا سے پختہ عہد کر کے ٹوڑ ڈالتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں۔
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ لَمْ
اور نہیں گمراہ کرتا اللہ تعالیٰ ان تمثیلات سے مگر نافرمانوں کو نافرمانی اور سرکشی کی نحوست سے عقل
ماری جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کو باطل سمجھنے لگتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے۔ اطاعت سے خارج
ہونے والوں کو فاسق کہتے ہیں۔ فاسق کا لفظ کافر اور مؤمن عاصی دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق
مؤمن عاصی کے فسق سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مگر اس آیت میں فاسق سے کافر ہی مراد ہے۔ قرآن
کریم میں فاسق کا لفظ دونوں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ

نہی، مگر ہدایت و اضلال کی اور زیادہ تفصیل دیکھ رہا ہوں امام رازی قدس اللہ سرہ کی تفسیر کی طرف مراجعت کریں۔

الْفٰسِقُوْنَ۔ اس آیت میں منافقین کو فاسقین کہا گیا ہے اور بَشَرٍ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ اِلٰی اٰیْمَانٍ۔ اور بِاٰیْمَانِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِسْمٌ بِجَاہِکُمْ فَاَسِقٌ بِنَبَاٍ فَبَلَّیْتُمْوَا۔ ان دونوں آیتوں میں فاسق سے مؤمن عاصی مراد ہے کافر فاسق تو حدودِ ایمان سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔ اور مؤمن عاصی حدودِ ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر حدودِ اطاعت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اہل صل حق تعالیٰ شانہ ان اشیا پر حقیقہ کی تمثیل سے صرف انہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جو بدکار اور نافرمان ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو خدا کے عہد کو بختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ عہد سے اس جگہ وہ وصیت مراد ہے جس کی حق تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کی زبانی تاکید کی کہ خدا کو ایک جانو اور ایک مانو اور اسکے پیغمبروں کی تصدیق کرو۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ عہد سے وہ عہد مراد ہے جو حق تعالیٰ نے تورات میں یہودیوں سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ عہد سے عہد اُسنّت مراد ہے یا یوں کہو کہ عہد سے عام مراد ہے خواہ وہ عہد اُسنّت ہو یا توریت و انجیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد ہو۔ اور توڑتے ہیں اس چیز کو جسکا اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس آیت کے عموم میں ان تمام ملائق کا قطع داخل ہے جنکے وصل کا خدا نے حکم دیا ہے۔ قطع رحمی اور خدا اور اس کے پیغمبروں سے قطع تعلق کرنا یہ بھی اس میں شامل ہے اور فساد کرتے ہیں زمین میں جو قول اور عمل اور جو حرکت اور سکون خدا کی رضا مندی کے خلاف ہو وہ سب فساد اور فتنہ ہے۔ یہ لوگ وہی ہیں جو خسارہ اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں آخرت کی تجارت کے لیے آئے تھے نفع تو کیا حاصل کرتے صل راس المال یعنی عقل اور فطرت سلیمہ کا جو سرمایہ ان کے پاس تھا اسکو بھی ضائع اور برباد کر دیا۔ اور صلاح اور رشد اور ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا اور منعم حقیق کو چھوڑ بیٹھے اور اس سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ اور نقصان ہو گا۔

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَانًا فَاَحْیَاکُمْ

تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مرنے پھر اس نے تم کو چلایا

ثُمَّ یَمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر تم کو مارتا ہے پھر چلا دے گا پھر اسی پاس لے جائے گا۔

استعجاب بر کفر و نافرمانی و تذکیر العباد ربّانی اور مبدء و معاد کی یاد دہانی

قال تعالیٰ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ اِلَیْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

حق جل شانہ جب دلائل توحید و نبوت و معاد بیان کر چکے اور عبادت کا حکم دے چکے تو اب اُنہ آیت میں اس پر تفریح فرماتے ہیں کہ ایسے قدیر و عظیم اور رحیم و کریم پروردگار سے سرکشی سراسر تعجب و غیر ہے ان انعامات و احسانات کا مقتضی تو یہ تھا کہ تم شکر کرتے نہ کہ کفر و جبروت ہے کہ ان انعامات و احسانات کے بعد تم کو کفر پر جرات کیسے ہوئی اور اس تو بیخ اور غناب میں دوسرے عنوان اور دوسرے رنگ میں اس دلیل سابق کا اعادہ فرمایا پھر اس سلسلہ تذکیر میں اولاً نِعْمَ عَامِلٌ کو بیان فرمایا یعنی ان نعمتوں کا ذکر کیا جس کا تحقق عام بنی آدم سے ہے۔ اور ثانیاً نِعْمَ خَاصٌّ کو بیان فرمایا یعنی ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کا خاص بنی اسرائیل سے تعلق ہے اور در تک سلسلہ کلام چلا گیا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کس طرح اور کیسے تم اللہ جل شانہ کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے۔ پس اس نے تم کو حیات اور زندگی عطا کی اور پھر تم کو موت دینا اور پھر قیامت کے وقت تم کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم سب حساب و کتاب کے لیے اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تاکہ دنیاوی زندگی میں تم نے جو کچھ کیا ہے تم کو اس کی جزا اور سزا ملے۔ پہلی آیت (وَ كُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَخْيَاكُمْ) میں وجود صالح کو ثابت کیا کہ خدا وہ ہے جس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور نیست سے ہست کیا اور دوسری آیت (شَوْءٌ يُخَيِّتُكُمْ) میں حشر و نشر کو ثابت کیا اور ساتھ ساتھ دلیل عقلی بھی بیان کی کہ جو ذات پاک پہلی مرتبہ تم کو موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کرنے پر قادر اور یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ موت کے بعد کو چارہ نہیں۔ مرنے والے کو ضرور ہے تو کچھ لو کہ مرکز خدای کے پاس جاننا ہے پس ان تمام باتوں کے جاننے کے بعد تم خدا کا کیسے انکار کرتے ہو۔

الحاصل۔ كُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَخْيَاكُمْ میں وجود صالح کی دلیل بیان فرمائی کہ تم کو خدا کا انکار نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم پہلے مردہ اور معدوم تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو وجود عطا کیا۔ اور جو خود بخود موجود ہو اور دوسروں کو وجود عطا کرے وہی خدا ہے اور شَوْءٌ يُخَيِّتُكُمْ سے حیات ثانیہ کی ہمت اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تم کو چھوٹے چھوٹے ذروں اور حقیر و ذلیل لطفوں اور خون کے لوتھڑوں اور خون کے ٹکڑیوں سے پیدا کیا اور احسن تقویم کا خلعت تم کو پہنایا کیا اس کی نسبت تمہارا یہ گمان باطل ہے کہ وہ دوبارہ بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کر کے تم کو حیات عطا نہیں کر سکتا۔ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ تمہیں خدا کی قدرت کے انکار سے شرم نہیں آتی۔



هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر

اَسْتَوٰی اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّوْهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ

چڑھ گیا آسمان کو تو ٹھیک کیا انکو سات آسمان اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۹﴾

ہر چیز سے واقف ہے

ذکر تخلیق سامان حیاتِ جسمانی

قال تعالى هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ الى وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔
حق تعالیٰ نے نعمت حیات کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں سامان حیات کا ذکر فرماتے ہیں جس پر حیات اور زندگی کا بقا موقوف ہے۔ ازل حیاتِ جسمانی کے سامان کا ذکر فرمایا یعنی تمہاری اس ظاہری اور جسمانی حیات کے بقا کے لیے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور پھر زمین سے سطوحات و مشروبات اور لذائذ و طیبات اور قسم قسم کے طہوسات تمہارے لیے پیدا کیے۔ اسکے بعد حیاتِ روحانی کے سامان کا ذکر فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور منصبِ خلافت پر مرفراز فرمایا اور ہدایت کے علوم عطا فرمائے۔ اور انبیاء و مرسلین کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیاء و مرسلین اللہ کی طرف سے جو ہدایت اور رشد کے علوم اور معارف لیکر آتے ہیں وہی لوگوں کی روحانی حیات کا سامان ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جبکہ وہ تم کو ایسی شئی کی طرف بلائے کہ جو تم کو روحانی اور معنوی حیات اور زندگی عطا کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ وہی ایک پاک ذات ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے منافع اور فوائد کے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب متقی کہ سمیات اور نجاسات بھی نفع سے خالی نہیں، جاننا چاہیے کہ کسی چیز سے انتفاع یعنی نفع حاصل کرنا اور چیز سے اور کھانا اور چیز سے۔ انتفاع کی اجازت اور اباحت سے کھانے کی اجازت اور اباحت لازم نہیں۔ پھر وہ رب العزت متوجہ ہوا۔ آسمانوں کی تخلیق و تکوین کی طرف پھر ٹھیک انکو سات آسمان بنائے کہ کہیں ان میں سورج اور شکاف اور طیر ہاں نہیں اور وہ پروردگار ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے کہ کیوں اور کس کے لیے پیدا کیا۔ امام جلیل و کبر حانظ

علامہ الدین ابن کثیر قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ فرماتے ہیں کہ اس آیت اور اُلم سجدہ کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول زمین پیدا کی گئی۔ اور پھر آسمان پیدا کیے گئے۔ اور تعمیر کا طریقہ بھی یہی ہے کہ نیچے سے بنا کر شروع کرتے ہیں جب تختائی حصہ مکمل ہو جاتا ہے تب چھت ڈالتے ہیں اور علماء کا اس بارے میں کوئی نزاع و اختلاف نہیں۔ یعنی سب علماء کی یہی رائے ہے۔ صرف قتادہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ قتادہ کا گمان یہ ہے کہ آسمان پہلے پیدا کیے گئے جیسا کہ بظاہر سورۃ النازعات کی اس آیت سے متبادر ہوتا ہے۔

کیا تم بنانے میں مشکل ہو یا آسان۔ ا سے آسمان
بنایا اور اس کی بندی کو ہیبت اور بچا کیا پھر
اس کو صاف کیا اور اس کی رات کو تار یک
بنایا اور پھر اس میں سے کھولی کر دھوپ
نکالی اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اور
اس سے اسکا پانی اور حارہ نکالا۔

وَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ
بِشَمَائِهِمْ رَفَعَ سَمَكُهَا فَسَوَّاهَا
وَأَعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا
وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا
أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَ
مَرْعَاهَا.

اس آیت میں آسمان کی پیدائش کو زمین کی پیدائش سے پہلے ذکر فرمایا ہے جو بظاہر سورۃ بقرہ اور طہ سجده کی آیات سے متعارض معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس تعارض کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اول زمین پیدا کی گئی۔ اور پھر آسمان (جیسا کہ سورۃ بقرہ اور طہ سجده کی آیات سے ظاہر ہے) اور آسمان بنانے کے بعد زمین کو پھیلا یا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین کا محض مادہ تو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ مگر زمین حالت موجودہ پر آسمان بنانے کے بعد پھیلائی گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین اسی حالت موجودہ پر آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور پھر آسمان بنائے گئے تاکہ ان کے ذریعہ سے زمین پر بارش ہو اور پھر اس بارش سے وہ انما و اشجار اور فواکہ و طیبات زمین سے نمودار ہوں جن کا مادہ قدرت ازلہ نے زمین میں ودیعت رکھا ہے۔ پس زمین کو آسمان کے بعد پھانے کا یہ مطلب ہے کہ آسمان بنانے کے بعد زمین سے فواکہ اور ثمرات اور قسم قسم کے لذائذ و طیبات کو اگایا۔ خود قرآن نے زمین کو آسمان کے بعد پھانے کی یہی تفسیر کی ہے کما قال تعالیٰ ۔

۱۰۔ سورۃ حم سجدہ کی وہ آیت جس سے زمین کا پہلے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے یہ ہے۔ قُلْ اَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَاسِيًّ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَامَهَا فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ شَعْرًا اُسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ۔ (الایہ ۱۳۔)

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ جَدَّهَا
 اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا۔
 اور زمین کو آسمان کے بعد پکھایا یعنی اس
 میں سے اسکا پانی اور چار انکالا۔
 اور اسی جواب کو علماء سلف اور خلف نے اختیار کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زمین کے پکھلنے سے ان
 اشجار و نباتات کا اگنا مراد ہے جو زمین میں بالقوہ موجود ہیں۔ اسی معنی کر زمین کا پکھانا آسمان بننے کے
 بعد ہوا باقی زمین بحالت موجودہ آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔



وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھ کو بنانا ہے زمین میں ایک نائب

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

بولے کیا تو رکھے گا اس میں جو شخص فساد کرے وہاں اور کرے خون اور

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي

ہم بڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو کہا مجھ کو

أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور سکھائے آدم کو نام سارے

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ

پھر وہ دکھائے فرشتوں کو کہا بتاؤ مجھ کو نام

هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰٓدِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

ان کے اگر جو تم سچے بولے تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم

لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ

ہمیں مگر جتنا تو نے سکھایا تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار کہا

يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ

اے آدم بتادے ان کو نام ان کے پھر جب اس نے بتادیئے نام ان کے

قَالَ أَنْتُمْ أَقَلُّ لَكُمْ رِئَیِّ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَ

کہا میں نے نہ کہا تھا تم کو مجھ کو معلوم ہیں پردے آسمان اور

الْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۱﴾

زمین کے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاتے ہو

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کبڑے مگر

إِبْلِيسَ طُغْيٰی وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

ابلیس نے قبول نہ کیا اور وہ تھا منکروں میں کا اور

قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

کہا ہم لے لے آدم بس تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ

سے محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۳﴾ فَأَنزَلْنَاهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا

پھر تم بے انصاف ہو گئے پھر ڈگایا ان کو شیطان لے اس سے

فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

پھر نکالا ان کو وہاں سے جس آرام میں تھے اور کہا ہم لے ہم سب اترو تم سب

لِبَعْضٍ عَدَاوَةٌ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ

ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور کام چلانا

إِلَىٰ حَيْثُ ۝ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ

ایک وقت تک پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے کئی باتیں پھر متوجہ ہوا

عَلَيْهِ ۝ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اس پر برحق وہی ہے معاف کرنے والا مہربان



ذکرِ تخلیق سامانِ حیاتِ روحانی و عطاِ خلافتِ ربّانی

قال تعالیٰ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ... اِلٰی... اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝
گزشتہ آیات میں زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات کی پیدائش کو بیان فرمایا کہ ہم نے ان تمام
مخلوقات کو تمہارے نفع کے لیے پیدا کیا ہے۔ آئندہ آیات میں ان مخلوقات سے منتفع ہونے والی مخلوق
یعنی انسان کا ذکر فرماتے ہیں۔ انسان سے پہلے دو قسم کی مخلوق موجود تھی۔ ایک فرشتے دوسرے
جن اور یہ دونوں قسمیں علوی اور سفلی۔ ارضی اور سمادی اشیاء سے متمتع اور منتفع نہیں ہو سکتیں۔ فرشتوں
کا نہ منتفع ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ فرشتوں کو نہ زن اور فرزند کی ضرورت اور نہ طعام و شراب اور نہ طعام
و شراب کے لوازم یعنی شہوت اور غضب کی انکو حاجت۔

جنات اگرچہ بعض چیزوں سے متمتع اور منتفع ہوتے ہیں۔ مگر لطافتِ بدنی اور غلبہٴ ناریت کی وجہ
سے بہت سے سامانِ حفاظت سے مستغنی ہیں۔ نہ انکو کسی مکان اور عمارت کی ضرورت اور نہ کسی قلو اور
برج کی حاجت ہے اور نہ وہ اپنی حفاظت میں تیر و تلوار اور کسی قسم کے ہتھیار کے محتاج ہیں۔ پس
اگر وہ عالم کی بعض اشیاء سے منتفع بھی ہیں تو وہ انتفاع نامی تمام اور ناقص ہے۔ علاوہ ازیں جنات کی
قوتِ خیالیہ انکی قوتِ عقلیہ پر اس درجہ غالب ہے کہ جس چیز کا وہ خیال کر لیتے ہیں۔ اس کو واقعی سمجھتے
ہیں۔ اس لیے ان کا انتفاع حقیقی اور واقعی نہیں بلکہ خیالی ہے۔ بخلاف انسان کے کہ وہ ان تمام چیزوں
سے حقیقہً اور علی وجہ الکمال منتفع ہو سکتا ہے اس لیے منہبِ خلافت کے لیے انسان ہی کو خاص کیا
گیا۔ جسمانی حیثیت سے تمام عناصرِ اربعہ اور عالمِ سفلی کی تمام اشیاء سے نفع اٹھا سکتا ہے اور روحانی حیثیت
سے عالمِ علوی کی تمام چیزوں سے متمتع اور مخلوق باخلاق الہیہ اور متصف بہ صفاتِ ربانیہ ہو سکتا ہے۔

اسی طرح بعض ملائکہ کو رسالت پیغمبری کے لیے برگزیدہ فرمایا ہے کما قال تعالیٰ اللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنْ
الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنْ النَّاسِ۔

فرشتوں نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے یہ سمجھا کہ جب وہ خلیفہ زمین سے پیدا ہوگا تو اس میں لذات سفلیہ سے منتفع ہونے کی خواہش اس کی جبلت میں مرکوز ہوگی جب ان لذتوں کی اسکو ضرورت ہوگی تو قوت شہویہ جوش میں آئے گی اور جو شخص ال لذات اور منافع میں اسکی مزاحمت کرے گا تو قوت غضبیہ جوش میں آئے گی۔ اور مدافعت کے لیے جنگ و جدال اور قتل و قتل کی ذمت آئے گی۔ اس لیے فرشتوں کو یہ شبہ ہوا کہ زمین کی عمارت اور اصلاح کے لیے ایسے شخص کو خلیفہ بنانا بظاہر خلاف حکمت معلوم ہوتا ہے۔ قَالُوْۤا اَجْعَلْ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ مَنَحْنُ لُنَّسِیۡحَ بِحَمْدِکَ وَ نَقَدَّ سَیِّئَ کَلَمَکَ۔ فرشتوں نے کسی اعتراض کے طور پر نہیں بلکہ محض حکمت دریافت کرنے کے لیے یہ گاہ خداوندی میں یہ عرض کیا کہ زمین میں آپ اس شخص کو خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم سب ہر لمحہ تیری ذات پاک کی سازش کے ساتھ مسلسل شیع کرتے ہیں تاکہ حق تیری ذات اور صفات کا ادا ہو اور نیز ہم خاص تیرے لیے تقدیس کرتے ہیں۔ یعنی ہم تیرے افکار کو اس بات سے پاک جانتے ہیں۔ کہ نیرا کوئی فعل معاذ اللہ خلاف حکمت ہو یا معاذ اللہ اس میں سفاور عبث کا شائبہ ہو۔ بخلاف بنی آدم کے کہ اگر وہ تیری شیع و تقدیس بھی کریں گے تو بسا اوقات ریا اور حرص و ہوا کی آمیزش اور شرکت سے پاک نہ ہوں گی۔ رہا یہ سوال کہ ملائکہ کو بنی آدم کا مفسد اور خون ریز ہونا کیسے معلوم ہوا۔ سو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود اور دیگر حضرات صحابہ سے مروی ہے کہ جب اللہ نے یہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تو فرشتوں نے یہ عرض کیا کہ وہ خلیفہ کیسا ہوگا تو اللہ رب العزت نے یہ فرمایا کہ اس خلیفہ کے ذریت ہوگی اور زمین میں فساد کرے گی۔ اور ایک دوسرے پر حسد کرے گی۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرے گی (الغصنہ کی کڑی) اس پر ملائکہ نے یہ سوال کیا۔ اَجْعَلْ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا۔ اَلَمْ اَوْ مَلٰٓئِکَہُ کا یہ سوال محض حکمت دریافت کرنے کے لیے تھا کہ فساد اور خون ریزی کرنے والوں کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ حاشا بطور اعتراض نہ تھا۔ اس لیے کہ ملائکہ کی تو یہ شان ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی لَا یَسْبِقُنٰہُ بِالْقَوْلِ۔ یعنی بغیر اذن الہی کے کوئی بات بھی نہیں کہہ سکتے و قَالَ تَعَالٰی بَلٰی عِبَادُ مُتَّکِرُوْنَ خدا کے محترم بندے ہیں یہ مقصد فقط یہ تھا کہ اس قسم کی مخلوق پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اگر عبادت اور بندگی مقصود ہے تو ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ ہر وقت تیری اطاعت اور بندگی میں سرشار ہیں اور تیری معصیت اور نافرمانی سے بالکل پاک اور بری ہیں۔ اس لیے حق جل شانہ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ تحقیق میں جاننا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے یعنی تمکو معلوم نہیں کہ منصب خلافت کے لیے ایسی ہی حقیقت جامعہ مناسب ہے جو جسمائیت اور روحانیت دونوں کی جامع

ہوا اور قوت عقلیہ کے ساتھ اس میں قوت شہویہ اور غضبیہ بھی ہو۔ جس نوع کا مزاج ان مختلف قوی سے مرکب ہوگا وہی عالم کے انتظام اور تدبیر و تصرف پر قادر ہوگا۔ کائنات ارضیہ کے حقائق اور منافع کو بخوبی سمجھے گا اور طرح طرح کی صنعتیں ایجاد کریگا۔ تاکہ منافع ارضیہ قوت سے نکل کر فلیت میں آجائیں اور ہرے کہ فرشتوں میں یہ استعداد اور صلاحیت نہیں۔

۴۔ ہر کسے را بہر کار سے ساختند
جاننا چاہیے کہ ہر انسان میں دو قوتیں ہیں ایک تو قوت شہویہ۔ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو فرشتوں نے مَنُ نَفْسِیْدُ فیہا سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسری قوت غضبیہ جس سے قتل اور صرب اور خوریزی ظہور میں آتی ہے۔ جسکو ملائکہ نے وَیَسْفِلُکُ الدِّمَاءُ سے تعبیر کیا ہے۔ فرشتوں نے انسان کے یہ دو عیب ذکر کر کے اشارۃً ان دونوں عیبوں کی اپنے سے نفی کی اس لیے کہ مَنُ نَفْسِیْدُ فیہا کے مقابلہ میں وَخُحْنُ نَفْسِیْعِیْ بِحَقِّکَ کہا اور وَیَسْفِلُکُ الدِّمَاءُ کے مقابلہ میں لَقَدْ شِئْ لَکَ کہا۔ اس میں شک نہیں کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ بہت سے مفاسد کا سرچشمہ ہیں لیکن ان دو قوتوں میں منافع اور مصالح اور فوائد بھی نہایت عجیب و غریب ہیں۔ ملائکہ نے قوت شہویہ اور غضبیہ کے مفاسد کا تو ذکر کیا لیکن ان دونوں قوتوں کے منافع اور فوائد سے ان کو ذہول ہوا۔ فرشتوں کا خیال اس طرف نہ گیا کہ یہی قوت شہویہ جب اس کا رخ خداوند ذوالجلال کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تو اس سے وہ ثمرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں کہ انکو دیکھ کر فرشتے بھی عشق کر کے جلتے ہیں یعنی غلبہ عشق خداوندی اور اس کی محبت کا جوش اور ولولہ خدا کی محبت اور اسکے عشق میں قلب کا بیچن اور بتداب رہنایہ وہ نعمت ہے کہ جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ میں قوت شہویہ نہ ہونے کی وجہ سے عشق کا مادہ نہیں اطاعت میں اگر فرشتوں کا پلہ بھاری ہے تو عشق اور محبت میں آدم اور بنی آدم کا پلہ بھاری ہے اور علیٰ ہذا جب قوت غضبیہ کو کارخانہ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب و غریب نتائج و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں یعنی خدا کی راہ میں جان بازی اور سرزوشی اور اسکے دشمنوں سے جہاد و قتال۔

نشد نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیخت سردستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہی وجہ ہے کہ صحابہ بدر میں کی طرح وہ ملائکہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ان ملائکہ سے افضل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جانا یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ ملائکہ اس سے بالکل محروم ہیں۔ نیز جب تک قوت عقلیہ کے ساتھ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ نہ ہو تو تنہا قوت عقلیہ تجارت و ذراعت اور صنعت و حرفت اور تمدن و معاشرت کے اصول اور قوانین مرتب نہیں کر سکتی جن پر تمام کارخانہ عالم کا دار و مدار ہے۔ لہذا خلیفہ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کا بھی حامل ہو۔ نیز اگر جہاں میں

برائیاں اور قباحتیں موجود نہ ہوں تو بعثتِ رسول اور انزالِ کتب و شرائع و احکام و دوا و دواہی سب معطل و بیکار ہو جائیں۔ سہ

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کربسوز دگر بولیب نباشد
شیخ اکبر قدس اللہ سرہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ ملائکہ نے علی الاطلاق تسبیح و تقدیس کا دعویٰ کیا حالانکہ انکی تسبیح و تقدیس فقط ان اسماء و صفات کے ساتھ مقید اور مخصوص ہے جن اسماء و صفات کا انکو علم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قُلُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ سے معلوم ہوتا ہے مگر ملائکہ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے ایسے اسماء بھی ہیں کہ وہاں تک ملائکہ کے علم کی رسائی نہیں اور اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان اسماء و صفات کا علم عطا فرمایا خصوصاً وہ اسماء و صفات جنکا تعلق نعمت اور عذاب، موت اور ہلاک، صحت اور مرض سے ہے جیسے رزاق اور مطعم اور مصور محی اور ممیت، ملائکہ ایسے اسماء و صفات کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتے جنکا تعلق عالم اجسام سے ہے اس لیے ملائکہ کی تسبیح و تقدیس بنی آدم کی تسبیح کے لحاظ سے مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ انہی کلاماً: علاوہ ازیں بنی آدم کی تسبیح و تقدیس، شیطان اور نفس، قوہ شہویہ اور قوہ غضبیہ کے معارضہ اور مقابلہ کی وجہ سے زیادہ اکمل اور بہتر ہے، بخلاف ملائکہ کے کہ ان کی تسبیح و تقدیس بمنزلہ سانس کے اضطراری ہے اور اختیاری تسبیح و تحمید اضطراری تسبیح و تحمید سے بہتر ہے۔

جواب تفصیلی بعد جواب اجمالی

گزشتہ آیاتِ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں فرشتوں کے شبہ کا اجمالی جواب تھا۔ اب اُنہ تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور زیادتی بیان فرمائی تاکہ فرشتوں پر انکی فوقیت اور افضلیت ثابت ہو اور یہ ظاہر ہو جائے کہ جو شخص علوی اور سفلی کائنات کے اسماء و صفات سے واقف ہو وہی مستحقِ خلافت ہے یا یوں کہو کہ پہلا جواب حاکمانہ تھا اور یہ جواب حکیمانہ ہے۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا اِذْ خَلَقَ اٰدَمَ اور سکھائے اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام مع ان کے خواص اور آثار کے اس لیے کہ جب تک کہ عالم کی تمام چیزوں کے نام اور ان کی حقیقت اور اوصاف اور خواص اور آثار اور طریقہ استعمال معلوم نہ ہو تو انکا انتظام اور ان میں تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ محض نام جاننے سے نہ تو حضرت آدم کی فوقیت ثابت ہوگی اور نہ محض نام جاننے سے انتظام ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قیامت کے روز اول اہل ایمان شفاعت کے لیے حضرت آدم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور یہ کہیں گے۔

اَنْتَ اَبُو النَّاسِ خَلَقْتَ اٰدَمَ سَبَّ النَّاسُ اَنْتَ اَبُو النَّاسِ اَنْتَ اَبُو النَّاسِ

یہ تھا کہ ضمیر مونث کی لاتے اور یوں کہتے شَمَّ عَرَضَهَا جیسا کہ ایک قرارت میں شَوَّعَرَضُهَا ضمیر مونث کے ساتھ آیا ہے لیکن بجائے ضمیر مونث کے ذوی العقول کی ضمیر لائے یعنی هُمْ کی ضمیر لائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ عرض باعتبار وجود خارجی اور جسمات ظاہری کے نہ تھا بلکہ باعتبار وجود روحی اور ملکوتی یا بطور وجود مثالی کے تھا اور اس وجود کے اعتبار سے تمام مخلوقات عاقل اور مدبرک ہیں اور تذکرہ و تانیث سے برابر ہیں حق جل شانہ نے فرمایا اے آدم تم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام مع خواص اور آثار کے بتلا دو کیونکہ اے آدم ہم نے تمکو آدم ارض (یعنی روئے زمین) کی تمام اقسام کے مٹیوں سے ملا کر اور مختلف قسم کے پانیوں میں گوندھ کر بنایا ہے اور پھر برابر بنا کر تم میں روح پھونکی ہے جو جنس ملائکہ سے ہے اس لیے تم میں یہ استعداد اور صلاحیت ہے کہ تم ان چیزوں کے نام اور خواص اور آثار بتلا سکو اس لیے کہ ساری استعدادیں اور صلاحیتیں تم میں جمع ہیں جسمانی حیثیت سے تم زمینی ہو اور روحانی حیثیت سے تم علوی ہو اس لیے تم علوی اور سفلی چیزوں کو جس قدر سمجھ سکتے ہو دوسرا دیکھا نہیں سمجھ سکتا۔ غرض یہ کہ تمہارے ضمیر میں زمینی اور آسمانی دونوں قسم کی استعدادیں اور صلاحیتیں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ پس ان چیزوں کے نام مع خواص اور آثار کے فرشتوں کے سامنے بیان کر دنا کہ تمہارا فضل و کمال ظاہر ہو اور تمہاری فطرت میں جو عجیب و غریب استعدادیں اور صلاحیتیں ہم نے ودیعت کر رکھی ہیں وہ بروئے کار آجائیں اور فرشتوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ یہ استعداد بشر کے ساتھ مخصوص ہے ملائکہ کو میسر نہیں پس جب بتائے آدم نے ان تمام چیزوں کے نام جو بے شمار اور بے انتہا تھیں۔ اور اس بیان میں کوئی غلطی بھی نہیں کی تو فرشتے حضرت آدم کے اس کمال علمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے تو اس وقت اللہ جل جلالہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے پہلے ہی کہا نہ تھا کہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہوں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسکو بھی خوب جانتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ خلافت کے لیے ایسے حاوی اور کلی علم کی ضرورت ہے بغیر ایسے علم کے خلافت ناممکن ہے۔ فرشتوں کا علم حاوی اور کلی نہیں جس خدمت پر وہ مامور ہیں فقط اسی کے قواعد اور ضوابط، ان کو معلوم ہیں کسی دوسری خدمت اور نظام کا ان کو علم نہیں۔ اور علی ہذا ملائکہ کی قدرت و مشیت ان کے اختیار اور مرضی کے تابع نہیں بلکہ حق جل شانہ کی مرضی کے تابع ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت و مشیت خود اسکی مرضی کے تابع ہے انسان ہی کا علم اور قدرت حق تعالیٰ شانہ کے علم اور قدرت کا نمونہ ہے جو ضدین اور نقیضین سے متعلق ہو سکتا ہے۔ نیز بہت سی چیزوں کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا جب

۱۰ اور اسی وجہ سے کہ حضرت آدم کو تمام روئے زمین کی مٹیوں سے بنایا گیا ہے انکی اولاد میں کوئی سرخ رنگ ہے اور کوئی گورا اور کوئی
ہیں بن اور کوئی نرم خوا اور کوئی تر خرد اور کوئی نیک طینت اور کوئی بوطینت جیسا کہ مسند احمد اور ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے ۱۲

تک قوت شعویہ اور غضبیہ عقل کی معین اور مددگار نہ ہوا اس لیے ایسی چیزوں کا نام وہی بتلا سکتا ہے جس میں قوت عقلیہ اور ادراکیہ کے علاوہ قوت شعویہ اور غضبیہ بھی ہو اور علیٰ ہذا جنات کا علم بھی ناقص ہے اور علاوہ ناقص ہونے کے غلبہ ناریت اور قوت خیالیہ کے غلبہ کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے اس لیے یہ خدمت انکے سپرد نہیں کی جاسکتی۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب فرشتوں نے یہ عرض کیا کہ تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا اَلَمْ تَوْحِىْ تَعَالٰی شَاۡئِزْنٰی دُوْ جَوَابِ ارشاد فرماتے ایک حاکم نہ اور ایک حکیم نہ۔ حاکم نہ جواب تو یہ فرمایا کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ رموز مملکت خویش خسرواں دانند اور حکیم نہ جواب یہ ارشاد فرمایا۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کہ آدم علیہ السلام کو امتیاز کے تمام اوصاف اور خواص اور شمار کی تعلیم دی تاکہ وہ ان اشیاء میں تصرف کرنے پر قادر ہوں۔ اس سے حضرت آدم کا بمقابلہ ملائک فضل و کمال ظاہر ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جو چیر لی آدم علیہ السلام کو بتلائیں اگر فرشتوں کو بھی بتلا دیتے تو وہ بھی اسی طرح بتلا سکتے یہ تو ایسا ہوا کہ دو طلبہ کو شریک امتحان کریں اور ایک کو خلوت میں جواب سکھادیں اور پھر امتحان لیں جواب یہ ہے کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تنہائی میں اسرار وغیرہ بتلا دیئے تھے اور جب یہ ثابت نہیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتوں کے سامنے بھی بتلایا ہو اور یہی احتمال خدا تعالیٰ کے لطف کے اعتبار سے راجح ہے تو اب وہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اب اس کی مثال ایسی ہے کہ استاد نے اقلیدس کی کسی شکل کی دونوں طلبہ کے سامنے تقریر کی مگر امتحان کے وقت ایک تو بوجہ مناسبت کے بتلا سکا اور دوسرا نہ بتلا سکا۔ کیونکہ علم کیلئے استعداد کی ضرورت ہے اور یہ استعداد حضرت آدم علیہ السلام ہی میں تھی۔ مثلاً بھوک کی حقیقت جبریل علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے تو فرشتے باوجود سننے کے بھی اس لیے نہ بتلا سکے کہ ان میں اس کی استعداد نہ تھی حق تعالیٰ شانہ نے اس امتحان سے یہ بتلا دیا کہ تم میں وہ استعداد نہیں اور وہی شرط تھی خلافت کی راہ یہ شبہ کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کو بھی بتلا دیا تو وہ ضرور سمجھے ہونگے تو ان میں بھی استعداد ثابت ہوگئی مگر یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ بتلانے کیلئے مخاطب کا سمجھنا لازمی نہیں۔ اس لیے اَنْبِیَآءُ فرمایا۔ عِلْمٌ نِّہِیْ فَرَمَیَا۔ تعلیم کے معنی سمجھا دینے کے ہیں اور اَنْبِیَآءُ کے معنی اخبار یعنی تقریر کر دینے کے ہیں گو مخاطب نہ سمجھا ہو اور یہ استعداد خاصہ بشر کا ہے۔ اگر فرشتوں کو یہ استعداد عطا کر دی جائے تو فرشتے فرشتے نہ رہیں جیسے حص و حرکت خاصہ حیوان کا ہے اگر جماد میں یہ صفت پیدا فرمادیں تو جماد۔ جماد نہ رہے گا بلکہ حیوان بن

جائیگا۔ لہذا اس سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ فرشتوں کو بشر کیوں نہ بنادیا سو ظاہر ہے کہ یہ سوال بے معنی ہے۔
جواب اسکا ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرشتوں کے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے وہ معطل ہو جائے گی۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ اول ہی فرشتوں کو بشر بنا کر خلیفہ بنا دیتے تو یہ مسئلہ تقدیر کا ہے ہم نہیں کہہ سکتے
کہ انکو بشر کیوں نہیں بنایا اس کی نسبت صرف یہی کہا جائیگا۔

حدیث مطرب و می گو دراز دھر کمتر جو : کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت این معمارا
(بذاکله مخلص من وعظ نفی الخرج پندرھواں وعظ از سلسلہ تبلیغ) خلاصہ کلام یہ کہ جب حضرت آدم کی
فضیلت ظاہر ہو گئی تو فرشتوں کو ان کی تعظیم کا حکم ہوا چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَرَأٰ ذٰلِکُمْ اٰمَنًا لِّمَلٰئِکَہِ السَّجْدَ لَا اَدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا الْاِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْاٰلِیْنَ۔ اور اسے بنی آدم تم خاص طور پر اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جس وقت
ہم نے تم فرشتوں کو تمہارے باپ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا کہ سب مل کر آدم کو سجدہ کرو تاکہ تمہارے
باپ کی فضیلت اور فوقیت علی طور پر علی الاعلان ظاہر ہو جائے بادشاہ جب کسی کو اپنا خلیفہ بناتا ہے
تو ارکان دوست کو حکم دیتا ہے کہ اس کو نذرین پیش کریں اور فوج کو سلامی کا حکم دیتا ہے تاکہ سب
کو معلوم ہو جائے کہ اس خلیفہ کی فرمانبرداری کرنا ہوگی تو سب سجدہ میں گر گئے، بعض روایات میں ہے کہ
سب سے پہلے امرا فیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ تمام قرآن انکی پیشانی
پر لکھ دیا۔ رواہ ابن ابی حاتم والشیخ وابن عساکر غرض یہ کہ سب فرشتے حکم الہی بجا آئے اور سب نے
آدم کو سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور نیکر کیا اور اللہ کے علم میں وہ پہلے ہی سے
کافروں سے تھا اگرچہ ظہور اسکے کفر کا اب ہوا اس لیے کہ حکم خداوندی کے امتثال سے انکار کرنا ایک
کفر تو یہ ہوا۔ دوسرا کفر یہ کیا کہ حکم خداوندی کو خلاف حکمت اور خلاف مصلحت سمجھا۔ تیسرا کفر یہ کیا کہ اپنے
تقریر اور سرکشی کو حکم خداوندی کے تعمیل سے بہتر سمجھا میں نے سنا ہے کہ اس زمانہ کے بعض ملحد شیطان
کو موحد اعظم کہتے ہیں۔ اللہ اکبر جو خبیث ذات اپنے کو خداوند ذوالجلال کا ہم پلہ اور ہم رتبہ سمجھتی ہو وہ
تو مشرک، غلط ہے۔ شیطان کو موحد اعظم کہنا یہ اس شخص کے نادان اعظم اور احمق اعظم ہونے کی
روشن دلیل ہے۔

ابلیس اصل میں جنات سے ہے مگر ابتداء میں ملائکہ کے ساتھ اختلاط رکھتا تھا۔ فساد
اور خونریزی کی وجہ سے جب جنات کو زمین سے نکال کر حزانہ اور جبال میں منتشر
کیا گیا تو ابلیس ان میں بہت بڑا عالم اور عابد تھا۔ فساد اور خونریزی سے اپنا بے لوث ہونا ظاہر کیا تو فرشتوں
کی سفارش سے بچ گیا اور فرشتوں میں رہنے کی اجازت ہوئی مگر دل میں یہ طبع لگی رہی کہ کسی طرح زمین کی
فرمانروائی مجھ کو مل جائے اس طبع میں خوب عبادت کرتا رہا جب حضرت آدم کی خلافت کا وقت آیا اور
تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا۔ تو ابلیس اس وقت ناامید ہوا اور استکبار اور حسد نے اس کو حق جل شانہ

کے مقابلہ اور معارضہ پر آمادہ کیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون و مفسود و مردود ہوا۔ ابلیس اگرچہ ملائکہ میں سے نہیں تھا تاں لے کائنات میں سے تھا ابلیس جنات میں سے ہے مگر خطاب سجود میں تبعیدۃ ملائکہ بالاولیٰ داخل تھا۔ بادشاہ جب سپاہیوں کو حکم دیتا ہے تو سائیس اور فراش بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مامور ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ شیطان کو علاوہ ملائکہ کے سجود کا کوئی صریح حکم کیا گیا ہو جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوْ تَسْجُدْ اِذَا اَمَرَ تَلَع۔ سے متبادر ہے۔

سجود کی دو قسمیں ہیں ایک سجود عبادت یعنی کسی کو خدا اور محمود سمجھ کر سجود کرنا اس قسم کا سجود تمام ملتوں میں کفر ہے اور شرک ہے۔ اس قسم کا سجود کسی عدت اور شریعت میں کسی وقت میں جائز نہیں رکھا گیا۔ دوسرا سجود تحیت و تکریم یعنی بطور تعظیم کسی کے سامنے سر جھکانا جیسے ابتداء ملاقات میں سلام کرتے ہیں۔ اسی طرح مخالف سابقین بطور تسلیم یہ سجود تحریم مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ نے اب اسکو بھی ممنوع اور حرام قرار دیا ہے جیسا کہ آیات قرآنہ اور احادیث متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے، دونوں سجودوں میں فرق اتنا ہے کہ سجود عبادت تو کفر ہے اور سجود تعظیم حرام ہے یا یوں کہو کہ سجود عبادت شرک اعتقادی اور سجود تعظیم شرک عملی ہے تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سجود عبادت نہ تھا اس لیے کہ سجود عبادت سوائے خدائے کسی کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا یہ سجود تعظیم و سلام تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے حَسْرًا لَّہٗ سَجَدَا۔

مناظرۂ عدو اللہ دربارۂ فضیلت خلیفۃ اللہ

ابلیس علیہ اللعنة الخ۔ یوم القیام نے جب سجود سے انکار کیا تو عدت یہ بیان کی۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہٗ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ
اَسْءَلُ خَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ
اے خدا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا
اور آگ مٹی سے بہتر ہے اس لیے میں آدم سے بہتر ہوا مگر اسکا یہ دعویٰ کہ آگ مٹی سے بہتر ہے بالکل غلط ہے بلکہ عنصر ترابی کا عنصر ناری سے بہتر ہونا متعدد وجوہ اور دلائل سے ثابت ہے۔
(۱) آگ بالطبع مفسد اور مہلک ہے، احراق اور اتلاف اسکا خاصہ ہے بخلاف تراب کے کہ وہ

یعنی تجھ کو سجود کرنے سے کیا چیز مانج ہوئی جبکہ تجھ کو میں نے حکم دیا تھا۔ ۱۲ مدیر
یہ مناظرہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الفوائد ص ۱۳ ج ۴ میں ذکر فرمایا ہے۔

بھی نہ ہوتا تو یہ زمین کے شرف اور فضیلت کے لیے کافی اور کافی تھا۔

(۹) جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ آگ ان کی خدمت کے لیے ہے جب ضرورت ہوتی ہے تب آگ مسلکائی جاتی ہے، ضرورت ختم ہوتے ہی آگ کو بجھا دیا جاتا ہے، آگ زمین کے لیے بمنزلہ ایک خادم کے ہے اور زمین بمنزلہ مخدوم کے ہے۔

علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نار تراب سے بہتر ہے تب بھی یہ استدلال فاسد ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کا مادہ دوسری شے کے مادہ سے مفصول اور کٹر ہو مگر وہ شے یہ ہیئت موجودہ دوسری شے سے افضل اور بہتر ہو مثلاً انبیاء و مرسلین لطفہ اور علقہ سے پیدا کیے گئے اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے مگر خدا نے عزوجل نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقررین پر فضیلت دی آدم علیہ السلام کو مسجد ملائکہ بنایا اور جبریل اور میکائیل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر وزیر بنایا اور ابوبکر و عمر کو زمین میں آپکا وزیر اور مشیر بنایا اور اگرچہ آدم کو ہم نے زمین کی خلافت اور اسکی عمارت کے لیے پیدا کیا ہے مگر مردست ہم نے ان کو حکم دیا کہ اسے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ تاکہ بہشت کے محلات اور باغات اور چشموں اور نہروں کو دیکھ کر دیا میں اس کا نمونہ قائم کر سکو اور فقط میر پر اکتفا نہ کرو بلکہ چند روز وہاں کی رہائش اختیار کرو اور فی الحال اسکو وطن سکونت بناؤ۔ تاکہ اس کی تعمیر کی کیفیت خوب ذہن نشین ہو جائے۔ اور حضرت عوار کو جنت میں رہنے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ وہ بہشت کے محلوں کی آرائش اور انکی زیب و زینت اور وہاں کے زیورات اور حریری لباس کو خوب خود سے دیکھ لیں۔ اور سمجھ لیں تاکہ دنیا کی عورتوں کو اس طریق پر چلا سکیں اور کھاؤ و نم اس بہشت سے خوب وسعت اور فراغت کے ساتھ جہاں سے چاہو تاکہ تمام ماکولات اور مشروبات کے خواص اور آثار، منافع اور مضار تم کو معلوم ہوں اور پھر اس علم کے مطابق دنیا کے ماکولات و مشروبات میں تعارف کر سکو اور زمین میں جو شجر اور شرمہار سے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان سے نفع اٹھا سکو۔ مگر باوجود اس عام اجازت کے بطور ابتلا اور امتحان جس میں تمہارے لیے سراسر خیر ہی خیر ہے ہم تم کو بعض چیزوں کے استعمال سے منع بھی کرتے ہیں تاکہ تم لڑائز اور مرغوبات کے خوگر نہ ہو جاؤ وروہ یہ کہ تم اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ درخت کے تعین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ وہ کیا درخت تھا۔ گہیوں کا تھا کہ انجیر کا۔ زیتون کا تھا یا انگور کا۔ سلف اور خلف میں مشہور یہی ہے کہ وہ گہیوں کا درخت تھا اور اصل حقیقت خدای کو معلوم ہے کہ وہ کیا درخت تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کا علم کچھ مفید اور نافع نہیں اور اس کا جہل کچھ مضر نہیں۔ غرض یہ کہ تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

ف حضرت آدم اور حوا کو جس جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا اس سے وہی جنت الملد

مراد ہے جسکا قیامت کے بعد متقین سے وعدہ ہے جیسا کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے پیشتر آیت وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَحَمِلُوا الصَّلَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ میں اسی جنت الخلد کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد حضرت آدم اور حوا کو کیا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ كَا حَكَمَ ہوا اور الجنۃ کو معروف باللام ذکر فرمایا جسکا صاف مطلب یہی ہے کہ اس مقام پر الجنۃ سے مہرود اور معروف جنت مراد ہے جسکا سابق میں ذکر ہو چکا ہے پھر اس کے بعد جب حضرت آدم کے مہرود کا ذکر فرمایا اور مہرود کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں بعد ازاں یہ فرمایا وَكُلُوا فِي الْأَرْضِ مُشْكُرًا وَمَتَّلِعْ إِلَىٰ حِينٍ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو ابدار میں جس جگہ رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ زمین کے علاوہ کوئی اور جگہ تھی۔ ورنہ اگر پہلے ہی سے زمین پر تھے تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ تم زمین پر اتر دو وہاں جا کر ٹھہرو۔

صحیح مسلم میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ اقول حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور یہ عرض کریں گے۔

یا ابانا استفتح لنا الجنة
فیقول و هل خرجکم
من الجنة الا خطیئة
ابیکم۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اسی جنت سے نکالے گئے تھے کہ جس جنت کا دروازہ مومنین کھلوانا چاہتے ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

احتج آدم و موسیٰ
عند ربہما فحج آدم
موسیٰ قال موسیٰ انت آدم
الذی خلقک اللہ بیداہ و
لفخ فیلک من روحہ و
اسجد لک ملائکتہ واسکنک
فی جنتہ ثم اہبطت
الناس بحطیتہم۔

عام ارواح میں اللہ تعالیٰ کے سامنے
حضرت آدم و موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ
ہوا۔ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام
پر غالب آگئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ تو
وہی آدم ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے
دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی خاص
روح تم میں پھونکی۔ اور فرشتوں سے تم
کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں تم کو سکونت

الارض الى اخر

المیث

عطافرمانی اور پھر تم ہی نے لوگوں کو اپنی
خطار سے جنت سے زمین کی طرف

اتارا۔

یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ یا ادم اسکن انت و زوجک الجنة میں
الجنة سے وہی جنت مراد ہے جو آسمان پر ہے حاشا جنت سے زمین کا کوئی باغ مراد نہیں رہا
کہ بعض کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ آدم کو جس جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ دنیا ہی کے باغوں میں سے کوئی
گھنا اور گنجان باغ تھا یہ بالکل غلط ہے پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آیت میں جنت سے کوئی
دنیاوی باغ مراد ہے جہاں حضرت آدم و حوا آرام سے رہتے تھے اس باغ میں شیطان نے جا کر حضرت
آدم و حوا کو دھوکہ دیا یہ قول بالکل غلط ہے اور ذرہ برابر قابل التماثل نہیں رہا۔ یہ سوال کہ جنت میں جانے
کے بعد وہاں سے نکلنا نہیں تو حضرت آدم جنت میں جانیکیے بعد کیسے نکلے، جواب یہ ہے کہ قیامت
کے بعد جنت میں داخل ہو گا وہ کبھی جنت سے نہ نکالا جائے گا، اللہ نے دخول جنت پر جو غلہ اور
دھام کا وعدہ فرمایا اس دخول سے وہ دخول جنت مراد ہے جو قیامت قیامت اور جزا اور سزا کے
بعد ہو گا۔ کیا احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یلۃ المعراج میں جنت
کی بھی سیر فرمائی، اور پھر صبح سے قبل ہی اس عالم میں تشریف لے آئے اسی طرح حضرت آدم کے دخول
کو سمجھیے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حق جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آئین خلافت سیکھنے کے
لیے قسم قسم کی اشیاء سے تمتع اور انتفاع کے طریقے معلوم کرنے کے لیے
اپنے حرم خاص جنت میں چند روزہ سکونت کے لیے حکم دیا اور تمام اشیاء سے تمتع اور انتفاع کی
عام اجازت عطا فرمائی۔ صرف ایک قسم کے درخت سے منع فرمایا۔ شیطان تاک میں تھا کہ ان سے کوئی
گناہ اور لغزش صادر ہو مگر گناہ اور لغزش اسی وقت ہو سکتی ہے جب کوئی قید اور ممانعت ہو
جب کسی چیز کی ممانعت ہی نہ ہو تو معصیت کیسے سرزد ہو۔ شیطان کو جب لا نفس یا هذه الشجرة
کی نہی اور ممانعت کا علم ہوا تو سمجھا کہ شاید اس راہ سے آدم پر میرا کوئی ورجل جائے اور اس
طرح اپنی دشمنی نکالنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ حضرت آدم کے بہکانے اور بھسلانے کی فکر شروع
کی۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کے پاس گیا اور یہ کہا کہ تم اپنی اس تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہونا۔ انجام کو
بھی سوچو۔ انجام تمہارا موت ہے۔ حضرت آدم نے پوچھا کہ موت کیا ہے۔ شیطان نے مردہ جانور کی صورت
بنا کر نزع اور قبض روح کی طرح کچھ کیفیت اور شدت اور غرغره کی حالت ان کو دکھائی دیکھتے
ہی گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو کر پوچھا کہ اچھا اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کیا ہے۔
شیطان نے کہا۔

ہُنْ اَدْلُکْ عَلٰی شَجَرَةٍ	کیا میں تم کو اس درخت کی نشان دہی نہ
الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَا یَبْیٰطِی	کروں کہ جس کے کھانے سے موت اور
﴿	فنا نہ آئے اور بقا اور دوام اور دائمی
﴿	سلطنت اور لا ذوال بادشاہت حاصل
﴿	ہو جائے۔

حضرت آدمؑ نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے۔ شیطان نے وہی درخت بتلایا جس کے قریب جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو منع کیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے کہا کہ یہ درخت تو فنا اور زوال کا ہے۔ بقا اور دوام کا نہیں بلکہ رسوائی اور ندامت کا درخت ہے۔ قریب اور دجاہت کے بجائے بُعْد اور ذلت کا موجب ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہم کو اسکے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگر اس درخت میں یہ فائدہ سے ہوتے تو وہ ارحم الراحمین ہم کو منع نہ فرماتا شیطان لے کہا۔

مَا تَهَا كَمَا رَبُّكُمَا	تمہارے پروردگار نے اس درخت سے
عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ	اس لیے منع نہیں کیا کہ اس کا پھل تمہارے
اِلَّا اَنْتُمْ تَكْفُرْنَ	لیے موجب ضرر ہوگا بلکہ اس لیے منع
مَلَکَیْنِ اَوْ تَكْفُرْنَ	کیا ہے کہ تم اسکے کھانے سے ہمیشہ زندہ
مِنَ الْخَالِدِیْنَ	رہنے والے یا فرشتے بن جاؤ گے جو ایک
﴿	لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں
﴿	ہوتے اور کھانے اور پینے اور زن و فرزند
﴿	اور دنیا و مافیہا سے انہیں کوئی سروکار نہیں
﴿	ہوتا۔

پس اگر یہ حالت تم کو حاصل ہو جائے تو خلافت کا کام کیسے انجام پائے۔ دنیا کی خلافت کا کام تو زن و فرزند اور طعام و شراب اور کسب معاش کی فکر میں مشغولی سے انجام پاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ زن و فرزند میں مشغول رہ کر خدا کے ساتھ مشغول نہیں رہ سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ کو چونکہ تم سے خلافت کا کام لینا ہے اس لیے تم کو اپنے سے دور بھیج رہا ہے اور اس درخت کے میوہ کا استعمال خداوند و الجلال کے قرب و اتصال کا موجب ہے اور بہشت میں موت نہیں۔ تم کو بعض آئین خلافت کے سکھانے کے لیے چند روز بہشت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسکے بعد تم کو اپنی بارگاہ قرب سے علیحدہ کر کے دنیا میں بھیجے گا۔ وہاں جا کر تم اور تمہاری اولاد طرح طرح کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونگے اور انجام سبب کا موت ہوگا اور خداوند

ذوالجلال کا قرب اور وصال اور یہاں کا یہ ملک لازوال دنیا میں جانے کے بعد اور خلافت ارضی کے ملنے کے بعد باقی نہیں رہ سکتا۔ حضرت آدمؑ اور حواؑ ابلیس کی ان دلفریب باتوں سے تردد اور اضطراب میں پڑ گئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک عاشق صادق حکومت اور سلطنت کو چھوڑ سکتا ہے مگر محبوب کی مفارقت اور جدائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ عاشق صادق کے لیے تو مفارقت کا لفظ ہی فراقِ روح کا پیغام ہوتا ہے۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ تردد میں پڑ گئے تو ان کو پختہ کرنے کے لیے بہت سی قسمیں کھاتیں۔ کما قال تعالیٰ: **وَقَاسَمَهُمَا آتَانِي لَكُمَْا لَبَنَ الدَّائِيحَيْنِ**۔ کہ خدا کی قسم تمہاری خیر خواہی سے تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ تم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو بے اجلی اور گستاخی مجھ سے سرزد ہو چکی ہے اس خیر خواہی سے اس کی کچھ تلافی کر دوں تاکہ عمر بھر تم مجھ کو یاد کرو اور میرے شکر گزار رہو۔ حضرت آدمؑ کو یہ خیال ہوا کہ مخلوق کی یہ جرات اور مہمان نہیں کہ خداوند ذوالجلال پر جھوٹی قسم کھائے اور اس تاکید اکید کے ساتھ کھائے۔ اس لیے بظاہر یہ سچ ہو گا اور قرب اور وصال کے حصول کے شوق میں **لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ** کے حکم سے ذہول ہو گیا اور اس کی عداوت کو بھی بھول گئے **فَآذَنَهُمَا الشَّيْطَانُ** عنہا پس شیطان نے آدمؑ اور حواؑ کو اس درخت کے پھنے سے اس طرح پھسلا دیا اور معلوم نہیں کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کے سامنے اس لعین نے کیا کیا دلفریب باتیں بنائی ہوئی جس سے وہ دھوکہ میں آ گئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرارت میں بجاتے **فَآذَنَهُمَا الشَّيْطَانُ** عنہا کے **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ** عنہا آیا ہے۔ کما فی الکشاف۔ اس قرارت میں لغزش کی ایک کیفیت کا بیان ہے شیطان نے بذریعہ وسوسہ حضرت آدمؑ اور حواؑ کو لغزش دی **فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** پس نکالا ان دونوں کو اس راحت اور آرام سے جس میں وہ تھے اور گناہ کی برائی ظاہر کرنے کے لیے ہم نے آدمؑ اور حواؑ سے کہا کہ اگر تم بہشت سے اس لیے کہ تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہو گا۔ اور بہشت نہ معصیت کا محل ہے نہ عداوت اور دشمنی کا۔ اس کے لیے تو دارِ دنیا ہی موزوں اور مناسب ہے دنیا ہی میں خدا کی نافرمانی اور آپس کی عداوت ممکن ہے خدا کی بہشت اور ساتوں آسمان حق جل و علا کی معصیت سے بالکل پاک اور آپس کی عداوت سے بالکل منزہ ہیں۔

اِهْبِطُوا کا خطاب حضرت آدمؑ اور حواؑ کو ہے جیسا کہ دوسری جگہ **قُلْنَا اِهْبِطَا**

فَاٰدَمُ

ہنہا جبیناً بصیغہ تثنیہ وارد ہوا ہے چنانچہ حضرت آدمؑ ابو البشر اور حضرت حوا ام البشر ہونے کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان کے قائم مقام ہیں اس لیے اس جگہ **قُلْنَا اِهْبِطُوا** میں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو صیغہ جمع کے ساتھ مخاطب فرمایا اور چند روز تک تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے اور وہاں کے ساز و سامان سے ایک وقت معین تک تم کو متمتع اور منتفع ہونا ہے یعنی وہ انتفاع دائمی نہ ہو گا بلکہ ایک وقت معین تک ہو گا اور وہ وقت معین ہر شخص کے لحاظ سے تو موت ہے اور سارے عالم

کے اعتبار سے قیامت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس خطاب مرا یا عتاب کو سنتے ہی بے چین اور بے تاب ہو گئے۔ فوراً بارگاہِ خداوندی میں ایسے تضرع اور استہال کے ساتھ ملجی ہوئے کہ سارے عالم کا تضرع اور استہال بھی اس کے پاسنگ نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی شانِ عفو اور مغفرت جوش میں آگئی۔

اے خوشا چشتی کہ آلِ گریان اوست دے ہمایوں دل کہ آلِ بریان اوست

در پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر میں مبارک بندہ ایست

اور حضرت آدم کو توبہ اور معذرت کے کلمات تلقین فرمائے گئے۔ ابلیس کی معصیت جو کہ مقررہ اور سرکشی کی بنا پر تھی اس لیے سن کو توبہ اور معذرت کی تلقین نہیں فرمائی۔ اور حضرت آدم کی معصیت سہو اور نسیان اور ذہول اور غفلت کی بنا پر تھی اس لیے انکو بارگاہِ خداوندی سے کلماتِ معذرت کا القاب اور الہام ہوا جو اُنکی توبہ کی قبولیت کا سبب ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فَتَلَكَّىٰ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

پس حاصل کیے آدم نے اپنے رب کے الہام سے معذرت کے چند کلمے۔ پس توجہ فرمائی ان پر اللہ نے اپنی رحمت اور مغفرت سے۔ اور بلیغ دی توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تو آپ کے بعد رحیم کی صفت ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اس پر واجب نہیں محض اپنی رحمت سے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَسَوْا تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں اُنکا ذکر ہے۔

فائدہ حضرت حواؑ چونکہ حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اس لیے اس جگہ اُنکی توبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور سورہ اعراف میں دونوں کی توبہ ذکر فرمائی۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَسَوْا تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۔ اہم اس پر اللہ نے اپنی رحمت سے ان کے گناہ کو معاف کیا اور توبہ کو قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بن گئے۔ کما قالَ تَعَالَى اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَّابِيْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تو امین کو محبوب رکھتا ہے)

فائدہ توبہ کے اصل معنی رجوع کے ہیں اور اَوْب کے معنی بھی رجوع کے ہیں۔ تاب اور تَوَّاب اسکو کہتے ہیں کہ جو معصیت سے طاعت کی طرف رجوع کرے اور اَوْب اور اَوَّاب وہ ہے جو غفلت سے ذکر اور فکر کی طرف رجوع کرے کما قالَ تَعَالَى نَعَمْ الْعَبْدُ اِنَّهُ اَوْابٌ اور جب تاب کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف کی جائے مثلاً تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے انتقام اور عقوبت سے عفو اور رحمت اور لطف و عنایت کی طرف رجوع فرمایا۔

فائدہ حضرت آدمؑ کے توبہ قبول ہو جانے سے عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید

ہو گئی کہ آدم کی معصیت کی وجہ سے ان کی تمام اولاد گنہگار ہوئی تھی۔ عیسیٰ نے اگر تمام بنی آدم کو اپنی صلیبی موت سے گناہوں سے غلصی دی۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بالکل مہمل ہے عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

ازالہ اشتباہ از لغزش سیدنا و امینا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و تحقیق مسلک علماء اسلام در بارہ عصمت انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب دیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے باوجود اول الانبیاء اور نبی مکمل اور رسول محترم ہونے کے یہ زلت (لغزش) کیسے صادر ہوئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ عصمت انبیاء کی مختصر توضیح اور تشریح کر دی جائے اور عصمت اور معصیت کی حقیقت سمجھا دی جائے۔ اصل مسئلہ سمجھ جانے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اشکال نہ رہے گا اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزه ہوتے ہیں۔ قصداً و ارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔ اگر قصداً ان سے حکم الہی کی مخالفت ممکن ہوتی تو حق جل شانہ مخلوق کو انکی بے چون و چرا اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہ قرار دیتا اور انبیاء کرام کے ہاتھ پر بیعت کر لے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا نہ قرار دیتا۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے
اللہ کی اطاعت کی۔
تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں

قُلْ تَعْلَمُ وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ
فَعَدُ أَطَاعَ اللَّهَ۔
إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا

۱۔ زلت بمعنی لغزش فتح زار کے ساتھ ہے جسکے معنی بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل جانے کے ہیں یہ لفظ زار کے ساتھ ہے ذال کے ساتھ نہیں۔ ذال کیسا تھ لفظ زلت بکسر ذال ہے جو عزت کی ضد ہے اور قرآن کریم میں فاز لہما۔ زار کے ساتھ آیا ہے۔ ذال کے ساتھ نہیں۔ خوب سمجھ لو کہیں لغزش نہ ہو جائے جسے حافظ توربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ و از بھلہ است کہ ہلئے ایشان پئے فرمان حق بودہ است و نفس ایشان ہموار در طاعت او بفرمان ایشان و از بس وجہ ایشان از نافرمانی خدا بقصد مصوم ماند و ایشان واجب العصمت اند و مخالفت امر خدا کے تعالیٰ بر ایشان روا نیست زیرا کہ حق خلق را فرمودہ است کہ پیروی ایشان بکنند و اگر عصیاں بقصد از ایشان یافتند خود سے خدا سے تعالیٰ خلق را متابعت ایشان نفرمودے۔ (مستند فی المعتقد ص ۶۳)

يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ
وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ انکے ہاتھوں کے اوپر ہے

دست اور اسی چودست خویش خواند
تایید اللہ فوق ایدیہم بر اند

اور ظاہر ہے کہ یہ اتباع نبوی اور اقتدار مطلق کا حکم جو آیات قرآنیہ سے ثابت ہے وہ کسی خاص امر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عقائد سے یکساں اعمال تک کوئی عقیدہ اور کوئی خلق اور کوئی حال اور کوئی عمل کیوں نہ ہو سب میں اقتدار نبوی ضروری ہے جیسا کہ مفضل نے اطلاق میں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام کی ذوات بابرکات۔ قدرسی صفات اور ملکی سمات ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام کی اصل فطرت وہی ہوتی ہے جو ملائکہ کی ہوتی ہے۔ فطرت کے اعتبار سے انبیاء اور ملائکہ ایک ہوتے ہیں۔ فرق فقط لباس بشری کا ہوتا ہے اور عصمت ملائکہ کا خاصہ لازمہ ہے اور انبیاء کرام۔ ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ حضرت آدم کا قہقہہ اس پر شاہد عمل ہے۔ ابلیس لعین اسی وجہ سے ملعون اور مطرود ہوا کہ اس نے حضرت آدم کی انصافیت اور برتری کو تسلیم نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم ملائکہ معصومین سے افضل اور برتر ہیں اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم معصوم سے افضل نہیں ہو سکتا۔

عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان یہی دو چیزیں مادہ معصیت

عصمت کے معنی

ہیں اور مادہ معصیت سے پاک ہونے کا نام عصمت ہے اور معصوم وہ شخص ہے جو ایسے تمام اعتقادات اور نیات اور ارادات اور مقامات اور اخلاق و مادات اور عبادات و معاملات اور اقوال و افعال میں نفس اور شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو اور حفاظت غیبی اس کی محافظت اور نگہبان ہو کہ اُن سے کوئی ایسی شئی سرزد نہ ہو جائے کہ اُن کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت اُنکو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو کہ کٹاں کٹاں انکو راہ راست پر چلائی ہو اور خلاف حق کے میلان سے بھی اُن کی مانع ہو حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مطلقاً اور مطلقاً لایبیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے جس سے من کل الوجوه ارتضا اور اصطفا اور اخلاص کامل مراد ہے اور مخلص وہ ہے کہ جو خالص اللہ کا ہو غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو یعنی مادہ شیطانی سے بالکل پاک ہو لہذا ضروری ہوا کہ نبی صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہو اس لیے کہ مادہ شیطانیہ ہی صغائر اور کبائر

لے کما قال تعالیٰ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا ابْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَإِنَّا لَهُمْ عِنْدَنَا لَإِخْيَارٌ قَالَ تَعَالَى حَاشَاكَ يَا لَعْنَتُكَ رَبِّ بِنَا أَعُوذُ بِكَ لَا زَيْتَنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا عُيُونُهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ

کا منشا مر ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد **الْأَمِنْ اَرْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ** میں لفظ **مِنْ** بیانیدہ ہے اور لفظ رسول نکرہ لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ ہر رسول کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ ہو یعنی تمام خلاق و عادات اور افعال و ملکات اور احوال و مقامات میں من کل الوجوہ حق تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور بلا شرکت غیر سے خالص اللہ کا بندہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں بعض وجوہ سے پسندیدگی مراد نہیں اس لیے کہ بعض وجوہ سے ہر مسمان خدا کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے اصطفا اور اجتہاد اور ارتضا سے من کل الوجوہ پسندیدگی اور برگزیدگی مراد ہے اور من کل الوجوہ پاک و صاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلا شرکت غیر خالص حق تعالیٰ کا بندہ وہی ہو سکتا ہے جسکا ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی بندگی اور اطاعت سے بالکلیہ پاک ہو اور اسی مادہ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور زہارت کا نام عصمت ہے اور اصطفا اور ارتضا باب افتعال کے مصدر ہیں جو اپنے لیے ہوتا ہے۔ اکتیال اور اتزان اپنے لیے کیل و وزن کرنے کو کہتے ہیں اور کیل اور وزن عام ہے خواہ اپنے لیے ہو یا غیر کے لیے۔ کما قال تعالیٰ **وَمَنْ يَلْمِظْ فِیْهِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اُكْتَلُوا عَلٰی النَّاسِ یَسْتَوْفَوْنَ وَاِذَا كَانُوْهُمُ اَوْ وُكِّلُوْهُمُ یُخْسِرُوْنَ** اپنے لیے کیل کرنے کو اکتالوا یعنی باب افتعال کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا اور دوسروں کے لیے تو لینے کو کالوہم اور وزنوں ہم ثلاثی مجرد سے تعبیر کیا گیا پس اس قاعدہ لغویہ کے بنام پر اصطفا اور ارتضا کے معنی اپنے لیے پسندیدہ اور برگزیدہ بنائیکے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے **وَاصْطَفٰی مِنْکَ لِنَفْسِیْ** پس عصمت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تمام اخلاق و ملکات و عادات و حالات۔ اقوال و افعال عبادات و معاملات میں مرتباً پسندیدہ خداوندی اور برگزیدہ ایزدی ہوتے ہیں اور ظاہر اور باطناً دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی عنایت ربانی و حمایت بزدلی سے علیحدہ نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کی بے چون و چرا اطاعت فرض ہے اور ان کا ہر قول در ہر فعل قابل قبول ہے اور ان کی اطاعت سے انحراف شقاوت ابدی اور خسران دارین کا موجب ہے حضرات انبیاء کرام سے اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کوئی لغزش بطور سہو و نسیان صادر ہو جاتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں آتی جیسے آب گرم میں حرارت خارجی اثر سے آتی ہے باقی پانی میں مادہ حرارت کا نام و نشان نہیں پانی کی طبیعت میں سوائے برودت کے کچھ بھی نہیں ہی وجہ ہے کہ پانی کتنا ہی گرم ہو اگر آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام کا باطن مادہ معصیت (نفس و شیطان) سے بالکل پاک ہوتا ہے، البتہ کبھی خارجی اثر سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے لیکن فوراً ہی دست قدرت اس باہر سے آئے ہوئے غبار کو چہرہ عصمت سے صاف کر دیتا ہے اور چہرہ نبوت پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام

کے قصہ میں حق جل شانہ کا ارشاد۔

كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ
السُّوءَ وَالدُّشَاءَ إِنَّهُ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ

اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خالص بندوں
کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے تاکہ (یوسف)
سے برائی اور بھائیانی یعنی صغیرہ اور کبیرہ
کو اس سے دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے
مخلص بندوں میں سے ہے۔

اسی طرف مشیر ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سور اور فحشاء
کو یوسف سے دور رکھیں اور یہ نہیں فرمایا کہ یوسف کو سور اور فحشاء سے دور رکھیں۔ پھر نا اور
ہٹانا اور دور رکھنا اسکے حق میں ہوتا ہے جو آبا چاہتا ہو معلوم ہوا کہ سور اور فحشاء حضرت یوسف
کی طرف آنا چاہتا تھا جس کو حق تعالیٰ نے یوسف کی طرف آنے سے روک دیا حضرت یوسف ادھر
جانا نہیں چاہتے تھے۔ معاذ اللہ اگر حضرت یوسف کا میلان سور اور فحشاء کی طرف ہوتا تو حق تعالیٰ اس
دفعہ فرماتے کَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالدُّشَاءَ یعنی ہم نے یوسف کو سور اور فحشاء
سے روکا اور بچایا معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام تو سور و الفحشاء سے بھاگ رہے تھے مگر سور اور
فحشاء ان کے پیچھے لگا ہوا تھا جس کو دست قدرت نے دھکے دیرینے اور یوسف علیہ السلام کو
بالکل بچالیا کیونکہ یوسف علیہ السلام تو خالص اللہ کے بندے تھے ان کا قلب مادہ معصیت سور
اور فحشاء سے بالکل پاک تھا لہذا ان کی طرف سے یہ سور اور فحشاء چلا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور
عنایت نے اس کو خدا کے مخلص اور برگزیدہ بندہ تک پہنچنے نہ دیا۔

غرض یہ کہ خارجی اثر کی بنا پر حضرت انبیاء کرام سے بطریق سہو و نسیان جو لغزش ہو جاتی ہے
تو محض صورت کے اعتبار سے اس پر عصیان یا معصیت کا اطلاق ہو جاتا ہے یا ان کے مقام عالی اور مرتبہ
علیہ کے لحاظ سے اس کو عصیان کہہ دیا جاتا ہے۔

اور معصیت (گناہ) مطلق مخالفت حکم کا نام نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت
کو کہتے ہیں جو عمدًا اور قصدًا ہو اور بوجہ نسیان اور غلطی نہ ہو۔ یہی

معصیت کے معنی

وجہ ہے کہ موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا اگر باوجود نسیان اور
غلط فہمی کے بھی کسی مخالفت کو معصیت اور گناہ اور جرم کہا جائے تو پھر موقع عذر میں یہ کہنا کہ میں
بھول گیا تھا سراسر لغو ہو گا۔

معلوم ہوا کہ مطلق مخالفت کا نام معصیت نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت کو کہتے ہیں جو عمدًا ہو اور
جو مخالفت سہو اور نسیان کی بنا پر ظہور میں آئے یا بتقاضائے غلطی یا بتقاضائے محبت کوئی مخالفت
سرزد ہو جائے تو اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہتے بلکہ اس کو زلت اور لغزش کہتے ہیں جیسے کوئی

مخدوم اپنے کسی چھوٹے کو سر جانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اس کے کہنے کو نہ مانے تو یہ رکشی اور معصیت نہیں بلکہ عین ادب اور دلیل اطاعت ہے صلح حدیبیہ میں حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہؐ مٹا دینے سے انکار کر دینا اسی قبیل سے تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کا گہوں کو کھالینا بھول چوک کی بنا پر تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فَتَنِي رَجُلٌ تَخَذَ لَهٗ عَنْ مَّاءِ حَضْرَتِ آدَمَ حَقَّ جَلِّ شَانِهِ كِي مَمْلُوءَةً لَا تَقْرَبُ هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ كُوْجِي بھول گئے اور شیطان کی عداوت سے بھی ذہول ہو گیا اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اِنَّكَ عَدُوٌّ لِّكُلٍ غُلَامٍ فَلَا يُخْرِجُكَ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَنِي بِهٖ يٰٓاٰدَمُ سُوْرہٗ مَآءِ بھولے سے ہو گیا اور بھول چوک کو گناہ اور جرم قرار دینا سراسر غلط ہے حضرت آدم اور حوا دونوں جنت پر شیدا اور فریفتہ تھے اس لیے ابلیس کی قسم سے دھوکہ میں آ گئے اور یہ سمجھے کہ خدا کا نام لیکر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ نیز حضرت آدم کا گہوں کو کھالینا بتقاضائے محبت خداوندی تھا۔ خلود اور قرب خداوندی کے شوق میں تھا۔ جیسا کہ مَا نَهَيْكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مِنْكَ كٰبِرِيْنَ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ اس پر دلالت کرتا ہے نیز بتقاضائے عظمت بھی تھا اس لیے کہ جب شیطان نے یہ قسم کھائی وَ قَامَسَهُمَا اِيْثَ لَّغَمَا لَمَنِ النَّاصِحِيْنَ تو حضرت آدم کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ خدا کا نام لیکر کوئی جھوٹ بولے گا وہ یہ سمجھے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا پس معلوم ہو گیا کہ حضرت آدم کا یہ فعل بارادۂ مخالفت نہ تھا اور نہ بتقاضائے ہوائے نفسانی تھا۔ بلکہ بتقاضائے محبت و عظمت خداوندی تھا لہذا اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ از قسم زلت و لغزش ہے یعنی ارادہ تو اطاعت اور قرب خداوندی کا تھا مگر دشمن نے ایسا دھوکہ دیا کہ قدیم پھسل کر دوسری جانب جا پڑا اسی کو لغزش کہتے ہیں۔ فَذَلَّلَهُمَا لُغْوٌ وَّ اٰوْرَ فَازَلَهُمَا الشَّيْطٰنُ مِّنْ اٰوْرَ اِشَارَہٗ ہے کہ یہ لغزش تھی جو بھولے سے ہو گئی ارادہ نافرمانی کا نہ تھا۔

پس جن آیات قرآنیہ میں اس فعل پر معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے وہ محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں یا ان کے مقام بلند اور رتبہ عالیہ کی نسبت سے اس کا نام معصیت رکھا گیا (مباحثہ شاہجہان پور ص ۳۷ و ص ۳۸)

اور حضرات انبیاء کے حق میں ترکِ اَدْوٰی ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں خطار (عاشیہؑ ملا عبدالحکیم علی النبیالی ص ۲۹۱)

حضرات انبیاء کی خطار کے معنی یہ ہیں کہ افضل اور اَدْوٰی سے چوک گئے اور بھولے سے غیر اَدْوٰی اور غیر افضل کے مرتکب ہوئے اور اَدْوٰی کی خطار کے معنی یہ ہیں کہ حق اور ہدایت سے چوک گئے اور باطل اور ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ حضرات انبیاء کرام باجماع امت ایسی خطار سے معصوم ہیں حضرات انبیاء کی خطار اجتہادی کے یہ معنی ہیں کہ کسی وقت بھول چوک سے اولیٰ و افضل کے بجائے خلافِ اولیٰ

اسراں سے صادر ہو جاتا ہے۔ اور بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کر لیتے ہیں۔
 حضرت آدم کی زلفت اور لغزش کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے اور یہ معلوم رہنا چاہیئے اگر بالفرض
 والتقدیر انبیاء کرام معاذ اللہ ہماری طرح اسیر حرص و شہوت ہوتے تو خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بجائے چون
 چرا اطاعت اور متابعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور
 زبدہ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرام کی اقتدار کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا۔ **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
 هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِ**۔ (کذا فی المعتمد فی المعتمد للتوربشتی)
 امام ابو منصور مارتیدیؒ فرماتے ہیں کہ نظر اور فکر کا اقتضا یہ ہے کہ انبیاء کرام کے حق میں
 عصمت کا اعتقاد۔ ملائکہ کی عصمت کے اعتقاد سے زیادہ مؤکد اور اہم ہو اس لیے کہ لوگ انبیاء
 کرام کی اتباع اور متابعت پر مامور ہیں اور ملائکہ کی اطاعت پر مامور نہیں (المعتمد فی المعتمد للتوربشتی
 ص ۳)

متعلقات عصمت

امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے اول عقائد۔ دوم
 تبلیغ احکام۔ سوم فتویٰ اور اجتہادات۔ چہارم۔ افعال و عادات و سیرت و کردار۔
 یعنی عقائد کے متعلق اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام ابتداء ہی سے توحید اور
 ایمان پر موقوف ہوتے ہیں، جب سے پیدا ہوتے ہیں اسی وقت سے ان کے قلوب
 کفر اور شرک سے پاک اور منزہ اور یقین و عرفان سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے مبارک چہرے معرفت
 اور قرب الہی کے انوار و تجلیات سے ہر وقت جگمگاتے رہتے ہیں آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا
 کہ حضرت حق جل شانہ نے اپنی فوت و رسالت کے لیے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو جو اس
 عظیم الشان منصب کی سرگزازی سے پہلے کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث و رلودہ ہو چکا ہو ہرگز نہیں
 ہرگز نہیں۔ اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد **وَلَقَدْ لَخِّنَا نُبُنَا الْإِسْلَامَ هُدًى رُّشْدًا مِّن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ**۔
 اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ قبل از بعثت ہی نہیں ہوتے مگر خدا کے ولی اور مقرب
 ضرور ہوتے ہیں اور ایسے ولی اور مقرب ہوتے ہیں کہ درمیانے ادبیاء اور مقربین کی ولایت اور قرب
 کو ان کی ولایت اور قرب کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہوتی کہ جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہوتی
 نہ صل عبارت یہ ہے امام ابو منصور مارتیدیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نظر اقتضا اسے کہ درمیانے ادبیاء کی ولایت اور مقرب
 در حق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل از نسبت کہ در حق ملائکہ زیرا کہ خلق بتابعت انبیاء مامور نہ بتابعت
 ملائکہ مامور نیستند (کذا فی المعتمد فی المعتمد للتوربشتی ص ۳)

ہے اس لیے امت محمدیہ کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے دلوں میں کفر اور گمراہی کا اعتقاد ناممکن اور محال ہے، البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک بطور تفسیر انبیاء کے لیے کفر جائز ہے۔

قسم دوم تبلیغ احکام۔ سو اس بارہ میں بھی تمام امت محمدیہ کا اتفاق ہے کہ احکام الہیہ کی تبلیغ میں انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں، دربارہ تبلیغ ان سے نہ قصداً کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور نہ سہواً تبلیغ کے بارہ میں جھوٹ اور تحریف سے بالکل پاک اور معصوم اور منزه ہوتے ہیں کسی طور اور کسی صورت سے کذب اور تحریف کا ان سے سرزد ہونا محال ہے تندرست ہوں یا مریض خوش ہوں یا نادان کوئی حالت ہو مگر یہ ناممکن ہے کہ وحی الہی کے پہنچانے میں ان سے کسی قسم کی سہواً یا عمدہ کوئی غلطی ہو جائے ورنہ پھر وحی الہی پر وثوق اور اطمینان کی کوئی صورت نہ رہے گی اندیشی کی تبلیغ سے وثوق اور اعتماد بالکل جاتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی الہی شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکل محفوظ رہے۔ کما قال تعالیٰ

وحی عالم الغیب ہے اپنے خزانہ غیب پر
کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ یعنی
رسول کو بقدر حکمت و مصلحت بذریعہ وحی
کے کچھ بتلا دیتا ہے اور نزول وحی کے
وقت اس رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں
کا پہرہ لگا دیتے ہیں کہ شیطان اور نفس اس
میں کسی قسم کا دخل نہ کر لے پائے اور یہ انتظام
اس لیے کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے
اپنے رب کے پیام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیئے
ہیں۔ غلطی سے پاک اور برابر ہیں اور اللہ
تعالیٰ انکے تمام احوال کے محیط ہیں اور
ہر چیز ایک ایک ان کو معلوم ہے۔

عَلِمُ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ
هَلْ فِي خَبِيرٍ أَحَدًا رَأَى
مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَرَسُولٍ
فَإِنَّهُ يَسْأَلُكَ مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ
رَصَدًا لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ
أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ
وَإِذَا حَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ
أَحْصَى كُلَّ مَشْيٍ عَدَدًا

+

قسم سوم یعنی فتویٰ اور اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انتظار وحی کے بعد انبیاء کرام بھی سمجھی امور غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اجتہادی خطا ہو جاتی ہے تو فوراً بذریعہ وحی کے متنبہ کر دیئے جاتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ انبیاء سے کوئی اجتہادی خطا واقع ہو اور من جانب الہی انکو مطلع نہ کیا جائے

قسم چہارم یعنی افعال و عادات سوان کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام سے تو بالکل پاک ہوتے ہیں البتہ صغائر یعنی غلات اولیٰ امور کبھی کبھی

سہو اور نسیان ان سے صادر ہو جاتے ہیں۔ ظاہراً وہ معصیت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان سے کسی حکم کی تشریح مقصود ہوتی ہے مثلاً نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ظہر یا عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدہ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا؟ اور علی ہذا اگر لیلۃ النحر میں آپ کی نماز نہ فوت ہوتی تو قضا و فرائض یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضا کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا اس اعتبار سے یہ سہو اور نسیان عین رأفت اور عین رحمت ہے اسی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

یا لیبتنی کنت سہو
کاش میں رسول اللہ کا سہو ہو جاتا یعنی
محترم۔ حضور کا سہو میری یاد سے کہیں بہتر ہے۔

اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد سنفسُ ثلک فلا تفسی الہا ماشاء اللہ۔ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر کا نسیان حقیقت میں کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کو بمقتضائے بشریت اور نسیان ضرور پیش آتا ہے۔ اس لیے کہ انسان جب تک جامہ بشریت میں ہے خواص بشریہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ بھوک بھی ہے اور پیاس بھی ہے۔ مسرت اور فرحت بھی ہے اور رنج و غم بھی خلک اور موسم بھی ہے ناراضی اور عفتہ بھی۔ اور حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ رَاٰکُمْ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
آپ کہہ دیجئے کہ جزا میں نیست کہ میں تم
جیسا بشر ہوں۔

یعنی باوجود نبوت و رسالت کے پھر میں بشر ہوں فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح کھانا اور پیتا ہوں۔ اپنی حوائج ضروریہ کے لیے بازاروں میں بھی آتا جاتا ہوں۔ یہ سب بشریت کے لوازم اور خواص ہیں۔ نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ بہر حال سہو اور نسیان انسانیت کے لوازم میں سے ہے جس طرح دوسرے لوازم انسانیت مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ نہ نبوت و رسالت کے منافی ہیں اور نہ عصمت کے اسی طرح افعال و عادات میں سہو اور نسیان بھی نبوت اور عصمت کے منافی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرات انبیاء کے سہو اور نسیان کو دوام اور قرار۔ بقا اور استمرار نہیں کبھی کبھی بمقتضائے بشریت سہو ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کو جب کبھی کوئی سہو ہوا تو وہ ایک ہی مرتبہ ہوا یعنی اس نوع کا سہو پھر اس کو مدت العمر کبھی پیش نہیں آیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے لا یلدع المؤمن من جسر مرتین۔ یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ جن کے قلوب ایمان کی حلاوت اور شیرینی چکھ چکے ہیں۔ وہ شیطان سے دو مرتبہ نہیں ڈسے جلتے ہاں جو حقیقتہً مومن نہیں محض نام کے مومن ہیں وہ دو مرتبہ نہیں بلکہ صد ہا مرتبہ نفس اور شیطان سے ڈسے جلتے ہیں اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس خست کو کھالینا بھی اسی مقتضائے بشریت اور خاصۃً انسانیت یعنی سہو اور نسیان کا ثمرہ اور نتیجہ تھا چنانچہ

خود حق جل شانہ کا ارشاد ہے فَلَسِي وَلَوْ نَجِدُ لَهُ عِزًّا أَدَمُ يَهْوِلُ كَيْفَ حَقَّ تَعَالَى شَانَهُ
کی ممانعت اور شیطان کی عداوت کا اس وقت استحضار نہ رہا۔ معصیت اور نافرمانی کا بالکل ارادہ
نہ تھا۔ فقط شیطان کی قسم سے دھوکہ میں آگئے۔ حدیث میں ہے الْمُؤْمِنُ عِزٌّ كَرِيمٌ يَهْوِلُ
دھوکہ میں آہی جاتا ہے۔ وَقَالَ تَعَالَى لَئِنْ عَلَيَّ كُفْرًا جُنًا حَرِّمًا أَلْخَطْتُ بِهٖ وَلَٰكِنْ مَّا
لَعَنَتُكَ قُلُوبُنَا كُفْرًا (تم پر بھول چوک میں کوئی گناہ نہیں ولیکن گناہ اس میں ہے جس کا تمہارے
دل پختہ ارادہ کریں) اس آیت کے مطابق جب خطا اور نییان میں کوئی گناہ ہی نہیں تو وہ پھر عصمت
کے منافی کیسے ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حالت صوم میں بھول کر کھا لینا مفسد صوم بھی نہیں۔ حضرت آدم کا
قلب مطہر اور سینہ مبارک چونکہ حق جل و علا کی عظمت اور جلال سے بھرا ہوا تھا۔ اس لیے جب شیطان
نے اللہ کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اِنِّیْ نَكَسًا لِّیْنَ النَّاصِحِیْنَ۔ (میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں) تو حضرت
آدم کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ کوئی بے حیا اور گستاخ حق تعالیٰ شانہ کا نام لیکر جھوٹی قسم کھائے گا۔ اس
فریب کے ساتھ شیطان نے حضرت آدم کو بغزش میں ڈالا۔ قَالَ تَعَالَى فَكَلَّا هَٰذَا یَغْزُوبُ (یعنی
شیطان نے انکو دھوکہ اور فریب کے ساتھ پھسلا دیا) غرور کے لفظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ یہ
معصیت دھوکہ سے ہو گئی ورنہ حضرت آدم کا ارادہ نہ تھا۔ وہ تو مزید قرب الہی کے متمنی اور متلاشی
تھے۔ دشمن نے طامعت کے بہانہ سے معصیت میں مبتلا کر دیا مگر یہ معصیت فقط ظاہراً اور صورتاً
معصیت تھی حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بے پایاں رحمت تھی۔ مقصود یہ تھا کہ گنہگاروں
کو توبہ اور استغفار کا طریقہ معلوم ہو۔ جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سہو سے سجدہ سہو کا حکم
بتلانا مقصود تھا۔ اگر آپکو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدہ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا۔ اسی طرح
حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو سے توبہ اور استغفار کا طریقہ بتلانا مقصود تھا۔ کہ جب کبھی
کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو فوراً اپنے باپ آدم کی طرح تضرع اور نزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی
میں رجوع کرے شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے، بالفرض اگر حضرت آدم سے یہ معصیت نہ سرزد
ہوتی تو ہم گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا۔

عارف ربانی شیخ عبدالہاب شعرائی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے علم میں سعادت اور شقاوت
دونوں ہی مقدر تھیں اسکی حکمت اسکو مقتضی ہوئی کہ سعادت کا بھی افتتاح ہو۔ اور شقاوت کا بھی۔ اس
لیے سعادت کا افتتاح حضرت آدم کے ہاتھ سے کرایا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے
کرایا۔ ۱۵ کلامہ۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص سنت جاری کرتا ہے تو جتنا اجر اور ثواب اس سنت پر
عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اسی قدر اجر و ثواب اس سنت کے جاری کرنے والے کو بھی ملتا ہے جب
تک وہ سنت جاری رہے گی اس شخص کے اجر میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم میں توبہ اور استغفار، تضرع اور اقبال اور بارگاہِ خداوندی میں گریہ و زاری کی مبارک سنت جاری فرمائی۔ تا قیام قیامت جس قدر بھی تائبین اور مستغفرین توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے اسی قدر حضرت آدمؑ کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ حضرت آدمؑ ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام اور تمام متضرعین اور خاشعین کے قدوہ اور پیشوا ہیں۔

اور ابلیس نے اباغ اور استکبار کی سنت سیدہ کو جاری کیا۔ قیامت تک جو شخص بھی حکمِ خداوندی سے اعراض و انکار کرے گا۔ اس سے ابلیس کی طعنیت اور مطرودیت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ وہ کافرین اور مستکبرین کا امام اور احکامِ خداوندی پر اعتراض کرنے والوں کا پیشوا ہے۔ شیخ ابو العباس عربی جو کہ شیخ محی الدین بن عربی کے شیخ ہیں وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ معاذ اللہ حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی نہیں کی بلکہ یہ معصیت اس بد بخت ذریت نے کی جو حضرت آدمؑ کی پشت میں مستور تھی اس لیے کہ حضرت آدمؑ کی پشت بمنزلہ سفینہ کے تھی جس میں ان کی تمام صالح اور طالح ذریت سوار تھی۔

حافظ ابن قیم قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ جب کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ظاہراً اسکو ذنب اور معصیت میں مبتلا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ایک باطنی مرض یعنی اعجاب اور خود پسندی کا علاج ہوتا ہے ایسی حالت میں ذنب اور معصیت میں مبتلا ہونا ہزار طاعتوں سے زائد نافع اور مفید ہوتا ہے اور صاحبِ بصیرت کے نزدیک یہ معصیت، اس خطا از حد ثواب اولیٰ رحمت، کا مصداق ہوتی ہے۔ سبب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ صحت اور عافیت اتنی مفید اور کارآمد نہیں جتنا مرض مفید اور کارآمد ہو جاتا ہے اس لیے کہ مرض کے آتے ہی طبیعت فوراً پرہیز اور علاج کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور طبیبِ حاذق کے مشورہ سے پورے اہتمام کے ساتھ تنقیہ اور مسہل کو شروع کر دیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی روز میں تمام فاسد اور ردی مادہ خارج ہو کر طبیعت، پہلے سے زائد صاف اور ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر جب لذائذ و طیبات، فرائد و ثمرات، لطیف غذاؤں اور مقوی دواؤں کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس مرض سے قبل بحالتِ صحت بھی اتنا قوی نہ تھا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس معصیت میں مبتلا ہو کر مسلسل تین سو سال تک توبہ اور استغفار اور گریہ و زاری کرنے کا سنا (جیسا کہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے) بجائے منقصت کے رفعتِ شان کا باعث ہو گیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ
ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ
آدم نے اپنے پروردگار کی حکمِ عدولی
کی۔ پس ان کی عیش

فَنَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى
مکدر ہو گئی پھر خدا نے انکو برگزیدہ بنایا
اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی کی۔

کیا ہر معصیت سے انسان معاذ اللہ خدا کا محتجبے اور برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ حاشا ثم حاشا ہاں ایسی معصیت کے بعد خدا کے فضل و رحمت سے محبتی اور برگزیدہ بن سکتا ہے جس معصیت کے بعد آدم علیہ السلام جیسی ندامت اور شرمساری اور تضرع اور زاری ظہور میں آئے، ماعز اسلمے رضی اللہ عنہ دارِ صناعہ ایک صحابی تھے۔ حضرات صحابہ میں انکو کوئی خاص شان اقبالی حاصل نہ تھی۔ بمقتضائے بشریت زنا میں مبتلا ہو گئے۔ مگر بعد میں اس درجہ صمیم قلب اور اخلاص سے توبہ کی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس توبہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ دائرہ اگر ماعز کی توبہ تمام مدینہ پر تقسیم کی جائے تو یقیناً سب کی نجات کے لیے کافی اور وافی ہوگی۔ زنا بیشک معصیت تھا مگر ماعز اسلمی کی مضطرانہ و ربے تبا نہ ندامت اور شرمساری اور گریہ و زاری نے اس کو عند اللہ ایسا مقبول اور محبوب بنادیا کہ سارے عالم کی عفت و عصمت اس پر فدا و قربان ہے۔ ماعز اسلمی کو زنا کے سبب سے جو عند اللہ تقرب حاصل ہوا وہ اب بڑے سے بڑے ولی کو نماز سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ خوب سمجھ لو کہ کہیں لغزش نہ ہو جائے۔ اس مثال سے معاذ اللہ یہ مقصد نہیں کہ حضرات انبیاء بھی اس قسم کے کبائر میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لیے کہ میں ابتداء ہی میں بتلا چکا ہوں کہ انبیاء کرام کبائر سے بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ اس مثال سے صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ بعض مرتبہ زلت اور معصیت کا صدور طاعت سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور وہ معصیت بجائے منفعت کے رفعت شان کا باعث ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس زلت اور لغزش سے حضرت آدم کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ توبہ اور استغفار کے مقرون ہو جانے کی وجہ سے انکی شان اور بلند ہو گئی۔ اور گویا کہ بزبان حال حضرت آدم سے اس وقت یہ کہا جا رہا تھا۔

یا آدم لا تجزع من کاس
زلل کانت سبب کیسک
فقد استخرج منك داء لا
یصلح ان تجاورنا
به و البست به حلة
العبودية۔
اے آدم تو اس لغزش کے پیالہ سے مت گھبرا کہ جو تیری ہوشیاری اور احتیاط کا سبب بنا اسی کی وجہ سے تجھ سے وہ عجب کی بیماری نکال دی گئی جس کے ساتھ ہماری مجاورت ناممکن ہے اب اس کے بعد تم کو عبودیت اور بندگی

لے اشارہ اس طرف ہے کہ غری کے معنی گمراہ ہوئیے نہیں بلکہ عیش کا مکدر ہونا مراد ہے (لسان العرب مادہ غوایت)

معلوم ہوا کہ رسول کے لیے من کل الوجوہ مرتضیٰ ہونا ضروری ہے اور من کل الوجوہ ارتضایہی حاصل معصومیت کا ہے۔ (۱) جو بہ اربعین صلیٰ حصہ دوم)

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کی لغزشوں کو اس لیے بیان فرمایا ہے کہ ان حضرات کی شان اور مرتبہ معلوم ہو کہ یہ حضرات خدا تعالیٰ کے اس درجہ مقرب تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر متواخذہ ہوتا تھا اور وہ خداوند ذوالجلال کے متواخذہ سے لرزاں اور ترساں رہتے تھے حضرات انبیاء کی یہ لغزشیں ہی درحقیقت انکی معصومیت کی دلیل ہیں جس شخص کا مرتبہ جس قدر بلند ہوتا ہے اسی قدر اسکی معمولی سی بات بھی غیر معمولی بن جاتی ہے۔

عصمتِ انبیاء اور حفاظتِ اولیاء میں فرق

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہِ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال انکی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء ائمہ بارگاہِ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ نہ ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور عصمت اور حفاظت میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حفظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حفظ نفس کے لیے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے۔ ہاں جب کسی شئی کی عند اللہ اباحت اور اسکا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اسکا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے اور جس طرح نبی پر فرض کی تعلیم فرض ہے اسی طرح فعل مباح اور امر جائز کی اباحت اور جواز کا بتلانا بھی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کو ایک فعل مباح پر بھی فرض ہی کا ثواب اور اجر ملتا ہے اس لیے کہ نبی کے ذمہ مباح کی اباحت کا بتلانا بھی فرض ہے۔

اب ہم حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کے کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں۔ جو زیادہ تر امام فخر الدین رازی قدس اللہ سرہ کی تفسیر کبیر سے لیے گئے ہیں۔

دلائل عصمتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

دلیل اول | قال اللہ تعالیٰ
مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ
جس شخص نے رسول کی اطاعت کی

فَقَدْ طَعَّ اللَّهُ۔۔۔ پس تحقیق اس نے امتدہی کی اطاعت کی۔
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔۔۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

پہلی آیت میں رسول کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی نہیں کہا جاسکتا۔ اطاعت رسول اور اطاعت خداوندی میں اتحاد اور عینیت جب ہی ممکن ہے جب رسول حق جل و علا کی معصیت کے شائبہ سے بھی بالکل پاک ہو اور تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ قد کا اضافہ فرمایا تا کہ کوئی شخص اطاعت حق جل شانہ اور اطاعت رسول میں کسی قسم کی تفریق نہ قائم کرے کما قال سبحانہ و تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفَرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَ یُرِیدُوْنَ اَنْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَ یَقُولُوْنَ نُوْحِنُ بَعْضٌ وَ نَحْکُمْ بَعْضٌ وَ یُرِیدُوْنَ اَنْ یَتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُوْکَیْکَ هُمْ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا۔

اور دوسری آیت میں رسول کی علی الاطلاق اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم شخص کی اطاعت کا علی الاطلاق کسی طرح حکم نہیں دیا جاسکتا اور اسی وجہ سے کہ حلفا و امرا اور امراء معصوم نہیں۔ علی الاطلاق انکی اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ان کی اطاعت کا یہ معیار مقرر ہوا۔

السمع و الطاعة حق مالم یؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة (بخاری)

امیر کی سننا اور اسکی اطاعت ضروری ہے جب تک معصیت کا حکم نہ کیا جائے۔ اور امیر جب معصیت کا حکم کرے تو پھر اسکی اطاعت نہیں۔

اور جن آیات میں نبی کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ ان میں کسی جگہ مالم یؤمر بمعصية (جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے) کی قید نہیں اضافہ کی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کا کوئی فعل معصیت ہوتا ہی نہیں تا کہ امرا اور حلفا کی طرح ان کے اتباع میں یہ قید لگائی جائے اور علی ہذا غیر معصوم شخص کی علی الاطلاق اطاعت بلا قید مذکور رحمت خداوندی کا سبب بھی نہیں ہو سکتی۔

نیز اگر انبیاء کرام معصی سے معصوم نہ ہوں تو عباد اللہ انبیاء کرام کا غیر مقبول الشہادۃ ہونا لازم آئیگا اس لیے کہ عاصی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں تصور کی جائے۔ اِنَّ جَاءَکُمْ فَاْسِقٌ بِالْغِبَةِ فَتَلَبَّسُوْا۔ تو پھر قیامت کے دن بمقابلہ ائمہ حضرات انبیاء کی شہادت کیسے مقبول ہوگی۔ حالانکہ قرآن عزیز میں ہے کہ ہر نبی قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے گا۔ کما قال تعالیٰ۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا
بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ
شَهِيدًا ۚ

پس کیا حال ہو گا جب کہ ہم بلائیں گے
ہر امت میں سے گواہی دینے والا اور
حال کا بیان کرنے والا اور آپ کو ان سب
پر گواہ بنائیں گے۔

دلیل سوم

(۱) وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ
لَهُ ذَرْهًا خَالِدًا فِيهَا۔
جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
کرے تو یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے
جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

(۲) أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔
حالانکہ کوئی نئی کسی کے نزدیک مستحق عذاب اور مستحق لعنت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو شخص
عذاب الہی اور لعنت خداوندی کا مستحق ہو وہ نئی اور رسول تو درکنار مستحق اور صالح بھی نہیں ہو سکتا۔
نیز حضرات انبیاء کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو حق جل شانہ کی طاعت کی طرف
بلا میں پس اگر وہ خود اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے نہ ہوں تو وہ اس
آیت کے مصداق ہوں گے۔

دلیل چہارم

أَنَّا مُرُّونَ النَّاسَ بِالْبُرِّ وَ
تَنَسُّونَ الْفُسْكَكُمْ وَالشُّمَّ
تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ۔

کیا تم دوسروں کو بھلی بات کا حکم کرتے
ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو حالانکہ تم
کتاب اللہ کو پڑھتے رہتے ہو پس کیا
تم عقل نہیں رکھتے۔

لَسَوْا قَوْلُونَ مَا لَا تَعْمَلُونَ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا
مَا لَا تَعْمَلُونَ۔

کیوں کہتے ہو وہ باتیں جو تم خود نہیں
کرتے دوسروں کو کہنا اور خود نہ کرنا یہ
اللہ کے نزدیک سخت مذموم اور اس
کے غضب اور ناراضی کا سبب ہے۔

حالانکہ یہ بات ایک اولیٰ واعظ اور معمولی عالم کے لیے بھی مناسب نہیں حضرات انبیاء و مرسلین
کی شایان شان تو کیسے ہو سکتی ہے۔

دلیل پنجم

نیز اگر انبیاء کرام سے کبار و معاصی کا صدور جائز رکھا جائے تو پھر معاذ اللہ
انبیاء کو معاصی پر تنبیہ اور زجر و توبیخ اور ایذا رسانی بھی جائز ہونی چاہیے
جو خدا نے عز و جل کے نافرمانوں کے لیے لازم اور ضروری ہے حالانکہ نبی کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچانا

دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب الیم کا سبب ہے کما قال تعالیٰ۔

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا
وَالْآٰخِرَةِ۔

(۲) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ لَہُمْ عَذَابٌ
اَلِیْمٌ۔

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو
ایذا پہنچاتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت
میں اللہ کی لعنت ہو۔

جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں
ان کے لیے نہایت ہی دردناک عذاب
ہے۔

دلیل ششم | نیز انبیاء کرام کا تمام گند گاروں سے زائد مستحق عذاب ہونا لازم آئے
گا۔ اس لیے کہ انبیاء کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس لیے انبیاء سے
معصیت کا صدور بھی بہت بڑا سمجھا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جاریہ پر بمقامہ حرہ نصف حد آتی
ہے اور زانی معصن پر رجم اور غیر معصن پر فقط جلد ہے۔ اور ازواج مطہرات کے لیے ارشاد ہے۔
یَاۤیْسَآءُ النَّبِیِّ مَنْ تَاٰتٍ
مِّنْکُمْ بِغَیْثِ غَیْثٍ فَمُبَیَّنَہٗ
یَضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ
ضِعْفَیْنِ۔

اور نبیؐ سے کہ نبوت اور رسالت سے کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ نہیں۔ پس اگر نبیؐ سے بھی
معاصی کا صدور روا رکھا جائے تو پھر نبوت و رسالت کے منصب کے مناسب نبیؐ کو سب سے
زائد معذب اور مستوجب اور مضروب خداوندی، نانا لازم آئے گا۔ اور جب نبیؐ ہی سوا خدا کا
مستوجب اور مضروب ٹھہرے تو پھر مقبول الہی کون ہوگا۔

دلیل سہم | نیز معصیت کا صدور ہمیشہ اتباع شیطان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے پس
اگر نبیؐ معصوم نہ ہو تو نبیؐ کا قبیح شیطان ہونا لازم آئے گا۔ کما قال تعالیٰ
اور ابلیس نے ان پر اپنے گمان کو سیح کر دکھایا
سوائے محفوظ رہنے سے ایمانداروں کے، لوگ
اسکے پیرو ہوئے۔

حالانکہ نبیؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ شیطان کے اتباع سے محفوظ رہیں۔

دلیل ششم | نیز غیر نبیؐ کا نبیؐ سے افضل ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ آیت بالا میں متبعین
شیطان سے مؤمنین کے ایک فرقہ کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے لہذا یہ فرقہ جو
اتباع شیطان سے محفوظ ہے اگر حضرات انبیاء کا فرقہ ہے تو اس کا معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے وہ ہوا

اور اگر حضرات انبیاء کے سوا کوئی اور جماعت ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ ایک گروہ مؤمنین کا ایسا ہے جو اتباع شیطان سے بری ہے مگر عیاذاً باللہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اتباع شیطان سے بری نہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص اتباع شیطان سے بری ہو گا وہ اس شخص سے یقیناً افضل ہو گا جو اتباع شیطان سے بری نہیں کما قال تعالیٰ۔ اِنَّ اَكْثَرَكُمْ مَكْرُہٌ جَعَلَ اللّٰهُ اَلْفَسْکُہُ۔

حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کو دو قسموں پر تقسیم فرمایا ہے ایک حزب الشیطان

دلیل نہم

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْمُخَاسِرُونَ۔
یہ شیطان کا گروہ ہے آگاہ ہو جاؤ
شیطان کے گروہ والے ہمیشہ خراب ہوتے ہیں۔

دوسرے حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ۔ کما قال تعالیٰ۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔
یہ اللہ کا گروہ ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ
اللہ ہی کا گروہ کامیاب ہوتا ہے۔

لہذا اگر نبی سے معاصی کا صدور روا رکھا جائے تو نبی کا عیاذاً باللہ بجا ہے حزب اللہ اور مغفلین کے حزب الشیطان اور خاسرین کی جماعت اور گروہ میں شمار کرنا لازم آئے گا۔

حق تعالیٰ شانہ نے خود ابلیس سے نقل فرمایا ہے کہ میرے اغوار سے تیرے
مخلص بندوں کا گروہ مستثنیٰ ہے کما قال تعالیٰ۔

دلیل دہم

فَبَعَثَ تِلْكَ لَأَعُوذَنَّهُمْ
أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِينَ۔
قسم ہے تیری عزت کی سوائے عباد مخلصین
کے سب کو گمراہ کروں گا۔

اور من کل الوجہ۔ عباد مخلصین کا مصداق صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ہے۔ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں ہے اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ۔

حق تعالیٰ شانہ نے جابجا قرآن عزیز میں انبیاء کرام کا بلا کسی تخصیص کے
مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہونا ذکر فرمایا ہے یعنی یہ نبی ہمارے منتخب اور

دلیل یازدہم

برگزیدہ بندے ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ فلاں امر اور فلاں صفت میں یہ ہمارے برگزیدہ ہیں۔ یا
فلاں وصف کے اعتبار سے یہ ہمارے منتخب بندے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات
کسی خاص صفت یا کسی خاص فعل کے لحاظ سے برگزیدہ نہیں بلکہ تمام افعال و اقوال کے اعتبار سے

منتخب اور برگزیدہ ہیں کما قال تعالیٰ۔

وَاللَّهُ عِنْدَ الْكَسِ
الْمُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ
اور ظاہر ہے کہ من کل الوجوه خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ مصطفیٰ اور منتخب ہونا صدور معاصی کے بالکل سفاکی اور مبایں ہے۔

نیز حق تعالیٰ شانہ نے حضرات انبیاء کی یہ شان ذکر فرمائی ہے۔

يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ
وہ بھلائیوں اور نیک کاموں میں

نہایت تیز رو ہیں۔

اور الخیرات کو معروف بلام الاستغراق ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام سے سوائے غیر معصی کے کسی امر کا صدور ہوتا ہی نہیں۔

ہر عاصی اور گنہ گار کو شرعاً اور عرفاً ظالم کہنا جائز ہے اور قرآن عزیز میں بکثرت خدا کے نافرمانوں کو ظالم کہا گیا ہے، لہذا اگر نبیؐ سے بھی معاصی کا صدور جائز ہو تو نبیؐ کو بھی معاذ اللہ ظالم کہنا جائز ہو گا۔ حالانکہ

ظالم کبھی نبیؐ اور رسول نہیں ہو سکتا۔ کما قال تعالیٰ

لَا يَنَالُ عِلِّيُّ الظَّالِمِينَ

میرا منصب ظالموں کو نہیں ملتا۔

کیونکہ اس آیت میں اگر بعد سے نبوت و رسالت مراد ہے تو صاف ظاہر ہے کہ گنہ گار اور ظالم کبھی نبیؐ اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ولایت یا امامت ہے تب بھی مدعا حاصل ہے اس لیے کہ جب امامت اور ولایت جس کو نبوت و رسالت سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہے جب وہی ظالم اور عاصی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو نبوت و رسالت کا عظیم الشان اور جلیل القدر منصب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ

هُوَ الَّذِي

بَعَثَ فِي

الْأُمَمِ رُسُلًا مِّنْهُمْ لِيُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

آيَاتِهِ وَيُزَكِّيَهُمْ

اسی نے اُن پڑھوں میں ایک رسول

بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت

کرتا ہے اور ان کو اپنی تعلیم و تربیت

سے پاک و صاف کرتا ہے۔

پس اگر نبیؐ خود معصیت سے پاک نہیں تو وہ دوسروں کو کیسے مڑکی اور پاک اور مہر یعنی پاک اور صاف بنا دیتا ہے۔

دلیل پانزدہم | نیز نبیؐ تو اللہ جل جلالہ کی جانب سے امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور حق تعالیٰ

شانہ کی اطاعت اور خلاق خداوندی کا بہترین نمونہ ہوتا ہے تاکہ لوگ بے چون و چرا اس کا اتباع کریں اور اس کی ہر حرکت اور سکون اور اسکے ہر قول اور فعل کو اپنے لیے راہ عمل سمجھیں۔ کما قال تعالیٰ۔
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
 أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
 يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
 وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

اور اخلاق خداوندی اور اطاعت ربانی کا نمونہ اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے اسوۂ حسنہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو حق جل و علا کی معصیت اور نافرمانی سے بالکل پاک اور منزہ ہو۔

کوئی شخص اگر نبی اور پیغمبر کی موجودگی میں کوئی کام کرے اور نبی اس فعل پر سکوت کرے تو نبی کا یہ سکوت بالاجماع اس فعل کے جواز کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ پس جب نبی کا سکوت ہی اس فعل کو معصیت سے خارج کر کے جواز اور اباحت کی حد میں داخل کر دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود نبی کا فعل معصیت سے خارج نہ ہو۔

دلیل شانزدہم

بعض لوگوں نے جب اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا یہ آیت نازل ہوئی۔
 قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
 فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَ
 يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔
 اے محمد! آپ یہ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم کو محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کریگا۔

دلیل ہفتم

اللہ نے اس آیت میں آپ کے اتباع کو اپنی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اور پھر آپ کی اتباع پر دو وعدے فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کرو گے تو ہم تم کو محبوب بنا لیں گے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے گناہوں کی مغفرت کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی محبت کا معیار ایسے ہی شخص کا اتباع ہو سکتا ہے جو معصوم ہو ورنہ ایک عاصی اور گنہ گار کا اتباع محبت خداوندی کا معیار کیسے بن سکتا ہے اور نہ محبت الہی اور مغفرت ذنوب کا سبب ہو سکتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي

ہم نے کہا تم اترو یہاں سے سارے پھر کبھی تمہجے تم کو میری

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

طرف سے راہ کی خبر تو جو کوئی چلا میرے بتائے پر نہ ڈر ہو گا

يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

انکو اور نہ انکو غم اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری نشانیاں وہ

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے

اعادۂ حکم بہبوط

قال تعالیٰ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا..... لے..... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ؕ
گزشتہ آیت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ کا قبول ہونا ذکر فرمایا اب آئندہ
آیات میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ قبول ہونے کے بعد بھی آدم علیہ السلام کو بہشت میں آنے کا
حکم نہیں دیا گیا۔ اس لیے کہ دنیا میں ہدایت اور حضرات انبیاء و مرسلین کی بعثت کا سلسلہ جاری
کرنا ہے تاکہ اطاعت اور نافرمانی کا مادہ ظہور میں آجائے چنانچہ ہم نے انکو حکم دیا کہ تم فی الحال
اسی جگہ رہو جہاں تم کو بہشت سے اتارا گیا ہے یعنی فی الحال دنیا ہی میں رہو۔ سر درست بہشت
میں جانے کی اجازت نہیں، تم سب کے سب فی الحال اسی جگہ رہو اس لیے کہ اگر تم کو اسی وقت بہشت
میں جانے کی اجازت دی جائے تو سب کا اجتماع ایک جگہ نہ رہے گا، تمہارا یکجائی اجتماع مبدل بہ
تفرق ہو جائیگا۔ حضرت آدم کی پیری کرنا والی کو بہشت میں پہنچا دیا جائیگا اور بدوں اور بدکاروں کو یا تو یہیں چھوڑ دیا جائیگا یا پھر دوزخ میں بھیج دیا جائیگا
اور یہ تفرق مقصود اور غرض کے منافی ہے۔ اتارنے سے مقصود تکلیف احکام اور اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے پس زمین میں اتارنے
سے مقصد یہ ہے کہ امر و نہی کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کریں۔ پس اسے اولاد آدم خوب سمجھ
لو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، پس جو لوگ میری ہدایت کا اتباع کریں گے
ان پر نہ آئندہ کا کوئی ڈر ہو گا کہ مثلاً یہاں سے نکلے جائیں اور نہ گزشتہ پر وہ معصوم و محزون ہوں
گے مثلاً یہ حسرت کہ ہم سے فلاں راحت اور لذت فوت ہو گئی وہاں پہنچ کر ایسی لذتیں اور سرگرمیاں
ہیں کہ دنیا کی ساری لذتیں اور سرگرمیاں انکے سامنے ہیج ہو جائیں گی۔
ف | پہلی بار بہبوط کا حکم جنت سے اترنے کے لیے تھا اور دوسری بار بہبوط کا حکم زمین

میں مقیم رہنے کے لیے ہے۔

ف خدا کی ہدایت پر چلنے والوں کو اس قسم کا خوف نہ ہو گا جیسا کہ مجرمین اور نافرمانوں کو ہوتا ہے کہ دیکھیے اس جرم کی اب کیا سزا ملتی ہے۔ اس آیت میں اس قسم کے خوف کی نفی مراد ہے۔ باقی حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال کا خوف وہ سب پر ماری ہو گا بنیاد و مرسلین بھی خدا کی عظمت اور جلال سے کانپتے ہوئے ہوں گے نیز اس آیت میں بالکل یہ خوف کی نفی نہیں کی گئی بلکہ خوف کے احاطہ اور استیلا کی نفی کی گئی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ علی کلام عرب میں استیلا اور احاطہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ پس فَلَا خَوْفَ عَلَیْہِمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ خوف ان پر غالب اور ان کو محیط نہ ہو گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر خوف اگرچہ غالب نہ ہو مگر کسی کسی قسم کا خوف ضرور ہو گا۔ وہ خوف خدا کی عظمت اور جلال کا ہے۔ نیز اس میں کافروں کی طرف تواریض بھی ہے کہ قیامت کے دن خوف ان کو محیط ہو گا۔ اور ڈر اور اندیشہ ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہو گا۔ بخلاف اہل ایمان کے ان پر خوف غالب نہ ہو گا۔ اور جو لوگ میری ہدایت سے منکم ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ جنہم والے ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ کبھی بھی اس سے نہ نکلیں گے۔ کما قال تعالیٰ۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ۔

ہبوط آدم علیہ السلام کے اسرار و حکم

گزشتہ آیت یعنی فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الشَّحِیْمُ میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ اور اس کی اجابت کا ذکر تھا کہ ہم نے آدم کی توبہ قبول کی تو ممکن ہے اس سے یہ شبہ ہو کہ ہبوط اور زمین پر اترنے کا حکم لغزش کی وجہ سے تھا شاید قبول توبہ کے بعد وہ حکم باقی نہ رہے۔ اس لیے ہبوط کے حکم کا پھر اعادہ فرمایا۔ اگرچہ توبہ قبول ہو چکی مگر یہ حکم بحالہ باقی ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ہبوط کا حکم لغزش کی وجہ سے نہیں تاکہ قبول توبہ سے اس کے منسوخ ہونے کا خیال یا شبہ کیا جائے بلکہ وہ حقیقت میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا وعدہ پورا کرنے کے لیے ہے زمین کی خلافت جس کا حضرت آدم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ خود اس کو مقتضی ہے کہ ان کو زمین پر اتارا جائے حضرت آدم سے جنت کی خلافت کا وعدہ نہ تھا بلکہ زمین کی خلافت کا وعدہ تھا اس لیے ہبوط کا حکم قبول توبہ کے بعد بھی برقرار رہا۔ بعض عربین سے یہ منقول ہے کہ جب حضرت حق جل شانہ نے حضرت آدم اور حوا کو یہ خطاب فرمایا۔ لَا تَفْسَا بِاَھْذَہِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ تو اس خطاب میں خود اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت آدم اس خطاب میں مبتلا ہو کر جنت سے علیحدہ ہوں گے۔ اور جنت کی یہ سکونت چند روزہ ہے دائمی نہیں جانیے

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ. خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ جنت چند روز کے لیے دار سکونت ہے نہ کہ دار اقامت اس لیے کہ ہمیشہ رہنے والے کے لیے امر و نہی ظروا بہت (روک ٹوک) کے احکام نہیں جاری ہوتے اسکے علاوہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آواز نے میں اور بھی بہت حکمتیں ہیں۔ منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے اسماء حسنی میں سے غفور اور رحیم غفور اور حلیم۔ غافض اور رافع۔ معز اور مدلل بھی ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہ کی حکمت بالغہ اسکو مقتضی ہوئی کہ کوئی دار اور محل ایسا ہونا چاہیے جس میں ان اسماء حسنی اور صفات علیٰ کے آثار ظاہریوں جس کے لیے چاہے مغفرت کرے اور جس پر چاہے رحم کرے جبکہ چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے، جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے اس لیے حضرت آدم اور ان کی ذریت کو جنت سے زمین پر اتارا تاکہ ان اسماء حسنی کے آثار ظاہریوں جنکے ظہور کے لیے دار دنیا ہی مناسب ہے نہ کہ دار آخرت۔

نیز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت میں وہ لوگ بھی تھے جو جنت میں رہنے کے اہل نہ تھے۔ حضرت آدم کی پشت بمنزلہ سفینہ کے تھی جس میں نیک و بد ہر قسم کے لوگ سوار تھے اس لیے دنیا میں اترنے کا حکم ہوا تاکہ حبشہ کو طیب سے اور شقی کو سعید سے اور مومن کو کافر سے جدا اور اناک کیا جائے اور پھر حبشین کو دار الخبیثین یعنی جہنم میں اور طیبین کو دار الطیبین یعنی جنت میں بسائے کما قال تعالیٰ۔

يُخَيِّطُ اللَّهُ الْخَبِيثَاتِ مِنَ الطَّيِّبِ
تاکہ اللہ خبیثات کو طیب سے جدا کر دے۔

اور تاکہ ان اشیاء اور خبیثین کے مقابلہ میں انبیاء و مرسلین اور عباد صالحین کا سلسلہ جاری ہو۔ دوستوں کا دشمنوں کے ذریعہ امتحان ہو۔ جب اللہ کے مخلص بندے اس کی راہ میں جان و مال کو خرچ کریں۔ اور اسکے دشمنوں سے اسکا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد و قتال کریں، جان بازی اور سرفروشی سے کسی قسم کا دریغ نہ کریں خدا کے دوستوں سے دوستی اور اسکے دشمنوں سے دشمنی کریں تو حق تعالیٰ شانہ ان کو درجات عالیہ اور اپنے اقرب اور رضا و خوشنودی سے سرفراز فرمائے۔

نبوت و رسالت، امامت اور خلافت شہادۃ فی سبیل اللہ اور حسب فی اللہ اور بغض فی اللہ خدا کے دوستوں سے محبت اور موالات۔ اور اس کے دشمنوں سے نفرت اور بیزاری اور دشمنی اور معادات یہ تمام فضائل و کمالات زمین ہی پر اتارے جانے کے نتائج و ثمرات ہیں۔ جنت میں رکاوٹ باقیں کہاں ممکن تھیں

مہبوط آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و حکم کی اگر تفصیل درکار ہے تو حافظ شمس الدین ابن قیم قدس اللہ سرہ کی تصنیف لطیف یعنی مفتاح دار السعادة کا مطالعہ فرمائیں۔ حافظ موصوف

مدارج السالکین میں فرماتے ہیں۔

يَا آدَمُ إِنَّمَا ابْتَلَيْتَكَ بِالدَّنْبِ
لَئِنِ احْبَبْتَ أَنْ أَظْهَرَ فَضِيلَةَ وَجْهِكَ
وَكَرَّمِي عَلَى مَنْ عَصَانِي - لَوْلَا
تَذَنُّبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ
وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُدَبُّونَ
فَيَسْتَغْفِرُونَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ يَا آدَمُ
إِذَا عَصَمْتَكَ وَعَصَمْتَ
بَنِيكَ مِنَ الذَّنُوبِ فَعَلِي
مِنْ أَجُودَ بِحَالِي
وَعَلَى مَنْ أَجُودَ بِعُفْوِي
وَمَغْفِرَتِي وَتَوْبَتِي وَأَنَا
التَّوَابُ الرَّحِيمُ يَا آدَمُ
لَا تَجْنَحْ مِنْ قَوْلِي
لَكَ (اُخْرِجْ مِنْهَا) فَلَمَّا
خَلَقْتَهَا وَلَكِنْ أَهْبَطَ إِلَى
دَارِ الْمَجَاهِدَةِ وَابْذُرْ بِذُرِّ
التَّقْوَى وَامْطُرْ عَلَيْهِ سَحَابُ
الْجَفْوَى فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَبُّ
وَاسْتَغْلَظَ وَاسْتَوْقَى
عَلَى سَوْقِهِ فَتَعَالَى فَاحْصُهُ
يَا آدَمُ مَا أَهْبَطْتُكَ
مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا لِتُوسِلَ
إِلَى فِي الصُّعُودِ وَمَا
أَخْرَجْتُكَ مِنْهَا لِنَفْيِكَ
عَنْهَا مَا أَخْرَجْتُكَ
عَنْهَا إِلَّا لِتَعُودَ .

ۛ ۛ ۛ

اسے آدم میں نے تجھ کو گناہ میں مبتلا کیا اس
لیے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے فعل
اور وجود و کرم کو گنہ گاروں پر ظاہر کروں
حدیث میں ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے
تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کر دیتا اور ایسی قوم
کو پیدا کرتا جو گناہ کر کے خدا سے مغفرت
طلب کرتے اور خدا ان کی مغفرت فرماتا
اسے آدم تجھ کو اور تیری ذریت کو اگر
معصوم بنا دوں تو اپنا حلم اور عفو و کرم
اور مغفرت اور سخاوت کس پر ظاہر کروں
حالانکہ میں تو رحیم ہوں پس ضرور ہے
کہ گنہ گار موجود ہوں تاکہ میں انکی توبہ قبول
کروں اور ان پر رحم کروں۔ اسے آدم
میرے (اخراج منہا) کہنے سے بگڑا
مست اس لیے کہ جنت کو میں نے تیرے
ہی لیے پیدا کیا ہے لیکن اس وقت
تم مجاہدہ اور ریاضت کے لیے زمین پر
اترے جو تمہارے لیے بمنزلہ خانقاہ یا غار
کے ہے اور زمین آسمان کے اعتبار سے
بمنزلہ غار ہی کے ہے۔ اور یہاں اگر تقویٰ
کے تخم کی کاشت کرو اور چشم گریاں کی
بارش سے اس کو سیراب کرو جب یہ
دانہ قوی اور مضبوط ہو جائے اور اپنے
تنے پر کھڑا ہو جائے تو اسکو کاٹ لو۔
اسے آدم تجھ کو اس لیے جنت سے
اتارا تاکہ تیرے درجات اور مدارج
اور بلند ہوں۔ اور جنت سے چند روز

کے لیے اس لیے نکالا تاکہ اس سے بہتر
حالت میں جنت کی طرف تو لوٹ کر آئے۔
ترجمہ شعر۔ اگر ہمارے اور تیرے درمیان
میں کوئی رنجش پیش آگئی ہے اور اگر ہمارے
اور تیرے درمیان میں منزلوں کا فصل ہو
گیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں
اس سے کہ محبت و مودت کا تعلق اسی
طرح باقی ہے۔ اور جو لغزش تم سے
ہو گئی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے

ان جری بیننا و بینک عتب
و تناوت منا و منك الدیار
فالوحد الذی عہدت مقیم
والعتار الذی اصبحت جبار
(طہرج السالکین ص ۱۶۹)

فوائد مستنبط از قصہ آدم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ بارک وسلم و تشریف کریم

ف | قرآن کریم کے ظاہر سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اللہ کے نبی اور رسول
مکرم ہیں یعنی ایسے رسول ہیں جن سے اللہ نے بالمشافہ کلام فرمایا چنانچہ حدیث میں ہے۔

طبرانی اور ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں
اور ابن مردودیہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول
اللہ کیا حضرت آدم نبی تھے؟ تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں نبی
بھی تھے اور رسول بھی جن سے اللہ نے
بالمشافہ کلام فرمایا اور یہ کہا کہ يَا آدَمُ
اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور عبد بن حمید اور آجری نے اربعین میں
ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ یا رسول اللہ سب سے پہلے رسول
کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آدم۔ میں
نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حضرت آدم
کیا نبی مرسل تھے۔ فرمایا کہ ہاں اللہ نے

اخرج الطبرانی و ابوالشیخ
فی العظمت و ابن مردودیہ
عن ابی ذر قال قلت یا رسول
اللہ ارایت آدم أنبیاً کان
قال نعم کان نبیا رسولا
كلمه الله قبله قال یا آدم
اسكن انت وزوجك الجنة۔
و اخرج عبد بن حمید و
الأجری فی الأربعین عن
البحر قال یا رسول
اللہ من کان اولهم یعنی
الرسول قال آدم قلت
یا رسول اللہ ابعی من
قال نعم خلقه الله بيده

و نفخ فیہ من روحہ
و سواہ قبلہ۔

(کذا فی الدر المنثور ص ۱۶۷)

ف انفعال خداوندی کے اسرار و حکم سوائے اس عظیم و حکیم کے کسی کو معلوم نہیں۔ ملائکہ و مقربین کو بھی سوائے سُبْحٰنُکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ افعالِ خداوندی کے اسرار کے درپے نہ ہو۔ ملائکہ کی طرح سُبْحٰنُکَ لَا عِلْمَ لَنَا کہہ کر بے چون و چرا تسلیم کرے۔

کرا زہرہ آل کہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زبان تازہ کردن با تبار تو نیکی سخن علت از کار تو

ف حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے ہی ملائکہ کے سامنے حضرت آدم کی خلافت کا ذکر کچھ تعلیم مشورہ کی جانب مشیر معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے سے پہلے مشورہ کر لینا چاہیے۔ اگرچہ حق تعالیٰ مشورہ سے بے نیاز ہے۔

ف استحقاق خلافت کے لیے جب ملائکہ نے فَحَسْبُ لِسِیْمٍ بِحَمْدِکَ وَ تَقْدِیْسٍ لِّکَ کہہ کر تسبیح و تحمید تقدیس و تمجید کو پیش کیا تو حق جل شانہ نے ملائکہ کے تسبیح و تقدیس کے جواب میں حضرت آدم کا علمی مکمل ظاہر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں مشغول ہونا تسبیح و تہلیل سے افضل اور بہتر ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ علم اللہ کے نزدیک بھی علم ہو۔ اللہ کے نزدیک علم وہ ہے جس سے خدا کی خشیت اور اس کی عظمت دل میں لاسخ ہوتی ہو کما قال تعالیٰ

اِنَّمَّا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ۔
جز ایں نیست کہ ڈرتے ہیں اللہ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء۔

معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک عالم دہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگرچہ سارا عالم اسکو عالم کہے۔ علم کے راہ حق نہایت جہالت است۔

ف ملائکہ کو سجدہ کا حکم دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ سجدہ مساجد سے افضل ہوتا ہے۔

ف احادیث میں ہے کہ جب فرشتے صبح اور عصر کی نماز سے یا کسی محفل ذکر سے لوٹ کر جاتے ہیں تو حق تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا تو عرض کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے چھوڑا حکمت اس میں یہ ہے کہ فرشتوں نے ایک بار کہا تھا۔ اَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یَقْسِدُ فِیْہَا وَ یَسْفِكُ الذِّمَّاءَ۔ اور کلمہ من عام ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ سب ایسے ہی ہوں گے تو فرشتے موجبہ کلمہ کے مدعی تھے، اس کے جواب کے لیے سالیہ جزئیہ کا ذکر کافی ہو گیا یعنی

ایک شخص یا ایک جماعت کا پیش کر دینا جو اللہ کی مطیع کامل ہو ان کے موجبہ کلیہ توڑنے کے لیے کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ سارے ہی مطیع ہوں قیامت تک اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہے گا۔

ف۱ | اعجاب اور استکبار اور اللہ جل جلالہ کے حکم پر اعتراض اور خود ستائی نے ابلیس کو ملعون اور مطرود بنایا اور اطاعت اور انقیاد اور رضا و تسلیم اور عجز اور انکساری اور ندامت اور شرمساری اور توبہ اور استغفار نے حضرت آدم کی شان کو بڑھایا۔

ف۲ | انیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا ہو چکی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت ابھی پیدا نہیں ہوئی۔

ف۳ | کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے کبھی نجات نہ پائیں گے۔

ف۴ | غلطی سے خلاف حکم خداوندی کوئی کام کر گزرنا مصیبت ہے اور حکم خداوندی کو غیر معقول اور خلاف سمجھنا یہ کفر ہے۔

(۱۱) فائدہ جلیلہ

ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت میں فرق

سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترک امر یعنی امر الہی کا امتثال نہ کرنا اور حکم خداوندی کو نہ ماننا ارتکاب نہیں ہے زیادہ سخت ہے۔ ابلیس نے حکم الہی اور امر خداوندی یعنی حکم سجود سے انحراف کیا۔ مطرود و مردود ہوا اور آدم علیہ السلام نے ایک ہی کار تکاب کیا یعنی جس درخت سے کھانے کی انکو ممانعت کی گئی تھی اس کو کھایا، بازگاہ خداوندی سے عتاب ہوا۔ حضرت آدم کو اس عتاب کی کہاں تاب تھی تو یہ اور استغفار کی اور صد ہزار گریہ و زاری کے ساتھ اپنے رب کریم سے عفو اور مغفرت کی درخواست کی اللہ نے اپنی رحمت سے توبہ قبول فرمائی اور اللہ اجتبار و اصطفا سے سرفراز فرمایا۔

اقل یہ کہ ترک امر کا جرم ارتکاب نہیں ہے جرم سے اس سے زیادہ سخت ہے کہ ارتکاب نہیں کا منشاء ہمیشہ غلبہ شہوت ہوتا ہے اور ترک امر کا منشاء ہمیشہ استکبار اور اعجاب (خود پسندی) ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ جس کے قلب میں ذرا برابر بھی کبر یعنی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں، کبر بائی میری ردار ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو شخص اس میں میری منازعت کرتا ہے میں اسکو کچل ڈالتا ہوں۔ بخلاف اس شخص کے کہ جو ایمان لانے کے بعد شہوات میں ہنمک رہا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا۔ اگرچہ وہ چوری اور زنا کرے۔
 دوم۔ یہ کہ اللہ کے نزدیک امتثالِ امر اور فعلِ مامور بہ یعنی حکمِ الہی کا بجالانا بہ نسبتِ منہیات سے
 احتراز اور جتناب کے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ
 محبوب عمل اللہ کے نزدیک اپنے وقت پر نماز کا ادا کرنا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیرِ اعمال
 یعنی سب سے بہتر عمل ذکر اللہ ہے۔ اسی وجہ سے حق جل شانہ نے جابجا قرآن کریم میں اپنی محبت
 کو امتثالِ احکام اور اوامر کی بجائے بجا آوری پر معلق فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
 الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صُغًا. وقال تعالیٰ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. وقال
 تعالیٰ وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْحَقِّ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ وقال تعالیٰ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الصَّابِرِينَ۔ ان آیتوں میں اللہ نے اپنی محبت کو ان لوگوں کے لیے مخصوص فرمایا ہے جو اس
 کے ان احکام اور اوامر کو بجاتے ہیں۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ احسان۔ عدل۔ واقساط۔ صبر و تحمل
 یہ سب اللہ کے احکام ہیں۔ ان کی بجا آوری سے اس کی محبت حاصل ہوتی ہے اور محظورات اور منہیات
 کو حق جل شانہ نے جب بھی ذکر فرمایا ہے تو محبت کی نفی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ وقال تعالیٰ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔
 وقال تعالیٰ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وقال تعالیٰ لَا يُحِبُّ
 اللَّهُ الْجَاهِلِينَ بِالسُّورَةِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ۔ وقال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
 كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔

سوم۔ یہ کہ اوامر و احکام کی تعمیل مقصود و لذاتہ ہے اور منہیات سے بچنا مقصود بالذات نہیں
 بلکہ فعلِ مامور بہ کی تکمیل کے لیے ہے اس لیے کہ منہیات اور محظورات کا ارتکاب عبادت اور
 بندگی اور احکام کی بجا آوری میں مغل ہے۔ چنانچہ حق جل شانہ نے تحریم خمر اور تحریم قمار کی علت
 یہ ذکر فرمائی ہے

يُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
 وَ عَنِ الصَّلَاةِ فَكُلٌّ أَنْتُمْ
 مُنْتَهُونَ۔

شراب اور قمار اللہ کے ذکر اور نماز سے
 تمکو روکتے ہیں پس کیا تم ان سے باز
 نہ آؤ گے۔

چہارم۔ یہ کہ طاعات اور مامورات کی بجا آوری ہی روح کی غذا ہے۔ بغیر ایمان و تسلیم اور
 بغیر اطاعت اور انقیاد کے روح کی حیات ناممکن ہے اور محظورات و منہیات سے بچنا بمنزلہ پرہیز
 کے ہے۔ پرہیز اس لیے کرایا جاتا ہے تاکہ حیات اور قوت میں فتور نہ آئے۔ اصل مقصود حیات اور
 پرہیز حیات کی نگہبانی کے لیے ہے۔

پنجم۔ یہ کہ عبادت جس کے لیے جن دانس کو پیدا کیا گیا۔ وہ اعتثالِ اوامر اور احکام خداوندی

کی بجا آوری ہی کا نام ہے جن وانس کو فقط منہیات اور محظورات سے بچنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا (بلکہ عبادت اور بندگی اور احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے) زنا اور سرقت وغیرہ سے باز رہنے کا نام عبادت نہیں بلکہ جو حکم اس احکم الحاکمین نے دیا اسکو دل و جان سے بجالانے کا نام عبادت اور بندگی ہے۔

ششم یہ کہ ایک حکم کی تعمیل سے دس گونہ سے یکسر سات سو گونہ بلکہ لاکھوں نصاب ثواب ملتا ہے اور مہنی عنہ کے ارتکاب سے صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ترک امر اور عدم تعمیل حکم کا جرم ارتکاب نہیں کے جرم سے کس قدر اعظم ہے۔ ہفتم یہ کہ طاعت اور عبادت اور احکام کی بجا آوری اور ان کا اجر و ثواب تمام تر صفت رحمت سے متعلق ہے، اور محظورات و منوعات کا ارتکاب اور ان پر سزا اور عقاب یہ سب صفت غضب اور انتقام سے متعلق ہے، در صفت رحمت صفت غضب پر سابق ہے غضب، رحمت پر سابق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نزدیک رحمت عذاب سے اور عفو انتقام سے زیادہ محبوب ہے۔ وقال تعالیٰ:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ

تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے۔ مگر اس ارحم الراحمین نے غضب کو اپنے اوپر لازم نہیں فرمایا۔ وقال تعالیٰ:

وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ رَّحْمَةً
مگر غضب اور انتقام کے اعتبار سے محیط نہیں رحمت اسکی دائمی ہے کبھی منکف نہیں ہوتی مگر غضب دائمی نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز فرمائیں گے۔

ان ربی قد غضب الیوم
غضبا لم یغضب قبلہ
مثله و لن یغضب بعدہ
مثله۔

میر پر دروگہ آج غصہ ہوا ہے ایسا غصہ
ہوا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصہ ہوا
اور نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصہ
ہوگا۔

ہشتم یہ کہ طاعت و عبادت کے آثار جلد زائل نہیں ہوتے۔ بخلاف منہیات و محظورات کہ ان کے آثار بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں۔ معاصی اور سنیات کے آثار کبھی عفو اور مغفرت سے اور کبھی توبہ اور استغفار سے زائل ہو جاتے ہیں کبھی اعمال صالحہ اور مصائب سے، نکاح کفارہ ہو جاتا ہے اور کبھی شفاعت سے اور کبھی اقارب اور احباب کی دعاؤں سے ان معاصی سے درگزر کیا جاتا ہے اور اگر صمیم قلب اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرے تو ان سنیات کو حسنات سے بدل

دیا جاتا ہے۔

نہم ۱۔ یہ کہ نجات کا دار و مدار احکام کی بجا آوری پر ہے۔ اگر کوئی شخص تمام منافی اور محظورات سے بچتا ہے مگر احکام خداوندی کو نہیں مانتا تو اس کی نجات ناممکن ہے۔ اور اسکے برعکس اگر کوئی شخص احکام خداوندی کو تسلیم کرتا ہے مگر زنا اور سرقرہ اور کسی غشار اور منکر سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کی نجات ممکن ہے۔

دہم ۱۔ یہ کہ ادا اور احکام سے کسی فعل کا وجود مطلوب ہوتا ہے اور نہ ہی سے کسی شے کا عدم اور ترک مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم میں کوئی کمال نہیں، کمال وجود اور ایجاد ہی میں ہے اسی وجہ سے شریعت کی نظر میں ادا کا امثال منافی کے اجتناب سے زیادہ بہتر ہے اور حکم خداوندی سے سرکشی کرنا منافی عنہ کے ارتکاب سے زیادہ جرم ہے تِلْكَ عَشْرَةٌ كَافِلَةٌ۔ کذا فی کتاب الفوائد ص ۱۱۹ للعافظ ابن القیم قدس اللہ سرہ۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے کیا

عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاَوْفُوا

تم پر اور پورا کرو قرار میرا تو میں پورا کروں قرار تمہارا

اِیَّایْ فَارْهَبُوْنَ ۝۱۰ وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ

میر ہی ڈر رکھو اور مانو جو کچھ میں نے اتارا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرِیْہِ ۝۱۱

سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو اور مست ہو تم پہلے منکر اس کے اور

لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیَتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۝۱۲ وَ اِیَّایْ فَاتَّقُوْنَ ۝۱۳

نہ تو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو

۱۰۔ مترجم گوید خدا تعالیٰ بنی اسرائیل را نعمتہائے خود یاد داد و معجزہ کہ دریں قوم ظاہر شدہ بود ذکر فرمود آنگاہ شبہات و مبغوتات ایشانرا رد کرد بدلائل و اس قصہ مستند است تا قولہ تعالیٰ وَ اِیَّایْ فَاتَّقُوْنَ ۝۱۲ - فتح مبین

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ

اور مست ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو

تَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ

جان کر اور کھڑی کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور

ارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۱۳﴾ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ

جھکو ساتھ جھکنے والوں کے کہا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام

وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا

کا اور بھولتے ہو آپ کو اور تم پڑھتے ہو کتاب پھر کیا

تَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

نہیں بوجھنے اور قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے اور

إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۱۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

البتہ وہ بھاری ہے مگر انہیں پر جبکہ دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ ان

أَنَّهُمْ مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۶﴾

کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف الٹے جانا ہے

تذکیر اجمالی انعامات خاصہ براسلاف یہود و امیشاں بایفارعمہ و نہی

از دین فروشی و حق پوشی

(یعنی) اُن نعمتوں کا بیان جو خاص بنی اسرائیل پر مبسذول ہوئیں۔

قال تعالى۔ يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓئِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیْ ... الٰہی ... وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

لے یعنی در جمیع حاجات و سعائے و اللہ اعلم۔ فتح الرحمن

(رہبط) شروع سورت میں حق تعالیٰ نے منافقین اور کافریں اور منافقین کے اوصاف اور احوال بیان کیے۔ بعد ازاں یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَعْبُدُوْا۔ میں خطاب عام فرمایا اور کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا پھر توحید اور رسالت اور قیامت کے دلائل بیان کیے تاکہ عبادت کر کے آخرت کی تیاری کر سکیں بعد ازاں اپنے انعامات کو بیان کیا جو تمام بنی آدم کو عام اور شامل ہیں اب عنان خطاب ایک خاص گروہ یعنی بنی اسرائیل کی طرف پھیرتے ہیں اور ان نعم خاصہ کو بیان کرتے ہیں جو خاص بنی اسرائیل پر مہذول ہوئیں اور بھلہ دیگر قبائل عرب۔ گروہ بنی اسرائیل کو اس لیے خطاب کے لیے مخصوص فرمایا کہ یہ سورت پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں یہود ایک کثیر تعداد میں آباد تھے یہود کو اگرچہ اوس اور خزرج اور دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں عددی اکثریت حاصل نہ تھی لیکن یہود کو دیگر قبائل کے مقابلہ میں علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم کہلاتے تھے اور خاندان نبوت سے تھے اور مشرکین عرب اُنہی اور ان پڑھ تھے اور اہل علم اگر حق کو قبول کر لیں تو عوام پر اسکا بہت اثر پڑتا ہے اس لیے اس رکوع میں خاص بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا اور اولاً ان نعمتوں کو اجمالاً یاد دلایا جو اس خاندان پر مہذول ہوئی تھیں۔ اور دوسرے رکوع سے ان کی تفصیل فرمائی جو دودھ تک چلی گئی اور مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کر کے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے رب کریم اور منعم قدیم کے الطاف و عنایات کو یاد کر کے ایثار و عہد کے لیے دل و جان سے تیار ہو جائیں کیونکہ تورات میں نبی آخر الزمان کی بشارتیں اور صفیں مذکور تھیں اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کے عہد کا بھی ذکر تھا اور علماء یہود اس سے بخوبی واقف تھے اس لیے مناسب ہوا کہ اولاً اہل علم کو اسلام کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ اور لوگ بھی انکی تعلیم سے راہ حق پر آجائیں اور انکا اتباع اوروں کے لیے حجت بن جائے اور بنی اسرائیل کے خطاب سے پہلے حضرت آدم کا نقشہ ذکر کیا جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ابلیس نے محض حسد اور تکبر کی وجہ سے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو یعنی یہود کو خطاب کیا تاکہ متغیر اور خبردار ہو جائیں کہ تم کو تکبر اور حسد کا انجام معلوم ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ تکبر اور حسد کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے اعراض نہ کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے فرزندان یعقوب یاد کرو تم میری ان خاص نعمتوں کو جنکا میں نے خاص تم پر انعام کیا۔ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جو نثرا اور ایل سے مرکب ہے۔ امرار کے معنی بندہ یا برگزیدہ کے ہیں اور ایل اللہ کا نام ہے لہذا اسرائیل کے معنی عبد اللہ یا صفوۃ اللہ کے ہوں گے۔ اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ بجائے یا بنی یعقوب کے یا بنی اسرائیل فرمانے میں ایک خاص لطافت ہے۔ وہ یہ کہ اس لقب کی طرف مضاف کرنے سے یہ معنی ہو سکے کہ اسے اولاد ہمارے مطیع اور فرمانبردار

لے ہذہ ترجمۃ الاضافۃ الحق فی قولہ تعالیٰ لَعَنَیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَتَفِیْدِ الْاِخْتِصَاصَ فَافْهَمْ ۱۲

اور برگزیدہ بندہ کی تم کو تو اتباع حق میں اپنے باب کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ جس طرح کہتے ہیں یا ابن الکرمیہ افعل کذا اے کریم کے بیٹے ایسا کر۔ یا ابن الشجاع بادر الہ بطلان۔ اسے شجاع کے بیٹے بہادروں کا مقابلہ کر۔ یا ابن العاصی اطلب العلم۔ اے عالم کے بیٹے علم حاصل کر۔ پھر اس کے علاوہ تمہارے خاندان میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار نبی آئے۔ اس لیے تم کو پیغمبروں کی علامتیں خوب معلوم ہیں لہذا تم کو نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے اکثر مناظرہ اور مکالمہ تشریش کے ساتھ رہتا تھا۔ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود سے مناظرہ اور مکالمہ شروع ہوا۔ یہود جو نیکو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے علماء کہلاتے تھے، تمام عرب کی لگائیں ان پر لگی ہوئی تھیں کہ یہ لوگ اہل علم ہیں ان کے خاندان میں ہزاروں نبی ہوئے، انبیاء کی علامتوں سے خوب واقف ہیں۔ دیکھیں یہ لوگ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے خاص خاص انعام کو جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر ہوتے رہے۔ یاد دلایا اس لیے کہ عام نعمتوں کا تذکرہ اتنا مفید اور مؤثر نہیں ہوتا۔ جتنا کہ خاص نعمتوں کا تذکرہ دل میں اثر رکھتا ہے اس لیے اولاً اجمالی طور پر حق جل شانہ نے اس رکوع میں بنی اسرائیل پر اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمایا تاکہ مشرک ایمان لان میں اس کے بعد دوسرے رکوع میں تفصیلی طور پر اپنے انعامات کا اور بنی اسرائیل کی شرارتوں کو ذکر فرمایا تاکہ لوگ انکی شرارتوں سے واقف ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ ان کا قول اور فعل قابل اعتبار نہیں۔

اور پورا کر دو تم اس عہد کو جو تم نے مجھ سے کیا تھا میں بھی پورا کرونگا اس عہد کو جو میں نے تم سے کیا ہے۔ حسن بصری راتے ہیں اس عہد سے وہ مراد ہے جو سورۃ مائدہ کی اس آیت میں مذکور ہے۔ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ وَبَعَثْنَا فِيهِمْ اثنی عشر نَقِیْبًا وَقَالَ اللَّهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَیْنٌ اَقِمْتُمْ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمْ الزَّكٰوةَ وَامْتَمْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَرْتُمْ اَوْفُوْهُمُ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا کُفْرًا عَنْکُمْ سَبِّحْنَا بِکُمْ وَلَا دَخَلْنَاکُمْ جَنٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد سے وہ عہد مراد ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ تمہارے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمعیل میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد مراد ہے۔ اور اہل کتاب سے اللہ کا عہد یہ تھا کہ تم میں سے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گا اسکو دواجر ملیں گے جیسا کہ سورۃ قصص کی اس آیت میں ہے اُولَٰئِکَ یُوْفُّوْنَ اَعْثَرُھُمْ مَّا کُنْتُمْ عَلَیْہِ السَّلَامُ پر

ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ پس اسے اہل کتاب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اور اس سے نڈر و ک ایمان لانے سے تمہارے ہدیے اور نذرانے بند ہو جائیں گے۔ اور قوم تمہاری مخالف ہو جائے گی اور درپٹے، یزار و اضرار ہو جائے گی اور قوم تم کو اپنی جماعت سے نکال باہر کرے گی جس سے طرح طرح کے نقصان اٹھانے پڑیں گے بلکہ خاص نجد سے ڈرو قوم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بھلائی اور برائی سب ممبرے ہاتھ میں ہے۔

ایمان لانے سے دنیا کے حقیر اور معمولی اور چند روزہ اور فانی ہی منافع فوت ہونگے مگر ایمان نہ لانے سے خدا کی رضا اور خوشنودی اور آخرت کے دائمی بیش بہا منافع فوت ہو جائیں گے۔

لَا تَكُن مِّنَ الْفَارِثِينَ ۚ الْفَارِثُ مَن عَوَّضَ

(جس چیز کو بھی چھوڑا اسکا عوض مل سکتا ہے مگر خدا کو چھوڑ کر اسکا عوض پانا ناممکن اور محال ہے) اس لیے ارشاد ہوا مجھ سے ہی ڈرو امرار اور دوسارے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا اور آخرت کے نفع اور ضرر کا مالک صرف میں ہی ہوں۔

وَأَمِلُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكْفُرُوا ۚ أَوَلَا كَافِرٌ بِمَا

اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی درآخالیکہ وہ کتاب اس توحیدیت کے کتاب الہی ہونے کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ یعنی ازل تو محض اس وجہ سے ایمان لے نا چاہیے تھا کہ قرآن کو اللہ نے نازل کیا ہے جیسے تم توحید پر اس وجہ سے ایمان لانے کو اللہ نے اسکو اتارا ہے اسی طرح یہ قرآن بھی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے اسی طرح اس پر بھی ایمان لاؤ۔ علاوہ ازیں یہ کتاب اس توحیدیت کی جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتاری گئی۔ اس کے منزل من القرآن کتاب الہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے اس لحاظ سے بھی تم کو اس پر ایمان لانا چاہیے پھر یہ کہ توحید میں نبی آخر الزمان کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی کا تم کو بخوبی علم ہے لہذا تم کو چاہیے کہ سب سے پہلے حضور پر نور پر ایمان لاؤ اور دیدہ دانستہ سب سے پہلے قرآن کے منکر اور مکذب یعنی جھٹلانے والے نہ ہو کہ قیامت تک قرآن کریم کی تکذیب کر لے والوں کا وبال تمہاری گردن پر رہے۔ اس لیے کہ ہجرت کے بعد پہلا فرقہ یہود کا ہے جو مدینہ اور خیبر میں رہتا تھا اور دوسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو زیادہ تر شام میں رہتا تھا۔ پس اگر یہود آنحضرت کی نبوت کا انکار کریں گے تو نصاریٰ بھی انکے دیکھا دیکھی انکار کریں گے اس لیے فرمایا کہ اسے یہود تم پہلے کافر نہ بنو۔

لِإِشَارَةِ إِلَى الْاِنْزَامِ فِي قَوْلِهِ بِمَا عَادَ إِلَى الْقُرْآنِ الَّذِي تَقْدِمُ ذِكْرَهُ قَوْلُهُ بِمَا

انزلت و اختاره ابن جریر و قيل الى محمد صلى الله عليه وسلم۔

ف | مشرکین مکہ اگرچہ اہل کتاب سے پہلے انکار اور تکذیب کر چکے تھے مگر وہ تکذیب جہالت اور نادانی پر مبنی تھی دیدہ و دانستہ حق پوشی نہ تھی۔ اہل کتاب حق سے خوب باخبر تھے۔ دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتے تھے اس لیے ارشاد ہوا۔ وَلَا تَكُونُوا أَقِلَّ كَافِرٍ بِہ یعنی اے اہل کتاب سب سے پہلے تم حق پوشی کرنے والے نہ بنو۔ اس لیے کہ کفر کی حقیقت حق پوشی ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَإِيَّايَ فَاتَّقُوا۔ اور میری آیتوں کے عوض میں ایک نہایت قلیل اور حقیر معاوضہ لینے پر آمادہ اور راضی نہ ہو جاؤ۔ آخرت کے عزر کو دنیا کے ضرر سے بڑھ کر جانو اور کثیر اور باقی کے مقابلہ میں قلیل اور فانی کو ہرگز ترجیح نہ دو۔ جس بھری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ساری ہی دنیا کا کل ساز و سامان ثمن قلیل ہے۔ قال تعالیٰ۔ هَذَا الَّذِي قِيلَ دَرَاهِمٌ مَعْدُودَةٌ طع میں میری آیتوں میں تحریف اور تبدیلی نہ کرو۔ اور خاص مجھ سے ہی ڈرو۔ عوام الناس سے مرعوب ہو کر حق سے اعراض نہ کرو۔

ف | ظاہر کا مقتضی یہ تھا کہ اس طرح فرماتے۔ لَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي مَتَاعًا قَلِيلًا۔ میری آیات کے بدلے میں بخور و سامان مست خریدو اس لیے کہ عرف میں سامان خریدا جاتا ہے۔ ثمن اور قیمت نہیں خریدی جاتی لیکن بجائے اسکے وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمام دنیا کا ساز و سامان بمنزلہ قیمت کے ہے اور اصل مقصود آخرت ہے اور یہ مسلم ہے کہ معاملہ میں مقصود بالذات قیمت نہیں ہوتی۔ اصل مقصود سامان ہوتا ہے اور قیمت اور ثمن مقصود کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ پس اشارہ اس طرف ہے کہ تم نے اپنی نادانی اور غلط فہمی سے ثمن اور قیمت کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور باقی کو دیکر فانی کو خرید لیا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ۚ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ ۚ وَأَنْتُمْ تَقْلُمُونَ۔ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور حق کو چھپانا کس قدر مذموم ہے۔ نہ ہرگز ہر جان کرکھانا انتہائی نادانی ہے۔

گزشتہ آیت میں بنی اسرائیل کو یہ حکم تھا کہ تم خود گمراہی سے باز آؤ اور ایمان اور ہدایت کو قبول کرو۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ دو مسروں کو گمراہ نہ کرو۔ جن لوگوں کے کان کچھ حق سے آشنا ہو چکے ہوں اور کلمہ حق ان کے کان میں پڑ چکا ہو انکو گمراہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حق اور باطل صدق اور کذب ہدایت اور ضلالت کو ان کے سامنے خلط ملط کر دیا جائے تاکہ حق کے قبول کرنے میں متردد ہو جائیں۔ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ میں اسی طرز اشارہ ہے اور جس شخص نے کلمہ حق سنا ہی نہ ہو۔ رشد و ہدایت سے بالکل بے خبر ہو۔ اس کے گمراہ کرنے کا طریق یہ ہے کہ حق کو اس کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے کہ مبادا وہ حق بات شکر اس کو قبول نہ کرے۔ اور تَكْتُمُوا الْحَقَّ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یہاں تک اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی گئی۔ ایمان کے بعد سب سے زائد محبوب عمل اللہ کے نزدیک نماز ہے اس لیے آئندہ آیت میں نماز کا اور پھر زکوٰۃ کا حکم فرمایا کہ جان اور مال کی احاطت میں لگے رہو یعنی اے بنی اسرائیل ایمان کے بعد اور نماز کو قائم اور درست رکھو یعنی محض کتمان حق اور تلبیس اور غلط ملط سے باز رہنا نجات کے لیے کافی نہیں جب تک کہ احکام خداوندی پر عمل نہ ہو۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایمان کے بعد نماز کو قائم رکھو۔

علامہ غزالی فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ میں الف لام عہد کا ہے۔ یعنی ایسی نماز پڑھو کہ جیسی صحابہ کرام پڑھتے ہیں۔ منافقوں کی سی نماز نہ پڑھو جو حقیقت میں نماز نہیں بلکہ فقط صورت اور ہیئت نماز کی ہے اور طیب خاطر اور انشراح صدر کے ساتھ زکوٰۃ دیا کرو۔ جس طرح سے لغت عرب میں اتیان سہولت سے آنے کا نام ہے۔ اسی طرح اتیار سہولت سے دینے کا نام ہے اور رکوع کروکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شریعت اسلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے یہود نماز پڑھتے تھے مگر تنہا۔ اس لیے حکم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اس لیے کہ نماز بھی ایک قسم کا جہاد ہے جس میں اجتماع ضروری اور لازمی ہے۔ اور محراب مسجد محرابہ شیطان کا محل ہے اور قتل کے لیے صفوں کا ہونا بھی ضروری ہے اس لیے صفوں جماعت کے سیدھا رکھنے کی حدیثوں میں بہت تاکید آئی ہے۔

توینح عالم بے عمل

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَقْلُوْنَ
الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب یعنی توریت کو پڑھتے ہو جس میں عالم بے عمل کی مذمت جا بجا مذکور ہے۔ پس کیا تم سمجھتے نہیں کہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا راستہ بتلانا اور دیدہ و دانستہ اپنے کو ہلاک اور برباد کرنا یہ عقل اور فراست نہیں بلکہ عین سفاهت اور عین حماقت ہے۔ تعجب ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ تو احسان کرتے ہو مگر اپنے نفس کے ساتھ احسان نہیں کرتے حالانکہ وہ احسان کا زیادہ مستحق ہے اپنی بدخواہی اور دوسروں کی خیر خواہی عقل کا اقتضاء نہیں عقل کو عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کوڑی باتوں سے روکتی ہے اور اس لیے کہ عقل کے معنی نفی میں روکنے کے ہیں۔ پس جب انسان نے اپنے ہی کو گمراہی سے نہ بچایا اور برتری باتوں سے نہ روکا تو وہ کس طرح عاقل کہلا سکتا ہے۔
حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال غنم کی سی ہے کہ دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے کو جلاتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو اپنے خویش اقارب کو جو ایمان لے آئے تھے انکو یہ کہا کرتے تھے کہ تم دین اسلام پر قائم رہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ حق ہے دوسروں کو ایمان اور اسلام کی ترغیب دیتے اور خود ایمان اور اسلام کو قبول نہ کرتے مطلب یہ ہوا کہ تم تو میت کی تلاوت کرتے ہو اور اس میں ہی آخر الزمان کی بشارتیں پڑھتے ہو باوجود اس علم کے تم خود تو ایمان نہیں لاتے اور تمہارے اقارب اور احباب میں سے جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے اسکو ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے ہو تمہارا عجب حال ہے کہ باوجود کتاب کے پڑھنے اور اہل علم کہلاتے جانیکے کہ دوسروں کو تو نیک باتوں کا حکم کرتے ہو مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے۔

تنبیہ | اس آیت شریفہ کا یہ مقصد نہیں کہ عالم بے عمل کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے یا کسی کو راہ حق نہ بتلائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود بھی ضرور عمل کرے علم ہو کر بے عمل نہ رہے بلکہ عالم باعمل بنے جب وہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اسکو یہ سوچ لینا چاہیے کہ سب سے پہلے میرا نفس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محتاج ہے۔

عالم پر دو چیزیں فرض ہیں۔ ایک ترک معصیت یعنی خود معصیت نہ کرنا۔ دوم یہ کہ دوسروں کو معصیت سے منع کرنا۔ اگر دونوں فرض نہیں بجا لا سکتا تو دونوں کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔ ہا لا یدرک کلمہ لا یتروک کلمہ۔ طبیب اگر کسی مرض میں خود مبتلا ہو تو اسی مرض کے مریض کا معالجہ کر سکتا ہے لیکن خود اسکا مرض جب ہی زائل ہوگا جب وہ خود بھی دوا کا استعمال کرے دوسرے مریض کو دوا کا بتلانا بلاشبہ ضروری اور مستحسن ہے اور مریض کے لیے غایت درجہ مفید ہے مگر اس بدرجہا طبیب کو فائدہ جب ہوگا کہ جب خود بھی دوا کا استعمال کرے محض دوسرے کو دوا بتلا دینا اس کے مرض کے ازالہ کے لیے کافی نہیں اور لیسَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ میں انکار فقط قول حق اور امر بالمعروف کی طرف راجع نہیں بلکہ تقویٰ کی قید یعنی لا تفعلون کی طرف راجع ہے یعنی حق کہنے کے بعد اس پر عمل کیوں نہیں کرتے بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شئی کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو نفی اور انکار فقط قید کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ علماء اہل کتاب خوب جانتے تھے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی برحق ہیں مگر حبیب مال اور حبیب جاہ آپ کے اتباع سے مانع تھے کہ اگر آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہمارے بدلے اور نذرانے بھی بند ہو جائیں گے اور رؤسا اور امراء کی لغزوں سے ہم گر جائیں گے اور جو عزت اور وجاہت ہم کو حاصل ہے وہ جاتی رہے گی۔ آئندہ آیت میں اس کا علاج ارشاد فرمایا۔

اصلاح نفس کا طریقہ اور حب مال اور حب جاہ کا علاج

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِذَا كُنْتُمْ فِي حَرْبٍ فَأَوْقِفُوا أَنْفُسَكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَعْلَمَ أَعْيُنُ النَّاسِ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ فِي حَرْبٍ فَتَقَرَّبَ إِلَيْكُمْ وَيُؤْتِيَكُمْ مِنْهُ ۚ وَتَعْلَمَ أَعْيُنُ النَّاسِ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ فِي حَرْبٍ فَتَقَرَّبَ إِلَيْكُمْ وَيُؤْتِيَكُمْ مِنْهُ ۚ

مبتلا ہو گئے ہو تو شہوات اور لذات سے پرہیز کرو اور اس کے مقابلہ کے لیے یہ دوائیں استعمال کرو یعنی صبر سے مدد طلب کرو یعنی نفس کو صبر اور قناعت کا خوگر اور ترک لذات اور شہوات کا عادی بناؤ تاکہ دنیا کی محبت دل سے ناکل ہو۔ اور حق اور باطل میں تمیز کر سکو مرض کا ازالہ جب ہی ممکن ہے کہ اول مضرات سے پورا پورا پرہیز ہو اور پھر دوا کا استعمال ہو۔ اسی طرح باطنی امراض کے ازالہ کے لیے صبر بمنزلہ پرہیز کہ ہے اور شکوہ بمنزلہ دوا کے ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اَلْإِيمَانُ نِصْفَانِ نِصْفٌ فِي الصَّبْرِ وَنِصْفٌ فِي الشُّكْرِ۔ ایمان کے دو حصے ہیں ایک صبر اور دوسرا شکر، یعنی ایمان کی صحت اور سلامتی دو چیزوں پر موقوف ہے ایک صبر پر یعنی مضرات سے پرہیز کرنے پر اور دوم دوا پر شکر کے استعمال پر۔ جب تک پرہیز کامل نہ ہو اس وقت تک دوا پورا نفع نہیں کرتی اس لیے اول پرہیز یعنی صبر کا حکم دیا اور پھر دوا کے استعمال کا حکم دیا یعنی نماز کا کہ حمد و ثنا تسبیح و تقدیس رکوع و سجود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے علی درجہ کا شکر ہے۔

صبر بگزیں و قناعت پیشہ گیر

بر مُراد نفس تا گردی اسیر

یعنی اگر تم کو اجر اور معاوضہ ہی مطلوب ہے تو محتاط نہ دینا اور دراہم معدودہ پر کیوں گہرے جاتے ہو اور صبر کرو تاکہ بارگاہ خداوندی سے تم کو بے حساب اور بے شمار اجر ملے۔ کما قال تعالیٰ: إِنَّمَا يُؤْتِي الْمَغْضُوبُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ اور اگر تم عزت اور وجاہت کے طالب ہو تو عزت اور وجاہت کو ان کے پاس کہاں ڈھونڈتے ہو۔ عزت کی اگر تلاش ہے تو اُس عزیز مقتدر کے پاس تلاش کرو جس کی شان یہ ہے۔ تَعَزَّزْ مِنْ شَأْنٍ وَتَذَلَّ مِنْ شَأْنٍ۔

بہر در کہ خد بیچ عزت نیافت

عزیزے کہ از در گہش سر بتافت

پس اگر تم عزت کے متلاشی ہو تو آؤ اور اس ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ بے نیاز پر چین نیاز کو غم کرو تاکہ دنیا اور آخرت کی عزتیں تم کو حاصل ہوں یعنی نماز پڑھو۔ نماز کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ فحشاء اور منکر سے بچاتی ہے حق جل شانہ کی محبت اور عظمت کو اور دنیا کی نفرت اور آخرت کی رغبت کو دل میں راسخ کرتی ہے۔ مخلوق سے تعلق کو قطع کرتی ہے اور خالق ذوالجلال سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حدیث ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کوئی امر پیش آتا تو فوراً گھبرا کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

اور مسند احمد اور سنن نسائی میں صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ خدا انبیاء کو جب پریشانی پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جلتے بعد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ بیٹے کی وفات کی خبر دی گئی تو سواری سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِہٖ رَاجِعُونَ پڑھا اور یہ فرمایا کہ ہم نے ویسے ہی کیا جیسا اللہ نے ہم کو حکم دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **وَأَسْتَغِيثُ ۙ بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۙ الْخُرْجَةِ سَعِيدِ بْنِ مَنْصُورٍ** رواہ ابن اسنذر والحاکم وغیرہم ضرورت اور پریشانی کے وقت جو نماز پڑھی جائے وہ صلوٰۃ الحاجۃ کہلاتی ہے اس آیت میں اسی صلوٰۃ الحاجۃ کی طرف اشارہ ہے۔ **وَلَهَا لَكَبِيرَةٌ ۙ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۚ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَیْہِ رَاجِعُونَ** اور تحقیق وہ یعنی صبر اور صلوٰۃ سے استعانت اور استمداد بہت شاق اور گراں ہے مگر انہیں پر جن کے دل خدا کے خوف سے پگھلے جاتے ہیں جنکو خیال ہے کہ ہم یقیناً خدا سے ملنے والے ہیں اور بلاشبہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یعنی صبر اور نماز حقیقت میں دشوار نہیں کہ جسکا بجا لانا ناممکن ہو ہاں ان لوگوں پر جو خدا سے ملنے کی امید نہیں رکھتے نماز ان پر بہت شاق اور گراں ہے وہ اس کو محض مشقت اور محنت خیال کرتے ہیں مگر ان خاشعین پر جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں اور ثواب عظیم اور نعيم مقیم کی امید رکھتے ہیں ان پر نماز شاق اور گراں تو کیا ہوتی ان کے لیے تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی فرست اور مسرت ہے۔

ف جو عزم اور ادراک ان علامات سے حاصل ہو جو نہ حسی ہوں اور نہ بدیہی لغت میں ان کو ظن کہتے ہیں کبھی دلائل اور براہین کے انضمام سے اُس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جو جزم اور یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس درجہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ شک اور وہم کے قریب پہنچ جاتا ہے اس لیے لفظ ظن کبھی یقین کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی شک کے معنی میں اور کبھی گمان غالب کے معنی میں۔ اس آیت میں اگر ظن سے یقین کے معنی مراد لیے جائیں جیسا کہ مجاہد اور ابوالعالیہ اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے تو آیت کے یہ معنی ہونگے کہ نماز ان لوگوں پر شاق اور گراں نہیں جو خدا سے ملنے کا یقین رکھتے ہیں اور اگر ظن کے معنی گمان اور خیال کے لیے جائیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جس شخص کو خدا کی ملاقات اور اسکی جزا اور سزا کا گمان اور خیال بھی ہو جائے تو اگر عقل سلیم رکھتا ہے تو صبر اور نماز اور معاصی سے پرہیز اور طاعات خداوندی کا بجا لانا اس کو شاق اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہو گا مگر ظن کو جن لذائذ و طیبات کے استعمال سے ضرر کا گمان اور خیال بھی ہو جائے ان سے پرہیز کرنا اس کو دشوار نہیں معلوم ہوتا اور تلخ سے تلخ دوا کا استعمال کہ جس سے صحت اور شفا کی امید ہو آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ **الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ** کے یہ معنی ہیں کہ وہ خاشعین نماز پڑھتے وقت یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے پروردگار کو دیکھ

رہے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ عِبَادَتِ كَرِ اللّٰہ کی اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، خلاصہ یہ کہ اگر تم کو نفس کا تزکیہ اور اسکی اصلاح مقصود ہے تو صبر اور نماز سے اس بارہ میں مدد حاصل کرو اور اگر یہ طریق تم کو دشوار معلوم ہوتا ہے تو دوسرے طریق یہ ہے کہ تم نعمائے الہیہ کا مراقبہ کیا کرو اور سوچا کرو کہ حق تعالیٰ نے شانہ سے ہم پر کیا نعمتیں برسائیں اور باوجود ہماری نافرمانی کے ہم پر کیا کیا احسانات ہوتے رہے اس تفکر و مراقبہ کا اثر یہ ہوگا کہ قلب میں حق جل شانہ کی محبت کا دلولہ اور جوش پیدا ہو گا۔ اَلْاِنْسَانُ عَجَبٌ اَلْاِحْسَانُ "انسان بندہ ہے احسان کا" جہاں یہ جوش اور دلولہ پیدا ہوا مقصد حاصل ہو گیا۔

ہر آنکہ عشق یکے دردش گرفت قرار

ردا بود کہ تحمل کند جفائے ہزار

عشق آن شعلست کو چوں بر فروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اس لیے آئندہ آیت میں پھر ان نعمتوں کے یاد کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جن نعمتوں کو پہلے اجمالاً یاد دلایا تھا اب انکو تفصیلاً بیان فرماتے ہیں۔

لَبَنۡیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِی الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے تم پر

عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاتَّقُوا یَوْمًا

کیا اور وہ جو میں نے تم کو بڑا کیا جہان کے لوگوں پر اور بچو اس دن

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا

سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے ایک ذرہ اور قبول نہ ہو اس کی

شَفَاعَۃٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۳۱﴾

طرف سے سفارش اور نہ لیں اس کے بدلہ میں کچھ اور نہ ان کو مدد پہنچے

وَ اِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اِلٰی فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءًا

اور جب بچھڑایا ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے دیتے تم کو بڑی تکلیف

الْعَذَابِ يُذَيِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ

ذبح کرتے تمہارے بیٹے اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں

وَفِي ذِكْرِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝۴۹

اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی اور جب پہنچے چیرا

بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَكُمْ وَاعْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَ

تمہارے بیٹھنے کے ساتھ دریا پھر بچا دیا تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور

أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۰ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

تم دیکھتے تھے اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝۵۱

پھر تم نے بنا لیا بچھڑا اس کے پیچھے اور تم بے انصاف ہو پھر

عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّن بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۵۲

معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی شاید تم احسان مانو اور

إِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝۵۳

جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکولی شاید تم راہ پاؤ

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم تم نے نفسان کیا اپنا

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

یہ بچھڑا بنا ایک اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈلو اپنی اپنی

ذِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ

بہتر ہے تم کو اپنے خالق کے پاس پھر متوجہ ہوا تم پر برحق

هُوَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝۵۳ وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ

وہی ہے صاف کرنے والا ہر بان اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم یقین نہ

نُؤْمِنُ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ

کریں گے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو سامنے پھر لیا تم کو بجلی

الصُّعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۴ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ

نے اور تم دیکھتے تھے پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو

بَعْدَ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۵۵ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ

مرگنے کے پیچھے شاید تم احسان مانو اور سایہ کیا ہم نے

الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ ۝۵۶ كُلُوا

تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلوی کھاؤ

مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ

ستھری چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور ہمارا کچھ نقصان نہ کیا ہر

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۵۷ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا

اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب کہا ہم نے داخل ہو

هَذِهِ الْقَرْيَةُ فَاكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا

اس شہر میں اور کھاتے پھر اس میں جہاں چاہو محفوظ ہو کر

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کر کے اور کہو گناہ اترے تو بخشیں ہم

خَطِيئَتِكُمْ وَسَنُزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

تم کو تقصیریں تمہاری اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو بد بدل لی بے الصافوں نے اور

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَاهُ عَلَى

بات سوائے اس کے جو کہدی تھی ان کو پھراتا رہا ہے

الَّذِينَ ظَلَمُوا رَاجُزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

بے انصافوں پر عذاب آسمان سے ان کی

يَفْسُقُونَ ۝۹۱ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا

بے حکمی پر اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو کہا

اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

ہم نے مار اپنے عصا سے پتھر کو پھر بہ نکلے اس سے بارہ

عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا

چشمے پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ

وَاشْرَبُوا مِّنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ

اور پیو روزی اللہ کی اور نہ پھرو ملک میں

مُفْسِدِينَ ۝۹۲

فساد مچاتے

تفصیل العبادات و عنایات خداوند جلیل و شرح جنایات و تقصیرات

قوم بنی اسرائیل و حکم مراقبہ عنایات و ملاحظہ جنایات کہ در

حیاء حکم اکسیر دارد

قال تعالى يٰبَنِي إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ... وَلَا تَعْتُوا فِي

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔

(رابطہ) گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کو اجمالی طور پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں اب آئندہ آیات میں ان کی تفصیل ہے جو دور تک چلی گئی اور تفصیل میں سب سے پہلی نعمت تفصیل کو ذکر فرمایا اس لیے کہ تفصیل علی اعمال میں سب سے افضل نعمت ہے پھر لطف یہ کہ پشنے الطاف و عنایات کے بعد ان کی جنایات اور تقصیرات کو ذکر فرمایا اس لیے کہ جب ایک طرف خداوند کریم کی عنایتوں کو دیکھیں گے اور دوسری طرف اپنی جنایات اور تقصیرات کو دیکھیں گے تو نامحالہ حق تعالیٰ سے شرمائیں گے اور اس وقت انکا یہ حال ہوگا اور قال بھی ہوگا۔

شکر نعمتہائے تو چند انکہ نعمتہائے تو
عند تقصیرات ما چند انکہ تقصیرات ما
اور حیار ایمان کا ایک درمیانی اور مرکزی شعبہ ہے جس پر ایمان کے باقی شعبے گھومتے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا اِسْمٰىلُ اِنَّكَ عَسٰوٌ اِذْ اِنْعَمْتَنِيْ اَلَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ كُفْرًا سے بنی اسرائیل یاد کر دو تم میری ان خاص خاص نعمتوں کو جسکا میں نے خاص تم پر انعام کیا اور پھر اپنی جنایتوں پر نظر کرو کہ کیا ان نعمتوں کا یہی حق تھا جو تم کر رہے ہو اور ہماری اس تذکیر اور یاد دہانی کی نعمت کو بھی یاد کرو کہ ہم نے تم کو خواب غفلت سے جگایا۔

الْعَامِ اَوَّل

وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ اور سلسلہ انعامات میں سب سے پہلے اس بات کو یاد کرو کہ میں نے تمکو اس زمانہ میں جہان والوں پر فضیلت دی کہ دنیا کی بادشاہت کے ساتھ دین کی بادشاہت بھی تم کو دی یعنی تمہارے خاندان میں پیغمبری بھی دی کہا قال تعالیٰ جَعَلْ فِیْكُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلْکُمْ مُّمْلُوْکًا وَ اَسْکَرْتُکُمْ مَا لَمْ یُوْتِ اَحَدًا مِّنْ الْعٰلَمِیْنَ وَ قَالَ تَعَالٰی وَ لَقَدْ اٰخَذْنَا مِنْکُمْ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ حَضْرَت یعقوب علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمہارے ہی خاندان سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور قومیت اور انجیل اور ربور سب تمہارے ہی خاندان میں نازل ہوئی۔ تمہاری خاندان نبوت و رسالت اور امامت اور حکمت کا مخزن رہا۔ غرض یہ کہ اس وقت تک تم ہی کو تمام عالم پر بزرگی اور برتری اور فضیلت حاصل رہی اب وقت آیا کہ وہ نبی آخر الزمان ظاہر ہوں جن کی تمام انبیاء و مرسلین حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام خبر دیتے چلے آئے لہذا اگر تم کو اپنی فضیلت اور بزرگی کو باقی رکھنا منظور ہے تو خذوا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور دل و جان سے ان کی اعانت اور امداد کرو۔ درجس طرح قارون اور سامری نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کر کے

خاندن یعقوبی کے شرف کو ضائع کیا تم بھی قارون اور سامری کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنی فضیلت اور بزرگی اور اپنے شرف اور منصب کو ضائع نہ کرو۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہو تو اپنی سابق فضیلت اور گزشتہ منصب پر قائم ہو بلکہ تم سے دو اجر کا وعدہ ہے اور اگر تم ایمان لانے سے انحراف کرتے ہو تو سمجھو کہ تم اپنے منصب سے محروم ہو۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے اس وقت تک بنی اسرائیل ہی سب سے افضل اور اشرف تھے۔ یہ وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے گزشتہ زمانہ سے لیکر اس وقت خطاب تک بنی اسرائیل کا ان فضیلتوں میں کوئی شریک اور سہم نہیں رہا اور یہ وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے گزشتہ فضیلت اور گزشتہ شرف کو باقی رکھنا ہے تو اس نبی برحق کی دعوت کو قبول کرو مگر افسوس ان لوگوں نے اس دعوت کو ٹھکرایا اور غضوب علیہم اور ضالین کے نام سے موسوم ہوئے اور جو لوگ ایمان لائے وہ خیر الامم کے لقب سے سرفراز ہوئے اس تقریر سے یہ شبہ رخنہ ہو گیا کہ اس آیت سے بنی اسرائیل کا امت محمدیہ سے افضل ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ آیت میں اس وقت کی تفصیل کا ذکر نہیں گزشتہ زمانہ کی تفصیل کا ذکر ہے وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے۔

آئندہ انکے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگر تم کو یہ خیال ہے کہ باوجود نہ ایمان لانے کے قیامت کے دن ہم اپنے آباد اجداد کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے تو سمجھو کہ قیامت کے دن غرور اور فرعون سامری اور قارون کی طرح انبیاء اللہ سے انحراف کرنے والوں کے لیے کوئی شفاعت نہ ہوگی چنانچہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ يَبُوءُ مَا لَا يَحْكُمُ بِهِ نَفْسُكَ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا فَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۔ اور درود تم اس دن سے کہ ایک نفس دوسرے نفس کے کچھ بھی کام نہ آئیگا اور نہ اسکی طرف سے کوئی سفارش اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ بیا جائیگا اور نہ انکی کوئی مدد کی جائے گی۔ البتہ اہل ایمان کی مدد کی جائے گی انسان جب کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہے تو شفاعت و سفارش فدیہ دیکر رستگار ہونا چاہتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے آمادہ پیکار ہوتا ہے اور وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۔ سے یہی مراد ہے کہ تمہارا کوئی حامی اور مددگار بھی نہ ہوگا جو تم کو زور اور قوت کے ذریعے سے عذاب سے چھڑائے۔

ف جو لوگ مال کی محبت میں زیادہ گرفتار ہوتے ہیں وہ یہ چاہا کرتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو سفارش سے کام چل جائے۔ مال نہ خرچ کرنا پڑے اور بعض عزت اور وجاہت کے دلدادہ ہوتے ہیں انکو مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے اس لیے حق جل شانہ نے اس مقام پر شفاعت کو فدیہ پر مقدم فرمایا اور اسی پارہ کے اخیر میں فدیہ کو شفاعت پر مقدم فرمایا۔ حیث قال وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

وَلَا تُنْفَعُهَا شِفَاعَةٌ تِلْكَ دَرَنُ قِسْمِ كِي طَسْرَ اِشَارَہ ہوجائے۔

تنبیہ | اس آیت شریفہ میں مطلق شفاعت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ذرعون اور ہامان کی طرح انبیاء اللہ سے انحراف کرنے والوں کی شفاعت کی نفی مقصود ہے۔ عَصَاةَ مُؤْمِنِينَ یعنی گنہگار مسلمانوں کی شفاعت جو دیگر آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس کی نفی مقصود نہیں تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

نیز ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور مشاہدہ کے خلاف کوئی شخص اپنی وجہ ہمت سے سفارش نہ کر سکے گا اور آیت مَسْخُورَ الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ میں لفظ اذن اُس کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے سفارش ہو سکے گی۔

وَأَنْ تَجِيئُكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ... إِلَى... مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ

سخت ترین عذاب کی تکلیف دے رہے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔ عیونہ طبعیاتیں سمجھ سکتی ہیں کہ عورتوں کا زندہ چھوڑنا بیٹوں کے ذبح سے سخت ہے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ سوائسے خدا تعالیٰ کے کسی نے بھی دنیا میں ان سختیوں میں تمہاری کوئی مدد نہ کی پس سمجھ لو کہ آخرت میں جبکہ نفسی ہوگی کون تمہاری مدد کر سکے گا فرعون نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا ہے۔ مرقطی کے گھر میں داخل ہوتی ہے اور اسکو جلاتی ہے بنی اسرائیل سے کوئی قرض نہیں کرتی۔ کاهنوں نے اسکی یہ تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیسرے اور تیری قوم اور تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس لیے فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا اسکو قتل کر دیا جائے اس زمانہ میں نجوم کا بڑا چرچا تھا۔ اور نجومیوں کو خواب کی تعبیر کا بھی ملکہ تھا اسی زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ فرعون ہی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہوئی۔

در بهرست و در غنم انور خانه بود قصه فرعون زری افسانه بود

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْلُحُورَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ
وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔ اور اے بنی اسرائیل اس نعمت کو بھی یاد کرو جب کہ

ہم نے محض تمہاری وجہ سے دریا کو پھاڑا یعنی محض تمہارے صبحِ سالم گذر جانے کی وجہ سے ہم نے اپنے ارادہ اور مشیت سے دریا کو شق کیا۔ اتفاقی طور پر جزد و مد نہ تھا پس تم کو نجات دی دشمن سے بھی نجات ملی۔ اور خدا تعالیٰ کے علم و قدرت میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں جو شبہات تھے ان سے بھی تم کو نجات ملی۔ سارے عجبے رفع ہوئے اور فقط تمہارے

نجات دینے پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ قوم فرعون کو جو تمہاری دشمن تھی غرق کیا۔ تاکہ آئندہ بھی دشمنوں کا خطرہ دل سے نکل جائے اور پھر غرق بھی انکو اسی حالت میں کیا کہ تم انکو غرق ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس میں اب کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجائش نہ رہی تھی اور دشمن کو اپنی آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے ہوئے دیکھنا یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے اور ایسی نعمت کا تو بہت ہی شکوہ چاہیئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ دن جس میں بنی اسرائیل کو نجات اور قوم فرعون کو غرق کیا گیا عاشورہ کا دن تھا۔ اس نعمت کے فکر میں موسیٰ علیہ السلام کے اس روز کا روزہ رکھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو فرمایا کہ تم سے زائد موسیٰ کا حقدار میں ہوں۔ خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ فرعون سے نجات دینا تو نعمت تھا ہی لیکن دریا کو ان کے گزرنے کے لیے راستہ بنا دینا ایک مستقل انعام تھا اس لیے نلق بحر کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

وَإِذْ قَاخَذْنَا مُوسَىٰ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً سَخَّرَ لَكُمْ الْعِجْلَ
مِنْ بَعْدِهِ ذَآئِلُ السَّعْيِ طَلْعُ الْوَقْتِ. فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے تورات عطا فرمائے کا وعدہ فرمایا اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر چالیس شب کا اعتکاف فرمائیں۔ موسیٰ علیہ السلام تو کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ سامری جو کہ منافق تھا اس نے بعد میں گویا سالہ پرستی کا فتنہ کھڑا کر دیا جس کا مفصل نقشہ آئندہ آئے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل اور تم مجھ سے اس انعام کو یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ تیس راتیں ذی قعدہ کی اور دس راتیں ذی الحجہ کی ہدایت کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ رات کی عبادت میں مجاہدہ زیادہ ہے

إِنَّ كَاشِفَةَ الْغَمِّ الْبَلَدُ
أَشَدُّ وَطْأً وَآفَوْهُ
قِيلًا

تحقیق رات کا اٹھنا نفس کے روندنے
اور پا مال کرنے اور بات کے سیدھا
نکلنے میں شدید موثر ہے۔

بیز سار دنیا کی طرف حق جل جلالہ کا نزول اجمال شب ہی میں ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے اور رحمتیں اور برکتیں بھی اکثر رات ہی میں نازل ہوتی ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ هُبَّاءِ ذَکْوٰی۔ ہم نے قرآن کو مبارک رات میں اتارا۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ علاوہ ازیں قرب الہی کے حاصل کرنے کے لیے رات سے بہتر کوئی وقت نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَنِسَةَ رَضِيَ عَنْهُ
عَمْرُو بْنُ عَنِسَةَ رَضِيَ عَنْهُ

اللہ تعالیٰ عنہ نہ
سمع النہی صلی اللہ
علیہ وسلم یقول
اقرب ما یكون الرب
من العبد فی جوف اللیل
الاخر فان استطعت
ان تكون ممن یدکر
اللہ فی تلك الساعة فکن
رواه الترمذی و اللفظ له
و ابن خزيمة فی صحیحہ وقال
الترمذی حدیث حسن صحیح غریب۔

کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حق جل شانہ بندہ
کے ساتھ سب سے زائد قریب اور
نزدیک وسط شب میں ہوتے ہیں پس
اگر تم سے یہ ممکن ہو کہ تو اس وقت
میں اللہ کے ذکر کرنے والوں میں سے ہو
تو ضرور ہو جا۔ اس حدیث کو ترمذی نے
روایت کیا اور یہ لفظ ترمذی کی روایت
کے ہیں اور ابن خزيمة نے بھی اپنی صحیح میں
اسکو روایت کیا ہے۔ و امام ترمذی فرماتے
ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح اور غریب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کو قیام لیل کا حکم ہوا۔ یَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ
فَإِنَّ اللَّيْلَ أَوَّلُ رَاتٍ فِيهَا تَجِدُ كَاحْكُمْ هَوَاءَ وَمِنْ اللَّيْلِ فَتَهْجُوهُمْ نَافِلَةٌ لَكَ اور
رات ہی میں آپ کو آسمان کی سیرگرافی تھی۔ سُبْحَنَ الَّذِي فِي أَسْرَى يَعْبُدُ لَكَ لَيْلًا الْآيَةُ۔
عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر کرتے تو رات کو چلتے اور دن کو ٹھہرتے اس لیے کہ رات میں راستہ
جلد طبع ہوتا ہے اسی طرح یہاں اللہ کیلئے رات کو خاص کیا گیا تاکہ ہر سالک جلد منزل مقصود پر پہنچ جائے رہا یہ کہ چالیس کا عدد کیوں خاص
کیا گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اعداد کے مختلف مرتبے میں آحاد (اکائیاں) عشرات (دہائیاں) مائت (سینکڑے) اُلوف (ہزار) جن
میں سے دس کا عدد فی حد ذاتہ فی نفسہ کامل اور مکمل ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔
تِلْكَ حَشَّةٌ كَامِلَةٌ (یہ دس کامل ہیں) پس جس چیز کی خاص طور پر تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس
عدد یعنی دس کو چار گنا کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم کی مٹی کا خمیر چالیس دن تک کیا گیا اور حدیث
میں ہے کہ بطن مادر میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ (خون بستہ) پھر
چالیس روز تک مضغہ یعنی پارہ گوشت اس کے بعد روح پھونکی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد کو
عروج اور ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے پس جس طرح جسمانی عروج اور ترقی کے لیے چالیس کا
عدد منتخب ہوا اسی طرح حق جل شانہ نے اپنی اس قدیم سنت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے باطنی اور روحانی عروج اور ترقی کے لیے چالیس کا عدد خاص فرمایا۔ سُنَّةُ اللَّهِ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وروی عن ابن عباس ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلمہ قال من اخلص بقلبه
اربعين يوما ظهرت ينابيع
الحكمة من قلبه على لسانه
ذکرہ رزق العبدی
(ترغیب و ترہیب ص ۲۵ ج ۱)

بہنی اندر خود علوم اولیاء
اور اسی طرح نبوت و رسالت پیغمبری اور بعثت کے لیے چالیس کا عدد خاص کیا گیا۔ علاوہ ازیں
اصل عمر انسان کی چالیس سال ہے اس کے بعد انحطاط اور زوال ہے جیسا کہ حقیقتاً اِذَا بَلَغَ
اَشُدُّكَ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً (سورۃ احقاف) سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرات اہل اللہ (حتیٰ نا اللہ تعالیٰ فی دمر قہم و اماننا علی
حبہم و سیر قہم امین) نے مجاہدہ اور ریاضت خلوت اور عزلت کے لیے چارہ تجویز
فرمایا۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غنیمت رہے در سر زمینے ہمی گفت ایں معما با قرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے
الحاصل۔ چھ مہینے سے تو ریت دینے کے لیے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے مہینے کے

جانے کے بعد ہی کہ جن کی ساری عمر ہی مدعی الوہیت کے مقابلہ اور غیر اللہ کی عبادت اور پرستش سے
رکنے میں صرف ہوئی ان کے جاتے ہی تم نے عجلت اور جلد بازی میں ایک عجل اگوسالہ اور سچھڑا بنا کر
کھڑا کر لیا اور لوگوں سے یہ کہا کہ دیکھو تمہارا خدا یہ ہے جو اس گوسالہ کی صورت میں ظاہر اور نمودار ہوا
ہے اور جو تمہارے پاس ہے اور موسیٰ خدا کو کوہ طور پر ڈھونڈتا پھرتا ہے جیسا کہ آج کل ہندوؤں
کا عقیدہ ہے کہ خدا کسی جسم میں حلول کر سکتا ہے اصطلاح متکلمین میں اس فرقہ کا نام فرقہ حلولیہ
ہے سامری نے لوگوں کو یہی سمجھایا کہ تمہارے پروردگار نے اس گوسالہ کی صورت میں ظہور کیا ہے
غرض یہ کہ سامری نے گوسالہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ اول تو گوسالہ بنانا ہی بُرا تھا اس لیے کہ ذی روح کی
تصویر بنانا قطعاً حرام ہے پھر یہ کہ گوسالہ بنا کر کیا کیا وہ زبان پر لاسنے کی چیز نہیں۔ اندیشہ ہے
کہ کہیں زمین اور آسمان نہ پھٹ جائیں اور تم بڑے ہی ظالم تھے۔ کہ خدا نے غر و جل کو چھوڑ کر
ایسے جانور کو جو حماقت میں ضرب المثل ہے اس کی محض ایک تصویر کو اپنا خدا بنالیا۔ بیل حماقت میں
ضرب المثل ہے اور بیل کا بچہ تو بیل سے بھی کم ہے اس لیے کہ وہ بے شعوری اور بے عقلی میں اس سے
بڑھا ہوا ہے۔ کیا یہ نہ تاقی ظلم نہیں۔ ذرا تم اپنے عدل اور انصاف فہم اور فراست کا کچھ نو اندازہ
رکناؤ کیا ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز بھی خدا اور وجود ہو سکتی ہے۔

نیز تم نے یہ نہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب تمکو فرعون کی عبادت سے روکتے تھے حالانکہ وہ کسی درجہ میں نفع و ضرر پر بھی قدرت رکھتا تھا تو اس بے عقل اور بے جان حیوان کی عبادت کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں۔ آخر فرعون بیل کے بچہ سے تو بہتر ہی تھا، اس عمل شنیع کا مقصد تو یہ تھا کہ تم کو فرعون ہلاک کر دیا جاتا مگر ہم نے اپنی کمال رحمت اور غایت لافیت سے درگزر کیا جیسا کہ آئندہ آیت میں فرماتے ہیں۔

شَهِدَ عَفْوَ نَا عَنْكُمْ قَتْلَہُمْ ۚ بَعْدَ ذٰلِکَ لَعَنَکُمْ لَعْنَةُ الْکَافِرِیْنَ
العام پنجم | پھر ہم نے اس جرم عظیم کے بعد بھی تم کو معاف کیا تاکہ تم احسان مانو کہ ہم نے اپنے فضل اور رحمت سے تم کو معاف کیا آل فرعون کی طرح ہلاک نہ کیا، ورنہ یہ جرم قابل عفو نہ تھا عفو سے اس جگہ مراد ترک نہ اخذ ہے کہ تمکو اس جرم کے بعد نیست و نابود کر کے نہیں چھوڑا۔

بارگاہِ خداوندی میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار تیرے بے شمار نعمتیں مجھ کو عطا فرمائیں اور ان پر شکریہ کا حکم دیا تیری نعمتوں کا شکر خود ایک عظیم الشان نعمت ہے پھر کس طرح شکریہ کروں۔ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ بندہ کا یہ سمجھ لینا کہ جو نعمت بھی ہے وہ میری ہی طرف سے ہے یہی بس اس کے لیے کافی ہے۔ (خازن)

وَ اِذْ اٰتٰیْنَا مُوسٰی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقٰنَ ۚ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ
العام ششم |

ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت دی جو احکام الہی کی جامع تھی اور جو حق اور باطل روا اور نہ روا میں فرق کرنے والی تھی۔ شاید کہ تم راہ راست پاؤ۔ علامہ زرخشری کے نزدیک اس جگہ الکتاب اور الفرقان دونوں سے توریت ہی مراد ہے۔ اور یہ دونوں توریت کی صفتیں ہیں اور بعض مفسرین کے نزدیک کتاب سے توریت مراد ہے اور الفرقان سے معجزات مراد ہیں کہ جن سے حق اور باطل کا فرق واضح اور نمایاں ہوتا ہے جب بنی اسرائیل نے سامری کے اغوار سے گوسالہ کی پریش شروع کر دی تو بنی اسرائیل میں یمن گروہ ہو گئے۔ ایک حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے متبعین کا کہ خود بھی اس سے علیحدہ رہے اور دوسروں کو بھی منع کیا۔ دوسرا فریق سامری اور اسکے متبعین کا اور تیسرا فریق ساکتین کا کہ نہ خود گوسالہ پرستی کی اور نہ دوسروں کو منع کیا۔ پہلے فریق کو توبہ کی حاجت نہ تھی دوسرے اور تیسرے فریق کو توبہ کا اس صورت سے حکم ہوا کہ تیسرا فریق یعنی ساکتین دوسرے فریق یعنی سامری اور اس کے متبعین اور مرتدین کو قتل کریں تاکہ مقتول ہونے سے مرتدین کی توبہ ہو جائے اور قتل

لے اشارۃ الی ان اصل الکتاب هو الجمع وھی الکتاب کتاب الکوثر جامع للعلوم والقواعد واللہ اعلم۔ ۱۲۰

تکمیل اور تہتم کے لیے یہ ضروری ہے کہ قاتل اپنے کو اولیاء مقتول کے سپرد کرے کہ چاہیں قتل کریں اور چاہیں معاف کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ مرتدین کی توبہ پر عمل ہوگی کہ جب وہ اپنے کو قتل کے لیے سپرد کر دیں (تفسیر کبیر) یہی تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر اور نافع ہے تمہارے خالق کے نزدیک۔ جب تم نے اللہ کے حکم کی دل و جان سے تعمیل کی تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری توبہ قبول کی۔ اگرچہ تمہارا جرم فرعون سے بھی زیادہ سخت تھا اس لیے کہ وہ ابتداء ہی سے کافر تھا اور تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اور مرتد ہوئے۔ دین الہی کی بے حرمتی اور ابروریزی کی۔ سے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمائے والا ہے اور بڑا ہی مہربان ہے کہ ایک گھڑی کی تکلیف برداشت کر لینے پر ہمیشہ کی عزت اور کرامت عطا فرماتا ہے۔ وہ حیاتِ حسی حقیقت لہو و لعب سے زائد نہیں ایسی حیات لیکر حیاتِ سرمدی اور ابدی سے سرفراز فرماتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جہاں دید
آنچه در و نہشت نیاید آن دید
واقعہ قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے باذن الہی ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لیجانے کے لیے منتخب فرمایا تاکہ گورالہ پرستی کی معذرت کریں۔ سب نے روزہ رکھا اور غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے جب کوہ طور پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیجئے کہ ہم اپنا کلام پاک سنائے۔ تھوڑی دیر میں ایک نورانی ابر ظاہر ہوا موسیٰ علیہ السلام اس میں غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل نیچے کھڑے رہے۔ سب نے اللہ کا کلام سنا۔ جب کلام الہی ختم ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ابر سے برآمد ہوئے اور دریافت کیا کہ تم نے کلام الہی سنا تو اس پر یہ کہا ہم تو کلام الہی ہونے کا اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک علانیہ طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں۔ آئندہ آیت میں اسی فقرہ کی طرف اشارہ ہے۔

انعام، شتم

وَ إِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصَّيْقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔ اور یاد

کرنا اے بنی اسرائیل اس وقت کو کہ جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم محض تمہارے کہنے سے اسکا ہرگز یقین نہ کریں گے کہ ہم نے جو کچھ سنا وہ اللہ جل جلالہ ہی کا کلام ہے ممکن ہے کہ پس پردہ کوئی اور کلام کرتا ہو جب تک کہ ہم خود اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں اس طرح کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ ہو پس آپ کو اس گستاخی پر بجلی سے درمدم اس بجلی کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے بنی اسرائیل اس موقع پر درودِ جہ سے غضب الہی کے مورد بنے۔ اول تو اس کہنے کی وجہ سے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے اور محض تمہارے بھروسہ و اعتماد پر اسکا کلام الہی ہونا تسلیم نہ کریں گے۔ یہی ایک گستاخی نزولِ عذاب کے لیے کافی تھی اس لیے کہ اللہ کے نبی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور جن ظن کے بجائے اس سے مدظن اور بدگمان ہونا یہ کچھ معمولی

گستاخی نہیں بنی پر اعتماد نہ کرنا صریح کفر ہے۔ نبی ہی کے اعتماد پر اللہ کی باتوں کو ماننا ایمان سے اور جو شخص نبی پر اعتماد نہیں کرتا آخر وہ یہ تو سوچے کہ نبی کے بعد پھر کس پر وہ اعتماد کرے گا۔ دوم یہ کہ گستاخانہ اور بے باکانہ طور پر یہ کہہ دینا کہ حَتَّىٰ ذَرٰی اللّٰہِ جَہَنَّمَ کہ ہم موسیٰ کی تصدیق جب کریں گے کہ جب اللہ کو علاوہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں ہاں اگر ادب کے ساتھ یہ کہتے کہ اسے موسیٰ کہ ہم دیدار الہی کے مشتاق اور آرزو مند ہیں تو مورد غضب نہ بنتے اسکا جواب تو یہ ہوتا کہ تم بھی اس نعمت کے قابل نہیں آخرت میں جب آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہو جاؤ گے تب دیکھو گے غرض یہ کہ اس گستاخانہ اور بے باکانہ سوال کی وجہ سے عذاب الہی نے اُٹھیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا رِبِّیْ اَوْفِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہہ کر دیدار الہی کا سوال کرنا سوا دل تو وہ سوال تھا یعنی عاجزانہ اور مؤدبانہ ایک استدعا اور درخواست تھی سب اب نہ تھا دوم یہ کہ وہ ایک والہانہ اور عاشقانہ استدعا نہ تھی جو سراسر محبت اور اشتیاق پر مبنی تھی۔ حاشا بنی اسرائیل کی طرح لغت اور عناد اسکا نشانہ تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر جس کا مفصل قصہ سورۃ اعراف میں آئیگا ہم نے تمکو زندہ کیا تمہارے مر جانے کے بعد یعنی حقیقتہً تم مر چکے تھے غشی اور سکتہ کی حالت نہ تھی اور نہ کوئی خواب تھا حقیقتہً مرنے کے بعد ہم نے تم کو اپنی رحمت سے دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ حق جل شانہ نے اپنی رحمت سے ہمارا قصور معاف فرمایا اور اپنی عبادت اور بندگی تو بہ اور استغفار انا بہت اور اعتذار کے لیے اور ہمت عطا فرمائی اور بعث بعد الموت کا نمونہ آنکھوں سے دکھلادیا تاکہ بعث بعد الموت کے بارہ میں تمکو ذرہ برابر شبہ نہ رہے اور تم اس ایمان شہودی کا شکر ادا کرو۔ ایمان استدلالی میں تزلزل آسکتا ہے مگر ایمان شہودی میں تزلزل ممکن نہیں گویا کہ قیامت تم کو آنکھوں سے دکھلادی گئی۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ الْغَمَامَ وَانْزَلْنَا عَلَیْکُمْ الْمَنَّٰی وَالتَّلٰوِیۡۃَ

الغمام ہم

اور بالآخر یہ کہہ دیا کہ اسے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر جہاد اور قتال کر لو ہم تو نہیں بیٹھے ہیں اس جرم میں چالیس سال تک ایک میدان میں حیران و پریشان پھرنے کی سزا ملی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک سفید ابر سایہ کے لیے بھیجا تاکہ دھوپ کی تکلیف نہ ہو اور کھانے کے لیے من و ملوی نازل فرمایا اور ایک نور کا ستون عطا فرمایا جو اندھیری راتوں میں چاند کا کام دیتا تھا آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور اسے بنی اسرائیل سایہ کیاد دی تیرہ میں ہم نے تم پر ابر کا۔ قناہ سے منقول ہے کہ غمام اس ابر کو کہتے ہیں جو سفید ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ ابر نہایت ٹھنڈا اور پاکیزہ تھا ویسا ابر نہ تھا جو لوگوں میں معروف ہے بلکہ وہ اس قسم کا ابر تھا کہ جس میں بدر کے دن فرشتے نازل ہوئے اور جس میں قیامت کے دن ملائکہ اور حق جل شانہ نازل اجل فرمائیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاتِیَہُمْ اللّٰہُ وَ

ظَلَمَ مِنَ الْعَمَاهِ وَالْعَلَاثِكَةِ۔ ابرہہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو بخاریا دغان وغیرہ کے اتحاد سے ظاہر ہو دوسرا وہ جو عالم غیب اور عالم مثال سے بدوں کسی سبب ظاہری کے ظہور میں آئے لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ ابرہہ دوسری قسم کا تھا اور اسی طرح قیامت کے دن جو ابرہہ ظاہر ہو گا وہ بھی اسی قسم کا ہو گا۔ اور اتارا ہم سے وادی تیرہ میں خزائن غیب سے تم پر من سلویٰ۔ من ایک شیریں چیز تھی۔ دھینے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستی صبح کو ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق جن لیتا اور سلویٰ ایک پرند کا نام ہے جسکو بٹیر کہتے ہیں یا اور کوئی پرند ہے جو مشابہ بٹیر کے ہوتا ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہو جاتے اندھیر ہونے کے بعد بکڑ ملائے اور کباب بنا کر کھاتے۔ رات تک اسی طرح کرتے رہے۔

ف | اطباء نے من یعنی ترنجبین کے بہت فوائد بیان کیے ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ اسکو باریک پس کر سونگھا جائے تو مایغولیا اور وہم اور وساوس اور دماغی ریاخ فاسدہ کے لیے بہت مفید پڑتا ہے عجب نہیں کہ بنی اسرائیل کے دماغوں کے تنقیہ کے لیے من تجویز کی گئی ہوتا کہ ان کے دماغ اس قسم کے وساوس اور شبہات سے پاک ہو جائیں اور بٹیر کا گوشت دل کو نرم کرتا ہے یہ ان کی قسوت قلبی دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا ہو واللہ اعلم كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا ذَرَفْنَا كُفُوًا وَ مَا ظَلَمُونَا وَ لَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ اور کہا ہم نے ان سے کہ کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمکو دیں یعنی یہ چیزیں محض تمہارے کھانے کے لیے اتاری ہیں ذخیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور باوجود اسکے کہ خدا کی رافت و رحمت کا کرشمہ روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے پھر بھی خدا پر بھروسہ اور اعتماد نہ کیا۔ انجام یہ ہوا کہ جو ذخیرہ رکھتے وہ مٹ جاتا۔ اللہ فرماتے ہیں۔ اور ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں کیا۔ بلکہ اپنا ہی نقصان کر کے تھے کہ ایسا لائق کھویا جس میں نہ دنیا کی مشقت تھی اور نہ آخرت کا حساب تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی فضیلت دوسرے حضرات انبیاء کے صحابہ پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ صحابہ نے دھوپ اور گرمی میں غزوات اور سرایا کے لیے سفر کیے مگر کبھی اس قسم کے خوارق کے خواہشمند نہ ہوئے کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم پر من و سلویٰ نازل کیا جائے۔ اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے ابرہہ پیدا جائے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر دعا فرماتے تو ضرور ایسا ہو جاتا۔

وَ اِذْ قُلْنَا اِذْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ الْاَيَّدِ حَافِظًا بِنِ كَثِيرٍ فَمَاتَ

العام دہم

اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل چالیس سال کے بعد میدان تیرہ سے یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں نکلے۔ جمعہ کی شام کو بیت المقدس فتح ہوا اور کچھ دیر کے لیے سورج روکا گیا یہاں تک کہ یوشع بن نون علیہ السلام کو فتح حاصل ہوئی۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ تم اس شہر کے دروازہ میں سجدہ شکر کرتے ہوئے

اور زبان سے استغفار اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے داخل ہو جیسے حق جل جلالہ نے اپنے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ
كَانَ تَوَّابًا۔

جب اللہ کی نصرت اور فتح آپؐ پر آئی اور آپؐ نے لوگوں کو دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہوتا ہوا دیکھ لیا تو اسکے شکر میں اللہ کی تسبیح اور تحمید اور استغفار کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ فرماتے والا ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ مکرمہ کے لیے تشریف فرما ہوئے تو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے وقت خشوع اور خضوع تواضع اور تذلل کے آثار آپؐ سے ظاہر اور نمایاں ہو رہے تھے۔ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور فتح ہو جانے کے بعد غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی بعض علماء کے نزدیک یہ نماز صلوٰۃ الفضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صلوٰۃ الفتح تھی یعنی فتح مکہ کے شکر کی نماز تھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایوان کربئی میں فاتحانہ داخل ہوئے تو محل میں پہنچ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہا ہم نے کہ داخل ہو اس خبر میں پس کھاتے پھر اس میں جہاں چاہو وسعت اور فراغت کے ساتھ اور داخل ہوا اسکے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے یہ شکر بدی ہوا اور بخشش بخشش کہتے ہوئے۔ یعنی توبہ اور استغفار کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہوئے داخل ہو یہ شکر لسانی ہوا اور ان دونوں عملوں کی روح ندامت قلبی ہے پس اگر ایسا کر دے گے تو ہم تمہاری تمام خطاؤں کو بخش دیں گے اور اخلاص کے ساتھ نیکی کر نیوالوں کے اجر میں بقدر اسکے اخلاص کے اور اضافہ کریں گے پس بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس طریقہ کے کہ جو ان سے کہی گئی تھی۔ بجائے سجدہ کے سرین کے بل داخل ہوئے اور حطہ کے بجائے حبشہ فی شعیۃ (گیہوں کا دانہ جو کے دانہ میں) ایک جمل لفظ بطور تمسخر کے کہنے لگے۔ پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا تھا ایک عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔ یعنی اس درجہ بے باک تھے کہ بجائے اسکے کہ نعمت کا شکر کرتے بے ادبی کی اور توبہ اور استغفار کی جگہ تمسخر اپن اور ہنسی کا طریقہ اختیار کیا اس لیے عذاب دیتے گئے اور بجاتے علیہم کے علی الذین ظلموا۔ کہنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ عذاب تمام بنی اسرائیل پر نازل نہیں کیا گیا۔ بلکہ خاص ان لوگوں پر نازل کیا گیا جنہوں نے حکم عدولی کی اور اللہ کے حکم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں رحز سے مراد طاعون ہے۔ اور سعد بن مالک اور اسامہ بن زیدؓ اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون رجز یعنی عذاب ہے جس سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا (رواہ النسائی) کہا جاتا ہے

کہ اس طاعون سے ایک ساعت میں ستر ہزار آدمی مرے۔

وَاِذْ اسْتَسْقٰی مُوسٰی لِقَوِّ رَبِّهِ - الْاٰیۃ

تتمہ العام دہم

(رابطہ) گذشتہ آیات میں آسمانی خوراک یعنی من وسلوی کا ذکر تھا اب ان آیات میں غیبی پانی اور غیبی چشموں کا ذکر فرماتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے ظاہر ہوئے کھانے کے بعد پانی درکار ہوتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ جس طرح کھانا بطور خرق عادت عطا فرمایا اسی طرح پانی بھی بطور خرق عادت عطا فرمایا تاکہ خداوند ذوالجلال کی قدرت اور کلیم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اعجاز نبوت و رسالت ظاہر ہو کہ قلوب کے لیے موجب سکینت و طمانینت ہو اور اس غیبی طعام و شراب کے استعمال سے قلب کی حالت درست ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام کے استسقا کی دعا کی اور خاص اپنی قوم کے لیے خدا سے پانی مانگا۔ یہ قصہ بھی میدان تیرہ کلمے۔ جب بنی اسرائیل پیاسے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا مانگی۔ پس کہا ہم نے مارا اے موسیٰ اپنے عصا سے پتھر کو پس مارتے ہی فوراً ہی خوب رواں ہو گئے اور خوب بہ نکلے موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندان کے مطابق بارہ چشمے۔ تحقیق خوب جان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ اس آیت میں حق جل شانہ نے فَاَنْفَجَرْتُ فَرَمَیْا جِسْ کے معنی خوب رواں ہو جانے کے ہیں اور سورہ اعراف میں فَاَنْفَجَسْتُ فَرَمَیْا جِسْ کے معنی رسنے اور تھوڑا تھوڑا پانی نکلنے کے ہیں عطا فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس پتھر پر بارہ مرتبہ عصا مارتے جس سے ہر جگہ پر عورت کے پستان کے مثل ایک شئی ظاہر ہوتی پھر اس سے پانی رسنا شروع ہوتا اسکے بعد وہ رواں ہوتا اور خوب بہتا۔ (معالم التنزیل) امام رازی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سب ضرورت زیادہ ہوتی ہو اس وقت زیادہ بہتا ہو اور جب ضرورت کم ہوتی ہو تب تھوڑا بہتا ہو۔ اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا متعدد اعتبارات سے معجزہ تھا۔ اول تو پانی کا پتھر سے نکلنا۔ دوسرے یہ کہ ایک چھوٹے سے پتھر سے اس قدر کثیر پانی نکلنا۔ تیسرے یہ کہ پانی کا بقدر حاجت نکلنا۔ چوتھے یہ کہ محض عصا کے مارنے سے پانی کا بہ پڑنا۔ پانچویں یہ کہ ضرورت پوری ہو جانے پر پانی کا بند ہو جانا۔ ان اعتبارات سے یہ واقعہ قدرت الہیہ کا ایک خاص نشان اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور اسکے علاوہ بنی اسرائیل کے لیے ایک عظیم الشان نعمت تھی کہ جس کے بغیر حیات اور زندگی کا بقا ناممکن ہے وہ بغیر کسی مشقت کے عطا فرمائی۔

ف | موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا استسقا خاص اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے صرف پتھر سے پانی جاری کیا گیا۔ بخلاف بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام کے کہ انہوں نے خاص اپنی اپنی قوم کے لیے استسقا کی دعا نہیں کی بلکہ تمام جہان کے لیے پانی مانگا اس لیے آسمان سے پانی برسایا گیا اور اس باران رحمت سے مؤمن اور کافر دو سمت اور دھن سب ہی منتفع ہوئے۔

ف موسیٰ علیہ السلام کا استسقا رکے لیے فقط دعا پر اکتفا فرمانا مسئلہ استسقا میں امام اعظم ترمذی اللہ سرہ کے مسلک کی تائید کرتا ہے کہ استسقا رکے لیے خاص نماز ضروری اور لازم نہیں فقط دعا پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ نماز استسقا سنت ہے واجب نہیں۔

اور کہا ہم سے بنی اسرائیل سے کھاؤ اور یوتم اللہ کے خاص رزق سے جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے توسط کے تم کو عطا فرمایا ہے اور دل و جان سے اللہ کا شکر کرو اور اللہ کا رزق کھا کر اس کی معصیت اور نافرمانی پر دلیر مت بنو۔ اور زمین میں فساد مچاتے اور پھیلاتے نہ پھرو یعنی زمین پر اللہ کی معصیت نہ کرو۔

ف اَلَا تَقْتُلُوا عَتَّىٰ مِمَّنْ سَمَّيْتُمْ مِمَّنْ قَدْ خَلَّٰ مِنْكُمْ دَنَاقًا فَذَرْهُمْ لَا يَكْفُرُ الْاِنْسَانُ لِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَكَانَ لِقَاءُ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرًا
اور فساد تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اسکو پھیلاؤ۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم نہ ٹھہریں گے ایک

طَعَامٍ وَّ اَحَدٍ فَاَدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثَبِّتُ

کھانے پر سو پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ نکال دے ہم کو جو اگتا ہے

اَلْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا

زمین سے زمین کا ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور

وَبَصِلِهَا قَالِ اتَّسَبَّدَ لَوْنُ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ

پیاز بولا کیا تم یا چاہتے ہو ایک چیز جو ادنیٰ ہے بدلے

هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَاَوْ

ایک چیز کے جو بہتر ہے اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گا جو مانگتے ہو اور

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَ وُیُغَضَبُ

ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور کما لائے غصہ

مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

اللہ کا یہ اس پر کہ وہ تھے نہ مانتے حکم اللہ کے

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

اور خون کرتے نبیوں کا ناحق یہ اس سے کہ بے حکم

وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

تھے اور وعدہ پر نہ رہتے تھے۔

ذکر شائع بنی اسرائیل بیان نعمت ایشان بانبیاء ربّ جلیل

شاعت اول کفران نعمت بنا بر ذنابت و خاسست

قال تعالى وَ اِنْ قُلْتُمْ يَمُنُّوْنَ كُنْ تَصْدِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّ اَحَدٍ ... اِلٰی ... ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُوْنَ ۝

(رابط) یہاں تک حق تعالیٰ شانہ نے اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا آئندہ بنی اسرائیل کی شرارتوں اور عادات شیعہ اور انبیاء اللہ کے ساتھ انکے تعنت اور عناد کو بیان فرمانے کہ جس قدر ہماری طرف سے ان پر نعمتیں برستی ہیں اسی قدر انکے قرد اور سرکشی میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر اس سلسلہ میں سب سے پہلی شاعت جو ذکر فرمائی تو وہ کفران نعمت اور انکی طبعی ذنابت اور خست کی ذکر فرمائی کہ جو نفیس کو نفیس پر ترجیح دینے کا باعث بنی اس لیے اب انعامات کے بعد ان کی شناختوں اور شرارتوں اور عقوبتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ گزشتہ انعامات کو یاد کر کے اللہ کی محبت اور اسکی اطاعت کی رغبت پیدا ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کمال بے ادبی سے موسیٰ علیہ السلام کا نام لیکر پکارا اور تم نے یہ کہا اے موسیٰ مقتضائے ادب یہ تھا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ اور یا کلیم اللہ کہہ کر ان سے عرض و معروض کرتے۔ دوسری گستاخی تم نے یہ کی کہ یہ کہا کہ ہم مرگز صبر نہ کریں گے یہ کلام بھی تمہاری اندرونی خباثت اور باطنی شرارت کی خبر دے رہا ہے کہ صبر اور تحمل کر تو سکتے تھے مگر قصداً مرگز ایسا نہیں کریں گے ورنہ اگر حقیقتہً صبر کی طاقت ہی نہ تھی تو یہ کہنا تھا۔ لَنْ نَسْتَطِيعَ الصَّبْرَ یعنی ہم میں صبر کی طاقت نہیں بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ بصد شکر اللہ کی نعمت کو قبول کرتے اور پھر بصد دب رب العزّة سے یہ درخواست کرتے۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ۱) سے اللہ ہم تیرے عاجز اور ناتواں بندے ہیں ہم کو صبر اور تحمل

عطار فرما۔

غرض یہ کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کا نام لیکر یہ کہا کہ ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے اس لیے آپ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعائیں بھیجئے کہ نکالے ہمارے واسطے ان چیزوں میں سے کو جن کو زمین اگاتی ہے ساگ اور گلڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا کہ آپ اپنے رب سے دعائیں بھیجئے اس کلام سے بیگانگی کی تو آتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے تو رب ہیں مگر انکے رب نہیں ہیں اس طرح کیوں نہ کہا فَادْعُ لَنَا رَبَّنَا اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے ہمارے رب سے دعائیں بھیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ادنیٰ چیز کو بہتر اور عمدہ شے کے بدلہ میں لینا چاہتے ہو اتنا نہیں سمجھتے کہ مسور اور وہ پیاز جس کی بدبو سے ملائکہ اللہ کو نفرت ہے اور پیاز کھانے والے کو بیوست اللہ کے پاس آنے کی بھی ممانعت ہے۔ بھلا ایسی چیزوں کو من اور سلویٰ سے کیا نسبت۔ پھر یہ کہ من و سلویٰ براہ راست خدا کے عز و جل کا آسمان سے اتارا ہوا رزق ہے۔ دنیا میں کمانے کی محنت اور مشقت نہیں اور آخرت میں اس پر کوئی حساب نہیں بخیر اگر تم اپنی قسمت جتنی اور طبعی دنارت سے اس بہترین رزق کے بدلہ میں ایک ادنیٰ اور معمولی ہی چیز لینا چاہتے ہو تو کسی شہر میں جا کر اتر و پس تمہارے لیے ہوگا جو تم مانگتے ہو۔ سبزی منڈی میں مسور اور پیاز وغیرہ بغیر حاجت دعا کے تم کو مل جائیں گی اور میرے لیے یہ لائق نہیں کہ بارگاہ خداوندی میں ایسی چیز مل کی درخواست کروں جو پستی اور کم جتنی پر دلالت کرے۔

ف | مہبوط غلت میں بلندی سے پستی کی طرف آنے کو کہتے ہیں۔ انسان جب تک سفر میں رہتا ہے تو علی العموم سواری پر سوار رہتا ہے جب شہر میں پہنچتا ہے تو سواری سے اتر کر قیام کرتا ہے اس لیے سفر سے شہر میں واپس آنے کو مہبوط و نزول اور فروکش ہونے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس لفظ میں ان کے معنوی مہبوط کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بلند حالت سے پست حالت کی طرف نزول کیا اور اعلیٰ رزق سے ادنیٰ رزق کی طرف تنزل اختیار کیا۔ وَصُرْتُ عَلَيْهٗمُ الذَّلٰلَةَ وَ الْمَسْكَنَةَ مَوْبَاۡتًا یَغْضَبُ فِیْہِ اللّٰہُ و ینصیبُ فِیْہِ طَرَحَ ذَلٰتٍ اور سوائے چار کے اور بے نوائے ال پر لگادی گئی غیمہ کی طرح ذلت اور بے نوائے نے انکو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ یا اس طرح کہنے کی ذلت اور مسکنت کی بہر ان پر لگادی گئی کہ اب وہ کسی طرح ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتی جیہود جہاں بھی ہیں وہاں دوروں کے محکوم اور باج گزار ہی ہیں۔ یہ تو ذلت ہوئی کہ دوسروں کی نظر میں ذلیل ہونے اور مسکنت یہ کہ خود ان کی طبیعت میں دنارت اور پستی پیدا ہو گئی۔ سرکاری محاصل کے خوف سے ہمیشہ اپنے کو مسکین اور فقیر ظاہر کرتے ہیں ہمیشہ اپنے مال کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس ذلت اور مسکنت سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ کے غضب کو کما یا جسکو کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ ذٰلِکَ بِاَنھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّسِیْمِیْنَ بِعَصْرِ الْحَقِّ۔ یہ ذلت اور مسکنت اور

خدا کا غضب اس لیے ہوا کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے یعنی خود بھی ان کے قتل کو ناحق سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک بھی حضرات انبیاء کے قتل کی کوئی وجہ نہ تھی محض عناد اور سرکشی اسکا باعث ہوئی۔ انبیاء اللہ کا قتل ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے ان کے جرم کی شدت بتلانے کے لیے بطور تاکید بغیر الحق کا لفظ ذکر کیا گیا جیسا کہ ریت الحکھ بالحق (اسے پروردگار حق کے مطابق حکم دیجیئے) اس آیت میں بالحق کا لفظ محض تاکید کے لیے ہے یہ مقصد نہیں کہ سعادۃ اللہ کے حکم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق اور ایک ناحق۔ اس لیے کہ حق تلے شانہ کا حکم ہمیشہ حق پر ہوتا ہے اسی طرح انبیاء اللہ کا قتل بھی ہمیشہ ناحق ہوتا ہے، یہو د بے بہبود کے جرم کی شدت بیان کرنے کے لیے بغیر الحق کا لفظ محض تاکید کے لیے بڑھایا گیا ہا شاید مطلب ہرگز نہیں کہ انبیاء کا قتل کبھی حق ہوتا ہے اور کبھی ناحق۔ یا بعنوان دیگر اس طرح سمجھئے کہ بغیر الحق سے ظلم اور تعدی مرد ہے، یعنی سوائے ظلم اور تعدی اور سوائے جور و ستم اور سوائے فرد اور سرکشی کے اور کوئی امر انبیاء کے قتل کا باعث نہ تھا۔ حضرات نبیائے نے تو ان کو حق کی دعوت دی اور نصیحت کی اور فلاح دارین کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے انکا ناحق مقابلہ کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو قتل کرتے تاکہ رشد و ہدایت کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے اور فیض عام کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اسی لیے ذلت و مسکنت اور غضب الہی کے مورد بنے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زائد سخت عذاب والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا کہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ یا کسی گمراہی کا پیشوا یا تصویر بنانے والا۔ (مسند احمد)

ف عبداللہ بن عباس اور جن بصری فرماتے ہیں جن پیغمبروں کو حق جل شانہ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا انہی سے دشمنوں کے مقابلہ پر فتح و نصرت کا وعدہ کیا۔ کہا قال تعالیٰ۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَهَ الْيَوْمَ بِغَيْرِ صَدَقِ اللّٰهِ وَخُدَّةٍ وَلِصَّ عِدَّةٍ وَهَ الْيَوْمَ بِالْحِزَابِ وَحِدَةٍ کے مصداق بنے وہ کبھی دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول نہیں ہوئے اس لیے کہ حق جل شانہ کا انکو جہاد کا حکم دینا پھر انکی صیانت اور حفاظت نہ فرمانا بظاہر شان حکمت کے مناسب نہیں معلوم ہوتا ایسے حضرات ہمیشہ مظفر و منصور اور ان کے دشمن ہمیشہ خائب و خاسر ہوئے اور جن پیغمبروں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ان سے حق جل و علانے کوئی عصمت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ان میں سے جس کو چاہا جام شہادت پلایا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر و ستال سلامت کہ تو خنجر آزمائی تاکہ ان کے مدارج اور مراتب میں عزت اور جاہست میں اور قربت الہی اور رفعت شان میں

اضافہ ہوا اور ان کے دشمنوں پر ذلت اور مسکنت خواری اور رسوائی گدائی اور بیوائی کی ہر گے کدائی روح البیان و جامع الاحکام للامام القرطبی ص ۴۲۲ ج ۱۔

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا فَعَانُوا يَعْتَدُونَ۔ یہ یعنی آیات الہیہ کی تکذیب اور انبیاء اللہ کے قتل کی جرأت اور دلیری ان میں اس طرح پیدا ہوئی کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی نافرمانیاں کی اور حدود الہیہ سے تجاوز کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ معصیت اور نافرمانی دلوں میں راسخ ہو گئی اور اس نے آیات الہیہ کی تکذیب اور انبیاء اللہ کے قتل پر آمادہ کر دیا لیکن اب بھی اگر تم صمیم قلب سے ایمان لے آؤ تو توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے توبہ کر لینے سے تمہارا ہر قسم کا کفر اور پیچیدوں کے قتل کرنے کا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے اگر یہ چاہتے ہو کہ ذلت سے نکل کر عزت میں آجاؤ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کفر سے توبہ کرو اور ایمان اور عمل صالح اختیار کرو۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِلسَّوْءِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى

یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ

وَالصَّبِيَّانَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور صاحبین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھے دن پر اور

عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا

کام کیا نیک تو انکو ہے اُن کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷﴾

ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں

لہ قال ابن عباس والحسن لم يقتل قط من الانبياء او من لم يؤمن بقتال وكل من من بقتال نصي
قطهر الله لا تعارض بين قوله تعالى ويقتلون النبيين بغير الحق وقوله تعالى نال النصي بسنا
وقوله تعالى ولقد سقت كلمتنا لعبادنا المرسلين ۱۳ روح البیان ص ۱۳ ج ۱۔ جامع الاحکام القرطبی

ذلت سے نکلنے اور عزت میں داخل ہونیکا طریقہ

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا... إلخ... وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
تحقیق وہ لوگ کہ جو ایمان لائے پہلے انبیاء پر یا وہ لوگ جو بعض زبان سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ایمان کے مری بنے اور دل سے اس دین کو سچا نہیں سمجھتے اور وہ لوگ کہ جو یہودی ہوئے جن کی قباحتیں حد سے گزر چکی ہیں یہاں تک کہ جسم حیوانی میں خداوند قدوس کے حلول کے قائل ہوئے۔ اور خدا کے بعض نبیوں کو قتل کیا اور زنا اور جادو کی تہمت ان پر لگائی اور نصاریٰ جنہوں نے حضرت مسیح بن مریم کو خدا بنایا اور فرقہ صابئین بے دین لوگ جنہوں نے کواکب کی پرستش کی باوجود ان شائع اور قبايح کے اور باوجود حق سے بعید ہو جانے کے جو شخص بھی ان میں سے اخلاص کے ساتھ اللہ پر بغیر تشبہ اور بغیر تعطیل اور بغیر تشریک اور تجسیم کے اور دوزخ آخرت پر ایمان لائے اور ایک کام کرے تو اس کے لیے خدا کے یہاں ثواب اور اجر ہے، اور نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ڈر ہے یعنی اس سے نہ ڈریں کہ گزشتہ کفر نقصان اجر کا باعث ہوگا اس لیے کہ اللہ سلام بھدم ہا کا ن قبلہ۔ اسلام لانا ان تمام گنہوں کو ڈھا دیتا ہے جو اسلام لانے سے پیشتر کیے جا چکے ہیں اور نہ وہ غم کھادیں کہ افسوس ہماری تمام زندگی یوں ہی ضائع اور برباد گئی، اعمال صالحہ سے گزشتہ کی تلافی ہو جائے گی۔

خلاصہ مطلب یہ کہ کسی فرقہ کی تخصیص نہیں جو بھی ایمان لے آئے وہ عذاب الہی سے نجات پا جائے گا

تنبیہ | آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فقط اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ قرآن کریم کی صریح نصوص اس بات پر صراحت دال ہیں کہ جو شخص انبیاء اور ملائکہ کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سلسلہ ایمان میں جن جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اول سے آخر تک سب پر ایمان لائے چونکہ سلسلہ ایمان کی ابتداء اللہ سے ہوتی ہے اور انتہاء آخرت پر ہے اس لیے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی تخصیص کی گئی۔ جیسا کہ دیکھتے المَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ میں ابتداء اور انتہاء کو ذکر کر کے تمام سلسلہ مراد ہے، نیز اللہ اور یوم آخرت پر

سبح اور بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانی ایمان لائے عام اس سے کہ ایمان دل میں داخل ہو یا نہیں اس تقدیر پر اس میں منافقین بھی داخل ہوں گے اور اخیر آیت مَن آمَنَ مِنْهُمْ میں اخلاص کے ساتھ ایمان لانا مراد ہوگا لہذا ایمان کا ذکر آیت میں کر رہا ہوگا۔

ایمان لانا اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک انبیاء اور ملائکہ اور صحف سماویہ پر ایمان نہ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور آخرت کے احوال کی معرفت کا ذریعہ انبیاء اور صحف الہیہ ہی ہیں اور وحی اور صحیفہ ربانی کا نزول فرشتہ کی وساطت سے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان باللہ اور ایمان بיום الآخرت موقوف ہے ایمان بالانبیاء اور ایمان بالملکۃ اور ایمان بالکتب پر اس لیے ان تین چیزوں پر ایمان لانے کو علیحدہ بیان نہیں کیا گیا۔

ف صابئین ایک فرقہ ہے کہ جو کسی آسمانی دین اور شریعت کا قائل نہیں خدا اور بندہ کے درمیان میں روحانیات کو واسطہ قرار دیتے ہیں کہ بندہ کو جو فیض بھی حاصل ہوتا ہے وہ روحانیات کے واسطہ سے ہوتا ہے نبوت و رسالت کے سرے سے قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی کوئی حاجت نہیں تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شہرستانی نے اپنی عل و عمل میں حضار اور صابئین کا ایک منظرہ ذکر فرمایا ہے جو قابل دید ہے اس ناہنجز نے اپنے علم الکلام میں اسکا ترجمہ بھی کیا ہے جو مجدد تعالیٰ شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ صابئین کے بارہ میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے۔

(۱) قول اول مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ صابئین ایک قوم اور فرقہ ہے جسکا دین یہودیت اور مجوسیت سے مل کر بنا ہے۔

(۲) قول دوم: قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتی ہے اور سورج کی طرف منہ کر کے روزانہ پانچ نمازیں پڑھتی ہے اور قتادہ سے یہ بھی منقول ہے کہ دین پانچ ہیں جس میں سے چار تو شیطان کے لیے ہیں اور ایک دین رحمن کے لیے سو صابئین جو فرشتوں کو پوجتے ہیں ان کو مجوس جو آتش پرست ہیں اور مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان سب فرقوں کے دین شیطان کے لیے ہیں۔

(۳) قول سوم: صابئین وہ گروہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں امام رازی فرماتے ہیں کہ یہی قول اقرب الحسب الصواب ہے اور اس فرقہ کے دو عقیدے ہیں ایک تو یہ کہ خالق عالم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اُس نے حکم دیا ہے کہ ان ستاروں کی تعظیم کی جائے اور انکو نماز اور دعا کا قبضہ ٹھہرایا جائے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انفلک اور کوکب کو پیدا کیا پھر تمام عالم کے خیر و شر صحت و مرض کے مدبر یہی کوکب ہیں اور یہی ان سب چیزوں کے خالق ہیں اس لیے بشریہ انکی تعظیم و عبادت فرض ہے کیونکہ عالم کے اللہ اور معبود یہی ہیں اور یہی عالم کے مدبر ہیں۔ پھر یہ کوکب اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیدنیوں کا یہی مذہب تھا جنکے رد اور ابطال کے لیے حضرت

ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ (تفسیر کبر ص ۳۸۱ ج ۱) امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صابئین کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ مومن تھے مگر تاثیر نجوم کے قائل تھے اور کواکب کو مدبر عالم سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب خلیفہ قادر بالثر نے صابئین کے متعلق ابو سعید اصطخری سے دریافت کیا تو ابو سعید نے انکے کفر کا فتویٰ دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۵ ج ۱)

اور اہل لغت اس شخص کو صابی کہتے ہیں جو ایک دین سے خارج ہو کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہو اسی واسطے اہل عرب مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ، آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین یعنی دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اس فرقہ کو صابئین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین موسوی اور دین عیسوی سے نکل کر فرشتوں اور کواکب کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی ص ۱۹۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں صابی ایک قدیم فرقہ تھا حضرت ابراہیم کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور تھا۔ شہر بابل اور نینوی کے لوگ علیٰ یہی مذہب رکھتے تھے یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی اسکا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ جو ہر مجرب سے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح رسائی ممکن نہیں اس کی پرستش اسکے مظاہر کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب اور ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے دوم وہ جو اصنام کو رب کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے اس لیے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام کے مجسم بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اودہبت سی شاخیں ہو گئیں۔

ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدما وید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے ایک نیا رنگ بدلا اور نیا نام پیدا کیا۔ انتہی کلامہ۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا

اور جب لیا ہم نے قرار تم سے اور اونچا کیا تم پر پہاڑ پکڑو جو

مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ تَعْلَمُ

ہم نے دیا تم کو زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید تم کو

تَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ

ڈر ہو پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا فضل

اللہ علیکم ورحمۃ لکنتم من الخیرین ﴿۱۳﴾

اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم خراب ہوتے

شناخت دوم

قال تعالیٰ وَاِذْ نَاخِذْنَا مَقَاصِكُمْ..... الی..... وَرَحْمَتُهُ لَکُنْتُعَرِّفَنَّ الْخَیْرَیْنِ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے اجر کا وعدہ فرمایا اب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمت اور خوشی سے احکام خداوندی پر عمل کرنا عین اور مخلصین کا کام ہے۔ بنی اسرائیل کا حال تو یہ ہے کہ جب تک ان پر تشدد اور سختی نہ کیا جائے اس وقت تک وہ عمل نہیں کرتے۔ نیز گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے جس استبدال کا ذکر تھا وہ نافرمانی کا آغاز تھا اب ان آیات میں ان کی اس نافرمانی کا ذکر ہے جو ان سے علانیہ طور پر ظاہر ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ ہم کو کوئی کتاب عطا نہ کی جائے جس میں عبادت اور بندگی کے طریقے مذکور ہوں تو ہم ضرور اس پر عمل کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے توریت نازل فرمائی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ توریت کو قبول کریں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ بنی اسرائیل نے بعض احکام شاذہ کی وجہ سے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک پہاڑ لاکر ان کے سروں پر قہراً دم او سجا کھڑا کر دو جبریل نے حکم الہی کے مطابق پہاڑ ان کے سروں پر لاکھڑا کر دیا اور یہ کہا اگر تم توریت کو قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ (معالم التنزیل)

بنی اسرائیل فوراً سجدہ میں گر گئے اور توریت پر عمل کرنے کا اقرار کیا۔ اس آیت میں حق جل شانہ نے اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے کہ اسے بنی اسرائیل تم اس وقت کو یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا۔ اور اٹھایا تم پر کوہ طور کو تاکہ تم توریت کو قبول کرو یعنی مضبوط یکر دو تم اس چیز کو جو ہم نے تم کو عطا کی یعنی توریت اس کو مضبوطی اور قوت کے ساتھ بکھڑاؤ اور فقط ظاہر توریت پر عمل کرنے پر اکتفا رمت کرو بلکہ جو توریت میں ہے اس کو بار بار کرو اور اسکے اسرار اور فوائد میں غور اور فکر کرو شاید تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ اور مقام تقویٰ تم کو حاصل ہو جائے۔

فابن اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بار بار اس کی درخواست کی کہ آپ اللہ سے استدعا کیجئے کہ ہم کو کوئی ایسی کتاب عطا فرمائے جو احکام الہیہ کی جامع ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس کا پختہ عہد لیا کہ جب وہ کتاب عطا ہو تو ضرور اس پر عمل کرنا اگرچہ اس کے احکام تمہاری نفسانی

خواہشوں کے خلاف ہوں۔ بنی اسرائیل نے اقرار کیا کہ ہم ضرور اس پر عمل کریں گے جب اللہ تعالیٰ نے تورات عطار فرمائی تو اسکے قبول کرنے سے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے سرتابی کی اس عہد شکنی سے باز رکھنے کے لیے کوہ طور کو ان کے سروں پر لاکھڑا کر دیا گیا۔ پہاڑ کا ان کے سروں پر لاکھڑا کر دینا ایمان لانے پر مجبو کر نیکی کے لیے نہ تھا اس لیے کہ ایمان تو وہ پہلے ہی سے لایچکے تھے۔ فقط نقص عہد سے روکنے کے لیے تھا جیسے مسلمانوں پر حدود اور قصاص اور تعزیرات کا قائم کرنا از قیل اکراہ نہیں بلکہ زنا اور سرقت اور شرب خمر، خونریزی اور زہری اور اس قسم کے تمام فواحش سے روکنے کے لیے ہے ہاں اگر پہاڑ کا معلق کرنا دیں قبول کرنے کے لیے ہوتا تب آیت لَا اِکْسَاةَ فِی الدِّیْنِ کے خلاف ہوتا۔ پہاڑ کا سر پر لاکھڑا کرنا محض عہد شکنی اور بدعہدی اور ایک ناشائستہ حرکت سے روکنے کے لیے تھا نہ کہ دین قبول کرنے کے لیے شَوْءٌ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْهُنَّ یَعْقِبُ ذٰلِکَ قُلُوْبُکُمْ لَا فَضْلَ لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ وَلَا رَحْمَۃً لَّکُمْ مِّنْ الْخُسْرِ یُنَہِیْہُمْ تَمَّ لَہُمْ پھر اس کے بعد بھی روگردانی کی۔ یعنی پھر تم ان تاکیدوں اور سخت عہدوں کے بعد بھی احکام تورات سے مخوف ہو گئے پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔ بہتاری بدعہدی اور عہد شکنی کا اقتضا توبہ تھا کہ تم کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا مگر اسکے فضل اور رحمت نے تم کو عذاب سے بچایا اور تم کو توبہ اور استغفار کے لیے مزید مہلت دی اور اب تک توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے لہذا نبی آخر الزمان کی متابعت کی سعادت حاصل کرو اور اگر تم اس نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے اور کفر پر سرگئے تو پھر اس شران اور نقصان کی تلاقی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ تورات میں جو تم سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا جا چکا ہے اس کو پورا کرو ورنہ تم بھی عہد شکنی کرنے والوں میں شامل سمجھے جاؤ گے اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہو گے۔ آئندہ آیت میں بطور نظم حکم شریعت سے انحراف کے دنیوی زیان اور نقصان کو بیان فرماتے ہیں کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ پہلے لوگوں نے ہفتہ کے بارہ میں تورات کے حکم سے عدول کیا، دروغیہ کی متابعت سے انحراف کیا سولہ مسخ و دروغیہ کے کیا ملا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اَعْتَدَ وَاَمِنُکُمْ فِی السَّبْتِ

اور جان چکے ہو جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتہ کے دن میں

فَقُلْنَا لَہُمْ کُونُوْا قِرَدَةً خَیْسِیْنَ ۝۵۰ فَجَعَلْنٰہَا

تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے پھر ہم نے وہ

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

دہشت رکھی اس شہر کے درپردہ والوں کو اور پیچھے والوں کو اور نصیحت بھی

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦١﴾

ڈر والوں کو

شناعت سوم

قال تعالى وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اخْتَدَوْا مِنْكُمْ الى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ۔
اور ائمہ تحقیق تم خوب جان چکے ہو حال ان لوگوں کا کہ جنہوں نے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا پس
کہا ہم نے ان سے کہ بن جاؤ بندہ ذلیل یعنی دھنکا سے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک
شہر دریا کے کنارہ آباد تھا جس میں بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی۔
بنی اسرائیل کی آزمائش کے لیے ہفتہ کے روز مچھلیاں دریا کے کنارہ پر بکثرت جمع ہو جاتیں اور
ہفتہ گزرنے کے بعد یہ حالت ہوتی کہ ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بنی اسرائیل نے جب یہ حالت دیکھی
تو شکار کر نیکا ایک حیلہ نکالا کہ سب دریا چھوٹے چھوٹے حوض بنائے اور دریا سے پانی اور مچھلیاں
آنے کے لیے نالیاں بھی بنائیں ہفتہ کے روز جب وہ حوض مچھلیوں سے بھر جاتے تو وہ نالیاں بند کر دیتے
اور یکشنبہ کو انکا شکار کرتے عرصہ تک اسی طرح کرتے رہے اسی بستی میں ان کے علاوہ بنی اسرائیل
کے اور دو فریق تھے ایک فریق انکو اس حیلہ سے منع کرتا اور دوسرا فریق یہ سمجھ کر کہ انکو نصیحت کرنا بے سود
ہے اس لیے خاموش رہتا نصیحت کرنے والوں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی نصیحت کا ذکر نہیں ہوتی تو بستی
کو تقسیم کر لیا اور درمیان میں ایک لمبی دیوار کھینچ لی اس طرح سے شہر دو حصوں پر منقسم ہو گیا اور آمدورفت
کے لیے درمیان میں دروازہ رکھ لیا اور ہر فریق علیحدہ رہنے لگا جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو داؤد علیہ السلام
نے ان پر لعنت فرمائی بنی کی بددعا سے بندہ بنا دیئے گئے۔ مرد بندہ اور عورتیں بندریاں بنا دی گئیں
جب صبح ہوئی اور کوئی چلتا پھرتا نظر نہ آیا تو وہ لوگ جنکو امڈنے اس عذاب سے محفوظ رکھا تھا۔ پس
میں کہنے لگے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے جو بنی اسرائیل نظر نہیں آتے اور سخت متردد ہوئے جا کر دیکھا
تو مکانات کے دروازے بند تھے کسی طرح دروازے کھول کر اندر داخل ہوئے دیکھا سب بندہ بنے
ہوئے ہیں جو شخص ان کو دیکھنے آتا تو بطور تزیین اور ملامت یہ کہتا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو وہ
کمال حسرت سے سر ہلاتا کہ بیشک تم نے منع کیا تھا۔ اور یہ لوگ آنکھوں سے پچانے جاتے تھے کہ یہ
علاں ہے اور وہ نالیاں میں دن تک اسی حالت میں رہے پھر سب مر گئے یہ تمام تفصیل امام ابن جریر

طبری اور حافظ ابن کثیر نے اپنی اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندہ بنا دیئے گئے تھے یعنی صورتیں اور شکلیں بندروں کی بن گئیں وَ مَا ذَلَّلْتَ عَلَی اللّٰهِ بِعَیْنِیْ ط۔ اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اور آثار صحابہ اور تابعین بھی اسکی شہادت دے رہے ہیں اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندہ بنا دیئے گئے تھے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ حقیقۃً بندہ نہیں بنائے گئے تھے بلکہ ان کے اخلاق اور عادات بندروں جیسے ہو گئے تھے تو یہ صریح خطبہ ہے۔ ظاہر قرآن اور ظاہر روایات اور اجماع سلف کے خلاف ہے۔ کافروں کے اخلاق تو ہر زمانہ میں بندروں سے بھی بڑھ چڑھ کر رہے اور اب تو ترقی کا دور ہے اور اس زمانہ کے کافر تو اخلاق میں بندر اور سولہ سے بھی بڑھ کر ہیں یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کی خصوصیت نہیں۔

مسخ کی تین قسمیں ہیں۔

ف

۱۔ **اقل** : مسخ حقیقی۔ یعنی حقیقت اور ماہیت کا بدل جانا جیسے گوشت کا پتھر ہو جانا جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔

دوسرے : مسخ صوری۔ یعنی حقیقت انسانہ تو باقی رہے اور فقط صورت اور شکل بدل جائے جیسے اس قصبہ میں ہوا کہ بنی اسرائیل کی فقط صورتیں اور شکلیں مسخ کی گئیں کہ بجائے صورت انسانی کے بندہ کی صورت بنا دیئے گئے مگر حقیقت انسانی جسکے ذریعہ سے انسان ادراک اور احساس کرتا ہے وہ بجا بجا باقی تھی گویا اور بونے کی قوت سلب کر لی گئی تھی مگر باقی تھی جس کے ذریعہ سے اپنی صورت بدلنے کا ادراک کرتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ ہماری نافرمانی کی سزا ہے مسخ سے فقط ان کی انسانی صورت زائل ہوئی اور فہم اور شعور انسانی سب باقی رہا۔ اسی لیے خَاسِرَیْنِ ذَوِی الْعُقُولِ کی جمع لائی گئی تاکہ ادراک انسانی کی لغات پر دلالت کرے۔

فِرَکَۃً کے لفظ سے بندہ کی صورت ہونا معلوم ہوا اور کُفُوًا کے خطاب اور خَاسِرَیْنِ سے عقل اور انسانی شعور کا باقی رہنا معلوم ہوا۔ اور جب ان دونوں کی تحقیقات پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک بندہ ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو اگر انبیاء اللہ کے مقابلہ میں ترقی معکوس ہو کر انسان سے بندہ بن جائے تو کیوں محال ہے حرکت کی مسافت ایک ہے حیوانیت سے انسانیت کی طرف ہو یا انسانیت سے حیوانیت کی طرف ہو۔ حیوان کو انسان بننا تو کسی نے دیکھا نہیں اور ہزار ہا انسانوں کو بندہ بننے ہوئے لاکھوں انسانوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قرآن اور حدیث نے اسکی خبر دی۔

جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ بِهِ وَ مَنِ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔

عھار غراسانی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز دی گئی۔
 یا اهل القریۃ کونوا قسداً اے بستی والو ہر جاؤ بندر ذلیل۔
 خاصیتین۔
 اسکے بعد لوگ اُن کے پاس آتے اور یہ کہتے کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو سر سے اشارہ کرتے کہ بے شک۔

تیسرے ۱۔ مسخ معنوی یعنی صفات نفسانیہ کا بدل جانا۔ مثلاً قناعت کا حرص اور طبع سے فہم و فراست کا سفاہت و بلادیت سے بدل جانا کہ پہلے قانع تھا اب حریص بن گیا۔ پہلے متواضع تھا اب متکبر ہو گیا اس کو مسخ معنوی کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے ختم اور طبع کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور آیت کَمَثَلِ الْجَمَارِ یُحِیْطُ اسْفَاکاً اور فَمَثَلُهُ کَمَثَلِ الْکَلْبِ میں گدھے اور کتے کی مثال سے مسخ معنوی مراد ہے۔

بنی اسرائیل کا مسخ معنوی پہلے ہو چکا تھا اس وقت تو فقط مسخ صوری ہوا کہ بجائے شکل انسانی کے بندر کی شکل بنا دیئے گئے اس لیے کہ مسخ معنوی تو اُسی وقت ہو چکا تھا کہ جب انبیاء اور علماء کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کَمَثَلِ الْجَمَارِ اور کَمَثَلِ الْکَلْبِ کا مصداق بن چکے تھے۔

آئندہ آیت میں اس مسخ صوری کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے بندر بنائے گئے تاکہ نافرمانوں کو عبرت اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نافرمانوں کو مسخ صوری ہی سے عبرت ہو سکتی ہے۔ مسخ معنوی میں تو دوسرے نافرمان بھی انہی کے شریک اور ہم پلہ ہیں۔
 ف | ابن عباس سے منقول ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے بندر بنایا وہ مین دن سے ناند زندہ نہیں رہے اور نہ انکی نسل چلی اور یہ بندر جو فی الحال موجود ہیں انکی نسل سے نہیں بلکہ یہ اصل بندر ہیں (ابن کثیر) فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ یہ پس بنایا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان بستیوں کے لیے جو اس شہر کے سامنے اور پیچھے آباد تھیں اور نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے یعنی تاکہ نافرمانوں کو اس واقعہ سے عبرت ہو اور فرمانبرداروں کو نصیحت ہو۔ مثل مشہور ہے۔

العبد یقرع بالعصا غلام کو لکڑی سے تنبیہ کی جاتی ہے
 والحر تکفیه الملامۃ اور شریف کو ملامت ہی کافی ہوتی ہے۔
 (رابطہ) اب آئندہ آیات میں ان کی روگردانی کا ایک اور واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ وحی الہی پر اطمینان نہ کیا اور معاذرہ سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اللہ فرماتا ہے تم کو کہ

تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ

ذبح کرو ایک گائے بولے کیا تو ہم کو پکڑتا ہے ٹھٹھے میں کہا پناہ

بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

اللہ کی اس سے کہ میں ہوں نادانوں میں بولے پکار ہمارے واسطے

رَبِّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

اپنے رب کو کہ بیان کر دے ہم کو کہ وہ کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے

لَا فَارِضٌ وَلَا يَكْرَهُ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا

نہ بوڑھی اور نہ بن بیانی میانہ ہے ان کے بیچ اب کرو جو

مَا تَوْمَرُونَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا

تم کو حکم ہے بولے پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ بیان کر دے ہم

لَوْنُهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

کو کیسا ہے رنگ اس کا کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے زرد

فَاقْعُ لَوْنَهَا تَسْرُ النُّظِيرِينَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

ڈبڑا رنگ اس کا غول آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے پکار ہمارے واسطے اپنے رب

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا

کو بیان کر دے ہم کو کس قسم میں ہے وہ گایوں میں شبہ پڑا ہے ہم کو اور ہم

إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

اللہ لے جایا تو راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک

بَقْرَةً لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

گائے ہے عننت والی نہیں کہ باہتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیت کو

مُسْلَمَةً لَا شَيْءَ فِيهَا قَالُوا الثَّنَجُ بِالْحَقِّ ۚ

بدن سے پوری ہے داغ کچھ نہیں اس میں بولے اب لایا تو ٹھیک بات

فَذَبْحُوهَا وَمَا كَاذُوا يَفْعَلُونَ ۝

پھر اسکو ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ کریں گے

شناخت چہارم معاندانہ سوالات

قال تعالى وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ... إِلَى... وَمَا كَاذُوا يَفْعَلُونَ ۝

اور یاد کرو اس وقت کہ بنی اسرائیل میں ایک متمول اور مالدار شخص جس کا نام عامیل کہا جاتا ہے سوائے بھتیجے کے اور کوئی اس کا وارث نہ تھا ایک مدت تک اس کے مرنے کا منتظر رہا جب دیکھا کہ وہ مرتا ہی نہیں تو ایک روز موقع پا کر قتل کر ڈالا اور شب میں اس کی نعش کو محلہ میں لا ڈالا جب صبح ہوئی تو اہل محلہ پر خون کا دعویٰ کیا۔ تاکہ ترکہ کے علاوہ اہل محلہ سے مقتول چچا کی دیت اور خون بہا بھی وصول کرے۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں قسامت کا حکم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہل محلہ سے دریافت کیا تو اہل محلہ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ واللہ نہ ہم نے قتل کیا اور نہ ہم کو قاتل کا کوئی علم ہے۔ اے بنی اللہ اور اے کلیم اللہ آپ ہی بارگاہِ خداوندی میں عرض معروض کیجئے تاکہ اس واقعہ کی حقیقت منکشف ہو (تفسیر ابن کثیر)

اس وقت اللہ کی یہ وحی نازل ہوئی کہ تحقیق اللہ سبحانہ و تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس گائے کا ایک ٹکڑا اس مقتول پر لگا دو تھوڑی دیر کے لیے وہ مقتول زندہ ہو جائے گا اور اپنے قاتل کا نام اور پتہ بتلا دے گا۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر بذریعہ وحی اس کا نام بتلا دیتے تو ممکن تھا کہ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے اور انکی بات کا یقین نہ کرتے اور کفر میں مبتلا ہوتے۔ اور جب ایک مردہ زندہ ہو کر خبر دے گا تو اس میں نہ تو کذب کا احتمال ہو گا اور نہ کسی کو چون و چرا کی گنجائش ہو گی اس لیے کہ جو شخص ابھی عالم غیب سے آیا ہو وہ کیسے جھوٹ بول سکتا ہے نیز اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ لوگ

یہ سمجھ جائیں کہ گائے اور بکھر جس کو بنی اسرائیل نے معبود بنا لیا تھا وہ اس قابل نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے وہ تو ذبح ہونے کے قابل ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ نَا هَهُنَا قَالَهُ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْتُمْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ
بنی اسرائیل یہ حکم سنا کر بوسے کیا آپ ہم سے تمسخر کرتے ہیں۔ بھلا گائے کے ذبح کرنے اور قاتل کے معلوم ہونے میں کیا مناسبت۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ بتلاؤ اور آپ فرماتے ہیں کہ ایک گائے ذبح کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے اس کی کہ میں نادانوں سے ہوں سوال کے مطابق جواب نہ دینا اور استہزار اور تمسخر کرنا جاہلوں کا کام ہے معاذ اللہ انبیاء اللہ کا کام نہیں اور پھر وہ بھی احکام الہیہ میں۔

بنی اسرائیل اپنے زعم میں اس سوال کو فلسفہ سمجھے مگر حقیقت میں سرسبز چل اور سفہ تھا۔ یہ نہ سمجھا کہ احکام الہیہ کے سرور سوائے مقررین بارگاہ خداوندی کے کس کو معلوم ہو سکتے ہیں اور اسباب اور مسببات کے ارتباط اور مناسبت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ گائے کے پارچہ لگا دینے سے مردہ کا بول اٹھنا گائے کا ذاتی اور طبعی خاصہ نہیں بلکہ قدرت الہیہ کا کرشمہ اور بارگاہ کلیم اللہ کا معجزہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْتُمْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ کہنے کے بعد یہ سمجھے کہ یہ حکم تو اللہ کی طرف سے آہی چکا ہے جس کی تعمیل ناگزیر ہے اس لیے یہ خیال ہوا کہ جس گائے کے ذبح کا حکم ہوا ہے غالباً وہ کوئی عجیب و غریب گائے ہوگی اس لیے بار بار سوالات کیے کہ وہ کیسی گائے ہے اسکا رنگ کیسا ہے اسکی عمر کیا ہے وغیرہ ذلک ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کسی گائے کو بھی ذبح کرتے تو کافی ہو جاتا لیکن انہوں نے تشدد کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اس لیے کہ حق تعالیٰ نے کسی خاص اور معین گائے کے ذبح کا حکم نہیں دیا تھا اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً میں لفظ بقرۃ نکرہ مستعمل ہوا ہے جس سے صاف ظاہر تھا کہ تعین مقصود نہیں بلکہ تعمیل مقصود ہے اگر تخصیص اور تعین مطلوب ہوتی تو اَنْ تَذْبَحُوا الْبَقَرَةَ الف لام کے ساتھ معرفہ لایا جاتا۔ آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کے تعنت آمیز سوالات کا ذکر ہے قَالُوا اِذْ عَلَّمْنَا رَبَّنَا

يُسَبِّحُ نَا مَا هِيَ قَالَهُ اِنَّهٗ يَقُولُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ عَنْهَا عَوْنٌ اَكْبَرُ فَاَفْعَلُوا مَا تَوْصَرُّونَ کہا انہوں نے کہ آپ اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ بیان کرے کہ وہ گائے کیا چیز ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے کہ یہ نکرہ یہ خاصیت نہ تو متعارف گائے کی ہے نہ نیل گائے کی معلوم ہوا کہ جس گائے کی یہ خاصیت ہے اس کی حقیقت ہی کچھ اور ہوگی اگرچہ نام اسکا گائے ہوگا مگر ماہیت نوعیہ اسکی بالکل جدا ہوگی۔ کہا موسیٰ علیہ السلام نے

آپ پاشی کی مشقت اس پر ڈالی گئی ہو۔ بے عیب ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ کہا انہوں نے کہ اب لائے آپ حق بات کو یعنی واضح اور مفصل بات آپ نے اب فرمائی جس سے ہمارا تردد رفع ہوا کر لیا۔ حیوان تمام حیوانوں میں حیات کا مظہر قائم ہو گا۔ پس ممکن ہے کہ اس کی حیات کے اثر سے دوسرے میں بھی حیات کا اثر آجائے پس ایسی گائے کو خرید کر ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ وہ کہیں گے۔ ان کے نعمت آمیز استفسارات سے تو بظاہر ہی معلوم ہوتا تھا کہ غالباً ذبح نہ کریں گے۔ مگر خیر انشاء اللہ کہنے کی رکت سے کر گزرے۔

(۳) بنی اسرائیل چونکہ گوساہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے اور یہ سمجھا تھا کہ معاذ اللہ یہ جانور خدا ہو سکتا ہے تو اس کے رد کرنے کے لیے بھی گلے کے ذبح کا حکم دیا گیا۔



وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ

اور جب تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو۔ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو نکالنا ہے

مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا

جو تم چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مردے کو اس گلے کا ایک ٹکڑا

كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح جلادے گا اللہ مردے اور دکھاتا ہے تم کو اپنے نمونے شاید تم

تَعْقِلُونَ ۝

بو جھو۔

شعاعتِ پنجم (۵۱)

قَالَ تَعَالَىٰ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا... إِلَى... وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم نے ایک محترم نفس کو قتل کر ڈالا پھر اس قتل کو ایک دوسرے

کے سر تھوپنے لگے وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا اور وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا۔ اور جن چیزوں کو تم دلوں میں چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ انکو اندر سے باہر نکالنے والا ہے۔ جس سے تمہارے اندر دینی خطرہ اور دلی خیالات اس طرح عیاں اور آشکار ہو جائیں جیسے کسی محسوس شئی کو کسی بند صندوق سے نکال کر مجمع میں لا کر سب کے سامنے رکھ دیا جائے کہ سب اسکو اچھی طرح دیکھ لیں۔ پس کہا ہم نے کہ لگاؤ اس مردہ پر اس گلے کا کوئی ٹکڑا زبان یا دم میت پر رکھ دو جی اٹھے گا جتنا بچہ ایسا ہی کیا گیا مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا۔ قاتل کو پکڑا گیا اور قصاص لیا گیا اور میراث سے بھی محروم رکھا گیا۔ اور اسی وقت سے یہ حکم ہو گیا کہ قاتل ہمیشہ میراث سے محروم رہے گا اگرچہ قاتل مقتول کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

ف | مقتول کا قول مرکز زندہ ہونے کے بعد اس وجہ سے معتبر مانا گیا کہ وہ عالم برزخ کو دیکھ چکا ہے لہذا اس کے قول میں اب کذب کا احتمال باقی نہیں رہا اور نہ وہیم و خیال اور خبط اور لسیان کا۔ جیسے شجر اور حجر کا گواہی دینا بوجہ کا معجزہ ہے اسی طرح مردہ کا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلانا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح اس واقعہ میں اللہ نے محض اپنی قدرت سے عدل اور قصاص جاری کرنے کے لیے عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لیے ایک خاص ضرورت اور مصلحت کے لیے ایک مردہ کو تمہارے روبرو زندہ فرمایا اور اس مردہ کا کلام تم نے اپنے کانوں سے سنا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محض جزا دینے اور عدل قائم کرنے کے لیے اور انصاف کے لیے دوبارہ اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو محض اپنی قدرت سے زندہ فرمایا اور سب کا انصاف کر گیا اور مظلوم کا ظالم سے قصاص اور بدلہ لے گا اور وقتاً فوقتاً اپنی قدرت کے غور سے اور کہ شے دکھلاتا رہتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ اس قسم کے عوارق اور عجائب وقتاً فوقتاً قدرت کا انکار بے عقلوں کا کام ہے۔

امام المتکلمین عبدالکریم شہرستانی مل دخل میں فرماتے ہیں کہ جس طرح ہیل اور گدھے انسانوں کے عجیب و غریب افعال کو بنظر استعجاب دیکھتے ہیں فلاسفہ دوران اور بڑے بڑے سائنسدان، انبیاء و مرسلین کے آیات و بینات اور خوارق و معجزات کو اس سے کہیں زائد حیرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اگر کسی فلسفی اور سائنسدان کا اپنی ناقص اور ہوا پرست عقل سے انبیاء و مرسلین کے معجزات کا انکار حجت سے توہیل اور گدھوں کا انسانی عجائب قدرت سے کیوں حجت نہیں خوب سمجھ لو کہ شعور انسانی کو شعور پیغمبری سے وہی نسبت ہے جو شعور حیوانی کو شعور انسانی سے ہے۔ عجیب نہیں کہ یہ نسبت بھی نہ ہو۔ انتہی کلامہ مشرعاً۔

ف | اس آیت میں جو مضمون مذکور ہے وہ قصہ مذکورہ بالا کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس تقدیم و تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اگر قصہ کو ترتیب سے بیان کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فقط ایک واقعہ کا بیان مقصود ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اول اس طرف کہ حکم الہی کا فوراً امتثال کیوں

نہیں کیا۔ اور حکم خداوندی میں معاندانہ جھنجھیں کیوں نکالیں۔ ایک صریح اور واضح حکم شن لینے کے بعد اس قسم کے گستاخانہ اور تعدیت آمیز سوالات کیوں کیے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وحی الہی کی کوئی عظمت اور وقعت تمہارے دلوں میں نہیں اور یہی سخت بیماری ہے جو تباہی اور بربادی کی نشانی ہے۔

اور کَ إِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا الٰہیہ۔ میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم نے اموال دنیا کے طمع میں ایسے محترم نفس کو قتل کیا کہ جو تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے تھا اس لیے کہ چچا بھی بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عمر الرجل صنوا ابیه انسان کا چچا اسکے باپ کی مانند ہے

اور پھر اس کو شش میں پڑے کہ یہ خون دوسروں کے سر لگا دیا جائے۔

(رابط) یہاں تک بنی اسرائیل کی عادات شنیعہ کا بیان فرمایا کہ ہمیشہ احکام خداوندی میں میلے اور بہانے کرتے رہے۔ آئندہ آیات میں اسکا منشاء بیان فرماتے ہیں کہ منشاء اسکا قساوت قلب ہے اور اس قساوت پر اظہار تعجب بھی فرماتے ہیں کہ میں دنیا پر آیات قدرت اور معجزات نبوت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو مگر پھر بھی دل نرم نہیں ہوتے کہ نصیحت قبول کریں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فِیْہِی

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ

كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسُوۡةً وَّ اِنَّ مِّنَ

ہیں جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو

الْحِجَارَةِ لَمَّا یَتَفَجَّرُ مِنْہٗ اَلْاَنْہَارُ وَّ اِنَّ مِنْہَا

وہ بھی ہیں جن سے پھوٹتی ہیں نہریں اور ان میں تو وہ بھی

لَمَّا یَشَقُّ فِیْخْرُجُ مِنْہٗ الْمَآءُ وَّ اِنَّ مِنْہَا لَمَّا

ہیں جو پھٹتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں تو وہ بھی ہیں

یَهْبِطُ مِنْ خَشِیۡۃِ اللّٰہِ وَاَللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا

جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے

تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

کام سے

استعجاب بر قساوت بعد مشاہدہ عجائب قدرت

قال تعالیٰ تَعَمَّلُوا قُلُوبُكُمْ مِنْ أَلْفِ ذَلِكَ ... الی ... وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔
 پھر تمہارے دل خدا کی ان عجیب نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی سخت ہو گئے حالانکہ ہر ایک
 نشانی رقت قلب کے لیے ایک نسخہ جامعہ تھی خصوصاً مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلانا ایک
 عجیب و غریب کرشمہ تھا۔ یہ نشانی دلیل قدرت بھی تھی اور دلیل ثبوت و رسالت بھی تھی اور دلیل قیامت
 بھی تھی مگر پھر بھی دل نرم نہ ہوئے پس وہ مثل پتھروں کے سخت ہیں یا سختی میں پتھر دل سے بھی
 بڑھے ہوئے ہیں۔ تشبیہ اور تمثیل میں سوہے اور تلبسے کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ لوہا اور تانبا آگ
 پر رکھنے سے پگھل جاتا ہے مگر ان کے دل اس قدر سخت ہیں کہ تحریف، ورتہرہیب کی آگ سے
 بھی نہیں پگھلتے پتھر کی طرح ہیں کہ جو کسی حال میں بھی نرم نہیں ہوتا یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں
 اس لیے کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ اگر جہ اس
 سے نہریں تو نہیں جاری ہو جائیں لیکن پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے پانی آہستہ آہستہ نکلتا رہتا ہے
 اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں، اسی طرح بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن سے علوم
 و معارف کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں کہ جن سے دنیا سیراب ہوتی ہے، یہ علماء را سخنین اور ائمہ ہادین
 کی شان ہے کہ جن کے کلمات طیبات نے مردہ دلوں کے حق میں آب حیات کا کام دیا۔ اور بعض
 قلوب ایسے ہیں کہ ان سے نہریں تو نہیں مگر علم و حکمت کے چشمے رواں ہو گئے اور لاکھوں اور
 ہزاروں کو ان سے نفع ہوا۔ یہ علماء ربانیین کی شان ہے۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ اللہ کی عظمت
 اور جلال کے سامنے پست ہیں۔ تکبر اور غرور سے پاک ہیں کبھی اسکے حکم کے خلاف سر نہیں اٹھاتے
 یہ عباد اور رُباد کی شان ہے۔

مگر ان کافروں کے دل پتھر سے بھی زائد سخت ہو گئے ہیں کہ غرور و تکبر غناد اور سرکشی
 سے کبھی حق کے سامنے جھکتے بھی نہیں اللہ کی ہدایت کو قبول کرنا تو درکنار اس کی طرف نظر اٹھا کر
 بھی نہیں دیکھتے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ وَ اِنَّ مِنْ الْجَّارَةِ لَمَّا يَتَفَجَّسُ مِنْهُ
 الْاَكْثَرُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو خوف خداوندی سے بکثرت روتے ہیں اور وَ اِنَّ مِنْهَا

لَمَّا يَشْتَقُّ فَيَحْزَنُ مِنْهُ الْمَعَاوِدُ سب سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو کم دیتے ہیں اور وَ اِنَّ هُنَّ لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ سب سے وہ لوگ مراد ہیں جو دل سے تو روتے ہیں، مگر آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوتے۔ ہم سب کو مژدہ سے یہ دعا مانگنی چاہیے۔ ۷

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے۔ آمین
عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
ف سوائے اللہ کے ذکر کے اور کثرت سے کلام نہ کیا کرو اس لیے کہ زیادہ کلام کرنا قلب میں قسوت (سختی) پیدا کرتا ہے اور سخت دل ہی خدا سے سب سے زائد دور ہے (ترمذی)
اس مقام پر بھی بنی اسرائیل کی جس قسوت کا ذکر ہے وہ بھی اسی سبب یعنی کثرت کلام کی وجہ سے ہے کہ جب گاتے کے ذبح کا حکم ہوا تو مواخذہ سوالات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ ان بیہودہ سوالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ دل پتھر سے بھی زائد سخت ہو گئے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ لے بنی اسرائیل اگرچہ تم اپنی قسوت قلبی کی وجہ سے خدا سے غافل ہو گئے ہو مگر خوب سمجھ لو۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ کہ اللہ تمہارے اعمال و افعال سے غافل اور بے خبر نہیں۔

قسوت قلبی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خدا سے غافل بناتی ہے اس لیے حدیث میں آیا ہے
اللَّهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ
الْعُسُوَةِ وَالْغَفْلَةِ۔
اے اللہ میں دل کی سختی اور غفلت سے
پناہ مانگتا ہوں۔

ایک شبہ پتھروں میں توفہم اور ادراک ہی نہیں پھر خدا کے خوف سے پتھروں کے گرنے کا کیا مطلب ؟

جواب اہلسنت والجماعت کے نزدیک حیوانات اور جمادات میں بھی روح اور حیات ہے اور ان میں ایک خاص قسم کا شعور اور ادراک ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسا کہ امام قرطبی اور علامہ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے اس کی تصریح فرمائی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں جا بجا حیوانات اور جمادات کی تسبیح و تحمید اور صلوات کا ذکر ہے۔
قال تعالى۔

ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں
جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے
ہیں اور کوئی شئی ایسی نہیں جو اللہ کی
تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر تم انکی تسبیح

۱۱ تَسْبِيْهُ لِّهٖ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَ
اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِيْحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ

کو سمجھتے نہیں
ہر شئی کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے
گھاس اور درخت اللہ کے لیے سجدہ
کرتے ہیں۔
کفار قیامت کے دن اپنی کھالوں سے
کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں
گواہی دی۔ وہ جواب میں کہیں گی کہ
ہم کو اس خدا نے گویائی دی جس نے
ہر چیز کو گویائی دی ہے۔
اس روز بیان کرے گی (زمین) اپنی
خبریں اس وجہ سے کہ اس کو خدا تعالیٰ
نے حکم دیا ہو گا۔

تَسْبِيحَهُمْ ط
(۲) حُنَّ قَدْ عَلِمَ صَلَواتُہ
وَلَسْبِيحَهُ ط
(۳) وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ
يَسْجُدَان ط
(۴) قَالُوا لِيُجْلِدْهُمْ لِي
شَهِدَاتُكُمْ عَلَيْنَا قَالُوا
أَنطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي
أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
(۵) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا
يَا أَيُّهَا رَبُّكَ آوِزْ
لَهَا ط

اور اسی طرح اشجار و حجار و حیوانات و جمادات کا انبیاء و مرسلین کی اطاعت اور فرمانبرداری
اور ان سے کلام کرنا احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے۔
(۱) ستونِ خانہ کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں مذکور ہے جس میں کسی مؤول
متفلسف کو تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

عارفِ رومی فرماتے ہیں

اَسْتَلْنُ خَتَانَهُ اَزْ رَجَسِ رَسُوْلٍ ط
نالہ میسند و پچھو ارباب عقول
فلسفی کو منکر ختاناہ است
از حواس انبیاء ربے گاذا است
(۲) صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبلِ احد کو دیکھ کر یہ فرمایا ہذا جبل
یحبنا و نحبہ یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور محبت
بدون معرفت اور ادراک کے ممکن نہیں۔

(۳) صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اب بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں
کہ جو نبوت سے پیشتر مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

(۴) صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت
ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ جبلِ اُحد یا حرارہ پر چڑھے تو پہاڑ کو جنبش ہوئی تو اُن حضرات صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک پہاڑ پر مارا اور یہ فرمایا کہ اسے پہاڑ ٹھہر۔ تجھ پر ایک نبی ہے

اور ایک صدیق اور دو شہید۔

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ہم جب کبھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکہ سے باہر جاتے تو جن درخت یا پہاڑ پر گزر جاتا تو یہ آواز آتی: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (اخر حوالہ بغوی باسنادہ فی المعالم)

اس قسم کے اور صد ہا واقعات ہیں جو کتب حدیث اور سیر میں مذکور ہیں، بطور نمونہ ہم نے چند واقعات ذکر کر دیئے ہیں۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند	بامن و تو مردہ باحق زندہ اند
آب و باد و خاک و نار پر شرر	بے خبر با ما و باحق باخبر
ما بعکس من زغیر حق خبیر	بخبر از حق و از چندین نظیر
پیش تو آن سگریزہ ساکت است	پیش احمد اور فصیح و ناطق است
پیش تو استون مسجد مردہ است	پیش احمد عاشق دل بردہ است
جملہ اجزائے جہاں پیش عوام	مردہ و پیش خدا دانا و رام
مردہ زین سویندوزہ نسو زندہ اند	خامش اینجہ و انظر گونہ اند

اور اسی پر تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع ہے کہ جمادات میں ایک روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ شانہ کو پہچانتی ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل کرتی ہے ایک مخلوق کا دوسری مخلوق سے بے تعلق اور بے خبر ہونا عقلاً ممکن بلکہ واقع ہے۔

لیکن مخلوق کا خالق سے بے تعلق ہونا عقلاً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں۔

بے تعلق نیست مخلوق سے ازو

اور بے شمار آیات اور احادیث اسکی شاہد ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ

اب کیا تم مسلمان توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے اُن میں کہ

مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلِمَ اللّٰہِ ثُمَّ یَحْرِفُوْنَہُ مِنْۢ بَعْدِ

سننے تھے کلام اللہ کا پھر اسکو بدل ڈالتے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

اور ان کو معلوم ہے

شناخت ششم (۶)

متضمن بدفع کلفت ناحین مشفقین از انتظار طبع ایمان نازین

قال تعالیٰ - أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْتُوا مِنْكُمْ لَكُمُوهَا... الی... وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۵
گزشتہ آیات میں یہود کی قساوت کو بیان فرمایا۔ اب اُن مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ جو ازارہ
شفقت انکو وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے اور ہر وقت اس نکر میں رہتے تھے کہ یہ کسی طرح ایمان
لے آئیں مسلمانوں کو گمان یہ تھا کہ یہود توحید اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل ہیں شاید یہ لوگ ایمان
لے آئیں اللہ تعالیٰ نے انکی امید قطع کرنے کے لیے فرمایا کہ انکی قساوت انتہا کو پہنچ چکی ان سے
ایمان کی طمع مت رکھو۔ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْتُوا مِنْكُمْ لَكُمُوهَا وَقَدْ كَانُوا فَرِيقًا
مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ شَوْءًا لِحُسْنِ فَوْنِهِ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اے مسلمانو کیا تم بنی اسرائیل کی اس شدید قساوت کے بعد بھی توقع رکھتے
ہو کہ وہ شخص تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک فرقہ بلا واسطہ اللہ کے کلام
کو سنتا تھا۔ اور پھر خوب سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف و تبدیلی کر ڈالتا تھا اور وہ خوب جانتے
تھے کہ ہم اللہ کے کلام میں تحریف کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ کلام خداوندی میں تحریف کرنا کس قدر
جرم عظیم ہے۔ اس فریق سے وہ ستر لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے اور
بلا واسطہ اللہ کے کلام در اسکے ادا و نواہی اور احکام کو سنا۔ جب واپس آئے تو یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ
نے اخیر میں یہ بھی فرمادیا تھا کہ اگر ہو سکے تو کرنا اور نہ ہو سکے تو نہ کرنا۔ کلام الہی میں سے کچھ گھٹانا یا اپنی
جانب سے کچھ اضافہ کر دینا اسی کا نام تحریف ہے پس ان لوگوں نے کلام الہی میں اپنی طرف سے حرف
اور الفاظ کا اضافہ کیا اور ایجاب اور لزوم کو تحریف سے بدل ڈالا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ سے تورات مراد ہے اور یَسْمَعُونَ کَلَامَ اللَّهِ
سے بلا واسطہ انبیاء کرام مراد ہے۔ اور تحریف سے آیات تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا
مراد ہے۔ مثلاً تورات میں جو آپسکا حلیہ مبارک مذکور تھا اس میں ابیض کے بجائے آدم بنا دیا اور
ربیعہ حائل الی الطویل کے بجائے طویل بنا دیا اور بہت سی جگہ تاویل ناسد کر کے معنی

میں تحریف کی اور پہلی تفسیر پر یَسْمَعُونَ کلام اللہ سے ستر آدمیوں کا اللہ کے کلام کو بلا واسطہ سنا
مراد تھا اور تحریف سے یہ مراد تھی کہ ان ستر آدمیوں نے جب تم سے جا کر اللہ کا کلام نقل کیا تو اس
میں یہ اضافہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

ان استطعتم ان تفعلوا هذه
الا شياء فافعلوا وان لم
تفعلوا فلا بأس

یعنی یہ چیزیں اگر تم سے ہو سکیں تو کر لینا
اور اگر نہ کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ف جانا چاہیے کہ تودیت میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے اور معنوی تحریف بھی۔ اور یہی
علماء محققین کا مسلک ہے۔ اور اصل تحریف تو تحریف لفظی ہے اس لیے کہ تحریف
کے معنی حروف اور الفاظ کے بدل ڈالنے کے ہیں۔ اور تاویل فاسد کر کے معنی کو بدل ڈالنا مجازاً اس کو
تحریف کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں جہاں کہیں تودیت کی تحریف کا ذکر آیا ہے اس سے تحریف
لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن میں بھی ہوئی ہے اور مجددی ہے اور حق جل شانہ کا یہ
ارشاد۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ اَوْ قَوْلٍ لِّذَيْنِ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ
بَايِدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلاً
اس قسم کی آستیں صراحتہً تحریف لفظی پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر اور تفسیر درمنثور
میں ان آیات کے شان نزول سے صاف ظاہر ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب اکیلے ہوتے

بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ

ہیں ایک دوسرے پاس کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو کھولا

اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا

ہے اللہ نے تم پر کہ جھٹلاویں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم کو

تَعْقِلُونَ ﴿۶۱﴾

عقل نہیں

شاعتِ ہفتم (۷)

قال تعالى وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِ... عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
 اور جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں کہ محمد رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رسول اور پیغمبر ہیں جن کی بشارتیں تو رسیت میں مذکور ہیں، اور جب تہذیب ایک
 دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تمام مجمع میں ان کے سوا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا تو پھر علماء یہود
 جو اعلیٰ طور پر کافر ہیں وہ ان منافقین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں سے خوشامد میں وہ چیزیں
 کہہ دیتے ہو جو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں۔ اور وہ خزانہ علمیہ جو تو رسیت اور زبور اور دیگر صحف
 انبیاء میں مخزون ہیں کہ جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امامت کے اوصاف اور آپ
 کے اتباع اور اطاعت کی تاکید اکید مذکور ہے تم مسلمانوں کو ان خزانہ علمیہ کا کیوں تیرہ دیتے ہو، اس کا
 انجام یہ ہو گا کہ اس اقرار اور اعتراف کی وجہ سے مسلمان خدا کے نزدیک تم سے حجت کریں گے اور تم کو
 ملزم ٹھہرائیں گے، مگر باوجود اس اعتراف و اقرار کے پھر بھی ایمان نہ لائے کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں
 سمجھتے کہ

الانسان ما خوذ باقرارہ یعنی انسان اپنے اقرار میں پکڑا جاتا ہے
 یعنی تمہارا زبان سے اقرار کرنا اور پھر نہ ایمان لانا قیامت کے دن یہ زیادہ رسوائی کا باعث
 ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص زبان سے اقرار یا دینا دین لکھ دینے کے بعد حاکم کے سامنے انکار کرے
 تو زیادہ رسوائی ہے اور اگر حاکم کو معلوم ہو اور گواہ بھی موجود ہوں مگر اس شخص نے اقرار نہ کیا ہو تو
 حاکم کے سامنے انکار کرنے سے رسوا و ضرر ہو گا مگر اتنی رسوائی نہ ہو گی جتنی کہ اقرار کے بعد ہوتی۔

أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

کی اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں

وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

اور جو کھولتے ہیں



تحقیق یہودیہ بہبود

قال تعالى اَوَلَا يَعْلَمُونَ اَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَشْرُونَ اِلَى وَمَا يُعْلِنُونَ .
یعنی کیا انکو یہ گمان ہے کہ اس چھپانے سے اللہ کے نزدیک ان پر کوئی حجت قائم نہ ہوگی اور کیا ان کی یہ ہاتھ کی کھٹی ہوئی دستاویزیں (یعنی توریت اور زبور کی وہ آیتیں جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صریح بشارتیں مذکور ہیں) خداوند ذوالجلال کو قیامت کے دن ہم نہ پہنچ سکیں گی۔ کیا انکو معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جنکو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں جو جلوت میں ایک نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے اور جو خلوت میں اصراف کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے خلوت کا اقرار اگرچہ مسلمانوں کی نظر سے مخفی ہے مگر ہماری نظر سے تو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ تم نے اگرچہ بندوں کے سامنے اقرار نہ کیا مگر اس خداوند ذوالجلال کے سامنے تو اقرار کر لیا جو کہ ہر جلوت و در خلوت غیب اور شہادت کا حاضر و ناظر ہے۔ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ اصل مصلوٰۃ تو خدا کے ساتھ ہے جسکے یہاں ظاہر و باطن سر اور علقن جلی اور خفی سب یکساں ہے۔

توریت اور انجیل کی تحریف کے متعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "اعجاز عیسوی" ملاحظہ فرمادیں جو اس باب میں بے نظیر ہے۔

رسالہ موصوفہ میں اس امر کو نہایت بسط و شرح سے ثابت فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ کمی اور بیشی زیادتی اور نقصان۔ تغیر اور تبدیل غرض یہ کہ تحریف کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس سے توریت و انجیل خالی ہو۔

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے۔ مولانا موصوفہ کی دوسری کتاب "الظہار الحق جو عربی زبان میں ہے اس میں بھی تحریف توریت و انجیل کی کافی اور شافی تحقیق فرمائی۔ اور بہت سے علماء یہود نصاریٰ بھی تحریف لفظی کے مقرر اور محترف ہیں حضرات اہل علم اسکی مراجعت فرمائیں۔

(رابطہ) ان آیات میں یہود کے خواندہ لوگوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کے ناخواندوں کا ذکر کرتے ہیں



وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ

اور ایک ان میں آن پڑھے ہیں خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لی اپنی آرزوئیں اور

وَأَنْ هُمْ لَا يَظُنُّونَ ﴿۸۸﴾

ان پاس نہیں مگر اپنے خیال

شاعت ہشتم (۸۱)

قَالَ تَعَالَى وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ إِلَّا آمَانِيٌّ وَأَنْ هُمْ لَا يَظُنُّونَ

قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ

سو خراب ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر

يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ شَمَانًا

کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ لیویں اس پر مول

قَلِيلًا قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَقَوْلٌ لَهُمْ

تھوڑا سو خراب ہے ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے

مِمَّا يَكْتُبُونَ ﴿۸۹﴾

ان کو اپنی کما کی سے

شاعت نہم (۹۱)

قَالَ تَعَالَى قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ... قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْتُبُونَ

اور بعض ان میں سے ناخواندہ اور ان پڑھ ہیں۔ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ویسے ہی ہیں۔

اسی وجہ سے ان پڑھ کو امی کہتے ہیں کہ اس کو صرف ام یعنی ماں سے نسبت ہے۔ باب سے لکھنا اور

پڑھنا کچھ نہیں سیکھا۔ کتاب کو جانتے ہی نہیں نہ الفاظ سے واقف نہ معنی سے آگاہ ہوا ہے اور

کے کچھ معلوم نہیں کہ جو تخریف کرنے والوں نے انکی خواہش کے مطابق انکے دلوں میں بٹھلا دی ہے مغلّا۔

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ
هُوَ ذَا آفٍ نَصَارَى

کہ جنت میں سوائے یہودی یا نصاریٰ کے اور
کوئی نہ جائیگا۔

اور اگر بالفرض جہنم میں گئے بھی تو لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً یعنی صرف چند
روز جہنم میں رہیں گے یہ آرزو تھیں ان جاہلوں کے عمار سور نے انکے دل خوش کرنے کے لیے دل نشین
کردی ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں اور نہیں ہیں یہ لوگ مگر محض گمان اور خیال کی پیروی کرنے والے نبود بھی
انکو اسکا یقین نہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہو گا اس لیے انکو بہ نسبت علماء کے کم عذاب
ہو گا ان پر عذاب فقط اپنی گمراہی کا ہو گا اور علماء پر اپنے گمراہ ہونے اور دوسرے کے گمراہ کرنے کا بھی
عذاب ہو گا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس خرابی اور بربادی سے ان لوگوں کے لیے کہ جو کتاب کو
خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہہ جیتے ہیں کہ یہ ہمارا لکھا ہوا اللہ ہی کی طرف سے ہے خوب جانتے ہیں
کہ یہ تحریف ہے نادان اور بے خبر نہیں اس لیے کہ خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔
یہ محض اس لیے کرتے ہیں تاکہ اپنے رد سا اور عوام سے اس ذریعہ سے کچھ قلیل معدودہ حاصل کریں
پس ایسے لوگوں کے لیے دو وجہ سے عذاب ہے ایک عذاب اس وجہ سے کہ انکے ہاتھوں نے
تحریف کی کتابت کی ہے اور دوسرا عذاب اس وجہ سے کہ اس تحریف کے ذریعہ سے لوگوں سے
روپیہ کھاتے ہیں، اول تو لوگوں کے خوش کرنے کے لیے کتاب الہی میں تحریف کی اور پھر چند پیسوں کی طبع
میں آخرت کے اجر عظیم کو برباد کیا۔ ثَمَنًا قَلِيلًا سے دراصل معدودہ مراد نہیں بلکہ مال کثیر مراد
ہے اس لیے کہ اگر بالفرض حق اور ہدایت کی قیمت لگائی جائے تو روئے زمین کے خزانے اس کے مقابلہ
میں بیچ ہیں۔



وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ

اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ لگے گی مگر کئی دن گنتی کے تو کہہ

أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ

کیا لے چکے ہو اللہ کے ہاں سے اقرار تو البتہ خلاف نہ کریگا اللہ اپنا

عَهْدًا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

اقرار یا جوڑتے ہو اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک وہ لوگ ہیں

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

جنت کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

شاعت دہم (۱۰)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً... إِلَى... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

وہ یہودی بھی کہتے ہیں کہ دوزخ ہم کو ہرگز نہ لگے گی مگر چند روز گئے جسے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے

اللہ سے اس بارہ میں کوئی عہد لیا ہے کہ تم کو فقط اس قدر مدت عذاب ہو گا۔ اس لیے کہ عذاب کی مدت

دلیل عقلی سے معلوم نہیں ہو سکتی اس کے لیے دلیل سمعی چاہیے ایسا عقیدہ بغیر عہد خداوندی کے نہیں ہو سکتا تو تلاؤ

کہ کیا خدا نے تم سے کوئی ایسا عہد کیا ہے کہ اللہ اپنے اس عہد کے ہرگز خلاف نہ کریگا۔ یا اللہ پر اقرار کرتے ہو، بے

بائیں حق کی سند تم کو معلوم نہیں اور خود اپنی طرف سے ایسی من گھڑت باتیں کرتے ہو بتلاؤ کس کتاب میں اللہ نے یہ حکم

نازل کیا ہے۔ آئندہ آیت میں حق جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ عقیدہ کہ ہم جہنم میں صرف چند روز رہیں

گئے بالکل غلط ہے۔ جنت میں داخل ہونا اللہ اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے پر موقوف ہے

چنانچہ فرماتے ہیں بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ کیوں نہیں تم جیسے پیغمبر آخر الزمان سے مکرشی کرنے والے ضرور جہنم

میں جائیں گے۔ اس لیے کہ جس شخص نے بھی گناہ کو کیا اور گناہوں نے اس کا ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اور کوئی

جانب گناہ سے خالی نہیں رہی۔ جو دیکھے گناہ ہی گناہ ہے نیکی کا نام و نشان نہیں۔ گناہوں نے ہر طرف

سے یا اگر کذب نکلنے کی کٹاھورت نہیں رہی پس ایسے ہی لوگ دوزخ کے کھنڈر کے ساتھ ہیں یہ دوزخ سے جدا نہ ہونگے اور دوزخ ان سے جدا نہ ہوگی ہمیشہ دوزخ ہی میں ہیں گے یعنی ابد الابد تک ایسی ہی رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انکے دل نور ایمان سے منور اور روشن ہوئے اور نیک عمل کیے جس سے اعضا اور جوارح روشن ہوئے ایسے لوگ جنت کے ساتھ ہیں کہ جنت سے علیحدہ نہ ہونگے اور جنت ان سے علیحدہ نہ ہوگی۔ ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے۔ کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

ف (۱) احاطہ کی جو تفسیر بیان کی گئی وہ کافر ہی پر صادق آسکتی ہے کہ کافر دولتِ ایمان سے تہی دست ہونے کی وجہ سے فقیر اور گدے کے برابر ہے۔ اعمالِ صالحہ اگر کچھ ہیں تو وہ نہ ایمان لانے کی وجہ سے سب بیکار ہیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالَى وَمَنْ يَكْفُرْ
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِمَّنْ
اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے یعنی ایمان کے بعد مرتد ہو جائے تو اس شخص کے تمام اعمال غارت اور برباد ہونے اور وہ شخص آخرت میں نیاں کاروں میں سے ہوگا۔

اور جو شخص ایمان نہیں لایا خواہ وہ کتنے ہی صدقات اور خیرات کرے اُس کے صدقات و خیرات کو اعمالِ صالحہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ان اعمال کو شیر قالین کی طرح اعمالِ صالحہ کی ہم شکل اور ہم صورت سمجھنا چاہیے حقیقتاً اعمالِ صالحہ نہیں۔ کما قال تھیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ
كَتَابٍ رِيقَةٍ يَعْجَبُ
النَّاسُ مَا لَهُمْ
اور کافروں کے اعمال سب کی طرح بے حقیقت ہیں۔ دیکھنے والا انکو پانی کی طرح اعمالِ صالحہ سمجھتا ہے اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کے پاس ایمان نہیں اُسکے پاس کچھ بھی نہیں لگتا ہوں میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہے بخلاف مومن کے کہ وہ کتاسی بدکردار کیوں نہ ہو۔ لگا ہوں میں گھرا ہوا نہیں بالفرض کوئی عملِ صالح اسکا معین اور مددگار نہ ہو تو یوں تو ضرور اسکا تنگنایان اور پاسبان بنا ہوا ہے جو شیطان کے قاتلانہ وار کور کے ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ گناہ کے گھر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کر لے ہے اور شرمندہ نہیں ہونا۔ اھ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حل کافر ہی کا ہو سکتا ہے۔ مومن کا نہیں ہو سکتا

ف (۲) الطہنت والجماعت کے نزدیک جو فریق ایمان لایا اور اعمالِ صالحہ بھی کیئے اسکا ثواب دینی اور غیر متناہی ہے اور جو فریق نہ ایمان لایا اور نہ اعمالِ صالحہ کیئے اسکا عذاب دائمی اور غیر متناہی ہے

غیر متناہی ہے فریقِ اقل میں ایمان اور عملِ صالح دونوں موجود ہیں اور فریقِ ثانی میں دونوں نہیں۔ اس لیے فریقِ اول کا ثواب دائمی ہے اور فریقِ ثانی کا عذاب دائمی ہے۔ اور جو فریق ایمان تو لایا مگر اعمالِ صالحہ نہیں کیئے اسکی جزا ثواب اور عذاب سے مرکب اور ملی جلی ہے لیکن اول عذاب دیں گے اور بعد میں بہشت میں داخل کریں گے۔ بہشت میں داخل کر کے پھر بہشت سے نکالنا اور دوزخ میں ڈالنا خلاف حکمت ہے عزت دینے کے بعد ذلت کے گڑھے میں ڈالنا لطف اور عنایت کے خلاف ہے۔ یہ تین احتمال ہوتے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ تو ہوں مگر ایمان نہ رکھتے ہو۔ یہ صورت شرعاً محال ہے اس لیے کہ شریعت میں کوئی عملِ صالح بدون

ایمان کے معتبر نہیں۔ ہر عمل صالح کے لیے ایمان شرط ہے۔

وَإِذَا قَدَّتِ الشُّرُطُ قَاتَ الشُّرُطُ
اسی وجہ سے کفار کے صدقات کو صرف صورتۂ اعمال صالحہ کہا جاسکتا ہے ورنہ حقیقت میں اعمال صالحہ نہیں کما قال تعالیٰ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ
بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُمُ النِّظْمَانُ هَمًّا
کافروں کے اعمال سرب کی مانند ہیں کہ دور سے پیسا انکو پانی گمان کرتا ہے۔
جس طرح لکڑی کا گھوڑا اور شیر قالین اصل گھوڑے اور اصلی شیر کی صورت میں مشابہ ہے اسی طرح کافر کا عمل ظاہر صورت میں عمل صالح کے مشابہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں نیک نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ عمل صالح کی روح ایمان ہے اور وہ موجود نہیں۔

ف (۳) ہر شریعت میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ کافر مخلد فی النار ہے ہمیشہ ہمیشہ اور ابد الابد تک جہنم میں رہے گا۔ اور مومن عاصی چند روز دوزخ میں عذاب پاکر جنت میں داخل کر دیا جائے گا کما قال تعالیٰ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ
بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ
لِمَنْ يَشَاءُ
میشک اللہ تعالیٰ س بات کو نہ بخشیں گے کہ انکے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جسکے لیے غفور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے۔

اور یہود جو یہ روایت کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا کہ تمہاری اولاد کو عذاب نہ دوں گا مگر تحلۃ القسم یعنی محض قسم پورا کر کے لیے یا یہ فرمایا کہ فقط چند روز کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ یہ روایت بالفرض اگر صحیح ہو تو اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبی بیٹے مراد ہیں جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا قصور معاف کرایا اور بارگاہِ خداوندی میں بہ ہزار عجز و نیاز توبہ اور استغفار کی اور اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی۔ یہ تاہیں جہنم میں نہیں جائیں گے اور ان کی اولاد میں سے جو چند روز کے لیے جہنم میں جائے گا اس سے مومن عاصی مراد ہے جیسا کہ تمام شریعتوں کا قاعدہ ہے کہ جو شخص مومن ہو اور گناہ گار ہو اس پر دائمی عذاب نہیں۔

بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ یہ حکم ذاتی طور پر ہمارے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ لَمْ نَكُنْ نَكْتُمُ النَّارَ إِلَّا لَأَنَّا مَا كَفَرْنَا کافروں کا دعویٰ کر لے گئے اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ حکم بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص نہیں جو دین حق کا اتباع کرے اسکا ہی حکم ہے گزشتہ زمانہ میں چونکہ بنی اسرائیل ملت حقہ اور دین حق کے قبیح تھے اگرچہ گناہوں اور خطاؤں میں طوشت تھے اس لیے یہ حکم تھا کہ بنی اسرائیل زمریوں کی طرح ہمیشہ جہنم میں درمیں گئے بلکہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں جائیں گے جیسا کہ مومن عاصی کا حکم ہے اور اب

وہ صورت باقی نہیں رہی اس وقت تم دین حق اور نبی برحق کے اتباع سے انحراف کیے ہوئے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو اور نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ اس لیے تمہارا عذاب دائمی ہو گا جیسا کہ کافر کا تمام شریعتوں میں یہی حکم ہے کہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل کا بندگی نہ کرو

إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى يَا آلَ الدِّينِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک اور قرابت والے سے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَ

اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اور کہو لوگوں سے نیک بات اور

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا

کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر

قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

تھوڑے تم میں اور تم کو دھیان نہیں۔

شاعت یازدہم (۱۱)

قال تعالى وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ... إلخ... وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ۔
(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے اس زعم فاسد کا کہ ہم کو سوائے چند گنتی کے دنوں کے دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں اور فرمایا کہ یہ خیال خام ہے۔ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ خاندان نبوت سے تعلق پر نہیں۔ جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے خواہ وہ کسی خاندان اور کسی قوم کا ہو اس کی نجات ہوگی اور جو کفر کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا۔ یہ آخرت کا معاملہ ہے۔

ع کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیز سے نیست

علاوہ ازیں تمہاری عہد شکنیوں کا مقتضی بھی اس کے خلاف ہے کہ تم کو صرف چند روزہ عذاب دیا جلتے جس قوم نے خدا تعالیٰ سے پختہ عہد اور پیمان کر کے توڑے ہوں اس قوم کو چند روز عذاب دیکر چھوڑ دینا خلاف حکمت ہے خصوصاً جبکہ عہد شکنی ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہو اور نیست بھی یہ ہو کہ ہمیشہ ان گناہوں پر قائم رہیں گے۔ اس لیے آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے توریت میں بنی اسرائیل سے چند باتوں کا پختہ عہد لیا۔ اوں یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرو گے دوم یہ کہ والدین کے ساتھ خاص احسان کرو گے جو احسان کی تمام انواع و اقسام کو شامل ہو اور س کی تین قسمیں ہیں (۱) ترک ایذا (۲) خدمت مالی (۳) خدمت بدنی۔ سوم اہل قربت کے ساتھ حسب قربت احسان کرنا اور چارم یتیموں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اور پنجم عام غرباء اور محتاجوں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اور ششم یہ کہ تمام لوگوں کے ساتھ خواہ مومن ہوں یا کافر اچھی طرح اور نرمی سے بات کرنا۔ حسن خلق اور مدارا میں کسی کی تخصیص نہیں اور ہفتم یہ کہ نماز کو قائم رکھنا اور ششم یہ کہ زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ یہ وہ عہد تھے جو تم سے لیے گئے پھر تم نے ان مضبوط اور محکم عہدوں سے رد گردانی کی۔ مگر تم میں کے بہت ہی تھوڑے افراد ان عہدوں پر قائم رہے اور تم احکامِ خداوندی سے اعراض اور انحراف کے عادی اور شوگر ہی ہو گئے ہو اور یہ اعراض تمہاری عادتِ ثانیہ بن گئی ہے۔ اور پھر اس پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے محب اور محبوب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں چند روز رکھنے کا تو تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا البتہ تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا اور یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنا اور لوگوں کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آنا مگر تم نے یہ عہد بھی توڑ ڈالا اور بہت ہی قلیل لوگ تم میں سے اس عہد پر قائم رہے مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔

والدین کی تربیت تربیتِ خداوندی کا ایک نمونہ ہے۔ والدین علمِ اسباب میں اسکے وجودِ فائدہ اولیٰ کے ایک ظاہری مہذب ہیں۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور غرض کے لیے نہیں اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی دولتِ طول نہیں ہوتے۔ اولاد کے لیے جو کماں لگیں ہو والدین دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں۔ اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہشمند اور آرزو مند رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیمِ والدین کا حکم دیا اور انہی وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے وَالْوَالِدَیْنِ میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے۔ والدین خواہ کافر و زاجر ہوں یا منافق و فاسق ہوں۔ اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی دعوت و تلقین میں ہمیشہ تملطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے۔ اور قرآن اور حدیث میں جا بجا

کافر اور مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی سلوک و احسان کا حکم دیا گیا ہے۔

محتاج تو قییم اور مسکین دونوں ہی ہیں۔ مگر قییم کم ہونے کی وجہ سے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے قییم کو مسکین پر مقدم فرمایا۔

فائدہ دوم

مالی سلوک و احسان زیادہ تر اقارب کے ساتھ ہونا ہے مالی احسان ہر ایک کے ساتھ

ممکن نہیں اس لیے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا میں احسان کے ساتھ قوی احسان

فائدہ سوم

کا ذکر فرمایا اس لیے کہ تواضع اور حسن خلق کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ممکن ہے۔

دعوت در تذکیر یعنی وعظ و نصیحت کے موقعہ پر نرمی اور ملاطفت مہرود ہے کما قال

تَعَالَى وَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ وَيَنْتَهِى عَنْ سَبِيلِ رَيْبِكَ بِالْحُكْمِ وَأَمْرٍ غَلِيظٍ

فائدہ چہارم

الْحُسْنَى دَقَالَ تَعَالَى فَمَا رَكَبْتُمُوهَا قَالُوا نَسَبْنَا لَهَا نَسَبًا وَهِيَ الْحَمِيرُ

غرض یہ کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و مناظرہ میں قلف و درلین مناسب ہے جیسا کہ ان آیات سے صاف ظاہر

ہے۔ البتہ جہاد اور قتال میں عظمت اور شدت مناسب ہے کما قال تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَاتُوا بِلِهَاجِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ لِلدِّينِ بِمَا كُنْتُمْ

أَلْفَاظَ الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ وَارْغُلْظْ عَلَيْهِمْ جہاد اور نصیحت کے فرق کو خوب سمجھ لو۔

فائدہ پنجم

در بیان فرق مدارات و مداهنت

بہت سے لوگ مداراة اور مداهنت میں فرق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے پنی

دنوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے چھوڑ دینا اس

کا نام مداراة ہے۔ اور کسی دنیوی لحاظ کے خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا اور اس میں سستی کرنا اس کا نام مداهنت

ہے۔ مداراة شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداهنت قبیح اور مذموم ہے کما قال تَعَالَى وَذُرُوا

تَذَرُهُمْ فَيُتَذَكَّرُوا۔

خلاصہ یہ کہ دین میں سستی اور نرمی کا نام مداهنت ہے اور دنیوی امور میں نرمی اور سستی کا نام

مداراة ہے۔

وَاذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ

اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا کہ نہ کرو گے خون آیس میں

وَلَا تَخْرُجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

اور نہ نکال دو گئے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر

أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ

تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو

أَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ

آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فریقے کو ان کے وطن سے

تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ

چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ سے اور ظلم سے اور اگر وہی آویں تم

أُسْرَى تَفْدُوهُمْ وَهُمْ هُمْ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ط

پاس کسی کی قید میں پڑے تو انکو چھڑائی دیتے ہو اور وہ بھی حرام ہے تم پر انکا نکال دینا

أَفْتُونُومُنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا

پھر کیا مانتے ہو تھوڑی کتاب اور منکر ہوتے ہو تھوڑی سے پھر کچھ

جَزَاءٌ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ

سزا نہیں اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ط

میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے وہی ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفَتْ عَنْهُمْ

خرید کی دنیا کی زندگی آخرت دے کر سو نہ ہلکا ہوگا ان پر

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْصَرُونَ ﴿۸۹﴾

عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔

شاعت دوازہم (۱۲)

قال تعالیٰ۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ... إلخ... وَلَا هُمْ يَنْصَرُونَ۔
(رابطہ) علاوہ ازیں تمہاری دوسری عہد شکنیوں کا بھی مقصد یہی ہے کہ تم کو چند روز عذاب نہیں بلکہ دائمی عذاب دیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تم سے اس امر کا پختہ عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالو گے۔ اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنا اور انکو جلا وطن کرنا درحقیقت اپنے ہی کو قتل کرنا اور جلا وطن کرنا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اقرار کیا کہ اَهْلَ مِلَّتِكُمْ كَالْأَنْفُسِكُمْ۔ کا لفظ استعمال فرمایا اور پھر تم نے اسکا اقرار بھی کر لیا کہ یہ عہد اور پیمان ہم کو منظور و قبول ہے اور فقط اقرار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تم اس پر شہادت اور گواہی بھی دیتے ہو کہ بیشک ہمارے بزرگوں نے یہ عہد کیا تھا اور پھر اس صریح اقرار اور صریح شہادت کے بعد تم ہی وہ لوگ ہو کہ باہم ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو اور اپنی قوم کے ایک فریق کو جلا وطن بھی کرتے ہو۔ اس طرح کہ تم ان کے مقابلہ میں اللہ کے گناہ اور مصیبت اور بندوں پر ظلم اور تعدی کے ساتھ قتل کرنے اور جلا وطن کرنے میں انکے مخالفین کی امداد کرتے ہو۔ تو ریت کے ان دو حکموں کو تم نے پس پشت ڈالا اور تمیل حکم جو آسان تھا اس پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتے ہو اور وہ یہ کہ اگر تمہارے ہم مذہب لوگ اسیر اور گرفتار ہو کر آتے ہیں تو انکا لہرہ دیکر انکو قید سے چھڑاتے ہو اور حالانکہ تم پر ان کا نکالنا اور جلا وطن کرنا بھی تو قطعاً حرام تھا اور قتل کرنا تو اس سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔ مگر تعجب ہے کہ جو جرم شدید تھا اس کا تو ارتکاب کرتے رہے اور جو جرم ذرا خفیف تھا اس سے اجتناب کیا اور وہ اجتناب بھی اتباع شریعت کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ وہ حکم غرض اور طبیعت کے موافق تھا لہذا ایسے شخص کے لیے چند روزہ عذاب کافی نہیں دائمی عذاب چاہیئے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو فریق تھے۔ ایک بنی قریظہ۔ اور دوسرے بنی نضیر۔

اسی طرح مدینہ میں مشرکین کے بھی دو فریق تھے ایک اوس اور دوسرے خزرج اور ہر فریق دوسرے فریق کا دشمن تھا آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنی قریظہ تو قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کے حلیف اور دوست تھے۔ جب کبھی اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو حلف اور دوستی کی وجہ سے بنو قریظہ تو اوس کی حمایت اور مدد کرتا اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کی حمایت اور مدد کرتا۔ دوسرے قبیلہ اپنے

خلفاء کے ساتھ مل کر اپنے دشمن کو مارتا اور جلا وطن کرتا۔ اور اگر کوئی یہودی جنگ میں اسیر ہو جاتا تو سب مل کر روپیہ جمع کرتے اور زندہ یہودیہ دیکر اسکو قید سے چھڑا کر لاتے اور اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ تم آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قتل کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالتے ہو تو پھر انہی قیدیوں کو جن کو گھروں سے نکالا تھا زندہ یہودیہ دیکر کیوں چھڑاتے ہو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حق قتل نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہ جس وقت تمہارے ہم مذہب بھائی کسی کے ہاتھ میں قید ہو جائیں تو ان کو قید سے چھڑانا ہم پر واجب ہے۔ اور رہی آپس کی جنگ تو وہ دنیوی مصلحت کی بنا پر ہے اس میں اگر اپنے خلفاء کا ساتھ نہ دیں تو موجب عار و ننگ ہے۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں یہودی کی اس شاعت کو ذکر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ تم کو توریت میں قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کی اور ظلم اور تعدی میں مدد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور قیدیوں کو زندہ دیکر چھڑانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان تمام احکام میں سے تم نے فقط فداوار اسرائیل کے حکم پر عمل کیا اس لیے کہ وہ تمہاری نفسانی خواہش کے موافق اور مطابق تھا۔ یہ درحقیقت خدا کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کو اور گھروں سے نکالنے کو تو جانتے سمجھتے ہیں اور اگر کسی غیر کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں تو زندہ دیکر ان کے چھڑانے کو واجب سمجھتے ہیں۔ علامہ کلام یہ کہ تم شریعت کے بعض حدود اور بعض حکموں کو بے دھڑک توڑتے ہو اور شریعت کا وہ حکم جو تمہاری خواہش نفس اور طبیعت کے موافق ہو اس پر عمل کرتے ہو پس کیا تم کتاب خداوندی یعنی توریت کے بعض حکموں پر تو ایمان لاتے ہو۔ اور بعض احکام کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ ایمان میں تجویز اور تقسیم جاری نہیں ہوتی۔ سارے ہی حکموں کے ماننے کا نام ایمان ہے جو شخص ایک حکم کا بھی انکار کر دے وہ کافر ہے اور کافر کی سزا دائمی ہے نہ کہ ایام محدودہ پس کیا جزار ہے اس شخص کی جو ایسا شیعہ کام کرے کہ اللہ کے بعض حکموں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے۔ خصوصاً تم میں سے جو اپنے کو اہل کتاب اور اہل علم بتلاتے ہیں مگر خواری اور رسوائی دنیاوی زندگی میں جیسے قتل و غارت اور کمی زلت و اہانت کے ساتھ ان سے جزیہ اور خراج وصول کرنا اور انکے جرم کے لحاظ سے یہ سزا کوئی بڑی سزا نہیں۔ البتہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پہنچائے جائیں گے اور خوب سمجھ لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تو اس سے غافل اور بے خبر نہیں ہاں تم ہی غفلت اور بے خبری میں ہو۔ دیکھ لو بے عقل لوگوں کا کردہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جنہوں نے اس دنیا سے دنی اور فانی کی حقیر زندگی کو آخرت کے عوض میں بے حد غفلت خرید لیا ہے پس یہ نادان آخرت کے منافع سے تو کیا منتفع ہوتے۔ ان سے تو عذاب اخروی ہلکا بھی نہیں کیا جاتا۔ اور نہ انکی کسی قسم کی مدد کی جائے گی کہ کوئی زور آور بزور اللہ کے عذاب کو نہ دفع کر دے پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ دائمی عذاب کے مستحق ہیں اس لیے کہ کفر نے انکا ہر طرف سے احاطہ کیا ہے لہذا یہ لوگ اپنے تول لن تمسب النار الا یاھا معدودہ میں جھوٹے ہیں۔

فائدہ | معلوم ہوا کہ جو شخص شریعت کے اس حکم کو تو مانے جو اسکی طبیعت اور مزاج کے موافق ہو اور جو حکم

مخالف طبیعت ہوا سکو قبول نہ کرے وہ کافر ہے مسلمان نہیں دنیاوی حکومتوں میں بھی ایک قانون کا انکار بغاوت ہے جس شخص حکومت کے کسی حکم کے ماننے سے انکار کر دے اس پر بغاوت کی دفعہ لگ جاتی ہے اور کفر اللہ کی بغاوت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اسکے پیچھے

بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ

رسول اور دیتے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو سچے صریح اور

وَآيِدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ

تو دی میں کو روح پاک سے پھر بھلا جب تم پاس لیا کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِّقُوا كَذِبُكُمْ

جو نہ چاہا تمہارے جی نے تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا

وَفَرِّقُوا تَقْتُلُونَ ﴿۸۵﴾

اور ایک جماعت کو مار ڈالتے

شاعت یزدہم (۱۳)

قال تعالى۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ إِلَى وَفَرِّقُوا تَقْتُلُونَ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کی ہدایت اور اصلاح کا بڑا انتظام کیا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک روشن کتاب یعنی تورات عطار کی اور پھر اسکے دنیا سے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح اور تربیت کے لیے مسلسل یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا کہ اللہ کے بندوں کو یہ دلاستے رہیں اور شریعت موسویہ کی پیروی اور اس پر استقامت کی تلقین کرتے رہیں اور پھر خاندان بنی اسرائیل کے اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل دیکر بھیجا اور خاص طور سے روح القدس یعنی جبرائیل امین سے

انکو قوت دی جو ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے تھے اور دشمنوں سے انکی حفاظت کرتے تھے ولادت سے لیکر رفع الی اسما کے وقت تک جبرائیل آپکے محافظ رہے اور اسکے آثار و ثمرات و انوار و تجلیات پنی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو کیا اسکے بعد بھی تم نرم نہ پڑے اور جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسا حکم لیکر آیا کہ جس کو تمہارے نفس پسند نہ کرتے تھے تو تم نے تکبر اور سرکشی کی حالانکہ عقل کا مقتضی یہ تھا کہ اللہ کے نبی اور رسول کی دل و جان سے اطاعت کرتے اور نفس سرکش کی مخالفت کرتے۔ تم جیسے نادان یہ تو کیا کرتے پس تم نے اپنی ہی راہ اختیار کی اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو جھٹلایا اور انبیاء کی ایک جماعت کو مار ڈالتے ہو اور ظاہر ہے کہ جو مریض بجائے اسکے کہ طبیب کی ہدایت پر چلے۔ الطاطیب کی بے حرمتی کرے اور اسکو جھٹلے بلکہ اسکو قتل کر ڈالے وہ کہاں شفا یاب ہو سکتا ہے اور ایسے روحانی مریض کے لیے ایام محدودہ کی سزا کافی نہیں بلکہ دائمی اور ابدی سزا چاہیے۔

ف یہود انبیاء کی تکذیب تو ایک مرتبہ کر چکے اور قتل کا سلسلہ جاری ہے۔ اب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے قتل ہیں اس لیے کَذَّبْتُمْ بِصِغَةِ مَاضِي لَانِے اور قَتَلْتُمْ لَنْ کو بصیغۂ مضارع لَانِے جو ان کے فعل قتل کے حان اور استقبال میں جاری اور مستمر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نیز قتل کا واقعہ اگرچہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے مگر چونکہ انبیاء کا قتل نہایت ہی عظیم اور سخت ہے اس لیے اس کی عظمت اور شاعت کے ظاہر کرنے کے لیے صیغۂ مضارع سے تعبیر کیا تاکہ وہ پیش نظر ہو جائے گویا کہ وہ اب ہو رہا ہے اور یہ ہولناک ورجحہر تناک واقعہ لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے۔ (وہ لفظ) یہاں تک بنی اسرائیل کے اُس معاملہ کا ذکر تھا جو انبیاء سابقین اور گزشتہ کتب منزلہ کے ساتھ تھا اب آئندہ آیات میں ان بد بختوں کے اُس معاملہ کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے نبی آخر الزماں اور قرآن کے ساتھ کیا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۖ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

وہ کہتے ہیں ہمارے دل پر غلاف ہے۔ یوں نہیں لعنت کی ہے اللہ نے انکے انکار سے

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

سورگم یقین لاتے ہیں

شناعت چہار دہم (۱۴)

قال تعالى - وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ لِي فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ -

اور ان کے غرور اور تکبر کا یہ عالم ہے کہ خدا کے پیغمبروں سے بطور فخر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں سوائے اپنے دین کے کسی نئی بات کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا یعنی ہم اپنے دین پر نہایت پختہ اور مضبوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ وجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکے انکار اور تکذیب کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے اور اپنی رحمت اور عنایت سے دور ڈال دیا ہے اس لیے حق بات ان پر اثر نہیں کرتی اور ان کے دل حق اور نصیحت کو قبول نہیں کرتے۔ اور حق سے متنفر اور بیزار ہیں یہ غلاف نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی نشانی اور علامت ہے۔ کفر اور لعنت کے زنگ نے انکے دلوں کو اس قدر سیاہ اور زنگ آلود کر دیا ہے کہ آئینہ دل میں شاید ہی کوئی جزا یا باقی رہا ہو کہ ایمان اور ہدایت کی روشنی کو قبول کر سکے۔ اس لیے یہ لوگ بہت ہی قلیل ایمان لاتے ہیں یعنی شریعت کے کسی حکم کو بھی مان بھی لیتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ ایمان قلیل قابل قبول نہیں مثلاً اگر توحید و رسالت کا اقرار بھی کر لیا۔ اور اجمالی طور پر جنت و جہنم پر بھی ایمان لے لیا اور شریعت کے دوسرے احکام کا انکار کر دیا تو ایسے ایمان سے کوئی فائدہ نہیں ایمان قلیل تو کیا معتبر ہوتا۔ نجات کے لیے تو ایمان کثیر بلکہ ایمان اکثر بھی کافی نہیں کہ دین کی کثیر اور اکثر باتوں کو ماننے اور بعض کا انکار کر دے ایمان اللہ کے تمام احکام کے ماننے کا نام ہے محض قلیل و کثیر کے ماننے سے شریعت میں مؤمن نہیں کہلاتا۔

فائدہ | حضرات مفسرین نے غُلْف کے دو معنی بیان کیے ہیں اول یہ کہ غُلْف اِغْلَاف کی جمع ہے جیسے امر اور اصفر کی جمع حُمْر اور صُفْر آتی ہے اور اِغْلَاف اسی شے کو کہتے ہیں جو کسی غلاف اور پردہ میں محفوظ اور مستور ہو۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہونگے کہ ہمارے دلوں پر غلاف اور پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے آپ کی بات ہمارے دلوں تک پہنچتی نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے **وَقَالُوا قُلُوبُنَا فُتِنًا** (اور کہا کافروں نے ہمارے دل پردوں میں ہیں) بجا اور قنادہ سے یہی معنی منقول ہیں۔

دوم یہ کہ غُلْف غلاف کی جمع ہے دراصل غُلْف بغم اللام تھا جیسے کتاب کی جمع کُتُب آتی ہے مگر تخفیف کی وجہ سے لام کو ساکن کر دیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما غُلْف بغم لام پڑھتے تھے۔ اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہونگے کہ ہمارے دل علم کے غلاف اور برتن ہیں جن میں ہر قسم کا علم بھرا ہوا ہے تمہارے علم کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا کہ جھوٹ بولتے ہیں۔ نہ انکے دلوں پر پردہ ہے اور نہ ان کے دل علم کے غلاف اور ظرف ہیں بلکہ ان کے کفر اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے اور ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد کو سلب کر لیا ہے اس لیے ان کے دلوں میں حق کو قبول نہیں کرتے **فَأَصْحَابُهَا هُمُ الْكَافِرُونَ** (انکے بھراؤ اور اندھا بنادیا ہے اور وہ مالک مطلق ہے جس کو چاہے ظاہر کا اندھا بنائے اور جس کو چاہے باطن کا اندھا بنائے کسی کی مجال کیا ہے جو یہ پوچھ سکے کہ اس کی ظاہر یا باطن کی آنکھ کیوں پھوٹی؟

اخرج احمد بسند جيد عن
ابى سعيد قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم القلوب
الربعة قلب اجرد فيه مثل
السراج بزهر و قلب اغلف
مربوط على غلافه و قلب
مكس و قلب مصف - فاما
القلب الاجرد فقلب المؤمن
سراج فيه نوره و اما
القلب الاغلف فقلب
الكافر و اما القلب المنكس
فقلب المنافق عرف شعركرو
اما القلب المصف فقلب فيه
ايمان و نفاق فحقن الايمان
فيه كمث البقلة يمدھا
الماء الطيب و مثل النفاق
فيه كمث القرحة
يعدھا القايح - فاحت
المادتین غلبت على
الاخری غلبت عليه
(در مشور ص ۱۷)

امام احمد نے سند جيد کے ساتھ ابو سعید خدری
سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں
ایک دل تودہ ہے جو آئینہ کی طرح صاف
و شفاف ہے اور اس میں کوئی چراغ روشن
ہے اور ایک دل وہ ہے جو غلاف میں
بند ہے اور غلاف کا منہ تانگے یا کٹی سے
بندھا ہوا ہے اور ایک دل الٹا اور اونڈھا
اور ایک دل وہ ہے جس کے دو صفحے
یعنی دو جانب ہیں ایک سفید ہے اور
ایک صفحہ سیاہ - پس صاف و شفاف دل
تو مومن کا دل ہے جس میں ایمان کا چراغ
روشن ہے اور غلاف میں بند کافر کا
دل ہے اور الٹا اور اونڈھا دل منافق کا
ہے کہ جس نے حق کو پہچانا اور پھر اس کا
انکار کیا اور دروید دل وہ ہے کہ جس میں
ایمان اور نفاق دونوں جمع ہیں پس ایمان
اس دل میں مثل سبزہ کے ہے کہ پاکیزہ
پانی اس کو بڑھاتا ہے اور اس کے دل
میں نفاق مثل ناسور کے ہے کہ جو دم بدم
پھپھ اور خون کو بڑھاتا ہے پس ان دو
مادوں میں سے جو نسا مادہ غالب آجائے
اسی کا اعتبار ہے -

اللهم نعوذ بقلوبنا بانوار طاعتك و معرفتك امان يا ارحم الراحمين.

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

اور جب پہنچی ان کو کتاب اللہ کی طرف سے سچ بتاتی ان پاس والی کو

مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

اور پہلے سے کتنے مانگتے تھے

كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ

کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے سو

اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۸۹ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

لعنت ہے اللہ کی منکروں پر برسے مول خرید کیا اپنی جان کو کہ منکر

يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ

ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے

فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُ وَبِغَضَبٍ

فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کھا لئے غصہ

عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۹۰

پر غصہ اور منکروں کو عذاب ہے ذلت کا

شاعت پانزدہم (۱۵)

قال تعالى وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الى ... وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں قلب الغلف کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں قلب منکوس کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ یہود۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب پہچانتے تھے کہ یہی نبی آخر الزمان ہیں مگر عناد اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب آئی یعنی قرآن شریف جسکے اعجاز کو دیکھ کر خود ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے ہے اور پھر مزید برآں وہ قرآن جو منجانب اللہ ان کے پاس آیا اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہے یعنی توریت کی تصدیق اور موافقت کرتا ہے حالانکہ آپ اُمّی ہیں آپ تو عربی خط اور عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جو کتاب عبرانی خط میں ہو اس کے مضامین کی

واقفیت کیسے ہو سکتی ہے سوائے وحی کے اور کوئی ذریعہ علم نہیں اور تعجب ہے کہ یہ لوگ آپ کی نبوت میں تردد کرتے ہیں۔ حالانکہ نزول قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافرا در بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام اور برکت سے فتح و نصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑنی ہوتی تو یہ دعا مانگتے۔

اللھم ربنا انا نسألك بحق
حمد النبی الامی الذی
وعدتنا ان تخرجہ لنا فی اخر
الزمان و بکتابک الذی
تازل علیہ اخر ما نزل
ان تنصرنا علی اعدائنا اخرجہ
البونعیم والحاکم والبیہقی
وغیرہم عن ابن عباس
وابن مسعود وغیرہم بالفاظ

اے اللہ ہم تجھ سے اس احمد مصطفیٰ نبی
الہی کے حق سے سوال کرتے ہیں جسکے ظاہر
کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور
اس کتاب کے واسطہ در برکت سے
سوال کرتے ہیں جس کو تو سب سے اخیر
میں نازل کرے گا کہ ہم کو ہمارے دشمنوں
پر فتح اور نصرت عطا فرما یہ روایت
ابن عباس اور ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے
بافاظ مختلفہ مروی ہے۔

مختلفة (درمشور)

غرض یہ کہ آپ کے ظہور سے پہلے ہی یہود آپ کو خوب پہچانتے تھے اور آپ کے نام مبارک اور قرآن کریم کے واسطہ در برکت سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے اور فتح پاتے تھے اور آپ کے توسل کو موجب خیر و برکت سمجھتے تھے پس جب ان کے پاس وہ چیز خود بخود آ پہنچی یعنی نبی اُمّی اور قرآن جس کو آنے سے پہلے ہی خوب پہچان چکے تھے اور اسکے ظہور کے منتظر تھے آتے ہی محض حسد اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے ایسے لوگوں کے عذاب میں کیسے تخفیف ہو سکتی ہے یا ایسے لوگوں کا عذاب ایام محدودہ کیسے ہو سکتا ہے پس لعنت ہو اللہ کی ایسے کافروں پر جنہوں نے دیدہ و دانستہ حق کو محض حسد اور عناد کی وجہ سے چھپایا۔ حق تو یہ تھا کہ جن کے نام کی برکت سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے اور نتیجہ اب ہوتے تھے آج دل و جان سے اس نبی اُمّی اور اسکے دین کی نصرت اور اعانت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ اور سب سے پہلے اس نبی اور اس کتاب پر ایمان لاتے نیز جب یہ کذاب توریت کی مصدق تھی تو اس کی تصدیق عَقلاً لازم تھی اس لیے کہ اسکی تکذیب توریت کی تکذیب کو مستلزم ہے بہت سی بُری باتیں وہ چیز جس کے بدلے میں، انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈیا یا اپنے گمان میں انکو خرید لیا یعنی حسد اور طمع کی وجہ سے کفر کے بدلے میں اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا گویا کہ دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھ ہلاکت کے لیے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اس تفسیر میں اختصار یعنی بیع کے بدلے اور انکی جان منہ لہ بیع ہے اور کفر بمنزلہ شمن ہے اور دوسری تفسیر میں اختصار خریدنے کے معنی میں ہے۔ جمہور کے نزدیک مختار پہلا ہی قول ہے ۱۲ منہ

یا اور اپنے خیال اور زعم فاسد کی بنا پر انکو عذاب الہی سے چھڑا لیا وہ یہ کہ انکار کرنے لگے اس چیز کا جو اللہ نے، اپنے نبی پر نازل کی محض اس حسد اور عناد کی بنا پر کہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور عطا یعنی وحی سے جس منہ پر چاہے کچھ نازل فرمائے ہیں یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہوئے کہ طرح طرح سے اسباب غضب کے مرتکب ہوئے۔

(۱) جس تہمت پر ایمان کے مدعی تھے اس میں سے نبی آخر الزمان کی بشارتوں کے چھپنے کی خاطر تحریف کی۔

(۲) باوجودیکہ اس نبی الہی اور قرآن کے واسطہ سے بار بار فتح و نصرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا پھر جب وہ نبی الہی اور وہ کتاب مجتہز سامنے آئی تو اقرار اور اعتراف کے بعد اس سے انحراف کیا۔

(۳) نبی برحق پر حسد کیا اور درپردہ اللہ پر اعتراض کیا کہ یہ منصب رسالت کے اہل نہ تھے ان کو یہ منصب کیوں عطا کیا ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسمہا قسم کے غضب اور عفتہ کے مورد بنے ہیں جو شخص غضب خداوندی کے پتھر کا حامل ہو نہ اس کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور اسکا عذاب چند روز میں منقطع ہو سکتا ہے اور اگر ان تمام وجوہ غضب سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو دائمی عذاب کے لیے لفظ ایک کفر ہی کافی ہے جو ان میں موجود ہے اور کافروں کے لیے ذیل کرنے والا عذاب ہے اور گنہگار مسلمانوں کو جو عذاب ہو گا وہ امانت اور تذلیل کے لیے نہ ہو گا بلکہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا جیسا کہ میلاد اور گندہ کپڑا بھٹی پر میل کپیں صاف کرنے کے لیے چڑھایا جاتا ہے۔ جلانے کے لیے نہیں دشمن کو مارنا تذلیل اور تحقیر کے لیے ہوتا ہے اور بیٹے اور شاگرد کو مارنا اصلاح اور تادیب کے لیے ہوتا ہے ایک مار تادیب کے لیے ہے اور ایک تہذیب کے لیے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ قَالُوا

اور جب کہیے ان کو مانو اللہ کا اتار، کلام کہیں ہم

نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ق

مانتے ہیں جو اترا ہم پر اور وہ نہیں مانتے جو پیچھے آیا

وَهُوَ الْحَقُّ مُصِداً لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

سے اور وہ اصل تحقیق ہے سچ بتاتا ان پاس والی کہ کہہ پھر کیوں مارتے رہے؟

اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱

نبی اللہ کے پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے

شاعت شانِ زہم (۱۶)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا اِلٰى اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اور دلیل اس امر کی (کہ یہود کا یہ معاملہ آپ کے ساتھ محض حسد کی بنا پر ہے) یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ہر اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے خواہ کسی پیغمبر پر اس کا نزول ہوا ہو جو چیز بھی خدا نے نازل کی اس پر ایمان لاؤ واجب ہے خواہ وہ توریت و انجیل ہو یا قرآن کریم ہو۔ وجوب ایمان کی علت حکم خداوندی ہو تا ہے جو تمام کتب الہیہ میں مشترک ہے وہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو فقط اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو خاص ہم پر ہمارے نبی کے واسطے سے نازل کی گئی۔ اس قید سے ان کا حصد صاف ظاہر ہے کہ جو کتاب بنی اسرائیل پر اتاری اس پر تو ایمان لائیں گے اور جو کتاب بنی اسمعیل پر اتاری اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور محض حسد کی بنا پر اپنی کتاب کے سوا تمام کتابوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ توریت کے سوا اور جو کتابیں خدا تعالیٰ نے نازل کیں وہ فی الغیر حق ہیں یعنی سچی اور واقع کے مطابق ہیں اور ان کے تمام مضامین محقق اور مدلل ہیں اور فی نفسہ حق ہونے کے علاوہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہیں جو ان کے ساتھ ہے لہذا جو چیز فی حد ذاتہ حق اور واقع کے مطابق ہو اور پھر اسکے علاوہ اس چیز کے ساتھ مطابق ہو جس کو وہ سچا اور برحق سمجھتے ہیں تو ایسی چیز کو نہ ماننا لازم خلاف عقل ہے اس لیے کہ مطابق کا مطابق بھی مطابق ہی ہو تا ہے لہذا ایک مطابق کو ماننا اور دوسرے مطابق کو نہ ماننا تناقض کو مستلزم ہے اور اگر اس پر بھی وہ توریت پر ایمان کے مدعی ہیں تو آپ ان سے یہ کہیں کہ اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کے پیغمبروں کو کس سے پہلے ہی سے قتل کرتے چلے آ رہے ہو؟ انک وہ پیغمبر توریت ہی کے مطابق حکم دیتے تھے اور شریعت موسویہ کی تائید اور تہجد کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ جیسے حضرت شیخاؤد حضرت اکرم یا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام اگر تم حقیقتاً توریت پر ایمان رکھتے دے تھے۔ معلوم ہوا کہ تم توریت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ توریت اور شریعت موسویہ پر تمہارا ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور آچکا تم پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر تم نے بنا لیا بچھڑا

مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۷﴾

اس کے پیچھے اور تم ظالم ہو

شاعت ہفتم (۱۷)

قَالَ تَعَالَى وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ اَلِی وَ أَنْتُمْ ظَالِمُونَ .

اور انبیاء کے قتل کا واقعہ تو موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا ہے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کفر کر چکے ہو وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس توحید و رسالت کی نہایت واضح اور روشن دلیلیں لیکر آئے جو اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی تھیں کہ عبادت اور بندگی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پھر بھی تم نے انکے جانے کے بعد ہی ایک گوسالہ بے عقل کو اپنا معبود بنالیا اور جب خدا ہی ایک بے عقل حیوان ٹھہرا تو اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ بے عقل حیوان کے بند سے کس درجہ بے عقل اور حیوان ہونگے، ہندوستان کے ہندو جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکا سلسلہ ہندو سامری سے ضرور ملتا ہو گا اور تم بڑے ہی ظالم ہو کہ اپنے ہاتھ سے ایک بے عقل حیوان کی بنائی ہوئی صورت کو تم نے خدا بنا لیا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔

گوسالہ کو معبود بنانا اس لیے تھا کہ یہ لوگ غایت حماقت کی وجہ سے یا تو مجسمہ تھے یا حلولیہ تھے یعنی خدا تعالیٰ کا کسی جسم میں حلول کرنا جائز سمجھتے تھے۔

ف

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور جب ہم نے لیا اقرار تمہارا اور اونچا کیا تم پر

الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا طَقَالُوا

بہاڑ پکڑو جو ہم نے تمکو دیا زور سے اور سنو بولے

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ

سننا ہم نے اور نہ مانا اور رچ رہا ان کے دلوں میں وہ بچھا

يَكْفُرْهُمْ قُلُوبُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مارے کفر کے تو کہہ بُرا کچھ سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾

تم ایمان والے ہو

شاعت ہشتم (۱۸)

قال تعالى: قِ اِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ اَلِی ... اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ .
اور ایک اور قصہ سنو جس سے توریت کے ساتھ یہود کے ایمان کا حال معلوم ہو گا۔ جب ہم نے
تم سے اس بات کا عہد لیا کہ جب توریت تمہارے پاس پہنچے تو دل و جان سے اس کو قبول کرنا اور اس
کے احکام پر عمل کرنا مگر تم اپنے اس ہمد سے بھر گئے۔ اور توریت پر عمل کرنے میں جیلے اور بہانے شروع
کیے۔ اس وقت ہم نے تمہارے سروں پر کوہ طور ٹاکھڑا کیا اور حکم دیا کہ جو احکام ہم نے تم کو دیئے ہیں ان
کو نہایت مضبوطی اور پختگی کے ساتھ پکڑو اور گوش ہوش سے انکو سنو مبادا کوئی حکم تم کو یاد نہ رہے اور پھر
تمہاری یہ غفلت معصیت کا سبب بن جائے اس کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ احکام توریت کو سن
لیا ہے مگر ماننا نہیں اور اگر ان کے فرد اور عصیان کا سبب سے بڑا نمونہ دیکھنا چاہو تو یہ ہے کہ ان کے
کفر اور سرکشی کی وجہ سے ان کے دونوں گوسالہ کی محبت پلا دی گئی تھی۔ اس لیے انکو گوسالہ پرستی لذیذ
اور خدایرستی تلخ اور ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ ظاہر نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے اسی حالت میں بھی
سَمِعْنَا اور عَصَيْنَا دونوں کلمے زبان سے کہے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ ایسی خوفناک حالت میں
زبان سے عَصَيْنَا کہنا بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔

دوئم یہ کہ بالفرض والتقدیر اگر کسی حالت میں زبان سے عَصَيْنَا نکالنے تو اسی وقت کوہ طور گرا
کر انکو چور چور کر دیا جاتا اور سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے کیونکہ کوہ طور کو سروں پر لا کر کھڑا
کرنا اس لیے تھا کہ وہ توریت کو قبول کریں اسی حالت میں بھی اگر زبان سے عَصَيْنَا کہا تھا تو پھر کوہ طور
کھڑا کرنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اسی اشکال کی بنا پر بعض مفسرین نے توجیہ کی ہے کہ سَمِعْنَا کہنا بزبان
قال تھا اور عَصَيْنَا کہنا بزبان حال تھا زمان سے تو فقط سَمِعْنَا ہی کہا تھا لیکن جب اقرار کے بعد
فوراً ہی عصیان اور نافرمانی کرنے لگے تو ان کی حالت کے اعتبار سے عَصَيْنَا کہنا ان کی طرف منسوب
کیا گیا گویا کہ وہ اسی حالت میں بزبان حال عَصَيْنَا کہہ رہے تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز

دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حقیقت امر یہ ہے کہ نبی اسرائیل باوجودیکہ کوہ طور کو اپنے سروں پر معلق دیکھ رہے تھے مگر یہ گمان کیا کہ یہ محض ڈرانے کے لیے ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی شفاعت سے اور بناؤں کی طرح یہ بلا بھی ٹل جائے گی۔ اس لیے انہوں نے ابتداء احکام تورات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور صاف عَصِیْنَا کہہ دیا کہ کیوں تورات کے احکام شائدہ کی ذمہ داری اپنے سر پر لیں۔ اس گمان پر انہوں نے یہ کلمہ اپنی زبان سے کہا لیکن جب دیکھا کہ پہاڑ ان کے سروں کے نزدیک ہوتا جا رہا ہے تو سمجھے کہ یہ چلے اور بہانے چلیں گے نہیں اس لیے چاروں چار سجدہ میں گرے اور زبان سے اعادہ قبول کہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے۔ **وَ اِذْ نَسَخْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهُ ظِلَّةٌ ۖ وَ ظَنُّوا اَنَّهُمْ وَاَقْرَعُ بِهُمُ** جب یہ یقین ہو گیا کہ پہاڑ ٹلنے والا نہیں اس وقت مجبور ہو کر قبول کیا۔ مگر کچھ مدت بعد پھر منحرف ہو گئے کما قال تعالیٰ **ثُمَّ قَوْلَ لَبِئْسَ مَا يَفْعَلُ خَالِصٌ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ**۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قبول کے یک مدت بعد انحراف کیا اور اس مقام پر ان کے ابتدائی حال کا بیان ہے کہ ابتداء میں انہوں نے قبول نہیں کیا اور عَصِیْنَا بھی کہا لیکن بعد میں مجبور ہو کر قبول کیا اور پھر ایک زمانہ کے بعد اس سے انحراف کیا۔ بعد اللہ اس تقریر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ انتہائی کلاماً **مُخَضَّلًا وَ مُوَضَّحًا**۔

خلاصہ یہ کہ جس ایمان کے وہ مدعی ہیں اس ایمان کی حقیقت اور کیفیت یہ ہے جو بیان ہوئی اسے ہمارے نبی آپ ان سے مختصراً سن اتنا کہہ دیجئے کہ بہت ہی بُری ہے وہ چیز جس کے کرنے کا تم کو تمہارا ایمان حکم دیتا ہے اگر حقیقتہً تم مومن ہو۔ اور دعوائے ایمان میں سچے ہو۔ یعنی یہ محض تمہارا ساختہ اور پرداختہ ایمان ہے جو ایسے افعال شیعہ اور اقوال قبیحہ کا حکم دیتا ہے حقیقی ایمان کبھی ایسی قبیح اور ضعیف باتوں کا حکم نہیں دے سکتا۔ اگر تمہارا ایمان تم کو ایسی ہی باتوں کا حکم دیتا ہے تو بہت بُرا ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا ایمان اگر تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ قادر مطلق کو چھوڑ کر ایک بے زبان اور لایعقل جانور کو خدا بناؤ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی تکذیب کرو پس ایسا ایمان جو تمہیں کفر کا حکم کرتا ہے یہ تو بہت ہی برا ایمان ہے۔ ایسے لوگ تو دائمی سزا کے مستحق ہیں ایسوں کے لیے ایام محدودہ کا عذاب ہرگز کافی نہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے یہاں

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَوُّوا الْمَوْتَ اِنْ

اگک سوائے اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَنْ يَتَمَوَّهَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ

اگر سچ کہتے ہو اور یہ آرزو کبھی نہ کریں گے جس واسطے آگے بھیج

أَيَّدِيهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۴﴾ وَلَتَجِدَنَّهٗم

پکے ہیں ہاتھ اٹکے اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو اور تو دیکھے ان کو سب

أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيٰوةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ

لوگوں سے زیادہ حرص جینے کی اور شریک پکڑنے والوں سے بھی

يَوَدُّ أَحَدُهُمُ لَوْ يَعمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِبَرِّحِرِّهِ

ایک ایک چاہتا ہے کہ عمر پاوے ہزار برس اور کچھ اس کو سرکا نہ

مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعمَّرَ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

دے گا عذاب سے اتنا جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں

شاعت نوزدہم (۱۹)

قال تعالى قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ... الخ... وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝
یہود باوجود ان شائع اور قبائح کے یہ کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور
آخرت کی نعمتیں ہمارے لیے مخصوص ہیں تو ہمارے نبی آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اگر دار
آخرت فقط تمہارے ہی لیے اللہ کے یہاں خاص ہے اوروں کے لیے نہیں یعنی بہشت اور نعمتیں آخرت
میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو پھر مرنے کی تمنا اور آرزو کر کے دکھلاؤ اگر تم اپنے اس دعوے
میں سچے ہو اس لیے کہ در آخرت کی وہ لازوال اور ہمیشہ نال نعمتیں کہ جن میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں ان
نعمتیں پہنچنے کا راستہ سوائے موت کے اور کوئی نہیں ہذا اگر تم کو یہ یقین ہے کہ اس دار جاودانی کی نعمتیں تمہارے
لیے مخصوص ہیں تو پھر اس دار فانی اور کلبہ احزان و پریشانی سے خلاصی اور نجات کی تمنا کرو۔ قصر عالی شان اور اعزاز
شاہی کے مقابلہ میں جیل خانہ کی ذلت اور متعت کو تزیج دینا کسی عاقل کا کام نہیں خصوصاً جبکہ جہاں و قتال
کا بازار گرم ہے اور یہود کے مرد مارے جا رہے ہیں اور بچے اور عورتیں غلام بنائے جا رہے ہیں مال

اس بات کو جا رہا ہے اور جزیہ اور خراج ان پر قائم کیا جا رہا ہے تو ایسی حیات سے بلاشبہ موت افضل اور بہتر ہے۔ مگر معلوم ہے کہ لذت و نبوی - نعم اخروی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور تم اس وقت مسلمانوں سے جنگ و جدال کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے ہو تو موت کی تمنا کرو تاکہ اس رنج و محن سے چھٹکارے اور چونکہ اپنے دعوے کے موافق خاصانِ خدا سے ہو اس لیے تمہاری دعا بھی ضرور قبول ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اگر تم اس دعوے میں پیچھے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اور ہم موت، و حیات کے مالک ہیں۔ جس وقت بھی تم موت کی تمنا کرو گے اسی وقت موت واقع کر دیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو پانی ہی کے گھونٹ سے گلا گھٹ کر مر جاتے وہ اسکی یہ ہے کہ جو شئی ممکن الوقوع ہو۔ تھکری اور اظہارِ معجزہ کے وقت اسکا وقوع اور تحقق واجب اور لازم ہو جاتا ہے لیکن یہ وجوب اور لزوم اُن کی تمنا اور آرزو پر موقوف تھا لہذا جب انہوں نے تمنا کی تو موت بھی متحقق نہ ہوئی اور چونکہ، نیکو یقین تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی تحدی کے بعد اگر ہم نے موت کی تمنا کی تو موت ضرور آجائے گی اس لیے ڈر کے مارے موت کی تمنا نہیں کی۔ خوب مانتے تھے کہ موت کی تمنا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہو جائے گا اس لیے موت کی تمنا کرنے سے عاجز رہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں اور ہم ابھی سے خبر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اُن اعمالِ شنیعہ کے خوف کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ پہلے کر چکے ہیں یہ جملہ بطورِ پیشین گوئی اور غیب کی خبر کے ہے جو حضور کا معجزہ اور یہود کے عجز کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ سے ظالموں کو خوب جانتا ہے اگرچہ وہ موت کی تمنا نہ کریں اور موت سے کتنا ہی بھاگیں۔ ایک نہ ایک دن ضرور موت آئے گی اور ان سب اعمالِ کفریہ کی انکو سزا ملے گی۔

ف ۱

حائنا چاہیے کہ یہ ایک قسم کا مبالغہ تھا۔ حق اور باطل کا فیصلہ اکثر مناظرہ اور مجادلہ سے ہوتا ہے اور کبھی مبالغہ سے۔ اس لیے کہ فیصلہ کے دو طریق ہیں۔ ایک طریقہ مستاد اور ایک طریقہ غیر مستاد۔ مستاد طریقہ یہ ہے کہ مناظرہ اور مباحثہ سے فیصلہ کیا جائے۔ در غیر مستاد طریقہ یہ ہے کہ فیصلہ ایسے طریقہ سے کیا جائے جو خارق للعادة اور اسباب ظاہری کے دائرہ سے بالا اور برتر ہو یعنی بطریقِ معجزہ اور کرامت اس کا فیصلہ کیا جائے چنانچہ اس مقام پر جب حجت اور دلیل اور نظر اور فکر کے تمام مراحل ختم ہو گئے تو خصم کے افہام اور الزام کے لیے ایک خارق عادت طریق اختیار کیا گیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ زبان سے یہ کہہ دیں کہ اے اللہ ہم کو موت دے اسی وقت اسکا صدق و کذب ظاہر ہو جائیگا اور اگر یہود کو اس کا یقین نہ ہوتا تو جوشِ عداوت میں ضرور کہہ ڈالتے تاکہ حضور کا معجزہ ظاہر نہ ہو۔

ف ۲

یہ خطاب اور یہ تحدی ان یہودیوں کے ساتھ مخصوص تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہی وہ نبی برحق ہیں جن کی پیشین گوئی قدامت میں ہے اور ہر زمانہ کے یہود سے یہ خطاب نہیں جیسا کہ روح المعانی ص ۲۹۶ ج ۱ عبد اللہ بن عمر رضی

تدنبہا سے منقول ہے اور ابد کا لفظ انہی کے عمر کے لحاظ سے دیا گیا۔

یہود نے زبان سے تمنا کی ورنہ ضرور منقول ہوتی، ورنہ دل سے تمنا کی ورنہ اگر
ف: ۳ دل سے تمنا کرتے تو نجات اور الزام کے دور کرنے کے لیے زبان سے ضرور
 اسکا خبر کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ سوال تو یہود کی طرف سے مسلمانوں پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ تم
ایک شبہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی جنت میں نہیں جائیگا لہذا
 تم کو بھی چاہیئے کہ موت کی تمنا کر۔

جو ب یہ ہے کہ یہود کا عقیدہ فقط یہی نہیں تھا کہ ہم اہل حق ہیں اور ہمارے سو کوئی
ازالہ جنت میں نہیں جائیگا بلکہ ساتھ یہ بھی اعتقاد تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں کما
 قال تعالیٰ حکیم عسھم یحییٰ اََمْواتِہِ وَ اَْحْیَا ءِہِا بِاِعمالِہِا و اِعمالِہِا و اِعمالِہِا و اِعمالِہِا
 کیسے ہی ناشائستہ اور ناگفتہ ہوں ہم ضرور جنت میں جائیں گے جنت ہماری جہری اور حاندی میراث سے
 مرتے ہی ہم بہشت میں داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔
 اور جنت ہمارے لیے مخصوص ہے ہمارے اعمال اچھے ہو یا بُرے ہر حال میں ہم جنت میں جائیں گے
 بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے اس لیے مسلمان
 ہمیشہ ای نازیبا افعال و اقوال سے ڈرتے رہتے ہیں بخلاف یہود کے کہ وہ بیدھڑک گناہ کرتے رہتے
 ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے ہیں۔ سَيُغْفَرُ لَنَا یحییٰ ہم کوئی گناہ کر لیں سب بخشے جائیں گے کسی قسم
 کی مصیبت ہمارے لیے مضر نہیں اور نہ ہم سے کوئی حساب و کتاب ہوگا اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ عقیدہ
 ہے کہ قیامت کے دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا اس لیے ہر وقت وہ اپنی کوتاہیوں سے ڈرتے رہتے
 ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ زندگی اور بڑھ جلتے تاکہ گزشتہ تقصیرات کی توبہ اور استغفار سے کچھ تلافی کر
 سکیں اور کچھ اعمال صالحہ کر کے سفر آخرت کے لیے زوردار حلقہ تیار کر سکیں۔

موت کی تمنا کا حکم شرعی

احادیث میں بلا ضرورت موت کی تمنا کرنے کی یا دنیوی مصائب سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے کی
 ممانعت آئی ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا اور توبہ اور اعمال صالحہ کے لیے وقت کا میسر آجانا ایک نعمت عظمیٰ اور
 عظیم کبریٰ ہے اللہ اگر قلب پر تقار خداوندی کا شوق غالب ہو تو پھر موت کی تمنا جاتزہ ہے مگر شرط
 یہ ہے کہ فطرہ شوق سے اس درجہ مغلوب الحال ہو جائے کہ دنیاوی منافع اسکی نظروں سے دھیل ہو جائیں
 اور علمہ شوق میں اس کو سکا بھی خیال نہ رہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوگی اسی قدر قرب خداوندی کے اسباب

زیادہ حاصل کر سکوں گا۔ اور حضرت صحابہ سے جو اس قسم کی آرزو منقول ہے سورہ اس وقت میں تھی کہ جب اسباب موت کے سامنے آگئے اور دنیا کی زندگی سے مایوسی ہو گئی، اس وقت موت کی فرحت اور مرگ میں کچھ کلمات زبان سے نکلے اور یہ وقت محل بحث سے خارج ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر عزیزی اور تفسیر مظہری کی مراجعت کی جائے۔ اور یہ لوگ موت کی تمنا اور رزق ہرگز نہیں کر سکتے اس لیے کہ البتہ تحقیق آپ انکو سب لوگوں سے زیادہ اس فانی زندگی پر حرصیں پائیں گے حتیٰ کہ ان لوگوں سے بھی زیادہ حرصیں پائیں گے جو لوگ مشرک اور بت پرست ہیں اور اخروی حیات کے بالکل قائل نہیں دنیوی ہی حیات کو حیات سمجھتے ہیں اور یہود باوجودیکہ حیات اخروی اور آخرت کے ثواب اور عتاب کے قائل ہیں انکا سب سے زیادہ زندگی پر حرصیں ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ انکو اپنے مجرم ہونے کا یقین کامل ہے ہر ایک ان میں سے یہ چاہتا ہے کہ اسکو ہزار برس کی عمر دی جائے حالانکہ ہزار برس کی عمر دیا جانا بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہیں کر سکتا ہزار برس کے بعد پھر موت ہی ہے اور ان لوگوں کو اگر ہزار برس سے بھی زیادہ عمر مل جائے تب بھی کوئی فائدہ نہیں جس قدر انکی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر انکا کفر زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے کہ وہ بد مذہب کفر اور مصیبت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے حق میں تخفیف عذاب کی کوئی صورت نہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

تو کہہ جو کوئی ہو گا دشمن جبریل کا سو اس نے اتارا ہے یہ کلام تیرے

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرًا

دل پر اللہ کے حکم سے سچ بتانا اس کلام کو جو اس کے آگے ہے اور راہ دکھاتا اور خوشی

لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

سناتا ایمان والوں کو جو کوئی ہو گا دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے رسولوں

وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝

کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔

شاعت بستم (۲۰)

قال تعالى قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ... اِنِّی... فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ۔

ان آیات میں یہود کے نہ ایمان لانے کے لیے ایک عاص بہانہ کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم قرآن پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ سکو جبریل لکھ آتے ہیں اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ یہی ہم پر ہمیشہ اللہ کا عذاب لیکھ آتے ہیں اس لیے ہم ان کی بات نہیں مانیں گے۔ اللہ میکائیل ہمارے دوست ہیں جو رحمت اور بارش کے فرشتہ ہیں وہ اگر وحی لیکھ آتے تو ہم مان لیتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہودی یہ کہیں کہ ہم قرآن کو اس لیے نہیں مانتے کہ وہ جبریل کے واسطے سے نازل ہوا ہے اور جبریل ہمارے دشمن ہیں۔ اور محمد رسول اللہ کو ہمارے پوشیدہ امرار سے مطلع کرے ہیں اور اس سے پہلے بھی جس قدر بلائیں اور مصیبتیں اور احکام شاقہ نازل ہوئے وہ سب جبریل ہی لیکھ آئے اس لیے ہم قرآن کو نہیں مانتے بخلاف توریت کے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ عنایت ہوئی۔ تو آپ انکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو وہ درحقیقت اللہ کا دشمن ہے اس لیے کہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے جس میں جبریل کا کوئی دخل اور اختیار نہیں وہ تو محض سفیر یعنی ابلیس ہیں تم تو اس پر نظر کرو کہ نازل کرنا کون ہے۔ حق جل شانہ اگر بجائے جبریل کے یہ کام میکائیل کے سپرد فرماتے تو وہ بھی یہی کرتے۔

۵۔ او بجز نانی و ماجزنی نیم

نیز اس قرآن کے اوصاف پر نظر ڈالو کہ وہ کیسا ہے سو اس میں تین صفتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ تمام کچھ کتابوں کا تصدیق کرنے والا ہے لہذا قرآن کریم کی تصدیق تمام کتب الانبیاء کی تصدیق ہے اور اس کی تکذیب تمام کتب الانبیاء کی تکذیب ہے۔ دوم یہ کہ وہ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بتلاتی ہے اور سیدھا راستہ تو اگر دشمن بھی بتلائے تو اسے فوراً قبول کرنا چاہیئے۔ سو تم یہ کہ یہ کتاب اہل ایمان کے لیے جو خداوند ذوالجلال کے لغز کے مشتاق و متمنی ہیں۔ ایک عظیم بشارت ہے۔ پس اب تم ہی بتلاؤ کہ جو فرشتہ تمہارے لیے خداوند ذوالجلال کی طرف سے ہدایت کے الوان نعمت کا خوان لیکھ آیا ہو وہ پھر مجبین اور مشتاقین کے لیے ساتھ ساتھ خوشخبری بھی لیکھ آیا ہو وہ کمال محبت اور غایت الفت کا مستحق ہے یا دشمنی اور عداوت کا۔ انہوں ان لوگوں نے اللہ کے پیغام ہدایت کو قبول کیا اور نہ بشارت میں داخل ہوئے یہ نہ سمجھا کہ اللہ کے فضل کو لیکھ آنے والے سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہے اور جو شخص اللہ کا دشمن ہو اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور خاص کر جبریل اور میکائیل کا تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تمام کافروں کا دشمن ہے لہذا جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ جو شخص بھی ان میں سے کسی سے عداوت رکھے وہ کافر ہے اور اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے دوستوں سے دشمنی کرنا اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہودیوں نے یہ کہا کہ جبریل ہمارے دشمن ہیں اور میکائیل ہمارے

دوست ہیں تو حضرت عمرؓ نے ان سے یہ سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ جبریلؑ اور میکائیلؑ کو بارگاہ خداوندی میں کیا مرتبہ اور کس درجہ کا قرب حاصل ہے۔ یہود نے کہا کہ جبریلؑ اللہ کے دائیں جانب ہیں اور میکائیلؑ بائیں جانب حضرت عمرؓ نے فرمایا پس خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ جبریلؑ میکائیلؑ کے دشمن ہوں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ میکائیلؑ جبریلؑ کے دشمنوں سے دوستی اور صلح کریں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب ان دونوں کو خدا سے یہ قرب ہے تو یہ ناممکن ہے کہ یہ دونوں پس میں دشمن ہوں۔ (کذا فی الدر المنثور ص ۹ ج ۱)

کسی کلام کے نازل ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کلام اول کان پر پہنچے اور

نکتہ

پھر کان سے دل تک پہنچے یہ طریقہ عام اور متعارف ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ اول دل پر اترے اور لفظ اور معنی سب سے پہلے دل میں اتریں اور پھر دل سے کان اور زبان پر پہنچیں۔ یہ طریقہ اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن کریم کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طریق پر ہوتا تھا اسی وجہ سے اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے یاد کرنے اور بار بار پڑھنے کی حاجت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک ہی مرتبہ سُنکر آپ کو یاد ہو جاتا تھا۔ اس لیے قُلْ أَطِيعُوا مَا نَزَّلَ عَلَى قُلُوبِكُمْ فرمایا۔ بخلاف امت کے کہ انکو قرآن یہود اور معتمد طریقے سے پہنچا ہے کہ اول کانوں سے سنا پھر دلوں تک پہنچا۔

نیز نزول وحی کی حالت میں حواس ظاہری بالکل معطل ہو جاتے ہیں اور بخودی طاری ہو جانے کی وجہ سے حواس ظاہری اپنا کام نہیں کرتے اس لیے ایسی حالت میں الفاظ وحی کا تمام تر ورود اور نزول قلب ہی پر ہوتا ہے جس طرح اسان خواب میں الفاظ بھی سنا رہے مگر ان الفاظ کا اصل مددِ قلب ہی ہوتا ہے اس لیے کہ خواب کی حالت میں حواس ظاہری ایک معطل ہو جاتے ہیں یا قلب پر نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن آپ کے قلب میں ایسا محفوظ ہو جاتا ہے کہ پھر آپ اس کو بھولتے نہیں اور نہ آپ کو اس کی مراد اور معنی میں کوئی اشتباہ لاحق ہوتا ہے۔



وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا

اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں واضح اور منکر نہ ہونگے ان سے مگر

الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾ أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدٍ وَأَعْهَدًا ثَبَدَ فَرِيقٌ

دہی جو بے حکم ہیں کیا اور جس بار باندھیں گے ایک اقرار پھینک دے گی اسکو ایک جماعت

مِنْهُمْ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۰ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

ان میں سے بلکہ وہ اکثر یقین نہیں کرتے اور جب پہنچا ان کو

رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

رسول اللہ کی طرف سے سچ بتاتا ان پاس والی کو پھینک دی

فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَا كِتَابَ اللَّهُ وَرَاءَ

ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں کتاب اللہ کی اپنی پیٹھ

ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۱ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا

کے پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں اور پیچھے لگے ہیں اس علم کے

الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمٍ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ

جوڑھتے تھے شیطان سلطنت میں سلیمان کی اور کفر نہیں کیا سیمان نے

وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

لیکن شیطانوں نے کفر کیا لوگوں کو سکھاتے سحر

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى السَّالِكِينَ بِبَابِ هَارُوتَ وَمَارُوتَ

اور اس علم کو جو اترا دو فرشتوں پر بابل میں ہاروت اور ماروت پر

وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

اور وہ نہ سکھاتے کسی کو جب تک نہ کہتے کہ ہم تو ہیں آزمائے کو

فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ

سو تو مت کافر ہو پھر ان سے سیکھتے جس چیز سے جدا ڈالتے

الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ

مرد میں اور اسکی عورت میں اور وہ اس سے بگاڑ نہیں سکتے کسی کا

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

بغیر اذن اللہ کے اور سیکھتے ہیں جس سے انکو نقصان ہے اور نفع نہیں

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

اور جان چکے ہیں کہ جو کوئی اس کا خریدار ہو اس کو آخرت میں نہیں کچھ

خَلَاقٍ نَّكَتٍ وَلِبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا

حقتہ اور بہت بری چیز ہے جس پر بیجا اپنی جانوں کو اگر ان کو

يَعْلَمُونَ ۝۱۰۲ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ

سمجھ ہوتی اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیز رکھتے تو بدلا تھا

عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۳

اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی

شاعت بابت و حکم (۲۱)

قال تعالى وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ... كَوْنُوا يَعْلَمُونَ
اور اپنی نبوت فقط قرآن پر موقوف نہیں کہ جسکے متعلق یہ بیانہ کر دیا کہ قرآن تو جبریل لیکر
آئے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں بلکہ اہل تحقیق ہم نے آپکی نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کے لیے
نبایت واضح اور روشن دلائل نازل کیے جن میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس نہیں اور نہ ان میں جبریل
کا توسط ہے پس اگر قرآن کو دلیل نبوت نہیں سمجھتے کہ جبریل سے دشمنی ہے تو ان آیات بلیات
کا تمہارے پاس کیا جواب ہے جن میں جبریل امین کا واسطہ نہیں اور انکو خود بھی معلوم ہے مگر غناد
کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابن صود یا یہودی نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم اپنی نبوت و رسالت کی کوئی ایسی نشانی نہیں لاتے جسے ہم بھی پہچانیں اس پر یہ
آیت نازل ہوئی (رواہ ابن ابی حاتم) اور مطلب یہ ہے کہ یہی نبوت کی ایک نشانی نہیں بلکہ صدھا
نشانیوں موجود ہیں اور ان آیات بلیات کا نہیں انکار کرتے مگر وہ لوگ جو عد ہی سے گزر گئے

ہیں اور معتضار عقل و نقل دونوں ہی کو خیر باد کہہ چکے ہیں کیا یہ لوگ اپنے فسق کے منکر ہیں حالانکہ ان کی عادت مستمرہ یہ رہی ہے کہ جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو ایک فریق نے تو اس کو بالکل پس پشت ہی ڈال دیا ہے حالانکہ نقص عہد عقلاً و شرعاً ہر طرح قبیح اور مذموم ہے اور فقط بد عہدی ہی نہیں بلکہ اکثر تو ان میں سے تو ریت پر بھی ایمان نہیں رکھتے اور تو ریت میں جو حضور پر ایمان لائے کا عہد لیا گیا تھا اس کو واجب العمل نہیں سمجھتے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ بد عہدی تو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے بہت سے تو تو ریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے اور جب تو ریت ہی کو واجب الایمان اور واجب العمل نہیں سمجھتے تو بد عہدی کرنے کو وہ کیا گناہ سمجھیں گے۔ اب آئندہ آیت میں ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرمائے ہیں اور جب انکے پاس ایک عظیم الشان رسول آیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو وہ پہچانتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی طرف سے ہے انبیاء و رسل بقین کی بشارتیں اور اس رسول کے معجزات اس کے صدق پر شاہد تھے اور پھر اسکے علاوہ وہ پیغمبر اس کتاب کی تصدیق بھی کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے مثلاً تو ریت اور زبور جس میں نبی آخر الزمان کی خبر دی گئی ہے مگر باوجود اسکے اہل کتاب کے ایک فریق نے کتاب اللہ یعنی تو ریت کو پس پشت ڈالا گو یا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ جانتے ہی نہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے غرض یہ کہ یہود نے اللہ کی کتاب کو تو پس پشت ڈال دیا جس کی انبیاء کرام تلاوت کرتے تھے اور ان منتروں کے پیچھے ہو لیے جن کی شاہین الانس والجن حضرت سلیمان کے دور حکومت میں تلاوت کیا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جو کہ عام تھی جن اور انس چرند اور پرند سب ان کے زیر حکم تھے اس لیے شیاطین اور جنات اور آدمی سب ملے جلے رہتے تھے۔ شیطانوں نے آدمیوں کو جادو سکھا رکھا تھا اور محاذ اللہ یہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہرگز مرگز نہ تھا اس لیے کہ یہ کام کفر کا ہے۔ اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی کسی قسم کا کفر نہیں کیا نہ علی اور نہ اعتقادی اور نہ قبل النبوة اور نہ بعد النبوة اس لیے کہ وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے کفر کے مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے سحر کو سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے تھے اس لیے کہ وہ یہود پر جو کہ سحر کو سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی برارت ظاہر فرمادی لیکن شیاطین نے از خود یہ کفر کا کام کیا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دینے لگے۔ یہود یہ کہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی نہ تھے بلکہ ساحر اور جادوگر تھے۔ اس کے زور سے جنات اور آدمیوں اور ہوا پر حکومت کرتے تھے سترق لے لے اسکا روبرو فرمایا کہ یہ کام کفر کا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی یہ کام نہیں کیا اس لیے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اس سے کفر کا صدور ہونا ناممکن ہے نبی تو کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے آتا ہے نہ کہ کرے کچھ لیے اور علاوہ انہیں یہود اس سحر کا بھی اتباع اور پیروی کرتے تھے جو کہ شہر بابل میں دو فرشتوں پر ایک خاص حکمت کی بنا پر نازل کیا گیا تھا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا وہ حکمت یہ تھی کہ لوگ سحر اور سحرہ اور کرمات میں فرق معلوم کریں تاکہ پیغمبر اور جادوگر میں کوئی التباس اور اشتباہ نہ ہو کیوں کہ

ظاہراً معجزہ کی طرح سحر بھی خارق عادت ہے اس لیے حق تعالیٰ نے دو فرشتے بصورت انسان بائیں میں اتارے کہ لوگوں کو سحر کی حقیقت سمجھائیں تاکہ لوگوں کو سحر اور معجزہ میں کوئی اشتباہ پیش نہ آئے اور چونکہ مقصود یہ تھا۔ اس لیے یہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ جزا میں نیست کہ ہم تو مخلوق کے لیے فتنہ اور آزمائش ہیں کہ کون سحر سیکھ کر کفر اور محصیت میں مبتلا ہوتا ہے اور کون اس کی حقیقت اور قباحیت کو معلوم کر کے اُس سے احتیاط و پرہیز کرتا ہے سو دیکھو اس کو سیکھ کر کفر کا کام نہ کرنا یعنی سحر نہ کرنا اس سے ایمان جانا رہے گا لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے جن سے میاں اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالتے اور یہ سمجھتے کہ یہ چیزیں بدون اللہ کی مشیت کے ضرر پہنچاتی ہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ یہ جادو گر اس سحر کے ذریعہ سے کسی کو بھی بغیر اللہ کی مشیت اور ارادہ کے ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے سحر میں تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے تو اعمال کی تاثیر کو بند کر دیتا ہے اور سحر کو بے اثر بنا دیتا ہے اور اگر بالفرض والتقدیر سحر میں کوئی کفر اور شرک بھی نہ ہوتا تب بھی عقل کا مقتضی یہی تھا کہ سحر سے احتراز کرتے کیونکہ یہ ایسے علم کو سیکھ رہے ہیں جو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے ضرر رساں ہے اور اگر بالفرض مضر نہ ہو تو نافع بھی نہیں اور عاقل کا کام یہ ہے کہ جو چیز نقصان دے اور نفع نہ دے اس سے احتراز کرے اور انکا سحر میں یہ اشتغال اور انہماک لاعلمی اور نادانی کی بنا پر نہیں کہ اس کے ضرر سے بیخبر ہوں۔ البتہ خدا کی قسم انکو خوب معلوم ہے کہ جو کفر یا ست کو خریدے گا اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ بہت ہی بڑی ہے وہ چیز جسکے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا کاش اس بات کو جانتے کہ ہم سعادت ابدیہ کو فروخت کر کے شقاوت ابدیہ کو خرید رہے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہود نے اپنے دین اور کتاب کے علم کو تو پس پشت ڈال دیا اور علم سحر کے پیچھے ہو لیے اور سحر کا علم لوگوں میں دو طرف سے پھیلا ایک تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جو نیک جنات اور انسان پس میں ملے جُلتے رہتے تھے اس لیے آدمیوں نے جنات اور شیاطین سے سحر سیکھا اور حضرت سلیمان کی طرف نسبت کر دیا کہ یہ سحر ہموکا نہی سے پہنچا اور اسی کے زور سے حضرت سلیمان جنات اور ہوا پر حکومت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ یہ کام کفر کا ہے۔ سلیمان نے کبھی نہیں کیا۔ اُن کے زمانہ میں شیطانوں نے آدمیوں کو سکھایا ہے۔ دو سرے ہاروت اور ماروت کی طرف سے پھیلا کہ وہ دو فرشتے تھے۔ انسان کی شکلی میں شہر بابل میں رہتے تھے اُن کو علم سحر معلوم تھا جو کوئی ان سے جادو سیکھنا چاہتا وہ پہنچے ہی اُس سے کہہ دیتے کہ اس میں ایمان جانا ہے گا لیکن جب وہ اصرار کرتا تو سکھا دیتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ایسے علم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں ہی میں نقصان ہے بغیر اللہ کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتے اگر علم دین سیکھتے تو اللہ کے یہاں ثواب پستے اور اب بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا جیسا کہ آئندہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور بجائے سحر کے اللہ کی کتاب کا اتباع کرتے اور علم سحر اور کتب سحر اور مضر اور بے فائدہ

علوم سے پرہیز کرتے جیسے اس زمانہ میں نادل اور بالتصویر رسالے جو تخریب اخلاق میں جادو کا اثر رکھتے ہیں واللہ تعالیٰ کے یہاں سے جو بدلے اگرچہ وہ تھوڑا ہو دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے چاہے سحر میں بطور مزدوری برائے نام کچھ مل جائے کاش نکو اتنی عقل ہوتی تو سمجھتے کہ دنیا کے تمام منافع آخرت کے ایک نفع کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔

فائدہ شیاطین جس سحر کی تعلیم دیتے تھے وہ صریح کفر اور شرک تھی۔ ارواح کو خدا تعالیٰ کے برابر جانتے تھے اور ان کے لیے وہ افعال اور تاثیرات ثابت کرتے تھے جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی مدح میں ایسے منتر پڑھتے تھے کہ جیسے خدا تعالیٰ کی علوم اور احاطہ قدرت اور غایت نعمت و جلال ظاہر کرنے کے لیے حمد و ثنائی کے کلمات پڑھے جاتے ہیں اور فرشتوں کی تعلیم میں یہ بات نہ تھی۔ نہایت احتیاط کے ساتھ تعلیم دیتے تھے اور ساتھ ساتھ نصیحت کرتے تھے اور کفر کرنے سے منع کرتے تھے انکا مقصد حقیقت سحر کو واضح کرنا تھا تاکہ نبی اور متبعی میں اشتباہ نہ ہو اور سحر اور معجزہ کا فرق معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مؤثر حقیقی سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں اور شیاطین کا مقصد اغوی اور ضلال تھا۔

قصہ ہاروت و ماروت تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر اور درمنثور میں عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور مجاہد اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے کہ جب ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں اولاد آدم کے بڑے اعمان کے دفتر کے دفتر آسمان پر جانے لگے تو فرشتوں نے بنی آدم کے حق میں تنقیر اور طعن آمیز کلمات کہے کہ یہ کیسے بندے ہیں کہ اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کرنے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں نے بنی آدم کے خیر میں غفہ اور شہوت رکھا ہے میں نے ان سے گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم میں یہی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ رکھ دو اور زمین پر اتار دوں تو تم بھی ایسے ہی گناہوں میں مبتلا ہوؤ گے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اسے پروردگار ہم پر گزرتیہ گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے سے دو شخصوں کو منتخب کرو۔ فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کو جو فرشتوں میں کمالات میں مشہور اور ممتاز تھے منتخب کیا۔ حق تعالیٰ نے قوت شہویہ اور غضبیہ کو ان میں پیدا کر کے حکم دیا کہ زمین پر جاؤ اور لوگوں کے مقدمات کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ اور شرک اور خون ناحق اور زنا اور شراب سے پرہیز کرنا۔ حسب ارشاد خداوندی دونوں فرشتے آسمان سے زمین پر اتارے صبح سے لیکر شام تک قضا کے کام میں مصروف رہتے اور جب شام ہوتی تو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جاتے ایک ہفت روزہ اسی حالت میں گزرا ایک امتحان خداوندی پیش آیا کہ ایک عورت مسماۃ زہرہ جو حسن و جمال میں شہر آفاق تھی۔ سکامقدمہ ان کے اجلاس میں پیش ہوا۔ یہ دونوں فرشتے اس عورت کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کو پھسلانا شروع کیا۔ اس عورت نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک تم مت پرستی اختیار نہ کرو اور میرے خاوند کو قتل نہ کرو اور شراب نہ پیو میں تمہارے

پاس نہیں آسکتی آپس میں دونوں نے مشورہ کیا کہ شرک اور قتل ناحق تو بہت بڑے گناہ ہیں اور شراب پینا اس درجہ کی معصیت نہیں اس لیے اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ غرض یہ کہ اس عورت نے پہلے اُن کو شراب پلائی اور پھر بہت کو سجدہ کرایا اور پھر شوہر کو قتل کرایا اور ان سے اسم اعظم سیکھا اور پھر ان کے ساتھ ہم بستر ہوئی بعد ازاں وہ عورت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور اس کی روح زہرہ ستارہ کی روح کے ساتھ جاملی اور اس کی صورت زہرہ کی صورت ہو گئی اور وہ فرشتے اسم اعظم بھول گئے۔ اس لیے آسمان پر نہ جاسکے جب ہوش میں آئے نہایت نادم ہوئے اور ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا اور استغفار کی درخواست کی۔ اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کے خواستگار ہوئے۔ بارگاہ الہی سے یہ حکم آیا کہ عذاب تو کمزور ہوگا لیکن اس قدر تخفیف کی جاتی ہے کہ تم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ دیوی اور خدوی عذاب سے جس کو چاہو اختیار کرو۔ فرشتوں نے دنیاوی عذاب کو سہل اور آسان سمجھا کہ یہاں کا عذاب تو عنقریب منقطع ہو جائے گا اس لیے اس کو اختیار کر لیا۔ چنانچہ وہ اللہ کے حکم سے بابل کے کنویں میں الٹے لٹکا دیئے گئے اور وہیں ان کو آگ سے عذاب دیا جا رہا ہے۔ پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے وہ اول تو اس کو سمجھا دیتے ہیں اور جب اصرار کرتا ہے تو اس کو سکھا دیتے ہیں۔ (قصہ ختم ہوا)

تحقیق | ہاروت و ماروت کا جو قصہ نقل کیا گیا اس میں علماء کے دو فریق ہیں ایک فریق یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ سر پر یا موضوع ہے اور یہود کا من گھڑت قصہ ہے اور انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے حضرات محدثین اس قصہ کو باعتبار روایت کے غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور حضرات متکلمین باعتبار روایت کے اس کو غیر مجتہد کہتے ہیں۔ قاضی عیاض اور امام رازی نے اس قصہ کا سند و مد سے انکار کیا ہے اس لیے کہ یہ قصہ اصول دین کے خلاف ہے۔

(۱) اول یہ کہ فرشتے معصوم ہیں اُن سے گناہ کا صدور و عصمت کے منافی ہے۔
(۲) دوم یہ کہ جب وہ عذاب میں گرفتار ہیں تو ان کو فرصت کہاں سے ملی کہ لوگوں کو جادو سکھلائیں نیز تعلیم و تعلم کے لیے اختلاط شرط ہے جو محبوس ہونے کی وجہ سے مفقود ہے۔ ان کو لوگوں سے اختلاط کیسے میسر ہوا۔

(۳) سوم یہ کہ ایک ناحشہ اور بدکار عورت کا دھوکہ سے اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر چڑھ جانا سراسر غیر معقول ہے۔ اسماء الہی کے لیے تقویٰ اور طہارت شرط ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ مسخ اور تبدیل صورت عقوبت کے لیے ہوتا ہے اور عقوبت کے لیے تحقیق اور اہانت لازم ہے اور آسمان پر پہنچ کر ستارہ بن جانے میں نہ کوئی عقوبت ہے اور نہ کوئی تحقیق اور اہانت ہے

(۵) پنجم یہ کہ زہرہ تو ایک مشہور ستارہ ہے جو ابتداء آفرینش عالم سے موجود ہے اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ستارہ اس واقعہ کے بعد وجود میں آیا اور اس واقعہ سے پہلے یہ ستارہ موجود نہ تھا اور یہ سراسر غیر معقول ہے ان وجوہ

کی بنا پر ان علماء نے اس قصہ کا انکار کیا لیکن جمال الدین سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ اسانید صحیحہ کے ساتھ اس قدر کثرت سے آئے ہیں کہ جن کا انکار ناممکن ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ بے اصل نہیں۔ انتہی۔ لہذا اس قصہ کی صحت اور عدم صحت کے بارہ میں توقف اور سکوت مناسب ہے اور جن حضرات مفسرین نے اس قصہ کو ذکر کیا ہے ان پر تشیع اور نازبہا کلمات سے انکار ذکر کرنا سراسر خلاف ادب ہے بہت سے اکابر محدثین اور مفسرین نے بغرض تحقیق و تمقیق اپنی کتابوں میں رطب و یابس کو جمع کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بارہ میں جس قدر روایتیں آئی ہیں اگر جمع کر کے ان تمام روایات کو جمع کیا جائے تو ان کا قدر مشترک حد تو اترا کو پہنچ جاتا ہے اگرچہ واقعہ کی خصوصیات میں اختلاف ہو لیکن جو قدر مشترک حد تو اترا کو پہنچ چکا ہے اس کا انکار دشو رہے انفرادی طور پر اگرچہ ہر طریق اور ہر سند ضعیف اور دہی ہو لیکن ضعیف روایتوں کا تو اترا بھی ترجیح صدق کا موجب ہوتا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ بجائے انکار اور تکذیب کے قصہ کی کوئی مناسب توجیہ کی جائے جس سے اصول دین کی مخالفت باقی نہ رہے۔

(۱) وہ توجیہ یہ ہے کہ فرشتوں کی عظمت اس وقت تک ہے جب تک فرشتے اپنی اصلی حالت اور اصلی حقیقت پر رہیں اور جب ان میں بھی کسی حکمت اور مصلحت سے شہوت اور غضب کی کیفیت پیدا کر دی گئی تو وہ خالص فرشتے نہ رہے اس لیے ب ان کے لیے عصمت بھی لازم اور ضروری نہ ہوگی۔

(۲) نیز عذاب اور گرفتاری کی حالت میں تعلیم سحر کا جاری رہنا محال تو کیا مستبعد بھی نہیں۔ کیا جیل خانہ میں رہ کر افادہ اور استفادہ ممکن نہیں۔ ایک حاذق طبیب اگر اسکے ہوش و حواس سالم ہوں تو بیماری کی حالت میں بھی علم طب کی تعلیم دے سکتا ہے اور خدا ہر ہے کہ فرشتوں کی قوت اور اکیہ انسان کی قوت اور اکیہ سے کہیں اکمل اور اتم ہے عذاب اور گرفتاری کی حالت ان کے لیے تعلیم سے مانع نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ غیب سے انکو مدد بھی پہنچتی ہو۔ کیونکہ آسمان سے اس تعلیم کے لیے آثار سے گئے تھے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ ہر سال ان کے پاس ایک شیطان جاتا ہے اور تازہ سحر سیکھ کر آتا ہے اور لوگوں میں پھیلاتا ہے جس شخص کو کسی علم کا ملکہ ہوتا ہے تو وہ بیماری اور لا چاری کی حالت میں اس علم کی تعلیم دے سکتا ہے اور بسبب منزلت اور مدارست اور بوجہ ملکہ ہمارت اس کو تعلیم و تلقین میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(۳) نیز وہ عورت اگرچہ بدکار تھی لیکن مقصود اسکا قرب الہی کہ حاصل کرنا تھا اپنے حسن و جمال کو اسم اعظم کے معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ خرابی جو کچھ تھی وہ ذریعہ اور وسیلہ میں تھی۔ اصل مقصد میں کوئی قبح نہ تھا حسنیت کی برکت سے کامیاب ہوئی۔

(۴) اور جس طرح بغرض ابتلا فرشتے بشکل بشر بنا کر آسمان سے زمین پر اتارے گئے اسی طرح ایک ستارہ کی روح ایک حین و جمیل عورت کی شکل میں باروت اور ماروت کی عصمت کے امتحان کے لیے نمودار ہوئی اور امتحان ہو جانے کے بعد اصلی صورت کی طرف لوٹ گئی یعنی صورت بشریہ سے صورت کوکبیہ کی طرف واپس ہو گئی۔ جس طرح جنات مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر اپنی اصلی صورت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھو۔ لہذا جن روایات میں اس عورت کا زہرہ ستارہ کی صورت میں مسخ ہونے کا ذکر آیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کی روح کا تعلق زہرہ کی روح کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ مطلب نہیں کہ یہ ستارہ پہلے ہی سے موجود نہ تھا اور اب اس عورت کے مسخ ہونے کے بعد وجود میں آیا۔

(۵) اور صورت کوکبیہ اگرچہ کتنی ہی شرافت اور عظمت رکھتی ہو لیکن صورت انسانیہ کے اعتبار سے بہت حقیر اور ذلیل ہے۔ کہا قال تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔

بعض علمائے اس فقہ کو اصول دین اور قواعد شریعت کے خلاف سمجھ کر اس لیے خلاصہ کلام اسکو غیر معتبر قرار دیا اور بعض عمار نے کثرہ طرق اور کثرہ اسانید کی بنا پر اس

فقہ کا بالکل انکار مناسب نہیں سمجھا۔ بیس سندوں سے زیادہ اس فقہ کا مروی ہونا اس کی خبر دیتا ہے کہ اس فقہ کی اصل ضرور ہے بالکل بے اصل نہیں روایات مختلفہ کا جو قدر مشترک تھا یہ حضرات اسکے قائل تھے اور خصوصیات کے بارہ میں توقف اور سکت کیا اور جو باتیں بظاہر اصول شریعت کے خلاف معلوم ہوتی تھیں انکی مناسب توجیہ اور تادیل درمائی اور یہ طریق ہدایت اسلم اور معتدل ہے۔ روایت کا دار و مدار طرق اور اسانید پر ہے اگرچہ وہ طرق اور اسانید ضعیف اور دواہی کیوں نہ ہوں چند ضعف اس کے مل جانے سے بھی ایک گونہ قوت آ جاتی ہے اس لیے جو ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو اصطلاح محدثین میں اسکو حسن بغیر کہتے ہیں۔ لہذا کسی ضعیف روایت کے کثرہ طرق اور کثرہ اسانید سے یک بحث قطع نظر کر لینا اور اپنی مزعوم حدیث کی بنا پر اس روایت کا بالکل انکار کر دینا خود خلاف روایت ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جو چیز آپ کے نزدیک خلاف روایت ہے وہ دوسرے عالم کے نزدیک بھی خلاف روایت ہو ممکن ہے کہ آپ کی روایت نے غلطی کی ہو۔ قَوْلُ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عِلْمُهُ وَ قَوْلُ كُلِّ ذِي عِلْمٍ فَلْيُتَوَّعَ اور محض اسرائیلیات میں سمجھنا بھی تکذیب اور انکار کا سبب نہیں بن سکتا الا یہ کہ نصوص کتاب و سنت اور قواعد و شریعت اور اجماع امت کے خلاف ہو۔ حدیث میں ہے حَدَّثَنَا عَنْ نَبِيِّ اسْمَائِيلَ وَلَا حَدَّثَنَا اسرائیلی با توں کے نقل میں کوئی حرج نہیں۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ فقہ قطعاً صحیح ہے اور ناظرین بھی اس کو صحیح مانیں میرا مطلب فقط اس قدر ہے کہ بیدھڑک ہو کر روایات کا انکار نہ کریں باقی رہی آیات کی تفسیر تو وہ اس فقہ کے صحیح ہونے پر موقوف نہیں جیسا کہ ناظرین نے تفسیر کو پڑھ کر دیکھ لیا ہو گا۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ | حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ سحر تو حرام اور کفر ہے باقی اسکا جاننا اور بضرورت شرعی اسکا سیکھنا خصوصاً جبکہ اس پر عمل کرنے کی مخالفت بھی ساتھ ساتھ ہو تو حرام نہیں جیسے سورا اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے مگر اس کی خاصیت معلوم کرنا اور اس کو بیان کرنا حرام نہیں۔ فقہاء نے کلمات کفریہ کے لیے ایک مستقل باب رکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کن باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے فلسفہ کے بہت سے مسائل کفر ہیں لیکن اس کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اسکی حقیقت معلوم کر کے اس کا جواب دیا جاسکے۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب | رہا یہ اشکال کہ پھر اس کی تعلیم کے لیے فرشتے کیوں نازل کیے گئے۔ انبیاء و علیہم الصلوٰۃ والسلام لیے معصوم ہوتے ہیں۔ انکی تعلیم سحر میں بہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان سے سیکھنے کے بعد اسی میں مشغول اور مبتلا ہو جائے تو اس طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گمراہی کا سبب بعید بن جاتے جو ان کی شانِ ہدایت معصومہ کے ثانی سے اس لیے حق تعالیٰ نے انکو ضلالت کا سبب بعید بھی بنانا گوارا نہیں فرمایا۔ بخلاف فرشتوں کے کہ ان سے تشریع اور تکوین دونوں قسم کے کام لیے جاتے ہیں اور تکوین میں جس طرح وہ مسلمانوں کی پرورش اور حفاظت کرتے ہیں اسی طرح وہ کافروں کی بھی پرورش اور حفاظت کرتے ہیں حالانکہ ہمارے لیے شرعاً کافر کی اعانت اور امداد ناجائز ہے انبیاء کرام کے تشریحی نظام پر دھونا ہے اور ملائکہ کے تکوینی نظام پر دھونا ہے اس لیے تعلیم سحر کی خدمت ملائکہ کے سپرد ہوئی کہ اگر وہ اس میں ضلالت کا سبب بن جائیں تو ان کی شان کے خلاف نہ ہو گا۔ اور حضرات انبیاء کے لیے گمراہی کا سبب بعید بننا بھی خلاف شان ہے۔ کذا فی تعلیم ص ۱۵۱ نمبر ۱۳۔ از تبلیغ۔

جس طرح حضرات انبیاء کرام نے یہ بتلایا کہ رغوت حرام ہے مگر رشوت کی حقیقت نہیں بتلائی اسی طرح حضرات انبیاء نے یہ تو بتلادیا کہ سحر حرام ہے مگر سحر کی حقیقت نہیں بتلائی۔ معلوم نہیں کہ کمالی عذاب وہ خود لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ہیں یا جنات اور شیاطین **فائدہ** | کے واسطے سے افادہ اور استفادہ ہوتا ہے واللہ اعلم (روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا

اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

انظرنا اور سنتے رہو اور منکروں کو دکھ کی مار ہے

شاعت بست و دوم (۲۲) متضمن تلقین اجاب بآداب خطاب

قال تعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الى ... وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(در ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے اتباعِ سحر کا ذکر تھا آئندہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سحر کا اتباع یہودیوں کی طبیعتوں میں اس درجہ راسخ اور پختہ ہو گیا ہے کہ ان کی گفتگو و مخاطبت بھی سحر کے اثر سے خالی نہیں۔ جس طرح سحر ایک مع ساری وحیقت کی پردہ پوشی ہے ایسے طرح ان کا کلام بھی سحر لانی ہوتا ہے موت کی تعلیم دیکھ کر یہ حقیقت کی ہانت اور تحریف ہے۔ حقارتِ ظہور کا طبع کا یہ کلمہ بات کرتے ہیں جبکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے تو ذرا عیناً سے خطاب کرتے جسکے ظاہری معنی نہایت عمدہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے۔ لیکن جن معنی کا وہ ارادہ کرتے وہ نہایت فاسد اور گندہ ہیں۔ یہود یہ لفظ بول کر احمق یا چر و اس کے معنی مراد لیتے۔ بہت سے مسلمانوں کو ان فاسد معنی کا علم نہ تھا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ علماء اہل کتاب حضرات انبیاء کے آداب سے بخوبی واقف ہیں جب علماء یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ کلمہ تعظیم ہے اس لیے مسلمانوں نے بھی اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تمہیں اور دھوکہ سے بچو اگرچہ تمہارا ارادہ دھوکہ کا نہ ہو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت ذرا عیناً کا لفظ نہ کہو جس میں فاسد معنی کا ایہام ہے بلکہ اس کے بجائے لفظ انظرنا کہو یعنی ہم پر نظر عنایت فرمائیے اور ہم پر شفقت اور توجہ فرمائیے اور آپ جو ارشاد فرمائیں اسکو نہایت غور سے سنو کہ دوبارہ سوال اور ایسے مؤہم الفاظ کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے اور کافروں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے کہ جو اس قسم کے الفاظ سے رسول اور ہل ایمان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور رسول کی ایذا اور تمہیر بلا شبہ کفر ہے۔

قرآن کریم میں اٹھاسی جگہ اس امت کے مسلمانوں کو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے خطاب کیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلا موقع ہے کہ تب سابقہ میں صرف انبیاء کو خطاب ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف عطا فرمایا کہ قرآن کریم میں براہ راست اس امت کو مخاطب بنایا۔ ایک شخص نے عبد اللہ بن مسعود سے درخواست کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ جب تو قرآن

پڑھے اور یَاٰیْہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب کو سننے تو فوراً اپنے کانوں کو اسکی طرف متوجہ کرنا اور قلب کو حاضر کرنا کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ تجھ سے خطاب فرما رہا ہے اور کسی اچھی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی بُری چیز سے منع کرتا ہے (رواہ عبد اللہ بن احمد فی زوائد المسند والبیہقی فی شعب الایمان) جس لفظ کے استعمال سے فاسد معنی کا ایہام ہوتا ہوا اسکا استعمال نہ کرنا چاہیئے اگرچہ متکلم کی نیت صحیح ہو۔

(۴)

نبی کی اشارۃ اور کنایۃ تحقیر بھی کفر ہے اس لیے کہ یہود صراحۃً آپ کی تحقیر نہیں کرتے تھے۔ ذرا بحث کہہ کر اشارۃ اور کنایۃ آپ کی تحقیر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو کافر فرمایا۔

(۳)

مَا یُودُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَلَا

دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو منکر ہیں کتاب والوں میں اور

الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ خَیْرِ مِّنْ رَّبِّکُمْ

شرک والوں میں یہ کہ اترے تم پر کچھ نیک بات تمہارے رب سے

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ

اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی مہر سے جس کو چاہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۵﴾

بڑا فضل رکھتا ہے۔

شاعت بست سوم (۲۳)

قال تعالیٰ۔ مَا یُودُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا... اِلٰی... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

مسما لوں نے یہود سے کہا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہودیوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہماری تو دلی خواہش تھی کہ اگر تمہارا دین ہمارے

شان نزول

دین سے بہتر ہوتا تو ضرور اس کو قبول کرتے لیکن تمہارا دین ہمارے دین سے بہتر ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ

نے انکی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ سب غلط ہے اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تم پر حسد کرتے ہیں۔ اور کافر خواہ ہل کتاب ہوں یا مشرکین مکہ ذرہ برابر دل سے یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل کی جائے لیکن ان کے حسد سے کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا محکوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسکو چاہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور وحی سے مرفراز فرمایا اور اپنے فضل سے آپ کو افضل الانبیاء بنایا۔ اور آپ کے دین کا تمام ادیان سے افضل اور اکمل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اس جگہ رحمت سے مراد نبوت ہے اور فضل اس احسان اور کھلی کو کہتے ہیں جو ابتداءً بلا وجہ ہو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا

جو موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو پہنچاتے ہیں اس سے بہتر

أَوْ مِثْلَهَا ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

یا اسکے برابر کیا سمجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

قَدِيرٌ ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا سمجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کو سلطنت ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ

اور زمین کی اور تم کو نہیں اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ

وَلَا نَصِيرٌ ﴿۱۴﴾

مدد وانا

شناخت بابت چہارم (۲۴)

قال تعالى مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ ... إِلَى ... مِنْ قَبْلِي وَلَا نَنْسَخْ بِه
شان نزول | یہود اور مشرکین بطور طعن یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب

کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور پھر اسی بات سے منع کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ اس پر یہ آیت شریعہ نازل ہوئی۔ اس قسم کی باتوں سے کافروں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ شک اور شبہ ڈال دیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے جو ہم پر نازل ہوا وہ سب خیر ہی خیر ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی۔ اگر پہلا حکم خیر تھا تو دوسرا شر ہو گا اور اگر دوسرا حکم خیر ہے تو پہلا حکم شر ہو گا اور وحی الہی اور حکم خداوندی کا شر ہونا ناممکن اور محال ہے اس شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کے معنی تبدیل خیر بالشر کے نہیں۔ یعنی خیر کو شر کے ساتھ بدل دینے کے نہیں بلکہ وحی الہی اور خیریت میں منانات لازم آئے بلکہ نسخ و منسوخ دونوں ہی خیر ہیں اس لیے کہ ہم جب کبھی کسی آیت کا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ اس آیت کے حکم پر عمل نہ کیا جائے اگرچہ اس آیت کی تلاوت باقی رہے یا ہم اس آیت ہی کو ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں کہ اس آیت کے نفاذ کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر قوت حافظہ سے زاموش کر دیں اگرچہ حکم اس آیت کا برقرار رکھیں کہ اس آیت کے ذہنوں سے نکل جانے کی وجہ سے تدوین کی عبادت اور لذت تو حاصل نہ کر سکیں اس منسوخ التلاوة آیت کے حکم پر عمل کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ بہر حال ہم چاہیں کسی آیت کے حکم کو منسوخ کریں یا اس آیت کو ذہنوں سے بھلائیں نسخ کے بعد اس آیت منسوخ یا مستحکم سے کوئی بہتر چیز لاتے ہیں یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں یعنی حکم ناسخ حکم منسوخ سے سہولت عمل یا موافقت مصلحت یا کثرت ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے یا برابر۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اسکو سب اختیار ہے ہر لمحہ اور ہر لحظہ تو اس کے عجائب قدرت اور غرائب مشیت کا مشاہدہ کرتا ہے جیسے مرض کا صحت سے بدلنا اور فقر کا تو نگرگی سے بدلنا اور عزت کا ذلت سے بدلنا اور روشنی کا تاریکی سے بدلنا پس جو ذات ان تغیرات اور تبدلات پر قادر ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک حکم سے دوسرے حکم کو بدل دے اور جس طرح احکام تکوینیہ میں حسب اقتضا مصلحت تغیر اور تبدل معاذ اللہ جہالت نہیں بلکہ عین حکمت ہے اسی طرح احکام شرعیہ میں بھی باقتضا زمان و مکان اور باقتضا رطب و یابس تغیر و تبدل عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور الہامی کتابوں میں بھی احکام بدلتے رہے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو توریت کے بعد انجیل کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اس تغیر و تبدل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ پہلے ہی سے یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا۔ البتہ اس تغیر اور تبدل سے ہمارے علم میں تغیر ہوتا ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو قصور علم کی وجہ سے اس حکم کی مدت معلوم نہ تھی اور قصور فہم کی وجہ سے اس حکم کو دائم اور مستمر سمجھ بیٹھے۔ جب حکم ناسخ نازل ہوا اس وقت اپنے قصور علم کا علم ہوا اور قصور فہم کا فہم ہوا۔ قوانین حکومت میں بھی تغیر اور تبدل ہوتا ہے لیکن وہاں کسی فرد گزاشت اور نا علمی کی بنا پر پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے اور حق جل شانہ کے احکام میں تغیر و تبدل ہمیشہ حکمت و مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کا علم غلطی سے پاک ہے۔

میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى

مریض کے حانات بدھنے کی وجہ سے طبیب دوا بدلتا رہتا ہے یہ طبیب کی جہالت نہیں بلکہ دلیل حذاقت ہے کہ ہر وقت کی مصلحت اسکی پیش نظر ہے، اور اس قدرت کے علاوہ کیا کچھ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت، آسمانوں کی اور زمینوں کی اور حکومت اور بادشاہت کے لازم میں سے ہے کہ احکام میں تغیر اور تبدل ہو لہذا جس وقت جو حکم دے اسکی تعمیل مرض اور لازم سے اور اگر اسکی حکم اور فرمان کی تعمیل میں تا مل کر د اور یہ کہو کہ ہم تو پہلے ہی حکم کو مانیں گے دوسرے حکم کو نہیں مانیں گے تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کار ساز اور مددگار نہیں کہ جو تمہیں اس کی گرفت اور باز پر کس سے بچا سکے۔

فائدہ اولیٰ لغت میں نسخ کے دو معنی آتے ہیں ایک نقل اور تحویل جیسے نسخ الكتاب (یعنی کتاب نقل کی) دوسرے معنی رفع اور ازالہ کے جیسے نَسَخْتُ الشَّكْمُ لِيُضِلَّ الْآفَاقُ نے سایہ کو زائل کر دیا۔ آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی حکم اول کو اٹھا دینا۔

فائدہ دوم کتاب اللہ کا نسخ چند وجوہ پر آیا ہے (۱) ایک تو یہ کہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا جیسے آیت رحم کہ تلاوت تو اسکی منسوخ ہو گئی اور حکم اس کا باقی ہے (۲) اور ایک یہ کہ حکم منسوخ ہو جائے اور تلاوت باقی رہے جیسے آیت رب کے لیے وصیت کرنے کی آیت میراث سے اسکا حکم منسوخ ہو گیا اور تلاوت علیٰ حاہی باقی ہے اور مثلاً وہ آیت جس میں ایک سال کی عدت وفات کا حکم مذکور ہے تلاوت اور قرأت اسکی باقی ہے مگر ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے اور دس روز کی آیت سے منسوخ ہو گیا (۳) اور ایک صورت یہ ہے کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ احزاب بقدر سورۃ بقرہ طویل تھی مگر اسکے اکثر حصے کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔

فائدہ سوم نسخ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ حکم منسوخ کی جگہ دوسرا حکم نازل کیا جائے جیسے ایک سال کی عدت منسوخ کر کے چار مہینہ اور دس دن کا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسری قسم یہ کہ پہلا حکم اٹھا لیا جائے اور کوئی جدید حکم اس کی جگہ نہ آتا رہ جائے جیسے ابدال میں ہماجر عورتوں کے امتحان کا حکم تھا بعد میں اٹھا لیا گیا۔

فائدہ چہارم نسخ احکام یعنی ادا اور نواہی میں جاری ہوتا ہے، اخباری یعنی جو چیزیں خبر سے متعلق ہیں ان میں نسخ جاری نہیں ہوتا ہے اور ادا اور نواہی میں باقتضا مصلحت تغیر و تبدل عقلا عالم کے نزدیک مسلم ہے۔ بلکہ مصلحت کے بدلنے سے حکم کو نہ بدلنا عقلاً بیع ہے۔

فائدہ پنجم | ناسخ کا مفسوخ سے بہتر یا برابر ہونا یا اعتبار سہولت عمل یا باعتبار کثرت ثواب مراد ہے۔ نظم اور اعجاز کے اعتبار سے ناسخ اور مفسوخ کا برابر ہونا ضروری نہیں لہذا کتاب اللہ کا حدیث سے مفسوخ ہونا۔ **فَأْتَتْ بِكِبَرٍ قِنَہَا** (یعنی ہم اس سے بہتر حکم نازل فرماتے ہیں) کے منافی نہ ہو گا۔ خوب سمجھ لو۔

أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ

کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے

مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

موسیٰ سے پہلے اور جو کوئی انکار یوں سے بدلے یقین کے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۸

وہ بھولا سیدھی راہ سے

شاعت بست و پنجم (۲۵۱)

قال تعالیٰ: **أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ ... إِلَى ... سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝**

اسے مسلمانوں! کیا تم بھی چاہتے ہو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کیے گئے اسی طرح تم اپنے رسول سے سوالات کرو۔ بنی اسرائیل کی طرح احکام خداوندی میں قیل و قال کرو اور جنتیں نکالو ایسے بقرہ کے قصہ میں گزرا۔ مثلاً یہ سوال کرو کہ پہلا ہی حکم برقرار رکھا جائے یا ہم اس حکم سے خوش نہیں، اور جو شخص بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کرے وہ سیدھے راستے سے بہک گیا۔ منزل مقصود کو کیسے پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی میں جنتیں نکالنا اور اللہ کے نبی سے الجھنا اور لایعنی سوالات کرنا یا اللہ کے کسی حکم کو غیر مناسب سمجھنا یہ سب کفر کی بات ہے تمہارا فریضہ تو یہ ہے۔

زباں تازہ کردن با قرار تو
نیکبختی علت اذکار تو

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ

دل چاہتا ہے بہت کتاب داوں کا کسی طرح تم کو پھر کر

بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ

مسلمان ہوئے پیچھے کافر کر دیں حسد کر کے اپنے اندر سے

مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا

بعد اس کے کہ کھل چکا ان پر حق سو تم درگزر کرو اور خیال

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

میں نہ اوجب تک بھیجے اللہ اپنا حکم اللہ ہر چیز پر قادر ہے

قَدِيرٌ ۚ ۝۱۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآمِنُوا

اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو

تَقُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ

آگے بھیجے گئے اپنے واسطے بھلائی وہ پاؤ گئے اللہ کے پاس

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱

اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے

شاعت بست و ششم (۲۶)

قال تعالى: وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ

اے مسلمانو۔ یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہ نکالتے ہیں کبھی نسخ احکام پر اعتراض

کرتے ہیں اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل کتب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان سے

پھیر کر کافر بنادیں کہ اہل کتاب کی طرح تم بھی جدید حکم کا انکار کر دو اور اپنے نبی پر یہ اعتراض کرو کہ

کہ تم نے پہلے تو یہ حکم دیا تھا اور اب یہ دوسرا حکم اسکے خلاف کیسا؟ اور اس غرض فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا بلاوجہ محض حسد کی بنا پر کہ جو خود ان کے ناپاک اور گندے نفسوں سے پیدا ہوا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ اُنکی یہ کوشش اور یہ حسد کسی شک اور شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ بعد اس کے ہے کہ حق ان کو خوب واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین اور ان کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں۔ نیز انکو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہر شریعت میں علی اختلاف المصالح احکام بدلتے رہتے ہیں۔ بقرہ ہی کے قصہ میں دیکھ لو کہ کتنی مرتبہ نسخ ہوا۔ تم اُن کی باتوں کا خیال مت کرو۔ یہ حسد میں مبتلا ہیں خدا کا شکر کرو کہ تم حاسد نہیں محسود ہو۔ پس تم ان حاسدوں سے معاف کرو اور درگزر کرو۔ یعنی زبان سے بھی انکو کچھ بُرا بھلا نہ کہو اور فی الحال اُن سے کوئی جنگ و جدال اور قتل و قتال نہ کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے جہاد و قتال اور جزیہ کا حکم نازل فرمائے اور جہاد و قتال کے حکم میں تاخیر و جز ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ فی الحال بھی قادر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس تاخیر میں کچھ حکمتیں ہیں وہ قادر و توانا جب چاہے گا ضعیف کو قویٰ پر غالب کر دیگا اور اگر تم کو اپنے ان دشمنانِ ایمان سے جہاد کا شوق ہے تو جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے جہاد بنفس میں مشغول رہو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کو دیتے رہو۔ یہ عبادت مالی اور بدنی نفس پر بہت شاق اور گراں ہے۔ بس اس جانی و مالی جہاد میں لگے رہو۔ اور نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤ گے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع ہو جائے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہے اس عمل کی قیمت اور کیفیت اور تمہارا اخلاص اور شوق اور نیت سب اُس کے نظروں کے سامنے ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ

وہ کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہونگے یہود یا

نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّكُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن

نصاری ۚ یہ آرزوئیں باندھلی ہیں انہوں نے تو کہہ لے آؤ سند اپنی اگر تم

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ

سچے ہو کیوں نہیں جس نے تابع کیا منہ پنا اللہ

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ

کے اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے مزدوری اسکی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۲۷﴾

ان پر اور نہ ان کو غم

شاعت بستی و مہتمم (۲۷۱) باشتر اک نصاریٰ

قال تعالى - وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ... الى... وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔
اے مسلمانو! یہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تم کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ جنت میں
سوائے یہود اور نصاریٰ کے ہرگز کوئی داخل نہ ہو گا تم کو فریب دیجو اور بہشت کا شوق دلا کر اپنی طرف
کھینچنا چاہتے ہیں تم ہرگز ان کی طرف مائل نہ ہونا۔ اور نہ انکی بات کی طرف التفات کرنا۔ یہ سب ان کی خالی
آرزو میں اور دل کے بہلانے کی باتیں ہیں جن پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔ آپ ان سے کہہ دیجئے
کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا تو اپنی کوئی دلیل پیش کرد
بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ مسوع نہیں البتہ جو امر دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے اور تمام اہل
حق کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے دجہ یعنی اپنی ذات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر
دے اور اس کے حکموں کے سامنے گردن ڈال دے کہ اللہ کا جو حکم بھی جس وقت پہنچے اس کو سننے
اور سر اور آنکھوں پر رکھے اور بچوں و چرا اس کو ماننے اور اس اطاعت اور فرمانبرداری میں مخلص اور نیکو کار
ہو یعنی جب اللہ کی عبادت کرے تو اس طرح کرے گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو ایسے
شخص کو اللہ کے یہاں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اجر ملے گا اور نہ ان پر آمزہ کا کچھ خوف ہو گا اور
نہ گزشتہ پر غلگین ہونگے۔ حاصل کلام یہ کہ جنت میں وہ شخص داخل ہو گا جس میں یہ دو صفیں پائی جائیں اول
اسلام و وجہ اللہ اور دوسری احسان۔ اسلام سے تصحیح عقائد مراد ہے اور احسان سے اعمال حسنہ اور ان
لوگوں میں یہ دونوں صفیں مفقود ہیں۔ پیغمبر وقت پر ایمان نہیں لائے درجہ احکام پہلے حکموں کے نسخ کے
لیے نازل ہوئے انکو قبول نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ ناسخ آجانے کے بعد حکم منسوخ پر عمل کرنے والا مطیع اور
فرمانبردار نہیں ہو سکتا اور نہ احسان عمل ان کو نصیب ہوا۔ اللہ کی شریعت میں تحریف کی اور اللہ پر جھوٹ
لہا۔ ایسی حالت میں دخول جنت کی توقع خیال غامض ہے البتہ مسلمانوں نے اللہ کی آخری شریعت کو اخلاص کے
ساتھ قبول کیا وہ جنت کے مستحق ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ جو خاصان خدا کے انتساب
ہی کو ملکہ نجات سمجھتے ہوئے ہیں وہ آگاہ ہو جائیں کہ محض یہ تمنا میں ذریعہ نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان

اور اعمال صالحہ شرط نجات اور مغفرت ہیں۔ اور یہ دونوں ان میں مفقود ہیں۔



وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ

اور یہود نے کہا نصاریٰ نہیں کچھ راہ پر اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَهُمْ

نصاریٰ نے کہا یہود نہیں کچھ راہ پر اور وہ

يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

سب پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جن پاس علم نہیں

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ ۗيُحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

انہیں کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان میں دن قیامت کے

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۳﴾

جس بات میں جھگڑاتے تھے

شاعتِ بستی و ہشتم (۲۸)

باشتر اک نصاریٰ و شرکین

قال تعالى . وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ ... الخ . فِيمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ .

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نبویان کے نصاریٰ آئے۔ عمار یہود بھی ان کو سن کر آگئے دونوں فریق کی آپس میں بحث شروع ہو گئی۔ جوش میں آکر ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جوش میں آکر یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کسی صحیح اور قابل اعتبار چیز پر نہیں۔ بالکل بے بنیاد ہے سرے ہی سے کسی بنیاد پر قائم نہیں اور اسی طرح نصاریٰ یہ کہنے لگے کہ یہود کسی چیز پر نہیں

خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ

ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے اور اللہ ہی

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَأَيُّ تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط

کی ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

برحق اللہ گنجائش والا ہے خبر رکھتا۔

شاعت بست و نہم (۲۹) باشتر اک نصاریٰ و مشرکین

قال تعالى وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ تَمْنَعُ مَسْجِدَ اللَّهِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔
یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ہی اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم حق پر ہیں لیکن اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ حق سے کس قدر دور ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکتا ہے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے خواہ دل سے اور خواہ زبان سے اور خواہ اعضاء اور جوارح سے اور نقطہ اس پر کفایت نہ کرے بلکہ اُن کے دیران اور برباد کرنے کی کوشش کرے مساجد کی بھڑکتی کرنا اور اُن کو منہدم کرنا یہ مساجد کی ظاہری تخریب ہے اور عبادت اور ذکر اللہ کی بندش کر دینا یہ مساجد کی معنوی تخریب اور باطنی ویرانی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد
إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
اللہ کی مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نماز قائم کی۔

میں عمارت سے ظاہری اور معنوی دونوں قسم کی عمارت مراد ہے اسی طرح وَ سَعَىٰ فِي الْخَرَابِ میں ظاہری اور معنوی دونوں قسم کی تخریب مراد ہے۔ غرض یہ کہ مساجد کو دیران کرنا سب کے نزدیک نہایت قبیح اور فعل شنیع ہے اور یہ تعلیموں گروہ اس بلا میں مبتلا ہیں۔ یہود اور نصاریٰ نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو ویران کیا اور مشرکین کہ نے مسجد حرام کو ویران کیا اور اس میں خدا

کانام لینے سے مانع اور مزاحم بنے۔ ان ظالموں کو پہلے ہی بتھا کہ مسجدوں میں اور خدا کے گھروں میں قدم بھی نہ رکھتے مگر ڈرتے ہوئے کہ مبادا خدا کے گھر کے ادب اور تعظیم میں ہم سے کوئی قصور نہ ہو جائے جس سے خدا کے سامنے خسر مندہ ہو نا پڑے۔ اس گھر کا ادب یہی ہے کہ اس کو اللہ کے ذکر اور عبادت سے آباد کیا جائے۔ خدا کے دربار میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے ہی دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ افسوس کہ یہ لوگ نہ خدا سے ڈرے ورنہ اس کے گھر کا ادب کیا بلکہ ظلم ڈھلنے لگے اور اللہ کے بندوں کو اس کے دربار میں حاضری سے روکنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ دربار شاہی کو ویران کرنے کی کوشش کرنا اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اس لیے یہ لوگ دونوں جہان میں سزا یاب ہونگے۔ ان کو دنیا میں بھی سخت رسوائی نصیب ہوگی کہ قتل اور قید کیے جائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا اور اے مسلمانو! اگر کافر کو مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ میں جانے سے روکیں تو طول نہ ہونا۔ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو تمہارے لیے مسجد بنا دیا ہے ہر جگہ تمہارے لیے نماز اور عبادت درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی جسم اور جسمانی نہیں کہ کسی خاص مکان میں موجود ہو اور دوسرے مکان میں نہ ہو وہ تو دربار الہی اور دربار الہی ہے البتہ تم زمان اور مکان اور جہت کے ساتھ مقید ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہاری عبادت کے لیے ایک جہت مقرر فرمادی اور ایک قبلہ متعین کر دیا لیکن اگر تم فرائض میں کسی دشمن کے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکو۔ یا اندھیری رات میں قبلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تم نے تحری کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ نماز قبلہ رُخ نہیں پڑھی گئی یا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنا چاہتے تھے اور سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ تھا اور سواری سے اترنے میں دشواری تھی تو ان حالات میں منہ نہ پڑھتے وقت جدھر بھی اپنا منہ کر لو گے تو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے یعنی وہی جہت اور سمت قبلہ کی ہے اور تمہاری نماز ہر حال میں صحیح اور مقبول ہے اور ہر حال میں اللہ کا قرب اور حضور تم کو حاصل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں کہ اگر ایک مکان میں موجود ہو تو دوسرے مکان میں موجود نہ ہو وہ کسی مکان اور جہت کے ساتھ مقید نہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ وسعت اور سہولت اس لیے عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی وسیع رحمت والے ہیں۔ امام ربانی فرماتے ہیں کہ **وَاللّٰهُ** سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی وسعت مراد ہے اس کی ذات کی طرح اس کی وسعت بھی بیچون و چگون ہے جس کی کیفیت جسطہ ادراک سے باہر ہے اور بندہ کی حاجتوں اور مصلحتوں کے خوب جاننے والے ہیں۔ جن بصری اور قنادہ سے مروی ہے کہ یہ حکم قبلہ متعین ہونے سے پہلے تھا ابتداء میں اختیار تھا کہ جس سمت میں چاہیں نماز پڑھیں بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا مگر یہ قول ضعیف ہے اور روایات سے اس پر کوئی سند اور دلیل نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ کی تہدید ہے اور یہود اور نصاریٰ کا رد ہے کہ جو ہر ایک اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرق اور مغرب

سب اس کا ہے جس جہت اور جس سمت کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے وہی جہت قبلہ ہے اور آیت کریمہ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو اسکے شانِ نزول میں مروی ہیں۔ ابو بکر رازیؒ نے احکام القرآن میں اسی عموم کو اختیار فرمایا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ط بَلْ لَّهُ مَا

اور کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد وہ سب سے پاک ہے بلکہ اسکا مال ہے جو

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط كُلُّ لَّهُ قُنُوتٌ ﴿۱۱۳﴾ بَدِيعُ

کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں سب اسکے آگے ادب سے ہیں نیا نکالنے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا

والا آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے ایک کام کو تو یہی

يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۴﴾

کہتا ہے اس کو جو وہ ہوتا ہے

شاعت سی^(۳) ام ایضاً باشتراک نصاریٰ و مشرکین

قال تعالى وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ... الى ... كُنْ فَيَكُونُ۔
اللہ کی مسجدوں کو ویران کرنا بلاشبہ ظلم ہے مگر یہ ظالم اس سے بڑھ کر شرک کے ظلمِ عظیم میں مبتلا ہیں اور وہ ظلمِ عظیم یہ ہے کہ یہ ظالم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے ہیں سبحان اللہ کیا احمقانہ اور گستاخانہ کلمہ ہے سب کو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ توالد اور تناسل سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لیے کہ بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ اور ہم جنس ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ

بے مثل اور بیچون و بچگون ہے ورنہ اگر بیٹا باپ کے ہم جنس نہ ہو تو پھر وہ بیٹا اس باپ کا فرزند نہ ہوگا نیز بیٹے کا باپ کے ہم جنس نہ ہونا ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ نیز باپ اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور اولاد سے پہلے بیوی کا محتاج ہوتا ہے کہ اولاد بغیر زوجہ کے ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عہد یعنی بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں۔ نیز وراثت کے لیے تغیر اور تبدل اور تجزی اور انقسام لازمی ہے اور یہ خاصہ ممکن اور حادث کا ہے۔ قدیم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا نیز اگر بالفرض خدا تعالیٰ کے لیے فرزند ہو تو وہ حال سے خالی نہیں یا وہ فرزند بھی خدا اور واجب الہا ہے ہو گا یا نہیں اگر وہ فرزند خدا ہو تو لا محالہ مستقل ہو گا اور باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہو گا اس لیے کہ خدائی کے لیے بے نیازی لازم ہے حالانکہ بیٹے کا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہونا عقلاً محال ہے بیٹے کا وجود ہی باپ سے ہوا ہے اور جب بیٹا خدا ہونے کی وجہ سے باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہو گا تو پھر اس کو باپ سے کوئی تعلق بھی نہ ہو گا اور بیٹے کا باپ سے بے تعلق ہونا ناممکن ہے اس لیے کہ فرع کا اصل سے بے تعلق ہونا عقلاً محال ہے۔ علاوہ ازیں جب بیٹا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہو گا تو باپ خدا نہ رہے گا اس لیے کہ خدا سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا وہ خدا ہی کیا ہوا جس سے کوئی مستغنی اور بے نیاز ہو سکے اور اگر یہ کہو کہ وہ بیٹا خدا اور واجب الوجود نہیں تو بلا محالہ وہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہو گا اور اس کا عبد اور مملوک ہو گا لہذا فرزند کا عبد اور مملوک ہونا لازم آئیگا اور بیٹا عبد اور مملوک نہیں ہوتا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے۔ كُلٌّ لَّكَ خَاصَّةٌ فَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اس کے لیے کوئی اولاد نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں خاص اسی کی مملوک ہیں اور ملکیت اور انبیت جمع نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ مملوک اور مخلوق مالک اور خالق کے ہم جنس نہیں اور فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اسی وجہ سے شریعت میں یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے اس لیے کہ لہذا نسبت اور عبدیت میں تباہی کلی اور منافات تامہ ہے پس جبکہ بندوں میں فرزندیت اور عبدیت جمع نہیں ہو سکتی تو بارگاہ الوہیت میں یہ دونوں چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں اور علاوہ مملوک ہونے کے آسمان و زمین کے رہنے والے تمام کے تمام جن میں فرشتے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ بعضے برضا اور رغبت جیسے فرشتے اور انبیاء کرام اور مؤمنین صالحین اور بعضے جبراً و قہراً جیسے شیاطین اور کفار و مجرم۔ یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ اور مشیت کو ٹال سکے اور اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ اور کافر و فاجر جو ظاہراً اس کی معصیت کرتے ہیں وہ تو کوئی اور باطنی طور پر اللہ ہی کے ارادہ اور مشیت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے انکو معصیت کرنے کی قدرت دی ہے ورنہ اگر وہ قدرت نہ دیتا تو کوئی معصیت نہ کر سکتا۔ غرض یہ کہ تمام موجودات اسی کے قبضہ تصرف میں ہیں جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے چلائے کوئی اس کے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا اور جس کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس اور مماثل نہیں ہو سکتا۔ اور بیٹے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ باپ کے ہم جنس ہو۔ اور عجیب

نہیں کہ کُلُّ لَہٗ قَانُتُونَ سے الزام مقصود ہو کہ جن کو تم خدا کا بیٹا اور اولاد کہتے ہو وہ سب اللہ کی عبودیت کے معترف اور مقرر ہیں اور ہر وقت اسی کی تسبیح و تہنیر میں لگے رہتے ہیں۔ پھر تم اُن کو خدا کی اولاد کس طرح بتلاتے ہو۔ نیز ولادت کے لیے مادہ اور مدت اور آلات اور اسباب کی ضرورت ہے اور خدا کی شان یہ ہے کہ وہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی بغیر مادہ کے آسمان اور زمین کا موجد ہے۔ محض اپنی قدرت سے تمام کائنات کو پردہ عدم سے نکال کر مسند وجود پر لا بٹھلایا ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دے تو اس کے لیے مشکل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ایجاد میں کسی مادہ اور مدت اور کسی آمد اور سبب کا محتاج نہیں اس لیے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کُن کا حکم دیتا ہے یعنی موجود ہو جاتا ہے وہ شئی قَدْ اُجِدَ موجود ہو جاتی ہے اور فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ سب اسی طریقہ سے پیدا ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے پیدا ہونے کا نام کسی کے نزدیک ولادت نہیں پھر کیوں انکو خدا کی اولاد بتاتے ہو۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت نہ تھی کہ وہ کلمہ کُن سے کسی کو پیدا کر سکیں اور بقول نصاریٰ وہ تو اپنی جان بھی یہود کے ہاتھ سے نہ بچا سکے اور نہ دشمنوں پر غلبہ پاسکے تو پھر وہ خدا کیسے ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اول حق تعالیٰ نے مَسْحٰکَۃً فرما کر اسے اپنا پاک ہونا بیان فرمایا اور بعد ازاں چند وجوہ سے اُنکا زرد فرمایا اول یہ کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب اسکی ملک ہے اور اولاد ملک نہیں ہوتی دوم یہ کہ تمام کائنات اسکی تابعدار اور اس کے ارادہ اور مشیت کے مسخر ہے کائنات کے ہر ذرہ سے حدوث اور حیات کے آثار اور علامات نمایاں ہیں جو سراسر وجوب ذاتی کے منافی ہیں اور حادث اور ممکن واجب ذاتی کا بیٹا نہیں ہو سکتا لہذا کائنات میں سے کوئی شے بھی خدا کی اولاد نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اولاد اگرچہ باپ کے برابر نہ ہو لیکن ہم جنس ضرور ہوتی ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ وجوب ذاتی میں باری قہلے کا شریک اور شریک نہیں۔

اور اگر چاہو تو جملہ کُلُّ لَہٗ قَانُتُونَ کو جملہ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا تمہ اور تکملہ بنا دو تو اب دونوں جملے مل کر ایک ہی دلیل بنیں گے۔ عظیمہ عظیمہ دلیل نہ بنیں گے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بغیر مادہ کے آسمان و زمین پیدا کرنے والے ہیں اور ولادت کے لیے مادہ اور مدت درکار ہے پھر یہ کہ حق تعالیٰ کی ایجاد کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو کُن فرما دیتے ہیں وہ اسی وقت موجود ہو جاتی ہے اور اس کا نام ولادت نہیں یا یوں کہو کہ یہ تمام صفات کمال خداوند و الجلال کے ساتھ مختص ہیں کسی فرشتہ اور نبی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ خدا کے سوا نہ کوئی آسمان اور زمین کے ذرہ کا مالک ہے اور نہ ایک پتھر کے پر کی ایجاد اور تخلیق پر قادر ہے پھر کس طرح خدا کے فرزند ہو گئے۔ پانچویں یہ کہ بیٹا ہمیشہ باپ کا جز ہو تا ہے اور جز

کسی مرکب کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے۔

فائدہ نصاریٰ جب ان دلائل قاطعہ اور براہین سامعہ کے جواب سے الجواب ہوتے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری مراد بیٹے سے حقیقی معنی نہیں بلکہ معنی مجازی مراد ہیں جیسے پیار اور محبت میں کسی کو بیٹا بول دیتے ہیں تو اس سے معنی حقیقی مراد نہیں ہوتے بلکہ محبوب اور برگزیدہ کے معنی مراد ہوتے ہیں اس معنی کہ ہم حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

جواب اگر ابن اللہ سے خدا کے محبوب اور برگزیدہ کے معنی مراد ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اس سے ہی انبیاء خدا کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں۔ ابن اللہ کا خلاق محبوب اور برگزیدہ کے معنی میں اگرچہ کفر اور شرک نہیں لیکن کفر اور شرک کا ایہام اس میں ضرور ہے جیسے غیر اللہ کو سجدہ بہ نسبت تعظیم و تحیت کفر نہیں بلکہ حرام ہے۔ اسی طرح شریعت محمدیہ میں سجدہ تحیت و تعظیم کی طرح اس لفظ کے اطلاق ہی کو ممنوع قرار دیا۔ بارگاہ خداوندی کے آداب کے خلاف ہے کہ زبان سے کوئی لفظ ایسا نکالا جائے جس میں خدا تعالیٰ کی تنزیہ و تقدس کے خلاف کا ایہام بھی ہو پادری صاحبان جب بالکل ہی لاپچار ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ مسئلہ سترالی اور مزخرف خداوندی ہے ہم اس کے سمجھانے سے قاصر ہیں۔ لیکن اب اس صریح خلاف عقل عقیدہ کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ سوائے ان پادریوں کے جن کو مشن سے تنخواہ ملتی ہے وہ حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ باقی یورپ اور ایشیا کے اکثر عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بندہ اور رسول سمجھنے لگے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کی سادھے تیرہ سو برس کی مسلسل پیکار کے بعد بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی سمجھ میں آیا کہ انیسیت، تخلیث کا عقیدہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

عذر لنگ اور بعض سخیہ عیسائی جہوں نے صوفیہ کرام کی کتابوں کا کچھ مطالعہ کیا ہے وہ اپنے اس عقیدہ انیسیت کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی صفات صفات خداوندی کا عکس اور پرتو تھیں اور چونکہ اس قسم کا انعکاس سوائے حضرت مسیح کے کسی مخلوق میں نہیں ظاہر ہوا اور اس بارہ میں حضرت مسیح کا مرتبہ تمام مخلوق سے بالا اور برتر تھا اس لیے انکو خدا تعالیٰ سے ایسی نسبت ہے جو اور کسی مخلوق کو حاصل نہیں ایسی نسبت کو ہم اووت اور نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔

جواب یہ محض ایک اصطلاحی تاویل ہے جس کے تسلیم کر لینے کے بعد عیسائیوں کے پاس مسیح کی بالخصوص ابن اللہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں رہتی۔ جن تعالے نے اپنے بہت سے برگزیدہ بندوں کو اپنے جلال و جمال کا مظہر بنایا اور ان پر اپنی صفات کمال کا خاص عکس اور پرتو ڈالا جو اور کسی مخلوق پر نہیں ڈالا تو کیا ان حضرات کو بھی ابن اللہ کہنا جائز ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ذات بابرکات بھی صفات خداوندی کا خاص مظہر اور آئینہ تھی

اور سیدنا و مولانا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو تمام اولین اور آخرین کے کمالات کی جامع تھی۔

نصاری کی اگر یہ تاویل صحیح ہو تو کراکب پرست بھی یہی تاویل کر سکتے ہیں کہ ہم چاند اور سورج وغیرہ کو کامل ترین مخلوق، یعنی یا مظہر جلال خداوندی سمجھ کر انکی پرستش کرتے ہیں۔ صابین چاند اور سورج کو خدا تعالیٰ کا مظہر اتم سمجھے اور نصاریٰ مسیح بن مریم کو اور دونوں گمراہی میں مبتلا ہوتے۔

بادی النظر میں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز عدم محض ہو تو پھر اس کو وجود کا حکم کیونکر دیا جاسکتا ہے کیونکہ حکم تو موجود کو دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ موجود کو وجود کا حکم دینا تفصیل حاصل ہے۔

شبہ

یہ ہے کہ یہ امر کن۔ امر تکلیفی نہیں جسکے لیے وجود مخاطب اور فہم خطاب ضروری ہو بلکہ یہ امر تسخیری اور تکوینی ہے جس سے معدوم کو موجود کیا جاتا ہے۔ ذات انسانی میں اصل ماعل مختار اسکا اندرونی نفس ناطقہ ہے اور اعضاء اور جوارح اس کے حکم پر حرکت کرتے ہیں۔ نفس ناطقہ جب زبان کو بولنے کا حکم دیتا ہے تو زبان سے وہ کلمات ظہور اور وجود میں آنے لگتے ہیں کہ پہلے سے جن کا وجود خارجی میں کہیں نام و نشان نہ تھا اور نفس ناطقہ قدم کو چلنے کا حکم دیتا ہے جس سے وہ حرکات ظہور میں آتی ہیں جو پہلے سے معدوم تھیں مگر نفس ناطقہ کے علم اور قصد میں تھیں۔

جواب

اسی طرح سمجھو کہ جو ممکنات خارج میں معدوم ہیں وہ سب علم الہی میں موجود ہیں جس معدوم کو حق تعالیٰ اپنے خزانہ علم سے نکال کر خارج میں موجود کرنا چاہتا ہے اس کو کن خطاب فرماتے ہیں اسی طرح وہ معدوم وجود علمی سے نکل کر وجود خارجی میں آ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہر شئی امر کا اس کے ہونے سے پہلے علم ہوتا ہے اس لیے وہ چیزیں جو اعمی عدم تھیں وجود میں نہیں آتی ہیں وہ سب اس کے علم میں موجود ہیں اور اس کے نزدیک موجود کا حکم رکھتی ہیں اس لیے جب وہ انکو عدم سے وجود کی طرف نکلنے کا حکم دیتا ہے اور کن کہتا ہے تو موجود ہو جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس معدوم کی صورت علم الہی میں پہلے سے موجود ہوتی ہے وہ کن کا مخاطب اور محکوم ہوتی ہے متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک اشاعرہ اور ایک ماتریدیہ۔ ماتریدیہ کے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اشاعرہ کے نزدیک یہ آیت مجاز اور تمثیل پر محمول ہے قاضی بیضاویؒ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ آیت میں حقیقت کسی شے کو کن کا خطاب کرنا مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو حقیقت امر فرمایا ہو اور اس نے انتقال کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کی یہ ایک مثال دی ہے کہ جس طرح کوئی امر کسی مامور کو حکم دے وہ فوراً مطیع ہو جائے۔ اسی طرح جب ہم کسی شے کو پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ فوری طوراً موجود ہو جاتی ہے ہمارے ارادہ اور پیدائش میں ذرہ برابر تاخیر نہیں ہوتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ

اور کہنے لگے جن کو علم نہیں کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا

تَأْتِينَا آيَةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ہم کو آوے کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں ان سے لگے

مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ

انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل بھی ان کے ہم نے بیان کر دیں نشانیاں

لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۳۸﴾

واسطے ان لوگوں کے جنکو یقین ہے

شاعت سی ویم^(۳۱) ایضاً باشترک نصاریٰ و مشرکین

قال تعالى. وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ... الخ ... لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ. گزشتہ آیات میں انکی توحید کا حال بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں نبوت کے بارہ میں ان کے شبہ کو میان فرماتے ہیں اور یہ نادان یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بلا واسطہ کلام کیوں نہیں فرماتا کہ یہ خود بالمشافہ ہم سے کہہ دے کہ یہ ہمارے نبی اور رسول ہیں تو ہم ان کی رسالت کے قائل ہو جائیں اور ان کی اطاعت کرنے لگیں یا اگر ہم سے کلام نہیں کرتے تو کم از کم ہم من جانب اللہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی آجائے کہ جسے دیکھ کر ہم کو بدراستہ آپکی نبوت کا یقین آجائے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ کوئی نیا جابلانہ سوال نہیں جو جاہل ان سے پہلے گزرے وہ بھی ایسی باتیں کہتے رہے ہیں اور یہی ان کے جاہل اور نادان ہونے کی دلیل ہے کہ باوجود اپنے کمال نالافتی کے اپنے کو خدا تعالیٰ کی ہم کلامی کا اہل سمجھتے ہیں۔ تم تو دنیاوی بادشاہوں اور امیروں کی ہم کلامی کا بھی رتبہ نہیں رکھتے اگر ہر شخص خدا کی ہم کلامی کا رتبہ رکھتا تو پھر بنیاد اور مسلمین کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا دنیا میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں وزیر کے حکم کو نہیں مانوں گا جب تک کہ بادشاہ خود بالمشافہ مجھ سے آکر یہ نہ کہہ دے کہ یہ میرا وزیر ہے تم اس

کی اطاعت کرنا اور چونکہ ان کی یہ بات بالکل پہل تھی اس لیے حق خالے نے اسکا کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا۔

ع پس جواب اجمعی آمد سکوت

بلکہ اس جاہلانہ سوال کے غشا کو بیان فرمایا وہ یہ کہ ان لگے اور پچھلے کازوں کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اس لیے ان پچھلے نادانوں کے شبہات پہلے نادانوں کے شبہات کے مشابہ ہیں۔ یعنی اس زمانہ کے کافر اگرچہ پہلے زمانہ کے کافروں سے بہت بعد ہیں اور آپس میں کوئی مسئلہ وصیت بھی نہیں مگر قلوب سب کے ہمرنگ ہیں اسی وجہ سے شبہات میں بھی تشابہ اور ہم رنگی ہے اور آیات اور معجزات کے انکار میں ایک دوسرے کے قدم قدم ہیں اور من مانے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم آؤ تَمَایُنُنَا اَیَّہُ کہہ کر ایک نشانی مانگتے ہو۔ ایک نشانی نہیں تحقیق ہم آئی نبوت و رسالت کی تصدیق کے لیے صد ہا بلکہ ہزار واضح اور روشن نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں مثلاً شجر اور حجر کا آپکو سلام کرنا اور جانوروں کا آپ کی نورت کی شہادت دینا وغیرہ مگر انہوں نے ان نادانوں کو ان روشن اور واضح معجزات سے کوئی نفع نہ ہوا۔ یہ آیات بیانات ان لوگوں کے لیے نافع ہیں جو یقین اور اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مندی اور معاند نہیں۔

تشبیہ اور تشابہ میں فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ مختلف المراتب ہوتے ہیں اور تشابہ میں دونوں مشابہ مساوی اور برابر ہوتے ہیں اسی وجہ سے جہاں مساوات کا بیان مقصود ہوتا ہے وہاں بجائے تشبیہ کے تشابہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کما تاں قائل۔

رق الزجاج و رقت الخمر فتشابهها و تشاکل الامر
فکانما خمس ولا قدح وکانما قدح ولا خمس
اسی طرح یہاں تشابہت قُلُوْبُهُمْ میں تشابہ کا لفظ اختیار فرمایا اس لیے کہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ لگے اور پچھلے کافروں کے دل یکساں ہیں کوئی فرق نہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا

ہم نے تجھ کو بھیجا ہے ٹھیک بات لیکر خوشی اور ڈر سنانے کو اور تجھ

تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ

سے پوچھ نہیں دوں گے والوں کی اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھ سے

الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ قُلْ إِنْ

تو یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تابع نہ ہو تو انکے دین کا تو کہہ جو

هُدًى إِلَهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ

راہ اللہ دکھاوے وہی راہ ہے اور کبھی تو چلا ان کی

أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا

مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۶۰

تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار جن کو ہم

اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ

نے دی ہے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے پڑھنے کا

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ

وہ اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے سو

هُمْ الْخٰسِرُونَ ۝۱۶۱

انہیں کو نقصان ہے۔

خاتمہ کلام و اتمام حجت و الزام و تسلیہ سیدنا نام

علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّاٰذَنًا ۚ اِلٰی ۚ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ۔

(رابطہ) یہاں تک بنی اسرائیل کی قباحتوں اور شاعتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا شائع بنی اسرائیل

کی تفصیل کی ابتداء کفران نعمت اور دنائرت اور خست سے فرمائی۔ کما قال تعالیٰ۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰی کُنْ نَصِیْرًا لِّهٖ فَاِذَا هُوَ یُطَاعُ ۚ فَاِذَا هُوَ یُطَاعُ ۚ فَاِذَا هُوَ یُطَاعُ ۚ

اور اختیار کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے۔

اور پھر درمیان میں اُن کی قسادتِ قلب کو ذکر فرمایا۔

ثُمَّ هَسَّتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ
ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ إِذَا شُدَّتْ
فَسَوَّاهُ ط

پھر سخت ہو گئے تہرے دل اس کے بعد
پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ
سخت۔

اور اس قبائح اور شنائع کے سلسلہ کو ان کے کبر و نخوت پر ختم کر دیا کہ اس قدر مغرور اور متکبر ہیں کہ اپنے کو خداوند ذوالجلال کی ہمکلامی کا اہل سمجھتے ہیں اور احکام الحاکمین کے وزراء و نائبین یعنی انبیاء و مرسلین کے اتباع اور اطاعت کو اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کبر اور نخوت سے بڑھ کر کوئی مرض نہیں تکبر ہی تمام امراض کی جڑ ہے یہی مرض سب سے پہلے دنیا میں آیا اور یہی مرض ابلیس کی لعنت کا مسبب بنا۔ اب ان قبائح اور شنائع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تشلی دینا ہے کہ اسے ہمارے نبی آپ مغموم اور رنجیدہ نہ ہوں اور اب اُنکے رشد و ہدایت کی طبع دل سے نکال دیجئے جسکے دل پتھر سے زیادہ سخت ہوں و کبر اور نخوت سے لبریز ہوں۔ اُن سے اسلام اور ایمان کی توقع نہ رکھیئے حتیٰ ان پر واضح ہو چکا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کے اتنے واضح اور روشن دلائل ہم نے واضح کر دیئے ہیں کہ جس کے بعد طالبِ حق کے لیے کسی قسم کے شک اور تردد کی گنجائش نہیں اور علاوہ ازیں ہم نے آپ کو دینِ حق دیکر بھیجا ہے جو آپ کی نبوت کی مستقل اور روشن دلیل ہے اور ایسا ثابت اور پختہ ہے۔ کہ جو موجب طمانینہ و یقین ہے اور شکوک و شبہات سے اس میں تزلزل کا امکان نہیں بالفرض اگر آپ سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا تو فقط آپ کا دین حق اور آپ کی ترجیح حق ہی آپ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی اور دانی تھی۔ نیز ہم نے آپ کو مخلوق کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہ ملنے والوں کو جنت کی بشارت سنائیں اور منکرین کو عذاب سے ڈرائیں اور پھر لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں اگر لیسے معجزات ظاہر کر دیئے جائیں کہ جن سے مجبور اور لاچار ہو کر ایمان لانا پڑے تو وہ ایمان بے سود ہے مکلف بنانے کا جو مقصد ہے وہ جبری ایمان کی صورت میں باقی نہیں رہتا اور اگر یہ بدل نصیب اب بھی ایمان نہ لائیں اور آپ کی دعوت حق کو قبول نہ کریں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ نے اپنا فرض منصبی یعنی دعوت و تبلیغ ادا کر دیا۔ آپ سے ان جہنیوں کے بارہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی از خود انہوں نے کفر اور جہنم کی راہ اختیار کی ہے۔ اگر آپ کا اختیار چلتا تو کبھی انکو جہنم کی راہ نہ چلنے دیتے اور ان لوگوں کا آپ کی پیروی اور اتباع سے اعراض اس لیے نہیں کہ آپ کے دلائل نبوت میں کسی قسم کا قصور ہے۔ بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ یہود اور نصاریٰ برگزیدہ آپ سے راضی اور خوش نہ ہونگے تا وقتیکہ آپ انکی مٹوئح ملت کا اتباع اور پیروی نہ کریں وہ اس عذر میں ہیں کہ ہم کتب الہیہ کے علوم کے حامل اور علمبردار ہیں۔ ہم کسی کایوں اتباع کریں۔ ہم تو سب کے متبع اور سردار ہیں لہذا جو شخص اپنے آپ کو متبع سمجھتا ہو وہ تابع بننے پر کب راضی ہو سکتا ہے۔ آپ اُن کے اس خیال خام کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تحقیق اللہ کی ہدایت ہر زمانہ میں وہی ہدایت ہے جو اُس

زمانہ کا نبی اور رسول لیکر آئے اور گزشتہ ہدایتیں اگرچہ اپنے اپنے وقت پر ہدایتیں تھیں مگر غسوخ ہو جانے کے بعد بُدی۔ بُدی نہیں رہتی بلکہ مولائے نفس بن جاتی ہے اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کبھی ہدایت نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صریح ضلالت ہے اور اگر بالفرض محال آپ ان ہوا پرستوں کی نفسانی خواہشوں کا اتباع کریں بعد اسکے کہ آپ کے پاس اس بات کا علم قطعی آپکا ہے کہ اب ہدایت اس میں منحصر ہے کہ جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا اور گزشتہ کی تمام ہدایتیں غسوخ ہو کر مولائے نفس بن چکی ہیں۔ پس اگر آپ آخری حکم اور آخری ہدایت کو چھوڑ کر کسی پہلی ہدایت اور کسی پہلے حکم کا اتباع کریں تو اللہ کے مقابلہ میں کوئی آپکا حمایتی اور مددگار نہیں جو اللہ کے عذاب سے آپ کو بچائے۔ حتیٰ کہ اگر آپ تورات اور انجیل پر عمل کریں تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی آپکی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ ان بیچاروں کا تو ذکر ہی کیا۔

یہ تہدیدِ خطاب ظاہر حضور کو ہے لیکن سنانا مساندین کو ہے۔ عناد کی بنا پر ان کو مخاطب بھی نہیں بنایا اور ان کے خطاب سے اعراض فرمایا۔

ف

یہاں تک ان اہل کتاب کا ذکر تھا کہ جو برائے نام اہل کتاب ہیں اور فی الحقیقت اپنی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے اور عناد اور تعصب کی وجہ سے حضور کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے آئندہ آیت میں ان اہل کتاب کی مدح سے جنہوں نے دل و جان سے حق کا اتباع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی تورات اور انجیل عطا کی اور انکی حالت یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ہے یعنی نہ اس میں لفظی تحریف کرتے ہیں اور نہ معنوی تحریف اور نبی آخر الزمان کی جو بشارتیں ان کی کتاب میں ہیں ان کو چھپاتے نہیں ایسے ہی لوگ حقیقتہً اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی کتاب کی ہدایت اور بشارت کے مطابق نبی آخر الزمان کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ نبی آخر الزمان پر ایمان نہیں لاتے وہ درحقیقت اپنی اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ اور جانتے ہیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی ضمیر بھائے کتاب کے بُدی یا قرآن کی طرف راجع کی جائے یعنی جو لوگ تورات اور انجیل کی کھاتہ تلاوت کرتے ہیں وہی اس ہدایت کو قبول کرتے ہیں جو نبی آخر الزمان پر نازل ہوئی اور وہی اس آخری کتاب پر ایمان لاتے ہیں جس کی بشارت اپنی کتابوں میں پائے ہیں اور فلاح دارین حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی کتاب کا انکار کرتے ہیں یعنی تورات اور انجیل میں تحریف کرتے ہیں اور حضور کے ظہور کی جو بشارتیں ان کی کتاب میں مذکور ہیں انکا انکار کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ خسارہ والے ہیں کہ اپنی کتاب پر جو ایمان رکھتے تھے وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ اور جانتے ہیں کہ وَ مَن یَّحْکَمْ بِحُكْمِ رَبِّہٖ فَہٗ سَیُّئٌ مِّنْ عَمَلٍ وَّ مَن یُّؤْتِ حُكْمًا مِّنْ رَّبِّہٖ فَہٗ سَیِّئٌ مِّنْ عَمَلٍ کی طرف راجع ہو یا حضور کی طرف راجع ہو یعنی جو لوگ حضور کی نبوت یا آپکی ہدایت یا آپکے قرآن کے منکر ہیں وہ انتہائی خسارہ میں ہیں اس لئے کہ حضور آخری نبی ہیں اور قرآن آخری کتاب ہے۔ جب اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آخرت کی نجات کا ذریعہ آخر کیا ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب جعفر بن ابی طالبؓ جشہ سے آئے تو چاہیں آدمی ان کے ہمراہ تھے جیس ان میں جشہ کے تھے اور آٹھ شام کے تھے اور پھر رابیع

بھی ان میں تھا ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعض علماء اس طرف لگے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ اَتَيْنَا هُمُ الْكِتَابَ سے صحابہ کرام مراد ہیں اور الکتاب سے قرآن مراد ہے اور حقّ قِلا و قِبہ سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کے پورے حقوق ادا ہونے چاہئیں۔ فرض کرو کہ ایک بادشاہ اپنے فرمان کو اپنے سامنے پڑھنے کا حکم دے تو اس وقت یہ حالت ہوگی کہ ہر لفظ کو سنبھل سنبھل کر اور صاف صاف ادا کر دے اور معنی اور مفہوم کی طرف بھی پوری توجہ ہوگی اور دل میں یہ پختہ ارادہ ہوگا کہ اس فرمان میں جس قدر بھی احکام ہیں حرف بحرف انکی تعمیل کرونگا۔ اور پڑھتے وقت دربار شاہی کے آداب سے بھی ذرا غفلت نہ ہوگی۔ اسی طرح تلاوت قرآن کو سمجھو کہ ہم اللہ رب العالمین کے سامنے پڑھ رہے ہیں ایک ایک لفظ کو صاف صاف ادا کرو۔ یہ ترتیل اور تجوید ہے اور اسکے اتباع اور تعمیل کے عزم بالجزم کا نام ایمان اور اطاعت ہے اسی وجہ سے اُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ جبہ فرمایا اور حضرت عمرؓ سے یَسْأَلُوْكَ حَقُّکَ قِلا و قِبہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کرتے وقت جنت کے ذکر پر گزرے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے اور جب آگ کے ذکر پر گزرے تو خدا سے پناہ مانگے کہ اسے اللہ اس سے محفوظ رکھنا۔ (ابن ابی حاتم)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل، یاد کرو احسان میرا جو میں نے

عَلَيْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاتَّقُوا

تم پر کیا اور وہ کہ بڑا کیا تم کو سارے جہاں پر اور بچو اس

یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ

دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کے ایک ذرہ اور نہ قبول ہو

مِنْهَا عَدْلٌ ۚ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ۚ وَلَا هُمْ

اس کی طرف سے بدلا اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو

یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

مدد پہنچے

تکریر تذکرہ و اعادہ تذکرہ

قال تعالى - يٰبَنِي إِسْرَءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الّٰى - وَلَا تَهْمُؤْا بِبُصُرِكُمْ -
 (رابطہ) ابتداء سورت میں جب بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا تو اسی عنوان اور اسی آیت سے شروع فرمایا
 اور طویل تفصیل کے بعد پھر اسی عنوان اور اسی آیت پر خطاب کو ختم فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ اولاً حق تعالیٰ
 نے اپنی نعمتوں کو اجمالاً یاد دلایا تاکہ فکر کی راہ اختیار کریں اور کفران نعمت سے احتراز کریں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ
 نے اپنے انعامات اور اپنی عنایات اور ان کی جنایات اور تفصیلات کی تفصیل فرمائی جو یہاں آکر ختم ہوئی
 اخیر میں حق تعالیٰ نے پھر اسی مضمون کا اعادہ فرمایا جو ابتداء میں اجمالاً ان سے کہا گیا تھا تاکہ تفصیل کے بعد جب
 اجمال کا اعادہ کیا جائے تو تمام تفصیل بیک وقت نظروں کے سامنے آجائے اور یہ طریقہ بظاہر کے نزدیک
 نہایت طبع ہے اور تعلیم و تعلیم میں غایت درجہ معین ہے اور ابو حیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اس سورت
 میں تین مرتبہ ”یا بنی اسرائیل“ کے معزز خطاب سے مخاطب فرمایا اور اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد
 ہونے کی حیثیت سے انکو اپنے خطاب سے مشرف اور سرفراز فرمایا اور اس نسبت کو یاد دلا کر شکر اور اطاعت
 کی دعوت دی لیکن بنی اسرائیل نے جب اس نذر اور خطاب کے مشرف کو ملحوظ نہ رکھا تو حق تعالیٰ نے ان
 سے اعراض فرمایا اور تین مرتبہ کے بعد انکو مخاطب نہیں بنایا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل پھر
 ایک بار تم کو خطاب کرتے ہیں اور یہ تیسری بار ہے اب اس کے بعد ہم تم کو مخاطب نہ بنائیں گے وہ آخری خطاب
 یہ ہے کہ میری نعمتوں کو اس حیثیت سے یاد کرو کہ وہ میرا عطیہ تھیں۔ میری نسبت کے مشرف اور عزت کو دیکھو
 اور یاد کرو اور پھر اس حیثیت کو دیکھو کہ اس نعمت کا میں نے تم پر محض اپنی مہربانی سے انعام کیا تھا۔ ذرہ
 برابر تمہارا استحقاق نہ تھا اور یاد کرو اس امر کو کہ میں نے تم کو محض اپنے فضل سے سارے جہانوں پر فضیلت
 اور بزرگی دی تھی۔ یہ بزرگی میرا عطیہ تھا تمہاری ذاتی شئی نہ تھی کہ تم سے جدا نہ ہو سکے۔ تم اس غرہ میں نہ رہنا
 کہ یہ بزرگی تم سے چھینی نہیں جاسکتی۔ اگر اس فضیلت اور بزرگی کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو ہمارے رسولؐ
 کی اطاعت کرو اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں کوئی کسی کی طرف سے کام نہ آئے گا اور ایک نفس کی
 دوسرے نفس کی طرف نسبت بدون ایمان کے کارآمد نہ ہوگی اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے
 گا کہ جو ربائی کا سبب بن سکے اور نہ بدون ایمان کے کوئی شفاعت اور سفارش نفع دے گی البتہ انبیاء اور
 اولیاء کی شفاعت سے اہل ایمان کو نفع ہوگا اور نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کی جائے گی اس لیے کہ نصرت کا
 وعدہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین اور اہل ایمان سے کیا ہے۔ کما قال تعالیٰ - اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا
 وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ لَا يَفُوقُ الْاَشْهَادُ
 کافروں سے وعدہ نہیں۔

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ

اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ

فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا بولا اور میری

ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۴﴾

اولاد میں بھی کہا نہیں پہنچتا میرا اقرار ہے انصافوں کو

قصہ کامیابی ابراہیم خلیل علیہ السلام در امتحان خداوند
خلیل و تحویل کلام از ذکر بنی اسرائیل بسوئے ذکر بنی اسمعیل

قال تعالى وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ... الخ... قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔
(رابطہ) بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ ہم اہل کتاب اور اہل علم اور اولاد ابراہیم ہیں اس لیے ہم ہی سب کے قبوع اور مقتدر اور پیشوا در امام ہیں۔ امامت اور سیادت ہمارے ہی گھر میں رہے گی۔
ہر کسی کے اتباع کی کیا ضرورت۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر فرمایا جس سے چند امور کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اول یہ کہ امام اور مقتدا وہی ہو سکتا ہے جو ظالم اور فاسق نہ ہو۔ اور تمہارا کفر اور ظلم خوب واضح ہو چکا ہے ظالم اور فاسق ہو کر امامت اور موقعیت کا خیال سودا کے غام ہے امامت اور قبوعیت کا مرتبہ جب ہی ملتا ہے کہ جب اللہ کے امتحان میں کامیاب اور درست نکلے دوئم یہ بتلانا ہے کہ خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اس کی فضیلت اور بزرگی میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔ تاکہ گزشتہ رکوع میں جو یہود کا بعض احکام کے نسخ خصوصاً تحویل قبلہ پر جو اعتراض تھا جسکا مَا نُنْصِرُ مِنْ آيَةٍ۔ میں کافی و شافی جواب گزر چکا۔ اس اعتراض کا قلع قمع ہو جائے جو کہ تحویل قبلہ کے مسئلہ کا اعظم ارکان اسلام سے خاص تعلق ہے اس لیے اس بارہ میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مفصل کلام کیا اول بانی کعبہ کی فضیلت اور پھر انکی امامت اور پھر خانہ کعبہ کی فضیلت اور پھر اس کی تحویل کی حکمتیں بیان کیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی آخر الزمان کی ملت اور قبلہ ہی ہے جو حضرت ابراہیم کا تھا۔ سوئم یہ کہ ملت اسلام وہی ملت ابراہیمی ہے۔ چہارم یہ کہ امت مسلمہ

اور نبی آخر الزمان کے ظہور اور بعثت کی دعا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی۔ لہذا حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر وہی شخص ہو سکتا ہے جو ملت اسلام کو قبول کرے اور نبی آخر الزمان پر ایمان لائے اور خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ سمجھے۔ پنجم یہ کہ یہ خیال کرنا کہ نبی آخر الزمان ہمارے خاندان سے نہیں اس لیے ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک اسحق علیہ السلام جن کے بیٹے اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسمعیل علیہ السلام ہیں ایک مدت تک نبوت اور فضیلت حضرت اسحقؑ اور اسرائیلؑ کی اولاد میں رہی اب وہ فضیلت حضرت اسمعیلؑ کی اولاد کو پہنچی اور وہ نعمت تفضیل جس سے بنی اسرائیل کو سرفراز فرمایا تھا اب وہ بنی اسرائیل سے بنی اسمعیل کی طرف منتقل ہوئی اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دونوں ہی بیٹوں کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔ جس طرح اسحق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا مانگی تھی اور اسی طرح اسمعیل علیہ السلام کے لیے بھی برکت کی دعا مانگی تھی۔ جیسا کہ توریت کے سفر پیدائش باب ۲۸ میں ہے۔

”اور اسمعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کر دوں گا اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔“ انتہی۔

پس تم کو چاہیے کہ اب اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ جو ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کی اولاد میں سے ہے اور اسکا ظہور اور اسکی بعثت دعا ابراہیمؑ کی برکت اور شہادہ ہے اور اس نبی پر ایمان لا کر امت مسلمہ میں داخل ہو جاؤ اور دل و جان سے اسکی اطاعت کرو تا کہ تم کو بھی بعد از طاعت اس برکت میں سے کچھ حصہ ملے۔ اور ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح اسلام اور طاعت اور واداری اور محبت اور جانشاری کا داغ اپنے جسم پر لگاؤ یعنی ختنہ کراؤ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کرائی تھی۔ توریت میں ہے کہ ختنہ اللہ کا داغ ہے جس طرح شاہی گھوڑوں پر داغ ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور اسکی اولاد کے لیے ختنہ کا داغ تجویز فرمایا۔ اور قوت شہوہ اور ہیمیر کے محل پر ختنہ کے داغ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عضو سرکاری داغ سے داغی ہے بغیر سرکاری اجازت کے کسی مصرف میں اسکا استعمال جائز نہیں اور موٹے لب کھانا اور ناخن کڑوانا اور موٹے بغل لینا اور مضمضہ اور استنشاق کرنا وغیرہ ذلک یہ بھی اسلام یعنی اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے داغ ہیں۔ لہذا اسے نبی اسرائیلؑ اگر تم نعمت تفضیل میں سے حصہ لینا چاہتے ہو تو اب اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ کہ جو بنی اسمعیل میں سے دلع کے ابراہیمؑ کے مطابق مبعوث ہوا ہے بنی اسرائیلؑ کی تفضیل کا دور دورہ ختم ہو گیا اب تا قیامت بنی اسمعیلؑ کی تفضیل کا دور دورہ رہے گا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیمؑ کو اسکے پروردگار نے چند باتوں سے آزمایا۔ ابراہیمؑ کی آزمائش بھی رب کریم کی طرف سے تربیت تھی۔ ابراہیمؑ کے پروردگار نے امتداری سے ابراہیمؑ کی طرح سے تربیت کی۔ طہوریت میں رشد عطا کیا اور پھر مرتبہ نبوت و خلعت تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ بطور آزمائش انکو چند باتوں کا حکم دیا تاکہ ملائکہ علوی اور سفلی کے سامنے انکا فضل و کمال اور حسن استعداد اور کمال ثابت

اقوال مفسرین در تفسیر کلمات ابتلاء

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) اپنی قوم سے مفارقت کرنا اور برائت یعنی کفر کی وجہ سے ان سے برائت اور پیروی اور قطع تعلق کرنا (۲) خدا کے لیے مناظرہ (۳) آگ میں ڈالے جانے پر صبر کرنا (۴) وطن سے ہجرت کرنا اور جمع عشائر و اقارب کو چھوڑ کر نکل جانا (۵) بہمان نوازی (۶) ذبح و لہجہ پر تیار ہو جانا آخر جبہ ابن اسحق و ابن ابی حاتم عن ابن عباس (در غرر صدق ج ۱) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرات ابراہیم کو آزمایا وہ دس خصال فطرت ہیں پانچ تو ان میں سے سر میں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

- (۱) مونچھیں کتر دانا (۲) مضمضہ یعنی کلی کرنا (۳) استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا (۴) مسواک کرنا۔ (۵) سر میں مانگ نکالنا اور پانچ خصلتیں باقی بدن کے متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں۔
- (۱) ناخن ترشوانا (۲) بغل کے بال لینا (۳) مونے کے زیر ناف مونڈنا (۴) ختنہ کرنا (۵) بول و براز کی جگہ کو پانی سے دھونا یعنی پانی سے استنجہ کرنا اور ایک روایت میں غسل عمدہ اور طواف بیت اللہ اور سعی مابین الصفا والمروہ اور رمی جمار اور طواف افاضہ کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں۔
- (۱) مونچھوں کا کتر دانا اور (۲) ڈاڑھی کا بڑھانا اور (۳) مسواک کرنا اور (۴) ناک میں پانی ڈالنا اور (۵) ناخنوں کا کتر دانا اور (۶) براجم یعنی جوڑوں کا دھونا اور (۷) بغل کے بال لینا اور (۸) مونے کے زیر ناف کا حلق کرنا اور (۹) پانی سے استنجہ کرنا راوی کہتے ہیں کہ دسویں خصلت میں بھول گیا شاید وہ مضمضہ ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ کلمات سے وہ تیس خصلتیں مراد ہیں کہ جو شرائع اسلام اور سہام اسلام کے نام سے موسوم ہیں دس ان میں سے سورۃ برائت میں مذکور ہیں تو بے۔ عبادت حمد و ثناء۔ بیاحت۔ رکوع۔ سجود۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ محافظہ حدود ایمان اور دس ان میں سے سورۃ

لخصوۃ برائت کی آیتیں یہ ہیں التائبون المؤمنون المصدقون الساجدون الامرون بالصبر والناہون عن المنکر والحفظون لحدود اللہ و بشر المؤمنین ط
سورۃ احزاب کی آیت یہ ہے۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتِ۔

احزاب میں مذکور ہیں۔ اسلام۔ ایمان۔ قوت۔ صدق۔ صبر۔ خشوع۔ صدقہ و نیاز۔ روزہ رکھنا۔ شرمگاہ کی حفاظت کثرت ذکر استقامت اور دس خصلتیں ان میں سے سورہ مومن اور سائل میں مذکور ہیں۔ ایمان جو م الجزائر خوف و خشیت از عذاب خداوندی شروع نماز۔ محافظت آداب و سنن نماز و عبادت سے اعراض و احتراز۔ اداۃ نکوۃ بطیب خاطر۔ غیر منکوحہ اور غیر ملوکہ سے شرمگاہ کی حفاظت ایثار عہد ادا و بات اور ائے شہادت کلمات کی تفسیر میں اس کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال ہیں جو تفسیر درغفور کی مراجعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آیت قرآنیہ میں لفظ کلمات سبب کو شامل ہے جائز ہے کہ سبب مراد ہوں یا بعض مراد ہوں لیکن ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مختلف روایات کا آنا اس سے عموماً ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا

اور جب ٹھہرایا ہم نے یہ گھر کعبہ اجتماع کی جگہ لوگوں کی اور یناہ اور

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدُنَا

کہ رکھو جہاں کھڑا ہوا ابراہیم نماز کی جگہ اور کہدیا ہم

إِلَىٰ آبُرْهَمَ وَإِسْعِيْلَ أَنَّ طَهْرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ

نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک کر رکھو گھر میرا واسطے طوفان والوں کے

۱۲۔ اور سورہ مومنون کی آیت سے یہ قافلہ المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم للزکوة فاعلون والذین هم لفرجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما حلت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون والذین هم لا مآئاتهم وعهدهم راعون والذین هم علی صلاتهم بحافظون آیات الہیہ اور رسال سائل کی آیتیں یہ ہیں۔ الذین هم علی صلاتهم دائمون والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم والذین یصدقون بیوم الدین والذین هم من عذاب ربهم مشفقون ان عذاب ربهم غیر مأمون والذین هم لفرجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما حلت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون والذین هم لا مآئاتهم وعهدهم راعون والذین هم بشهادتہم قائمون والذین هم علی صلاتهم یحافظون - ۱۲۔

وَالْعُكُفَيْنِ وَالرُّكْعِ السُّجُودِ ۝۱۷۵

اور اعنکاف والوں کے اور رکوع اور سجودے والوں کے

قصہ بنائے تجلی آشیانہ و فضائل قبلہ اسلام و تلقین بیت حرام

قال تعالى . وَ اِذْ حَمَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ... الى ... وَالرُّكْعِ السُّجُودِ ط گزشتہ آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی امامت اور فضیلت کو بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ منصب امامت اور امامت کا لقب صاحب قبلہ ہونے کی طرف مشیر ہے اس لیے آئندہ آیات میں قبلہ ابراہیمی کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ خانہ تجلی آشیانہ وہی گھر ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اسمعیل علیہ السلام کی شرکت اور معیت میں بنایا تھا اور اسی مسجد کے ارد گرد اسمعیل اور اس کی ذریت کو آباد کیا اور طرح طرح کی دعائیں کیں اور مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل متنبہ ہو جائیں کہ یہ نبی اُمّی خاندان ابراہیم و اسمعیل سے ہے اور یہ خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے یہ وہی مسجد معظمہ اور مسجدہ محترمہ ہے جس کے بانی اور معمار امام ام اور خیر عالم ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور اسمعیل ذریعہ اللہ ان کے معین و مددگار اور شریک کار رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس علم کے بعد بنی اسرائیل کو بنی اسمعیل کی تفضیل، اور قبلہ اسلام کی فضیلت میں کوئی شبہ نہ رہے گا اور اب آئندہ تحویل قبلہ کے بارے میں زبان طعن نہ کھولیں گے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسے بنی اسرائیل یہ تو تم کو معلوم ہو گیا کہ منصب امامت ظالم اور فاسق کو نہیں ملتا۔ دینی منصب اسی کو ملتا ہے جو ابراہیم کے طریقہ پر چلے اور اگر تم کو خانہ کعبہ کی فضیلت اور اس کے حج مقرر کرنے میں شبہ ہے کہ حج بالکل ایک لغو حرکت ہے جو عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیم کا طریقہ نہیں تو اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو مرجع خلافت بنایا کہ لوگ اطراف عالم سے بصد حریم طواف باغزوہ کراں گھر کی زیارت اور طواف کے لیے رجوع کریں تاکہ اہل ایمان کے عظیم اجتماع سے ایک خاص نورانیت پیدا ہو جس سے ہر ایک مستفید ہو جس طرح بہت سے چراغوں کے جمع ہو جانے سے بریست اجتماع ہر ایک کا نور اضعا فاضاعہ ہو جاتا ہے جمعہ اور پنجگانہ نماز جماعت میں ایک شہر اور ایک محلہ کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے اور حج کے اجتماع میں اقطار عالم کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے۔

اور جائز ہے کہ مشابہہ کو بجائے ثواب بمعنی رجوع کے ثواب سے مشتق مانیں یعنی لوگوں کے لیے ثواب حاصل کرنے کی جگہ بنائی کہ حج اور عمرہ کر کے ثواب حاصل کریں۔ ایک نماز پڑھیں تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب پائیں اور جماعت سے پڑھیں تو ستائیس لاکھ کا ثواب پائیں اور ہمیشہ کے لیے اس گھر کو خاص طور پر مقام امن بنایا کہ جو وہاں داخل ہو وہ امن سے ہو جائے اور ہم نے یہ حکم دیا کہ ابراہیم کے گھر سے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو تاکہ برکت حاصل ہو۔

ف

مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو بنایا اس پتھر پر حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان تھے لوگوں کے ہاتھ پھرنے کی وجہ سے وہ نشان اب معلوم نہیں ہوئے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی اذان دی کما قال تعالیٰ وَ اَذِّنْ لِلنَّاسِ بِالْحَجِّ الْاَیَّد۔ اور یہ پتھر عبد نبوی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خانہ کعبہ سے متصل تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب سیلاب آیا تو یہ پتھر بگیا حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اسکے گرد پتھر دیواریں دی چنانچہ وہ پتھر اب تک اسی جگہ میں محفوظ ہے اور اس کے ارد گرد جالیال بنی ہوئی ہیں اور بنائے کعبہ کے وقت ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا جو مشابہ عہد کے تھا کہ میرے اس مبارک گھر کو ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے اس کو پاک و صاف رکھنا۔

نکتہ

طواف اور اعتکاف جو نیکو اعمال جدا گانہ ہیں ایک دوسرے پر موقوف نہیں اس لیے طواف اور اعتکاف کو بذریعہ واؤ عافہ ذکر فرمایا اور رکوع اور سجود دونوں مل کر ایک عبادت ہیں الگ الگ عبادت نہیں اس لیے رکوع اور سجود کو بدون عطف ذکر فرمایا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب کہ اس کو شہر امن کا

وَ اَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الشَّجَرٰتِ مِّنْ اٰمَنٍ مِنْهُمْ

اور روزی دے اسکے لوگوں کو میوے جو کوئی ان میں یقین لاوے

بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنۢ کَفَرَ

اللہ پر اور پچھلے دن پر فرمایا اور جو کوئی منکر ہے

فَاَمْتِئِعْهُ قَلِيْلًا ثُمَّ اِضْطَرُّهُٓ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ

اس کو بھی فائدہ دوں گا تھوڑے دنوں پھر اسکو قید کر بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۱﴾

اور بُری جگہ پہنچ ہے

دُعَا اِبْرَاهِیْمَ بَرَّائے حَرَم و سَاکِنَانِ حَرَم

قَالَ تَعَالٰی وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا ؕ اِلٰی . وَ رِیَاسَ الْمَصِیۡوۃ (الربط) جب خانہ کعبہ کی فضیلت و اس کا مسکن اعظیم اور معبد ابراہیم ہونا بتلا چکے تو آئندہ اس شہر اور اسکے ساکنین کے حق میں حضرت ابراہیم کی دعائیں ذکر فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ بنانے کا پختہ ارادہ فرمایا تو یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس حق و دق محل کو آباد شہر اور پیرامن بنادے کیونکہ رسم حج کی بقا و بدو شہر کی آبادی کے ممکن نہیں اور شہر کی آبادی بدو امن کے باقی نہیں رہ سکتی۔ بدامنی سے شہر ویران ہو جاتا ہے اور اس شہر کے ساکنین کو قسم قسم کے چل اور میو سے عطا فرما اس لیے کہ ساکنان شہر کی آبادی رزق پر موقوف ہے بغیر رزق کے کوئی باقی اور زندہ نہیں رہ سکتا اور رزق کی درخواست میں ظالموں اور نافرمانوں کے لیے نہیں کرتا بلکہ صرف ان لوگوں کے لیے رزق طلب کرتا ہوں جو اس شہر کے رہنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کو امامت پر قیاس مت کرو۔ امامت ایک دینی منصب ہے ظالم اس کا مستحق اور اہل نہیں اور رزق و نبوی۔ ایسی خفی ہے جو عام ہے میں رب العالمین ہوں سب کا رازق ہوں۔ مومن کو بھی قرأت سے رزق و دل کا اور کافر کو بھی دنیا میں رزق دوں گا۔ اور چونکہ یہ کافر ہے اس لیے چند روز یعنی زندگی تک اسکو دینی منافع سے خوب متمتع اور بہرہ مند کرتا رہوں گا اور پھر اسکو لاچار اور بے بس بنا کر کشاکش و عذاب ناز تک پہنچاؤں گا اور بے شک دوزخ بہت ہی بڑی جگہ ہے دنیا میں کوئی مکان اگر ایک طرف سے بڑا ہو تا ہے تو دوسری طرف سے اچھا بھی ہو تا ہے لیکن وہ دوزخ ایسا مکان ہے جو کسی اعتبار سے بھی اچھا نہیں ہر طرح سے بُرا ہی بُرا ہے۔

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیۡتِ وَ

اور جب اٹھانے لگا ابراہیم بنیادیں اس گھر کی اور

اِسْمٰعِیۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیۡعُ

اسماعیل اے رب ہمارے قبول کریم سے تو ہی ہے سنتا

الْعَلِیۡمُ ﴿۱۲۶﴾

جانتا

دُعَا ابراہیمؑ واسمعیلؑ برائے قبولیت خدمتِ تعمیر بیت اللہ

قال تعالیٰ. قَدْ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰہِیْمُ الْقَوَاعِدَ... اِلٰی... اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
اور اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ خود اپنے ہاتھ سے اس گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے
یعنی اس پر تعمیر کرتے تھے اور دیواریں چنتے جاتے تھے اور اسی طرح اسمعیلؑ بھی اُن کے ساتھ بلند کرنے
میں مشغول تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ اس وقت نہایت عجز اور انکاری کے ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ اے
ہمارے پروردگار اپنے فضل سے ہماری اس محنت اور خدمت کو قبول فرما تحقیق تو ہی ہماری دعاؤں کو
سننے والا ہے اور تو ہی ہماری نیت اور ہمارے ذوق و شوق کو جاننے والا ہے بعض اپنے لطف و
عنایت سے اپنے عاشقانِ جان نثار کی اس سعی کو مشکور فرما۔

قبول اور تقبل میں یہ فرق ہے کہ جو چیز لائق پذیرائی ہو۔ وہاں لفظ قبول استعمال کرتے
ہیں اور جو چیز ناقص ہو اور قابلِ پذیرائی نہ ہو وہاں لفظ تقبل استعمال کرتے ہیں اس
لیے کہ لفظ تقبل باب تفعیل سے ہونے کی وجہ سے تکلف پر دلالت کرتا ہے اور تکلف قبول اس بات کو
مقتضی ہے کہ وہ چیز لائق قبول نہ ہو۔ پس اس مقام پر لفظ تقبل کا استعمال۔ غایت عجز اور کمال تواضع پر
دلالت کرتا ہے۔ یعنی ہمارا عمل اس قابل نہیں کہ مقبول ہو لیکن اگر تیرے لطف و عنایت اور فضل و رحمت
سے قبول ہو جائے تو یہ تیرا بعض جو دو کریم ہے۔

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابلِ منظور ہے پر جو مقبول کیا رحمت سے تیری دہر ہے
اور اگر بالفرض کوئی عمل قابلِ قبول بھی ہو تب بھی حق تعالیٰ کے ذمہ اسکا قبول کرنا واجب نہیں اس
لیے کہ قبولیت کے لیے مستقل درخواست چاہیئے۔ اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے معتزلہ کے نزدیک
ایسے عمل کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ واجب ہے معتزلہ نے جب بندہ کے افعال اختیار یہ کہ بندہ کا مخلوق اور
ملوک قرار دیا تو خالق کے ذمہ اسکا قبول کرنا اور ان پر ثواب دینا واجب گردانا اور اپنی نادانی سے یہ نہ
سمجھنا کہ اس واجب الوجود پر کسی کا وجوب نہیں چلتا اور نہ اس پر کسی کا حق ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا
کون ہے جو اس پر کوئی شئی لازم اور واجب کر سکے۔

جاننا چاہیئے کہ بارگاہِ خداوندی میں درجی عبادت اور خدمت مقبول ہے کہ جس کو کرنے
والادل و جان سے قابلِ قبول نہ سمجھے اور کرنے والے کی نظر اپنے عمل پر نہ ہو بلکہ
اس کے طبع اور فضل پر ہو۔



رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ

اے رب ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری

ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا

اولاد میں بھی ایک امت حکم بردار اپنی اور بتا ہم کو دستور حج کرنے کے

وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنْكَ أَنْتَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم کو معاف کر تو ہی ہے اصل معاف کرنے والا مہربان

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو

اے رب ہمارے اور اٹھا ان میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھے ان

عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

پر تیری آیتیں اور سکھا دے ان کو کتاب اور ہنسی باتیں

وَيُزَكِّيهِمْ ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۳۹﴾

اور انکو سنوارے تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا

دُعا براہمی برائے وجود اُمّتِ مسلمہ و قوم مسلمانان و ظہور
رسل محترم از ساکنانِ حرم کہ صاب قرآن و خاتم پیغمبراں باشد

قال تعالیٰ . رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ... إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ .

(مربط) ان دونوں بزرگوں نے اپنی فراست صادقہ اور نور نبوت سے یہ سمجھا کہ جب ہم کو ایسے خانہ
تجلی آشیانہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے تو لامحالہ اس کے ہر رنگ کسی ایسی عبادت کا بھی حکم ہونے والا ہے جو عشق اور محبت
کا رنگ لیے ہوئے ہو۔ اور ان عبادتوں کا بجالانے والا صورت اگرچہ انسان ہو گا مگر معنی ہر رنگ ملائک
ہو گا گویا کہ دربار خداوندی کا معاینہ اور مشاہدہ کر رہا ہے اور جس امت کے لیے اس گھر کو قبلہ بنایا جائے

کا اس کو ایسے جدید وضع کے کچھ احکام دیتے جائیں گے جنکے ارادہ و حکم ظاہر نظر میں حلوہ گر نہ ہونگے ظاہر پرست انکو صورت پرستی پر محمول کریں گے اس لیے ان دونوں بزرگوں کو اندیشہ ہوا کہ مباد ہماری ذریت اور اولاد ان جدید وضع کے احکام کے نزول پر ان کے قبول میں کسی قسم کا توقف اور تردد کرے اس لیے جناب الہی میں قہمی دعائیں فرمائیں اَوْفِیْکَ یَا کَرِیْمُ ۱۰ اَجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ ۱۱۔ اے اللہ ہم کو اپنا مسلم اور حکم بردار بندہ بنا، دوسری دعایہ فرمائی کہ اے اللہ ہماری ذریت میں ایک امت مسلمہ پیدا فرما یعنی ایسی امت اور ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرمانبرداری ہو اور نام بھی اس قوم کا مسلم اور مسلمان ہو یعنی صفت بھی اس کی اسلام یعنی اطاعت شکاری اور فرمانبرداری ہو اور اسی نام یعنی اسلام سے پکاری جاتی ہو۔

تیسری دعایہ فرمائی کہ اس امت مسلمہ میں ایک عظیم نشان رسول بھیج اور اس پر ایک عظیم نشان کتاب نازل فرما یعنی قرآن کریم اور پھر وہ رسول اس امت کو کتاب و سنت کی تعلیم دے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دعاؤں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ خانہ سجلی آشیانہ جس امت کا قبلہ ہوگا اس امت کا نام امت مسلمہ ہوگا جیسا کہ سورۃ حج میں ہے۔ هُوَ مَسْجِدُکُمْ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور ملت اسلام اس امت کا مذہب ہوگا درود عظیم نشان رسول جو ان میں مبعوث ہوگا وہ ساکنان حرم اور اسماعیل کی ذریت سے ہوگا اللہ تعالیٰ سے انکی دعائیں قبول فرمائیں اور بذریعہ وحی کے بتلادیا کہ جس اولوالعزم رسول کے پیدا ہونے کی تم دعا کر رہے ہو وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اور خاتم الانبیاء و المرسلین ہوگا اور ملت ابراہیمی کا متبع ہوگا اور اس کی امت کا نام امت مسلمہ ہوگا۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے بارگاہِ خداوندی میں بصد عجز و نیاز یہ عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص اطاعت شعار اور فرمانبردار بنا کہ ہمارا ظاہر و باطن تیرے لیے مخصوص ہو جائے کہ اس میں تیرے سوا کسی اور کی گنجائش نہ رہے اور ہماری ذریت میں ایک امت مسلمہ یعنی ایک ایسی جماعت پیدا فرما کہ جو دل و جان سے تیری حکم بردار ہو اور قلب اسکا سلیم ہو اور مسلمان اس کی زبان اور ملت سے سالم اور محفوظ رہیں اور جب توان کو اپنے دربار کی حاضری کا حکم دے تو مجھ کو ناناہ اور عاشقانہ وضع کے ساتھ برہنہ سر لیک کر کے تیرے در دولت پر حاضر ہو جائیں اور اے پروردگار ہم کو ہماری عبادت اور دربار کی حاضری یعنی حج اور طواف کے مواقع بھی دکھلا دیجیئے اور ان کے احکام اور آداب بھی ہم کو بتلاد دیجیئے تاکہ آداب عبودیت اور آداب دربار میں ہم سے کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور اے پروردگار آخر ہم بشر ہیں سہو اور نسیان سے مرکب ہیں۔ ہم سے اگر آداب دربار میں کوئی سہو اور تقصیر ہو جائے تو ہم پر توجہ اور عنایت فرما اور ہماری تقصیر سے درگزر فرما تلے شک آپ ہی بڑی توجہ اور عنایت فرمانے والے اور جہرمانی کرنے والے ہیں اور چونکہ ایک عظیم امت کا باوجود اختلاف آراء و عقول کے ایک مسلک اور ایک طریق پر بدون کسی مربی کے قائم رہنا عادتاً محال ہے اس لیے جناب الہی میں یہ عرض معروض کی کہ اے ہمارے پروردگار ان ساکنان حرم میں ایک عظیم نشان رسول بھیج جو اس امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلائے اور وہ رسول ہم دونوں کی ذریت اور اولاد سے خارج نہ ہو بلکہ انہی میں سے ہو تاکہ دنیا اور آخرت

میں ہمارے لیے عزت اور شرف کا موجب ہو اور اس طرح قیامت تک میری امامت باقی رہے اس لیے کہ میری اولاد کی امامت میری ہی امامت ہے۔ علاوہ ازیں جب وہ رسول انہی میں سے ہوگا تو لوگ اس کے مولد اور منشاء سے اور اس کے حسب اور نسب اور اس کی امانت اور دیانت اور اخلاق اور اس کی صورت اور میرت سے بخوبی واقف ہونگے اور اس کے اتباع سے عائد کریں گے اور جب حق نبوت و رسالت کے ساتھ قرابت کی محبت اور شفقت بھی مل جائے گی تو اس رسول کی اعانت اور نصرت و حمایت اور اس کی ثلوت کی ترویج اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے اس نبی کو اپنا سمجھ کر معاملہ کریں گے۔ اجنبی اور غیر کا معاملہ نہ کریں گے۔ اور رسول ایسا ہو کہ اس پر ایسی جامع کتاب نازل ہو کہ اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہ ہو اور پھر وہ رسول تیری اس کتاب کی آیتیں پڑھ کر انکو سنائے اس لیے کہ آیات کا پڑھ کر سنانا بغیر نزول کتاب کے ناممکن ہے۔ اور بعد ازاں وہ رسول انکو اس کتاب کے معانی سکھائے اور اسکے اسرار و حکم سے بھی آگاہ کرے تاکہ علم ظاہر اور علم باطن دونوں جمع ہو جائیں۔ تلاوت سے کتاب کے الفاظ اور کلمات کا علم ہوگا اور تعلیم و تفہیم سے اس کتاب کے معانی اور حقائق اور معارف معلوم ہونگے۔ حفاظ قرآن اور قرار و متورین کے سینے اور زبانیں اس کتاب الہی کے الفاظ کی حفاظت کریں گی اور علماء ربانیین اور دانشمندان فی العلم کی زبانیں اور علم اس کتاب کے معانی کی حفاظت کریں گے کہ کوئی طعہ اور زندقہ اس میں کسی قسم کی معنوی تحریف بھی نہ کر سکے۔ اور وہ رسول اپنی ظاہری تعلیم و تربیت اور باطنی فیض و صحبت سے ان کے دلوں کو گناہوں کے زنگ اور کدورت سے پاک و صاف کر کے مثل آئینہ کے بھلے اور مصطفیٰ بنا دے کہ انار و تجلیات کا عکس قبول کرنے لگیں اور حدیث میں جو العلماء و شہداء الانبیاء آیا ہے اس کا صحیح مصداق وہی علماء ربانیین ہیں جو کتاب و سنت کی تعلیم کے ساتھ زنگ آلود نفوس کو صیقل کر کے مثل آئینہ کے بنا دیتے ہیں۔ بے شک تو ہی نہایت عزت والا اور نہایت حکمت والا ہے۔ تو بلا شبہ اس پر قادر ہے کہ تو ہماری اولاد میں ایسا عظیم الشان رسول بھیج کر لوگوں پر احسان فرمائے اور انکو ایسی جامع کتاب اور جامع شریعت اور کامل دین عطا فرمائے کہ اس کے بعد تا قیامت کسی نبی اور رسول کی ضرورت باقی نہ رہے۔ فقط گاہ بگاہ اسی کی تجدید کافی ہو جایا کرے۔ تفسیر ابن کثیر میں ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا۔

قد استجیب لك هو
کائن في اخر الزمان۔
(تفسیر ابن کثیر)

تمہاری دعا قبول ہوئی اس شان کا نبی آخر
زمانہ میں ظاہر ہوگا اور یہی قتادہ اور سدی
سے منقول ہے۔

اور اس آیت میں جو سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ نبی خاتم الانبیاء ہوگا۔

یعنی ابی بن کعبؓ کی قرات میں ہے
والبعث فی آخرہم رسولاً۔

وَقُرْآنُ آتِي وَابْعَثْ فِي الْآخِرِهِمْ
رَسُولًا۔ (روح المعانی (ص ۳۹۹ ج ۱)

یعنی ان کے آخر میں ایک رسول بھیج معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جس رسول کی دعا مانگی تھی ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی آخری نبی ہر اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔

اخرج احمد و لطبرانی
و البیہقی عن ابی اعمش
قال قلت یا رسول اللہ
ما بدء امرک قال دعوة
إلی ابراهیم و بشری
عیسی و رأت المحم
انہ یخرج منها نور
اضاعت لہ قصور الشام
(در منشور ص ۱۶۹ ج ۱)
(مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَأْتِیْ
مِنْ مِیْقَدِی اسْمُہُ
اَحْمَدُ)

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ابو امامہ رضی
اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ آپ کی نبوت کی ابتداء کس طرح
سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا
کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا (رَبَّنَا
وَالْعَشْرَ فِیْہُمْ دُسُوْلًا الْاٰیۃ) کا
مصدق ہوں سب سے پہلے ابراہیم
نے میری بعثت کی دعا کی۔ اور پھر میں
اپنے بھائی عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں کہ
انہوں نے میری آمد کی بشارت دی۔ اور
پھر میں اپنی ماں کا خواب ہوں کہ انہوں نے
میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ ان سے
ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل
روشن ہو گئے۔

اور عیاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
انی عند اللہ فی امر الکتاب
لخاتم النبیین و ان
ادم لم یجدل فی طینۃ
و سابقہ بادل ذلک دعویۃ
ابراہیم (الحديث)
(مسند احمد وغیرہ در منشور ص ۱۶۹)

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس نبی اور رسول کے ظہور کی دعا کی تھی اس دعا کا مصداق خاتم النبیین
سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنکے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے یہاں خاتم
النبیین لکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی بعثت کی دعا کی اور حضرت عیسیٰ نے خاتم الانبیاء
کی آمد کی بشارت دی۔

انجام بشارت ابن مریم آورد
احمد بر ما نامہ و خاتم آورد

پیغام خدا نخست آدم آورد
باجملہ رسل نامہ بے خاتم بود

لَطَافٌ وَمَعَارِفٌ

حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ کبار اور صفائے سب سے معصوم ہوتے ہیں مگر خداوند ذوالجلال کی عظمت اور جلال سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حق ربوبیت اور حق عبودیت کسی سے ادا نہیں ہو سکتا اور جلتے ہیں کہ جو حق واجب تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا اس لیے بصد خشوع و خضوع خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار الہا تو ہمارے غر اور قصور کو جانتا ہے ہمیں معاف کر اور تیرے حقوق میں ہم سے جو تقصیر ہوئی ہو ان سے درگزر کر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وَثُبَ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّقَّابُ الرَّحِيْمُ۔ کہنا اسی قیل سے تھا دنیا کے بادشاہوں اور ان کے خواص اور مقربین کے تعلقات پر نظر کرو عام رعایا کے لیے ایک عام قانون ہونا ہے اور اس کی پابندی ان کے لیے کافی ہوتی ہے مگر تو، میں مقربین کے لیے ایک خاص قانون اور خاص بندشیں اور خاص ہدایتیں ہوتی ہیں۔ ع۔ موسیٰ آداب دانا دیگر اند

خواص اور مقربین ہر وقت اپنے آقا اور ولی نعمت کے خوش رکھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

ع۔ جن کے رتبے میں سوا انکی سوا مشکل ہے۔

یہی حال بلکہ اس سے بزرگ درجہ بڑھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خداوند ذوالجلال کے ساتھ ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کے یہ سچے عاشقان بادنا اور محبتان باصفا اپنے محبوب حقیقی کے خوش رکھنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن اللہ جیسے محبوب برحق کے حقوق کوئی عاشق کیا ادا کر سکتا ہے اس لیے حضرت انبیاء بصد عجز و زاری۔ بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرتے ہیں وَثُبَ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّقَّابُ الرَّحِيْمُ۔ بار خدایا ہم سے تیرے حقوق اور واجبات کے ادا کرنے میں تقصیر ہوئی ہم اپنے عجز اور ناتوانی کی وجہ سے تیرا حق ادا نہیں کر سکے تو ہم پر رحم فرما اور ہماری تقصیروں سے درگزر کر۔

یہ تو حضرات انبیاء کرام کی توبہ اور انابت کی عام وجہ تھی جو بیان ہوئی لیکن ابراہیم علیہ السلام کی زیر بحث دعا رُتِبَ عَلَيْنَا۔ کی ایک خاص وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ دعا صرف اپنے لیے ادا اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام ہی کے لیے نہیں فرمائی تھی بلکہ اپنی تمام ذریت کو جو ہونے والی تھی اس کو بھی اس دعا میں شامل کر لیا تھا اس لیے یہ دعا مجموعی حیثیت سے سب کے حق میں ہوئی جیسا کہ آیت کے سیاق اور لحاق سے ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بے وقوف ہوا

نَفْسَهُ ط وَ لَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ

ایسے ہی سے اور ہم نے اس کو خاص کیا دنیا میں اور وہ

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُ

آخرت میں ایک ہے جب اس کو کہا اس

رَبُّهُ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

کے رب نے حکم بردار ہو بولا میں حکم میں آیا جہاں کے صاحب کے

وَوَضٰى بِهَا اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهٖ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ

اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب اے بیٹو

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْنَنَّ اِلَّا

اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پھر نہ مریو مگر

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شٰهِدَآءَ اِذْ

مسلمان ہو کر کیا تم حاضر تھے جس وقت

حَضَرَ يٰعَقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا

پہنچی یعقوب کو موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم

تَعْبُدُوْنَ ۚ مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

کیا ہو جو گے بعد میرے بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب

اِلٰهَ اَبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا

اور تیرے باپ دادوں کے رب کو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق وہی ایک

وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

رب ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں یہ ایک جماعت

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ

تھی غزر گئی ان کا ہے جو کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ

وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی۔

ترغیب و تاکید اتباع ملت ابراہیمی کہ عین توحید و
عین ملت اسلام است و فضائل ملت اسلام

قلل تعالیٰ۔ وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ... الخ... وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔
گزشتہ آیات میں اجمالاً حضرت ابراہیم کی ملت کی طرف اشارہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کی اس دعا وَجَعَلْنَا
مُسْلِمِينَ لَكَ۔ اور وَمِنْ حَرِّ قَيْنًا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طریقہ کو حضرت
ابراہیم نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کیا اور اس کی دعا کی وہ طریقہ۔ طریقہ اسلام ہے۔ اب
آئندہ آیات میں اسکی تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیم عین توحید اور عین اسلام ہے جس کا حاصل یہ
ہے کہ احکام خداوندی کی دل و جان سے بے چون و چرا اطاعت کرنا اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد
کردینا آخر پارہ تک اسی ملت اسلام کے فضائل اور اسی کے اتباع کی ترغیب میں کلام چلا گیا ہے جس
سے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد کرنا مقصود ہے کہ یہ سب حضرت ابراہیم کو اپنا امام اور
پیشوا مانتے ہیں اور پھر ان کے خلاف طریقہ پر چل رہے ہیں حالانکہ اسی ملت اسلام پر تو تم رہنے کی
حضرت ابراہیم اور اسمعیل نے اپنے لیے دعا مانگی اور اسی کی وصیت کی اور اسی طرح حضرت یعقوب نے
اپنی اولاد کو ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ کون شخص ہے
کہ جو ابراہیم کی ملت سے عدولی اور انحراف کرے۔ حالانکہ وہ ملت تمام ملتوں سے افضل اور بہتر ہے
اور صاحب ملت لوگوں کا امام اور پیشوا ہے اور سب سے پہلے اسی نے نہایت تضرع اور زاری
سے امت مسلمہ کے وجود اور نبی آخر الزمان کے ظہور کی دعا مانگی کہ جو امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلا
تو ایسی بہتر ملت کے اتباع سے کون اعراض اور انحراف کر سکتا ہے مگر وہی شخص کہ جو اپنے ہی نفس سے
جاہل اور نادان ہو کہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ کون سی ملت فطرتِ مسلمہ کے مناسب ہے اور کون سی غیر مناسب
اور کون سی ملت روح اور قلب کے لیے نافع ہے اور کون سی مضر۔ اور کس ملت کے قبول کرنے سے نفس

کے لیے کمالات کا دروازہ کھلتا ہے اور کس ملت سے کمالات کا دروازہ بند ہوتا ہے اگر یہ سفیہ اپنے نفس سے بے خبر نہ ہوتا تو ملت ابراہیمی سے اعراض نہ کرتا اور البتہ تحقیق ہم نے، براہیم کو دنیا میں برگزیدہ بنایا اور اپنے مقبول بندوں میں سے اس کو منتخب کیا اور تمام کمالات روحانیہ سے اس کو مکمل کیا یعنی نبوت و رسالت اور ولایت و امامت ان کو عطا کی اور خلعت کا خلعت ان کو پہنایا اور جو معبد انہوں نے تعمیر کیا اس کو قبلہ عالم بنایا اور تحقیق آخرت میں وہ صابین اور نیکو کاروں سے ہیں صلاح - فساد اور خلل کی ضد ہے۔ اور فساد اور خلل، معصیت اور غفلت سے پیدا ہوتا ہے اس بنا پر صلاح کے یہ معنی ہونگے کہ ان کا باہر و باطن ہر قسم کے فساد اور خلل سے بالکل پاک ہے اور اس جگہ صلاح سے صلاح کامل مراد ہے اور یہ آیت ماقبل کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خدا کا برگزیدہ اور منتخب بندہ ہو اور صلاح کامل کے ساتھ موصوف ہو اس کے طریقہ سے سوائے نادان کے کون اعراض کرے گا۔ آئندہ آیت میں اس ملت کی تعین فرماتے ہیں کہ وہ کیا ہے یعنی اسلام ہے بلکہ یہی اسلام ان کے برگزیدہ اور امام ہونے کا سبب ہے جبکہ ان کے پروردگار نے کہا کہ اے ابراہیم اسلام اختیار کر اور مسلم بن جا یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے اور سپرد کر دے اور اپنی خواہش اور ارادہ کو سکی رخصا اور خوشنودی میں فنا کر دے ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کہ میں نے اسلام اختیار کیا اور میں نے اپنے تمام کام رب العالمین کے سپرد کر دیئے اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل نکال لیا۔

سپردم بنو مائہ خویش را تو دانی حساب کیم و بیش را

اب اس میں تعین ہو گئی کہ وہ ملت کیا ہے یعنی اسلام ہے جو تمام کمالات کا تخم اور تمام فضائل کی اصل ہے اخیر پارہ تک اسی اسلام کی تفصیلت میں کلام چلا گیا۔

اور جب تک ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے اسی ملت پر قائم رہے اور جب وصال کا وقت آیا تو ابراہیم علیہ السلام نے سب بیٹوں کو جمع کر کے اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحق بھی تھے۔ اور پھر اسی طرح اسحق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹے تحقیق اللہ قتلے نے تمہارے لیے یہ دین اسلام پسند کیا ہے اسکے سوا کوئی دین مقبول نہیں پس تم ہرگز نہ مرنے تک اس حالت میں کہ تم اسلام پر پختہ اور قائم ہو۔ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت اور نصاریت کی وصیت نہیں کی بلکہ ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ پس اے اہل کتاب تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی اس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی مشاہدہ۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا کہ بتلاؤ میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے۔ سب نے بالا اتفاق یہ جواب دیا کہ ہم صرف اس ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق عبادت کرتے آئے یعنی ایک خدا کی عبادت

کریں گے اور ہم سب اسی ایک خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم رہیں گے۔ غرض یہ کہ یہودی کا یہ دعویٰ کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی محض افتراء ہے نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ تمہارا مشاہدہ۔

اور اسے اہل کتاب اگرچہ تم ان بزرگوں کی اولاد ہو اور تم اس نسبت پر فخر اور ناز کرتے ہو لیکن یہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی جو گزر گئی اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم کو وصیت کر گئی اس جماعت کے لیے وہ اعمال کام آئیں گے جو اس نے کیے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال کام آئیں گے اور بدوں اتباع کے محض بزرگوں کا انتساب تم کو نفع نہیں دے گا اور اگر بالفرض وہ بُرے عمل کرتے تھے تو تم سے انکے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہو گا ہر شخص سے اپنے اعمال کے متعلق سوال ہو گا۔ غرض یہ کہ انہوں نے اگر کوئی گناہ کیا ہے تو تم سے اسکی باز پرس نہ ہوگی اور اگر انہوں نے نیک عمل کیے ہیں تو تم کو کوئی نفع نہیں۔ باپ کا کھانا اور پینا بیٹے کی بھوک اور پیاس کو دفع نہیں کر سکتا جب تک بیٹا خود نہ کھائے اور نہ پیئے۔

عبدِ بندگان باید پیہمیر زادگی در کار نیست

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا

اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہود یا نصاریٰ تو راہ پر آؤ

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ

تو کہہ نہیں بلکہ ہم نے پکڑی راہ ابراہیم کی جو ایک طرف کاٹھا اور نہ تھا شریک

الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۰﴾

والوں میں

یہودیت اور نصاریت کی طرف دعوت دینے والوں کو جواب

قال تعالیٰ۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا... اِلٰی... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ اور تعجب ہے کہ یہ اہل کتاب حضرت ابراہیم کو اپنا امام اور پیشوا بھی کہتے ہیں مگر ان کے اتباع اور ان کے طریقہ پر چلنے کو جب ہدایت نہیں سمجھتے بلکہ باعث ضلالت جانتے ہیں۔

اور لفظ مؤمن پر قناعت نہ کریں۔

میم وواؤ میم و نون تشریف نیست
لفظ مؤمن جز پئے تعریف نیست

جاننا چاہیئے کہ ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں (اول) اصول اور عقائد جیسے توحید و رسالت اور قیامت یہ چیزیں تمام انبیاء کرام میں متفق علیہ ہیں ان میں اختلاف ممکن نہیں اور در ان میں نسخ جاری ہوتا ہے (قسم دوم) قواعد کلیہ شریعت کہ جن کی طرف جزئیات اور فروع راجع ہوتے ہیں اور حکم میں اُن کلیات کا لحاظ رہتا ہے اور انہی قواعد کلیہ کا نام ملت ہے جس میں اختلاف بہت کم ہوتا ہے ملت محمدی اور ملت ابراہیمی انہی اصول اور قواعد کلیہ کے لحاظ سے موافق اور مستند ہیں۔

(قسم سوم) احکام جزئیہ اور فروع۔ جسکو شریعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں زمان اور مکان اور (قسم سوم) احکام جزئیہ اور فروع۔ جسکو شریعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں زمان اور مکان اور اہم کے اختلاف سے شریعت کے احکام جزئیہ بدلتے رہتے کما قال تعالیٰ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ اُمَّةً وَ مِنْهَا جَا۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت تو ایک مگر شریعت ہر ایک کی جدا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ تمام خنضیر اہم ابو حنیفہ کو اپنا اہم مانتے ہیں مگر باوجود اسکے امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر بھی کبھی امام ابو حنیفہ کا خلاف بھی کرتے ہیں مگر قانون حنفی سے کسی حال میں خارج نہیں اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے قواعد مقررہ سے باہر نہیں جاتے مثلاً قیاس جلی یا قیاس استحسان اور عموم بطوری کسی نہ کسی قاعدہ کے تحت میں اس جزئیہ کو ترجیح کرتے ہیں۔

قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ

تم کہو ہم نے یقین کیا اللہ کو اور جو اترا ہم پر اور جو اترا

اِلٰى اٰبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَاِلٰی

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق اور یعقوب اور

اِلَاسْبَاطَ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِيَ

اسکی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو ملا

النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہُمْ ؕ لَا نَفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ

سب نبیوں کو اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ایک میں

مِنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۹﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ

ان سب سے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ پھر اگر وہ بھی یقین لادیں

مَا آمَنَتْمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

جس طرح پر تم یقین لائے تو راہ ہادیں اور اگر پھر جاؤں تو اب

هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۖ وَهُوَ

ہیں ضد پر سب کفایت ہے تیری طرف سے انکو اللہ اور وہی ہے

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۴۰﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ

سنا جانتا ہم نے لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ

مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عِبَادُونَ ﴿۱۴۱﴾

ہے اللہ سے بہتر اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں

تعلیم طریقہ ایمان

قال تعالى - قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ ... الى ... وَنَحْنُ لَهُ عِبَادُونَ .
گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ کہہ دو کہ ہم یہودی اور نصرانی نہیں بلکہ ملت ابراہیمی کے قبیح ہیں۔ آئندہ آیت میں طریقہ ایمان کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں کہ اس طور پر اپنے ایمان کو ظاہر کر دو کہ شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے کفر اور انکار کا ایہام نہ ہو لہذا جب تم اپنے ایمان کا اعلان کرو تو اس طرح کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر یعنی اس کے تمام اسماء و صفات پر اور اس کے تمام احکام پر اور اس کتاب اور شریعت پر ایمان لائے جو ہماری طرف بھیجی گئی اور ان تمام صحیفوں پر ایمان لائے کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور انکی اولاد کی طرف بھیجے گئے جو ان میں نبی ہوئے جیسے عزیر اور اشعیاہ اور یرمیاہ اور سمویل اور حزقیل علیہم السلام اور اس چیز پر بھی ایمان لائے کہ جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دی گئی اور اجماعاً ہم ایمان لائے ان تمام صحیفوں پر اور شریعتوں اور احکام پر کہ جو تمام پیغمبروں کو پروردگار کی جانب سے دیئے گئے۔ اگرچہ ان میں بعض بعض سے فضل

ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں اور ہم تو خاص اللہ کے مطلق و درخشاں ہر دار ہیں۔ سب انبیاء پر بلا تفریق ایمان رکھتے ہیں ابتداءً منسوخ شریعت کا اتباع نہیں کرتے صرف خاتم الانبیاء کا اتباع کرتے ہیں کہ جن کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔

تفریح بر مضمون سابق مع تزیین و تقریر

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام کی حقیقت یہ ہے اور ایمان کا طریقہ یہ ہے پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں کہ جس طرح تم ایمان لائے ہو یعنی بلا تفریق تمام انبیاء و رسول کی تصدیق کریں پس تحقیق یہ بھی ہلاکت پا جائیں گے اور اگر روگردانی کہتے ہیں تو سمجھ لو یہ لوگ صرف مخالفت اور عداوت میں غرق ہیں آپ انکی عداوت اور مخالفت سے پریشان نہ ہوں غنقریب ہی اللہ تعالیٰ انکے شر سے آپکی کفایت کرے گا اور خود ہی اللہ تعالیٰ ان سے غلط لیکھ لے گا تم فکر نہ کرو یہ مؤمنین سے حمایت و حفاظت بلکہ غلبہ اور نصرت کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا بنو قریظہ کو قتل کرایا بنو نضیر کو جدا وطن کرایا اور نصاریٰ پر جزیہ لگایا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد **فَسَكْنُوكُمْ خِيَارًا** اللہ کا وعدہ ہے اور آئندہ کی خبر ہے جو پورے طور پر ثابت ہوئی کہ چند ہی روز میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر سے یہود اور نصاریٰ کے شر کو دغ کیا اور دین اسلام کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ مغلوب ہوئے اور اللہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ تو سب کی باتوں کو سننا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔ دشمنوں کا کوئی کید اور مکر اس سے پوشیدہ نہیں اور یہ یہود اور نصاریٰ دنیا لات اس کوشش اور سازش میں ہیں کہ تم کو اپنے رنگ میں رنگ لیں۔ اے مسلمانو تم ان سے یہ کہہ دو کہ ہم کو تو اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کا رنگ ہمارے رنگ و ریشہ میں مزیت کر چکا ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے جو اسکی طرف نظر کیجئے اور یہ رنگ ہم سے نازل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہم خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں عبادت کی وجہ سے وہ رنگ اور پختہ ہو جاتا ہے اور اخلاص کی وجہ سے دو سرے رنگ کا اس پر کوئی دھبہ بھی نہیں آنے پاتا۔ عبادت اور اخلاص کی وجہ سے وہ زیادہ چمکتا جاتا ہے۔

جب آفتاب اسلام دنیا میں طلوع ہوا تو اس وقت یہود و نصاریٰ میں ایک رسم اصطلاح کی جاری تھی پہلے اس رسم کا رواج یہود میں ہوا اور پھر عیسائیوں نے بھی اس رسم کو جاری رکھا اور اب تک عیسائیوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی عیسائی بدلتا ہے تو اسکو زرد پانی کے حوض میں غوطہ دیتے ہیں یا اس کے سر پر اس میں سے کچھ پانی ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب سچا عیسائی ہو گیا اسی رسم کا نام اصطلاح ہے جس کو آج کل بپتسمہ دینا کہتے ہیں چونکہ یہود اور نصاریٰ مسلمانوں سے

یہ کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ اس لیے گویا وہ انہیں اصطباغ کی دعوت دیتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (صَبَّغَهُ) نازل فرمائی اور مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کی دعوت اصطباغ کا یوں جواب بتایا کہ ان سے کہہ دو کہ ہم تمہارا اصطباغ لے کر کیا کریں گے ہمیں تو اللہ کے دین کا رنگ کافی ہے اُس سے بڑھ کر اور بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے اور تم لوگ حضرت عزیرؑ اور حضرت یسعیؑ کو ابن اللہ اور لہنا خداوند سمجھنے کی وجہ سے شرک کے ناپاک رنگ سے طوٹ ہو تم اپنی توحید اور اہل اخلاص کو کس رنگ کی دعوت دیتے ہو۔

فائدہ صبغة اللہ کے اعراب میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے صبغنا اللہ صبغة جیسے وعد اللہ اور صُنِعَ اللہ الذی صُنِعَ کُلُّ شَیْءٍ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہیں اور معنی یہ ہیں وَعَدَ اللہ وَوَعَدَ اللہ صُنِعَ اللہ صُنِعَ علامہ زنجیزی اور بریضاوی اور ابو حیان اور علامہ سیوطی سے اسی اعراب کو اختیار فرمایا اور ہمارا ترجمہ اور تفسیر اسی اعراب پر مبنی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ منصوب علی الاغرار ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے الزموا صبغة اللہ یعنی اللہ کے رنگ کو لازم پکڑو۔ اس تقدیر پر بھی آیت کے معنی نہایت لطیف ہونگے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو فقط تصدیق اور شہادت پر کفایت اور قناعت نہ کرو بلکہ اس سے ترقی کرو اور اپنے ظاہر و باطن کو اللہ کے رنگ سے رنگو اور وہ رنگ خداوند ذوالجلال کی اطاعت اور محبت اور رضا و تسلیم کا رنگ ہے جس سے بہتر کوئی رنگ نہیں۔ جب کوئی شخص کسی کی مرضی کے اس درجہ تابع ہو جائے کہ اس کا کوئی حکم اس کو گراں نہ گزرے بلکہ کمال نشاط اور غایت رغبت و محبت سے اس کی تعمیل کی طرف شاداں و فرحاں دل و جان سے دوڑنے لگے تو محاورہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ نطال شخص تو نڈال کے رنگ میں رنگا ہوا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کے رنگ کو لازم پکڑو اور بطور شہادت بالنعمۃ یا بطور لذت و مسرت یا بطور توفیق اور اتمام محبت یہ کہتے رہو کہ ہم تو خالص اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تمہاری طرح شرک میں مبتلا نہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ صبغة اللہ - حلة ابرہہ - حنیفا۔ سے بدل ہے اور بالفاظ دیگر حلة ابرہہ کی تفسیر ہے یعنی طہ ابراہیم اور طہ سلام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عجیب و غریب رنگ ہے جس کے مشاہدہ کے لیے آنکھ چاہیئے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صبغة اللہ سے مراد ختنہ ہے جو طہ ابراہیمی کا خاص شعار اور خاص رنگ ہے۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا

کہد اب کیا تم جھگڑاتے ہو ہم سے اللہ میں اور وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہم کو

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۰﴾

ہم ہمارے اور تم کو عمل تمہارے اور ہم اسی کے ہیں نرے

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

کما تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ط

اور یعقوب اور اس کی اولاد یہود تھے یا نصاریٰ

قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ط وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن

کہہ تم کو خبر زیادہ ہے یا اللہ اور اس سے ظالم کون جس

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

نے چھپائی گواہی جو تھی اس پاس التذکی اور اللہ بے خبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

تمہارے کام سے وہ ایک جماعت تھی گزر گئی اُن کا ہوا

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا

جو کمائے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ اور تم سے پوچھ نہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾

ان کے کام کی

تلقین جواب از مجادلہ اہل کتاب

قَالَ تَعَالَى قُلْ أَتُحَاجُّنَّكُمْ فِي اللّٰهِ - الخ - وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ .

اور اگر اہل کتاب آپ سے اس بارہ میں مجادلہ کریں کہ ہم خدا کے رنگ کے ساتھ رنگین ہیں ہمارا دین اور ہماری کتاب تمہارے دین اور تمہاری کتاب سے مقدم ہے نبوت و رسالت ہمیشہ ہمارے ہی خاندان میں رہی اور ہم اللہ کے محبوب ہیں تو آپ انکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارہ میں مجادلہ کیے چلے جاتے ہو۔ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اسکی ربوبیت کسی کے ساتھ مخصوص نہیں سب کو عام ہے جو اسکے حکم کے مطابق طاعت و عبادت کریگا وہ قبول ہوگا ورنہ رد۔ اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں کہ ہر امر اس کے حکم کے مطابق ہیں آخری نبی کی زبانی جو آخری حکم نازل ہوا اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں کہ ماسخ کے نازل ہونے کے بعد منسوخ حکم اور محرف شریعت پر چل رہے ہو اور نازہ اور محفوظ شریعت سے اعراض اور انحراف کر رہے ہو اور علاوہ ازیں ہمارے اور تمہارے درمیان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم خالص اللہ کے لیے عبادت کرنے والے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ تعصب اور نصائیت اور دنیوی اعراض اور اپنی آبائی رسم کے باقی رکھنے کے لیے کرتے ہو بلکہ صریح شرک میں مبتلا ہو۔ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بتلائے ہو۔ توحید اور اخلاص کا تم پر کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں۔ لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ہر امر غلط ہے تم تو مرتا پاشرک کے رنگ میں رنگے ہوئے ہو تمہارا رنگ تمہارے اعمال سے ظاہر ہے اور ہمارا رنگ ہمارے اعمال سے ظاہر ہے اور کیا تم اس آخری پیغام کی ضد اور اپنی منسوخ اور محرف شریعت کی پیروی میں یہ کہتے ہو کہ تحقیق ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد یہودی اور نصرانی تھے حالانکہ یہ لوگ نازل تو ریت و انجیل اور یہودیت اور نصرانیت کے ظہور سے پہلے گزر چکے ہیں و مگر شہادت میں ان حضرات کا ملت اسلام پر ہونا بخوبی واضح ہو چکا ہے آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ زیادہ جانتے والے یہ خبر دی ہے مَا كَانَ اَبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اب بتلاؤ تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ اور ظاہر ہے کہ اللہ سے زیادہ جانتے والا اور کون ہو سکتا ہے بلکہ نصوص توریت و انجیل اس پر شاہد ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی ملت حنیفیت تھی۔ ختمہ اور حج بیت اللہ ان کا شعار تھا یہودیت و نصرانیت کے خواص مثلاً ہفتہ اور اتوار کی تعظیم ان کی شریعت میں نہ تھی و یہ سب کچھ انکو معلوم ہے مگر چھپاتے ہیں اور ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے کہ جو ایسی شہادت کو چھپائے اور مخفی رکھے جو اس کے پاس محفوظ ہو اور اس کو خوب یاد ہو اور وہ شہادت اس کو من جانب اللہ پہنچی ہو اور اس کے اعلان اور اظہار کا وہ مامور ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخبر نہیں رسول آخر الزمان کے متعلق جو شہادتیں تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں تمہارا ان واضح شہاد توں کو چھپانا اور نصوص توریت و انجیل میں تحریف اور تغیر و تبدل کرنا سب اللہ کی نظروں کے سامنے ہے اور تم اس پر غرہ نہ کرنا کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اور اپنے اعمال اپنے ساتھ لے

گئی اور مال و منافع کی طرح تمہارے لیے اپنے اعمال صالحہ کا ذخیرہ چھوڑ کر نہیں گئی کہ جو بوقت مرورت تمہارے کام آئے اس جماعت کے لیے اس کا کیا ہوا کام آئیگا اور تمہارے لیے تمہارا کیا ہوا کام آئے گا اور تمہارے ان کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہو گا لہذا جب تم کو ان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں تو پھر ان کے اعمال سے نفع کی امید رکھنا سفاہت اور نادانی ہے۔

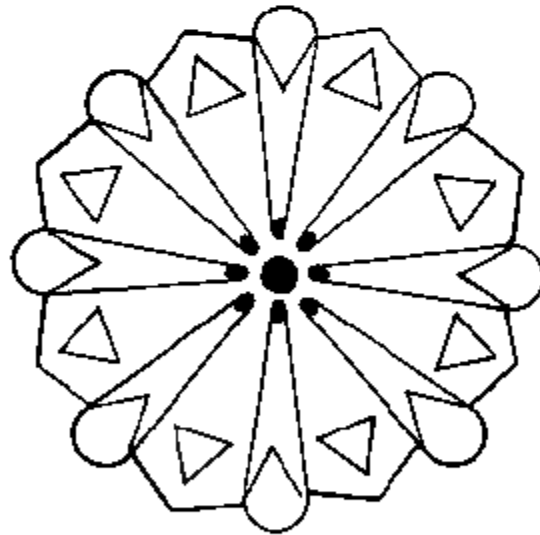
یہ آیت قریب ہی میں گزر چکی ہے تاکہ اور مبالغہ کے لیے اس کو مکرر لائے کہ پھر

کہہ دیتے ہیں کہ عمل کرو آباد اجداد کے بھر دسہ پر نہ رہو۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

الحمد لله الذي نعمتكم بتم الصالحات والصلاة والسلام على
سيد البريات وعلى ائمة واصحابه وازواجه الطاهرات۔ مسسلات
و متواترات ۴ شوال المکرمہ یوم دو شنبہ ۱۳۶۹ھ مقام بہاول پور۔



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قِبَلِهِمُ

ب کہیں گے یہ قوف لوگ کب سے پر پھر گئے مسلمان اپنے قبلہ سے

الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

جس پر تھے تو کہہ اللہ کی ہے مشرق اور مغرب

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱﴾

چلاوے جس کو چاہے سیدھی راہ

اثبات فضیلت قبلہ ابراہیمی و اسرار تحویل قبلہ

قال تعالى . سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ ... صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ .
(رابطہ) گزشتہ آیات میں ملت ابراہیمی اور ملت اسلام کا افضل اور اکمل ہونا اور سرور عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرسل ہونا بیان فرمایا۔ اب قبلہ ابراہیمی اور کعبہ اسلامی کا تمام قبلوں سے افضل ہونا بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اس امت کی ملت تمام ملتوں سے افضل اور مکمل ہے۔ اسی طرح اس امت کا قبلہ بھی تمام قبلوں سے افضل اور بہتر ہے اور جس طرح ملت ابراہیمی سے اعراض سفاہت اور جہالت ہے اسی طرح قبلہ ابراہیمی سے بھی اعراض سفاہت اور جہالت ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے ملت ابراہیمی سے بھی اعراض کیا اور حق کو چھپایا اور اپنے آباء و اجداد کے انساب پر اعتماد کر کے اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھا اور اپنی سفاہت اور بے وقوفی ظاہر کی۔ اب عنقریب ایک سفاہت اور ظاہر ہوگی۔ وہ یہ کہ جب بیت المقدس کا استقبال فسوخ ہو کر خانہ کعبہ قبلہ نماز مقرر ہو گا تو یہ نادان اور بے وقوف جو محض صورت کے اعتبار سے اسالوں کی جنس سے ہیں عنقریب یہ کہیں گے کہ کس چیز نے انکو اس قبلہ سے پھر دیا کہ جس پر اب تک قائم تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

تغال مردزی یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئی اور یہ لفظ اگرچہ بظاہر استقبال کے لیے ہے لیکن اس جگہ ماضی کے معنی مراد ہیں۔

یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے آئندہ پیش آنے والے معن اور اعتراض کی پہلے ہی سے خبر دے دی۔ اس آیت

قول اول

قول ثانی

کے نزول کے وقت تک قبلہ تبدیل نہیں ہوا تھا اللہ ہو نے والا تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اُسکی خبر دی تاکہ مسلمان یہود کے اعتراض کو سن کر گھبرائیں نہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور اس قول پر آیت کے ربط کی تقریر اس طرح کی جاسکتی ہے کہ گزشتہ آیات اور رکوعات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے اُن اعتراضات کے جواب دیئے گئے جو وہ کر رہے تھے اب اس آیت میں اس اعتراض کا جواب بتلاتے ہیں جو اُنہدہ چل کر وہ کرنے والے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اب تک تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین تم پر وہی اعتراض کرتے تھے جو بیان ہو چکے۔ اور جنکا جواب بھی ہم دے چکے۔ اب مختصر یہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا جائیگا تو یہ بیوقوف اور سفیدہ یہ اعتراض کریں گے کہ یہ کیا دین ہے کہ جس کا قبلہ بدلتا رہتا ہے اور یہ کہیں گے کہ مسلمانوں نے اپنے سابقہ قبلہ کو کیوں چھوڑ دیا۔

شان نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے تو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بحکم خداوندی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ سولہ یا سترہ حبشہ تک اسی طرف نماز پڑھتے رہے اس کے بعد خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا تو یہود اور مشرکین اور منافقین طرح طرح کے طعن کرنے لگے یہود کہنے لگے کہ پہلے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو انبیاء کا قبلہ تھا اب اسکو کیوں چھوڑ دیا اور جب آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو اس وقت بعض یہودی یہ کہنے کہ ہمارے دین کو تو مانتے نہیں ہمارے قبلہ کی طرف کیوں نماز پڑھتے ہیں۔ بعض یہودی کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قبلہ سے واقف نہیں اس لیے ہمیں دیکھ کر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ مشرکین کہنے لگے محمد اب سمجھ گئے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے آبائی دین کی طرف آرہے ہیں۔ کوئی کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کے بارہ میں متحیر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے طول ہوتے اور دل سے یہ چاہتے کہ خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طعن کرنے والوں کے حال سے خبر دی کہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوگا تو یہ بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا کہ جس کی طرف وہ نماز پڑھا کرتے تھے یعنی یہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اب کیا ہوا کہ وہ اسے چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب وہی تمام جہات اور مکانات کا مالک ہے اس کو اختیار ہے کہ جس جہت اور جس سمت کو چاہے قبلہ مقرر کرے اور جس کو چاہے منسوخ کرے۔ غلام کو یہ پوچھنے کا حق حاصل نہیں کہ پہلے یہ حکم دیا تھا اور اب یہ حکم کیوں دیا۔ غلام کا آقا سے اس قسم کا سوال بھی اس کی بے عقلی کی دلیل ہے۔ مریض کا طبیب سے پوچھنا کہ نسخہ کیوں بدلا اس کی کمال سفاہت اور غایت حماقت کی دلیل ہے۔ غلام تو مولیٰ کے حکم کا تابع ہے اسے تو حکم کا اتباع چاہیے مگر اور حکمت سے اسکو کیا بحث۔ خیر اگر تم حکمت ہی معلوم کرنا چاہتے ہو تو سنو! اصل مقصود عبادت ہے اور قبلہ عبادت کی ایک راہ ہے خدا کو اختیار ہے کہ جس راہ سے چاہے اپنے

بندوں کی منزل طے کرانے کسی کو کسی راہ سے اور کسی کو کسی راہ سے اور جسکو چاہتا ہے اپنی عبادت کا میدھا اور قریب راستہ بتلاتا ہے کہ جلد منزل مقصود طے ہو جائے اس لیے تم کو بہترین قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جو عبادت اور معرفت کا سب سے قریب اور سیدھا راستہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام جو کہ تمام بنی نوع انسان کے باپ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ جو شجرۃ الانبیاء ہیں اور تمام مذاہب اور ملتیں انکی ملت کے تابع ہیں انکے لیے بھی یہی راستہ تجویز ہوا اور خانہ کعبہ ہی ان کے لیے قبلہ بنایا گیا کیونکہ خانہ کعبہ زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔ سب سے پہلے ہی مرکزی نقطہ پیدا کیا گیا اور یہیں سے زمین بچھائی گئی اور یہی جگہ انسان کا مبداء و تریاں ہے اور یہی جگہ عرش عظیم اور بیت المعمور کے محاذات میں ہونے کی وجہ سے حق جل شانہ کے انوار و تجلیات کا مرکز ہے اور انسان جو مکہ مٹی سے پیدا ہوا ہے تو حسب قعدہ کل مشق یرجع الی اصلہ۔ اسکا اصلی میلان اسی مرکزی نقطہ یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہوگا اگرچہ ظاہرًا محسوس نہ ہو۔ اس لیے خانہ کعبہ قبلہ عالم مقرر ہوا۔ نیز روایات سے ثابت ہے کہ جب آسمان اور زمین کو یہ خطاب ہوا اے ایتیا طوعا او کثرھا کہ تم خوشی سے آؤ یا لا چاری سے تو زمین کے اجزاء اور قطعات میں سے سب سے پہلے اسی جگہ نے اطاعت و بندگی کے قبول میں سبقت کی اس لیے ازراہ قدر دانی حق جل شانہ نے اس جگہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ اہم چند روز کے لیے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل کے لیے مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنایا گیا کہ جو انبیاء بنی اسرائیل کا موطن اور مسکن اور مقام بعثت اور مقام دعوت ہونے کی وجہ سے مبارک اور مقدس جگہ ہے۔ اسی وجہ سے شب معراج میں حضور کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لایا گیا اور حضرات انبیاء کرام کی ارواح طیبہ سے ملاقات کرائی گئی اور وہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی انوار اور تجلیات کے ساتھ انبیاء سابقین کے انوار و برکات بھی مل کر نور علی نور کا فائدہ دیں اور نبی القبلتین کے لقب سے لقب ہوں اور توریت اور انجیل کی بشارت پوری ہو کہ وہ نبی آخر الزمان صاحب قبلتین ہوگا لہذا اس شکر میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بیت المقدس سے ہوئی چند روز کے لیے نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم ہوا کہ یہ مقدس جگہ جو حضور کی معراج اور ترقی کا رینہ بنی اسکا حق یہ ہے کہ چند روز اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائیں تاکہ سینہ مبارک اس مبارک اور مقدس جگہ کے انوار و تجلیات کو اپنے اندر جذب کر لے اور پھر یہ کمالات آپ کے سینہ مبارک سے آپ کی امت کے علماء کے سینوں کی طرف منتقل ہوں تاکہ آپ کی امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے وارث کہلا سکیں۔

عرض یہ کہ اس وجہ سے چند روز کے لیے بیت المقدس کے استقبال کا حکم ہوا پھر ہمیشہ کے لیے اصل قبلہ کے استقبال کا حکم نازل ہوا۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل قبلہ خانہ کعبہ ہے اور یہی جگہ تمام دوسرے زمین پر سب سے افضل اور اکمل ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل کہ تم ہو بتانے والے

النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا

تمام امتوں پر اُمتِ محمدیہ کی فضیلت

قال تعالى وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً قَسْطًا... الخ. وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اور جس طرح ہم نے تمہارے لیے بہتر قبلہ تجویز کیا کہ وسط زمین میں ہے اور تمہارا مبداءِ تباری ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے انوار و جلیات کا مرکز ہے اسی طرح ہم نے تم کو امتِ متوسط بنایا کہ جو اخلاق اور اعمال اور عقائد کے اعتبار سے متوسط اور معتدل ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں واقع ہے گویا کہ یہ امت اپنے کمالِ قوسط اور کمالِ اعتدال کے اعتبار سے حلقہٴ اُمم کے درمیان عینِ مسند پر بیٹھی ہوئی ہے اور تمام امتیں اطراف و جوانب سے اسکی جانب متوجہ ہیں اور ہم نے تمکو اس قوسط اور اعتدال کی فضیلت اس لیے عطا کی تاکہ تمہاری عدالت علی وجہ الکمال ثابت ہو جائے اور قیامت کے دن تم لوگوں پر گواہ بن سکو اس لیے کہ شہادت کے لیے عدالت شرط ہے اور جب تم کا ملِ العدالت ہو گے تو ٹھیک شہادت دے سکو گے۔ کمالِ اعتدال کی وجہ سے کسی ایک جانب تمہارا میدان نہ ہو گا اور تمہاری شہادت حق ہو گی اور طرفداری کے شائبہ سے پاک ہو گی۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور گزشتہ امتوں کے کافروں سے خطاب فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر یعنی ڈرنے والا نہیں آیا وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا جس سے ہم کو ترسے احکام کی اطلاع ہوتی اس وقت انبیاء علیہم السلام سے دریافت فرمائیں گے۔ تمام انبیاء متفق اللفظ یہ عرض کریں گے کہ اسے اللہ ہم تیرے احکام کو پہنچا چکے یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں ان کو سب معلوم ہے مگر اتمامِ حجت کے لیے انبیاء سے گواہ طلب کریں گے۔ حضرات انبیاء اپنی گواہی میں امتِ محمدیہ کو پیش کریں گے۔ احم سابقہ کے کفار کہیں گے کہ انکو کیا معلوم یہ تو ہم سے قرنہا قرن بعد میں آئے۔ امتِ محمدیہ یہ جواب دے گی کہ اگرچہ ہم انکے بعد آئے مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیئے اور شہادت کے لیے علمِ قطعی اور یقینی کافی ہے۔ خاص مشاہدہ ضروری نہیں اور ہی کی خبر مشاہدہ سے ہزار درجہ زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ مشاہدہ میں غلطی کا امکان ہے

نبی کی خبر میں غلطی کا امکان نہیں، اس لیے کہ نبی ذباً سے مشتق ہے اور نبأ لغت میں اس خبر کو کہتے ہیں جو بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہو، ہمت بالشان بھی ہو۔ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائیگا، در آپ سے آپ کی امت کی، اس شہادت کے متعلق دریافت کیا جائیگا۔ تو اسے اس امت کے مسلمانوں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہونگے اور تمہاری عدالت اور صداقت کی شہادت دیں گے اور پھر تمہاری شہادت کے مطابق حضرات الیاء کے حق میں فیصلہ ہوگا اور کفار مجرم قرار دیئے جائیں گے۔

فائدہ اس امت کو متوسط اس معنی کو فرمایا کہ یہ امت عقائد اور اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے معتدل ہے افراط اور تفريط کے درمیان ہے۔ برخلاف یہود کے وہ تفريط میں مبتلا ہیں۔ حضرات انبیاء کی تعظیم کرتے ہیں انکو معصوم نہیں سمجھتے جو کہ نبوت کا خاصہ لازمہ ہے اور نصاریٰ افراط میں مبتلا ہیں کہ اپنے نبی کو مرتبہ بندگی سے درجہ فرزندگی پر پہنچایا اور توسط اور اعتدال ہی باجماع عقلا و اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ اسی لیے علماء نے اس آیت سے امت محمدیہ کے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس امت کے اجماع کو نہ قبول کرنا اسکی عدالت سے عدول کرنا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے وسط (درمیان) میں ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ امت انبیاء اولیاء کے درمیان ہے انبیاء سے نیچے اور اولیاء سے اوپر۔ چونکہ اس خطاب کے بالذات مخاطب صحابہ کرام ہیں اس لیے اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کا مقام انبیاء کرام سے نیچے ہے اور تمام اولیاء سے بلند اور اونچا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

اور وہ جو ہم نے ٹھہرایا قبلہ جس پر تو تھا، نہیں مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں

يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ

کہ کون تابع رہیگا رسول کا اور کون پھر جاوےگا الٹے پاؤں اور یہ بات

كَانَتْ لَكِبْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا

جاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دی اللہ نے اور اللہ

كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ

ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا یقین لانا اللہ لوگوں پر

لَرَوُفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴۷﴾

شفقت رکھتا ہے ہر بان

تحويل قبلہ پر ایک شبہ مع الجواب

قال تعالى فَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلٰى اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَوْفٌ رَّحِيمٌ

مگر ایک شبہ کا ازامہ فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس امت متوسطہ اور کاملہ کے لیے مناسب یہی قبلہ کا مہ ہے کہ جو وسط ارض میں ہے تو پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ چند روز کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا اور پھر اسکو طسوخ کیا۔ آئندہ آیت میں اسکا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے علم میں تمہارا اصلی قبلہ تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیم کے وقت سے چلا آ رہا تھا اور جس قبلہ کی طرف چند روز آپ نماز ادا کرتے رہے یعنی بیت المقدس اسکو ہم نے آپکا اصلی قبلہ نہیں بنایا تھا مگر محض اس مصلحت کے لیے چند روز اس کے استقبال کا حکم دیا تھا کہ علانیہ اور ظاہری طور پر ہمکو یہ معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون ایسے پاؤں رسول کی تصدیق اور اطاعت سے نکلے گا اور نافرمانی کی طرف پھرتا ہے۔ یعنی پہلے کعبہ کے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں مسلمانان قریش کا امتحان مقصود تھا کہ کون رسول اللہ کا سچا تابعدار ہے کہ جس قبلہ کی طرف بھی نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اسی طرف نماز ادا کرتا ہے ورنہ قومی حمیت کی رعایت کرتا ہے اس لیے کہ قریش کعبہ اللہ کی تعظیم پر فخر کرتے تھے اور قبلہ ابراہیمی کی مجاہدیت اور خدمت پر ناز کرتے تھے۔ ورنہ بیت المقدس سے قبلہ بنی اسرائیل ہونے کی وجہ سے نفرت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قومی حمیت کے امتحان کے لیے بجائے خانہ کعبہ کے بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا۔ بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں مسلمانان قریش کا امتحان تھا اور پھر حسب تحويل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو اس میں مسلمانان یہود کا امتحان تھا اور چونکہ بیت المقدس محض چند روز کے لیے امتحاناً قبلہ بنایا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر شاق اور مگر اس لیے ارشاد فرماتے ہیں اور بے شک بیت المقدس کا قبلہ ہونا قریش اور عرب پر بہت شاق اور گراں تھا۔ اولاد اسماعیل ہونے کی وجہ سے قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے مگر ان لوگوں پر شاق نہیں کہ جنکو اللہ نے ہدایت اور توفیق دی اہل ہدایت کی نظر ہمیشہ اطاعت پر رہتی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے جس جانب چہرہ کرنے کا حکم ہو گا اسی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔ نیز انھیں انھیں اپنے ذوق سلیم سے یہ خیال کرتے تھے کہ اگرچہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کلمات کے جامع ہیں اور آپ کی رسالت تمام عالم اور اہم کے لیے ہے

اس لیے یہ لوگ اپنی نور فراست سے سمجھتے تھے کہ ضروری ہے کہ کسی وقت استقبال بیت المقدس کی نوبت آئے گی۔ اور بدرجہا اس سے اصل قبلہ یعنی کعبہ کی طرف رجوع کا حکم ہوگا۔ جو بفضل الرسل کے مناسب ہے۔

اَللّٰهُ عَلَّمَ سَبْعَ مِائَاتٍ مِنْ بَنِي اِسْرٰٓءٰٓءَۃَ اَنْ يَّكُوْنُوْا رٰسُوْلًاۙ اَوْ يَّكُوْنُوْا مِنْ اٰمِلِيْنَۙ اِلَيْهِۚ اَللّٰهُ عَلَّمَ سَبْعَ مِائَاتٍ مِنْ بَنِي اِسْرٰٓءٰٓءَۃَ اَنْ يَّكُوْنُوْا رٰسُوْلًاۙ اَوْ يَّكُوْنُوْا مِنْ اٰمِلِيْنَۙ اِلَيْهِۚ

ایک شہ اور اسکا ازالہ | سے علم نہ تھا بعد میں علم ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور ازل سے ہے عاذاً وکلاً اللہ کا علم حادث نہیں۔

بعض علمائے نے یہ جواب دیا کہ علم سے تمیز کے معنی مراد ہیں معنی ممتاز اور جدا جدا کر دینا بعض کہتے ہیں کہ علم سے مراد امتحان اور آزمائش ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم مطیع کو نافرمان سے ممتاز اور جدا کر دیں یا یہ معنی ہیں کہ ہم امتحان کرتے ہیں کہ کون اطاعت کرتا ہے اور کون انحراف کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رمضان محذوف ہے اور اللہ کے جاننے سے اللہ کے رسول کا اور عباد مؤمنین کا جاننا مراد ہے یعنی تاکہ ہمارا رسول اور اہل ایمان بھی جان لیں۔

اور بیت المقدس اگرچہ اصلی قبلہ نہ تھا مگر تم نے اس مدت میں جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں انکو ضائع نہ سمجھنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ جو تمہارے ایمان اور اطاعت کو ضائع کر دے اس لیے کہ تم نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہیں وہ اللہ ہی کے حکم سے پڑھی ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ تو تمام آدمیوں پر نیک ہوں یا بد مؤمن ہوں یا کافر مسب ہی پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں وہ اپنے حکم کے اتباع کرنے والوں کی ماز اور بندگی کب ضائع کر سکتے ہیں۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

ہم دیکھتے ہیں پھر پھر جانا تیرا منہ آسمان میں سو البتہ پھیریں گے

قِبْلَةً تَرْضٰہَا قَوْلٌ وَجْهِكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے اب پھر منہ اپنا طرف مسجد حرام کے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ شَطْرًا ۚ وَاِنَّ

اور جس جگہ تم ہوا کرو پھر منہ اسی کی طرف اور جن کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ لِيَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ الْحَقُّ مِنْ

ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان

رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو کرتے ہیں

تحویل قبلہ کا حکمانہ جواب

قال تعالى قَدْ ذَرَى قَلْبَكَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ... الى... وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ۔
گزشتہ آیات میں تحویل قبلہ پر شبہ کا کامانہ جواب تھا۔ اب حکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں اور تحویل قبلہ کی حکمتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

حکمت اول

رفت اور رحمت کی وجہ سے اگرچہ استقبال بیت المقدس میں بھی اہل کامل مل جاتے مگر قبلہ کا طہ در حقیقت کعبہ معظمہ ہے اور کامل کا میلان طبعی کامل ہی کی طرف ہوتا ہے۔ سب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ کامل قبلہ کے استقبال کا حکم میسر نازل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے چہرہ کا بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف اٹھنا کہ کعبہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا اور چونکہ ہم کو آپ کی آرزو اور خواہش کا پورا کرنا منظور ہے پس اس لیے ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح میری امت ابراہیمی ہے اسی طرح میرا قبلہ عبادت بھی قبلہ ابراہیمی بنا دیا جائے پھر حکم دے ہی دیتے ہیں پس آپ ایسا منہ بجاتے بیت المقدس کے مسجد حرام کی طرف کر لیجئے کہ اب ہمیشہ کیلئے وہی ایک قبلہ ہے اور یہ حکم آپ کے لیے مخصوص نہیں اگرچہ درخواست آپ کی تھی مگر حکم تمام امت کے لیے ہے۔ امت سے کہہ دیجئے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اسی جانب اپنے چہروں کو متوجہ کرو حتیٰ کہ اگر بیت المقدس میں بھی ہو تب بھی مسجد حرام ہی کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرو اور تحقیق اہل کتاب بخوبی یہ جانتے ہیں کہ یہ قبلہ حق ہے۔ خود ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان ملت ابراہیمی پر ہونگے اور ان کا قبلہ قبلہ ابراہیمی ہوگا اور اہل کتاب یہ بھی بالیقین جانتے ہیں کہ اس نبی اور اس امت نے یہ قبلہ اپنی راستے سے نہیں ٹھہرایا بلکہ ان کے پروردگار کی جانب سے یہی حکم آیا ہے مگر اس کو چھپاتے ہیں ظاہر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے غافل نہیں وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے حکم پر چلتا ہے اور کون اپنی راستے اور خیال پر چلتا ہے۔ حاصل اس حکمت کا یہ ہے کہ ہم نے آپ کی خواہش اور خوشی کے موافق قبلہ تبدیل کر دیا تاکہ لوگوں پر آپ کا شرف اور آپ کی عظمت ظاہر ہو جائے۔

وَلَيْنُ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ

اور اگر تو لادے کتاب والوں پاس ساری نشانیاں نہ

مَاتَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ

چلیں گے تیرے قبلہ پر اور نہ تو مانے ان کا قبلہ

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَيْنُ آتَبَعْتَ

اور نہ ان میں ایک ماننا ہے دوسرے کا قبلہ اور کبھی تو چلا انکی

أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا

پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ تک پہنچا تو بے شک تو بھی

لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۵﴾ الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا

ہے بے انصافوں میں جنکو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں یہ بات جیسے

يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ

پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور ایک فرقہ ان میں چھپاتے ہیں حق کو

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۲۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

جان کر حق ہی جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے

السُّتُرِينَ ﴿۱۲۷﴾ وَلِكُلِّ وُجْهٍ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا

والا اور ہر کسی کو ایک طرف ہے کہ منہ کر کے اس طرف سو تم

الْخَيْرَاتِ ۚ إِنَّ مَا تَكُونُوا يَاتِيَكُمْ بِاللَّهِ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ

سبقت چاہنے والوں میں جس جگہ تم ہو گے کرا دے گا اللہ اکٹھا بے شک اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

ہر چیز کر سکتا ہے اور جس جگہ سے نکلے منہ کر

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْعَاقِبُ مِنْ رَبِّكَ

طرف مسجد حرام کے اور یہی تحقیق ہے تیرے رب

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے اور جہاں سے تو نکلے

قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

منہ کر طرف مسجد حرام کے اور جس جگہ تم ہو

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

کرد منہ کرو اسی کی طرف کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے

مُحْجَةً إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي

کی جگہ مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سوال سے مت ڈر اور مجھ سے

وَلَا تَمْنَحُوا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۷﴾

ڈرو اور اس واسطے کہ پورا کروں تم پر فضل لینا اور شاید تم راہ پاؤ۔

عناد اہل کتاب در بارہ قبلہ

قال تعالى وَلَيُنْزِلَنَّ الَّذِينَ أَوَّلُوا الْكُتُبَ ... اِلَى ... وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝
(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اہل کتاب کو اس قبلہ کا حق ہونا بخوبی معلوم ہے اور خود ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی کریمؐ الزمان کچھ روز بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف اور یہی ان کا اصل اور دائمی قبلہ ہے جو ملت ابراہیمی کے موافق ہے مگر حسد اور عناد کی وجہ سے چھپاتے ہیں آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انکا عناد کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر آپ اس قبلہ کی حقیقت اور فضیلت پر ہر قسم کے دلائل اور نشانات بھی لے آئیں تب بھی یہ لوگ آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں گے اور نہ آپ کبھی بھی ان کے قبلہ کا اتباع اور پیروی کریں گے ان کا مقصد تو یہ

ہے کہ آپ انکے تابع بن جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کبھی بھی انکے قبلہ کا اتباع اور پیروی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اسکا قبلہ منسوخ ہو چکا ہے اور جس قبلہ کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ آئندہ چل کر کبھی منسوخ نہ ہوگا اور بیت المقدس کے استقبال کا اب کبھی حکم نہ آئیگا اور عقلاً بھی ہل کر تاب کے قبلہ کا اتباع ممکن نہیں اس لیے کہ وہ خود ہی آپس میں قبلہ کے بارہ میں ایسے مختلف ہیں کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں ہر ایک نے اپنی نفسانی خواہش سے عین وہ قبلہ کا اتباع کر رکھا ہے اور اسے نبی کریم بالغرض اگر آپ انکی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس قبلہ کے بارہ میں علم صحیح اور قطعی ہو چکا تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہونگے اس لیے کہ ناسخ کو چھوڑ کر منسوخ کا اتباع کرنا ہولائے نفس ہے اور ہوائے نفسانی کا اتباع آپ سے بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے لہذا آپ سے اُن کے قبلہ کا اتباع بھی محال ہوگا۔

عناد اہل کتاب در بارہ صاحب قبلتین و رسول ثقلین ﷺ

وحکمت اولہ نور قہر

گزشتہ آیت میں قبلہ کے بارہ میں اہل کتاب کے عناد کا ذکر تھا اب صاحب قبلہ کے بارہ میں ان کے عناد کا ذکر ہے کہ اہل کتاب اسی نبی موعود کو جانتے اور پہچانتے ہیں مگر ملتے نہیں چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی تودیت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ اہل کتاب آپ کی صورت اور شکل کو دیکھ کر اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو صورت و شکل اور قد و قامت سے پہچانتے ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح نبی کریم کی صورت کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی برحق ہے اور یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اس لیے کہ تودیت اور انجیل میں آپ کا علیحدہ اور صورت و شکل اور قد و قامت لون وغیرہ سب مذکور تھا اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ تودیت میں آپ کا نبی قبلتین ہونا بھی مذکور ہے پس یہی امر حق ہے جو تیرے رب کے پاس سے آیا ہے پس تو ان کی تلبیس کی وجہ سے ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ خطاب آپ کو ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلامؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہو۔ تو جواب دیا کہ ہاں بیٹوں سے زیادہ پہچانتے ہیں۔ بیٹے میں شک ہو سکتا ہے کہ شاید بیوی نے خیانت کی ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی شک نہیں ہو سکتا آپ کی صفات اور علامات ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ قہلے نے سچ کہا اور اللہ نے تم کو خیر کی توفیق دی۔

حکمت دوم در تحویل قبلہ

اور دوسری حکمت تحویل قبلہ میں یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک جدا گانہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ امت متوجہ ہوتی ہے۔ براہیم علیہ السلام

کی شریعت میں نماز کا قبلہ خانہ کعبہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کا قبلہ بیت المقدس تھا اسی طرح تمہارے لیے بھی ایک مستقل قبلہ تجویز ہوا۔ جس طرح تمہارا دین مستقل اور جدا گانہ ہے اسی طرح تمہارے لیے قبلہ بھی مستقل ہونا چاہیئے کوئی جہت اور کوئی سمت اپنی ذات سے قبلہ نہیں خدا تعالیٰ نے جس جہت کو قبلہ بنا دیا وہ قبلہ ہو گئی اسی طرح خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک جہت کو قبلہ مقرر کر دیا۔ پس اسے مسلمانو تم اس قبلہ کے مسئلہ میں کبج و کاؤ نہ کرو۔ اصل نیکیوں کی طرف درود و جو مقصود بالذات ہیں یعنی نماز اور روزہ وغیرہ۔ نہ کہ قبلہ کہ وہ اصل عبادت نہیں بلکہ ذریعہ عبادت ہے اور اصل عبادت تو حکم خداوندی کا امتثال ہے اسکی طرف درود۔ جس وقت وہ خداوند ذوالجلال بیت المقدس کے استقبال کا حکم دے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور جس وقت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے اس طرف متوجہ ہو جاؤ کسی سے منازعت کی ضرورت نہیں۔ تمام خبرات اور نیکیوں کی جڑ، امر خداوندی کے امتثال میں مبادرت اور سبقت کو نہ ہے۔ اصل بھلائی حکم کی پیروی میں ہے جس وقت جو حکم ہوا اسکی تعمیل کرو اور آخرت کی فکر کرو۔ جہاں سب عبادتوں پر اجر ملے گا اور اصل عبادت تعمیل حکم ہے وہ احکم الحاکمین ہے جو چاہے حکم دے تم مشرق اور مغرب میں جہاں کہیں ہو گے تم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے حاضر کرے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تمکو جزا دیگا یعنی اختلاف جہات صرف دنیا میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جہات مختلفہ سے ایک مکان میں جمع کرے گا اور سب کو بھلائی اور برائی کی جزا دیگا اور سب نمازوں کو بمنزلہ ایک نماز کے بنا دیگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اب آپ آئندہ نماز میں بیت المقدس کا استقبال نہ کریں بلکہ جس جگہ سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور یہی حق ہے کہ ہر حال میں خانہ کعبہ کا استقبال کرو اور تیرے رب کی طرف سے یہ حکم آیا ہے جس سے مقصود تیری ہی تربیت ہے اور تکمیل عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں کہ کون اس کے حکم کے موافق نماز ادا کرتا ہے اور کون اسکے خلاف کرتا ہے۔

حکمت سوم در تحویل قبلہ

اور تیسری حکمت اتمام حجت اور دفع الزام ہے۔ اولاً تحویل قبلہ کے حکم کا اعادہ فرمایا اور ثانیاً لَعَلَّكُمْ يَكُونُ لِلنَّاسِ

عَلَيْكُمْ حُجَّةً سے اس حکم کی ایک جدید علت بیان فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور پھر ہم تمکو مکرر کہتے ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں تو اپنا منہ نماز میں مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور اے مسلمانو، تم بھی جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کر لیا کرو تاکہ لوگوں کا تم پر کوئی الزام نہ رہے کیونکہ اگر تحویل قبلہ کا حکم نہ نازل ہوتا تو یہود تمکو یہ الزام دیتے کہ تو ریت میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بالآخر قبلہ برابر اسی ہو گا۔ اور خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو جانے کا انکو حکم آئے گا

پس یہود یہ الزام دیتے کہ توریت میں جو نبی آخر الزمان کی علامت لکھی ہوئی ہے وہ آپ میں موجود نہیں اور مشرکین یہ الزام دیتے کہ محمد دعویٰ تو کرتے ہیں ملت ابراہیمی کے اتباع کا مگر قبلہ ابراہیمی سے روگردانی کرتے ہیں۔ اب تحویل قبلہ کے حکم نازل ہونے سے یہود اور مشرکین کسی کا کوئی الزام نہیں رہا اور ہر دو فریق کی زبان بند ہو گئی مگر جہان میں ظالم ہیں وہ اعتراض اور طعن سے باز نہ آئیں گے۔ یہود یہ کہیں گے کہ محض حسد کی وجہ سے ہمارے قبلہ کو چھوڑا جو کہ انبیاء کا قبلہ تھا اور ظالم بت پرست یہ کہیں گے کہ پھر رفتہ رفتہ اپنے آبائی دین کی طرف تشریف لے رہے ہیں۔ پس تم ان ظالموں اور ان کے طعن سے نہ ڈرو۔ بلکہ فقط مجھ سے ڈرتے رہو اور ان کے طعن کی وجہ سے میرے حکم کو نہ چھوڑو۔ خالق کے حکم کو مخلوق کے طعن سے چھوڑنا موجب خسران و عذاب ہے اور خالق کی حکم برداری کے لیے مخلوق کے طعن پر صبر کرنا موجب فلاح و ثواب ہے مخلوق کا طعن مضر نہیں خالق کی خلاف حکمی مضر ہے۔

حکمت چہارم در تحویل قبلہ | اور چوتھی حکمت یہ ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کروں کہ نماز میں (جو کہ سب سے افضل اور اعلیٰ عبادت ہے) تمہاری توجہ سب سے افضل اور اکمل قبلہ اور بہترین جہت کی طرف ہوتا کہ اس جہت کے انوار و برکات بھی تمہاری نماز کو خوب روشن اور منور بنادیں۔ قبلہ کے باب میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ عبادت میں افضل جہات کے استقبال کا حکم دیا جائے جیسا کہ دین کے ماہ میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ دین کا مل عطا کیا جائے کما قال تعالیٰ: اَلَيْسَ هَـذَا الْكَمَلُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَاَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَحْمَةً۔

حکم پنجم در تحویل قبلہ | اور پانچویں حکمت یہ ہے کہ تم کو بیدار مانتہ معلوم ہو اور افضل جہات کے استقبال سے تم کو ہدایت کا ملہ حاصل ہو اور قریب ہی راستہ سے جلد منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔ (جیسا کہ یہودی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر میں گزرا)

تحویل قبلہ کے حکم کو مکرر لانے کی حکمت | وجہ اول: تحویل قبلہ کے حکم قولِ فَخَذَّكَ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور خوشی ہی تھی۔ وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے اُنکی دل چاہی تھا کہ یہ حکم دیا جائے کہ ہر امت کے لیے مستقل قبلہ ہو جائے اور امت محمدیہ بھی ایک مستقل امت ہے لہذا اس کے لیے بھی ایک مستقل قبلہ ہونا چاہیے تاکہ مخالفین کا الزام دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا کما اشار الیہ بقولہ لَمْ یَكُنْ لِلنَّاسِ عَلَیْكَ حُجَّةٌ اس لیے ہر امت کے ساتھ معلول کی اور ہر دلیل کے ساتھ دعویٰ کی تجدید کر دی گئی کیونکہ کلام کی خوبی یہ ہے کہ علت اور معلول اور دعویٰ و دلوں ساتھ ذکر کیے جاتیں۔

وجہ دوم۔ بعض اہل علم نے تکرار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ پہلی آیت خاص ساکنانِ حرم کے حق میں ہے اور دوسری آیت ساکنانِ جزیرۃ العرب کے حق میں ہے اور تیسری آیت تمام روئے زمین کے ماضیوں کے حق میں ہے۔

وجہ سوم۔ پہلی آیت تعلیم احوال کے لیے ہے اور دوسری آیت تعلیم اکنہ کے لیے ہے اور تیسری آیت تعلیم ازمندہ کے لیے ہے۔ یعنی تمام احوال اور تمام مکانات اور تمام اوقات میں یہی قلم ہے اسکا استقبال ضروری ہے۔

وجہ چہارم۔ چونکہ شریعت میں سب سے پہلے یہی حکم مفسوخ ہوا اس لیے اس کے بیان میں زیادہ اہتمام کیا گیا اور تاکید تین بار اس حکم کا اعادہ کیا گیا۔

وجہ پنجم۔ کسی حکم کا مفسوخ ہونا محلِ فقہ اور محلِ شبہ ہے اور احکامِ خداوندی میں نسخ جاری ہونا بے وقوفوں کی عقل سے باہر ہے اگلے اس حکم کا تکرار مناسب ہوا۔

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

جیسا بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا تھا اسے پاس ہماری آیتیں

وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ

اور تم کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور تحقیق بات اور سکھاتا تم

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾

کو جو تم نہ جانتے تھے

بیانِ طائفِ رسولِ اعظم کہ از قبلہ ابراہیمی و حرمِ محترم مبعوث باشد

قال تعالیٰ۔ کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ... اَلِی... وَیُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔

(ربط) ابتداء قسط میں بنار کعبہ کا ذکر فرمایا اور بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ذکر فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ۔ اَلِی... کہ اسے اللہ اس حرمِ کعبہ کی سرزمین سے ایسا نبی مبعوث فرما کہ جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم

سے۔ نبی اکرم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں خانہ کعبہ کو مرجع خلافت اور قبلہ عالم بنایا اور قبلہ ابراہیمی کے بارہ میں جو سفہار کے شبہات تھے تفصیل کے ساتھ ان کا جواب دیا اور خانہ کعبہ کا افضل قبلہ ہونا بیان فرمایا اب آگے اس بحث کو حضرت ابراہیمؑ کی دوسری دعا یعنی افضل الرسل کی بعثت کے ذکر ختم فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے قبلہ کے بارہ میں تم پر اتمام نعمت کیا کہ سب سے افضل قبلہ تمہارے ہی سے مقرر کیا اسی طرح ہم سے نبوت و رسالت اور ہدایت کے بارہ میں تم پر اس طرح اتمام نعمت کیا کہ سب سے افضل اور اکمل اور عظیم الشان رسول تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا اور پھر اس پر مزید انعام یہ کہ تمہاری قوم میں سے یا تمہاری جنس میں سے بھیجا۔ جو تمہارے لیے دین و دنیا میں باعث عزت و شرف ہو اور اس طرح تم پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔ غور کرو کہ کس قدر عظیم الشان نعمت ہے اور وہ رسول فقط ہمارے احکام ہی نہیں پہنچانے کا بلکہ تم پر ہماری آیتوں کی تلاوت بھی کرے گا جس سے تم کو کلام الہی کے سننے کی نعمت حاصل ہوگی۔ اور اسرارِ ملاءت اور دلائل اعجاز تم پر منکشف ہونگے اور چونکہ کلام محکم کے کلمات کا آئینہ اور مظہر ہوتا ہے اس لیے اس نور السموات والارض کے انوار و تحلیات بواسطہ اس کلام کے بقدر تمہاری استعداد کے تمہارے قلوب پر منعکس ہوں گے اور جو قلوب اور صدر درپننے رب غفور کے اس کلام سرپا نور کی حفاظت کریں گے وہ کوہ طور کا ایک نمونہ ہوں گے اور پھر تم اس کلام کے درجہ سے اپنے رب اکرم سے قبلہ رو ہو کر مناجات کر سکو گے اور اسکی تلاوت اور استماع سے حواجر اور لذت تم کو حاصل ہوگی وہ جیٹھ بیان سے باہر ہے اور علاوہ ازیں وہ رسول تم کو اپنی ایک ہی نظر کہیا اڑ میں گناہوں کے زنجیر سے آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنا دیگا مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس رسول کی نظروں اور قدموں پر تو لا کر ڈالو اور اگر تم اس کی نظریں سے بھاگ جاؤ تو پھر نظر کیا کام کرے آئینہ جلنک آفتاب کے سامنے نہ ہو تو آفتاب کا عکس اس میں کہاں آئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آئینہ دل کو آفتاب نبوت کے سامنے کر دیا نور ہدایت سے جگمگا اٹھا۔ ابو جہل اور ابولہب نے آفتاب نبوت سے منہ پھیر لیا نور ہدایت سے محروم رہے۔ اور وہ رسول تم کو کتاب الہی کے معانی اور اسرارِ حکیم بھی سکھائے گا اور علاوہ ازیں وہ رسول تم کو ایسی عجیب و غریب باتوں کی بھی تعلیم دیگا کہ جن کو تم اپنی عقل سے نہیں جان سکتے تھے جیسے نماز کی کیفیت اور زکوٰۃ کی قیمت اور حج کا طریقہ نماز اور زکوٰۃ کی کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے معلوم ہوتی قرآن میں اجمال تھا حدیث نے اس کی تفصیل کی۔ اور جس عظیم الشان رسول کے مبعوث ہونے کی حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی اس کا پھور ہو گیا۔

گم نہ ہوتی ذات پاک انبیا : حق سے باطل کس طرح ہوتا جدا
اور اس طرح اللہ کی نعمت تم پر پوری ہوئی۔ لہذا تم اس نعمت غلظی کا شکر کرو چنانچہ فرماتے ہیں۔

عہ گزشتہ آیت میں وَلَآتِمُ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تھا۔ اس اتمام نعمت کے لفظ سے دلائل نعمتی کی طرف اشارہ ہے اور آخر سطر میں رِ لَفْظ تمہاری ہدایت کیسے بھیجا۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔



فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون ۝

تو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو

تَلَقُّنْ ذِكْرَ شُكْرٍ

قال تعالى - فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون ۝

پس جب کہ میں نے تم کو ایسی عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا اور تم میں ایسا عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیج کر تم کو یاد کیا تو اسکا مقتضی یہ ہے کہ تم بھی جھکو ہمیشہ یاد رکھو کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو میں تم کو اپنے لطف و عنایت سے یاد کرونگا اور ملا را اعلیٰ میں تمہارے ذکر کا ذکر کرونگا کہ یہ میرے یاد کرنے والے بندے ہیں جس سے ملا را اعلیٰ اور ملائکہ مقربین کی عنایات تم پر مبذول ہوں گی۔

قلب سے حجابات عقلت دور کرنے کے لیے ذکر الہی سے بہتر کوئی شے نہیں۔ جس طرح قلب سے حرص اور طمع کا فائدہ مادہ دور کرنے کے لیے افغان فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں اور میرا احسان مانو اور شکر کرو کہ تمہاری ہدایت کے لیے ایسا عظیم الشان رسول بھیجا۔ شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ لَهَذَا اِذَا كَرَّمْتُمْ بِهَارِیْ نِعْمَتِ کَا شُکْرِ کَیَا تُو تَمَّهَارِیْ هِدَايَتِ اور کتاب و سنت کے علم اور معرفت میں زیادتی ہوگی اور جتنا ذکر اور شکر کرو گے اسی قدر تمہارے تزکیہ باطن اور علوم و معارف میں زیادتی ہوگی۔ اور میری ناشکری مت کرو کہ اس نمل کا انکار کر بیٹھو اور دل و جان سے اسکی اطاعت نہ کرو۔ اور اگر سن جانب اللہ علوم و معارف منکشف ہوں تو دعوے مت کرو دعویٰ بھی ناشکری میں داخل ہے۔

نکتہ

دعا براہیمی جو پہلے گزر چکی ہے اس میں تعلیم الکتاب والحکمۃ کا ذکر مقدم تھا اور تزکیہ کا ذکر مؤخر تھا اور اس آیت یعنی کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْہِمْ رُسُلًا مِّنْکُمْ رُسُلًا مِّنْکُمْ۔ الخ میں تزکیہ کا ذکر مقدم ہے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ کا ذکر مؤخر ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل مقصود تو تزکیہ نفس ہے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ اسکا وسیلہ اور ذریعہ ہے اگر تعلیم ہو اور تزکیہ حاصل نہ ہو تعلیم بے فائدہ ہے اور عوامانہ تزکیہ نفس تعلیم کتاب اور حکمت ہی کے بعد حاصل ہوتا ہے اور تعلیم تزکیہ کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے اس لیے دعائے ابراہیمی میں ترتیب وقوعی کے لحاظ سے تزکیہ کے مبادی اور وسائل کو پہلے ذکر کیا اور مقصود کو اخیر میں ذکر کیا۔ اور حق جل شانہ نے جب دعا براہیمی کی اجابت اور قبولیت کا ذکر فرمایا تو اصل مقصود کو پہلے ذکر فرمایا تاکہ سامعین کو ابتداء ہی سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود تزکیہ ہے اور وہ بارگاہ قدس سے منقطع ہو چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

۱۔ اے مسلمانو قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۶﴾

بیشک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے

طریقہ تحصیل ذکر و شکر و بیان فضیلت صبر

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝
(اربط) گزشتہ آیت میں ذکر و شکر کا حکم تھا اور کفرانِ نعمت کی ممانعت تھی اور ذکر و شکر میں تمام احکام خداوندی کا بجا لانا داخل تھا اور کفرانِ نعمت کی ممانعت میں تمام مہنیات اور ممنوعات سے بچنا داخل تھا اور تمام احکام کا بجا لانا اور تمام ممنوعات سے بچنا بظاہر بہت دشوار ہے۔ اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو ذکر اور شکر کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اے ایمان والو اگر ذکر اور شکر اور درجاتِ قرب اور معرفت کے حاصل کرنے میں دشواری معلوم ہو تو صبر اور نماز کی مدد اور سہارے سے اس کو حاصل کرو۔ صبر من جانب اللہ ایک خاص ہتھیار ہے کہ جو خاص انسان کو عطا کیا گیا ہے تاکہ مشکلات میں اس کا معین اور مددگار ہو۔ صبر کی خاصیت یہ ہے کہ رنج و غم کو ہلکا کر دیتا ہے۔ حیوانات میں صرف شہوت ہے عقل نہیں۔ ملائکہ میں صرف عقل ہے شہوت نہیں۔ انسان میں عقل کے ساتھ شہوت اور غضب بھی ہے۔ اس لیے انسان کو شہوت اور غضب کا دار روکنے کے لیے صبر کا ہتھیار دیا گیا اور فرشتہ اور حیوان کو نہیں دیا گیا عقل اور شہوت میں جب کشمکش ہو تو عقل کے اشارہ پر چلنا اور نفسانی خواہشوں پر نہ چلنا اس کا نام صبر ہے اخلاقِ جمیلہ میں صبر کا مقام نہایت بلند ہے۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں صبر کو ستر یا پچتر جگہ ذکر فرمایا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کا اجر مقرر ہے مگر صبر کا اجر بے حساب ہے۔ پس اگر نفس پر احکامِ شرعیہ شاق اور گرن ہوں تو ان کے آسان ہونے کا ایک علاج تو صبر ہے اور دوسرا علاج نماز ہے۔ اس لیے کہ نماز ایک تریاقِ مجرب ہے جو ذکر اور شکر اور خشوع اور خضوع اور اس قسم کے مختلف اجزاء سے مرکب ہے جو ہر بیماری کی دوا اور ہر مشکل کا علاج ہے۔ جیسے بارش کے لیے صلاۃ استسفار ہے اور ہر دینی اور دنیوی مطلب کے لیے صلاۃ الحاجت ہے۔ حضراتِ انبیاء کرام کو جب مشکل پیش آتی تو نماز میں مشغول ہوتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز

میں مشغول ہو جاتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب ظالم بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو پکڑا دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور جرجیج ناہیب پر جب لوگوں نے زنا کی تہمت لگائی تو جرجیج نماز میں مشغول ہو گئے۔ (بخاری و مسلم)

غرض یہ کہ نماز اُمّ العبادات ہے اور دین کا ستون ہے اور مومن کی سراج ہے جس کی کثرت سے مومن کے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ نماز اگرچہ مختلف اجزاء سے ایک معجون مرکب اور نریاق مجرب ہے لیکن اسکی ریح دعا ہے جو ہر مرض کی دوا ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ صبر و نماز سے غافل نہ ہوں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس لیے کہ صبر و درحیم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں اور جو اخلاق خداوندی کا نوگیر اور عادت پذیر ہوا اسکو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔

خداوند ذوالجلال کی بے چون و چوک معیت کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ جن اولیاء اور عارفین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت اور قرب خاص سے مرفراز فرمایا وہ حضرات کچھ قرب اور معیت کے مزہ سے واقف ہوتے ہیں مگر کسی دوسرے کو سمجھا نہیں سکتے۔ بغیر چکھے کسی شے کا بھی ذائقہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور جس نے کوئی پھل نہ چکھا ہو اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اس پھل کا یا اس کے مزہ کا انکار کرے۔

غرض یہ کہ معیت صبر کے ذریعہ حاصل ہے اور معیت کی علامت یہ ہے کہ توفیق خداوندی اسکو کارِ خیر کی طرف لے جاتی ہے۔ رہی نماز سو وہ مومنوں کی سراج ہے اسکے عروج کے کیا پوچھنا اس لیے معیت کے بیان میں صبر کا ذکر کیا اور نماز کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ

اور نہ کہو جو کوئی مارا جائے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾

بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں

بیان حیات شہداء کہ از ثمرات صبر است

قَالَ تَعَالَى وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ •

(رابط) گزشتہ آیت میں صبر کی فیضیت کا بیان تھا کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مقام صبر میں اہتمام کو پہنچ جائے کہ خدا کی راہ میں جان دے دینا بھی اسکو تیریں اور لذیذ معوم ہو تو اس پر خداوندی و قیوم کی بے چون و چگون حیات کا ایک عکس اور پرتو پڑتا ہے جس سے اس کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن صابریں نے خدا کی راہ میں جان شاری کی ہو انکی حیات میں تردد نہ کرو اور جو صابر خدا کی راہ میں مارے گئے اور انکی اس میں کسی قسم کی دنیوی اور نفسانی غرض نہ تھی انکو یہ نہ کہو کہ عام مردوں کی طرح وہ مردہ ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم جانتے نہیں کہ وہ کس طرح کی زندگی ہے۔ وہاں کی زندگی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس حیات کے ادراک کے لیے یہ جو اس کافی نہیں۔

ف (۱) شہید اگرچہ ظاہر مرگیا لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کی ترقی رک جاتی ہے، اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے۔ جب روح کا بدن سے تعلق ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہوتی۔ مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دی ہے اسکا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا کہ اب بھی وہ عمل کر رہا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف (۲) احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی روح ہمنز پرندوں کے پریت میں دکھدی جاتی ہیں اور جنت میں لڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قدیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا خدا تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلہ میں ایک دوسرا عنصری بدن اسکی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے ہمنزلہ ایک طیارہ کے ہے جسکے ذریعہ سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے۔ اور یہ روح اس نئے جسم میں مقرر اور متصرف نہیں۔ تاکہ تنازع کا شہ ہو۔ اس لیے کہ تنازع کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جٹا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کی نشوونما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں مقرر اور متصرف ہو۔ اور ادراخ شہداء میں یہ بات نہیں اس لیے کہ جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہو اس لیے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشوونما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں۔ اسکا تعلق پرندہ کی اصل روح سے ہے۔ پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ اور وہ اس میں سوار ہے اور وہ ہمنز پرندہ مح اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کی روح کے لیے سواری ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ف (۳) جمہور علماء کا مسک یہ ہے کہ شہدائے حیات جسمانی ہے اس لیے کہ موت اور قتل کا تعلق جسم سے ہے اور یہی ظاہر آیت کا مفہوم ہے اس لیے کہ یہاں آیت: شہداء کی خصوصیت بیان کرنے کے لیے ہے اور حیات روحانی شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تو عامہ مسلمان بلکہ کفار کو بھی حاصل ہے۔



وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ

اور البتہ ہم آزمادیں گے تمکو کچھ ایک ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان

مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّرَاتِ وَبَشِيرٍ

سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشی سنا

الصَّابِرِينَ ۝۱۵۱ إِذَا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا

ثابت رہنے والوں کو کہ جب انکو پہنچے کچھ مصیبت کہیں

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝۱۵۲ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ

ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ایسے لوگ انہی پر

صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

غالبات ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں

الْمُهْتَدُونَ ۝۱۵۳

راہ پر

بیان امتحان صبر و بشارت صابرین و جزا صبر

قال تعالى وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ .. الى .. وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (ربط) گزشتہ آیت میں صبر کے سب سے بڑے امتحان کا ذکر فرمایا۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا۔

اب آئندہ آیت میں صبر کے کم درجہ کے امتحان کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس امتحان کے علاوہ اور بھی کچھ ہم تمہارے صبر کا امتحان لیں گے جو تم پر زائد شاق اور گراں نہ ہو گا اور خدا کی راہ میں جان دینے کی طرح مشکل نہ ہو گا۔ کبھی تمہارا امتحان کسی قدر دشمنوں کے خوف سے لیں گے کہ تم دشمنوں سے خوف زدہ ہو کر پریشانیوں میں مبتلا ہو گے اور کبھی فقر و فاقہ کے ذریعے سے اور کبھی مالوں کے نقصان سے مثلاً مال ضائع ہو جائے۔ اور کبھی جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ مثلاً عزیز و اقارب مر جائیں یا مثلاً کھیتی اور باغ کے پھل کسی آفت سے تلف ہو جائیں۔ تو اسے مسلمانوں میں مصائب اور آفات میں صبر کرنا اور ذکر کرنا اور شکر سے غافل نہ ہونا اور جو لوگ اس امتحان اور آزمائش میں پورے اتریں تو اسے نبی کریم آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے بلکہ اپنی اور احباب کی تسلی کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک اور غلام ہیں۔ ہماری جان اور ہمارا مال سب اسی کی ملک ہے جو چاہے لے اور جو چاہے چھوڑے۔ غلام کو آقا کے سامنے محال دم زدن نہیں وہ ارجمند ترین ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے وہ اگر کسی وقت بھوکا رکھے تو اسکی حکمت اور مصلحت ہے۔ طبیب مشفق اگر بد مرضی اور فساد معدہ کی وجہ سے ایک دو وقت کھانے کی ممانعت کر دے۔ یہ اس طبیب کے مشفق ہونے کی دلیل ہے اور ہم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں پہنچ کر ہم کو یہ بھی مل جائے گا جو ہم سے لیا گیا ہے اور وہ ہم و گمان سے زائد ہم کو اس کا جر بھی ملے گا۔

فصل دوم میں ہے کہ یہ کلمہ خاص اسی امت کو ملے ہے۔ دوسری امتوں کو عنایت نہیں ہوا چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں یَا سَفِی کہا اور اِنَّا لِلّٰہِ نہیں کہا۔ ایسے صابرین پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور خاص توجہات ہیں جو حضرات انبیاء کی عنایات کے ہم رنگ ہیں جو ان کے پروردگار کے پاس سے اترتی ہیں اور ان پر خدا کی مہربانی بھی ہے۔ کتاب و سنت میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صابرین کی بشارت میں صلوٰۃ کا اس لیے استعمال فرمایا کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو ان عنایات خاصہ سے سرفراز فرماتے ہیں جو حضرات انبیاء کی صلوٰۃ و عنایات کی ہم رنگ ہوتی ہیں اس لیے کہ مصائب اور حوادث میں صبر و تحمل سے کام لینا اور کوئی کلمہ شکایت زبان سے نہ نکالنا اور خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرنا انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَرْسِ
هَذَا الرُّسُلِ۔

اس لیے صابرین کو صلوٰۃ و عنایات خاصہ سے سرفراز فرمایا اور جان و مال کا جو نقصان ہوا اس کے عوض میں عنایات عامہ یعنی طرح طرح کی رحمتوں اور مہربانیوں سے نوازا۔

ہمارے اس بیان سے صلوٰۃ اور رحمت میں فرق واضح ہو گیا۔ صلوٰۃ سے عنایات خاصہ مراد ہیں جو دینی اور دنیوی اور ظاہری اور باطنی برکات کا موجب ہیں اور رحمت سے عنایات عامہ مراد ہیں۔

جودنیا میں فوت شدہ جاں و مال کا عوض اور نعم البدل ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ اور ایسے ہی لوگ علاوہ اس کے کہ وہ عنایات خاصہ اور عنایات عامہ کے مورد ہیں۔ ہدایت یافتہ بھی ہیں کہ عین مصیبت کے وقت میں جب کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کلمہ شکایت کا زبان سے نکل جائے اور خداوند ذوالجلد کی ناراضگی اور دوری اور مجبوری کا سبب بن جائے ایسے وقت میں قرب خداوندی اور اسکی خوشنودی کا راستہ نکال لیا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کمال ہدایت یہی ہے کہ ہر طرف سے اپنے مطلب کا کھوج لگائے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ
يَهْدِ اللَّهُ لَهُ سُبُلَ الْمَوْجِبَاتِ

کوئی مصیبت بغیر اللہ کے حکم کے نہیں پہنچتی
اور جو بمقتضائے ایمان مصیبت میں ثابت قدم
رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے قلب پر ہدایت اور
معرفت کی راہ کھول دیتے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے فَهُوَ الْوَدَّاعُ وَ نَعْمُ الْعَلَاوَةُ یعنی اس آیت میں حق تعالیٰ نے صابرین کے لیے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک صلوات در دوسرے رحمت اور تیسرے ہدایت۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ صلوات اور رحمت جو ایک دوسرے کے قرین اور عدیل ہیں۔ یہ دونوں کیا اچھے عدیل ہیں اور ہدایت ان عدلین کے علاوہ ہے یعنی ایک زیادتی ہے جو صلوة اور رحمت پر زیادہ ہے۔

فائدہ (۱) اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے ارشاد فرمائے۔ ایک عقلی اور ایک طبی عقلی تو یہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ ہم سب اللہ کی ملک ہیں جس کو چاہے دنیا میں رہنے دے اور جس کو چاہے آخرت میں بلائے۔ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے لہذا کسی عزیز کے مرنے پر شکایت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کی ملک میں دو گھوڑے ہوں ایک کو یہاں باندھ دے اور دوسرے کو دوسری جگہ باندھ دے تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ یا مالک کسی چیز کو اوپر کی منزل میں رکھ دے اور کسی کو نیچے کی منزل میں رکھ دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسکو چاہیں دنیا میں رکھیں اور جس کو چاہیں آخرت میں رکھیں۔

اور طبی یہ ہے وَ اِنَّا لَیَكْبِدُہٗ رَاجِعُونَ۔ یعنی ہم سب کو وہیں جانا ہے اور وہی ہمارا وطن اصلی ہے اور یہ دنیا تو ایک جیل خانہ ہے اب اگر کسی کو جیل خانہ اور چاہ زندان سے نکال کر گلستان اور بوستان میں لے جا کر ٹھہرا دیں تو حقیقت میں خوشی کا مقام ہے کہ بجائے غم کرہ کے عشرت کرہ مل گیا۔ غرض یہ کہ ایک جملہ یعنی اِنَّا لِلّٰہِ میں عقل کی تسلی ہے اور دوسرے جملہ وَ اِنَّا لَیَكْبِدُہٗ رَاجِعُونَ میں طبیعت کی تسلی ہے یہ تو تسلی ہوئی۔ مگر بااں ہمہ شریعت نے حزن و ملال اور رونا اور آنسو بہانے کی ممانعت نہیں کی کہ وہ غیر اختیاری امر ہے بلکہ اس میں ایک قسم کی نفیست بھی رکھ دی اور یہ فرمایا کہ ہُوَ رَحْمۃٌ یَعْنٰی آنسو بہانا بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ سبحان اللہ شریعت کی غوی کو دیکھئے کہ عقل کی اور طبیعت کی اور جذبات کی سب ہی

کی رعایت ہے۔

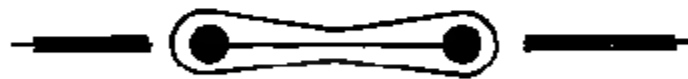
(مخلص از وعظ الصلوة، وعظ دوم از سلسلۃ البشری از مواظظ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ)
اگر کسی آنے والی مصیبت کی پہلے ہی سے خبر دے دی جائے تو صبر آسان ہو جاتا ہے دفعۃً
فائدہ ۲۱ مصیبت آنے سے آدمی گھبر جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب کی پہلے ہی
خبر دیدی تاکہ صبر آسان ہو جائے۔

امام تافہیؒ سے منقول ہے کہ آیت میں خوف سے خوف خداوندی مراد ہے اور بھوک
فائدہ ۳۱ سے رمضان کے روزے اور مالوں کی کمی سے زکوٰۃ اور صدقات مراد ہیں اور اَلْفُسْ یعنی
جانوں کے نقصان سے امراض اور بیماریاں مراد ہیں اور ثمرات کے نقصان سے اولاد کا مرنا مراد ہے۔ کیونکہ اولاد
انسان کی زندگی کا پھل ہے۔

جامع ترمذی میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب
فرشتے کسی مرد مومن کے بچہ کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

اقبضتم ولد عبدی
فیتولون نعم فیتولون اقبضتم
ثمرة قلبہ فیتولون نعم
کیا تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر
لی۔ کیا تم نے میرے بندہ کے ثمرۃ قلب کو لے
لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بتلاؤ میرے بندہ نے اس مصیبت پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں کہ اچکے بندہ نے
اَمَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اَلِیْسُ کَلَجُعُوْنَ۔ پڑھی۔ اور آپکی حمد و ثناء کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندہ
کے لیے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اسکا نام بیت الحمد رکھو امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔



اِنَّ الصَّغَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَبَّ

صفا اور مردہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے پھر جو کوئی حج

اَلْبَيْتِ اَوْ اَعْتَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطُوفَ بِهِمَا

کرے اس گھر کا یا زیارت تو گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۰﴾

اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب جانتا ہے

استشہاد بر فضیلت صبر

قَالَ تَعَالَى إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ... إِلَى... فَإِنَّ اللَّهَ شَاحِسٌ حَلِيسٌ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں صابرین کے لیے اپنی معیت اور صلوات اور رحمت اور ہدایت کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں اس کی ایک دلیل اور ایک شاہد ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کے صبر جمیل کی ایک یادگار ذکر فرماتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی اسی صبر کی یادگار ہے جنکو صبر کی برکت سے معیت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور اپنی صلوات اور رحمتیں ان پر نازل کیں اور اس یادگار صبر کے بیان سے بحث قبلہ اور مناسک حج و عمرہ کی بھی تکمیل ہو جائے گی اور اِنْ اَنْتُمْ اَبْنَاهُمْ كَبَدُّوا سے بھی سلسلہ کلام مربوط ہو جائے گا۔ اجتہاد اور امتحان ہی سے سلسلہ کلام کا آغاز ہوا اور اجتہاد اور امتحان ہی پر اسکا اختتام ہوا۔ نیز ابتداء قصہ میں مامت کا ذکر تھا۔

اِنِّىْ كَاْعِلُكَ لِلنَّاسِ اِهَامَا
اور منصب امامت کے لیے صبر کامل اور ایمان تام ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ
وَحَدَّثَنَا وَحُكْمٌ اَيُّكُمْ يَكْفُرُ يَا مَعْرُوفُ
اور کیسے ہم نے ان میں سرور جو راہ چلاتے
لَسَا صَبْرُ فَا وَ كَانُوا بِاَيِّتِكَ
ہمارے حکم سے جب وہ ٹھہرے رہے
يُوقِفُونَ۔
اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے۔

اس لیے سلسلہ کلام کو صبر کے فضائل اور برکات اور اسکے شواہد و ثمرات پر ختم فرمایا۔

صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لوگ ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں طواف کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں کافروں نے ان پر دہشت رکھ دی تھی اور انکی تعظیم کرتے اور انکا استلام کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے ہے جب زمانہ اسلام آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف ان بتوں کی تعظیم کے لیے ہے اور بتوں کی تعظیم اسلام میں ممنوع ہے اس لیے صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ رفاد فرماتے ہیں کہ تحقیق کوہ صفا اور کوہ مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے مگر حضرت ہاجرہؓ اور اسماعیلؑ علیہ السلام کے رضا بالقضار کی برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہو گئے۔ اور ان کا طواف مناسک حج سے بنایا گیا سو جو شخص حج بیت الشریعہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں تم کافروں کی مشابہت سے شبہ میں مبتلا نہ ہو۔ صفا اور مروہ دراصل شعا براہینہ میں سے ہیں اور ان کا طواف مبرا خیر اور عبادت ہے۔ اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی شوق اور رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی

فرماتے ہیں اور اسکی نیت اور اخلاص کو خوب جانتے ہیں۔ اور بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

ف (۱) شعائر شجرۃ یا شعارۃ کی جمع ہے جسکے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں شعائر اہل انبیاء ہیں جن سے عالم پر کفر اور اسلام میں امتیاز پیدا ہوا اور انکو شعائر اسلام بھی کہتے ہیں۔

ف (۲) آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی کے حکم سے بہت پرستوں کی مشابہت کا خیال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی جسکا حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں

اللہ کی یادگاریں ہیں۔ اور کافروں کی مشابہت امر عارضی ہے وہ اس میں موثر نہ ہوگی۔ جب کہ نیت خالص اللہ کی ہو۔ جیسے خانہ کعبہ چند روز غلبہ کفار کی وجہ سے بیت الاصنام یعنی بت خانہ بن گیا لیکن اسکا قبلہ اور مسطاف ہونا ساقط نہ ہوا۔ اس لیے کہ جو خدے باذات ہوتی ہے وہ عارض کی وجہ سے زائل اور ساقط نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی تردد اور تامل نہ ہونا چاہیے۔ مشابہت کفار اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شے کا شعائر اللہ میں سے ہو تا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جیسے تعظیم نوروز اور ہولی اور دوالی اور دسہرہ اور نصاریٰ کی کرسس اور جو افعال اللہ کے نزدیک مشروع اور پسندیدہ ہیں ان میں کفار کی مشابہت موثر نہیں جیسے حج اور عمرہ اور ختنہ اور عقیقہ اور قربانی اور کسوف کے وقت سدرہ اور غلاموں کا آزاد کرنا۔ مگر کن عرب میں رائج تھا۔

ف (۳) سعی بین الصفا والمروۃ امام ثانی کے نزدیک فرض ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور امام احمد کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ ”فلا جناح“ کے لفظ سے بظاہر ہی

معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ضروری اور واجب نہیں بخاری اور مسلم میں ہے کہ عروۃ بن الزبیر نے عائشہ صدیقہ رضی عنہا سے عرض کیا کہ **فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَطُوقَ بَیْہِمَا** کوئی گناہ نہیں کہ صفا اور مروہ کا طواف کرے، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی عنہا نے فرمایا کہ اسے میرے بھانجے آیت کا یہ مطلب نہیں جو تو نے سمجھا۔ اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تو نے بیان کیا تو عبارت قرآنی اس طرح ہوتی **فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَا یَطُوقَ بَیْہِمَا** یعنی اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے اور یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جن کا قصہ یہ ہے کہ انصار قبل اسلام منات کی عبادت کرتے تھے اور جب مسلمان ہوئے اور سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو کفار کی مشابہت کی وجہ سے دل تنگ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

چونکہ انصار پر کفار کی مشابہت کی وجہ سے بین الصفا والمروہ کا کرنا گراں گزر رہا تھا اس لیے اس گرائی کے رفع کرنے کے لیے **فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَطُوقَ** فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ کہلے میں کوئی گناہ نہیں جس سے ترک کی اجازت دینا مقصود نہیں ورنہ اگر ترک سعی کی اجازت دینا مقصود ہوتی تو **فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَا یَطُوقَ** فرماتے یعنی کوئی حرج نہیں کہ سعی بین الصفا والمروہ نہ کرے غرض یہ کہ آیت میں لا جناح کا لفظ طواف بین الصفا والمروہ کرنے کے متعلق آیا ہے یعنی کرنے کی اجازت ہے ترک طواف اور

ترک سنی کے مطابق لا جراح نہیں فرمایا کہ جس سے ترک سنی کی اجازت مفہوم ہوتی۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لا جراح کا لفظ محض اباحت پر دلالت کرتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ لفظ محض طواف میں الصفا و طہرہ کی اباحت اور جو زہر پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسلاف اور ناکہ یعنی بتوں کے ہوتے ہوئے بھی صفا و طہرہ کا طواف جائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ مسئلہ دریافت کرے کہ جس کپڑے پر قدر درہم سے کم نجاست لگی ہوئی تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو یہ جواب دیا جائیگا لا جناح علیک ان تصلي فيه یعنی ایسے کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ تو اس عبارت سے نفس نماز کی اباحت اور اجازت نہیں سمجھی جاتی بلکہ نفس نجاست کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اصل سنی واجب ہے اور نجاست موجودہ جس کی وجہ سے انصار کو گرانی تھی وہ جائز اور مباح ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا صاف حکم

وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ

اور راہ کے نشان بعد اسکے کہ ہم انکو کھول چکے توگوں کے وسطے کتاب میں

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا

ان کو لعنت دیتا ہے اللہ اور لعنت دیتے ہیں سب لعنت دینے والے مگر

الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ

جہوں نے توبہ کی اور سنوارا اور بیان کر دیا تو ان کو معاف کرتا

عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہوں اور میں ہوں معاف کرنے والا مہربان جو لوگ منکر ہوئے

وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ

اور مر گئے منکر ہی انہیں پر ہے لعنت اللہ کی اور

الْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خُلِدَ فِيهَا

فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی رہ پڑے اس میں

لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۳﴾

نہ ہلکا ہو گا ان پر عذاب اور نہ انکو فرصت ملے گی

رُجُوع بِنِخَابِ یٰہُو دَعِیدِ بَر کُتْمَانِ حَقِّ وَجْهِ

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ ... إِلَى ... وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ .
(رابطہ) گزشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ یہود حق کو جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ مگر مایوس و بد جاننے اور پہچاننے کے حق کو چھپاتے ہیں کما قال تعالى: أَلَّذِينَ كَفَرُوا يَعْرِفُونَ كَمَا يَكْفُرُونَ أَيْتَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ ب اس آیت میں اُس کتمان حق پر وعید ذکر فرماتے ہیں اور توبہ کرنے والوں کے لیے عفو اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق جو لوگ خوب جانتے ہیں کہ صفا اور مردہ کی سعی شعائر اللہ میں سے ہے در حضرت ہاجرہؑ کے وقت سے برابر جلی آ رہی ہے مگر باوجود اس کے یہ لوگ ان مصائب کو چھپاتے ہیں جنکو ہم نے نازل کیا اور جو اپنی ذات سے واضح اور روشن ہیں اور شعائر اللہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتے ہیں جدا اسکے کہ ہم نے اس کو تمام لوگوں کے لیے عام اور خاص سب کے لیے شعائر اسلام اور کفر کے فرق کو خوب واضح کر دیا ہے اور خبر واحد کی طرح نہیں بنایا کسی کو پہنچے اور کسی کو نہ پہنچے اس کتاب الہی میں داخل کر دیا ہے تاکہ متواتر ہو جائے اور اس کا اخفاء اور پوشیدہ رکھنا ناممکن ہو جائے۔ لیکن یہ لوگ کمال عداوت کی وجہ سے اسکے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اور رفع جہالت چاہتا ہے اور یہ لوگ گمراہی اور جہالت کا بقار چاہتے ہیں اور نیز لعنت کرتے ہیں ان پر سب لعنت کو نے واسے۔ ملائکہ اور ارباب انبیاء و صلحاء تو اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ انکی کوشش تو یہ ہے کہ اللہ کے حکام کو بیان کیا جائے اور ان کی خوب نشر و اشاعت کی جائے اور یہ لوگ ان حضرت کی کوشش کو ضائع کرنا چاہتے ہیں اور عظام اور فسق و فجار اور کفار ناصبار اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے انکو حق معلوم نہ ہونے دیا اور چونکہ کتمان حق کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور مصیبتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔ اس لیے تمام حیوانات اور مجادات ان پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ان کی وجہ سے مصیبت اور بلا میں گرفتار ہوتے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا ہے اور بارش بند ہو جاتی ہے تو جانور گناہ کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کم بخنوں کی وجہ سے نحوست آئی مگر جن لوگوں نے محض اللہ کی ناراضی کے ڈر سے حق پوشی سے توبہ کر لی۔ اور حق پوشی کی وجہ سے جو خرابی آئی تھی اس کی اصلاح کر لی یعنی جو عقائد اور اعمال اور حقوق اور اموال لوگوں کے حق پوشی کی

وجہ سے خواب اور برباد ہو گئے تھے انکی اصلاح کر دی اور گزشتہ غلطیوں کا تدارک کر دیا اور جس حق کو چھپایا تھا اسکو لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو ایسے لوگوں کو میں معاف کر دیتا ہوں اور بجائے لعنت کے ان پر رحمت نازل کرتا ہوں اور میں تو بڑا ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں کہ توبہ کرنے سے لعنت کو رحمت سے اور سزا کو انعام سے بدل دیتا ہوں۔ تحقیق جو لوگ حق پوشی کی وجہ سے کفر کی حد تک پہنچ گئے اور بدرون توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے ایسے لوگوں پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی مستمر لعنت ہے۔ حتیٰ کہ خود اس کی بھی اس پر لعنت ہے اس لیے کہ یہ کافر خود یہ کہتا ہے کہ جو دیدہ دانستہ حق کو چھپائے اس پر اللہ کی لعنت اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی خود اس مغموم میں داخل ہوں۔ اور یہ لوگ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے۔ یہ لعنت کبھی ان سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ بغیر توبہ کے مرے ہیں۔ ذرا برابر انکے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی بلکہ دم بدم زیادتی ہوتی رہے گی۔ دنیا میں دن بدن ان کا کفر اور تمرد بڑھتا تھا، آخرت میں عذاب بڑھتا رہے گا اور نہ انکو ہمدت دی جائے گی کہ کچھ دیر آرام کریں اور آئندہ کے لیے عذاب سہنے کی کچھ قوت آجائے اس لیے کہ عذاب میں تخفیف اور ہمدت یہ بھی ایک قسم کا لعنت سے نکال دہے جو ان کے حق میں ناممکن اور محال ہے۔

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ

اور تمہارا رب اکیلا رب ہے کسی کو پوجنا نہیں اسکے سوا بڑا مہربان ہے

الرَّحِيمُ ﴿۱۳﴾

رحم والا

اعلان توحید

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

(ربط ۱) گزشتہ آیات میں اللہ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر فرمایا آئندہ آیت میں حق تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہی ایک معبود ہے اسکے سوا کہیں پناہ نہیں جو اسکی لعنت سے تسکو چھڑا سکے اور اس کے سوا کوئی رحمان اور رحیم نہیں جو خدا کی لعنت اور نفقت کو رحمت اور عنایت سے بدل دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور وہی رحمن اور رحیم ہے۔ رحمت عامہ، در خاصہ سب اکی کے ہاتھ میں ہے اس لیے بدرون اسکی رحمت کے لعنت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ تم کو اسکی لعنت سے نکال لیتا اور

تم پر رحمت کرتا لیکن اسکے سوا کوئی خدا نہیں جو رحمت عامہ اور خاصہ کا مالک ہو اور عجب نہیں کہ اس خطاب میں اہل کتاب کو تہدید اور عقاب ہو کہ باوجودیکہ تودیت اور انجیل میں اللہ کی توحید کی صریح آیتیں مذکور ہیں اور پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو اور اس توحید کو جو تم کو معلوم ہے چھپاتے ہو۔ غرض یہ کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپانے کی وجہ سے بھی مستحق لعنت ہوئے اور توحید خداوندی کے اخفاء اور کتمان کی وجہ سے بھی مورد لعنت بنے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور

الْيَلِّ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ

دن کا بدلتے آنا اور کشتی جو لکر چلتی ہے دریا میں

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

سو چیزیں کام آویں لوگوں کو اور وہ جو اللہ نے آسمان سے

مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا

پانی پھر جلا یا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بکھیرے اس میں

مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ

سب قسم کے جانور اور پھیرنا ہاؤں کا اور ہر جو حکم کا

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے ان میں نمونے ہیں

يَعْقِلُونَ ﴿١٩٢﴾

عقل مند لوگوں کو

دلائل توحید

إِنَّ فِي مَخْلُوقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ... الخ ... لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔

(ربط) جب آیہ وَ إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ - نازل ہوئی تو مشرکین نے تعجب سے کہا کہ کیا سارے جہان کا ایک ہی خدا ہے اگر ایسا ہے تو اس پر کیا دلیل ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن میں توحید کے دلائل بیان فرمائے کہ علویات اور سفلیات اور متوسطات اور ان کے احوال و صفات سب دعوائے وحدانیت اور حقانیت کی دلیل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق (۱) آسمانوں اور (۲) زمین کی پیدائش میں (۳) اور دن و رات کی آمد و رفت اور ان کے مختلف ہونے میں (۴) اور ان جہازوں اور کشتیوں میں کہ جو دریائیں لوگوں کی منافع کی چیزوں کو بیکر چلتی ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو آدمی اور سامان پہنچاتی ہیں جہاں آدمیوں اور جانوروں کا پہنچنا ممکن نہیں (۵) اور اس پانی میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا اور پھر اس پانی سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زرخیز کیا یعنی خشکی اور قحط سالی کے بعد قسم قسم کے پھول اور پھل اس میں اُگلنے (۶) اور ہر قسم کے جانور اس میں پھیلانے (۷) اور ہواؤں کے پھرنے میں کبھی مشرق کا چکر لگاتی ہیں اور کبھی مغرب کا اور کبھی شمال کا اور کبھی جنوب کا (۸) اور اس ابر میں کہ جو آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے حالانکہ ہزاروں پانی سے بھرا ہوا ہے باوجود اس عظیم ثقل کے زمین پر گر نہیں جاتا۔ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کے عجیب و غریب دلائل اور براہین ہیں ان لوگوں کے لیے جو اپنی عقل کو نظر اور فکر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدانیت اور رحمت پر مختلف طرح سے دلالت کرتی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) آسمانوں میں غور کیجئے کہ تمام آسمان حقیقت اور طبیعت جرمیہ کے اعتبار سے ایک ہیں مگر کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا۔ اور پھر کوکب اور نجوم، ثوابت اور سیارات، خمس و قمر اور زہرہ و درمزج اور مشتری میں غور کیجئے۔ ہر ایک کی شان جدا ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی حرکت جدا اور حرکت کی سمت اور جہت جدا ہر ایک کا ثرج جدا۔ ہر ایک کا طلوع اور غروب جدا۔ اس عجیب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی عظیم و قادر اور مدبر حکیم کے ہاتھ میں اکی باگ ہے کہ وہ محض اپنے ارادہ اور مشیت سے اس کارخانہ کو چارہا ہے اور کوئی اس کا شریک اور ہم نیم نہیں۔ ورنہ فلک اور خمس و قمر کی حرکات سے منافع عالم کام بوط ہونا یہ اس کی کمال رحمت کی دلیل ہے (۲) اور علیٰ ہذا زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت اور رحمت کی دلیل ہے۔ زمین کے قطعات کا مختلف اللون اور مختلف الخاصیت ہونا کہ کسی زمین سے گھاس پیدا اور کسی سے انسان۔ اور کسی سے بادام پیدا ہو اور کسی سے آم۔ کسی زمین کے بسنے والے عاقل اور کسی جگہ کے بسنے والے ایسے کو دن اور نادان کہ بعض چیزوں میں جو ان سے بہتر نیکے یہ اختلافات کہاں سے آئے اور کس طرح آئے۔ زمین کا مادہ اور طبیعت تو ایک ہی ہے وہ کون ذات ہے کہ جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو شور اور بنجر بنایا اور دوسرے کو مرہ ذل اور مرغزار بنایا یہ سب اسی عظیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس کی قدرت اور حکمت کے سمجھنے سے تمام عالم قاصر اور عاجز ہے یہ دلیل تو وحدانیت کی ہوئی اور زمین رحمت خداوندی کی دلیل اس طرح سے ہے کہ تمام عالم کے بسنے والے اسی زمین پر چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں اسی سے پیدا شدہ غذاؤں اور پھلوں

اور چشموں اور نہروں سے نفع اٹھاتے ہیں اور تمام سونا اور چاندی وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کانوں کا مختلف ہونا اسکی وحدانیت کی دلیل ہے اور ان کا نفع اور مفید ہونا اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ آسمان اور زمین علیحدہ علیحدہ بھی رحمت ہیں اور دونوں مل کر بھی رحمت ہیں اس لیے آسمان اور زمین کے اختلاط اور تقابل سے جو منافع اور فوائد پیدا ہوتے ہیں، ان کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

(۳) اور اسی طرح لیل و نہار کا مختلف ہونا کہ کبھی دن ہے کبھی رات۔ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا برعکس، کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے یا کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے اگر دن نہ ہوتا اور فقط رات ہوتی تو تمام عالم مدام غلٹ اور تاریکی کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا اور اگر رات نہ ہوتی فقط دن ہی دن ہوتا تو تمام عالم گرمی سے طبلا اٹھتا اور کھیتیاں جل کر خاک ہو جاتیں اور اس راحت اور آرام سے کہ جو رات کی نیند سے اسے حاصل ہوتا ہے تمام جہان یک لحظہ محروم ہو جاتا معلوم ہوا کہ لیل و نہار کا اختلاف جس طرح اسکی وحدانیت کی دلیل ہے اسی طرح اسکی رحمانیت کی بھی دلیل ہے۔

(۴) اور علیٰ ہذا جہاز اور کشتی بھی اسکی قدرت اور رحمت کی دلیل ہے۔ ایک تولہ لوہا یا تانبا ایک منٹ کے لیے پانی پر نہیں ٹھہرتا مگر جہاز اور کشتی کہ جس میں ہزار ہا من لوہا اور تانبا لدا ہوا ہوتا ہے ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہزار ہا میل طے کر کے صحیح و سالم پہنچتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔

(۵، ۶) اور علیٰ ہذا آسمان سے باران رحمت کا نازل ہونا اور زمین کا اس سے سرسبز اور شاداب ہو جانا اور قسم قسم کے شجار اور نباتات اور فواکہ اور غلات کا اس سے پیدا ہونا اور علیٰ ہذا اس سے حیوانات کا ایسا مختلف اللون پیدا ہونا کہ ایک کی شکل اور صورت دوسرے کی شکل اور صورت سے نہ ملے یہ بھی اس کی وحدانیت و رحمانیت کی دلیل ہے اس لیے کہ یہ اختلاف بے شمار فوائد اور منافع پر مشتمل ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے حیوانات دو قسم کے بنائے ایک تو وہ جو بطریق قولہ اور تناسل پیدا ہوتے ہیں جیسے انسان اور اونٹ اور بیل اور بکری۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو بطریق تولید پیدا ہوتے ہیں جیسے ہزار ہا حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور ہزار ہا پتھر اور جھینگر برسات کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی صورت اور شکل الگ اور ہر ایک کا رنگ الگ جس سے باہمی فرق اور امتیاز کا نفع اور فائدہ ہوتا ہے اور یہ حق تعالیٰ کی عظیم رحمت اور مہربانی ہے ورنہ اگر سب ایک رنگ اور ایک شکل کے ہوتے تو پہچاننا ممکن نہ تھا۔ اگر آدمی اور حیوانات باہم ممتاز نہ ہوتے تو کارخانہ معاش معطل و درہم برہم ہو جاتا ایک انسان کے چہرہ میں خود کرد کہ آنکھ بھی ہے اور کان بھی اور ناک بھی ہے اور زبان بھی، سر بھی ہے اور دماغ بھی۔ ایک عجیب و غریب تصویر ہے قوی عقلیہ اور سمیہ کا مجموعہ ہے اور خداوند ذوالجلال

کی قدرت اور کمال کا بے مثال آئینہ ہے اور آنکھ، کان اور زبان کے جو بے شمار فوائد و منافع ہیں وہ اُس رحمن و رحیم کی رحمت کاملہ کے دراصل اور براہین ہیں۔

کسی نے ناروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ شطرنج بھی عجیب کھیل ہے کہ باوجود مختصر سا طول و عرض ہونے کے ہزار مرتبہ بھی کھیلا جائے تو ایک بازی دوسری بازی کے موافق نہ پڑے گی۔ تو جواب میں فرمایا کہ انسان کا چہرہ اس سے بھی عجیب ہے کہ باوجود آنکھ اور ابرو اور کان اور زبان وغیرہ وغیرہ بھی اپنی معین جگہ سے مرتبہ تجاویز نہیں کرتے مگر بائیں ہمہ ہر فرد بشر ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہے۔ خداوند ذوالجلال کی اس تقدیر اور تدبیر بے نظیر سے کارخانہ عالم چل رہا ہے در نہ اگر سب ہم شکل ہوتے تو باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو نہ پہچانتا (تفسیر کبیر)

(۷) اور علی ہذا ہواؤں کا بدلنا اور گرمی سے سردی کی طرف اور سردی سے گرمی کی طرف ان کا پھیرنا اور کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی شمال سے جنوب کی طرف اُن کا چلنا یہ سب اس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور ہوا کا وجود عالم کے لیے عجیب رحمت ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اگر تین دن تک ہوا بند رہے تو سارا عالم متعفن اور بدبو دار ہو جاتے۔

(۸) اور علی ہذا بادل کا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رکھنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ باوجود یکہ بادل ہزار ہا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے مگر نیچے نہیں گرتا۔ بادل سر سے گزر رہا ہے مگر کسی کی جان نہیں کہ اس میں سے ایک گلاس پانی ہی نکال لے، جہاں حکم ہو گا وہیں جا کر رہے گا۔ یہ آٹھ دلیلیں ہیں جو حق تعالیٰ کی وحدانیت اور حسانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو پکڑتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو

أَنذَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو

أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ ۚ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ

اس سے زیادہ محبت ہے اللہ کی اور کبھی دیکھیں بے انصاف اس وقت کو جب کھیں گے

الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

عذاب کہ زور سارا اللہ کو ہے اور اللہ کی مار

العَذَابُ ①

سخت ہے

استجاب و استبعاد برائے خداوند بعد واضح شدن وحدانیت رب عباد

قُلْ تَعَالَىٰ وَهِيَ السَّامِيَّةُ مَن يَتَّخِذُ الْحَب قَوْلَ اللَّهِ شَدِيدُ الْعَذَابِ .
 (رابطہ گزشتہ آیات میں اہل عقل اور اہل نظر کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں بدخلوں کا بیان ہے کہ جب اللہ کی وحدانیت اور سبکی رحمانیت کے دلائل اظہار من الشمس ہیں تو عقل کا مقتضی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت اور محبت کے ساتھ مخصوص کرتے۔ اور لیکن بعض آدمی ظاہراً انسانی عقل و شعور رکھتے ہیں اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں مگر خدا آدمیت اور دائرۃ انسانیت سے باہر ہیں کہ اللہ کے سوا جو کہ منعم حقیقی ہے ایسے ہم سر اور شریک بناتے ہیں جو خداوند ذوالجلال سے اس درجہ فروتر اور کمتر ہیں کہ خدا سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ دلائل اور براہین سے تو یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک بھی شریک اور ہمسر نہیں ہو سکتا اور یہ لوگ اس درجہ بے عقل ہیں کہ ایک شریک اور ایک ہمسر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ خدا کے لیے بہت سے شرکار اور ہمسر بناتے ہیں اور خدا کے مثل اور برابر انکو محبوب رکھتے ہیں اور خدا کی طرح ان کی تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں اور خدا کے حکم کی طرح انکے حکموں کو سب سے چون و چرا واجب اطاعت سمجھتے ہیں اور ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کی محبت اور اطاعت میں فرق ہو نا چاہیے۔ اس لیے اہل ایمان اگرچہ بعض چیزوں کو مشرعاً و طبعاً محبوب رکھتے ہیں مگر اس درجہ محبوب نہیں رکھتے کہ ان کو خدا کے برابر کر دیں بلکہ وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت اور محکم ہیں اس لیے کہ دنیا میں جو بھی فضل و کمال یا جود و نوال ہے اسکا منبع اور سرچشمہ خداوند ذوالجلال ہے اور مخلوق اسکا عکس اور پرتو ہے اس لیے اہل ایمان خالق کو بالذات محبوب اور مخلوق کو بالعرض محبوب رکھتے ہیں اس لیے کہ محبت۔ محبوب کی عزت اور کمال کے مطابق ہوتی ہے اور عزت اور کمال اور جود و نوال میں خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں وہی منعم حقیقی ہے اس لیے راحت اور شدت، بیماری اور تندرستی، شادی اور غمی کسی حال میں بھی اہل ایمان کی محبت اللہ سے کم نہیں ہوتی۔ بخلاف مشرکین کے کہ جب اپنے مبودوں سے ناامید ہو جاتے ہیں تو ان سے مٹھ پھیر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ اَللّٰهُ دَاكِرًا لِّمَن يَخْشٰهُ ۚ اَللّٰهُ مُخْلِصٌ لِّمَن يَّهْتَدِ ۚ اَللّٰهُ يَذَرُ الْفٰسِقِيْنَ ۔
 اور اگر یہ عالم کہ جنہوں نے خدا کا شریک اور ہمسر بنا کر اپنی جانوں پر ظلم و ستم

کی اس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت انکو عذاب الہی کا مشاہدہ ہوگا تو انکو خوب معلوم ہو جائے کہ سارا رور اللہ ہی کے لیے ہے اور تمام کائنات ضعیف اور عاجز ہے اور سب اللہ کے قہر اور غلبہ کے نیچے دبے ہوئے ہیں سوائے اسکے کوئی بھی نفع اور ضرر کا مالک نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ کوئی بت اور کوئی معبود کسی کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

جب لگ ہو جاویں جن کے ساتھ ہوئے تھے اپنے ساتھ والوں سے

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٣٦﴾

اور دیکھیں عذاب اور ٹوٹ جاویں، نیکے سب طرف کے ملتے

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ

اور کہیں گے ساتھ بچکانے والے کاش کہ ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ

كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ

میر جاویں ان سے جیسے یہ الگ ہو گئے ہم سے اسی طرح دکھاتا ہے اللہ انکو کام انکے افسوس

عَلَيْهِمْ^ط وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ^ع

دلائل کو اور ان کو نکالنا نہیں آگ سے

۱۲

سے بدل رہے اور ظاہر ہے یہ آخرت میں ہوگی اور بدل

2)

اور مہدیؑ منہ متحد ہو جس لہذا اذیوں العذاب

انجامِ شرک

قَالَ تَعَالَى اِذْ تَخَرَّجَ الَّذِي تَشْتَعُونَ مِنَ الدِّينِ اَتَشْعُونَ... اِلَى وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنَ النَّارِ
اور میں شدید عذاب کا وقت۔ وہ وقت ہو گا کہ جب پیشوا اپنے پیروؤں سے الگ اور بیزار ہو جائیں گے اور تابع اور متبع، گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے دونوں فریق عذابِ خداوندی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔ اور دنیا میں جو باہمی تعلقات تھے وہ اس روز سب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی تابع رہے گا اور نہ کوئی متبع ہر ایک جرم میں شریک ہو گا سب پر فرد جرم لگ چکی ہوگی۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی لیکن اس وقت یہ تیری اور بیزاری ذرہ برابر مفید نہ ہوگی۔ سب کف افسوس ملیں گے۔ اور جن لوگوں نے دوسروں کی پردی کی تھی اور دوسروں کے بہکانے سے کفر اور شرک کیا تھا وہ اس وقت جھنجھلا کر یہ کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک دفعہ دنیا میں لوٹنے کا موقع ملے تو ہم بھی ان سے اپنا بدلہ لیں اور ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوں جس طرح یہ لوگ ہم سے بیزار ہوئے۔ مگر اس بیزاری سے انکو سوائے حسرت کے کوئی فائدہ نہ ہو گا اور قیامت کے دن فقط یہی ایک حسرت نہ ہوگی بلکہ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا۔ قیامت کے دن ان کے تمام صدقات اور قربات ایک ایک کر کے ضائع اور رائیگاں ہوں گے اور حسرتوں کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اور یہ لوگ تو کبھی دوزخ سے نکلیں گے ہی نہیں کیونکہ شرک کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ گنہگار مسلمان انبیاء اور صلحاء کی شفاعت سے بعد چند سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔

فائدہ | چونکہ مسند الیہ کی تقدیم مفید صحت ہوتی ہے اس لیے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ عدم خروج من النار۔ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے علاوہ کوئی فریق ایسا بھی ہے جو کہ بعد چند سے دوزخ سے نکالا جائے گا وہ گنہگار مسلمانوں کا فریق ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا

اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال ہے اور نہ

تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا

چلو قدموں پر شیطان کے وہ تمہارا دشمن ہے صریح وہ تو یہی

نہ اشارۃً اِلَى اِدْتِمَارِ الدِّينِ اِتَّبِعُوا مَدَلَّ مِنْ اِذْيِ يَوْمِ الْعَذَابِ - ۱۲

يَا مَرْكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

حکم کرے گا تمکو برے کام اور بے حیائی اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر

مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ

جو تم کو معلوم نہیں اور جو ان کو کہے چلو اس پر جو نازل کیا

اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ

اللہ نے کہیں نہیں ہم چلیں گے اس پر جس پر دیکھا اپنے باپ دادا کو بھلا

لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

اگرچہ انکے باپ دادا نہ عقل رکھتے ہوں کچھ نہ راہ کی خبر

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا

اور مثال ان منکروں کی جیسے مثال ایک شخص کی کہ جلاتا ہے ایک

لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ط صُمُّ بَكْمٌ عُمِيٌّ

چیز کو جو سنتی نہیں مگر پکارنا اور چلاتا نہ سنے نہ بولے نہ سمجھے

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾

سو ان کو عقل نہیں

خَطَابُ عَامٍ وَتَذْكِيرُ انْعَامٍ وَابْطَالُ رُسُومِ شُرْكَیَّةٍ وَتَفْصِيلُ حَلَالٍ وَحَرَامٍ

قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا... إلخ... فَلَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾

(رابطہ گزشتہ آیات میں عقیدہ شرک کی قباحت اور شرکین کی تفسیر و تہلیل فرمائی۔ اب آئندہ آیات

میں رسوم شرکیہ اور اعمال کفریہ کا ابطال اور حلال و حرام کی تفصیل فرماتے ہیں۔

(رابطہ دیگر گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا معبود برحق اور رحمن و رحیم ہونا بیان فرمایا۔ ان آیات

میں حق تعالیٰ کا رازق ہونا بیان فرماتے ہیں کہ وہی رازق ہے اور وہی تمام اوراق کا خالق ہے جس چیز کو

وہ حلال کرے وہ حلال ہے اور جس چیز کے استعان کو منع فرمائے وہ حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسے لوگوں جب تک کہ یہ معلوم ہو گیا کہ گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کا انجام سوائے حسرت کے کچھ نہیں تو اپنے پیشواؤں کی رائے پر امت چلو اور ان کے کہنے سے کسی چیز کو اپنے اوپر حلال اور حرام نہ کرو۔ کیونکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی ہمسری ہے حلال و حرام ہونا محض اللہ کے حکم کے تابع ہے اس لیے کہ سب چیزیں اللہ ہی کی ملک میں کسی کو اللہ کی ملک میں تصرف کا حق حاصل نہیں کہ حلت و حرمت کا حکم لگائے۔ ہذا تم اس فعل قبیح سے توبہ کرو اور کھاؤ اس چیز سے جو اللہ کی زمین میں پیدا ہوئی بشرطیکہ وہ حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی ہو۔ اور حلال وہ ہے کہ جس کی شریعت نے ممانعت نہ کی ہو اور طیب وہ ہے جو بالکل پاک اور صاف ہو کسی غیر کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔ مثلاً غصب اور خیانت اور رشوت اور سود یا کسی اور ناجائز طریقہ سے اسکو حاصل نہ کیا گیا ہو اس لیے کہ جو چیز فی حد ذاتہ حلال ہو مگر دوسرے کا حق اسکے ساتھ متعلق ہو تو اسکا کھانا بھی جائز نہیں جیسے کوئی شے اصل میں تو پاک ہو اور بعد میں نجاست آلود ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں رہتا۔ اور حلت و حرمت میں اللہ کے حکم کا اتباع کرو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے شیطان و وسوسوں کی بنا پر اسکے کھانے سے پرہیز نہ کرو تحقیق وہ شیطان تمہارا قذبحی اور کھلا دشمن ہے اسکے کہنے میں نہ آنا دشمنی میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتا ہے جزایں نیست کہ وہ تمکو برائی کا حکم دیتا ہے تاکہ عذاب آخرت کے مستحق ہو جاؤ اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے تاکہ مخلوق کی نظر میں بھی حقیر ہو جاؤ۔

ف (۱) سود کا تعلق افعال سے ہے اور فحشاء کا تعلق اخلاق سے ہے۔ اور نیز شیطان تم کو اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بائیں لگاؤ جن کا تم کو علم نہیں۔ ایسے عقائد و اعمال کی تمکو تلقین کرتا ہے جنکی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

ف (۲) بدعت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ جس کام کو اللہ نے موجب ثواب قرار نہیں دیا اس کام کو بلا دلیل شرعی موجب ثواب قرار دے۔

ف (۳) شیطان کبھی نیک کام کا بھی حکم کرتا ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ شیطان انکو تنہجہ یا صبح کی نماز کے لیے جگہ لے یا سووہ اس آیت کے معارض نہیں اس لیے کہ شیطان اگرچہ ظاہر میں نیک کام کا حکم کرتا ہے لیکن مقصود سکا بدی ہوتا ہے کہ یہ شخص اگر گناہ نہیں کرتا تو کم از کم اس کو چھوٹی طاعت میں لگا دیا جاوے تاکہ بڑی عبادت کر کے اجر عظیم نہ حاصل کر سکے۔

ظ ہر چہ گیرد علی غلت نشود

اور یہ لوگ دامِ شیطانی میں اس درجہ گرفتار ہیں کہ آبائی رسوم کو حکم خداوندی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کا اتباع کرو اور اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ دو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم کو نہیں جانتے بلکہ ہم اس رسم کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے

آبادِ اجداد کو پایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ دنیاوی امور میں اگرچہ بڑے عاقل اور ہوشیار ہیں لیکن دین اور آخرت کی عقل سے کورے ہیں۔ شجر اور حجر کو خدا بناتے ہوئے ہیں۔ دانا یا بے فرنگ کو دیکھ لو جسکی عقل کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بچ رہا ہے وہ تین میں ایک اور ایک میں تین کے قائل ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آبادِ اجداد عقل بھی رکھتے ہوں اور ہدایت یافتہ بھی ہوں اور ما انزل اللہ کے اشارات اور کنایات کو خوب سمجھتے ہوں تو ایسے آباؤ اجداد کا اتباع اور تقلید عین عقل اور عین ہدایت بلکہ عین ما انزل اللہ کا اتباع ہے۔ حکیم خداوندی کے خلاف کسی کا اتباع بلاشبہ گمراہی ہے لیکن حکم خداوندی کے سمجھنے کے لیے اگر کم عقل والا اپنے سے زیادہ عقل والے کا اتباع کرے تو عین ہدایت اور مقصی عقل ہے آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ فقط بے عقل ہی نہیں بلکہ فی الحقیقت حدودِ انسانیت سے خارج ہیں جانوروں کی طرح ہیں اشیاء کے حسن و قبح اور نفع اور ضرر کو نہیں سمجھتے۔ البتہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ کون سا گھاس اچھا ہے اور کون سا گھاس کڑوا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ داعی حق کے اعتبار سے ان کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو بھید بکریوں اور جانوروں کو چلا چلا کر پکار رہا ہو اور وہ جانور سوائے بلائے و پرکارنے کے کچھ نہ سمجھتا ہو۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ واعظ اور ناصح کی آواز تو سنتے ہیں مگر اسکی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں سنتے ہیں مگر حقیقت میں بہرے ہیں کلمہ حق شن نہیں سکتے باطل کے حق میں بڑے متقرر ہیں لیکن حق کے حق میں گونگے ہیں۔ حق بات زبان سے نہیں نکل سکتی۔ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر دل کے اندھے ہیں حق اور باطل کا فرق نظر نہیں آتا۔ پس اس لیے کہ ان کے تمام حواس جو عقل کے مہادی اور مقدمات ہیں وہ سب مختل بلکہ گم ہیں۔ اس لیے یہ لوگ حق اور ہدایت کو کچھ نہیں سمجھتے۔ پس یہ لوگ جانوروں کی طرح عقل معاش رکھتے ہیں آخرت کی عقل سے عاری اور کورے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ ستھری چیزیں جو تمکو روزی دی ہم نے

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۴۱﴾

اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو یہی

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ

حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور

مَا أَهْلٌ بِهِ يَغَيِّرُ اللَّهُ فَمَنْ اضْطَرَّ غَيْرَ

جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کا پھر جو کوئی پھنسا ہو نہ

بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِشْمَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

بے حکمی کرتا ہے اور نہ زیادتی تو اس پر نہیں گناہ تحقیق اللہ بخشنے والا

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۲﴾

مہربان ہے

خطاب خاص بہ اہل اختصاص

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ... الى... إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

(رابطہ) گزشتہ آیات میں خطاب عام تھا۔ اور اس آیت میں خاص اہل ایمان کو خطاب ہے۔ اشارہ اس

طرف ہے کہ ایمان اور محبت خداوندی کا اقتضام یہ ہے کہ خدا کے رزق کو کھاؤ اور شکر کرو۔ كُلُوا

مِن رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ۔ الایۃ نعمت کے استعمال سے منعم کی محبت پیدا

ہوتی ہے اور شکر کرنے سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ اکل حلال سے

دعا اور عبادت قبول ہوتی ہے۔ اور اکل حرام سے دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اکل حلال سے ستیاب

الدعوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! ایمان اور محبت کا یہ مقتضی نہیں کہ تم اپنے

خیال سے لذیذ اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دو اور اس کو عبادت سمجھنے لگو بلکہ مقتضائے ایمان اور محبت یہ

ہے کہ جو حلال اور پاک چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں انکو رغبت کے ساتھ کھاؤ۔ عاشق تو معشوق کے

ہاتھ کی دی ہوئی تلخ چیز کو بھی شیریں سمجھ کر کھاتا ہے تو ہمارے رزق کو اس خیال سے کھاؤ کہ ہم نے تم کو

یہ رزق دیا ہے۔ اسباب اور وسائط کو محض پردہ سمجھو اصل مالک اور معطی ہم ہیں۔ عطیہ کے

ساتھ بے رغبتی معطی کے ساتھ بے رغبتی کو موہم ہے لہذا منعم حقیقی کی طرف سے جو نعمت

آئے اس کو بعد شوق در رغبت استعمال کرو۔ تاکہ منعم تم سے راضی ہو۔ اور یہ مدت سمجھو کہ پاکیزہ چیزوں کے

استعمال سے حظ نفس میں گرفتار ہو جائیں گے جو عبادت سے غفلت کا سبب بنے گا۔ اس کی تدبیر یہ

کرو کہ تم اللہ کا شکر کرو تاکہ تمہاری یہ لذت عین عبادت بن جائے کیونکہ پاکیزہ رزق کھانے سے اللہ کی

محبت پیدا ہوگی در محبت سے شکر نکلے گا اور شکر ایک عظیم عبادت ہے جس سے اللہ کی نعمت اور

عنايت میں زیادتی ہوتی ہے اس طرح تم لذت کو عبادت بنا سکتے ہو اگر تم خالص اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اپنے خیال کو اس میں دخل نہ دو اس لیے کہ عبادت سے مقصود رضا حق ہے وہ جس طرح بھی حاصل ہو۔

چون طبع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
الغرض پاکیزہ چیزوں کا کھانا ایمان اور محبت کے منافی نہیں۔ البتہ حرام چیزوں کا استعمال اللہ کی ناراضی اور اس سے دوری کا سبب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں جزایں نیست کہ، اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف ایسی چیزوں کو حرام فرمایا جو جسمانی اور روحانی حیثیت سے تمہارے لیے مضر ہیں۔ ایک مردار کو جو خود بخود مر گیا ہو یا شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور جیتے ہوئے خون کو اور خنزیر کے گوشت کو کیونکہ یہ جانور حرام اور بے حیائی اور بے غیرتی اور نجاست خوری میں مشہور ہے جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں ان سے حیا اور عزت و ناموس بچھٹ ہو جاتی ہے۔ نیز یہ جانور انسان کے فضلہ کو بہت رغبت کیساتھ کھاتا ہے اور فضلہ انسانی خنزیر کی خاص خوراک ہے اور اس کا گوشت پوست زیادہ تر فضلہ انسانی سے پیدا ہوتا ہے لہذا خنزیر کا گوشت کھانا گویا کہ اپنا ہی فضلہ کھانا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس کی نہیت فرمایا **فَانْهَیْکُمْ عَنْ کُلِّ مَعْصِیَۃٍ** یعنی یہ نجس المعین ہے۔

اور حرام کیا اللہ نے اس جانور کو کہ جو بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو جس جانور کی جان کو اللہ کے سوا کسی بت یا کسی نبی یا ولی کی روح کے لیے نذر کر دیا جائے اور ان کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس کو ذبح کیا جائے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اس لیے کہ جانور کی جان صرف اللہ کی ملک ہے آدمی کی ملک نہیں کہ دوسرے کو بخش دے اس لیے جانور کی جان کو غیر اللہ کے نام زد کر دینا صریح شرک ہے اور ظاہر ہے کہ شرک کی نجاست اور گندگی تمام نجاستوں سے زیادہ سخت ہے لہذا جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے تو اس شرک کی نجاست اور نجاست اس جانور میں اس درجہ سمراہیت کر جاتی ہے کہ اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لیا جائے تب بھی وہ جانور حلال نہیں ہوتا جیسے کہ اود سور خدا کا نام میکر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ آخر مردار اسی وجہ سے تو حرام ہے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ لہذا جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔ البتہ اگر غیر اللہ کے نام زد کرنے کے بعد ذبح سے پہلے ہی اپنی اس فاسد نیت سے توبہ کر لے اور اس ارادہ نامد سے رجوع کر لے تو پھر وہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

لعن اللہ من ذبح
لغير اللہ
اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو غیر اللہ
کی تعظیم اور تقرب کی نیت سے جانور
ذبح کرے۔

غیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ نیت غیر اللہ کی ہو۔ خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ اسی طرح
مَا اُھْلَیْ بِہِ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے معنی یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے نام زد کیا گیا ہو جس سے مقصود غیر اللہ

کی تعظیم ہو وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔ یہ غلط قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ در سب جگہ مَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ فرمایا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا ہاذا بح باسم غیر اللہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ غیر اللہ کا نام لیکر ذبح کرنا اور ہے اور غیر اللہ کے تقرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنا اور ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے لیس اللہ اور باسم غیر اللہ کا فرق معمولی استعداد والوں پر بھی مخفی نہیں۔ اہلال کے غوی معنی عربی زبان میں شہرت اور آواز دینے کے ہیں۔ لفظ اہلال لغت عرب میں ذبح کے معنی میں نہیں آتا۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں مَا أَهْلَ لَعْنَةُ اللَّهِ کے بعد ہاذا بح علی النصب کو علیہ ذکر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اہلال لغیر اللہ اور شے ہے اور ذبح لغیر اللہ اور شے ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ فرماتے آیت مَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ کی تفسیر میں ۵۵ صفحہ کا ایک طویل مکتوب تحریر فرمایا ہے جو فارسی میں ہے اور عجیب و غریب حقائق و معارف پر مشتمل ہے اس وقت ہم اس کا خاص اور اہم اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ دہو ہذا۔

”و حلت اور حرمت کا دار مدار نیت پر ہے اور ذکر لسانی اس نیت قلبی کا ترجمان ہے اس لیے بغیر ذکر لسانی نیت قلبی کی اطلاع ممکن ہے۔ حدیث میں ہے۔ اذھا الا اعمال بالنیات عمل کی حقیقت یہی نیت قلبی ہے اور حرکات خاصہ صورت عمل ہیں اگر عمل ہے اور نیت نہیں تو جسم بے جان ہے اور کسرا بے بقیۃ ۱۰ بحسبہ الظہان ۱۰ ہاذا کا مصداق ہے معلوم ہوا کہ حلت اور حرمت کی علت ذبح کے وقت فقط زبان سے اللہ یا غیر اللہ کا نام لینا نہیں بلکہ حلت کی اصل علت خاص اللہ کی نیت ہے اور حرمت کی اصل علت بغیر اللہ کی نیت ہے اور آیت فَكُلُوا حَتَّىٰ تَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِنْ كُنْتُمْ بَالِغِيْهِمْ هُوَ مِنْ بَيْنِیْ۔ میں فقط ذکر لسانی مرد نہیں اس لیے کہ اصل ذکر اور ذکر حقیقی وہ ذکر قلبی ہے اور ذکر لسانی کو اس لیے ذکر کہا جاتا ہے کہ وہ ذکر قلبی کا ترجمان ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص دن سے کسی کی یاد میں محو ہو اور زبان سے ساکت ہو تو وہ ذکر سمجھا جاتا ہے لیکن اگر زبان سے کسی کا نام لے اور دن میں کوئی اور بسا ہوا ہو تو حقیقت شناس لوگوں کے نزدیک یاد کرنے والوں میں اسکا شمار نہیں ہو سکتا نیت قلبی ایمان کی طرح باطنی ہے اور ذکر لسانی کلمہ شہادت کی طرح اسکا ترجمان ہے۔ کلمہ شہادت کو ایمان کی حقیقت نہیں کہا جاسکتا ورنہ لازم آئیگا کہ مومن کلمہ اسلام کے تلفظ کے وقت مومن ہوا و اس تلفظ سے پہلے مومن نہ ہوا اسی طرح جس شخص سے کسی جانور کے متعلق نیت تو غیر اللہ کی کی اور اس جانور کو غیر خدا کے لیے تجویز کر دیا مگر ذبح کے وقت زبان سے نام اللہ کا یا تو اسکا اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ تقرب غیر اللہ کی نیت کے بعد ذبح کے وقت محض زبان سے اللہ کا نام لینا عمل بے روح ہے۔

مشرکین عرب، نیت بھی غیر اللہ ہی کی کرتے تھے اور ذبح کے وقت بھی نام غیر اللہ ہی کا لیتے تھے اور مومنین مخلصین نیت بھی خاص اللہ ہی کی کرتے تھے اور نام بھی خاص اللہ ہی کا لیتے تھے۔ بتدعین نیت تو

کرتے ہیں غیر اللہ کی۔ اور ذبح کے وقت نام لیتے ہیں اللہ کا۔ یہ بین بین صورت شرک بھی ہے اور فاق بھی ہے کہ صورت توحید کی ہے اور معنی شرک کے ہیں۔ اس تیسری قسم کا مصداق اس امت کے مشرک ہیں۔ وَ مَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ ۵

بر زباں تسبیح و در دل گاوخر ۶ ایں جنیں تسبیح کے دارد اثر

اول کی دو صورتوں میں ظاہر اور باطن میں کوئی تخالف نہیں اس لیے اسکا حکم ظاہر ہے اور اس تیسری صورت میں ظاہر اور باطن میں تخالف ہے اس لیے کہ باطن میں نیت تو ہے غیر اللہ کی اور ظاہر میں ذبح کے وقت نام ہے اللہ کا۔ اس لیے اعتبار ظاہر کا نہ ہوگا۔ ایسا جانور اگرچہ ظاہر میں فَكُلُوا مِنَّمَا ذَكَّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ کی قسم سے معلوم ہوتا ہے لیکن باطن اور حقیقت میں لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَكُمْ يَذْكُرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ کے قبیل سے ہے جس کا متفقہ صریح ممانعت اور حرمت ہے ذکر لسانی کو اگر حلت اور حرمت میں دخل ہے تو باعتبار صورت کہ ہے اور مرتبہ ثانیہ میں ہے۔ اور ذکر پنهانی اور نیت اندرونی کو باعتبار حقیقت کے مرتبہ اولیٰ میں دخل ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حلت و حرمت میں ذکر لسانی کو تو دخل ہو اور ذکر پنهانی کو اسمیں دخل نہ ہو۔ پس جس جانور میں نیت تو غیر اللہ کی ہو اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تو اسکی حقیقت تو دوسری قسم کی ہوگی اور صورت دوسری قسم کی ہوگی۔ اور جب صورت اور حقیقت میں تضاد اور تخالف ہو تو ترجیح حقیقت کو ہوگی۔

نیز جان کی نذر اللہ تلے ہی کے لیے مخصوص ہے غیر اللہ کے لیے جان کی نذر جائز نہیں۔ اور اگر بالفرض جان کی نذر غیر اللہ کے لیے جائز ہوتی تو قربانی من جملہ عبادات کے نہ ہوتی اور قربانی اور غیر قربانی کے احکام نیت کے فرق پر مبنی ہیں۔

بطور احتمال عقلی یہاں ایک چوتھی قسم اور بھی نکل سکتی ہے جو اس قسم ثالث کا بالکل عکس ہے وہ یہ کہ نیت تو ہے خاص اللہ کے لیے نذر کی مگر ذبح کے وقت نام لیا جائے غیر اللہ کا یہ قسم آج تک کبھی وجود میں نہیں آئی بعض احتمال عقلی کا درجہ ہے وجود نفس الامری سے اس کو کوئی حقتہ نہیں ملا۔ نیز جاننا چاہیے کہ آیت شریفہ مَا أَهْلًا بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ میں اہلال باعتبار زمانہ کے عام ہے وقت ذبح کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں اور جن حضرات مفسرین نے عند الذبح زیادہ فرمایا ہے انکی مراد تقیید اور تخصیص نہیں بلکہ یہ لفظ اس لیے زیادہ کیا ہے کہ نیت سابقہ کا علم اور ظہور ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے تقرب کی نیت ہے تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لے گا۔ اور اگر غیر اللہ کی نیت کی ہے تو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے گا۔ نزول آیت کے زمانہ میں اللہ کی نذر اور غیر اللہ کی نذر میں امتیاز اور فرق اسی طرح ہوتا تھا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کی نذر ہے اور غیر اللہ کا نام لیا تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی نذر ہے اور مشرکین امت کی یہ تیسری قسم کہ نیت تو غیر اللہ کی و ذبح کے وقت نام ہو اللہ کا یہ قسم اس زمانہ میں موجود ہی نہ تھی۔ یہ شرک اور توحید کا معجون مرکب بعد میں نمودار ہوا۔ یہ ہیں مبنی تم اگر ظاہر اور صورت کے اعتبار سے جائز ہوگی تو باطن اور

حقیقت کے اعتبار سے ناجائز ہوگی۔ حاصل یہ کہ عند الذبح کی قید اس زمانے کے دستور کی طرف اشارہ کے لیے ہے احترازی قید نہیں عند الذبح کی قید اس لیے ذکر فرمائی ہے کہ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر کسی نے حیوان کو غیر اللہ کے نام زد کیا اور غیر خدا کے تقرب کی نیت کی تو اس جانور کی حرمت اس شرط پر موقوف ہے کہ اس کی یہ نیت ذبح کے وقت تک باقی رہے اور اگر ذبح سے پہلے اس نیت فاسد ہو کر رہے اور اللہ کے نام پر ذبح کرے تو پھر یہ جانور حرام نہ رہے گا بلکہ حلال ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ عند الذبح کی قید نیت اور فعل ذبح میں تقارن اور اتصال کے بیان کرنے کے لیے ہے اور بعد نیت اور تغیر مادہ سے احتراز کے لیے ہے کہ اگر غیر اللہ کی نیت فعل ذبح کے ساتھ متصل اور مقرون ہے تب تو وہ جانور حرام ہے اور اگر ذبح سے پہلے نیت بدل جائے تو حرمت بھی مبدل بہ حلت ہو جائے گی۔

فیہ عند الذبح میں لفظ عند ظرف زمان ہے جو محض اقتران پر دلالت کرتا ہے علیت پر دلالت نہیں کرتا اور حکم حلت و حرمت کا دار و مدار علت پر ہے۔ ظرفیت زمانہ اور مکانیہ پر اس کا مدار نہیں اور یہاں حرمت کی علت اہلال بغیر اللہ ہے اور عند الذبح کی قید اہلال اور ذبح میں اقتران بیان کرنے کے لیے ہے یہی درمیان میں کوئی دوسری نیت فاصل اور متخیل نہیں۔ پس اگر علت یعنی نیت غیر اللہ ابتداء سے آخر تک یعنی وقت ذبح تک مستمر ہے تو حرمت بھی مستمر ہے اور اگر علت یعنی نیت بدل جائے تو محلول یعنی حرمت بھی بدل جائے گی۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ماہل بہ لغیر اللہ سے صرف وہی جانور مراد ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور تشبیہ سابق اور نیت متقدمہ کو حرمت میں کوئی دخل نہیں تب بھی اثبات حلت کے لیے کافی نہیں اس لیے کہ حرمت فقط مَا أَهْلَ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ میں منحصر نہیں۔ سرقہ اور غصب کا گوشت اور مردار و خود جانور کا گوشت بھی حلال نہیں حالانکہ وہ مَا أَهْلَ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ میں داخل نہیں اسی طرح یہ جانور اگرچہ ماہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہ ہو تب بھی حلال نہ ہو گا اس لیے کہ فقط غیر اللہ کے تقرب کی نیت حرمت کے لیے کافی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم (ماخوذ از مکتوب سوم از مکتوب قاسم العلوم)

الفرض حق جل شانہ نے ان چیزوں کو حرام فرمایا کہ یہ چیزیں گندی اور ناپاک ہیں ان چیزوں کے استعمال سے انسان کا قلب و دماغ کی روح گندہ اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ حلال چیزوں کے کھانے سے قلب میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور حرام چیزوں کے استعمال سے دماغ سے اللہ کی محبت رخصت ہو جاتی ہے اور قلب میں بگڑنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معصیت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ گندگی اور نجاست کا کھانا گندگی سے زندہ رہتا ہے۔ عطر و سنگھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے شدید مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کی حرمت میں کچھ سہولت اور رخصت عطا فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس جو شخص بھوک سے بہمت ہی مجبور اور لاچار ہو۔ اور دل اسکا ان چیزوں کے کھانے سے متنفر اور میزاد ہو پس اگر ایسا شخص ان میں سے کسی چیز کو کھائے

بشرطیکہ وہ طیب لذت نہ ہو اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرے والا جو یعنی سدر متق سے زیادہ نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اس لیے کہ خبیثیت اور گندی چیز کا بقدر ضرورت استعمال بجااست مجبوری، کہ ہر بہت قلب اور دل نفرت کے ساتھ روح اور قلب کو گندہ نہیں کرتا۔ لیکن آخر گندی چیز تو گندی ہی ہے اسکا کچھ نہ کچھ ضرر اور رنگ ضرور آئینکا مگر چونکہ یہ فعل بجااست مجبوری صادر ہوا ہے اس لیے حق تعالیٰ اس سے مواخذہ نہ فرمائیں گے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس ناچاری کی حالت میں جو گندی چیز استعمال کی ہے اس پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اور بڑے مہربان ہیں کہ اس پر بڑا رحم فرما با کہ اس بے چارگی کی حالت میں کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور

يَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي

بیتے ہیں اس پر مول تھوڑا وہ نہیں کھاتے اپنے

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ

پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت

الْقِيَمَةِ وَلَا يَزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

کے دن اور نہ سنوارے گا انکو اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰی

وہی ہیں جنہوں نے خرید کی گمراہی بد سے راہ کے اور مار

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۴۴﴾

بدلے ہر کے سو کیا سہار ہے انکو آگ کی

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ

یہ اس واسطے کہ اللہ نے اتاری کتاب سچی اور جنہوں نے



اِخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

کئی راہیں نکالیں کتاب میں وہ ضد میں درہم برہم ہیں

ذکر محرماتِ معنویہ مثل دینِ فردشی و حق پوشی

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ... إلخ... لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ
 (رابطہ) گذشتہ آیات میں محرماتِ حسیہ کا بیان تھا۔ ان آیات میں محرماتِ معنویہ کو بیان کرتے ہیں جو
 حرمت میں محرماتِ حسیہ سے بڑھ کر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق جو اہل کتاب بیتہ اور خنزیر کی حرمت پر
 اعتراض کرتے ہیں تعجب ہے کہ یہ لوگ اس علم کو چھپاتے ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے
 لیے امارا یہ اس علم کو چھپا کر مخلوق کو گمراہ کر رہے ہیں اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس امامت کی
 خیانت کے معاوضہ میں دنیا کا معمولی اور حقیر معاوضہ حاصل کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو ماں دین
 کو فروخت کر کے اور حق کو چھپا کر حاصل کیا جائے وہ مردار اور خنزیر سے زیادہ ناپاک ہے ایسے لوگ
 اپنے شکوک میں سوائے آگ کے کچھ نہیں بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بلا واسطہ
 کلام بھی نہیں کریں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن دربارِ عام ہوگا۔ مومن اور کافر۔ فاسق و فاجر سب جمع
 ہونگے اس دن کی ہم کلامی کوئی رتبہ اور شرف نہیں رکھتی۔ وہ دن تو عدالت اور فیصلہ کا ہوگا مجرم اور قصور دار
 بھی اسکا کلام سنیں گے لیکن یہ لوگ اس دن بھی کلامِ الہی سے محروم رہیں گے۔ غفہ اور سرزنش بھی بواسطہ فرشتوں
 کے ہوگی اور نہ اس دن انکو اللہ تعالیٰ پاک و صاف کریگا جیسے گناہِ مسلمانوں کو اس لیے عذاب دیا جائے
 گا کہ وہ پاک و صاف ہو کر داخل بہشت کے قابل ہو جائیں لیکن ان لوگوں کو اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ
 ہمیشہ تکلیف اور درد اٹھاتے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور ان کے لیے ہمیشہ کا دردناک عذاب ہوگا۔ یہ
 لوگ تو ایسے ہیں کہ جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں اور عذاب کو معصرت کے بدلہ میں ہزار رضاء و
 رغبت خرید لیا ہے یہ اس قابل نہیں کہ انکو پاک کیا جائے اور اللہ کے کلام سے انکو عزت بخشی جائے
 یا کم از کم انکو دردناک عذاب سے نجات ہی دے۔ ان لوگوں نے خود ہی اپنے لیے آگ کو پسند کیا ہے
 پس شاباش ہو انکی ہمت و جرات پر۔ یہ لوگ آگ پر بڑے ہی صبر کرنے والے ہیں اور تمام سزائیں اس لیے
 ہیں کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا تاکہ لوگوں پر حق واضح ہو اور تحقیق جن لوگوں نے ایسی کتاب
 میں بے راہی اختیار کی کہ اس کے مقصود ہی کو بدل دیا۔ اہمادِ حق کی بجائے کتمانِ حق کرنے لگے، تحقیق حق کے
 بجائے طمسِ حق کرنے لگے تو بلاشبہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی کھل مخالفت میں ہیں کہ جس کتاب کو ہدایت کے لیے
 نازل فرمایا تھا اسکو گمراہی کا ذریعہ بنالیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو فشارِ خداوندی کی کھم کھلا مخالفت کرے وہ

ایسی ہی سزاؤں کا ستم ہوگا۔



لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ

نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق یا مغرب

وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

کی طرف لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لادے اللہ اور

الْآخِرَةِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ

پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال

عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ

اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور

أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ

کھڑی رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے قرار کو

إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَ

جب قول کریں اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور

حِينَ الْبَأْسِ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۚ وَأُولَٰئِكَ

وقت لڑائی کے وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی

هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۰﴾

بچاؤ میں آئے

البواب البر والصلة

قال تعالى لَيْسَ إِلَهَ أَنْتَ لَوْلَا فَجُوهُكُمْ... الى... وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝
یہاں پہنچ کر سورۃ بقرہ نصف ہو جاتی ہے۔ ابتداء سورۃ سے یہاں تک کے نصف میں اُمت دعوت کو خطاب تھا۔ یعنی ان لوگوں کو خطاب اور عقاب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اور اس میں بھی زیادہ تر خطاب بنی اسرائیل کو رہا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے مگر چھپتے تھے اور اقرار نہیں کرتے تھے۔ اور اس اخیر نصف میں اُمت اجابت کو خطاب ہے اور مختلف قسم کے احکام کی تعلیم اور تعین ہے جو عبادات اور معاملات اور معاشرت وغیرہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس طرح سے یہ تفصیل اخیر سورۃ تک چلی گئی ہے۔

نیز سورۃ کے نصف اول میں زیادہ تر اصول دین اور ایمانیات کا بیان تھا اور اس اخیر نصف میں زیادہ تر احکام عملیہ کا بیان ہے۔ پھر جب ان احکام عملیہ کا آغاز فرمایا تو مجملًا ان تمام احکام کو لفظ بر سے تعبیر فرمایا جو بر بمعنی وسعت سے ماخوذ ہے یعنی حکام عملیہ کا ایک وسیع اور طویل و عریض سلسلہ جو نصف سورۃ سے شروع ہو کر اخیر سورۃ تک چلا گیا۔ پھر ان احکام عملیہ کے بیان میں عجیب ترتیب کو ملحوظ رکھا کہ پہلے اصول بر کو بیان فرمایا یعنی ایمانیات اور مکارم اخلاق کو بیان کیا جنکا شروع سورۃ میں یعنی الَّذِينَ يُكُونُونَ بِالْغَيْبِ الخ میں اجمالاً ذکر تھا اور پھر شروع بر کو بیان فرمایا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام عملیہ کے مجموعہ کو ”البواب البر والصلة“ سے موسوم اور ملقب کیا جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں اس عنوان سے ایک مستقل کتاب اور باب ہے۔ واللہ المہادی الی سواہ الطریق و بیہ ۵
ارمۃ التوفیق والتحقیق۔

اصول بر

(رابط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی حق پوشی اور رشوت ستانی اور ہدایت کے بدلہ میں ضلالت کو خریدنے کا بیان تھا اب آئندہ آیات میں اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب باوجود نفاق اور شنائع کے اپنے کو اہل بر و برادر میں سمجھتے اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ نجات کے لیے فقط استقبال قبلہ کافی ہے در یہ سب غلط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نیکی اور خوبی فقط اسکا نام نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو لیکن اصل نیکی یہ ہے کہ اپنے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو اور اس کی رضا اور اطاعت کو اپنا قبلہ توجہ بناؤ۔ اس لیے کہ اللہ کے نزدیک نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے یعنی ذات و صفات میں اس کو یکتا اور بیگانہ سمجھے اور آخری دن پر بھی یعنی قیامت کے آنے پر اور فرشتوں پر بھی ایمان

لائے۔ فرشتوں پر۔ ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ سمجھ کر وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں بغیر اسکی مرضی کے کچھ نہیں کرتے نور سے پیدا ہوئے کسی کے دو بازو ہیں اور کسی کے تین اور کسی کے چار اور کسی کے زیادہ ہیں۔ معصوم ہیں کھانے اور پینے سے پاک ہیں۔ اور تمام آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر بغیر تفریق کے ایمان لائے کہ جن کے واسطے سے اللہ کے صحیفے اور اسکے احکام ہم تک پہنچے جن میں بعض احکام۔ گزشتہ بعض احکام کے نسخ ہیں۔ ان تمام چیزوں کے اعتقاد میں ہر ہے۔ در اخلاق و اعمال میں ہر یہ ہے کہ مال کو باوجود محبوب اور ضرورت مند ہونے کے بلا تخصیص قربت داروں کو محض حق قربت کی وجہ سے دے تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کو جمع کر سکے اور یتیموں کو دے کہ جو بوجہ غمزدگاری کے کسب معاش نہیں کر سکتے اور بوجہ بے پردی کے کوئی انکا خبر گیراں نہیں اور ان غریب محتاجوں کو دے کہ جن کی آمدنی ان کے ضروری خرچ سے کم ہے اور صبر و سکون کی وجہ سے زدہ کسی سے سوال کرتے ہیں اور نہ انہما حاجت کرتے ہیں۔ اور مسافروں کو دے جنکے پاس سفر میں خرچ نہ رہا ہو اگرچہ وطن میں ماں ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ابن اسبیل سے مسافر مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن اسبیل سے یہاں مراد ہے۔ اور سوال کرنے والوں کو دے خواہ مسلمان ہوں یا کافر۔ اگرچہ ہمیں ان کی حاجت اور ضرورت کا علم نہ ہو۔ اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ بلا ضرورت کوئی عاقل سوال اور گدائی کی ذلت گوارا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار اور مال دے، گردنوں کے چھڑانے میں۔ یعنی غلاموں کے آزاد کرانے یا مسلمان قیدیوں کے چھڑانے میں جو کافروں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ یا قرض داروں کو قرض کی قید سے چھڑانے میں یا قیدیوں کے قیدیہ دینے میں اپنا مال خرچ کرے۔

یہ تو حقوق العباد میں بڑی یعنی نیکی کا بیان ہوا۔ اور حقوق اللہ میں برا اور نیکی یہ ہے کہ نماز کو قائم کرے اور تمام اعضا سے اللہ کا حق ادا کرے اور زکوٰۃ دے جو کہ مال میں اللہ کا حق ہے۔ یہ وہ خصال بڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کی ہیں۔ اب آئندہ آیات میں ان خصال بڑ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جن کو آدمی خود اپنے اوپر لازم کر لے۔ چنانچہ فرماتے اور وہ لوگ بھی نیک ہیں جو اپنے عہد کو وفا کریں جو اللہ سے یا مخلوق سے کیا ہے۔ اللہ سے جو نذر مانی ہے یا کسی سے کوئی عہد کیا ہے اس کا ایفا لازم ہے لیکن یہ واجب ہے کہ جس وقت عہد کیا ہے اسی وقت نیت وفا کی رکھیں۔ جو شخص عہد کرتے وقت نیت وفا کی رکھے وہ عہد اللہ و فاکر نے دلوں میں شمار ہوگا۔ اگرچہ بعد میں کسی مجبوری سے وفار عہد نہ کر سکے اور جس شخص نے عہد کرتے وقت وفار کی نیت نہیں کی لیکن بعد میں لوگوں کی علامت کی وجہ سے اپنے عہد کو پورا کیا تو یہ وفا

۱۔ سکوں کے لفظ میں مسکین کے مادہ کی طرف اشارہ ہے اور عدم مال میں لَا یَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا کی طرف اشارہ ہے۔ نیز حدیث میں ہے لیس المسکین الذی قودہ التمرۃ والتمرتان واللقمۃ واللقتان ولكن المسکین الذی لا یجد غی یغنیہ ولا یظن لہ فیتصدق علیہ۔

معتبر نہیں انہما الاعمال بالنیات وراہل بر میں ان لوگوں کا خاص طور پر شمار ہے جو صبر اور تحمل کرنے والے ہیں تنگ دستی اور شدت فقر میں اور حالت مرض میں اور بڑائی کے وقت میں انسان پر تین قسم کی مصیبتیں آتی ہیں مالی اور بدنی اور روحانی۔ فقر مالی مصیبت ہے اور مرض بدنی مصیبت ہے اور بڑائی میں چونکہ جان کا خطرہ ہے تو وہ روحانی مصیبت ہے اور صابر کامل وہ ہے جو تینوں مصیبتوں میں صبر کرے اور اگر بعض مصیبتوں پر صبر کرے اور بعض پر نہ کرے تو وہ صابر کامل نہیں ایسے ہی لوگ اعتقادات میں سچے ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی اور پرمیزگار ہیں جسکے اخلاق و اعمال درست ہیں ابراہل بر وہی لوگ ہیں جن میں یہ تمام اوصاف جمع ہوں۔ یہود و نصاریٰ کو نیکو کاری کا دعویٰ زیبا نہیں اس لیے کہ ان لوگوں کا نہ ایمان درست ہے اور نہ اخلاق و اعمال درست ہیں۔ ایمان بالا میں تو یہ تصور کیا کہ حضرت عزیر اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ نیز یہود نے یَسُوعَ بْنَ مَرْيَمَ عَلَیْہِ السَّلَامَ اور ان کے والدین کو اللہ کا بیٹا اور ان کے والدین کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ اور گوسالہ کو معبود بنایا اور اجعل لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ کہا۔ ورنصاری اتحاد اور حلول کے قائل ہوئے۔ اور ایمان معاد میں یہ تصور کیا کہ جنت کو اپنے لیے مخصوص کیا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هَؤُلَاءِ أَوْ نَصَارَى - وَقَالُوا لَنْ تَمْسِكَ الثَّارَ إِلَّا آبَاؤُنَا مَعْدُ وَكَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْمَلَائِكَةِ فِيهِ يَقُولُونَ كَيْفَ يُعْطِيهِمْ مِنْهُ ثَوَابًا إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ غَرِقَ؟ اور ایمان کتب میں یہ تصور کیا کہ دنیاوی منافع کے لیے اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور حق کو چھپایا۔ اور ایمان انبیاء میں یہ تصور کیا کہ انبیاء میں تفریق کی اور بہت سے نبیوں کو قتل کیا اور ان پر اطمینان نہ کیا۔ بات بات میں حضرات انبیاء سے جھجکتیں اور سختیں کیں، در دنیا کی محبت میں اس قدر غرق ہوئے کہ احکام الہی کو رشوت لیکر بدل ڈالا اور دین کو دنیا کے بدلہ میں فروخت کیا اور گم راہی کو ہدایت کے بدلہ میں خرید۔ اور بدرجہی توانکی معروف اور مشہور ہے اور بے صبری یہاں تک پہنچی کہ لَنْ تُصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَلَا حِدٍّ کہ دیا اور بزودی اس حد تک پہنچی کہ باوجود وعدۂ فتح کے اِذَا هَبَّتْ سُوءَاتُ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلْ إِنَّا هَاهُنَا قَائِمُونَ کہہ کر بیٹھ گئے۔ پھر کس بنا پر نیکو کاری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ معاہدہ کو دکھو کہ ہر چیز میں کام اور صادق ہیں۔ ایمان میں اور اخلاق میں اور اعمال میں۔ رضی اللہ عنہم ورضوانہ۔

ف اس آیت میں برکی چھ قسمیں بیان ہوئیں اول۔ ایمان کے اصول خمسہ۔ دوم۔ ایثار مال محبوب سونم اقامتہ صلوٰۃ۔ چہارم ایثار زکوٰۃ۔ پنجم۔ وفاء جہدِ ششم صبر علی الباساء والاضواء وحین الباس۔ پس جس نے ان چھ چیزوں کو مکمل کر لیا اُس نے برّ کو مکمل کر لیا اور ابرار کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

سے ایمان والو ! حکم ہو تم پر بدللا برابر

فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

مارے گیوں میں صاحب کے بدلے صاحب اور غلام کے بدلے غلام

وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ

اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف ہوا اس کے بھائی کی طرف سے

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۚ ذَٰلِكَ

کچھ ایک تو چاہیئے مرضی پر چلنا موافق دستور کے اور پہنچانا اسکو نیکی سے یہ آسانی

تَخْفِيفٌ مِّن رَّرِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۖ فَمِنْ أَعْتَدَىٰ بَعْدَ

ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو کوئی زیادتی کرے بعد اسکے

ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ

تو اسکو دکھ کی مار ہے اور تم کو قصاص میں

حَيَوةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۴۹﴾

زندگی ہے اے عقلمندو شاید تم بچتے رہو

فروع بر یعنی احکام عملیہ و فروعیہ کا بیان

قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ إلَى لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝
گزشتہ آیات میں اصول بر کا بیان تھا۔ اب اسکے بعد فروع بر یعنی احکام عملیہ و فروعیہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے۔ جس میں زیادہ تر احکام جزئیہ کا بیان ہے۔

اسے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے جو احکام
تمہارے لیے لکھ دیئے گئے ہیں اُن سے ہر مو تجاوز نہ کرو
حکم اول در بارہ قصاص | خصوصاً انہوں کے معاملہ میں خاص صبر سے کام لو اور جوش انتقام میں حدود و سترع سے تجاوز نہ کرو۔ مقتولین
بقتل عمد کے مارے میں تم پر مساوات اور برابری فرض کر دی گئی ہے۔ ایک مقتول کو دوسرے مقتول کے

برابر سمجھو۔ حسب اور نسب اور علم و فضل وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے قصاص میں شامل نہ کرو۔ جاہلیت کے دستور پر نہ چلو۔ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلہ میں رذیل لوگوں کے آزاد قتل کرتے تھے اور ایک عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرتے اور ایک مرد کے بدلہ میں کئی کئی آدمیوں کو قتل کرتے۔ اہل حق نے اس امتیاز کو ختم فرمادیا اور حکم دے دیا کہ جانیں سب کی برابر ہیں۔ قصاص کے بارے میں امیر اور غریب، شریف اور رذیل کا کوئی فرق نہیں ورنہ اگر قصاص میں اس قسم کے امتیازات کا لحاظ کیا جائے تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ آزاد برابر ہے آزاد کے۔ اگرچہ ایک امیر یا شریف ہو اور دوسرا فقیر یا رذیل ہو اور غلام برابر ہے غلام کے۔ اگرچہ ایک غلام کسی معمولی آدمی کا ہو اور دوسرا غلام بادشاہ کا ہو۔ اور عورت برابر ہے عورت کے اگرچہ ایک بیگم ہو اور دوسری مزدورنی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ضروری ہے اور جاہلیت کا یہ طریقہ کہ اشراف اپنے غلام کے عوض میں آزاد کو قتل کریں اور پنی عورتوں کے عوض میں مردوں کو قتل کریں اور ایک مرد کے عوض میں کئی کئی مردوں کو قتل کریں یہ ہرگز درست نہیں۔ جانیں سب برابر ہیں۔

یہ اس آیت کا ظاہری مدلول اور منطوق ہے۔ اور مفہوم مخالف اس آیت کا یہ ہے کہ غلام آزاد کے برابر نہیں اور عورت مرد کے برابر نہیں سو آیت کو یہ سمجھ سکتے ہیں کہ حکم سے ساکت ہے۔ ائمہ دین کا اس میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح غلام بدلہ میں آزاد کے اور عورت بدلہ میں مرد کے قتل کی جائے گی اسی طرح آزاد بدلہ میں غلام کے اور مرد بدلہ میں عورت کے قتل کیا جائے گا۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ آزاد کو بمقابلہ غلام اور مرد کو بمقابلہ عورت قتل نہ کیا جائے گا بلکہ دیت لے لی جائے گی۔ حنفیہ کہتے ہیں **الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** سے زمانہ جاہلیت کی رسم کو باطل کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود نہیں کہ غلام آزاد کے برابر نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ باندی اور آزاد عورت میں بھی فرق ہو اور آزاد مرد اور آزاد عورت میں بھی فرق ہو۔ حالانکہ باندی اور آزاد عورت میں بالاجماع کوئی فرق نہیں اور اسی طرح آزاد مرد اور آزاد عورت میں بالاتفاق کوئی فرق نہیں پس جس طرح باندی کا آزاد عورت سے قصاص لیا جاتا ہے اور آزاد عورت کا آزاد مرد سے قصاص لیا جاتا ہے اسی طرح غلام کا آزاد مرد سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

نیز شوافع کا یہ استدلال۔ آیت کے مخالف سے ہے اور مفہوم مخالف کی دالت اول تو ظنی ہے اور دوم یہ کہ مفہوم مخالف کا اعتبار اسی حد تک درست ہے کہ جب تک وہ مفہوم کسی دوسری نص صریح کے منطوق اور عموم کے منافی نہ ہو اور اس آیت کا مفہوم **النَّفْسُ بِالنَّفْسِ** اور حدیث **الْمُسْلِمُونَ قَتْلُكَ فَادِّمَاءَهُمْ** کے منافی ہے اس لیے اس جگہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہ ہو گا اور **الْحُرُّ**

بالْحُسْرِ الخ سے جو بظاہر قصہ مفہوم ہوتا ہے وہ قصہ اضافی پر محمول ہوگا۔ رسم جاہلیت کے مقابلہ میں قصہ مراد ہے قصہ حقیقی مراد نہیں۔

جاننا چاہئے کہ مقتولین میں نقطہ قصاص یعنی فقط جان لینے کے اعتبار سے برابری اور مساوات ہے قتل کی کیفیت میں مساوات اور برابری نہیں۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ آگ سے جلانے والے کو آگ میں جلایا جائے اور پانی میں غرق کرنے والے کو پانی میں غرق کر کے مارا جائے اور اگر کسی نے کسی کو جادو سے مارا ہے تو اسکو جادو سے مارا جائے۔ اس لیے فی القتل فرمایا فی القتل نہیں فرمایا مقتولین میں برابری ہے۔ کیفیت قتل میں برابری نہیں خوب سمجھ لو۔

فائدہ

اب قصاص کے بعد مسئلہ عفو کا بیان فرماتے ہیں پس جو شخص کہ اس کے لیے اس کے بھائی کی جانب سے اگر پوری معافی نہ ہو بلکہ کچھ ٹھوڑی سی بھی معافی ہو جائے یا اس طور کہ بعض وارث معاف کر دیں اور بعض نہ کریں تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائیگا اور دیت بذمہ قاتل واجب ہو جائے گی اس لیے کہ خون کوئی شئی منقسم نہیں کہ اسکا بعض حصہ تو لیا جائے اور بعض حصہ چھوڑا جائے اس لیے قصاص تو ساقط ہو جائے گا اور جن وارثوں نے خون معاف نہیں کیا ہے انکو بقدر انکے حصہ کے دیت دلائی جائے گی۔ ایسی صورت میں قاتل قصاص سے تو بری الذمہ ہو جائیگا البتہ اس کے ذمہ یہ واجب ہوگا کہ معاف کرنے والے کی مرضی کا اتباع کرے جو اس کی مرضی ہو اسکو قبول کرے بشرطیکہ وہ معمول شرع کے مطابق ہو ایسی شرط نہ ہو جو شریعت کے خلاف ہو مثلاً دلی مقتول۔ قاتل سے یہ کہے کہ اس شرط سے معاف کرتا ہوں کہ اپنے لڑکے کو میرا غلام بنائے یا اپنی دختر سے زنا کی اجازت دے۔ پس اس قسم کی غیر معقول شرطیں غیر مقبول ہیں اس میں اتباع ہرگز جائز نہیں اور نیز قاتل کے ذمہ یہ واجب ہے کہ جس چیز کا دینا قبول کیا ہے اس کو نیکی اور سلوک کے ساتھ معاف کر لے والے کی طرف ادا کر دے بلا تاخیر کے وقت مقررہ پر دیت کی پوری رقم ادا کر دے نہ ٹلے اور نہ اس کو پریشان کرے اور نہ کوئی دغل و فصل کرے یہ دیت اور عفو کی اجازت تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت اور مہربانی ہے ورنہ جرم کے لحاظ سے تو سوائے سزا کے قتل کے اور کوئی گنجائش نہ تھی۔ تخفیف یہ کہ یہود کی طرح قصاص کو جب اور نصاریٰ کی طرح عفو کو لازم نہیں قرار دیا مہربانی یہ ہے کہ قاتل، اولیا مقتول کی خوشامد کر کے معاف کرا لیں اور ان کو راضی کر لینے سے زندہ رہ سکتا ہے اور وراثت مقتول کو اگر حاجت ہو تو مالی لے لیں اور اگر ثواب آخرت کے طالب ہوں تو حصہ نہ خون معاف کر دیں پس جو شخص اس تخفیف اور رحمت کے بعد حد سے تجاوز کرے مثلاً معاف کرنے اور دیت لینے کے بعد جب قاتل مطمئن ہو جائے تو اسکو قتل کر دے یا قاتل دیت کا وعدہ کر کے فرار ہو جائے تو ایسے شخص کے لیے دردناک عذاب ہے اور قصاص میں اگرچہ بظاہر ایک جان جاتی ہے لیکن اس میں تمہاری بہت سی جانوں کی زندگی ہے۔ ایک جان لینے سے بہت سی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ یعنی قصاص میں اگرچہ بظاہر ایک جان جاتی ہے لیکن بہت سی جانیں اس سے محفوظ رہتی ہیں۔ قاتل گناہ سے پاک ہوا

اور عذاب دوزخ سے رہائی پائی اور حیات ابدی اسکو حاصل ہوئی اور مقتول اگر چہ مارا گیا لیکن جب اس کا عوض اور بدلہ سے لیا گیا تو اسکا مرنا رائیگاں نہیں گیا۔ دار ثمان مقتول کے لیے باعث عز و جاہ ہوا اور قصاص نے لینے سے وارثوں کا دل ٹھنڈا ہوا غصہ کی آگ بجھ گئی اور آئندہ کے لیے کشت و خون کا سلسلہ بند ہوا فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے پس اس حکم کا مشروع ہونا خلائق کے لیے موجب رحمت اور سرمایہ زندگی ہوا اسے عقل اور فہم والو اگر تم مغز سخن کو دریافت کرنا چاہو اور پرست پر قناعت نہ کرو تو سمجھو کہ قصاص ہرگز زندگ ہے البتہ جن لوگوں کی عقل خالص نہیں وہ بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے فقط ظاہر پر اکتفا کرتے ہیں اور قصاص کو اتلاف جان سمجھتے ہیں اور یہ حکم اس لیے مشروع ہوا کہ شاید تم افراط غضب سے پرہیز کرو تاکہ غضب خداوندی سے بچ جاؤ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ

حکم ہوا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت اگر کچھ مال چھوڑے

خَيْرًا فَإِلَىٰ الْوَصِيَّةِ الَّتِي لَآلِدَيْنِ وَأَلَا قَرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ

کہ دلوں سے ماں باپ کو اور ناستے والوں کو دستور سے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ

ضرور ہے پرہیزگاروں کو پھر جو کوئی اسکو بدلے بعد اسکے کہ سن چکا تو اس

فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ

کا گناہ انہیں ہی پر جنہوں نے بدلا بیشک اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا

ہے سنتا جانتا پھر جو کوئی ڈرا دلوں سے والے کی طرفداری سے یا

أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ

گناہ سے پھر ان میں صلح کروا دے تو اس پر گناہ نہیں البتہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

بخشنے والا ہے مہربان

حکم دوم وصیت

قال تعالى: كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَى أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ... إلخ. إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذِكْرُهُ. گزشتہ آیات میں قصاص کو حیات فرمایا۔ زندہ آیات میں وصیت کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو خاندان کی حیات اور زندگی کا سامان ہے۔ شروع سلام میں جب تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا تو والدین اور اقارب کے لیے وصیت فرض تھی مقدار کی کوئی تعین نہ تھی۔ وصیت کرنے والے کی صوب دید پر تھا کہ جتنی مقدار مناسب سمجھے اتنی مقدار کی وصیت کر دے اسکے بعد جو باقی بچے وہ سب اولاد کا ہے اس آیت میں، سی حکم کا ذکر ہے اور چونکہ وصیت اور اقارب کی، عانت امر فطری اور جبلی ہے اور ہر ملت و مذہب میں رائج ہے اس لیے اس آیت کو کچھلی آیت کی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے شروع نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے موت کسی کے سامنے آجائے بشرطیکہ وہ اتنا مال چھوڑے کہ تمہیں و تکفیل کے بعد بچ رہے تو، اس پر لازم ہے وصیت کرنا والدین اور دیگر اقارب کے لیے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ وہ وصیت شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً یہ نہ کرے کہ والدین کو نظر انداز کر دے اور دور کے رشتہ داروں کو مقدم کر دے یا فقیر رشتہ دار کو محروم کر دے اور دولت مند کے لیے وصیت کرے غرض یہ کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو جاتی ہے اسکا پورا کرنا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ضروری ہے کسی کو اس میں تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں پس جو شخص حق لازم کی وصیت سن لینے کے بعد وصیت کے مضمون میں کچھ تغیر اور تبدل کرے تو اس تغیر و تبدل سے جو حق تلفی ہوگی اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہوگا۔ حاکم اور مفتی نے اگر ظاہر اور قواعد شریعت کی بار پر فیصلہ کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے تو حاکم اور مفتی گناہ نہ ہوگا کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں تبدیل کرنے والوں کے، قال کو سنتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جانتے ہیں اور حاکم اور مفتی کی محذوری کو بھی جانتے ہیں۔ لہذا ایک صورت میں وصیت میں تغیر و تبدل جائز ہے وہ یہ کہ وصیت کرنے والے سے کسی غلطی کا یا بدیدہ دانستہ صریح گناہ کا اندیشہ ہو کہ غیر مستحق کو دے اور مستحق کو محروم کرے یا کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے پس یہ شخص اگر اس وصیت کو درست کر دے یعنی اس وصیت کو شریعت کے مطابق کر دے تو ایسے تغیر و تبدل میں اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی رحمت فرماتے والے ہیں۔ نیت نامہ سے گناہ کرنے والوں کو بھی بخش دیتے ہیں اور جو شخص نیک نیتی سے کوئی تغیر اور تبدل کرے اس پر کیوں نہ رحمت ہوگی؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو! حکم ہوا تم پر روزے کا

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

جیسے حکم ہوا تھا تم سے انگوں پر شاید تم

تَتَّقُونَ ﴿۱۸۶﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

پرہیزگار ہو جاؤ کئی دن ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں

مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى

بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہیئے اور دنوں سے اور جن

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ

کو طاقت ہے تو بدلا ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

شوق سے کرے نیکی تو اسکو بہتر ہے اور روزہ رکھو تو تمہارا بھلا ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

تم سمجھ رکھتے ہو

حکم سوم صوم

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ... إِلَى... إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ بجائے اہل ایمان کے اپنے نفس موزی کو مارو کہ جو ہر وقت تمہاری تنگ میں ہے اور تمہارے خدا کے درمیان سید راہ ہے تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جانی اور ایمانی دشمن یعنی شیطان کا دوست بلکہ حقیقی اور بڑا دشمن ہے۔ مثل مشورے کے شیطان اور نفس دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ ساتھ پیدا ہوئے اس لیے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اس دشمن کو مارو اور روح کو زندہ کرو جو تمہارے پاس فرشتوں کی جنس کی ایک چیز ہے۔ نفس کے مارنے اور روح کے زندہ کرنے کا بہترین طریقہ صبر ہے اور صبر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چند روز روزے رکھو قوت شہویہ اور قوت

غضب سے جو تمام معاصی کا منبع ہے، سکے پکھلنے کے لیے روزہ تریاق و اکیر کا حکم رکھتا ہے لیکن روزہ ہنود اور صائین کی طرح نہ رکھو کہ دن میں تو خود کو اشیاء اور پھل اور میوے کھاتے رہو اور بوقت شب کھانے سے رکو۔ یہ طریقہ شریعت الہی کے خلاف ہے بلکہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا کہ مطلقاً کھانے اور پینے اور عورتوں کی صحبت سے دن میں کامل پرہیز رکھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک یہی طریقہ رہا، البتہ تعین ایام میں اختلاف رہا حضرت آدم پر ہر ہفتہ میں تین دن کے روزے یعنی ایام بیض کے فرض تھے۔ یہود پر یوم عاشوراء اور ہفتہ اور اسکے سوا اور چند روز کے روزے فرض تھے۔ نصاریٰ پر ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔

معد بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عطاء اور ضحاکؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے کہ عاشوراء اور ہر ہفتہ میں تین دن کے روزے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مقرر رہے رمضان کے روزوں کے حکم سے یہ حکم منسوخ ہوا۔ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ ولید ہرگز ششہ امت پر پورے ایک ماہ کے روزے فرض رہے جس طرح ہم پر فرض ہیں اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ اگلی امتوں پر فرض کیا تھا (رواہ ابن ابی حاتم)۔ فرض روزہ کی فرضیت قدیم ہے کوئی شریعت اسکی فرضیت سے خالی نہیں رہی اس لیے یہ سہارک عبادت تم پر فرض کی گئی تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ کیونکہ روزہ کی خاصیت یہی ہے کہ روزہ کی عادت اور کثرت آدمی کو پرہیزگار بنا دیتی ہے اور یہ روزے تم پر شمار کیے ہوئے دنوں کے لیے فرض کیے گئے ہیں جو ایک ہفتہ کی مدت ہے نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ اگر بہت کم ہوتی تو تھوڑی مدت کی عبادت سے نفس عبادت کے رنگ سے رنگین نہ ہوتا۔ اور اگر روزہ کی مدت بہت زیادہ ہوتی تو مشقت میں پڑ جاتے اس لیے تھوڑے ہی دنوں کا روزہ تم پر فرض کیا گیا مگر اس میں تمہاری سہولت کی رعایت کی گئی۔ پس ایک سہولت تو یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنا دشوار ہو تو اسکو اجازت ہے کہ روزہ افطار کر لے مگر اسنے دنوں کو شمار کر کے بچائے رمضان کے دس روزوں میں روزہ رکھ لے خواہ مسلسل یا فاصلہ سے اور دوسری سہولت یہ ہے (جو بعد میں منسوخ ہو گئی) کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں مگر باوجود اسکے روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو اسکے ذمے اسکا فدیہ یعنی روزہ کا بدلہ دینا ہے اور وہ فدیہ ایک مسکین کی خوراک ہے اس لیے کہ یہ شخص خدا کے لیے خود ترک طعام و شراب نہیں کر سکتا تو کسی مسکین کو کھلا دے کہ جب وہ کھا کر عبادت کریگا تو ثواب میں اسکا بھی حصہ ہو جائے گا اور یہ بدلہ بہت ہی کم ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ لیکن جو شخص خوشی سے

لے جیسے گارھی کا طریقہ تھا کہ برت رکھتا تھا۔ روٹی تو نہ کھاتا تھا مگر انار اور انگور اور میب کا عرق پیتا تھا گویا کہ پوری سے تو برت ٹوٹ جاتا تھا مگر عرق انار اور انگور سے برت نہ ٹوٹتا تھا ۱۲ ہندوؤں کی برت کو فاقہ کھانا تو جائز ہے مگر سکر روزہ کھانا ناجائز ہے۔

خیر اور نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجلے ایک مسکین کے کئی مسکینوں کو کھانا دے دے تو وہ بھی بہتر ہے جتنی نیکی زیادہ کر دے اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا لیکن تمہارا خود روزہ رکھنا فدیہ سے کہیں بہتر ہے اگرچہ فدیہ مقدار واجب سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اگر تم روزہ کے فضائل اور فوائد کو جانتے ہو کہ روزہ کس درجہ کی عبادت ہے روح کے زندہ کرنے اور نفس، درشتوات کے کچلنے میں کوئی اسکا بدلہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عمل کا اجر محدود ہے مگر صبر اور روزہ کا اجر غیر محدود ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی ایک محسوس صورت ہے جو زیادہ غیرہ کے ذریعے سے توڑی جاسکتی ہے مگر روزہ کی کوئی صورت محسوس نہیں کہ جسکو توڑا جاسکے۔



شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

ہیمنہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن

هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَ

ہدایت واسطے لوگوں کے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور

الْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ

فیصلہ پھر جو کوئی پاسے تم میں یہ ہیمنہ تو اسکو روزہ رکھ

وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ

اور جو کوئی ہو بیمار یا سفر میں تو گنتی چاہیے اور دنوں

أُخْرَ ۖ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ

سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر مشکل

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمُ

اور اس واسطے کہ پوری کرو گنتی اور بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ تمکو راہ بتائی

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۰﴾

اور شاید تم احسان مانو

تعیین ایام معدودہ

قَالَ تَعَالَى شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ... وَلَكُمْ تَشْكُرُونَ .
 گزشتہ آیات میں بتائیں چند دنوں کے روزہ رکھنے کا حکم مذکور تھا اب ان آیات میں حق تعالیٰ
 شانہ ان ایام معدودات کی تعیین فرماتے ہیں یعنی وہ شمار کیے ہوئے دن جن میں روزہ رکھنے کا حکم دیا
 ہے وہ ماہ رمضان المبارک ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں
 ہدایت اور امتیاز حق و باطل کی صاف صاف اور نہایت واضح اور روشن دلیلیں اور نشانیاں ہیں جو سوائے
 قرآن کے اور کسی کتاب میں نہیں۔ تورات اور انجیل بھی نور اور ہدایت تھی اور حق اور باطل میں فرق کرتی تھی مگر
 قرآن کی طرح واضح اور روشن نہ تھی۔ قرآن کریم کا ہر حرف ہدایت اور امتیاز حق اور باطل کی واضح اور روشن
 دلیل ہے اسی وجہ سے مینات کو جمع لایا گیا اور ہدیٰ کو مفرد لایا گیا۔ ہدایت کبھی ضعیف ہوتی ہے اور کبھی جلی
 اور کبھی آفتاب کی طرح اجلی اور روشن ہوتی ہے۔ یَسْتَبِيحُ مِنَ الْهَدْيِ وَالْفَسَادِ کا مطلب
 یہی ہے کہ قرآن کریم ہدایت اور امتیاز حق و باطل میں آفتاب کی طرح روشن ہے تورت و انجیل اس درجہ
 روشن نہ تھیں پس تم میں سے جو شخص یہ ہمینہ پائے تو اسکو چاہیئے کہ اسکے روزے رکھے جتنا ہمینہ پاوے اتنے
 کے روزے رکھے اگر پورا ہمینہ پائے تو پورے روزے رکھے، اور اگر کچھ دن پائے تو اتنے دن
 روزے رکھے غرض یہ کہ جو شخص اس ہمینہ کو پائے اسکے ذمہ یہ لازم اور فرض ہے کہ اس ہمینہ کے روزے
 رکھے اور ابتداء میں جو فدیہ کی اجازت دی گئی وہ منسوخ ہوئی اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اب
 انکو افطار کی اجازت نہیں رہی اس آیت سے فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا اور البتہ مریض و مسافر کے لیے جو سفر
 اور مرض کی وجہ سے افطار کی رخصت اور اجازت دی گئی تھی وہ ہنوز اسی طرح باقی ہے کہ جو شخص ایسا بیمار
 ہو کہ جسکو روزہ رکھنا دشوار ہو یا شرعی سفر پر ہو یعنی سفر میں جتنی مسافت شریعت میں معتبر ہے اتنی مسافت
 کے سفر کا ارادہ ہو تو ایسے شخص کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اور بچائے ایام رمضان کے دوسرے
 دنوں میں فوت شدہ روزوں کے شمار کے مطابق روزے رکھنا اس پر لازم ہے۔ مریض اور مسافر کے حکم
 کو اس لیے بیان کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فقط فدیہ کا حکم منسوخ ہوا ہے بخلاف قضا کا حکم منسوخ نہیں ہوا
 اور قضا کے حکم میں قَوْلُهُ مَنْ أَيَّامٍ أُخْسِرَ ۖ فَمَا يَعْنِي اور دنوں میں گنتی اور شمار کے مطابق
 روزے رکھنے چاہئیں اور دنوں کی قید اس لیے لگائی کہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا آئندہ
 رمضان میں جائز نہیں۔ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں قضا کے روزے رکھنے چاہئیں اللہ
 تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت اور آسانی کرنا چاہتے ہیں اور تم پر سختی اور دشواری نہیں چاہتے اس
 لیے تمکو مرض اور سفر کی حالت میں افطار کی اجازت دی اور دوسرے دنوں میں فوت شدہ روزوں کے

شمار کے مطابق قضا کا حکم اس لیے دیا کہ تم اپنے روزوں کے شمار کو پورا کر لو تاکہ تمہارے ثواب میں کمی نہ رہ جائے اور تم اس شمار کو پورا کر کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ اور اس میں بھی یہ سہولت ہے کہ فوت شدہ روزوں کی قضا خواہ ایک ہی مرتبہ کر لو یا متفرق کر کے رکھ لو دونوں اختیار ہیں اور تاکہ تم اللہ کی کبریائی اور بزرگی بیان کر دو کہ اس نے تم کو ایسے طریقہ کی ہدایت کی کہ جس سے تم رمضان المبارک کی فوت شدہ خیرات و برکات کی قضا سے کچھ تلافی کر سکو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لَتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ سے رمضان کے تیس دن پر سے کرنا مراد ہیں اور لَتُكْمِلُوا اللہ سے ختم رمضان کے بعد عید کا چاند دیکھ کر اور عید میں جاتے وقت اور عید کی نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے جس طرح نماز اور حج سے فارغ ہونے کے بعد ذکر خداوندی مسنون ہے اسی طرح رمضان کے روزوں سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر و تحمید مسنون ہے اور تاکہ تم اللہ کا شکر کیا کرو کہ اس نے تم پر ایک ہمینہ کے روزے فرض کیے کہ جو درجاتِ عالیہ کے ملنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اس پر بھی شکر کرو کہ اس نے حالتِ مرض اور سفر میں تمہیں افطار کی اجازت دی کہ جس میں تمہارے لیے تخفیف اور سہولت ہے غرض یہ کہ عزیمت بھی نعمت ہے اور رخصت بھی نعمت ہے سب نعمتوں کا شکر کرو تاکہ کامل متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔

نزول قرآن در صیام رمضان میں مناسبت
یہ ہے کہ حق جل شانہ نے اس ہمینہ کو
قرآن کریم کے نازل کرنے کے لیے پسند

☆ نزول قرآن اور صیام رمضان میں مناسبت

کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام مجز نظام کے الوار و تجلیات اور حیرات و برکات کی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ ہمیں اور عاشقین دنیا میں اللہ کے دیدار سے محروم ہیں لیکن اس کے کلام سے دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ کلام کے پردہ سے کچھ اسکا جلوہ نظر آ جاتا ہے۔

در سخن معنی منم چوں بوائے گل و در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

چہیت قرآن سے کلام حق شناس رونما ہے رب ناس آمد بناس

حرف حرفش راست در بر معینے معینے در معینے در معینے

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت اور انجیل اور زبور اسی ہمینہ میں اتاری۔ یکم رمضان المبارک

ع کہا قال تعالیٰ فَإِذَا أَقْبَضْتِ الصَّلَاةَ فَانْتَشِرْ فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ وَقَالَ تَعَالَى فَإِذَا أَقْبَضْتُمْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ پہلی آیت سے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ذکر خداوندی کا حکم ہے اور دوسری آیت میں حج سے فارغ ہونے کے بعد ذکر الہی کا حکم ہے۔ ۱۲

کو حضرت ابراہیم پر صیغے اور چھ رمضان کو توریت نازل ہوئی اور بارہ رمضان کو زبور اتاری اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور چوبیس رمضان کی شب کو قرآن کریم نازل ہوا۔

غرض یہ کہ ماہ رمضان عجیب مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ کا کلام نازل ہوا اور اللہ کی کتاب اتاری جو ایک نعمت کبریٰ اور منست عظمیٰ ہے۔ لہذا اس عظیم الشان نعمت کے شکر یہ میں کوئی خاص عبادت اس مہینہ میں مقرر ہونی چاہیئے جو کلام الہی کے مناسب ہو سو وہ روزہ ہے جو روزہ دار کو ترک طعام و شراب اور ترک لذت کی وجہ سے فرشتوں کے قریب بنا دیتا ہے اور قلب میں کلام خداوندی کے املا و تجلیات کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ بشری اور انسانی کمزوریوں اور غلطیوں کے دور کرنے اور قلب کے جلا اور صیقل کرنے میں روزہ ایک بے مثال تریاق اور بے نظیر اکسیر ہے انوار و تجلیات کے دسترخوان سے وہی شخص کما حقہ بہرہ اندوز ہو سکتا ہے جس نے اس حقی اور ادا دی دسترخوان کو کم از کم کچھ دنوں کے لیے پیٹ کر رکھ دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ طور پر توریت یسے کیلے گئے تو چالیس دن کے روزے رکھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے اس وقت اللہ نے انکو انجیل عطا کی، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں اعتکاف فرمایا اور روزے رکھے۔ اسی غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا رہوا۔ معلوم ہوا کہ روزہ کو کلام خداوندی کے ساتھ خاص مناسبت ہے اس لیے اس مبارک مہینہ میں دن میں تو روزہ اور رات میں تراویح مسنون ہوئی اور عشرہ اخیرہ میں اعتکاف سنت ہوا اور دن اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت اور ورد کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ جبریل امین رمضان المبارک میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کرتے اور جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال جبریل امین نے پورے قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا۔ ایک مرتبہ آپ پڑھتے اور جبریل امین سنتے اور دوسری مرتبہ جبریل پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اس طرح دو قرآن کریم کا دو مرتبہ دور ہوا۔ اور یہ مہینہ تمام کا تمام ہی مبارک ہے مگر شب قدر اس مہینہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی شب میں قرآن اترا۔ اور اسی میں فرشتوں کا خاص طور سے نزول ہوتا ہے۔ **سَلَامٌ عَلٰی حَسْبِیْ مَطْلَعِ الْفَجْرِ**۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورہ مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس مہینہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور جو خیرات و برکات اس مہینہ کی راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہ حکم ہوا ہو کہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کریں۔ تاکہ دونوں وقتوں میں پورا قیاز حاصل ہو جائے اور جس طرح قرآن مجید خداوند ذوالجلال کے کلمات ذاتیہ اور شعون صفاتیہ کا مظہر اتم ہے اسی طرح ماہ رمضان حق تعالیٰ کی خیرات و برکات ذاتیہ کا مظہر اتم ہے اس مہینہ میں جو خیر و برکت بھی نازل ہوتی ہے وہ براہ راست بارگاہ ذات سے فائض ہوتی ہے قرآن کریم

کی طرح یہ ہمینہ بھی اپنی نوع میں حقیقت جامعہ ہے اسی مناسبت سے اس ہمینہ میں قرآن مجید نازل ہوا اور چونکہ درختوں میں کھجور کا درخت شجرہ طیبہ ہے اور کھجور اسکا ثمرہ طیبہ اور حقیقت جامعہ ہے اور حضرت آدم کے غیر کا بقیہ ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا افطس احدکم فلیفطر
حو کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور سے افطار
علی تمر فانہ برکۃ
کرے کیونکہ کھجور سراسر خیر و برکت ہے

اور غلوٰۃ معہ میں جب یہ مبارک پھل پہنچے گا تو یہی جامع اور مبارک غذا جزو بدن بنے گی جس سے روزہ کی برکتوں میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ اس طرح سے روزہ اور غلۃ جامع کی برکتوں کے من جانے سے قلب نور علی نور کا مصداق بن جائیگا اور اسی وجہ سے کہ کھجور ایک نہایت مبارک و جامع غذا ہے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری میں بھی کھجور کے کھانے کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا۔

فہو محووس المؤمن التمر
کھجور مؤمن کی کیا اچھی سحری ہے۔

قرآن کریم میں ایمان کو شجرہ طیبہ یعنی کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور رمضان کا روزہ ایمان کا ایک شعبہ ہے اس لیے رمضان کا انظار اور سحری مرد مؤمن کے لیے کھجور سے مسنون ہوئی۔ اور شجرہ طیبہ اس ہمینہ کا خلاصہ اور زبدہ ہے گویا کہ شجرہ طیبہ منزہ مغز کے ہے اور یہ ہمینہ پوست کے ہے۔ پس جس کا یہ ہمینہ جمعیت خاطر کے ساتھ گزر جائے اور اس مبارک ہمینہ کی خیرات و برکات سے بہرہ اندوز ہو جائے تو اسکا تمام سال جمعیت اور خیر و برکت کے ساتھ گزرتا ہے۔ وفقنا اللہ تعالیٰ للخیرات والبرکات فی هذا النہض المبارک وذلکنا اللہ سبحانہ النصب الاعظم منہ آمین۔

(مکتوب ۱۶۲ دفتر اول)

رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے دن اور ہر ہمینہ میں تین دن کے روزے فائدہ جلیلہ رکھے جاتے تھے اس میں اختلاف ہے کہ وہ روزے فرض تھے یا نفل۔ عبداللہ بن عباس اور معاذ بن جبل اور عطی رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزے فرض تھے اور ابن ابی لیلیٰ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نہ تھے بلکہ محض بطور تطوع اور نفل رکھے جاتے تھے۔ اکثر احادیث سے وجوب ہی معلوم ہوتا ہے بہر حال جب رمضان کے روزوں کا حکم آیا تو صوم عاشورہ اور ہر ہمینہ میں تین روزوں کی فرضیت تو باقی رہی البتہ استحباب باقی رہ گیا اور اس میں بھی ولایا ہر تمام نہ رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

اسی وجہ سے علماء کا آیتاھا تکعد ذیہ کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض صحابہ اور تابعین ادھر گئے ہیں کہ ان گنتی کے دنوں سے عاشورہ اور ہر ہمینہ کے تین دن کے روزے مراد ہیں۔ جب رمضان کے روزوں کا حکم آیا تو یہ روزے منسوخ ہو گئے اور چہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ آیتاھا تکعد ذیہ سے رمضان کے روزے مراد ہیں اور یہ آیت منسوخ نہیں۔ اور صوم عاشورہ اور یام بیض کا حکم من جانب اللہ

نہ تھا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے ان دنوں کے روزوں کو پسند فرمایا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آیت نے دریافت فرمایا کہ تم اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ دن بہت مبارک ہے اس دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام بطور شکر یہ اس دن کا روزہ رکھا۔ اس لیے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حق دار ہوں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے معاذ بن جبلؓ سے عاشورہ کا روزہ اور ہر مہینہ کے تین روزوں کا واجب ہونا روایت کیا لیکن یہ وجوب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا اور اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔

پس معلوم ہوا کہ رائج اور صحیح قول یہی ہے کہ آیاتھا مَعْدُودَاتٌ سے رمضان کے روزے مراد ہیں۔ عاشوراء اور ہر مہینہ کے تین روزے مراد نہیں اس لیے کہ انظار کر کے فدیہ دے دینے کی اجازت احادیث اور روایات میں رمضان المبارک کے روزوں کے متعلق آئی ہے۔ عاشوراء ہر مہینہ کے تین دن کے روزوں کے متعلق فدیہ کا حکم کہیں ثابت نہیں۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَكَ فِدْيَةٌ عَاشُورَہ اور ہر مہینہ کے تین روزوں کے متعلق ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری مفصل روایت میں رمضان کے روزوں کا مفصل ذکر ہے اور عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَكَ کا حکم رمضان ہی کے روزوں سے متعلق ہے اس روایت میں رمضان کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے ایہام ہوا۔ واللہ اعلم۔

اقوال علماء کرام در بارہ تفسیر آیت فدیہ صیام

قال تعالى وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَكَ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط
اس آیت کی تاویل اور حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ آیت مذکورہ کے متعلق علماء تفسیر کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے اس فریق سے آیت کی مختلف توجیہات منقول ہیں جنکو ہم عصر رب ذکر کریں گے۔ اکثر علماء محققین کی رائے یہی ہے کہ آیت میں نسخ ضرور واقع ہے عبداللہ بن عمرؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ اور دیگر صحابہ سے یہی منقول ہے در بخاری اور مسلم اور

ابوداؤد و بیہقی وغیرہم کی احادیث اور روایات سے بھی یہی ظاہر ہے کہ ابتداء اسلام میں لوگوں کو اختیار تھا کہ اگر روزوں کی ہمت ہو تو روزے رکھیں ورنہ روزہ افطار کر لیں اور روزہ کے بدلہ میں ندریہ دیں۔ وجہ یہ تھی کہ لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے اگر ابتداء ہی سے روزہ کا قلعی حکم ہو جانا تو شق ہو تا بعد چند سے یہ اختیار منسوخ ہو گیا اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے روزہ رکھنے کا حکم قطعی ہو گیا۔ چنانچہ حافظ بدرالدین عینی شرح بخاری میں آیات صیام کی ترتیب نزولی اور ناسخ و منسوخ کی تعیین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

كَانَ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ فَرَضَ عَلَيْهِمُ
الصَّوْمَ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِمْ فَرَضُ
لَهُمْ فِي الْأَفْطَارِ وَالْفَدْيَةِ
وَقَالَ مَعَاذُكَ كَانَ فِي ابْتَدَاءِ
الْأَمْرِ مِنْ شَاءِ صَامٍ وَمِنْ
شَاءِ أَفْطَرٍ وَاطْعَمَ عَنْ
كُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا حَتَّى
نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَتَخَفَّتْهَا
(عینی شرح بخاری ص ۲۷۴ ج ۱)

نام ابن جریر طبری بروایت ابن ابی سیلانی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم عليهم
امرهم بصيام ثلثة ايام
من كل تمهم تطوعا غير
فريضة قال ثم نزل صيام
رمضان قال وكانوا قوما لم
يتعودوا الصيام قال وكان
يشدد عليهم الصوم قال
فكان من لم يصوم اطعم
مسكينا ثم نزلت هذه
الآية فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ
مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت
فرما کر مدینہ آئے تو اپنے صحابہ کو ہر مہینہ میں
تین دن کے روزوں کا حکم دیا مگر بطور فرض
نہیں بلکہ بطور نفل حکم دیا۔ اسکے بعد رمضان
کے روزوں کا حکم نازل ہوا مگر چونکہ لوگ
روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے اس وجہ سے
انکو روزہ رکھنا گراں ہوا تو یہ سہولت کر دی
گئی کہ جو روزہ نہ رکھے وہ ایک فقیر کو کھانا
کھلا دے چنانچہ کچھ عرصہ تک لوگ ایسا ہی
کرتے رہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھتا وہ
ایک فقیر کو کھانا کھلا دیتا چند روز کے بعد یہ
آیت نازل ہوئی۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ الی آخرہ۔ اس وقت

کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب

یہ ایسا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ أُولَئِكَ يَشْفَعُونَ لِلْغَايِبِينَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَائِبُونَ ۚ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ هُمْ فِي رُتَبِهِمْ عَلَى الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْ قَبْلِهِ ۚ سَمِعْتُمُ النَّبِيَّ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ بَدَّلَ الْيَوْمَ الْحَاقِلَ بِالْمُقِيمِ ۚ فَذَلِكَ سَبْعُ مِائَاتٍ مِنْ حَتْمِ السَّيْفِ تُبَدِّلُ بِهِ رُتَبَهُمْ وَلَهُمْ فِي يَوْمٍ ذَلِكَ هُوَ الْيَوْمُ الْقَائِلُ غَدًا ۚ وَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحَقِّ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ أَعْلَمُوا بِالنَّبِيِّ أَمْ لَمْ يَعْلَمُوا بِالنَّبِيِّ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۚ

پس جس طرح غایب اور لی لفظی اور من النجس کا باوجود ماقبل کے ساتھ شدید تعلق ہونے کے جداگانہ نزول ہو سکتا ہے اسی طرح و علی الذین یطیعونہ کا بھی باوجود ماقبل سے مربوط ہونے کے علیحدہ نزول ہو سکتا ہے۔ حالانکہ من النجس اور غایب اور لی لفظی نہ مندرجہ اور نہ سدا لہ بلکہ منطقات میں سے ہے اور و علی الذین یطیعونہ ہذا یہ طعنا مرسلین۔ تو یہ پورے جملہ ہے پس جب کہ الفاظ مفردہ کا علیحدہ نزول جائز اور واقع ہے تو پورے جملہ کے علیحدہ نزول میں کیوں اشکال ہے۔ حق تعالیٰ ہی آیات کے مازل زمانے والے ہیں آیات کو مستقلاً نازل فرماتے ہیں اور پھر مطلع فرمادیتے ہیں کہ اس سیت کو فلاں جگہ رکھا جائے اور اس آیت کو فلاں جگہ اور اس مفرد اور اس جملہ کا فلاں مفرد اور فلاں جملہ سے تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نزول کی ترتیب اور ہے اور موجودہ مصحف کی ترتیب اور ہے اور اس وقت جس ترتیب سے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے یہ بطریق ہی ترتیب ہے۔ کہ جس ترتیب سے جبریل امین حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر رمضان میں دو فرماتے تھے۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ سے بہت سے حکام میں بندوں کو تدریجاً سہولت کے ساتھ احکام کا مکلف بنایا۔ جس طرح ابتداء اسلام میں نماز میں سہولتیں تھیں۔ سلام و کلام بھی نماز میں جائز تھا بعد میں شریک ہونے والا اپنے قریبی نمازی سے یہ بھی پوچھ لیا کرتا تھا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں۔ منکر بعد میں یہ تمام سہولتیں ایک سخت منسوخ ہو گئیں۔

اسی طرح روزے کے احکام میں تدریج اور سہولت کو مرعی رکھا گیا باد آخر جب صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ حق جل و علا کے انوار و تجلیات سے روشن ہو گئے اور روزہ کی جمعی مشقت اور گرانی بھی دل سے بالکل نکل گئی تو اب ہمیشہ کے لیے یہ حکم قطعی آگیا کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ

اور اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام کی یہ کیفیت ہوئی کہ روزہ کی شدت اور مشقت مبدل بہ فرحت و لذت ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرماتے ہیں۔ اور صحابہ کرام صوم وصال اور صائم الدہر ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔

رفع تعارض | اس مقام پر صحیح بخاری کی روایات میں بظاہر کچھ تعارض کا شبہ ہوتا ہے کہ بعض

سے منقول ہے۔ وہ یہ کہ بولے یطيقونہ کے يَنْطِقُ قَوْلَهُ اور يَقْلِقُ قَوْلَهُ۔ پڑھتے تھے جسکے معنی "تکلف" اور بے مشقت روزہ رکھنے کے ہیں اس سے مناسب ہے کہ یطيقونہ کی قرأت کے بھی یہی معنی لیے جائیں تاکہ دونوں قرار تین مطابق اور ہم معنی ہو جائیں۔ رہا یہ سوال کہ یطيقونہ کا لفظ باعتبار لغت کے بھی اس معنی کا تحمل ہو سکتا ہے یا نہیں سو اس کے لیے علامہ زنجشیری کا کلام پیش کر دینا کافی ہے کہ جو لغت عربیت میں عرب اور عجم کا مسلم شیخ اور امام ہے پچاچہ فرماتے ہیں۔

وَيَحْتَوِيَانِ يَكُونُ هَذَا مَعْنَى
يَطِيقُونَ هَـ اِیْ یَصُومُونَهُ جَهْدَهُمْ
وَحَاقَتَهُمْ وَهَبْلَهُ وَسَعَهُمْ
اور ہو سکتا ہے کہ یطيقونہ کے معنی یہ
جائیں کہ جو لوگ نہایت مشقت اور انتہائی
محنت کے ساتھ روزہ رکھ سکیں۔

(کشاف ص ۲۴ ج ۱)

اسکے بعد غایت سے غایت کوئی پہلے گا کہ یہ معنی مجازی میں تو اس میں کوئی حرج نہیں حقیقی معنی مراد لینا اگر منعذر ہوں تو بالا جماع مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو جاتے ہیں۔ جس کے شواہد قرآن کریم اور حدیث نبوی اور کلام عرب میں بے شمار ہیں اور قرینہ محاذ اس مقام پر یہ ہے کہ تمام امتیہ محمدیہ کے علماء اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک صحیح سالم تندرست آدمی کے لیے ہرگز اجازت نہیں کہ وہ فی یوم ایک مسکین کو کھانا دے کر روزہ سے دستگیری حاصل کر لے ورنہ روزہ کا حکم فقط غبار و فقر کی حد تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور امر اور اغیار تمام کے تمام قدریہ دیگر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یطيقون سے پہلے ایک لامقدر ہے
دوسری توجیہ | اور معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ یُطِيقُونَ اللّٰهُ لَکُمُ
اِیْ تَصْلُوْا میں بالاتفاق لا تصلوا کے معنی مراد ہیں اور لامقدر ماننے کی تائید ایک قرأت سے بھی ہوتی
ہے جس میں حضرت حفصہؓ نے لَا یُطِيقُوْنَہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کشف الاسرارؒ بزدوی ص ۱۱
کی مراجعت کریں۔

۱۔ کشف الاسرار کی عبارت یہ ہے۔ قَالَ تَعَالَى وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَہ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ كَانَ
ذَلِكَ فِي مَثَلِ اِسْلَامِ فَرَضَ عَلَيْهِمْ اَصْوْمٌ وَلَمْ يَتَّعِدْ عَلَيْهِمْ فَرْعَنَ لِهَرٍ فِي الْاَفْطَارِ وَ
الْعِدَّةِ وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَطُوْقُوْنَہ اِیْ يَكْفُوْنَهُ عَلٰی جَهْدِ مَنْهُمْ وَعَسَى وَهُمْ التَّيْبُوْرُ وَالْعَجَاوِرُ وَحُكْمُ هَؤُلَاءِ
الْاَفْطَارِ وَالْعِدَّةِ وَهُوَ عَلٰی هَذَا لَوْ جِهَ غَيْرِ مَنْسُوْخٍ وَتَبَحُوْرٍ يَكُوْنُ هَذَا مَعْنٰی يَطِيقُوْنَہ اِیْ یَصُومُوْنَہ
جَهْدَهُمْ وَحَاقَتَهُمْ وَهَبْلَهُ وَسَعَهُمْ كَذَا فِي الْكُشَافِ وَحَكَى فِي التَّيْسِيْرِ وَفِي قِرَاءَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَلٰی الْاَدَبِ
يَطُوْقُوْنَہ اِیْ يَتَكْفُوْنَهُ فَلَا يَطِيقُوْنَہ وَفِي قِرَاءَةِ حَفْصَةَ وَ عَلٰی الَّذِينَ لَا يَطِيقُوْنَہ وَقِيلَ هُوَ الشَّيْخُ
الْقَانِي فَقَالَ هَذَا لَا يَكُوْنُ مَنْسُوْخًا فَالْهَ حُكْمٌ ثَابِتٌ مُّجْمَعٌ عَلَيْهِ۔ كَذَا فِي كُشْفِ الْاَسْرَارِ ص ۱۱ ج ۱۔

تیسری توجیہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے اس آیت کی ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم میرے نزدیک یقیناً ضمیمہ مفعول، صوم کی طرف راجع نہیں۔ بلکہ یہ ضمیمہ عام کی طرف راجع ہے۔ جو کہ لفظوں میں مؤخر ہے مگر رتبہ مقدم ہے کیونکہ علی الدین لطیف ہے۔ غیر مقدم ہے اور فدیہ بتدار مؤخر ہے اور طعام مسکین بتدار سے بدل ہے۔ پس جس طرح بتدار رتبہ مقدم ہے اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے۔ اسی طرح بتدار کا بدل بھی رتبہ مقدم ہوگا۔ اور فدیہ سے مراد صدقۃ الفطر ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے روزوں کی فرضیت بیان فرمائی اور اس آیت میں روزوں کے بعد صدقۃ الفطر کا ذکر فرمایا۔ اور اس سے اگلی آیت میں روزوں کے بعد تکبیرات عید کی طرف اشارہ فرمایا وَلْيُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَذَا يُكْبَرُ اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روزہ دار کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں رمضان گزرنے کے بعد وہ صدقۃ الفطر بھی ادا کریں۔

یہ کہ اگر یہ آیت صحیح اور تندرست کے بارے میں ہے تو مٹوٹ ہے اور اگر شیخ فانی اور عاجز کے حق میں ہے تو آیت محکم ہے اور شیخ فانی اور عاجز کے لیے اب بھی یہی حکم ہے۔



وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے تو چاہیے کہ حکم مانیں میرا

وَلْيُؤْمِنُوا بِلَعَلِّهِمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور یقین لائیں مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں

ترغیبُ عابِدَتَیْنِ تَجْبِرُ وَثَنًا

قال تعالى وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ... إلخ.. لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ه گزشتہ آیات میں اللہ کی تجرید اور ثناء کا بیان تھا اب اس آیت میں دعا کا بیان ہے کہ دعا سے

حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا ہے اور دعا سے پہلے تکبیر اور ثنار کا بیان اس طرف مشیر ہے کہ دعا کا ادب اور طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنار کی جائے اور پھر اپنی حاجت کی درخواست کی جائے ابدیہ کرام کا یہی طریقہ رہا ہے اور عجیب نہیں کہ اس طرف بھی اشارہ ہو کہ ماہ رمضان قبولیت دعا کا مہینہ ہے اسکو غیبت کچھ دعا کو روزہ کے ساتھ خاص مناسبت اور خاص تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ دار کی دعا بہ نسبت غیر روزہ دار کے زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں بکثرت آیا ہے۔ اس لیے احکام صیام کے دوران میں دعا کا ذکر نہایت مناسب ہوا جیغہ فرماتے ہیں اور جب استفسار کریں آپ سے میرے بندے میرے متعلق کچھ بھارا پروردگار ہم سے قریب ہے یا بید اگر قریب ہے تو اس سے مناجات کریں اور اگر دور ہے تو ہم اس کو پکاریں تو آپ انکے جواب میں میری طرف سے یہ کہہ دیجئے کہ تحقیق میں تو تم سے بہت ہی نزدیک ہوں تمہاری جان اور حدود سے بھی زیادہ قریب ہوں تمکو دیکھتا ہوں اور تمہاری آواز بلا تشویش علیحدہ علیحدہ سنتا ہوں تم مجھ کو نہیں دیکھتے اس لیے تم مجھ کو دور سمجھتے ہو ورنہ حقیقت میں میں تم سے بہت قریب ہوں۔ دعا کر لیا لے گی دعا قبول کرتا ہوں جس وقت بھی وہ مجھ سے درخواست کرے بشرطیکہ وہ مناسب بھی ہو اور کسی حکمت اور مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے اِنَّا هُوَ تَذَعُونَ فَيُكْشِفُ مَا تَذَعُونَ رَالَيْهِ۔ اَشَاءَ اللّٰہ۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو دعا کو منظور کرتا ہے ورنہ نہیں۔ پس گزشتہ آیت کو جو احادیث دعا کے حق میں مطلق ہے اس دوسری آیت پر جو مقید ہے محمول کرنا چاہیے۔ پس بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین لیں تاکہ رشد اور ہدایت پائیں اور میں بے نیاز درغنی مطلق ہوں اور پھر بندوں کی درخواست سنتا ہوں اور اسے بندہ! تم میرے من کل الوجوه محتاج ہو تمکو چاہیے کہ میرا قرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی ہر حاجت میرے سامنے پیش کرو اور میری باتوں پر یقین رکھو اور میرے احکام کو قبول کرو۔ اللہ سے مانگنا یہی ہدایت اور رشد کا راستہ ہے۔

جس طرح حق تعالیٰ کی ذات اور صفات بے چون و چگون ہے اور حیطر عقل سے بالاتر ہے

(۱)

اسی طرح اسکا قرب بھی بے چون و چگون ہے۔

جاں تو نزدیک تو دوری ازو : قرب حق را چوں بدانی اسے سمو

دعا کا مقتضی تو یہی ہے کہ قبول ہو کیونکہ حق تعالیٰ جو اد اور کریم ہیں اور ہر شے پر قادر

(۲)

ہیں، اوداؤد اور نرمدی میں رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اے لوگو! تمہارا پروردگار بڑا حیا والا اور کریم والا ہے جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ اسکو خالی ہاتھ واپس کر دے۔ انتہی۔ لیکن اگر بندہ ہی آداب دعا اور شرائط قبولیت کو ملحوظ نہ رکھے تو مستحق قبولیت نہیں ہوتا۔ مثلاً دعا مانگنے میں حدود سے تجاوز کر جائے یا جوش میں ہر کھٹکے جی یا کسی کی ہلاکت اور ہربادی کی دعا مانگنے لگے اور اللہ کے علم میں مقدر ہو چکا ہے کہ یہ شخص آئندہ چل کر اسکا دوست بن جائیگا اور اس بددعا کرنے والے کو طرح طرح کے مائدے پہنچائے گا تو اس دعا کا قبول نہ کرنا اسی کے حق

میں مفید ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً
اِنَّكُمْ لَا يَحِبُّ الْمُتَعَدِّلِينَ

اپنے پروردگار سے عاجزی اور پوشیدگی
کے ساتھ دعا مانگو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔
اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ جو سفر میں ہے اور پراگندہ بال و درآشفترہ حال ہے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے (یعنی قبولیت دعا کے اسباب مجتمع ہیں) لیکن حالت یہ ہے کہ کھانا بھی اسکا حرام ہے اور پینا بھی حرام کا اور لباس بھی حرام کا اور غذا بھی حرام کی پھر کہاں دعا قبول ہو۔ (مسلم) حاصل یہ نکلا کہ اگر یہ موانع نہ ہوتے تو دعا ضرور قبول ہوتی کسی شے کے وجود کے لیے فقط اسباب کا مجتمع ہو جانا کافی نہیں بلکہ ارتفاع موانع بھی لازم ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قبولیت دعا کے معنی یہ ہیں کہ دعا بھی کبھی ضائع نہیں ہوتی یا تو اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتے ہیں یا دنیا میں کوئی آنے والی بلا اور مصیبت دور ہو جاتی ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں تاکہ وہاں اسکو اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر مراد خاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا ہم قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔

فَيَكْتَسِفُ مَا كَذَّبْتُمْ عَنْ رَبِّكُمْ
اِنَّ شَاءَ -

اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور فرما دیتے
ہیں جس کے نازل ہونے کی تم دعا مانگتے
ہو۔ اگر چاہیں۔ یعنی اگر منشا نہ ہوگا تو پھر
مصائب کو دفع نہ کریں گے۔

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ میں دعا مانگنے والوں کی آواز اور پکار کو سنتا ہوں۔ بتوں کی طرح غائب نہیں بلکہ بندہ جو مجھ کو پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں اور لیک یا بعدی کہتا ہوں۔ غرض یہ کہ آیت میں اجابت کے معنی قبولیت کے ہیں بلکہ پکار سننے اور جواب دینے کے معنی ہیں۔ رہا یہ امر کہ تمہاری آرزو پوری کروں گا یا نہیں۔ آیت میں اس سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ دعا مانگنے اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرنا اور شے سے اور محض زبان سے الفاظ دعا کا پڑھنا اور شے ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلَى نِسَائِكُمْ

حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے

هٰنَ يَبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ يَبَاسٌ لَّهُنَّ ۖ عَلِمَ اللَّهُ

وہ پوٹاک ہیں تمہاری اور تم پوٹاک ہو ان کی اللہ نے معلوم

أَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ

کیا کہ تم اپنی چوری کرتے تھے سو معاف کیا تم کو اللہ

عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالَّذِينَ بَايَسُوا هُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ

درگزر کی تم سے پھر اب رطلو ان سے اور چاہو جو لکھ دیا

اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اللہ نے تمکو اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آوے

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

تکودھاری سفید جلا دھاری سیاہ سے فجر کی

ثُمَّ آتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

پھر پورا کرو روزہ رات تک

حکم چہارم متعلق بہ سحر و افطار

قَالَ تَعَالَى - أُحِلَّ لَكُمْ كَيْلَكة الصَّيَامِ السَّرَقَةُ. إِلَى: ثُمَّ آتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

بعد اسلام میں سولے سے پہلے کھانے اور پینے اور عورتوں سے جماع کرنے کی تو اجازت تھی لیکن اگر سو جانے کے بعد آنکھ کھلے تو پھر اجازت نہ تھی۔ بعض صحابہ بغیر کھاتے پیتے سورہ سے اور اسی طرح روزہ رکھ لیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری ہوئی اور بعض سولے کے بعد عورتوں سے صحبت کر بیٹھے اور بعد میں سخت نادم اور پشیمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم منسوخ ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جائز اور حلال کر دیا گیا تمہارے لیے روزے کی رات میں اپنی عورتوں سے مشغول ہونا جیسے روزہ دار کے لیے شب میں کھانا اور پینا جائز کر دیا گیا اسی

طرح اپنی عورتوں سے مخالفت بھی جائز کر دی گئی۔ طبعی میلان کی وجہ سے صبر دشوار ہے کون کہ عورتیں تمہارے لیے ہمزہ لباس کسے ہیں اور تم ان کے لیے ہمزہ لباس کے ہو اس لیے احتیاط مشکل ہے اس لیے روزوں کی رات میں مخالفت کو حلال کر دیا گیا اور گزشتہ ممانعت تم سے ختم کر دی گئی۔ اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے یعنی حکم خداوندی میں تقصیر اور کوتاہی کرتے تھے۔ مگر جب تم اپنی اس خیانت پر نادم اور پشیمان ہوئے اور معذرت کی تو اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تمہارا قصور معاف کیا اور تمہاری خیانت سے درگزر کیا۔ پس اب تمکو اجازت ہے بوقت شب کہ ہم بستر ہو تم ان سے اور جو اولاد اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اسکو طلب کرو کہ یہ مبارک ہینہ ہے۔ اس نیت سے اگر صحبت کرو گے تو اس ہینہ کی برکت سے اولاد بھی مبارک ہوگی اور جس طرح تمکو رمضان کی راتوں میں ہم بستی کی جازت دی گئی اسی طرح تمکو یہ بھی اجازت ہے کہ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید خط یعنی صبح صادق کا لوری خط، رات کے سیاہ خط سے ممتاز اور جدا ہو جائے یعنی تم کو صبح صادق تک کھائے اور پیئے اور عورتوں سے جماع کرنے کی جازت ہے سابق ممانعت منسوخ کر دی گئی پھر صبح صادق سے لیکر رات کے آنے تک روزہ کو پورا کرو یعنی غروب آفتاب تک پورا کرو۔

ف (۱)

مِنْ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمٍ تَبْيِضُ كَيْسَ يَوْمٍ يَتَبَيَّنُ كَيْسَ يَوْمٍ۔ اگر تبیض کے لیے ہے۔ اگر تبیض کے لیے ہے تو یہ معنی ہونگے کہ وہ خیط ابیض جو فجر کا ایک حصہ ہے اور اگر من بیانہ ہو تو یہ معنی ہونگے کہ وہ خیط ابیض کہ جو عینہ خود فجر ہے اور لفظ خیط کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ فجر کا اگر ادنیٰ حصہ مثل تاگے کے بھی ظاہر ہو جائے تو کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ من سیبہ ہے یعنی فجر کے طلوع ہونے کی وجہ سے خیط ابیض ظاہر ہو جاتے۔

ف (۲)

خِطُّ ابْيَضٍ اَوْ خِطُّ اسود کا استعمال صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی میں شائع اور ذائع تھا کسی تفسیر اور بیان کا محتاج نہ تھا۔ لیکن جب لوگوں کو محض ظاہری لفظ کی بنا پر آیت کے مطلب میں اشتباہ ہوا تو مزید توضیح کے لیے مِنْ الْفَجْرِ کا لفظ نازل ہوا۔

عمر بن حاتم سے روایت ہے کہ جب آیت حَتَّى يَكُنَّ لَكُمْ الْخِطُّ الْاَبْيَضُ مِنْ الْخِطِّ الْاَسْوَدِ نازل ہوئی تو میں نے ایک یاہ دھاگہ اور ایک سفید دھاگہ لیا اور دونوں کو اپنے ٹکڑی کے نیچے رکھ لیا اور دونوں کو دیکھنا رہا۔ رات کی تاریکی میں دونوں میں کچھ فرق نہ معلوم ہو۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سن کر ہنس پڑے اور یہ فرمایا۔

انك لعريص الفتا۔ یعنی تو کم عقل ہے۔

یہ تو دن کی سفیدی اور رات کی سببی ہے اور مِنْ الْفَجْرِ کا لفظ نازل ہوا۔ تاکہ ظاہر بین غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں یعنی خیط ابیض اور خیط اسود سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنی مجازی اور کنائی مراد ہیں اور اسی

یہ تمام امت کا اجماع ہے کہ خط ایض سے صبح صادق مراد ہے۔
 فجر تک جماع کی اجازت ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنب صبح صادق کے بعد غسل جنابت
 کرے تو اسکا روزہ صحیح ہے۔ جنابت روزہ کے منافی نہیں۔

(۳)

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ

اور نہ لگو ان سے جب اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

یہ حدیں باندھیں اللہ کی سو انکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان کرتا

اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۵﴾

ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کو شاید وہ بچتے رہیں

حکم پنجم دربارہ اعتکاف

قال تعالى وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ ... إلخ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝
 روزہ کے بعد اعتکاف کے مسائل بیان فرماتے ہیں۔ اسی درجہ فقہاء کرام کتاب الصوم کے بعد کتاب
 اعتکاف لاتے ہیں قَدْ أَمَرَ بِالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ۔ اور مت ہاتھ لگاؤ اپنی بیویوں کو اس حالت میں کہ جب تم
 مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ اگرچہ تم کسی ضرورت سے مسجد سے باہر نکلے ہو۔ درخواہ دن ہو یا رات ہو
 بہر حال اعتکاف کی حالت میں بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ روزہ اگرچہ غروب آفتاب پر ختم ہو جائے لیکن
 اعتکاف دن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اعتکاف رات اور دن دونوں ہی کا ہوتا ہے۔ اور اعتکاف اگرچہ کسی ضرورت
 استیجاد وغیرہ کی بنا پر مسجد سے باہر آجائے لیکن حکماً وہ مسجد میں معتکف اور مقیم ہے اس لیے معتکف کو مسجد
 سے باہر جا کر بھی صحبت کی اجازت نہیں۔ یہ تمام احکام اللہ کے حدود ہیں جو حلال و حرام میں حد فاصل ہیں پس
 ذرہ برابر ان سے تجاوز نہ کرو بلکہ انکے قریب بھی نہ جاؤ۔ قریب جانے سے اندیشہ ہے کہ کہیں حدود منوعہ
 میں داخل نہ ہو جاؤ دین کی برادرت اور نراہمت اگر چاہتے ہو تو شبہات سے بھی بچو۔ سی وجہ سے ارشاد
 سے وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَامَىٰ۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ چہ جائیکہ اس کو ہضم کر جاؤ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اللہ کی حدود و ممانعہ میں داخل ہونے سے بچتے رہیں۔ اپنے قدم کو معصیت کی حدود سے بچائے رکھنے ہی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

فَلَا حالتِ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت حرام ہے۔ مباشرت سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سوائے مسجد کے کسی اور جگہ صحیح نہیں۔

فَإِذَا اعتکاف ہر مسجد جماعت میں درست ہے کسی مسجد کی خصوصیت نہیں اس لیے کہ آیت میں لفظ مسجد عام ہے، امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ سوائے مسجد جمعہ کے کسی اور مسجد میں اعتکاف درست نہیں۔

فَإِذَا اعتکاف رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں سنت مؤکدہ ہے مگر سنت کفایہ ہے محلہ یا شہر میں بعض کے اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے سب پر لازم نہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْءُوا بِهَا إِلَى

در نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق در نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں

الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِلَاحٍ

نیک، کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال میں سے مارے گناہ

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

کہ اور تم کو معلوم ہے

حکم ششم منع از مال حرام

قَالَ تَعَالَى وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ... إلخ . وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ .

گزشتہ آیات میں روزہ اور دعا کا رتھا ۳۱ آیت میں حرام مال کے کھانے کی ممانعت ہے اشارہ اس طرف ہے کہ روزہ اور دعا کی قبولیت کے لیے اکل حلال شرط ہے۔ نیز پہلے افطار اور سحری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ افطار اور سحری حلال روزی سے ہونا چاہیے نیز اصلی مقصود روزہ سے طہارت

نفس ہے تو جب طہارت نفس کیلئے روزہ میں حلال مال کے استعمال کی اجازت نہ ہو تو حرام مال کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ حلال مال سے روزہ تو صرف تیس دن کا ہے اور حرام مال سے روزہ مدت العمر کے لیے ہے یعنی ساری عمر کا صوم وصال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور مت کھاؤ ایک دوسرے کے مال ناحق طریقہ سے ہر ایک کو چاہیئے کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھ کر حفاظت کرے اور مت لے جاؤ مال کے جھوٹے مقدمے حکام کی طرف اس غرض سے کہ کھا جاؤ لوگوں کے مال کا ایک حقہ ظلم اور ستم اور فریب کے ذریعہ سے اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم اس معاملہ میں حق پر نہیں رشوت دیکر اپنے موافق فیصلہ کر لینے سے وہ مال تمہارا نہیں ہو جاتا وہ مال لوگوں ہی کا مال رہتا ہے۔ جیسا کہ لفظ اموال الناس سے مفہوم ہوتا ہے یعنی باطل فیصلہ سے وہ مال لوگوں کی ملک سے نہیں نکلتا جو اسکے اصل مالک ہیں۔ البتہ حکام چونکہ حقیقت حال سے واقف نہیں ظاہر حال کے موافق فیصلہ کر دیتے ہیں۔ وہ معذور ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر حاکم ظاہر خیریت کے موافق فیصلہ کر دے اور دل سے کسی جانب اس کا میلان نہ ہو تو اسکو عند اللہ اجر ملے گا اگرچہ وہ فیصلہ فی نفسہ ناحق اور گناہ ہو۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ قضا و قاضی سے کوئی حرام شے حلال نہیں ہو جاتی جیسا کہ مسلم بخاری و مسلم میں ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تمہاری طرح بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے جھگڑائے اور مقدمے فیصلہ کرانے کے لیے لاتے ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اظہار مدعا میں دوسرے سے زیادہ کُستان اور فصیح اللسان ہوں اور میں اس کے ظاہری بیان اور برہان پر اسکے موافق فیصلہ کر دوں تو تم کو چاہیئے کہ اگر میں شہادت کے اعتبار سے اسکو دوسرے مسلمان بھائی کا حق دلا دوں تو اسکو ہرگز نہ لو کیونکہ حقیقت میں میں نے اس کو آگ کا انگارہ دے دیا ہے۔

اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے کہ یہ مال اس پر حرام ہے اور قضا و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نافذ نہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ املاک مرسہ میں قضا و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نہیں یعنی جس صورت میں مالک کی پہلے سے ملک ثابت ہو۔ وہاں اگر کوئی جھوٹا دعویٰ و رجھوٹی شہادت کے ذریعہ سے اپنے موافق فیصلہ کر لے تو وہ شے اسکے لیے حلال نہ ہوگی لیکن اگر عقود اور فسوخ میں قاضی نے کوئی فیصلہ کر دیا تو قاضی کا حکم ظاہراً (یعنی دنیوی احکام) و باطناً یعنی عند اللہ یکساں طور پر نافذ اور جاری ہوگا۔ عقود سے معاملات مثل بیع و شرا و اجارہ و نکاح مراد ہیں۔ اور فسوخ سے معاملات کا قطع کرنا اور توڑنا مراد ہے۔ جمہور علماء اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہیں امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو گوہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہو گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ عورت اس مرد کو دلا دی جائے۔ اس عورت نے کہا اے امیر المؤمنین! میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا اگر آپ کو یہی منظور ہے تو برا

نکاح اسکے ساتھ پڑھا دیجیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ان گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا۔ واللہ اعلم۔ یہ عورت پہلے سے کسی کی منکوحہ نہ تھی اس لیے یہ شہادت نذر نکاح کے لیے کافی سمجھی گئی۔ اور اگر کسی کی منکوحہ ہوتی تو بالاجماع اس کے لیے حلال نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ کے نزدیک عقود و فسخ سے اس قسم کی عورت مراد ہے۔



يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ

تجھ سے پوچھتے ہیں چاند کا نیا نکلا تو کہہ یہ وقت ٹھہرے ہیں واسطے لوگوں کے

وَالْحَجَّةُ

اور واسطے حج کے

حکم، مقم اعتبار حساب قمری

قال تعالى يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّةُ ط
گزشتہ آیات میں روزہ اور افطار اور سحر کا ذکر تھا جس کا تمام تر تعلق رویت ہلال سے ہے اس لیے ان آیات میں رویت ہلال کے مسائل کو ذکر فرماتے ہیں لوگ آپ سے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہلال اول بار یک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا بڑھتا بدر کمال ہو جاتا ہے۔ آپ اس سوال کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ تغیر اور تبدل لوگوں کے دینی معاملات میں اوقات مخصوصہ اور مدت معینہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں اور خصوصاً حج اور روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے لیے یعنی اس سے حج اور روزہ اور عدت کے ختم ہونے اور قرض وغیرہ کے معاملات کی مدت اور وقت کا علم ہوتا ہے قمری حساب کا جاننا نہایت آسان ہے ہر شخص چاند کے حساب سے تاریخ شمار کر سکتا ہے شمسی حساب کے لیے جنری درکار ہے ہر کس فائس شمسی حساب کو نہیں سمجھتا۔ علم ریاضی میں بغیر کمال حاصل کیے شمسی حساب کا سمجھنا ممکن نہیں اور چاند کا حساب قدرتی اور آسان ہے جو سہولت قمری حساب میں ہے وہ شمسی حساب میں نہیں اس لیے شریعت نے حج اور روزہ اور زکوٰۃ اور عدت وغیرہ کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے۔ حج اور زکوٰۃ میں قمری حساب کا اعتبار ہے شمسی حساب کا اعتبار نہیں۔ شریعت میں ہمینہ اور سال قمری ہی معتبر ہے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لیے فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر سب کے سب قمری حساب کو ترک کر دیں تو گنہ گار ہوں گے جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ پھٹ پر سے

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

لیکن نیکی وہی جو کوئی بچتا رہے اور آؤ گھروں میں دروازوں سے

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم مراد کو پہنچو

حکم شتم اصلاح بعض رسوم جاہلیت

قال تعالى وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا... الى... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔
گزشتہ آیت میں حج کا ذکر تھا۔ آئندہ آیت میں حج کے متعلق جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح فرماتے ہیں۔ بخاری میں برابر بن عازب سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب احرام باندھتے تھے تو گھروں میں دروازوں سے نہ داخل ہوتے بلکہ مکان کی پشت کی طرف سے داخل ہونے (لقب لگا کر یا سیرھی لگا کر) اور اسکو فضیلت اور قربت سمجھتے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس میں کوئی فضیلت اور پرہیزگاری نہیں کہ تم حالت احرام میں گھروں میں پشت کی جانب سے آیا کرو لیکن نیکی اور بزرگی یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر اللہ کے محرمات سے بچے اور جب تم کو گھروں میں آنے کی ضرورت ہو تو دروازوں کی طرف سے آؤ اور احکام خداوندی میں بغیر اور تبدل سے بچتے رہو۔ کسی شے کو اپنی رائے سے طاعت اور معصیت سمجھ لیا تقویٰ کے خلاف ہے۔ امید ہے کہ تم اپنی مراد کو پہنچو گے۔

مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا جائز اور مباح ہے لیکن اسکو عبادت اور نیکی سمجھنا بدعت ہے۔ شریعت کی نظر میں وہ بر اور تقویٰ کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ کسی مباح کو نیکی اور بزرگی سمجھ لینا یہ بدعت ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کام کو اپنے طریقہ سے کیا کرو

اطلبوا الادرأق من اسبابها

و ادخلوا الابواب من ابوابها

اور اس معنی پر آیت کا، قبل سے ایک لطیف ربط ہو جاتا ہے کہ بے محل اور بے معنی سوال (جیسا کہ تم نے ہلال کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق کیا) اسکی مثال ایسی ہے جیسے مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا۔



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝۱۹

اور زیادتی مت کرو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ

وہ مارو انکو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو

مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۝

جہاں سے انہوں نے تمکو نکالا، اور دین سے بھلانا مارنے سے زیادہ ہے

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام پاس جب تک

يُقْتَلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قُتِلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ ۝

وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو

كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝۱۹۱ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ

یہی سزا ہے منکروں کی پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۹۲ وَقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

بخشنے والا مہربان ہے اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد

وَيَكُونَنَّ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا

اور حکم رہے اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو زیادتی نہیں کر

عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ

بے انصافوں پر حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور

الْحُرْمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا

دب رکھنے میں بد ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ

اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

اور جان رکھو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے

حکم نہم متعلق بہ قتال کفار

قال تعالى وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ... وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ قَالَ تَعَالَى قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ... وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

گزشتہ آیات میں حج اور روزہ کے لیے خاص خاص مہینہ کا ہونا بیان فرمایا کہ سوائے ان ایام مقررہ کے دوسرے ایام میں حج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سنت ابراہیمی میں یہ حکم تھا کہ چار مہینوں میں قتل و قتال حرام ہے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب یہ چار مہینے اشہر حرام کہلاتے تھے۔ اور یہ چاروں مہینے اس کے کہلاتے تھے۔ ان دنوں میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی تھی اور کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ الحرام سلسلہ میں صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ وہ کا قصد فرمایا جب مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے ان کے لیے تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ بالآخر اس پر صلح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدولت عمرہ کیے ہوئے واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اگر عمرہ کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ ماہ ذی قعدہ الحرام مکہ میں مع اصحاب عمرہ انصار کے لیے مکہ تشریف لائے تو اندیشہ ہوا کہ اگر مشرکین مکہ اس ماہ حرام میں خلاف عہد

ہم سے لڑنے پر تیار ہو جائیں تو ہم کیا کریں اور شہر حرام اور بلد حرام میں کیوں کر لڑیں اس پر بیت نازل ہوئی کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو مگر بتدریج اور زیادتی تمہاری طرف سے نہ ہونی چاہیئے۔

چونکہ گزشتہ آیات میں حج کا ذکر تھا۔ حج کی مناسبت سے عمرہ حرمیہ اور زمانہ حج اور عمرہ میں قتال کا حکم بیان فرمایا اس کے بعد پھر دور تک احکام حج کے بیان کا سلسلہ چلا گیا۔ اصل مقصود عمرہ حرمیہ کے متعلق حکم بتلانا تھا۔ شہر حرام اور حالت احرام میں جہاد و قتال کا حکم عمرہ اور احرام کی تبعیت میں ذکر فرمایا اس لیے اس حکم کے بعد پھر حج کے احکام بیان فرمائے اور بے تکلف لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی ماہ حرام اور سرزمین حرام میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو اور بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو نہ قتل کرو اور نہ کسی کا مُشک نہ کرو یعنی ناک، کان وغیرہ نہ کاٹو اور نہ کسی کی آنکھ پھوڑو یہ سب حد سے تجاوز کرنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر تم انکو مارو جہاں کہیں بھی یادِ حل میں یا حرم میں اور نکال دو انکو جہاں سے انہوں نے تم کو تنگ کر کے نکالا ہے یعنی مکہ سے یعنی تم کو اتنا ستیا کہ تم نکلنے پر مجبور ہو گئے ایسے لوگوں کو جہاں کہیں بھی یادِ مارو، اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرام میں کیسے قتل و قتال کریں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کا فتنہ، در اعداء اللہ کا غلبہ اور انکی شوکت کا فتنہ اور مفسدہ سرزمین حرام میں قتل و قتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے ماہ محترم میں مار ڈالنا اتنا گناہ نہیں جتنا کہ خود علی الاعلان کفر و شرک کرنا اور دوسروں کو دین حق سے بچلانا اور گمراہ کرنا گناہ ہے قتل میں تو مصلحتیں، در منفعاتیں ہو سکتی ہیں لیکن کفر اور شرک مضر شریعت ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور منفعت کا امکان ہی نہیں لہذا تم اس کفر کے شر اور فتنہ کے ازالہ کے لیے مکہ بستہ رہو۔ اور اس کا خاص طور پر لحاظ رکھو کہ مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تا وقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں۔ اس لیے کہ مسجد حرام غایت درجہ محترم ہے حق کا خلیفہ کَانَ اِمَامًا جو مسجد حرام میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ لہذا مسجد حرام اور حرم کا احترام بہت ضروری ہے پس اگر وہ کفار یا مفسدین مسجد حرام کی حرمت اور احترام کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے اس مسجد میں قتل و قتال کریں تو پھر تمکو اجازت ہے کہ تم بے کھٹکے انکو مارو ایسے کافروں کی کہ جو حرم کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں یہی سزا ہے یعنی بلاشبہ مکہ جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے بتدریج کی اور تم پر ظلم کیا اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے تمہاری ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تو اب مستحق امن کے نہ ہے جہاں یادِ مارو پس اگر یہ لوگ اب بھی کفر اور شرک سے باز آجائیں یعنی تمہارے قتل کے بعد کفر سے توبہ کر لیں اور مسلمان ہو جائیں تو ان کی توبہ قبول ہے اور گزشتہ کیا ہو اسبب معاف ہے اسلام اور توبہ کے بعد کسی گزشتہ خون کا مواخذہ اور مطالبہ نہ ہو گا اور فقط معافی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ انعام و احسان اور مہربانی بھی فرماتے ہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تو اے بہت بخشنے والے اور محاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ سلام اور توبہ کے بعد تمام گزشتہ گناہوں کو محاف فرمادیتے ہیں لیکن حالت

کفر میں رحمت نہیں فرماتے کیونکہ کفر و شرک محل رحمت نہیں بلکہ مورد غضب و لعنت ہے۔ اور اسے مسلمان واجب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ محل رحمت نہیں تو ان کا فرد سے لڑو۔ ورنہ اعداء اللہ سے اس وقت تک جنگ کا سلسلہ جاری رکھو جب تک کہ کفر اور شرک کا فتنہ و فساد ختم نہ ہو جائے اور خالص حکم اللہ ہی کا چلنے لگے یعنی کفر منسوب ہو جائے اور اسلام غالب آجائے کہ کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سرٹھانی کی مجال باقی نہ رہے اور کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دے اور کفر میں اتنی طاقت نہ رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیوی امر میں مزاحمت کر سکے۔ شروع آیت میں اصل قتال کا وجوب بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں جہاد و قتال کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ جہاد سے مقصد کفر کے فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی زمین پر کفر سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں پس اگر یہ کافر شرک اور کفر کے فتنہ اور فساد سے باز آجائیں تو پھر ان سے کوئی زیادتی اور دست درازی نہ کی جاتے اس لیے کہ دست درازی سوائے ظالموں اور مستکباروں کے اور کسی پر روا نہیں، ورنہ شر اور فساد سے باز آجائے کہ بعد ظالم نہیں رہے۔ عہد حدیبیہ میں صحابہ کو یہ تردد تھا کہ اگر کفار سے رٹائی کی فوجیت آئی جیسا کہ بنی نضیر کا واقعہ ہے تو اگر خاموش رہیں تو مشکل اور اگر ان سے جنگ کریں تو ایک تو سر زمین حرم کی بے حرمتی اور دوسرے ماہ محرم یعنی ذی قعدۃ الحرام کی بے حرمتی ذی قعدۃ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ مہینے اشہر حرم اور شہر حرام کہلاتے تھے ان میں قتل قتال منوع تھا۔ مکان محترم یعنی ارض حرم کے متعلق جو تردد تھا اسکا گزشتہ آیات میں جواب دیا۔ اب ان آیات میں زمان محترم یعنی شہر حرام کی بے حرمتی کا جو تردد تھا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اسے مسلمانو! تم کو مکان محترم میں جنگ و جدال کے متعلق جو تردد تھا وہ زائل کر دیا گیا۔ رہا زمان محترم یعنی شہر حرام میں جنگ کے متعلق جو تردد ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت

والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ اور عوض میں ہے اگر وہ اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ اور ادب رکھیں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی اس مہینہ کی حرمت کا ادب اور عطا کر کے ان سے نہ لڑو اور وجہ یہ ہے کہ حرمت کی چیزوں میں عوض اور بدلہ ہے یعنی برابری ہے پس اگر وہ اس شہر حرام کا احترام ملحوظ رکھیں تو تم بھی اسکا احترام ملحوظ رکھو اور اگر وہ اس محترم مہینہ کا احترام نہ کریں تو جیسے تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر زیادتی اور دست درازی کی ہے اور زیادتی کا بدلہ لینے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں زیادتی کا بدلہ لینے میں تم سے زیادتی نہ ہو جائے کہ اپنے حق سے زائد بدلہ لے لو اور مستقبل میں کافروں کے غلبہ کے خطرہ کو خاطر ہی میں نہ لاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم نصرت رکھو کہ اللہ پر مہیزگاروں کے ساتھ ہے اور فتح اور کامیابی کا تمام درود مبارک اللہ کی معیت اور اس کی نصرت و حمایت پر ہے اور بغیر تقویٰ اور پر مہیزگاری اللہ کی معیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حاصل ان آیات شریفہ کا یہ ہے کہ حدود حرم اور شہر حرم میں تم بتدار بالقتال نہ کرو اور اگر کفار ابتداءً بالقتال کریں

تو تم قتال سے دریغ نہ کرو۔ یہ تمہارا قتل و قتل بلکہ حرام اور شہر حرام کی حرمت کے منافی نہیں جیسے ابتداء کسی مسلمان کو قتل کرنا دوا نہیں لیکن قصاص میں کسی مسلمان کو قتل کرنا خون ناحق نہیں کہلاتا۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جہاد کے بارے میں جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے یعنی **فَاَقْتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقْتُلُوا نَفْسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا** ابتداء میں یہی حکم تھا کہ جو لوگ آپ سے قتال کریں آپ ان سے قتال نہ کریں اور جو آپ سے قتال نہ کریں آپ بھی ان سے قتال نہ کریں۔ بعد میں یہ حکم **اَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَفَّةً** سے منسوخ ہو گیا یعنی تمام مشرکین سے قتال کرو خواہ وہ تم سے قتل کریں یا نہ کریں۔

اور صدیق اکبر اور سعید بن جبیر اور زہری سے منقول ہے کہ سب سے پہلی آیت جو جہاد و قتال کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورہ حج کی یہ آیت ہے۔ **اِذْ لِلَّهِ الْبَغْيُ بَأْسُهُمْ خِطَمُوا وَ** **اِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ** الآیۃ۔

امام ابو بکر رازی فرماتے ہیں کہ جہاد کے بارے میں ابتداء بالقتال کرنے والوں سے قتال کی اجازت میں سب سے پہلی آیت **فَاَقْتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقْتُلُوا نَفْسَكُمْ** اور عام کاخروں سے جہاد و قتال کی اجازت کے بارے میں خواہ وہ ابتداء بالقتال کریں یا نہ کریں سورہ حج کی پہلی آیت ہو یعنی تمام کفار سے جہاد و قتال کی اجازت میں پہلی آیت **اِذْ لِلَّهِ الْبَغْيُ بَأْسُهُمْ خِطَمُوا** الآیۃ ہو۔ کذا فی احکام القرآن ص ۲۵ ج ۱۔

فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد و قتال ہو۔ قریف اور وطنیت کی بار پر نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جو قتال حمیت، ور قومیت اور اہماریہ شجاعت کے لیے ہو وہ فی سبیل اللہ نہیں جو قتال محض اس لیے ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

جمہور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ اہل حرم میں قتل و قتال ابتداء میں ممنوع تھا بعد میں اجازت ہو گئی مگر بہتر اب بھی یہی ہے کہ اہل حرم میں ابتداء بالقتال نہ کی جائے۔ اور بعض

علماء کا قول یہ ہے کہ آیت کا حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور اب بھی حرم اور شہر حرم میں ابتداء بالقتال حرام ہے، درہم ہی مجاہد کا قول ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ شہر یعنی مکہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے صرف میرے لیے ایک ساعت کے واسطے حلال ہو گیا باقی قیامت تک حرام ہے یہاں کا گھاس اور تنکا بھی نہ کاٹا جاوے اور نہ یہاں کا شکار بد کا یا جاوے۔ اور جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل مسجد حرام میں قتل کیا گیا حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس ساعت میں ہوا کہ جس ساعت میں مکہ میں قتل و قتال آپ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو

إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

ہلاکت میں اور نیکی کرو اللہ چاہتا ہے

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

نیکی والوں کو

◉ حکم دہم انفاق فی الجہاد ◄

قال تعالیٰ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔
گزشتہ آیات میں بدنی جہاد کا ذکر تھا ان آیات میں مالی جہاد کا ذکر ہے یعنی جو جان سے کفر و شرک کے فتنہ و فساد کا مقابلہ کر سکے وہ اپنی جان سے کرے اور جو مال سے مقابلہ کر سکتا ہے وہ مال سے مقابلہ کرے۔ خدا کی راہ میں جان کی ضرورت ہو تو جان پیش کر و مال کی ضرورت ہو تو مال پیش کر و اور خدا کی راہ میں جو خرچ کر سکتے ہو وہ خرچ کر د اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت اور تباہی میں نہ ڈالو یعنی خدا کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ خدا کی راہ میں جان اور مال سے بخل کرنا اپنے کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ اگر تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو تو تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ اور پھر تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ گے معلوم ہوا کہ جہاد میں جانا ہلاکت اور تباہی نہیں بلکہ جہاد کو چھوڑ بیٹھنا ہلاکت اور تباہی ہے۔ اور نیکی کرو یعنی اپنے اعمال و اقوال و احوال کو خوب صورت بناؤ۔ یا یہ معنی کہ اپنی جانوں پر احسان کرو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنے ہی اوپر احسان کرنا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر عبادت اور ہر عمل اس طرح کرو کہ گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو

أَلَمْ يَكُنْ يَكُنْ بِأَلَدِ اللَّهِ
کیا انسان کو یہ علم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

بے شک اللہ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

بِأَيْدِيكُمْ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی حکم عدولی نہ کرو جو تمہاری ہلاکت کا باعث بنے ابدتہ اگر بے مقصد

اور بے اختیار کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔ (روح المعانی)

ابوداؤد اور ترمذی میں ابو یوب، انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو فتح دی تو ہم آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیدیا (یعنی سب چیزیں جہاد کی ضرورت نہیں) لہذا ہمارے جو مال لڑائیوں میں پہلے تباہ ہو چکے ہیں انکی کچھ دیکھ بھال کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ابو یوب، انصاری ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی شہر بیاہ کے نیچے مدفون ہوئے۔



وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روکے گئے تو جو

مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ

میسر ہو قربانی بھیجو اور حجامت نہ کرو سر کی، جب تک

الْهَدْيُ مَحَلَّةٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى

بہیم نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں مریض ہو یا اس کو

مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ

دکھ دیا اسکے سر سے، تو بدلا دلو سے روزے یا خیرات یا

نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَىٰ

دنچ کرنا پھر جب تم کو خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ یوسے عمرہ ماکر حج کے

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

ساتھ تو جو میسر ہو قربانی پہنچا دے پھر جس کو پیدا نہ ہو

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ

تو روزہ تین دن کا حج کے وقت میں اور سات دن جب پھر کر جاؤ

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ

یہ دس ہوتے پورے یہ اس کو ہے جسکے گھر والے نہ

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

ہوں رہتے مسجد الحرام پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ کا عذاب سخت ہے

حکم یزدہم متعلق حج و عمرہ

قال تعالى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ... اَلَيْسَ اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ
ماہ صیام کے بعد حج کے پھیلنے شروع ہوتے ہیں اس لیے روزوں کے بعد حج کا ذکر فرمایا اور پھر
حج کی مناسبت سے حج کے مہینوں میں قتل و قاتل کا حکم ذکر فرمایا اب پھر حج اور عمرہ کے بقیہ احکام کو بیان
فرماتے ہیں۔ نہر حج مبرورہ و عمرہ مبرورہ اعلیٰ ترین اعمال میں سے ہے اور اتفاق فی سبیل اللہ و احسان الی
العباد کا بہترین عمل ہے جسکا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے۔ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى
التَّهْلُكَةِ وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ چنانچہ فرماتے ہیں اور حج اور عمرہ کو خاص
اللہ کے لیے پورا کرو نہ تو شروع کر کے درمیان میں چھوڑ دو اور نہ حج کا احرام باندھ کر اسکو بیخ کر کے عمرہ
بناؤ جو شروع کیا ہے اسی کو پورا کرو اور حج اور عمرہ کے آداب و سنن کو پورا پورا ملحوظ رکھو بغیر اسکے حج اور
عمرہ ناممکن رہے گا اور حج اور عمرہ کا تمام سفر خالص اللہ کے لیے ہو۔ بغیر اخلاص کے عبادت میں حسن
پیدا نہیں ہوتا اور سفر حج میں اتفاق فی سبیل اللہ اور احسان سے دریغ نہ کرو سفر حج و عمرہ میں خیرات
کرنے سے اصعافا مضاعفہ اجر ملتا ہے۔ پس اگر احرام باندھنے کے بعد تم اس حج اور عمرہ کے پورا
کرنے سے روک دیتے جاؤ کہ جس کے تمام کرنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور کسی دھمن یا مرض یا غریب
کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یا اور کسی عذر کے پیش آ جانے کی وجہ سے تم بیت اللہ تک نہ پہنچ سکو، تو
ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ فی الحال حج اور عمرہ کو ملتوی کرو اور احرام سے حلال ہونے کے لیے یہ طریقہ

لہ اس لفظ سے گزشتہ آیت وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۳

اختیار کرو کہ جو قربانی تم کو میسر آئے اونٹ یا گائے یا بکری کی اور بکری ادنیٰ درجہ ہے اسکو سرزمین حرم کی طرف بھیجونا کہ وہ قربانی حرم میں ذبح کی جائے اور سرمنڈا کر اس وقت تک احرام کھول کے حلال نہ ہو جب تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنے خاص موقع اور محل پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اور ہدی کے ذبح کا محل اور موقع حرم ہے کما قال تعالیٰ شَحْرًا مَحَلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَقَالَ تَعَالَى هَذِهِ بِلَاغُ الْكَتَبَةِ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ خون بہانا اس وقت تک عبادت نہیں جب تک کہ کسی خاص مکان یا خاص زمان میں نہ ہو۔ چونکہ یہ زمانہ قربانی کا نہیں اس لیے مکان میں بھیجا ضروری ہوا۔ اس بنا پر محصر کے لیے یہ واجب ہوا کہ اپنی ہدی کو حرم میں بھیجے اور ذبح کے لیے کوئی دن مقرر کر لے تاکہ جب وہ دن آئے تو اس دن سرمنڈا کر حلال ہو جائے اور اس فوت شدہ حج اور عمرہ کی بعد میں تضا کرے۔ پھر اگر تم میں سے کوئی مریض ہو جائے یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اس بیماری اور تکلیف کی وجہ سے قبل از وقت ہی سرمنڈا نا چاہے تو اس کے لیے اجازت ہے مگر اس پر اس جنایت اور تقصیر کا نذیر اور بدلہ واجب ہے اس طرح سے کہ یا تو تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ اور خیرات دے اور فی مسکین نصف صاع گہوں یعنی جو صدقہ وطر کی مقدار ہے وہ دے یا کسی جانور کی قربانی دے جس کا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ گائے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے پس جب تم خاطر جمع ہو جاؤ یعنی احصار سے تم کو امن حاصل ہو جائے یا یہ کہ تدریج ہی سے تم ماموں اور بے خوف ہو تو جو شخص ایام حج میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع حاصل کرنا چاہے یعنی یہ چاہے کہ حج کے زمانہ میں حج بھی کر لیں اور عمرہ بھی کر لیں خواہ دونوں کا احرام ساتھ باندھے یا یکے بعد دیگرے تو بیک وقت ان دو عبادتوں سے مستمتع اور منتفع ہونے کے شکر میں اس کے ذمہ قربانی واجب ہے جو بھی میسر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی کہ حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہوا اس نعمت کے شکر میں ایک ہدی واجب ہے جیسی بھی میسر ہو اور جس شخص نے فقط حج یا فقط عمرہ کیا تو اس پر یہ ہدی واجب نہیں پس جو شخص ان ایام میں حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہو لیکن ناداری کی وجہ سے اسکو ہدی میسر نہ آئے تو اسکے ذمہ تین روزے تو زمانہ حج میں واجب ہیں۔ جنکا آخری دن نویں تاریخ ذی الحجہ ہے اور اگر اس سے پہلے ہی تین روزے رکھ لے تو وہ بھی بالا جماع جائز ہیں اور ان تین کے علاوہ سات روزے جب رکھو کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس ہونے لگو پس یہ پورے دس دن کے روزے ہوتے اور زمانہ حج میں عمرہ اور حج کو ملا کر متمتع اور منتفع ہونے کی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے قرب و جوار اور اس کے آس پاس رہنے والے نہ ہوں یعنی حدود حرم اور حدود موافقت سے باہر کے رہنے والے ہوں اور جو لوگ حدود حرم کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں یعنی فقط حج کا احرام باندھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو مبادا کہ حالت احرام میں کوئی جنایت کر بیٹھو۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دے گا اس لیے احرام کی حالت، دربار کی حاضری کی علامت ہے اور دربار میں حاضر ہو کر جنایت اور معصیت کا مرتکب ہونا سخت جرم ہے۔

الْحَبَّةُ أَشْهَرُ مَعْلُومَتٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَبَّةَ

حج کے کئی مہینے ہیں معلوم پھر جس نے لازم کر لیا ن میں حج

فَلَا رَفَتْ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَبَّةِ ط

تو بے پردہ ہونا نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج میں ۔ اور

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ط وَتَزَوَّدُوا

تو کچھ تم کر دو گے نیکی اللہ کو معلوم ہو گی اور خرچ راہ یا

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِ

کرد کہ خرچ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو لے

الْأَلْبَابِ ۱۹۰ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

عقلمند ۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرد

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ط فَإِذَا أَفَضْتُمْ

نفل اپنے رب کا پھر جب طواف کو چلو

مِّنْ عَرَفَاتٍ فَادْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

عرفات سے تو یاد کرد اللہ کو نزدیک مشعر احرام کے ۔

وَادْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ

اس کو یاد کرد جس طرح تم کو سکھایا اور تم تھے اس سے پہلے

لَمِنَ الضَّالِّينَ ۱۹۱ ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ

راہ بھولے ۔ پھر طواف کو چلو جہاں سے سب

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۱۹۲

لوگ چلیں اور گناہ بخشواؤ اللہ سے ۔ اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو ایسے یاد کرتے تھے

أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط

اپنے باپ و ددوں کو بلکہ اس سے زیادہ یاد۔

تمتہ احکام حج

قَالَ تَعَالَى الْحَجَّ أَشْهُرٌ مُّعْتَمَرَةً اے اَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔

ربط گزشتہ آیات میں حج اور عمرہ کے اتمام کا ذکر تھا مگر چونکہ عمرہ کے لیے کوئی وقت معین نہیں اور حج کے لیے وقت معین ہے۔ نیز حج عمرہ سے افضل ہے۔ اس لیے آئندہ آیات میں اٹھارے حج اور داب حج کو ذکر فرماتے ہیں (بحر محیط، حج کے احرام اور افعال کا وقت چند مہینے معلوم ہیں، شوال اور ذی قعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے باقی اصل ارکان کا وقت یوم عرفہ اور یوم نحر ہے۔ شوال اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ یہ خاص فضیلتوں اور برکتوں کے مہینے ہیں در عشرۃ ذی الحجہ تو اس قدر فضیلت اور برکت والے ہیں کہ ایک عشرہ ہی قائم مقام پورے مہینے کے ہو گیا پس جس شخص نے ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو اس کو چاہیے کہ احرام اور اٹھارے حج کا پورا احترام کرے لہذا اس کو چاہیے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ رفقا و سفر سے کوئی لڑائی اور جھگڑا کرے۔ جب تک حج میں رہے ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے کہ رفعت اور فسوق اور جدال سے بچا رہے، علیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ نیک کاموں میں لگے رہو۔ حج کے زمانہ میں نیکی کی تاثیر اور بھی قوی ہو جاتی ہے۔ در کسی خیر کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑو کوئی معمولی سے معمولی بھی نیکی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا کہ کس درجہ اخلاص اس کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے مطابق تم کو اس کی جزا عطا فرمائے گا اور خیر کے سمجھنے میں غلط نہ کرنا جیسا کہ یمن کے لوگ حج کو بغیر زاد راہ لیے آتے ہیں اور اس کو توکل سمجھتے ہیں اور پھر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں تم کو چاہیے کہ حج کے لیے زاد راہ لے کر چلو۔ اپنے آپ کو بھیک اور سوال سے بچانا اس خیالی توکل سے کہیں بہتر ہے۔ اور خوب سمجھ لو کہ بہترین زاد راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ وراپنے آپ کو سوال سے

سہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک احرام کے لیے نیت کے ساتھ تلبیہ بھی ضروری ہے جیسے نماز میں تکبیر تحریرہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک لفظ قلب سے نیت کرنے کا نام احرام ہے تلبیہ شرط نہیں، امام اعظم فرماتے ہیں کہ احرام کو لفظ اہل سے تعبیر کیا ہے اور اہل کے معنی تلبیہ کے ہیں۔

تمہارے خالق نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارا خالق اور مربی بھی ہے جس کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ایسے
مبزر مقامات میں اللہ کو یاد کرنا چاہیئے بار و اجداد کا ذکر بے سود ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا

پھر کوئی آدمی کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں

وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَمِنْهُمْ

وہ اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي

ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور

الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ

کشتہ میں خوبی اور بھی ہم کو دوزخ کے عذاب سے بے نگو

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ

انہی کو ہے کچھ حصہ اپنی کمائی سے اور اللہ جلد دیتا ہے

الْحِسَابِ ۚ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ

حساب - اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے پھر جو

تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ

کوئی جلدی چلا گیا دو دن میں اس پر نہیں گناہ اور جو کوئی رہ گیا

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اس پر نہیں گناہ جو کوئی ڈرتا ہے، وہ ڈرتے رہو اللہ سے اور جان

أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ۚ

رکھو کہ تم اسی پاس جمع ہو گے۔

اہل ذکر اور اہل دعا کی اقسام

قال نعدی فَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ دَعَاؤًا فِي الدُّنْيَا... اَللّٰهُمَّ... وَاعْلَمُوا أَنَّكَ عَالِمٌ بِمَا تُحْشَرُونَ
 ارتباط اگر مشرت آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا حکم تھا اب اہل ذکر کی اقسام بیان فرماتے ہیں کہ
 اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو فقط دنیا
 کے عذاب ہیں۔ یہ لوگ فقط دنیاوی عزت و درجاءت اور فقط مال و دوست کی دعا مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے
 لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی خوبی و بھلائی
 خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں ان کو تمام حسنات سے پورا حصہ ملے گا ایک تیسری قسم اور بھی ہے وہ یہ کہ سوائے آخرت
 کے کچھ نہ مانگے۔ سوا دل تو ایسی قسم بہت ہی قلیل اور نادر بلکہ تقریباً معدوم ہے۔ نیز یہ صورت شرعاً بھی پسندیدہ
 نہیں۔ انسان ضعیف اور ناتواں ہے دنیاوی ضرورتوں سے مستغنی نہیں بعدیت کا مقصد یہ ہے کہ جوئی کا تہ
 بھی خدا سے مانگے۔ انسان کو پیدا ہی مانگنے کے لیے کیا ہے۔ نیز انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
 کی سنت بھی یہی ہے کہ تمام دینی اور دنیوی آفتوں سے پناہ مانگے تاکہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت
 کر سکے۔ نیز اللہ سے مانگنا عزت ہے اور مخلوق سے مانگنا ذلت ہے اللہ سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ خدا
 کے مقرب ہو گے۔ بخلاف مخلوق کے کہ اس سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ اس سے دور ہو گے۔ چنانچہ
 فرماتے ہیں کہ پس بعضے لوگ کوتاہ نظر جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایسے متبرک اور مقدس مقامات میں
 فقط دنیا ہی کی دعا مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسے پروردگار ہم کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے
 اس شخص نے اگرچہ ہموں پکارا اور ہم کو یاد کیا لیکن ہمارے گھر میں آکر ہم سے ہم کو نہ مانگا بلکہ دنیا سے دلوں کو
 مانگا اس لیے اس شخص کو جو کچھ دینا ہو گا وہ ہم دنیا ہی میں دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی
 حصہ نہ ہو گا اور بعضے آخرت کے شیعہ دانی اور فداں ایسے ہوشیار ہیں کہ دنیا ہی میں آخرت کے طلبگار ہیں
 اور اپنی دعا میں یہ کہتے ہیں اسے پروردگار ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے ایسی بھلائی اور نیکی عطا فرما جو ہمارے
 دہم و گمان سے بالاتر و برتر ہو اور تیری خوشنودی اور رضا مندی کا ذریعہ ہو اور آخرت میں بھی ہم کو نیکی
 اور بھلائی عطا فرما یعنی ثواب اور رحمت سے سرفراز فرما اور عفو اور مغفرت کے ذریعہ ہم کو عذاب و دوزخ سے
 محفوظ فرما ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں بہت بڑا حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی دعا اور
 استدعا اور اعمال صالحہ سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جملہ حساب لینے والے ہیں۔ یعنی قیامت قریب ہے
 تم اس سے غافل نہ ہو اور ایام تشریق میں اللہ کو یاد کرو جو گنتی کے دل ہیں۔ ایام سعد و راحت سے وی النجہ

سے یہ ترجمہ حسنہ کی تہنیت منیکر کا ہے۔ نکرہ وہ ہے جو معلوم نہ ہو معرفہ اس کی ضد ہے ۱۲۔

کی گیارہویں بارہویں تاریخیں مزد ہیں جن میں تینوں جمروں کی رمی ہوتی ہے بخلاف دسویں تاریخ کے کہ اس میں فقط جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے اس دسویں تاریخ کے علاوہ تین دن مراد ہیں ان دنوں میں منی میں قیام کا حکم ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ نمازوں کے بعد تکبیر کہو اور رمی جمار کے وقت بھی تکبیر کہو اور قربانی کے وقت بھی تکبیر کہو اور دیگر مقامات میں بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور تکبیر پڑھو پس جو شخص منی سے کوچ کرنے میں جلدی کرے اور کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد صرف دو دن منی میں ٹھہر کر بارہویں کو مکہ واپس آجائے تو اس پر کون گناہ نہیں اس کا حج پورا ہو گیا حج کے ثواب میں کوئی کمی نہ رہے گی اور جو شخص منی میں ٹھہر رہا اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے مکہ واپس آیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ آیت اہل جاہلیت کے رد کے لیے نازل ہوئی بعض لوگ جلدی چلے جانے والے کو گناہ سمجھتے تھے اور بعض تاخیر کرنے والوں کو گناہ سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تعیل میں گناہ ہے اور نہ تاخیر میں اگرچہ ادنیٰ اور افضل یہ ہے کہ تین دن قیام کر کے واپس ہو بہر حال تعیل اور تاخیر ہر صورت میں حج مکمل ہو گیا اس کو حج کا پورا ثواب ملے گا اور تمام گناہ اس کے معاف ہو جائیں گے مگر یہ فضیلت اور یہ رعایت اس شخص کے لیے ہے جو اپنے حج میں رفث اور فسوق درجہ اول اور دیگر افعال ممنوعہ سے بچتا رہا۔ اور تقویٰ کے لیے حج کی کوئی خصوصیت نہیں ہر کام میں ہر وقت اللہ سے ڈرے نہ تو اور یہ یقین رکھو کہ تم سب اللہ کے پاس جمع کیے جاؤ گے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

جاننا چاہیے کہ آیت شریفہ میں ایام معدودات سے علاوہ یوم النحر (یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ) کے علاوہ تین دن مزد ہیں جن کو ایام تشریق بھی کہتے ہیں یعنی گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں تاریخیں مراد ہیں اور فَصَنَ تَعَجَّلَ رَفِیْ یُؤْخِیْ مَیْنِ میں دسویں تاریخ کے علاوہ دو دن یعنی گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ مراد ہیں۔ حضرات اہل علم کے لیے امام قرطبی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

”امراً لله سبحانه وتعالى عبادة بذكره في الايام المعدودات و هي الثلاثة التي بعد يوم النحر وليس يوم النحر منها لاجتماع الناس انه لا ينفر احد يوم النفر وهو ثاثة يوم النحر ولو كانت يوم النحر في المعدودات لساخ ان ينفر من شاء متعجلاً يوم النفر لانه قد اخذ يومين من المعدودات خرج الذار تظني والترمذي وغيرهما عن عبد الرحمن بن يعمر الديلمي ان ناساً من اهل نجد اتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفة فسألوه فامر مناديا فنادى بالحج عرفة فمن جاء ليلة جمعة قبل طلوع الفجر فقد ادرك ايام مني الثلاثة فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه اي من تعجل من الحاج في يومين من ايام مني صار مقامه

بمعنی ثلاثہ بیوم النحر ویسقط عنه رمی الیوم الثالث ومن لم
ینفر منها الا فی آخر الیوم الثالث حصل له بمعنی مقام اربعۃ ايام
من اجل یوم النحر الخ۔
(کذا فی احکام القرآن للقرطبی ۳۶ ص ۱)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُحِبُّ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اور بعض آدمی ہے کہ خوش آوے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں ۔

وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۚ وَهُوَ

اور گواہ پڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ

أَلَدُّ الْخِصَامِ ۚ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

سخت جھگڑاؤں سے ۔ درجب بیٹھ پھیرے ، دوڑتا پھرے ملک میں

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ ۚ وَ

کہ اس میں دیرانی کرے ، اور ہلاک کرے کھیتیاں

النَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ

جانیں اور اللہ خوش نہیں رکھتا فساد کرنا اور جو کہے اللہ

اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ

سے ڈر تو کھینچ لادے اس کو غرور گناہ پر پھر بس ہے اس کو دوزخ

وَلَيْئَسَ الْيَهُودُ ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي

در بڑی تیاری ہے ۔ اور کوئی آدمی ہے جو بیچتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۚ

اپنی جان تلاش کرتا ، خوشی اللہ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر

تقسیم دیگر

قُلْ تَعَالَىٰ وَ مِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْخَلْقِ وَالْأَنْثَىٰ... ۱۱۔ وَ اِنَّهُ رَعُوفٌ بِالْعَبَادِہ (رابطہ) گزشتہ آیات میں اغراض دعا کے اعتبار سے تقسیم کا ذکر تھا سب ان آیات میں اخلاص اور نفاق کے اعتبار سے گروں کی تقسیم بیان فرماتے ہیں۔ پہلے یک منافی کا حال بیان کرتے ہیں جس کا نام اخیس بن شریقی تھا۔ یہ شخص بڑا فصیح اللسان اور شیریں بیان اور حسین اور خوبصورت تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بڑی باتیں بناتا اور قسمیں کھاتا کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور جب آپ کے پاس سے جاتا تو فساد پھیلاتا، لوگوں کی کھیتوں کو جاتا اور مویشیوں کو ہلاک کرتا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعض آدمی ایسا چرب لسان ہے کہ جب وہ دنیاوی اغراض اور مقاصد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو آپ کو بھی اس کی بات حیرت اور تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا دین سلام اور آپ کی محبت سے بربز ہے اور حاکم دل اسکا عدوت سے بربز ہے اسدم اور سلاؤں سے ایسی شدید عداوت اور شدید حسوت رکھتا ہے کہ جھگڑنے میں کسر اٹھا نہیں رکھتا ایسی شدید خصومت سے صاف ظاہر ہے کہ دل میں محبت کا نام و نشان بھی نہیں یہ حال تو دلی عداوت و در خصومت کا موا اور شرارت کا یہ حال ہے کہ جب آپ کی مجلس سے پشت پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد اور تباہی پھیلنے اور کھیتوں اور مویشیوں کو ہلاک کرے اگر حقیقتہً اللہ اور اس کے رسول کا محب ہوتا تو ہرگز ایسے کام نہ کرتا معلوم ہوا کہ محب نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا مفسد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور ایسا شخص تو اللہ کا محب ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس مفسد کو خدا تعالیٰ کی کوئی پرواہ نہیں اس کا حال تو یہ ہے کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر اور فساد نہ مچا اور لوگوں کی کھیتوں اور مویشیوں کو مت برباد کر تو نخوت اور بڑائی اس کو اور گناہ پر آمادہ کر لے اور ضد میں آکر اور زیادہ فساد برپا کرنے لگتا ہے پس سمجھو کہ جس کو تعویٰ اور خدا کے خوف کی نصیحت کا نفع نہ ہو تو اس کو جہنم ہی کفایت کرے گی۔ اور اس عزت اور نخوت کے بدلہ میں ہمیشہ کی دولت میں مبتلا رہے گا اور جہنم کا یہ دولت آمیز فرش بہت ہی بڑا فرش ہے اب آئندہ آیت میں ایک کام الایمان مخلص کا ذکر فرماتے ہیں یعنی صہیب رضی اللہ عنہ کا جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت صہیب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے آکر گھیر لیا حضرت صہیب نے کہا کہ میں تم کو، پنا تمام مال دے دیتا ہوں تم مجھ کو مدینہ جانے دو قریش نے اس کو منظور کیا اس طرح حضرت صہیب مدینہ پہنچے اور حضور پُر نور سے تمام واقعہ بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا۔

۱۔ ابویحییٰ تیری بیعت بہت فائدہ مند ہوئی۔

۲۔ بیعت یا ابایحییٰ

اور اس کے بعد فرمایا کہ تیرے گھر سے میں یہ آیت نازل ہوئی وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي نَفْسَهُ بِۤاِحْمٰیۃٍ یعنی در بعض لوگ ایسے عاقل اور دانا ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ عزت اللہ کی رہ میں جانا بازی اور سرفروشی اور تذل اور خاکساری سے حاصل ہوتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور یہ بعض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور تلاش میں کرتے ہیں اس کے سوا اور کوئی عرض نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر جو اس کی راہ میں اپنی جان بھی دے ڈالیں بڑے ہی مہربان ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سچے محب اور مخلص ہیں ان کو اگر خدا تعالیٰ کے تقویٰ کی نصیحت کرے تو ان کا عجب حال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اِنَّكَ لَتَقُوۡلُ اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) حضرت عمرؓ نے فوراً تواضع سے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا۔

بارون رشید کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی ایک سال تک اپنی ضرورت لے کر ہارون رشید کے دروازہ پر حاضر ہوتا رہا۔ حاجت براری نہ ہوئی، ایک دن ہارون رشید محل سے برآمد ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ یہودی سامنے سے اُتر پڑا سو گیا اور یہ کہا اِنَّ اللّٰهَ يَمِيۡرُ الْمُؤْمِنِيۡنَ "اے امیر المؤمنین، اللہ سے ڈرو" ہارون رشید یہ سنتے ہی فوراً سواری سے اُتر پڑے اور وہیں زمین پر سجدہ کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد حکم دیا کہ اس یہودی کی حاجت پوری کی جائے چنانچہ اسی وقت اس کی حاجت پوری کر دی گئی جب محل واپس ہوئے تو کسی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ایک یہودی کے کہنے سے فوراً زمین پر اُتر پڑے۔ فرمایا کہ یہودی کے کہنے کی وجہ سے ہمیں اُترا بلکہ حق تعالیٰ نے شانہ کا یہ ارشاد یاد آیا۔ وَ اِذْ اَقْبَلۡ لَكَ اِنَّكَ لَآتٰهُ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثۡمِ وَ حَسْبُۢهُ جَهَنَّمُ وَاِنَّكَ لَیۡسَ بِسَوَّارٍۭ عَلٰیۤہِمْ تَرٰ اَوۡدَ سَجۡدَہٗ کِیۡا۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۹)

فائدہ | وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي میں عدا کے دو قول ہیں ایک یہ کہ بشری سے بیع یعنی فروخت کرنے کے معنی مراد ہیں اس تفسیر پر ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اپنی جان کو خدا کے ہاتھ بمعادۃ جنت فروخت کر دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بشری بمعنی بشری یعنی خریدنے کے معنی میں ہے اس صودت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اعمال صالحہ کر کے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں یعنی خطرات اور فحاک چیزوں سے اپنی جان کو بچا لیتے ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ بشری سے بیع کے معنی مراد ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ جان پھر انہی کے قبضہ میں رہنے دیتے ہیں اور جان کی حفاظت انہی کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری امانت ہے بغیر ہماری اجازت کے اس میں کوئی تصرف نہ کرے۔ نیز بندہ کا اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا اور اللہ تعالیٰ اس کو خریدنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ ظاہر بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی جان کا مالک ہوں ورنہ فی الحقیقت سب چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اِنۡ عَطَاۤہُ کَا قَوْلٍۭ ہِیۡۤ اِنَّ حَتّٰہُ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیۡنَ

أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ كَوْنٌ كَرِيمٌ تَوْخِشُ بِمُكْنٍ كَمَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى نَسَبُ
بِمَعَادِ جَنَّةٍ هَامِي جَانِبِ خَرِيدٍ ابْنِ بَمِ كَوْنِ اس كَعُوضِ جَنَّةٍ لَئِي كَمَرِ خَوَاصِ شَرْمِ كَسَ زَمِينِ
مِنْ كَرَزِ كُنْ كَرِ بَمِ دَعْوَى مَالِكِيَّتِ كَاتِحَا جَبِ ابْنِ تَوَاشَرِي فَرَايَا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَ

اے ایمان والو! داخل ہو مسلمان ہیں پورے پورے اور

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مست چو قدموں پر شیطان کے وہ تمہارا سرسبز دشمن

مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ

ہے ۔ پھر اگر ڈگنے لگو بعد اس کے کہ پہنچے تم کو

الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ هَلْ

صاف حکم تو جان رکھو کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ۔ کیا

يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ

لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ آدھے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں

وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَالِلَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

اور فرشتے اور فیصل ہووے کام ۔ اور اللہ کی طرف رجوع ہیں سب کام ۔

● حکم دوازدم۔ استسلام تام وقبول جمیع احکام اسلام ●

قال تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۝ وَاللَّهُ مُرْجِعُ الْأُمُورِ
ربط، گزشتہ آیات میں ایمان در اخلاص کا ذکر تھا اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
ایمان اور اخلاص کا مقتضی یہ ہے کہ دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اسلام میں
داخل ہونے کے بعد دین سابق یعنی یہودیت اور نصاریت کی رعایت سے کوئی کام نہ کرو ایک

دین میں داخل ہونے کے بعد دوسرے دین کی طرف بھی نظر رکھنا یہ اخلاص کے منافی ہے۔ نیز جو شخص اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرے اور اس کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار ہو اور اس کی اس خاص رحمت و رأفت کا امیدوار ہو جو عباد مخلصین پر نازل ہوتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال میں قرآن کے بعد توریت اور انجیل کی رعایت نہ کرے ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ کی رعایت، بدعت اور ضلالت ہے جو باعث عقوبت ہے۔ یہ آیت عبد اللہ بن سلام اور دیگر علماء ہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہم کو احکام کی تعمیل کے ساتھ اس کی بھی اجازت دے دی جائے کہ شریعت موسویہ کے مطابق ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے ہیں اور توریت کی بھی تلاوت کرتے رہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اسلام میں ظاہر اور باطناً، اعتقاد اور عملاً ہر سے داخل ہو جاؤ اور اس دم میں کسی اور چیز کو ہرگز نہ ملاؤ مبادا یہودیت اور نصرانیت کی آمیزش سے اسلام کے آب و ہور کے رنگ یا یوں مانہ میں کہیں فرق آجائے اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو ناسخ کے بعد منسوخ کی رعایت کرنا شیطان کے نشان قدم پر چلنا ہے۔ تحقیق وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہ جو چیز دین نہیں اس کو دین بتا کر تم سے کرانا چاہتا ہے اور بدعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جو چیز دین نہ ہو اس کو دین سمجھ لیا جائے ان مومنین اہل کتاب کے دل میں شیطان نے یہ دوسرے ڈالاکہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اور اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں، اس لیے اگر ہم بدستور عملاً ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اعتقاداً اس کو واجب نہ سمجھیں اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو عملاً ترک کر دیں اور اعتقاداً اس کو حلال سمجھتے رہیں تو اس میں شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے گی اور وہ عمل زیادہ موجب ثواب ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس خیال کی اصلاح فرمائی کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صرف اسلام ہی کی رعایت سے عمل کرنا فرض اور لازم ہے اور جو امر اسلام میں قابل رعایت نہیں، دین سمجھ کر اس کی رعایت کرنا بدعت ہے جو شیطان کا دوسرے ہے اور ایک دین میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ دین کی طرف نظر رکھنا اخلاص کے منافی ہے پس اگر تم رافع اور دشمن احکام آنے کے بعد بھی پھسلے اور شیطان کے قدموں پر چلے اور شریعت محمدیہ کے احکام کے اتباع اور تعمیل میں اعتقادی اور باطنی طور پر یہودیت اور نصرانیت کی رعایت کی تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا جو ظاہر تو یہ کریں کہ

اے اس بیان میں کہ مَنِ اتَّخَذَ نَفْسَهُ اور اِتَّبَعَ مَذْهَبَ اللَّهِ اور اَتَّبَعَ رِجْلَهُ

بالعباد کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۲

ہم شریعت محمدیہ پر عامل ہیں اور باطن میں یہودیت یا نصرانیت ملحوظ رہے اور بڑی حکمت والا ہے کہ ایسے لوگوں سے انتقام میں جلدی نہیں فرماتا کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے کیا یہ لوگ جو اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپاتے ہیں اب صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ قیامت قائم ہو۔ اور اولین اور آخرین جمع ہوں، اور اللہ تعالیٰ ان کے حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے لیے خود سفید ابر کے ساہبانوں میں نزول اجلال فرمائیں اور فرشتے بھی ساتھ آئیں اور ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے دی جائے اور اس میں شک اور تردد کیا ہے تمام امور اللہ ہی کی طرف وٹائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپایا اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا تہرہ ہر کے پردہ یعنی سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا۔

فائدہ اول حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سب سے پہلے اور فرشتوں کے آنے کا واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے **كَلَّا اِذَا دُكَّتِ اِلَآ اَرْضٌ ذَاكَ الَّذِي جَاءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَائِكَةُ صَفًّا صَفًّا وَ جَاءَتْهُ يَوْمَئِذٍ بِحَبْنٍ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَفَى لَهُ الذِّكْرَى۔ وَقَالَ تَعَالَى هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ الْاَيَاتِ رَبِّكَ۔**

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْمَعُ اللَّهُ الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لِحَقِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ تِيَامًا شَاحِمَةً ابْصَارَهُمْ اِلَى السَّمَاءِ يَنْتَظِرُونَ فِصْلَ الْقَضَاءِ وَيَنْزِلُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ مِنَ الْغَمَامِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الْكَرْسِيِّ الْاُخْرَى ابْنُ مَرْدَوَيْهِ (تفسير ابن كثير)

اور اسی قسم کا مضمون ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرام شفاعت کرنے سے عذر فراویں گے اور شفاعت کی زبنت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہ ہاں ہاں میں شفاعت کے لیے ہوں تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں کروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فصل قضا کے لیے تشریف لائیں۔

فَيَشْفَعُهُ اللَّهُ وَيَأْتِي فِي ظِلِّهِ مِنَ الْغَمَامِ بَعْدَ مَا تَشَقَّقُ السَّمَاءُ الدُّنْيَا وَيُنْزِلُ مِنْ فِيْهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد برکے ساہبانوں میں نزول اجلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی آئیں گے۔

اور عرش بھی اترے گا اور فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہوں گے سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزّة والجلل سبحان الحمّٰل الذی لا یموت سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبوح قدوس رب الملائکة والروح سبوح قدوس سبحان ربنا الاعلیٰ سبحان ذی السلطان والعظمة سبحانہ سبحانہ ایدلّٰ ایدلّٰ (تفسیر ابن کثیر)

جن آیات اور حدیث میں حق جل و شت نہ کہ آنا اور اتنا اس قسم کے امور کا ذکر **فائدہ دوم** آیا ہے اس کے بارے میں علماء سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان کی تحقیق و تفتیش میں نہ پڑے اور باتشبیہ اور بلا تمثیل کے ان پر ایمان لائے جس طرح اس کی ذات بے چون و چگون ہے۔ اس طرح اس کے فعال بھی بے چون و چگون ہیں۔ اور علماء خلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ عوام کے عقائد کی حفاظت کے لیے کوئی مناسب تاویل کر دیتے ہیں۔ تاکہ ظاہر الفاظ سے عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مثلاً **إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ آيَاتُنَا** میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا قہر کا آنا مراد ہے وغیر ذلک اور حضرات صوفیہ کرم یہ فرماتے ہیں کہ **يَأْتِيَهُمُ آيَاتُنَا** **فِي ظُلُمٍ مِنَ الْغَمَامِ** سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی تسلیات مراد ہیں۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ظلمتوں میں سے اُٹھ جائے گا۔ جس طرح کہ طور پر شرعاً تعالیٰ کی تسبیح (کما قال تعالیٰ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ رَبُّهُ لَيُنَجِّیْلُ**) بے چون و چگون تھی اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح برکے ساکنوں میں ہوگی اور جس طرح آنکھ کی پٹی میں آسمانوں کا جلوہ اور اُغلاخ کے پردہ میں معانی کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح ابرکے ساکنوں میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا بے چون و چگون جلوہ دیکھا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید آگیا۔ در پیر ہست میرے خیال میں آگئی اور صبح آگئی۔ آنا سب جگہ پایا جاتا ہے مگر حقیقت ہر جگہ مختلف ہے۔ آنا۔ آنے والے کے تابع ہے۔ زید کا آنا اور قسم کا ہے اور کسی بات کا دل میں آنا اور قسم کا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے آنے کو سمجھو کہ اس کا آنا اس کی شان اور عظمت کے مطابق ہوگا جیسے حق تعالیٰ شت نہ کہ ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کا آنا بھی بے چون و چگون ہوگا۔

فائدہ سوم جب کہ دین موسوی کی رعایت سے اونٹ کے گوشت کا ترک کرنا اتباع شیطانی ہو تو سامریہ ہند کی رعایت سے ذبیحہ بقرہ کا ترک کرنا جو اعظم شعائر اسلام میں سے ہے بدرجہ اولیٰ اغوار شیطانی ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

سَلْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَ

پوچھ بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو آیتیں واضح اور

مَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ

جو کوئی بدل دے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی اُس کو

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ يَلْذِبُونَ كَفَرُوا

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ رجھایا ہے منکروں کو

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں سے

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ

اور پرہیزگار ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی

مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۲﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً

دیوے جس کو چاہے بے شمار۔ تھا لوگوں کا دین ایک

وَاحِدَةً ثُمَّ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ

پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشی اور

مُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ

دُرُ سُنَانِے اور اُناری اُن کے ساتھ کتاب بھی کر فیصل

بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ

کرے لوگوں میں جس بات میں جھگڑا کریں اور کتاب میں جھگڑا

إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

ڈالا نہیں مگر انہوں نے جن کو ملی تھی بعد اس کے کہ ان کو پہنچ چکے صاف دلائل

بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا

آپس کی ضد سے پھر اب راہ دی اللہ نے ایمان والوں کو اس بھی

فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِأَذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ چاہے جس کو چاہے

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۳﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا

سیدھی راہ کی تم کو خیال ہے کہ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

چلے جاؤ گے در ابھی تم پر آتے ہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے۔

مَسْتَهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ

وہ بھی ان کو سختی در تکلیف اور بھڑ بھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلاَ

لگا رسول اور جو اُس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی مدد اللہ کی اُن کو

إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۴﴾

مدد اللہ کی قریب ہے۔

تنبیہات و تہدیدات

قال تعالیٰ: سَلِّ بِنِعْمَةِ آسِرِ الْيَهُودِ كَيْفَ اتَّبَعُوا مِنْ آيَاتِهِ ۖ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۚ (رابط) گزشتہ آیات میں دلائل واضح آجائے کے بعد حق کی مخالفت پر تنبیہ اور تہدید تھی۔ آئندہ آیات میں اور چند تنبیہات اور تہدیدات کو ذکر فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کے صریح اور واضح حکم کے بعد عدول حکمی موجب عذاب ہے اگر تم کو اس میں کچھ تردد ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ کر ہم نے ان کو کتنی واضح اور روشن دلیلیں عطا کی تھیں تاکہ حق واضح اور روشن ہو جائے۔ یہ حق جل شانہ کی ایک نعمت کبریٰ تھی اس نعمت کا شکر اور حق یہ تھا کہ دل و جان سے حق کو قبول کرتے۔ لیکن دیدہ و دانستہ حق سے انحراف کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب میں مبتلا ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں دیکھنی پڑیں جیسا کہ پہلے پارہ میں انکی شناختوں اور عقوبتوں کا بیان ہوا اور ہمار قانون یہی ہے ہے کہ جو شخص اللہ کی نعمت کو بعد اس کے کہ وہ نعمت خود اس کے پاس پہنچ چکی ہے یعنی وہ نعمت بلامشقت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہے پس جو شخص ایسی نعمت کو کفر اور معصیت سے بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کی ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی نعمت کو نعمت سے

اور انعام کو انتقام سے بدل دیتے ہیں۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ سخت عذاب دالے ہیں اور ایسے ناشکر سے اسی کے مستحق ہیں کہ ان کو سخت سزا دی جائے اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا پر ایسے شیدا اور زلیفہ ہوئے ہیں کہ دنیاوی زندگی ان کی نظروں میں اس درجہ مزین اور خوب صورت کر دی گئی ہے کہ حضرت ان کو بد صورت معلوم ہونے لگی اس لیے اپنی ظاہری عیش و عشرت کے نشہ میں ان لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں جو آخرت پر شیدا اور فریفتہ ہیں اور ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کے بائیس فاجر سے آراستہ ہیں قیامت کے دن یہی لوگ ان کافروں سے باہر اور بلند ہوں گے۔ جن کو یہ کافر دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔ دیکھ لو انہیں لقمہ ہمارے مہاجرین کو جن کو تم حقیر و ذلیل سمجھتے تھے کس طرح روم اور فارس کی سلطنت کا مالک بنادیا معلوم ہوا کہ چند روز کے فانی عیش پر مغرور و مست ہو کر حق کا ٹکار کرنا اور اہل حق کو حقیر سمجھنا حماقت ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ کے زمانہ کے قریب تک تمام لوگ ایک ہی جماعت تھے سب ایک ہی دین حق پر متفق تھے۔ اور احکام خداوندی پر عمل کرتے تھے۔ دسٹا قرن اسی طرح گزرے اس کے بعد جب لوگ دنیا پر فریفتہ ہوئے اور دنیا ان کو خوب صورت معلوم ہونے لگی تو دنیاوی اور نفسانی اغراض کی بنا پر حق میں اختلاف ڈالا۔ پس حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ حق میں کوئی اختلاف نہ ڈالے بلا اختلاف سب حق پر چلیں س لیے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا کہ ایمان لانے والوں اور حق کے قبول کرنے والوں کو خوش خبری سنائیں اور حق میں اختلاف ڈالنے والوں کو خدا کے تہرے ڈرائیں۔ ورنہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے حق اور سچی کتابیں بھی اتاریں تاکہ وہ کتاب اپنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جس حق کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ کتاب اپنی کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کے حکم کے مطابق اپنے تمام اختلافات اور نزاعات کو ختم کر دیتے مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اسی کتاب میں اختلاف شروع کر دیا کہ جو ان کو اختلاف کے مسئلے اور ختم کرنے کے لیے دی گئی تھی اور یہ اختلاف کسی اشتباہ اور ابھاس کی بناء پر نہ تھا بلکہ مرتجع اور واضح احکام اور دلائل آجائے کے بعد آپس کی ضد و تضاد کی بنا پر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان خود غرضوں اور ہوا پرستوں کو تو اس باہمی اختلاف اور نزاع میں چھوڑ دیا جس کا منشاء سوائے حب دنیا کے اور کچھ نہ تھا۔ اور اہل ایمان کو جن کے قلب حب دنیا اور حسد غیرہ سے پاک تھے حق کی رہ دکھائی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور یہ ہدایت محض اس کے لطف اور عنایت سے تھی اور اللہ تعالیٰ مالک اور مختار ہے۔ جس کو چاہے اور جس طرح چاہے سیدھا راستہ بتاتا ہے کسی کو بغیر آیات و بینات اور بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی استاد اور معلم کے سیدھا راستہ بتلا دیتے ہیں اور کسی کو صاف نشانوں کے بعد بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ ہدایت اس کی ملک ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے لیکن اللہ کی عادت اور سنت یہ ہے کہ حق کی ہدایت سے اسی کو سرفراز فرماتے ہیں جو شخص دنیا پر فریفتہ نہ ہو اور

دنیا کی زینت نے اس کو اپنا گردیدہ اور شیدائی نہ بنالیا ہو۔ کیونکہ جن کے دس دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتے اور انبیاء کرام کی ہدایت اور نصیحت کی طرف کان نہیں لگاتے بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ اہل حق کو ستاتے ہیں اور طرح طرح کی ایذاں اُن کو پہنچاتے ہیں۔ اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی فرماتے ہیں کہ تم اہل باطل اور اہل دنیا کی ایذاؤں سے ہرگز نہ گھبرانا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے اہل باطل حضرات انبیاء اور اہل ایمان کو ایذا پہنچاتے چلے آئے ہیں۔ یہ دنیا دار، بتلار اور دایہ استخوان ہے۔ یہاں کے چند روزہ مصائب پر نظر نہ کرو صبر پاد جو دایہ آخرت میں راحتیں اور نعمتیں ملیں گی ان پر نظر رکھو کیا تم کو یہ گمان ہے کہ جنت میں بلا محنت اور بلا مشقت داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی تک وہ احوال اور احوال نہیں گذرے جو تم سے پہلے حضرات انبیاء اور اہل ایمان پر گذرے دشمنوں کے ہاتھ سے ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور طرح طرح سے جھڑجھڑائے گئے اور قسم قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے ہلائے گئے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مددِ الٰہی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کے نبیؐ اور ان کے ساتھی شہداء اور مصائب سے مجبور اور لاچار اور بے تاب اور بے قرار ہو کر یہ بول اٹھے کہ اللہ کی وہ مدد کب آئے گی جس کا اس نے انبیاء اور اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بمقتضائے شریعت انتہائی پریشانی کی حالت میں یہ مایوسانہ کلمات زبان سے نکلے اور حق تعالیٰ کا شمار بھی یہی تھا کہ ہمارے ماسوائے بالکل مایوس اور ناامید ہو جائیں چنانچہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ارشاد ہو کر گھبراؤ نہیں ثابت قدم رہو۔ آگاہ ہو جاؤ اور سن لو کہ اللہ کی مدد بہت نزدیک ہے۔ اے مسلمانو! اسی طرح تمہارا بھی امتحان ہو رہا ہے گھبراؤ نہیں۔ عنقریب اللہ کی مدد تم کو پہنچے گی اور تمام مصائب اور تکلیف کا خاتمہ کر دے گی۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ تو کہہ جو چیز خرچ کرو

خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ

فائدہ سے کی سو ماں باپ کو اور نزدیک نائے والوں کو، اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اور راہ کے مسافر کو۔ اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ

يَهُ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

کو معلوم ہے

حکم سیزدہم متعلق بمصارف انفاق

قال تعالى . يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ اے فَإِنَّ اللَّهَ بِهِم عَلِيمٌ

شروع سے احکامِ عملیہ کا بیان چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں ضمناً ایمان اور اخلاص کی ترغیب اور دنیا کی محبت کی مذمت کا ذکر آیا اب آگے پھر احکامِ عملیہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم اپنی جانوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جان و مال سے کسی قسم کا دریغ نہ کرو۔ در اس کی راہ میں جو تکلیف پیش آئے اس کا تحمل کرو۔ اب اس کلیہ کے تحت میں کچھ مصارفِ انفاق اور جہاد اور نکاح در طلاق اور خلع اور ایلا کے احکام بیان فرماتے ہیں جو باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ہمارے نبی! یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی اور ثواب کے لیے کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجئے کہ یہ سوال مت کر دو کہ کیا خرچ کریں یہ چیز تو بالکل واضح ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کوئی خاص شے اور خاص مقدار معین نہیں جو میسر ہو وہ خرچ کرو ہاں یہ سوال کر دو کہ کہاں خرچ کریں سو آپ فرمادیجئے کہ جو مال بھی خرچ کرنا چاہو تو سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں صرف کر دو جو تمہارے وجود ظاہری کا سبب بنے اور جس شفقت اور محبت سے تم کو پالا تم اس کا عشر عشر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اولاد اگرچہ والدین کی مالی اور بدنی خدمت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے لیکن والدین کی شفقت اور عنایت اور نظرِ محبت کی زکوٰۃ بھی دینا نہیں کر سکتی۔ اور والدین کے قرابت داروں میں خرچ کر دو تاکہ صدقہ اور صدقہ رمی دونوں جمع ہو جائیں اور رشتہ داروں کے بعد یتیموں پر خرچ کر دو کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں اور ان کے بعد عام محتاجوں پر خرچ کر دو در عام محتاجوں کے بعد مسافروں پر خرچ کر دو جو وطن اور عزیز اور اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے بمنزلہ محتاج اور فقیر کے ہو گئے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی تم خیر اور نیکی کا کام کر دو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں تمہارے خرچ کی مقدار اور کیفیت اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیت نفل صدقات اور خیرات کے بارے میں ہے۔ زکوٰۃ اور صدقاتِ فائدہ | واجبہ مثل صدقہ فطر کے بارے میں نہیں اس لیے کہ والدین کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔



كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ

حکم ہوا تم پر لڑائی کا ، اور وہ بُری لگتی ہے تم کو اور شاید

أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ

تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو اور شاید تم کو خوش

تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو تم کو اور اللہ جانتا ہے اور

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۹﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

تم نہیں جانتے ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینے حرام کو

قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ط

اس میں لڑائی کرنا تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے

وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفَرٌ بِهِ وَ

اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَآخَرَاتُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ

مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اہل سے

عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ

زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بھگانا مار ڈالنے سے زیادہ اور وہ تو لگے ہی

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا

رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور ہوں

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ

اور جو کوئی پھر سے گمراہ ہو جائے گا کفر ہی

كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

پھر تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا میں اور

الْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۶۸﴾

آخرت میں اور وہ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ

اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۹﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم جہاد و دم متعلق بفرضیت جہاد و قتال شہر حرام

قال تعالى كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ... لے... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

گزشتہ آیات میں حضرات انبیاء کے ابتلاء اور مصائب کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ جنت میں داخل ہونا ابتلاء کے وقت صبر اور تحمل پر موقوف ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً جہاد مالی یعنی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد جہاد جانی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جہاد مالی اور جانی سے مل کر دین قائم ہوتا ہے۔ (کذا فی البحر المحیط) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں لے مسلمانوں تم پر جہاد فرض کر دیا گیا اور تمہیں طبعاً ناگوار ہے۔ کیونکہ اس میں جان پر مشقت اور مال کا خرچ ہے اور شاید کوئی سنیے تم کو طبعاً ناگوار ہو اور فی الواقع وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی قسم میں داخل ہے اس لیے کہ جہاد سے اسلام کو فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوئی ہرج اور مزاحم باقی نہیں رہتا اور دنیاوی فائدہ حکومت کا حاصل ہونا اور مال غنیمت کا ملنا ہے اور آخری فائدہ شہادت کی نعمت سے پہرہ یاسب ہونا اور شاید تم کو کوئی چیز طبعاً بھلی معلوم ہو اور فی الواقع تمہارے حق میں

وہ بُری ہو جیسے جہاد میں مستحق اور کاہلی جو ظالمین راحت معلوم ہوتی ہے مگر ترک کا انجام سوائے ذلت اور مال غنیمت اور ثواب سے محرومی کے اور کچھ نہیں اور تمہاری بھلائی اور بُرائی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم اپنی مصیحتوں اور مصرتوں کو نہیں جانتے لہذا تم اپنی طبعی رغبت اور کراہت کا اتباع مست کر دیکھ احکام خداوندی کا اتباع کرو اسی میں تمہارے لیے خیر اور بہتری ہے احادیث میں جہاد کو افضل الاعمال اور سبب عام اسلام یعنی اسلام کا کوہان قرار دیا ہے اس لیے کہ جہاد اسلام کی اشاعت اور خلق اللہ کی ہدایت اور دین کی عزت اور رفعت کا سبب ہے اور مجاہد کی کوشش سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اُن کی حسنات اس کے نامہ اعمال میں نکلی جائیں گی۔

شان نزول

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ چار مہینوں یعنی ذی قعدہ و ذی الحجہ اور محرم الحرام اور رجب میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں کسی پر چڑھائی کرنے کو میسب جانتے تھے اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے دو ماہ پیشتر ماہ جمادی الاخریٰ سنہ ۳ میں اپنے چھوٹے زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کی ایک جماعت کو جس میں سوائے مہاجرین کے اور کوئی نہ تھا کافروں کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب وہ دن کا سفر طے کر لو اس وقت اس خط کو کھولنا اور اپنے ساتھیوں کو سنا دینا اور کسی پر زبردستی نہ کرنا عبداللہ بن جحشؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس طرف جاؤں آپ نے فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ عبداللہ بن جحشؓ وہاں سے روانہ ہوئے اور وہ دن کا سفر طے کرنے کے بعد ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور آپ کا والا نامہ کھولا تو اس میں یہ مضمون تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد فیسری علی بركة الله	اما بعد اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ
یمن تبعات من اصحابك حتی	اپنے رفقاء کو سے کر چلے جاؤ یہاں تک کہ
تغزل بطن نخلة فتصد	جب مقام نخلة پہنچو تو قریش کے تجارتی
بھا غیر قریبک	تافلہ کا انتظار کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
ان قاتیتا منه بخیر	ان کا مال تم کو عطا کرے اور پھر وہ مال
	تم ہمارے پاس لے آؤ۔

عبداللہ بن جحشؓ نے اس حکم نامہ کو پڑھتے ہی سمعاً و طاعتاً کہا اور اپنے ساتھیوں کو سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرما دیا تھا کہ کسی پر زبردستی نہ کروں۔ اب جس کو شہادت

کا شوق اور رغبت ہو وہ مسیہر ساتھ ہے اور جس کا جی چاہے وہ لوٹ جائے یہ مسکرب دل و جان سے نہیں ارشاد پر راضی ہو گئے اور ایک شخص بھی واپس ہونے کے لیے راضی نہ ہوا کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جب مقام نخلہ میں جا کر اترے تو ابھی تمہارے جی نہ پائے تھے کہ اسے میں قریش کا قاتل دکھائی دیا جو طائف کی تجارت کا مال زیتون کا تیل اور کشمش اور چمڑے وغیرہ لے کر آ رہا تھا مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا اور حکم بن کيسان اور عثمان بن عبد اللہ کو گرفتار کیا باقی لوگ بھاگ گئے۔ صحابہ کرام قیدیوں اور سامان کے اونٹوں کو لے کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ تاریخ یکم رجب الحرام تھی اور صحابہ کرام اس کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر چاند انتیس کا ہو چکا تھا جس کا صحابہ کو علم نہ تھا اس لیے کفار نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی روتے ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر) لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک خاص طور پر یہاں حرام کا ارادہ کر کے قتال کرنا بے شک ایک منظم ہے مگر مسلمانوں نے قصداً اور ارادۃً ایسا نہیں کیا بلکہ صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یہ لغزش ہوئی مگر مشرکین کو اس اعتراض کا حق نہیں اس لیے کہ شہر حرام میں قتل و قتال بہت سے بہت گناہ کبیرہ ہے اور تم تو کفر اور شرک میں مبتلا ہو جو اس سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا یعنی دین حق اور اسلام میں داخل ہونے سے ان کو روکنا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا وہاں جا کر کوئی بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی نہ کر سکے اور جو لوگ مسجد حرام کے واقعی اور حقیقی اہل اور مستحق تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ان کو حرم اور مسجد حرام سے تنگ کر کے نکالنا سو یہ تمام حرکتیں شہادت اور قہاحت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر حرام میں بلا قصد قتال سرزد ہو جانے سے کہیں بڑھ کر ہیں اور فقط کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد ہی قتل سے بڑھ کر ہے پھر یہ کفار مسلمانوں کی ایک غلطی پر کیوں اعتراض کرتے ہیں غلطی سے درگزر کیا جاسکتا ہے مگر کفر و شرک کا جو کسی طرح اور کسی وقت بھی قابو معافی نہیں اور یہ لوگ دین حق کی عداوت اور دشمنی میں اس درجہ پختہ ہیں کہ حق کے مٹانے کے لیے ہمیشہ تم سے برتر پیکار رہیں گے یہاں تک کہ خدا نخواستہ تم کو تمہارے اس پاک دین سے پھیر دیں اگر کچھ قابو پائیں اور دین اسلام سے کسی کو مرتد بنا دینا یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اس آیت میں دو اشارے ہیں ایک تو یہ کفار دین اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے لہذا مسلمانوں کو متنبہ رہنا چاہیے دوسرا اشارہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان کا قابو چلے گا نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مرتد نہیں بنا سکیں گے آئندہ آیت میں ارتداد کا اہتمام بیان فرماتے ہیں۔



انجام ارتداد

دور سے مسلمانو! تم پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو شخص تم میں سے دین اسلام سے پھر جائے گا اور اسی کفر کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کے تمام عمل دنیا اور آخرت میں ضبط (ضائع) اور ضبط ہو جائیں گے۔ دنیا میں اعمال کے ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی وجہ سے جو جان و مال محفوظ تھے وہ محفوظ نہ رہیں گے اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکیں گے۔ اور آخرت میں ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی نیک عمل پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔

[illegible]

صحابہؓ کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ہماری اس غلطی پر کوئی مواخذہ نہیں تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ
کیا ہمارے سفر جہاد میں شمار ہوگا اور کیا ہم کو اس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟ اس پر یہ آئمہ آیت نازل ہوئی
يَعْنِي اِنَّ السَّالِفِينَ اَمْسُوْا الْاَنْبَاءَ لَكُمْ جَزَاءٌ يَّمَانُ لَدُنِّيْ اور جنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت
کی اور جہاد کیا ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور عنایت کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے
والے اور مہربان ہیں۔ غلطی سے درگزر فرماتے ہیں اور ایسے مخلصین کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتے
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ مالی غنیمت جو عبد اللہ بن جمحشؓ نے کر آئے تھے ابھی تک وہ سی

طرح وحی کے انتظار میں رکھا ہوا تھا آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے
نکار کے غامبین پر تقسیم کر دیا۔
۱۲) اشر حرام میں قتل و قتال ابتداء میں ممنوع تھا۔ جمہور علماء کے نزدیک بعد میں
مسئلہ (۱۲) وہ ناعت نسوخ ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں گناہ

كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا كَبِيرٌ

بڑا ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے

مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

سے بڑا ہے۔

حکم پانزدہم متعلق بہ شراب و قمار

قال تعالیٰ: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ... ط... وَإِثْمُهُمَا كَبِيرٌ مِنْ نَفْعِهِمَا
(ربط) جس طرح خدا کی راہ میں جان و مال کا خرچ کرنا دین اور دنیا کی عزتوں کا سبب ہے جیسا کہ
پہلی آیتوں میں اس کا ذکر ہوا اسی طرح شراب و کباب اور قمار یعنی جوئے میں مال کا خرچ کرنا دینی اور
دنیاوی تباہی کا موجب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ لوگ آپ سے شراب و قمار یعنی جوئے
کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں فقط ایک گناہ نہیں
بلکہ ان کے اندر بہت سے بڑے بڑے گناہ مضمر اور پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ معمولی فائدے
بھی ہیں۔ اس لیے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے فائدہ اور
منافع کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال جائز ہو اور مفسد کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال ممنوع ہو آپ ان
سے یہ اور فرمادیں کہ شراب اور قمار کا گناہ اور ضرر ان کے نفع اور فائدہ کے کہیں زیادہ ہے شراب
اور قمار کے اول تو دنیاوی میں بہت مضرتیں لاحق ہوتی ہیں۔ شراب پی کر عقل جیسی بے مثال نعمت
ہاتھ سے کھود دین اور بد مستیوں و رنگاریوں میں مبتلا ہو جانا اور بلفظ وعداوت میں پڑ جانا ہے عرض

یہ کہ شراب عقل کو برباد کرتی ہے اور قمار مال کو برباد کرتا ہے۔ اور اگر بالفرض ان چیزوں سے دنیا میں کوئی نقصان نہ ہوتا تو گناہ کی سبقت اخروی سبقت ہے اور آخرت کی سبقت کے مقابلہ میں دنیا کے چند روزہ منافع بیچ ہیں اس آیت سے شراب اور قمار کی حرمت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ان دونوں چیزوں کے ترک کا مشورہ دینا مقصود ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دو اس لیے کہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دفع ضرر کو حصول نفع سے مقدم سمجھے۔

شراب کے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلی آیت جو کہ میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے وَمِنْ تَحْذِیْرِیْ لَآ کُھْنَابَ تَشْخِذُوْنَ

فائدہ

مِنْہُ سَکَرًا قَ رَزُقًا حَسَنًا اس آیت میں کھور اور انگور سے فقط شراب بنانیکا ذکر ہے مانعت کا

ذکر نہیں البتہ شراب کی کراہت اور ناپسندیدگی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ کہ سَکَرًا کو رَزُقًا حَسَنًا کے مقابلہ میں ذکر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جو چیز کسکے ہو وہ رَزُق حَسَن نہیں، عرض یہ کہ اس آیت

کے نازل ہونے کے وقت شراب کی مانعت نہیں تھی اس لیے مسلمان شراب پیتے رہے۔ بعد ازاں حضرت

عمرؓ اور معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں شراب اور جوئے کے بارے میں فتویٰ دیجئے

کیونکہ یہ دونوں چیزیں عقل اور مال کو تباہ کرنے والی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ ۚ اٰیْہٖ دُوسری آیت ہے جو اس سلسلہ میں نازل ہوئی۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے تو اٹھ کبیر کا خیال کر کے شراب کو چھوڑ دیا اور بعض منافع

مناس کی بناء پر پینے رہے۔ ایک روز عبدالرحمن بن عوفؓ کے ہاں یہاں آگئے انہوں نے اُن کو شراب

پلائی اور خود بھی پی جس سے نشہ ہوا اور مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ کسی نے اسی حالت میں عبدالرحمن

بن عوفؓ کو امامت کے لیے آگے کر دیا۔ نماز میں قُلْ یَاٰیٰتِہَا اُنْکَا فِرْہُ وَاَنْ شَرُوعِہٖ اَعْبُدُ

مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھا اور اخیر تک اسی طرح بغیر لا پڑھتے چھ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یَاٰیٰتِہَا

التَّٰذِیْنِ ۚ اَلَمْ تَسْأَلُوْا اِلَّا تَقْرَبُوْا الْعَقْلُوۃَ ۚ اَلَمْ تَسْأَلُوْا سَکَاوِیۃً ۚ یہ تیسری آیت تھی اس آیت سے

نقطہ نماز کے وقتوں میں نشہ حرام کر دیا گیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے تو

شراب کو بالکل چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ ایسی چیزیں کوئی خیر اور بھلائی نہیں جو نماز سے روک دے اور

بعض لوگ اوقاتِ صلوة کے علاوہ دوسرے وقتوں میں شراب پیتے رہے کوئی عشاء کی نماز کے بعد شراب

پی لیتا تو صبح کی نماز تک اس کا نشہ اُتر جاتا اور کوئی صبح کی نماز کے بعد پیتا تو ظہر کی نماز تک اس کا نشہ اُتر

جاتا۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز عثمان بن مالکؓ نے بہت سے آدمیوں کی دعوت کی۔

کھانے کے بعد اس قدر شراب پی گئی کہ لوگ مست ہو گئے اور نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کو

مارنے اور گالیاں دینے لگے اور ایک دوسرے کی مذمت میں اشعار پڑھنے لگے یہاں تک کہ ایک انصاری

نے اونٹ کا جیڑا لے کر سعد بن ابی وقاصؓ کے سر پر مارا جس سے سعدؓ کا سر پھٹ گیا اس حال کو دیکھ

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں کوئی صاف اور واضح حکم نازل فرما اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی اَفْخَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَكْذَارُ لَا مُمْرِحِينَ وَرَجَسَ كُلَّ الشَّيْطَانِ الْآيَاتِ یہ جو بھی آیت تھی جس میں صراحت شراب کی حرمت اور ممانعت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی ایک لخت شراب کے تمام ٹکے ٹوڑ دیئے گئے اور مدینہ کی گلی اور کوچوں میں شراب بھرنے لگی اور تمام مسلمان شراب سے فقط تائب ہی نہیں ہوئے بلکہ بیزار ہو گئے حدیث میں ہے کہ شراب تمام بے حیائیوں کی جڑ ہے۔ چوری اور زنا۔ یہ آادہ کرتی ہے سورہ مائدہ کی آیت میں جو حکم نازل ہوا وہ آخری حکم تھا اس سے پہلے جس قدر احکام نازل ہوئے وہ سب منسوخ ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے شراب حرام ہو گئی۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں؟ تو کہہ جو افزود ہو اسی طرح

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾

بیان کرتا اللہ تمہارے واسطے حکم شاید تم دھیان کرو

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حکم شانزدہم متعلق بمقدار انفاق

قال تعالى: وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ الخ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

(در ربط) گزشتہ آیت میں فرما دیا کہ میری حرمت کا ذکر تھا۔ اب ارشاد فرماتے ہیں کہ غفل کا مقصد یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر خرچ کرے دنیاوی حاجتوں کو پیش نظر رکھے۔ بندہ محتاج ہے بغیر دنیاوی ضرورتوں کے آخرت کا کام بھی نہیں کر سکتا۔ نیز بہت سی دینی حاجتیں یکایک پیش آجاتی ہیں اُن کا بھی خیال رکھے۔ چنانچہ فرمانے ہیں اور آپؐ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں ہم کیا اور کتنا خرچ کریں آپؐ جواب میں کہہ دیجئے کہ آخرت کی اہمیت اور اس کے لازوال منافع کی عظمت کا اقتضائاً تو یہ ہے کہ سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو مگر وہ رحم الراحمین تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔

بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی دنیوی ضرورتوں اور حاجتوں سے جس قدر مال زائد اور فاضل ہوتا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ تاکہ تم سارا مال دے کر پریشانی میں نہ پڑ جاؤ البتہ جو خدا کے ایسے عاشق ہیں کہ اُن کو سارا ہی مال فضول اور زائد نظر آتا ہے بلکہ مال کے نہ خرچ کرنے سے اُن کو پریشانی ہوتی ہے جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ بیاہوں کہو کہ ایسے عاشق اس حکم میں داخل ہی نہیں سے

موسیٰ آداب دانا دیگر، ند سوختہ جانان رونماں دیگر اند
 ہوا ماہر سے سردی ہے کہ، صحابہ صنف میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے ایک، شرفی نکلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر یہ فرمایا کہ دوزخ کی آگ کا ایک داغ ہے۔ بعد ازاں ایک اور شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے دو اشرافیائیں نکلیں حضور نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں (رواہ احمد والبیہقی) اشراف ایک شرفی در دو اشرافی کا جمع کرنا حرام نہیں لیکن یہ دونوں حضرات اصحاب صنف میں تھے یعنی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانقاہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زاہد نہ اور درویشانہ زندگی گزاریں گے اور قوتِ لایموت سے زائد کچھ نہ رکھیں گے اس لیے اصحاب صنف کے لیے جازت نہ تھی کہ وہ کوئی درہم دینا اپنے پاس رکھ سکیں، اس بناء پر یہ دونوں معتب ہوتے۔ مسجد نبوی حضور پر نور کی درس گاہ تھی اور مسجد نبوی کے متصل جو ایک صنف (چوترا) صحابہ صنف کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوایا تھا وہ حضور پر نور کی خانقاہ تھی جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے زاہد اور درویش رہتے تھے جن کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ کتنا ہی فقر و فاقہ گذرے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس کی حاضری سے محروم نہ رہیں سے

ایک لحظہ نہ کوئے یاد دوری در مذہب عاشقان حرام است

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے صاف صاف احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا کے بارے میں اور آخرت کے بارے میں خوب غور و فکر کرو۔ دنیوی اور اخروی حقوق اور مصالح کو دیکھ لو اور اپنے احوال کو بھی دیکھ لو اور پھر شریعت جیسا حکم دے اس کے موافق خرچ کرو۔ تاکہ بعد میں پریشان اور پشیمان نہ ہو اور یہ امر پیش نظر رکھو کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ فانی لذتوں کی بناء پر دائمی اور باقی لذتوں اور حق کو نہ چھوڑ دینا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ

اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں کا حکم۔ تو کہہ سنو ان کا بہتر ہے۔

وَأَنْ تَخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور اگر خرچ بلا رکھوان کا تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ کو معلوم ہے

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ

خرابی کرنے والا اور سنوارنے والا اور اگر چاہتا اللہ تم پر مشکل ڈالتا۔

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲﴾

اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

حکم ہفدہم۔ مخالطتِ یتیم

قال تعالیٰ: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ... اے... إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
گزشتہ آیات میں جو احکام تھے یعنی ترک خمر و میسر اور انفاق حسب مصلحت، وہ خود ان کے اموال اور احوال کی اصلاح کے لیے تھے اب اس آیت میں دوسروں کی اصلاح کے احکام ذکر فرماتے ہیں یعنی یتیم جو کہ خود اپنی مصالح سے قاصر اور عاجز ہے تم اس کے مال میں جو بھی تصرف کرو اس میں یتیم کی اصلاح اور مصلحت کو پیش نظر رکھو۔ در آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یتیموں کا خرچ علیحدہ رکھیں یا اپنے ساتھ رکھیں اگر یتیم کا کھانا علیحدہ پکا میں تو بسا اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا ہے اور اس طرح یتیم کا نقصان ہوتا ہے اور اگر ساتھ ملا کر پکاتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ ہم زائد کھائیں اور یتیم کم۔ اور یتیم کا مال کھانا آگ کا کھانا ہے اس لیے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یتیموں کے مال کا کس طرح انتظام کریں تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یتیموں کی مصلحت اور خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے۔ جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور نہایت احتیاط سے اس کا انتظام کرو اور اگر خرچ میں ان کو شریک کرو اور شریک رکھنے ہی میں اُن کی بہتری اور خیر خواہی سمجھو تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے دینی و رُسبتی بھائی ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کی خیر خواہی اور امداد سے دریغ نہیں کرتا اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال سے کچھ نفع اٹھالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر و بیشتر بھائی بھائی بٹے بٹے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تباہ کار کو صلاح کار سے خوب جانتے ہیں کہ کس نے خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے کی نیت سے شرکت کی ہے اور کس نے یتیم کی مصلحت اور خیر خواہی کا قصد کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور خرچ کو بلا جملہ رکھنے کی اجازت نہ دیتا اور اگر بلا علم اور بلا قصد تم سے کوئی کمی بیشی ہو جاتی تو اس پر مواخذہ کرتا۔

لیکن اُس نے تم پر آسانی کی کہ شرکت اور مخالفت کی اجازت دے دی اور اللہ غائب ہے جو چاہے حکم دے خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں اور بڑی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اور کوئی حکم بندوں کو ایسا نہیں دیا جو اُن کے لیے مشقت اور دشواری کا باعث ہو۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَآئِمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ

اور نکاح میں نہ لاؤ مشرک والی عورتیں جب تک ایمان نہ لادیں اور البتہ مؤمنی مسلمان

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

بہتر ہے کسی مشرک والی سے اگرچہ تم کو خوش آوے اور نکاح نہ کر دو

الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

مشرک والوں کو جب تک ایمان نہ لادیں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے کسی

مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ

مشرک والے سے اگرچہ تم کو خوش آوے وہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ

اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتاتا ہے

آيَتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾

چنے حکم لوگوں کو شاید وہ جو کس ہو جاویں ۔

حکم ہشتادم مناکحت کفار

قال تعلی - وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ اے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

(ربط) گزشتہ آیات میں یمینوں کی مناسبت کا حکم بیان فرمایا۔ اس آیت میں مشرکین اور مشرکات کے ازدواجی اختلاط کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ ازدواجی تعلق کے لیے دینی اخوت ضروری ہے درودہ ن میں مفقود ہے لہذا بل مشرک سے ازدواجی تعلق جائز نہیں۔ کافروں سے نکاحی اختلاط اور ازدواجی

تعلقات خمر اور میسرے زیادہ مضر اور مہلک ہیں کافروں سے ازدواجی اور معاشرتی تعلق کے بعد نہ تو دین باقی رہتا ہے اور نہ اسلامی تمدن۔ چند روز کے بعد نہ اسلامی خصلتیں باقی رہتی ہیں اور نہ عاداتیں۔ اپنی قومیت فنا کر کے دوسری قوم کا (زادین) جاتا ہے اور اسلامی تمدن کو حقیر سمجھنے لگتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور البتہ ایک مسلمان کنیز یعنی لونڈی اور باندی ایک مشرک عورت سے بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک عورت آزاد بھی ہو اور حسین و جمیل اور مال دار بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کی لاندہاں دولت کے مقابلہ میں کسی مال اور جمال کی کوئی حقیقت نہیں اگرچہ وہ مشرک عورت اپنے ماں یا حسن و جمال یا حسن عادت کی بنا پر تم کو چھی معلوم ہو اور علیٰ ہذا مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایک غلام مسلمان ایک آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ کافر مال و دولت یا عزت و دجاہمت کی وجہ سے تم کو اچھا معلوم ہو۔ یہ مشرک لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی ایسے اقوال و افعال شرکیہ کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں اور زن و شوئی کا تعلق ان کی دعوت کی تاثیر کو قوی کرنے کا بہت بڑا سبب ہے اندیشہ ہے کہ اس تعلق کی بنا پر عقائد شرکیہ تم میں سرایت کر جائیں اور اسلام کی طرف سے تم کو شبہات میں ڈال دیں اور رفتہ رفتہ تم ہدایت اور گمراہی کو برابر سمجھنے لگو۔ اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اپنے حکم سے اللہ لوگوں کے لیے اپنے احکام کو صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور سمجھ لیں کہ غلام اور باندی کا تعلق جو جنت اور مغفرت کی طرف لے جائے اُس آزاد اور معزز کے تعلق سے کہیں بہتر ہے کہ جس کا تعلق جہنم کی طرف لے جائے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی دعوت اور کافروں کی دعوت میں تضاد اور عداوت ہے خدا تعالیٰ سے اگر تعلق مقصود ہے تو اس کے دشمنوں سے ازدواجی تعلق نہ قائم کرو۔ اجتماع ضدین عقلاً بھی محال ہے۔ نیز مناکحت اور زوجیت کے لیے باہمی محبت اور موافقت ضروری ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے اگر محبت نہ ہو تو زوجیت کا فائدہ کچھ نہ ہوا اور اگر محبت ہوئی اور کفر اور کفری اور مشرک سے چشم پوشی کی گئی تو آخرت تباہ اور برباد ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے مناکحت کی قطعاً ممانعت کر دی۔

فوائد | اس آیت میں دو حکم ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان عورت کا کسی کافر مرد سے نکاح نہ کیا جائے یہ حکم اب بھی ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ مسلمان مرد کو کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں سوا اس حکم میں ایک تخصیص ہے وہ یہ کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ اہل کتاب حقیقتہً اہل کتاب ہوں۔ لہذا نہ اور دہریانہ عقائد نہ رکھتے ہوں اور بشرطیکہ اُس یہودی اور نصرانی عورت کے نکاح سے اس مسلمان مرد کے دین میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو اس حکم کی تفصیل اور دلیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ مائدہ میں آئے گی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاعِلٌ لِّزَوْنِ

درپوچھتے ہیں تم سے علم حیض کا۔ تو کہہ وہ گندی ہے سو تم پر سے دبو

النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ

عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہوں سے جب تک

يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ

کر پاک نہ ہوئیں پھر جب ستمرائی کریں تو جاؤ ان پاس جہاں سے

أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ

حکم دیا تم کو اللہ نے۔ اللہ کو خوش آتے ہیں تو بہ کرنے والے اور خوش

الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا

آتے ہیں ستمرائی والے عورتیں تمہاری، کھیتی ہیں تمہاری، سو جاؤ اپنی

حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدْ مَوْا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے

اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مَّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾

رہو اللہ سے، اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

حکم نوزدہم حرمت جماع در حالت حیض

قال تعالى: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ..... الخ..... وَكَثِيرًا الْمُؤْمِنِينَ

در ربط، گزشتہ آیت میں نکاح کا حکم مذکور تھا۔ اس آیت میں حالت حیض میں جماع اور قربان کا حکم بیان کرتے ہیں۔ یہود میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں عورت سے بالکل علیحدہ رہتے نہ اس کے ساتھ کھلتے اور نہ پیتے بلکہ اس کو علیحدہ مکان میں رکھتے اور اس کے برعکس نصاریٰ میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں مخالفت تو درکنار جماعت سے بھی پرہیز نہ کرتے۔ مدینہ منورہ میں ہر قسم کے لوگ رہتے

تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کو اس مسئلہ میں غلبان پیش آیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور لوگ آپؐ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے آپؐ کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی اور ناپاکی ہے ہذا تم ان سے اس حالت میں عینہ رہو یعنی ان سے صحبت، درجماعت نہ کرو باقی کھانے اور پینے اور ساتھ بیٹھنے میں کوئی پرہیز نہیں مقصود فقط گندگی سے عینہ رہنا ہے اور جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے قربان یعنی صحبت اور جماعت نہ کرو پس جب وہ عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں کہ ناپاکی کا شبہ بھی باقی نہ رہے تو پھر ان سے جماعت کرو مگر اس مقام سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو صحبت کرنے کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی جانب سے پیچھے کی جانب سے نہیں اور اگر غلطی سے ایام حیض میں صحبت کر لی ہے تو توبہ کر لو تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو گناہ کو گزرنے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ سر سے ہی سے گندگی سے پاک رہتے ہیں۔ ان سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ سر سے ہی سے ناپاکیوں سے بچتے ہیں مثلاً ایام حیض میں صحبت سے پرہیز کرتے ہیں اور جس جگہ سے صحبت کی ممانعت ہے اس جگہ سے صحبت نہیں کرتے ایسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور آگے کی جانب سے تم کو صحبت کا حکم اس لیے دیا گیا کہ تمہاری عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتوں کے ہیں۔ ان کے رحم میں جو نطفہ ڈال جاتا ہے وہ بمنزلہ تخم کے ہے اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے سو تم کو اختیار ہے کہ اپنی کھیتی میں جس طرح اور جس طرف سے چاہو آؤ بیٹھ کر یا بیٹھ کر مگر شرط یہ ہے کہ کھیتی سے باہر نہ جاؤ فقط حرث اور زرع (کھیتی) میں آنے کی تم کو اجازت دی گئی ہے۔ اور جو جگہ حرث (کھیتی) کے قبل نہیں یعنی پیچھے کی جانب اس جگہ میں تم کو جلنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں پیچھے کی جانب سے آنا یہ قوم بوط کامل ہے جس پر قبر خداوندی نازل ہوا۔ حدیث میں ہے۔

ملعون من اتى امرأة في
دبرها (رواہ احمد و ابی داؤد)
معون ہے وہ شخص کہ جو عورت کی دبر
میں دلی کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے حالت حیض میں دلی کی یا دبر کی جانب میں صحبت کی یا کسی کاہن اور نبی کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس شخص نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازں شدہ حکام کا کفر کیا۔ (رواہ الترمذی) شیعوں کے نزدیک یحییٰ سے اعلیٰ درست ہے جو صریح قرآن کریم کے اس لفظ نسا کریم حرث لگنم کے خلاف ہے اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے جیسے کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ سے اولاد کا تولد ناممکن ہے۔ چنانچہ ترغیب نکاح کے بارہ میں جو حدیث نبوی مشہور ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ مکاش بکم الہم یعنی میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا معلوم ہوا کہ ترغیب نکاح سے اولاد کی کثرت مطلوب ہے جس سے حضور پر نور کو قیامت کے دن سامان، نقار ہاتھ آئے اور یہ یاد رکھو کہ تم کو صحبت کی اجازت

محض لذت کے لیے نہیں دی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس لذت کو ذریعہ آخرت بناؤ اور اپنے لیے آگے کی کچھ تدبیر کرو یعنی صحبت کے وقت اللہ کا نام لے کر تاکہ اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ رہے اور نیک اولاد کی نیت کرو تاکہ آخرت کی کھیتی بنے اور تمہارے لیے دعا اور استغفار کرے اور قیامت کے دن تمہارے کام آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یعنی حاست حیض یا بے محل صحبت کرنے سے پرہیز کرو اور یقین رکھو کہ تم کو اللہ سے ملنا ہے ایک دن اس کے سامنے پیش ہونا ہے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس روز تخم کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ بے وقت اور بے محل تو اس کو ضائع نہیں کر دیتا تھا اور اہل ایمان کو خوشخبری سنادیکھتے کہ جنہوں نے اپنے تخم کو بروقت اور بر محل استعمال کیا ان کو اس تخم کے ثمرات وہاں مل جائیں گے مطمئن رہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا

اور نہ تمہارا اللہ کو ہتھ کنڈا اپنی قسمیں کھانے کا کر سلوک نہ کرو

وَتَتَّقُوا وَتَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

اور پرہیزگاری اور صلح درمیان لوگوں کے اور اللہ سنت

عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾ لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ

ہے جانتا۔ نہیں پکڑتا تم کو اللہ ناکاری قسموں پر تمہاری لیکن

يُوَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

پکڑتا ہے اس کام پر جو کرتے ہیں دل تمہارے۔ اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا۔

حکمِ قسم متعلق بہ احترامِ نامِ پاکِ خداوندِ انام

قال تعالى: وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ... الخ... وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

ربط: گزشتہ آیت میں تقویٰ کا حکم مذکور تھا۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نامِ پاک کا ادب اور احترام محفوظ رکھو اور بات بات میں اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھاؤ اور نہ دنیاوی اغراض اور منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے نامِ پاک کو استعمال کرو۔

یہ سب ادب کے خلاف ہے۔

شان نزول

عبداللہ بن رواحہؓ، دران کے داماد بشیر بن نعانؓ میں کسی بات پر کچھ ٹکرا رہا تھا۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھائی کہ میں نہ تم سے ملوں گا اور نہ تم سے کلام کروں گا اور نہ تمہاری کسی بھلائی و برائی میں دخل دوں گا۔ اس کے بعد عبداللہؓ سے جب کوئی اس بارے میں کوئی بات کرتا اور کچھ کہنا چاہتا تو یہ کہہ دیتے کہ میں نے اللہ کی قسم کھالی ہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لیے آڑ نہ بناؤ یعنی رشتہ داروں میں سوگ اور احسان کرنے کے لیے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا کام کرنے کے لیے اور لوگوں میں صلح کرنے کے لیے قسم کو بھانہ نہ بناؤ اور یہ نہ کہو کہ میں نے قسم کھالی ہے اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص نیک عمل کے چھوڑنے اور نہ کرنے پر قسم کھائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ نیک کام کرے اور اس کا کفارہ دے۔ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز پر قسم کھالے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اس پر قائم رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بتلادیا کہ قسم کی وجہ سے نیک کام کو نہ چھوڑو اور ایسی حالت میں قسم کو توڑ کر کفارہ دے دو اور نیک کام کرو۔ تاکہ تم کو کاہر خیر کا اجر حاصل ہو اور ایسی قسم کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ تمہارے عذر کو سنے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے کہ تمہاری نیت اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی نہ تھی بعض تعمیل حکم اور نیکی کرنے کے لیے قسم کو توڑا ہے اور بصد ہزار ندامت و پشیمانی اس کی تلافی کے لیے کفارہ ادا کیا ہے یا یہ سنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں کو مستغنا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے کہ کس نیت سے قسم کھائی ہے۔ تمہارا لفظ اور قصد کوئی بھی اس سے مخفی نہیں لہذا قسم کھاتے وقت لفظوں میں احتیاط رکھو اور نیت اور ارادہ کرنے میں بھی احتیاط رکھو اور قسم کے متعلق ہمارا یہ ضابطہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے ان قسموں پر مواخذہ اور گرفت نہ کریں گے جو بلا قصد و ارادہ تمہاری زبان سے نکل گئی ہیں یا قصد اور ارادہ تو تھا مگر تم اس کو اپنے گمان میں راست اور صحیح سمجھتے تھے۔ ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ گناہ لیکن اللہ تعالیٰ تم سے ان قسموں پر آخرت میں مواخذہ فرمائیں گے کہ جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے اور معصیت کرنے کا قصد اور ارادہ کیا ہے یا اس قسم کو کسی بڑ اور تقویٰ سے علیحدہ رہنے کا ذریعہ اور بھانہ بنایا ہے اور اللہ بخشنے والا ہے کہ عین نفو پر مواخذہ نہیں فرماتا اور بڑا علیم اور بردبار ہے کہ باوجود بالقصد والا ارادہ جھوٹی قسم کھانے کے مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید توبہ کر لے۔ توبہ کے لیے مہلت دیتے ہیں۔

عے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ یمن نفو کی تفسیر میں فرماتے ہیں » یعنی لا والله وبلی واللہ بغیر قصد گوید یا عطا دانستہ سوگند خورد علی اختلاف المذہبین۔ ولما اعلم۔

یعنی قسم کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یمن لغو ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام فائدہ (۱) شافعی کے نزدیک یمن لغو کے معنی یہ ہیں کہ جو قسم انسان کی زبان سے بلا قصد اور ارادہ نکل جائے جیسے عرب میں لا والله اور بلی والله تکیہ کلام تھا۔ ایسی قسم میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یمن لغو وہ ہے کہ کسی گزشتہ چیز کو حج سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں اس کے خلاف ہو لیکن اس نے اپنے گمان میں اس کو حج سمجھ کر قسم کھائی ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ کوئی گناہ۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس میں ارادہ ہو اگر وہ نفس الامر کے خلاف ہو تو اس میں کفارہ واجب ہوگا۔ اگرچہ قسم کھانے والے کے گمان میں وہ واقع اور نفس الامر کے مطابق ہو۔

دوسری قسم یمن غموس ہے وہ یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائے۔ امام اعظم کے نزدیک اس قسم کی قسم پر حسب ارشاد باری وَلَٰكِنْ يَتُّوْا خِذْلُوْا بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ گناہ ہے جس کا علاج توبہ اور استغفار ہے۔ دنیا میں اس پر کوئی کفارہ نہیں اس لیے کہ کسی گزشتہ امر پر دیدہ و دانستہ قسم کھانا جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنے پر گناہ ہوتا ہے کفارہ نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یمن غموس میں کفارہ واجب ہے کیونکہ سورہ مائدہ میں بھلے بھلا کَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ کے بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْْمَانَ کا لفظ آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اور مَا عَقَّدْتُمُ ایک ہی معنی مزد ہیں اور سورہ مائدہ میں کفارہ صراحۃً مذکور ہے معلوم ہوا کہ مواخذہ سے مراد کفارہ دینا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک وَلَٰكِنْ يَتُّوْا خِذْلُوْا میں اغردی مواخذہ مراد ہے یعنی دیدہ و دانستہ جھوٹ بولنے پر عذاب دینا مراد ہے کفارہ مراد نہیں۔

تیسری قسم یمن منعقدہ ہے یعنی آئندہ فعل کے متعلق قصداً قسم کھائے کہ کروں گا یا نہیں کروں گا ایسی قسم کے توڑنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہوتا ہے اور سورہ مائدہ میں وَلَٰكِنْ يَتُّوْا خِذْلُوْا بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ الْفَقِيْرَيْنِ سے ہی یمن منعقدہ مراد ہے کہ جو آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھائی جائے اور اس زیر تفسیر آیت یعنی وَلَٰكِنْ يَتُّوْا خِذْلُوْا بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ میں اسی قسم یعنی فعل آئندہ پر قسم کھانے کا حکم مذکور ہے کہ اگر تم آئندہ کے متعلق کسی گناہ اور خلافِ برہ اور خلافِ تقویٰ کام کی قسم کھا بیٹھے ہو کہ واللہ اپنے باپ سے یا رشتہ دار سے بات نہ کروں گا تو تم کو لازم ہے کہ ایسی قسم کو توڑو در کفارہ دو جیسا کہ اس آیت کا شان نزول اس معنی کا شاید عدل ہے لیکن اس آیت میں فقط اغردی مواخذہ کا ذکر ہے دنیاوی مواخذہ (یعنی کفارہ) کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔

اور سورہ نور کی اس آیت وَلَا يَأْتِلُ اُولُو الْاَيْمَانِ مِنْكُمْ وَالشَّعْبُ اَنْ يَتُّوْا اُولِي اَيْمَانِهِمْ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ میں بھی اسی قسم کی قسم کا ذکر ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ میں مسلح کو خرقہ نہ دوں گا اس کے بارے میں یہ آیت نازل

ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیح کا وظیفہ دو چند کر دیا۔
ف (۲) اس آیت میں کَلَّا یُؤْخِذُکُمْ بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اٰیَمَآئِکُمْ وَتَکُوْنَ
 مِّنْ یَّسِیْرٍ غَمَاسٍ کَاذِبٍ۔ یہاں غموس کا ذکر نہیں۔ یہاں غموس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ
 الَّذِیْنَ یُشَکِّرُوْنَ یُعْهَدُ لَہُمْ وَ اٰیَمَآئِہُمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ الآیۃ اس آیت میں یہاں غموس
 پر اُردی مواخذہ کا ذکر ہے دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ کا ذکر نہیں اس لیے امام ابو صفیرؒ کے نزدیک
 یہاں غموس کی حقیقت جھوٹ اور افتراء ہے جو اعلیٰ درجہ کا گناہ کبیرہ ہے جس میں توبہ اور استغفار
 واجب ہے مگر کفارہ نہیں۔ اور علیٰ ہذا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِّنْ الذَّکٰوٰثِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ
 میں بھی یہاں غموس کی طرف اشارہ ہے۔

ف (۳) اس آیت میں حق جل شانہ نے کَلَّا یُؤْخِذُکُمْ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اٰیَمَآئِکُمْ
 کو وَتَکُوْنَ مِّنْ یَّسِیْرٍ غَمَاسٍ کَاذِبٍ بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے
 اور کسبِ قلب سے بالاجماع کذب اور معصیت کا ارادہ مرد ہے معلوم ہوا کہ یہاں لغو جو کسبِ قلب
 قُلُوْبُکُمْ کے مقابلہ میں مذکور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں کذب اور جھوٹ کا ارادہ
 نہ ہو بلکہ اپنے گمان میں سچ سمجھ کر قسم کھائی ہو وہ یہاں لغو ہے جس میں کوئی مواخذہ نہیں نہ گناہ اور نہ
 کفارہ۔ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ابن عباسؓ سے یہاں لغو کی یہی تفسیر منقول ہے اور یہی
 امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ تفصیل کے لیے احکام القرآن ج ۵ ص ۲۵۵ کی مراجعت کی جائے۔



لَّذِیْنَ یُوْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِہِمُ تَرْکُبُوا رُبْعًا اَشْہُرًا

جو لوگ قسم کھا رہتے ہیں اپنی عورتوں سے ان کو فرصت ہے چار مہینے۔

فَاِنْ فَاَوْ فَاِنْ اَللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۲۲۱ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

پھر اگر بل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر تمہاریا رخصت کرنا

فَاِنَّ اَللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۲۲

تو اللہ سنتا ہے جانتا۔

حکم بست و یکم۔ ایلاء۔

قال تعالى: يُولَدُونَ مِنْ نِسَاءٍ يَمْسُوكَهُنَّ... الخ... فَإِنَّ اللَّهَ سَمِعَ صَلَاحَهُ
 (ربط، گزشتہ آیات میں کچھ احکام عورتوں کے متعلق مذکور ہوئے اور کچھ حکام بین یعنی قسم کے متعلق مذکور ہوئے۔ آئندہ آیت میں ایک خاص قسم کی عین یعنی خاص قسم کی قسم کا ذکر فرماتے ہیں جو عورتوں سے متعلق ہے یعنی "ایلاء" اس میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایلاء ایک خاص قسم کی عین ہے جس کے احکام علیحدہ ہیں۔ اس لیے ایلاء کا حکم علیحدہ بیان فرمایا۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ اگر بڑ اور تقویٰ اور اصلاح کرنے سے یہ قسم کو توڑا جائے اور کفارہ ادا کر دیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایلاء کو سمجھو اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا یعنی یہ قسم کھائی کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو اگر اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے تو نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں یعنی یہ قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم ان سے صحبت نہ کریں گے ایسے لوگوں کے لیے چار مہینے کا انتظار لازم ہے بس اگر ان چار مہینے کے اندر اپنی قسم کو توڑ کر یہ لوگ اپنی عورتوں کی طرف رجوع کریں یعنی ان سے صحبت اور جماعت کریں اور اس طرح اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دیدیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ قسم کے توڑنے اور عورت کو تکلیف پہنچانے کے تصور کو معاف کر دیں گے، ورنہ آئندہ کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نیت کر لینے کی وجہ سے اس پر رحمت اور مہربانی فرمائیں گے اور اگر ان لوگوں نے قطع تعلق ہی کی ٹھان لی ہے اس لیے اس نے چار مہینے کے اندر رجوع نہیں کیا اور اسی طرح اپنی قسم پر قائم رہا تو چار ماہ گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سنبھالے والے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں اس لیے اس کے مناسب یہ حکم دیا۔

(۱) **ف** عَزَبَ كَايَهِ دَسْتُوْر تَحَا كَرَجِبِ بِيُوِي سَعَفَا هُوْتَعِ تُوِيَه قَسْم كَحَالِيْنَعِ كَر مِيْن اَب تِيْرَعِ
 اِس نَاؤُنْ كَا بَاهِيْت مِيْن عُوْرَت كَع سَاْنَعِ كَايَه اِيَك مَرِيْق تَحَا اِس سَعَفَا
 نَعُوْرَتِ بِيُوِه هُوْتِي اُوْر نَعَاوْنَدُوَالِي شَرِيْعَتِ اِسْلَامِيْه نَعِ اِس كِي اِيَك حُدُوْر مَدَت مَعِيْن كَر دِي۔ يَعْنِي
 چار ماہ۔ اگر اس مدت میں رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔

(۲) **ف** اِمَام مَالِكُ اُوْر اِمَام شَاْنَعِيٌّ اُوْر اِمَام اَحْمَدُ كَع نَزْدِيَك اِغْرَا يَلَاو كَرْنَعِ دَالَا چار ماہ
 گزرنے کے بعد فوراً رجوع کرے تو وہ رجوع معتبر ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ پر فرطتے

ہیں کہ اگر چار مہینے کے اندر ندر رجوع کرے تو معتبر ہے چار ماہ گزر جانے کے بعد رجوع کا اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں فَاَنْزَلْنَاهُ فَاَنْزَلْنَاهُ فَاَنْزَلْنَاهُ آیا ہے یعنی ان چار مہینے کے اندر رجوع کریں۔ اور یہ قراءۃ اگرچہ متواتر نہیں لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اگر قرأت شاذہ قرأت متواترہ کے معارض نہ ہو بلکہ اس کی مفسر اور شارح ہو تو وہ بھی حجت اور واجب العمل ہے۔ اور تعارض اس کو کہتے ہیں کہ جہاں دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ فَاَنْزَلْنَاهُ فَاَنْزَلْنَاهُ فَاَنْزَلْنَاهُ کی قرأت فَاَنْزَلْنَاهُ کے منافی نہیں بلکہ اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

ف ۳۸ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑتی۔ چار ماہ گزر جانے کے بعد قسم کھانے والا یا تو طلاق دے یا رجوع کرے طلاق کا پڑنا اس کے طلاق دینے پر موقوف ہے اور اگر نہ طلاق دے اور نہ رجوع کرے بلکہ سکوت کرے تو حاکم اس سے زبردستی طلاق دلائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

ف ۳۹ شریعت میں ایلا اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو شخص یہ قسم کھائے کہ چار مہینے یا چار ماہ سے نائید یا بلاعتین مدت اپنی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اور اگر چار مہینے سے کم کے لیے قسم کھائی تو وہ ایلاع شرعی نہ ہوگا۔ اول کی تین صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا اور کفارہ قسم دینا پڑے گا۔ اور اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو طلاق بائن ہو جائے گی اب رجوع درست نہیں۔ البتہ ہدید نکاح بدون حلالہ کے جائز ہے اور ایلا کی آخری صورت یعنی چار مہینے سے کم کے لیے اگر قسم کھائی ہے مثلاً تین مہینے کے لیے قسم کھائی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو کفارہ قسم دینا ہوگا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر اپنی قسم کو پورا کیا یعنی تین ماہ کے اندر عورت کے پاس نہیں گیا تو تب بھی نکاح باقی رہے گا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔

ف ۴۰ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجوع کے لیے فقط اتنا کافی ہے کہ میں نے رجوع کر لیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بلا دخل کے رجوع نہیں ہوتا۔



وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ

اور طلاق دہی عورتیں انتظار کروائیں اپنے تئیں تین حیض تک۔

وَلَا يَحِلُّ لِهِنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي

اور ان کو حلال نہیں کہ پھپھا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان

أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

کے پیٹ میں، اگر ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ

اور ان کے خاوندوں کو پہنچتا ہے پھیر لینا ان کا اتنی دیر میں اگر

أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

چاہیں صلح کرنی اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان پر حق ہے

بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ

موانق دستور کے اور مردوں کو ان پر درجہ ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

زبردست ہے تدبیر والا۔

حکم بست دوم و سوم = عِدَّتِ طَلَاقِ مُدَّتِ رَجْعَتِ

قال تعالى وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ... الخ... وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
(اربط) ایلا میں ایک محدود مدت یعنی چار مہینے کے لیے عورت کے علیحدگی ہوتی ہے اور طلاق
میں غیر محدود مدت کے لیے علیحدگی ہوتی ہے اس لیے محدود اور محصور (یعنی ایلاء) کے بعد غیر محدود اور
غیر محصور (یعنی طلاق) کا ذکر مناسب ہوا۔ نیز ایلاء میں بعض مرتبہ عزم یعنی ارادہ رجوع کا ہوتا ہے۔
اس لیے ان آیات میں طلاق کے ساتھ رجعت کے احکام بھی بیان فرمائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
اور طلاق والی عورتیں جن پر کسی طرح سے طلاق پڑ چکی ہے خواہ بذریعہ ایلاء کے یا کسی اور طریقہ سے
ان کو چاہیے کہ تین حیض کے گزر سنے کا انتظار کریں یعنی جب تک یہ تین حیض نہ گزر جائیں اس وقت
تک کسی دوسری جگہ نکاح نہ کریں تاکہ اگر حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور دوسرے کی اولاد اس کے ساتھ
مخلوط نہ ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان طلاق والی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو پوشیدہ
رکھیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے یعنی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے حیض یا حمل

کو چھپائیں کہ کسی طرح عدت جلدی پوری ہو جائے یا شوہر کو طلاق رجعی میں رجعت کا حق باقی نہ رہے۔ غرض یہ کہ عورتوں کے لیے اپنے حمل یا حیض کو چھپانا جائز نہیں اگر وہ حقیقتاً اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ایمان خیانت کی اجازت نہیں دیتا اور طلاق رجعی کی صورت میں ان کے شوہر ان کو اپنی زوجیت میں واپس لانے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ خواہ یہ عورتیں رضامند ہوں یا ناراض۔ مگر یہ یاد رہے کہ شوہروں کو طلاق دینے کے بعد رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ ان کا مقصد اس رجعت سے اصلاح اور خیر خواہی ہو جاہلیت کی طرح عورتوں کو ستانا اور پریشان کرنا مقصود نہ ہو یا اس طریق سے مہر کا معاف کرنا منظور نہ ہو۔ ستانے کی نیت سے رجعت اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نیت سے رجعت کرنا گناہ ہے اور باعث سزا ہے۔ اِنْ اَرَادُوْا اَصْلَاحًا فَاٰتُوْا بِہِمْ مَالًا مِّنْ اَمْوَالِہُمْ مَّا لَمْ یَسْلُبُوْا مِنْہُ نَفْسًا وَنَفْسًا لَّہُمْ رِجْعٌ مِّنْہُمْ اِذَا تَرَکُوْا مَا لَمْ تَحْکُمْ عَلَیْہِمْ فَاُولٰٓئِکَ لَا جُنَاحَ عَلَیْہُمْ فَاِذَا تَرَکُوْا مَا لَمْ تَحْکُمْ عَلَیْہِمْ فَاُولٰٓئِکَ لَا جُنَاحَ عَلَیْہُمْ فَاِذَا تَرَکُوْا مَا لَمْ تَحْکُمْ عَلَیْہِمْ فَاُولٰٓئِکَ لَا جُنَاحَ عَلَیْہُمْ۔ رجعت ہر حال میں صحیح ہے مگر من جانب اللہ رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ نیت خیر خواہی اور اصلاح کی ہو اور اصلاح اور خیر خواہی اس وقت مکمل ہوگی کہ جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے کیونکہ عورتوں کا بھی مردوں پر حق ہے جیسا کہ ان پر مردوں کا حق ہے۔ دستور کے مطابق لیکن حقوق میں مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اس لیے رجعت کا حق اور اختیار مردوں کو عطا کیا عورتوں کو نہیں دیا اور اللہ غالب ہے مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینے پر قادر ہے پس اگر کوئی عورت پر ظلم کرے گا تو اس سے بدلہ لے گا۔ اور بڑی حکمتوں والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حکمت اور مصلحت اسی میں ہے کہ طلاق اور رجعت کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے۔ عورتیں کچھ تو کم عقل ہیں اور کچھ جلد باز اور بے صبری ہیں ان کے ہاتھ میں اگر طلاق اور رجعت کا اختیار دیدیا جاتا تو ہر شہر میں روزانہ ہزار طلاقیں پڑا کرتیں۔ اور پھر جب طلاق دینے کے بعد کچھ ہوش آتا اور اپنا اور اپنے بچوں کا انجام نظروں کے سامنے آتا تو سر پٹتیں اور روتیں۔ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا کیونکہ یہ اختیار ان کی تباہی کا باعث ہوتا۔ بچوں اور عورتوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو اختیار نہ دیا جائے۔

آیت میں لفظ مطلقات اگرچہ عام ہے مگر یہاں مطلقات سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں کہ جو آزاد ہوں۔ لونڈی اور باندی نہ ہوں اور ان کو حیض بھی آتا ہو۔ فاما بالغ یا حاملہ نہ ہوں۔ اور ان سے صحبت یا خلوت صحیح بھی ہو سکتی ہو جن عورتوں میں یہ صفات پائی جائیں ان کی عدت تین حیض ہے اور اگر آزاد نہ ہوں بلکہ لونڈی اور باندی ہوں تو ان کی عدت دو حیض ہے اور ان کی طلاقیں بھی دو ہیں۔ اور اگر مطلقہ صغیر السن ہو یا بہت بوڑھی ہو گئی کہ حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر صحبت یا خلوت صحیح

سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی گئی تو اس پر عدت نہیں۔

ف (۲) لفظ قُضِيَ اَضْدَادِیْنَ سے ہے اتفاقِ اُمّہ لغت حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْءِیْنِ سے طہر کے معنی مراد ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْءِیْنِ سے حیض کے معنی مراد ہیں۔ خلاصہ راغبؒ اور اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قُرْءِیْنِ سے حیض کے معنی مراد ہیں (تفسیر ابن کثیر) نیز عدت کی مشروعیت سے غرض یہ ہے کہ رحم کا بچہ سے غالی ہونا معلوم ہو جائے اور یہ بات حیض ہی سے معلوم ہو سکتی ہے طہر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

ف (۳) وَبَلَغَ اَلْجَا لِ غُلَیْہُنَّ دَرَجَۃً۔ سے صاف ظاہر ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے اور جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات پر تقریریں کرتے ہیں وہ بے علم ہیں اور بے عقل بھی۔ اور جن پر نفسانی شہوتوں کا غلبہ ہے اُن کے نزدیک عورت کا درجہ مرد سے بڑھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ عقل اور ہدایت دے۔ آمین

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَیْنِ فَاِمْسَاکُ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْمٌ

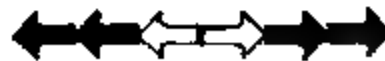
طلاق ہے دو بار تک پھر رکھنا موافق دستور کے یا رجعت کرنا

بِاِحْسَانٍ

نیکی سے

حکم بست و چہارم عد طلاق زوجی

قال تعالیٰ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَیْنِ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَیْنِ اَوْ تَسْرِیْمٌ بِاِحْسَانٍ ط
 (ربط) گزشتہ آیت میں مرد کے لیے حق رجعت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ رجعت کا حق کب تک رہتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ پھر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد تم کو دو اختیار ہیں یا تو دستور اور حسن اسلوب کے ساتھ رک کر یعنی رجعت کر کے اُس کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور یا حسن اسلوب کے ساتھ اس کو چھوڑ دو کہ اس کی عدت گزر جائے اور جہاں چاہے وہ نکاح کر لے تم اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔



وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا

اور تم کو خدا نہیں کہے کہ کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو، مگر کہ

إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ

وہ دونوں ڈریں، کہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے۔ پھر اگر تم لوگ ڈرو

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ

کہ وہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے، تو نہیں گناہ دونوں پر جو بدلہ دے

بِهِ طِلْكَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوا هَا وَمَنْ يَتَعَدَّ

کر چھوٹے عورت یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی بڑھ

حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵﴾

چلے اللہ کے قاعدوں سے، سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔

حکم بستی و نچسٹم: خلع

قال تعالیٰ۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (ربط) گزشتہ آیت میں طلاق کا ذکر فرمایا۔ اب اس آیت میں خلع کا ذکر فرماتے ہیں جو ایک قسم کی طلاق ہے یا طلاق کی طرح ایک قسم کا شیخ نکاح ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں تسمیح باحسان کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بیوی سے خلع کی نوبت آئے تو اس کو حسن سلوک اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو۔ یعنی ہر وغیرہ جو کچھ اُس کو دے چکے ہو وہ اُس سے واپس نہ لو۔ دیئے ہوئے کو واپس لینا تسمیح باحسان کے خلاف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ بیویوں سے چھوڑنے کے وقت ان سے اس مال میں سے کوئی شے واپس لو جو تم ان کو نکاح کی حالت میں دے چکے ہو مگر جب کہ میاں بیوی دونوں کو یہ خوف ہو کہ ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی آپس میں حقوق زوجیت نہ ادا کر سکیں گے تو ایسی صورت میں اگر مرد عورت سے کچھ مال لے کر اس کو چھوڑ دے اور عورت مال دے کر اپنے آپ کو اس کے نکاح سے چھڑا لے تو کوئی گناہ نہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُس کو خلع کہتے ہیں۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ میاں اور بیوی باہمی

منافرت اور کدورت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ ذیہ یعنی بدر دے کر نکاح سے اپنا بچا چھڑا لے تاکہ دونوں گناہ سے بچ جائیں ایسی صورت میں عورت کے ذیہ مال کا دینا اور مرد کے ذیہ مال کا لینا جائز ہے بشرطیکہ ہر سے زیادہ نہ ہو یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ سراسر ظالم ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیسؓ کے دین اور اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی مگر میں اور وہ یک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے برقع اٹھا کر پست سے لوگوں میں ان کو آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ قام اور پست قد اور بد صورت ثابت ہی نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تم کو دیا ہے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیسؓ کو بلایا اور فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ اسام میں پہلا خلع تھا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ

پھر اگر اس کو طلاق دے تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح

زَوْجًا غَيْرَهُ ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سو پھر اگر وہ شخص اس کو طلاق دے، تب گناہ نہیں

يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَ

ان دونوں پر کہ پھر مل جاویں اگر خیال رکھیں کہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے اور

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے، بیان کرتا ہے واسطے جاننے والوں کے۔

حکم بست و ششم۔ حلالہ و طلاق ثالث

قال تعالى: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۖ لِي... لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں دو طلاق کا حکم بیان فرمایا یعنی دو طلاق کے بعد تم کو امساک بمعرفہ اور تسریح باحسان کا اختیار ہے۔ اب اس آیت میں تیسری طلاق کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ تیسری طلاق کے بعد تم کو رجعت وغیرہ کا کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا بدون حلالہ کے تمہاری طرف واپس نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اگر دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو اس عورت کا تعلق اس سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا اس لیے کہ دو طلاق کے بعد تو رجعت کا امکان تھا اور جب تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجعت کا کوئی موقع نہیں رہا طلاق کی وضع ہی مفارقت اور انقطاع کے لیے ہے تیسری طلاق سے نکاح کی حلت بالکلیہ ختم ہو گئی اور یہ عورت اس کے لیے بالکل حلال نہ رہے گی۔ اب اس عورت سے نہ رجعت صحیح ہے اور نہ نکاح جدید یہاں تک کہ یہ عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر اگر یہ دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اُس کو طلاق دے دے اور عدت بھی گزر جائے تو پھر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عورت اور پہلا شوہر جدید نکاح کر کے بدستور سابقہ حالت کی طرف وٹ جائیں اور زن و شوئی کے تعلقات قائم کر لیں۔ بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ ہم اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اس لیے کہ آئندہ امور کے متعلق جزم اور یقین کا حاصل ہونا نہایت مشکل ہے اس لیے کہ غیب کا علم کسی کو نہیں کہ آئندہ کیا ہوگا اور یہ یعنی تیسری طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنا اور پھر اُس کا ہم بستری کے بعد طلاق دینا اور پھر شوہر اذل اور عورت کا یہ گمان غالب ہونا کہ ہم دوبارہ نکاح کے بعد ایک دوسرے کے حقوق زوجیت میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ غرض یہ کہ یہ امور اللہ کی قائم کردہ حدود میں جن سے تجاوز نہ اور انحراف جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حدود اور احکام کو ایسے لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم اور فہم رکھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ تیسری طلاق سے زوجیت اور محبت کا تعلق بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور محبت اور مروت تبدیل بکراہت و منافرت ہو جاتی ہے اس لیے اس کراہت و منافرت کے انالہ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس کی لذت چکھنے کے بعد اگر طلاق ہو جائے تو پھر شوہر اول سے تعلق کی تجدید ہو سکتی ہے۔

فائدہ | آیت قرآنیہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیدہ علیدہ دی ہوں یا اکٹھی دی ہوں۔ تمام صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ مجتمعاً اور خواہ متفرقاً

علاء طلاق رجعی میں رجعت ہو سکتی ہے اور طلاق بائن میں اسی شوہر سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد اسی شوہر سے تجدید نکاح بھی جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کو طلاق دے تب شوہر اول سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے ۱۲

وہ واقع اور لازم سمجھی جائیں گی۔ صرف بعض اہل ظاہر اور بعض حنبلیوں کا قول ہے کہ تین طلاق دینے سے ایک طلاق پڑتی ہے اور شیعوں کے نزدیک تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ اور دود ظاہری سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ دفعۃً تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ (کما سیاقی فی کلام القرطبی) امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہ جن کی تقلید و اتباع پر (سوائے چند ظاہرین اور خود رائے لوگوں کے) امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء اور محدثین اور مفسرین متفق ہیں اُن کا متفقہ اور اجماعی فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اور اسی کو امام بخاریؒ عیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا جس کے یہ صحیح بخاری میں ایک خاص باب منعقد فرمایا۔

”باب من جاز الطلاق الثلاث“ بقولہ تعالیٰ الطلاق مرثن الایۃ۔

قال الامام القرطبی التفتی ایمة الفتوی علی لزوم ایقاع الطلاق فی کلمۃ واحدة وهو قول جمہور السلف وشد طائوس وبعض اهل الظاہری ان طلاق الثلاث فی کلمۃ واحدة یقع واحدة ویردنی هذا عن محمد بن اسحاق وحجاج بن ارطاة وقیل عنہما لا یلزم منہ شیء وهو قول مقاتل۔ ویحکی عن داود انہ لا یقع وجمہور السلف والائمة انہ لازم واقع ثلاثا ولا فرق بین ان یوقۃ ثلاثا مجتمعة فی کلمۃ ومتفرقة فی کلمات الخ مصنف وقال فی ص ۱۲۶ وترجم البخاری علی هذه الایۃ باب من اجاز الطلاق الثلاث بقولہ تعالیٰ الطلاق مرثن فامسالت بمعروف او تسریح باحسان۔ وهذا اشارۃ منہ الی ان هذا التعمید انما هو فحۃ لہم فمن ضیق علی نفسه لزمہ۔ اھ

بعد ازاں امام قرطبیؒ نے ان تمام شبہات کا جواب دیا کہ جو لوگ تین طلاق کو ایک طلاق بنانے کے لیے پیش کرتے ہیں حضرت اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تمام فقہاء صحابہؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی اور جو اس کے خلاف کرے گا اس پر دوسرے پڑیں گے اور سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی شرواح کی مراجعت کی جائے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ تین طلاق کے بارہ میں کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؓ کا اتباع کریں اس زمانہ کے چند مدعیان عمل بالحدیث کے کہنے سے حرام کے مرتکب نہ ہوں اور اپنے نسب کو خراب نہ کریں جو شخص اجماع صحابہؓ کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت سے نہیں۔

حدیث ابن عباسؓ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں دو سو ایک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے تین طلاقیں جاری کر دیں بعض ظاہر پرست اس روایت کو دیکھ کر اس طرف چلے گئے کہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے تین طلاق کو تین طلاق قرار دے دیا تھا ابن تیمیہ حنبلیؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم حنبلیؒ اپنے امام احمد بن حنبلؒ کے برخلاف اور تمام صحابہؓ و تابعینؓ کے اجماع کے برخلاف اور ائمہ مجتہدین کے برخلاف اور تمام اہل سنت والجماعت کے برخلاف شذوذ اور تفرد میں مبتلا ہوئے اور شیعہوں کی طرح تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے قائل ہوئے۔ اہل سنت والجماعت کا جماعتی مسلک یہ ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور تین طلاق سے عورت مفلسہ بائٹہ ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے شیخ تقی امینؒ سبکیؒ اور عز بن جامعؒ وغیرہما نے ابن تیمیہؒ کا رد کیا جو ابن تیمیہؒ کے ہم عصر اور ہم شہر تھے اور یہ واضح کر دیا کہ ابن تیمیہؒ کا مسئلہ طلاق میں تفرد اور شذوذ ابن تیمیہؒ کے اُن مسائل میں سے ہے جس میں ابن تیمیہؒ نے اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؒ کے خلاف کیا ہے اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا اور ہر زمانہ میں علماء نے اس مسلک کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھے اور بخاری اور مسلم کے شارحین نے خاص طور پر شرح حدیث میں اس مسلک کا بطلان اور ابن تیمیہؒ کی تردید کی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل

۱) تمام صحابہؓ و تابعینؓ سے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ اور فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَہَا کی تفسیر اسی طرح منقول ہے کہ دو طلاق کے بعد خواہ مجتمعا ہوں یا متفرقا زوج کو رجعت کا حق رہتا ہے اور تین طلاق کے بعد خواہ وہ مجتمعا ہوں یا متفرقا رجعت کا حق باقی نہیں رہتا بے شمار روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بعد دو حساب طلاقیں دے دیتے تھے حتیٰ کہ سو سو اور ہزار ہزار طلاقیں دیدیتے تھے اور جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو اس سے رجعت کر لیتے پھر اسی طرح ستانے کے لیے اس کو طلاق دیدی پھر رجعت کر لی اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِنِّیْ اَخْرَجَہُ اللہ تَعَالٰی نے طلاق کی حد مقرر کر دی کہ آخری حد تین ہے ایک اور دو طلاق کے بعد تو رجعت کا حق ہے ورنہ یعنی تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اختیار نہیں رہتا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۶) (۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ عویمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو لفظ واحد میں تین طلاقیں دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

کوئی انکار نہیں فرمایا۔

(۳۱) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور نسائی میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں بعد ازاں اُس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اُس دوسرے شوہر نے اُس کو مباحثت سے پہلے طلاق دے دی۔ اس پر اُن حضرات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپؐ نے فرمایا: نہیں جب تک دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طرح صحبت اور مباحثت نہ کرے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۱ ج ۱)

(۳۲) حدیث عائشہ صدیقہؓ در قصہ رفاعہ قرظی جس کا مضمون گزشتہ روایت کے قریب قریب ہے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں آیت مذکورہ کو اور ان تینوں حدیثوں کو ذکر فرمایا اور ائمہ اربعہ کے مطابق طلاق ثلاث کے جواز کے لیے ایک ترجمہ منعقد فرمایا (باب من اجاز لطلاق الثلاث) دیکھو فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۲۔ بعد ازاں امام بخاریؒ نے ایک اور باب منعقد فرمایا وہ یہ ہے باب اذا طلقها ثلاثاً تزوجت بعدا بعداً زوجاً غیرہ فلم یعسھا۔ اور اس باب میں رفاعہ قرظی کی حدیث نقل فرمائی دیکھو فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۲۔

(۳۳) امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب قصہ فاطمہ بنت قیسؓ کے عنوان سے منعقد کیا۔ فاطمہ بنت قیسؓ کو اس کے شوہر نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ میں تین طلاقیں دے دی تھیں چونکہ فاطمہ بنت قیسؓ کے مزاج میں کچھ جذبات تھے اس لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اُس کو دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی اجازت دے دی تھی دیکھو فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۲۔

(۳۴) عجم طبرانی اور سنن بیہقی میں سوید بن غفلہؓ سے مروی ہے کہ عائشہ ختمیہؓ امام حسن بن علیؑ کے زوجیت میں تھیں جب علیؑ کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تو ختمیہؓ نے امام حسن کو مبارک باد دی اور یہ کہا کہ تیرے خلافہ خلافت آپ کو مبارک ہو امام حسنؑ کو سخت ناگوار گزرا اور کہا کہ کیا مجھ کو علیؑ کے قتل سے خوشی ہوئی ذہبی فائز طالق ثلاثاً۔ جائز تین طلاق۔

اور امام حسنؑ نے بقیہ مہر اس کا بھیج دیا اور مزید براں دس ہزار درہم اور بھیج دیئے عائشہ ختمیہؓ کو بہت مدد ہو اس پر امام حسنؑ نے یہ فرمایا کہ اگر میں اپنے جدِ امجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دے دیتا ہوں تو رجوع کر لیتا وہ قول یہ ہے۔

ایما رجل طلق امرأته ثلاثاً	جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے
عند الاقراء او ثلاثاً مبہمة لم	حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس
تحل لہ حتی تنکح زوجاً	کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے
غیرہ۔	شوہر سے نکاح کرے۔

(۷) مسند امام احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے اس کو طلاق قبل الدخول دے دی تو کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپؐ نے فرمایا نہیں۔ جب تک شوہر ثانی شوہر اول کی طرح مباشرت نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

(۸) اور اسی طرح کے مضمون کی ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما | محلی بن حزم میں اور زاد المعاد میں۔ اور سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا باسانید صحیح یہ قول نقل کیا ہے کہ تین طلاق دینے سے عورت منقطعہ بائنہ ہو جاتی ہے بدون حلالہ کے اس سے نکاح صحیح نہیں شیخ ابن ابیہام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ خلفاء اور عبادلہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

اجماع صحیح کرام | اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں حافظ ابن عبد البرؒ سے اجماع نقل کیا ہے اور قاضی ابو الولید باجیؒ نے منتقى میں اور امام ابو بکر رازیؒ جصاص نے احکام القرآن میں اور امام محمدؒ نے شرح معانی الآثار میں اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

فالسراج في الموضوعين تعريضاً لاعتقالات الثلاث للاجماع الذي انعقد في عهد عمرؓ على ذلك ولا يعف عن ان احداً في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل اجماعهم على وجود ناسخ وان كان خفي على بعضهم قبل ذلك حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر فالمنعكف بعد هذا الاجماع منابذ له والجمهور على عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق والله اعلم (فتح الباری ص ۳۱۹ ج ۱)

اور حافظ ابن رجب جنبلؒ جو سچپن سے حافظ ابن قیمؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی صحبت میں رہے جب ان پر یہ منکشف ہوا کہ ہمارے استاد ابن قیمؒ اور ابن قیمؒ ہم سے مسائل میں سلف صالحین کے خلاف ہیں تو اپنی تصانیف میں انکار دیا اور اس مسئلہ یعنی طلاق ثلاث کے بارہ میں ایک خاص کتاب ان کے رد میں لکھی جس کا نام بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة رکھا۔ اس کتاب مذکور میں حافظ ابن رجب جنبلؒ لکھتے ہیں۔

اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف
المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شئ صريح في ان الطلاق الثلاث بعد دخول
يحبس واحدة اذا سبق بلفظ واحد كذا في الاشفاق على احكام الطلاق للعلامة الكوثري
ص ۳۵ وقال ابن رجب لا نفلس من الامة احدا خالف في هذه المسألة مخالفة ظاهرة
ولا حكما — ولا قضاء ولا علما ولا افتاء ولم يقع ذلك الا من نفري ليس جدا
وقد انكره عبيد من عاصرهم غاية الانكار وكان اكثرهم يستغنى بذلك ولا يظهر
لكيف يكون اجماع الامة على اخفاء دين الله الذي شرعه على لسان رسوله واتباع اجتهاد
من خالفه برأيه في ذلك هذا لا يحل اعتقاده البتة ۱ھ - ولعله ظهر بهذا البيان ان
مضاء عمر لثلاث حكم شرعي مستمد من الكتاب والسنة مقارنا لاجماع فقهاء
الصحابة فضلا عن التابعين ومن بعدهم وليس بمقبولة سياسية ضد حكم شرعي فلما خرج
على امضاء عمر خارج على ذلك كله والله اعلم. كذا في الاشفاق على احكام الطلاق
للعلامة الكوثري ص ۵۳.

حدیث ابن عباسؓ کا جواب

حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری ص ۱۶۰ میں جہور کی طرف سے حدیث ابن عباسؓ کے آٹھ
جواب دیئے ہیں جن میں سے چند یہ بہ ناظرین کرتے ہیں۔

جواب اول قرآنہ اور احادیث صحیحہ مشہورہ اور اجماع صحابہ اور خلفاء راشدین کے
بمصلہ کے خلاف ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ اور عطاءؒ اور عمر دینارؒ اور مالک
بن حویرثؒ اور محمد بن ایاسؒ اور نعمان بن ابی عباسؒ یہ تمام اکابر ثقات ابن عباسؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے دے تو اس کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ اس
شخص نے خدا کی نافرمانی کی کہ کیدم تین طلاقیں دے دی۔ اس کی بیوی اس سے ہائے ہو گئی بغیر دوسرے
شخص سے نکاح کیئے اور طلاق حاصل کیئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ان اکابر نے ابن عباسؓ
سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ جماعت صحابہ و تابعین کے مطابق ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ طائوسؒ
وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے (تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی) وہ بالکل ضعیف اور
کمزور ہے یہ ممکن نہیں کہ ابن عباسؓ صحابہ کرامؓ کے خلاف کریں۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ طائوسؒ
کی روایت وہم اور غلط ہے۔ حجازہ اور شام اور مصر اور مشرق اور مغرب کے علماء میں سے کوئی بھی اس طرف

نہیں گیا کہ تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۹-۱۳۰)
 نیز یہ امر تو ترکہ چنچا ہے کہ ابن عباسؓ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی طلاقیں پڑتی ہیں اور تین طلاق کے بعد عورت منقطع بائٹہ ہو جاتی ہے۔ امام ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے ساتھ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے پاس محفوظ ہو اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہیں پس اولیٰ آدہ مقتضائے احتیاط ہی ہے کہ ایک قول کے مقابلہ میں جماعت کے قول کو ترجیح دی جائے۔ (فتح الباری ص ۲۱۴)
 قاضی ابوبکر بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے پس اجماع صحابہؓ کے مقابلہ میں اس کو کیسے مقدم رکھا جاسکتا ہے (فتح الباری ص ۹۶)

جواب دوم | یہ کہ حدیث ابن عباسؓ منسوخ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے تین طلاقوں کو جاری کرنا اور صحابہ میں سے کسی کا خلاف نہ کرنا، اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس حکم کا نسخ ثابت ہوا ہے جس کی بنا پر یہ حکم جاری کیا امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے ہی روایت کیا ہے کہ غالباً یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنی اس روایت مذکورہ کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کو کسی ذریعہ سے اس روایت کا منسوخ ہونا معلوم ہوا جب ہی تو فتویٰ اس کے خلاف دیا کرتے تھے (فتح الباری ص ۲۱۴) عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ فاروق اعظمؓ صحابہ کرام کو حدیث نبوی کے خلاف آمادہ کریں۔ اور صحابہ کرام بالاتفاق بلا چون و چرا حدیث کے خلاف ان کے حکم کو قبول کر لیں اور ابن عباسؓ (جو تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے راوی ہیں) وہ حضرت عمرؓ سے ایک مرتبہ بھی یہ عرض نہ کریں کہ اے امیر المومنین آپ کا تین طلاقوں کو تین بنا دینا ارشاد نبوی کے خلاف ہے اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں تو تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی رہیں۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم جاری کیا یہ کمالِ ابلہی اور بے باکی ہے یہ ناممکن اور محال ہے کہ فاروق اعظمؓ کسی سیاست اور مصلحت کی بناء پر حکم نبوی کے خلاف کوئی حکم جاری کریں اور صحابہ کرامؓ میں کوئی تنفس زبان بھی نہ بلائے اور ابن عباسؓ کی حدیث ان کو یاد نہ دلائے۔

جواب سوم | مان کر حدیث ابن عباسؓ دربارہٴ وحدت طلاق صحیح ہے لیکن آیت قرآنی الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اَلَاَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا کے صحیح اور مریض ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا اور علی ہذا دیگر روایات صریحہ میں سے تین طلاق ہونا ثابت ہے ان کے صحیح ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تو حاصل یہ نکلا کہ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں ایک مختلف فیہ روایت تو ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے اور باقی

تمام احادیث صحیحہ و صحیحہ اور آیت قرآنہ میں طلاق کے تین ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا فاروق اعظمؓ نے بمشورہ عثمانؓ و علیؓ و دیگر اکابر صحابہؓ اُن روایتوں کو ترجیح دی جو تین طلاق کے تین طلاق واقع ہونے پر دلالت کرتی تھیں تو امت کا فریضہ یہ ہے کہ احادیث مختلفہ میں جس جانب کو خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہؓ کرامؓ بلا اختلاف اختیار کر لیں اگرچہ وہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہو اسی جانب کا اتباع ضروری ہوگا اور جس چیز پر خلفاء راشدینؓ اور صحابہؓ کرامؓ متفق ہو گئے ہوں اُس کی مخالفت ناجائز ہوگی اور یہی ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کا مسلک ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق کا واقع ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ اور اجماع صحابہؓ اور فاروق اعظمؓ کے حکم اور عثمانؓ اور علیؓ اور فقہاء صحابہؓ کے اتفاق سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ فاروق اعظمؓ کے حکم سے آنکھ بند کر لینا اور اجماع صحابہؓ کی پروا نہ کرنا نزعہ رافضیہ اور شیوہ شیعیت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچا دے آمین ثم آمین۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبَّغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عذت تک۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا

تورکھ لو اُن کو دستور سے یا رخصت کر دو دستور سے۔ اور مت

تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

بند کر د اُن کے ستانے کو تا زیادتی کر د۔ اور جو کوئی یہ کام کرے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

اُس نے بُرا کیا اپنا۔ اور مت ٹھہراؤ حکم اللہ کے ہنسی

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

اور یاد کر دو احسان اللہ کا جو تم پر ہے اور وہ جو نازل کر رہا ہے کتاب

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةَ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھا دے اور ڈرتے رہو اللہ سے در جان

أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

رکھو کہ اللہ سب چیز جانتا ہے۔

☆ حکم بست و ہفتم منع از اضرار لسا و زہر از لعاب اخوندی

قال تعالى: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ... إِلَى... وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (المطالعہ)۔
 (مطالعہ) آیت یعنی اطلاق مطلقاً مگر قیام مسالکاً بکف و فہ او تسریعاً یا بخسان میں یہ بیان فرمایا تھا کہ طلاق رجعی میں تم کو وہ اختیار ہیں یا ترخص اسلوب کے ساتھ اس کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اس کو رجعت کر دو۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی کر دو تمہیں اختیار ہے لیکن عورتوں کو تکلیف اور ضرر پہنچانے کے ارادہ سے نہ کر دو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دو اور پھر وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہو جائیں یعنی اُن کی عدت اور ميعاد قریب الختم ہو مگر ابھی ختم نہ ہوئی ہو۔ پس اگر اُن کو اپنے نکاح میں رکھنا منظور ہے تو اچھے طریق سے اُن سے رجعت کر کے اُن کو اپنے نکاح میں روک دو یا اُن کو اپنی زوجیت میں رکھنا مقصود نہ ہو تو پھر خوبصورتی کے ساتھ ان کو رجعت کر دو کہ وہ اپنی عدت گزار کر جہاں چاہیں نکاح کریں اور ساتھ اور ایذا دینے کے لیے ان کو نہ روکو یعنی ایذا پہنچانے کی غرض سے ان سے رجعت نہ کرو تاکہ روک کر اُن پر کچھ ظلم اور زیادتی کرو جیسا کہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بیوی کو ستانے کی غرض سے طلاق دیتے اور پھر جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو رجعت کر لیتے اور پھر طلاق دیتے اور پھر اسی طرح کرتے رہتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایسا مت کرو اور جو شخص ایسا کام کرے گا پس بلاشبہ اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اُسے مسلمانوں میں ان جاہلوں کی طرح اللہ کے احکام کو مسخر اور ٹھٹھا بناؤ۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اول طلاق دے دیتے اور پھر یہ کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اور اسی طرح غلام اور لونڈی کو آزاد کر دیتے اور پھر کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا جد یعنی حقیقت تو حقیقت ہی ہے۔ مگر ان کا ہزل یعنی اُن کا ہنس اور مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کا حکم رکھتا ہے وہ بین چیزیں یہ ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔ یعنی ان چیزوں میں تمہارے الفاظ کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ زندہ کے جن اعمال کا تعلق فقط حق تعالیٰ سے ہو وہاں شریعت نے نیت کا اعتبار کیا ہے اور

جو اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہاں الفاظ کی لغفلت و دلت کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ طلاق اور رجعت بھی اسی قبیل سے ہیں۔ طلاق اور رجعت میں الفاظ کا اعتبار ہو گا نیت کا، عتد نہ ہو گا اس لیے کہ اگر معاملات اور معاشرت میں ظاہر الفاظ کے خلاف نیت کا اعتبار کیا جائے تو دوسروں کے حقوق پر اس کا اثر پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ معاشرت اور معاملات میں اگر الفاظ کی دلت کا اعتبار نہ ہو اور لوگوں کی نیت کے مطابق فیصلے ہو سنے لگیں تو کارخانہ عالم دریم پر ہم ہو جائے۔ خود غرض لوگ طلاقیں دیں گے اور پھر عورتوں کو روکنے کے لیے اپنی نیتوں کو بہانہ بنائیں گے اور اس طرح عورتوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے اور اللہ کی نعمت کی یاد کر کے اس نے تم پر احسان کیا کہ تم کو عورتوں پر حاکم بنا دیا اور اگر وہ چاہتا تو تم کو عورتوں کے ہاتھ تلے کر دیتا اور پھر وہ بھی اسی طرح تمہارے ستم سے پر قادر ہوتیں اس لیے تم کو چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر کرو اور اس کی نعمت کو یاد کر کے اس نے تم پر کتاب اور حکمت کو اتارا یعنی قرآن کریم اور سنت نبویؐ تم کو عطا کی تاکہ تم اپنے علم اور عمل کی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ کتاب و سنت کے مقتضی پر چلو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے طلاق اور رجعت سے جو نیت بھی کر دے وہ اس سے مخفی نہیں۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَعْنٌ أَجَلَهُنَّ فَلَا

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچ چکیں اپنی عدت کو تواب

تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا

نہ روکو ان کو کہ نکاح کر میں اپنے خاوندوں سے جب رضی ہو جاویں

بَيْنَهُمْ بِالْعُرْفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

آپس میں، موافق دستہ کے۔ یہ نصیحت ملتی ہے اس کو، جو کوئی تم میں

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمَ آزَكَىٰ لَكُمْ

یقین رکھتا ہے اللہ پر، اور پچھلے دن پر۔ اسی میں سنوار زیادہ ہے تم کو

أَطْهَرَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

اور ستمنازی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حکم بست و شتم = منع از اضرارِ نساء بعد از عدت

قال تعالیٰ: وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُنْفَاكِ بَعْضُهُنَّ إِلَىٰ بَعْضٍ... لَعَلَّ... وَ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
(ربط) گزشتہ آیات میں اندرونِ عدت ضرر پہنچانے کی مانعت کا بیان تھا۔ اس آیت میں عدت گزرنے کے بعد ضرر پہنچانے کی مانعت کا بیان ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورتوں کو نکاح سے باز رکھنا چاہئے۔ اور جب تم یعنی تمہارا کوئی عزیز عورتوں کو طلاق دے دے اور پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، یعنی ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ پھر اپنے سابق شوہر سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو اپنے پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے باز رکھو کہ وہ شریعت اور سنت کے دستور کے مطابق نکاح کرنے پر باہم رضامند ہو جائیں۔ البتہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرنے لگے یا عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنے لگے تو پھر خویش ادا اقرار کرنا ایسے نکاح سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ معقل نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا۔ بعد چند سے اُس شخص نے ان کی بہن کو طلاق دے دی عدت گزرنے پر پھر اسی شخص نے پیغام دیا۔ معقل نے کہا میں نے پہلے تم سے اپنی بہن کا نکاح کیا اور تمہارا گھر بسایا مگر تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر پیغام لے کر آئے ہو۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے گھر ہرگز نہیں جاسکتی۔ معقل کہتے ہیں کہ وہ آدمی کچھ بُرا نہ تھا اور میری بہن بھی اس کے یہاں جانا چاہتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَا تَعْصِمُوهُنَّ الْآيَةَ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں ضرور اُس سے نکاح کر دوں گا۔ اور پھر میں نے اسی شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔ یہ نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے کہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ در یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ نصیحت اسی کو فائدہ دیتی ہے جسے خدا کا خوف و آخرت کا یقین ہو۔ اور خوب سمجھ لو کہ یہ جو کچھ تم کو نصیحت اور ہدایت کی گئی یہی تمہارے لیے خیر اور برکت و طہارت و نراہت کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے روکنے میں کیا مضریتیں اور کیا غریباں ہیں اور تم پیش آنے والے مفاسد کو نہیں جانتے اگر باوجود باہمی رضامندی اور رغبت کے تم نے عورتوں کو نکاح سے روکا تو شیطان طرفین کے دلوں میں طرح طرح کے دوسے ڈالے گا اور اس طرح سے دلوں کی طہارت اور نراہت کو مکر کرے گا اور عجب نہیں کہ نکاح سے روکنا خود اہل خانہ سے ناجائز تعلقات کا ذریعہ بن جائے۔ ذَلِكُمْ اَرْذٰىٰ لَكُمْ اَمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور لڑکے دایاں دودھ پلا دیں اپنے لڑکوں کو دو برس پورے

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ

جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے پر ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

کھانا اور پہننا ان کا موافق دستور کے۔ تکلیف نہیں کسی شخص کو

إِلَّا وَسْعَهَا لَا تَضَارُّ الْوَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا

مگر جو اس کی گنجائش ہے نہ ضرر چاہے ان اپنی اولاد کا اور نہ

مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

لڑکے والا اپنی اولاد کا۔ اور وارث پر بھی یہی ذمہ ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

پھر اگر دونوں چاہیں دودھ چھڑانا آپس کی رضا سے اور

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

ان کو نہیں گناہ۔ اور اگر تم مرد چاہو کہ

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ

دودھ پورا کر اپنی اولاد کو تو تم پر نہیں گناہ جب حوالہ کر دیا

مَّا أَتَيْتُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ

جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۴﴾

اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

حکم بست و نہم متعلق برضاع

قال تعالى: وَالْوَالِدَتُ يُرَضِّعْنَ أَوْلَادَهُنَّ... الخ... وَالْمُسْتَأْذِنُ أَكْبَرُ الدُّعَاءِ بِمَا تَعْقِلُونَ بَعِيْنٌ.
(ربط) گزشتہ آیات میں عورتوں کے احکام کا بیان تھا یعنی طلاق اور عدت اور رجعت کے احکام کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں بچوں کے احکام بیان فرماتے ہیں یعنی رضاعت کی مدت اور اس کی اجرت کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ بچہ والی عورتوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ اگرچہ ان کے شوہروں نے ان کو طلاق دے دی ہو اور یہ مدت اس کے لیے ہے کہ جو شیر خوارگی کو مکمل کرنا چاہے اور جو مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے کہ دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دے اور باپ بہن کے لیے دراصل یہ بچہ پیدا کیا گیا کیونکہ بچہ باعتبار نسب کے باپ ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ان دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور چرنا دستور کے مطابق واجب ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی نفس کو کسی حکم کا مکلف نہیں بنایا جاتا مگر اس کی طاقت اور گنجائش کے موافق لہذا ماں کو بچہ کی وجہ سے کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچایا جائے اور علیٰ ہذا نہ باپ کو لڑکے کی وجہ سے کوئی تکلیف دی جائے یعنی طلاق ہو جانے کے بعد ماں کو یہ نہ چاہیے کہ دودھ پلانے میں نخرے کرے اور شوہر سے نفقہ اور اجرت دستور سے زیادہ مانگے یا بچہ کی خبر گیری میں کمی کرے اور علیٰ ہذا باپ کو یہ نہ چاہیے کہ خد میں بجائے ماں کے کسی آٹا سے دودھ پلوسے اور اس کو ترا جرت دے مگر ماں کو دودھ پلانے کی اجرت نہ دے یا ماں کی اجرت میں کمی کرے۔

عزمن یہ کہ دودھ پلانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے۔ اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو پھر اسی طرح کا خرچہ وارث کے ذمہ ہے۔ وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وارث سے ذی رحم محرم مراد ہے اس لیے کہ عبد بن مسعودؓ کی قرأت میں وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الشَّرْحِ الْمَحْرُومِ مِثْلُ ذَلِكَ آیا ہے۔ اور ایک قراوت دوسری قراوت کی مفسر ہوتی ہے یعنی وارث سے وہ ذی رحم محرم مراد ہے کہ بچہ مر جائے تو یہ اس کا وارث بنے بقدر میراث کے سبب پر خرچ لازم ہوگا۔ مثلاً اگر ذی رحم محرم دو بھائی یا دو بہنیں ہیں تو دونوں سے نصف نصف لیا جائے گا اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہے تو بھائی سے دو ثلث اور بہن سے ایک ثلث لیا جائے گا۔ ودارثوں پر خرچہ اس صورت میں ہے کہ خود بچہ کے پاس مال نہ ہو ورنہ اگر بچہ کے پاس مال ہے تو پھر تمام خرچہ اسی کے مال میں سے دیا جائے گا اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ زلتے ہیں کہ وارث سے خود وہ لڑکا ہی مراد ہے جو اپنے متوفی باپ کا وارث ہے اس کے دودھ پلانے کی اجرت اسی کے مال میں سے لی جائے گی اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو پھر ماں کے ذمہ ہے اور بچہ کے خرچہ کے لیے سوائے والدین کے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا پس اگر ماں باپ یا ہی رضامندی اور مشورہ سے دوسرے سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں اور اگر تم کسی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے

یہ ارادہ کرو کر اپنے بچوں کو بچے ماں کے کسی دایہ کا دودھ پلوانا چاہو بشرطیکہ تم حوالہ اور سپرد کر دو جو کچھ تم نے دینا مقرر کیا تھا دستور کے موافق یعنی دودھ پلانے والی کا حق پورا دے دینا اس میں سے کچھ کمی نہ کرنا کسی کا حق مارنا یا کاٹنا بہت بُری بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جو احکام، دُلوں اور دودھ پلانے والیوں کے متعلق دینے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ طلاق دے دینے کے بعد ماں سے دودھ پلوانے میں یا ماں کے ہوتے ہوئے کسی اتنا سے بچہ کو دودھ پلوانے میں کوئی نفسانی غرض تو شامل نہیں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ تمہارے دل کے خیالات اور نفس کے خطرات کو بھی دیکھتا ہے۔

ف (۱) طلاق کے بعد اکثر و بیشتر میاں اور بیوی کے درمیان میں ایک قسم کی عداوت اور منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص کر جب کہ طلاق ایسی حالت میں ہو کہ گود میں شیر خوار بچہ بھی ہو تو یہ باہمی منافرت اور کدورت ایک قسم کی مناصحت اور منازعت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں عجب دشواری پیش آتی ہے کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ بچہ کو اس سے چھین کر کسی اور عورت سے دودھ پلوائے اور اس طرح بیچاری ماں کو فراق میں تڑپائے اور کبھی عورت بچہ کو دودھ پلانے سے اس لیے انکار کرتی ہے کہ ظاہر میں کوئی اور دودھ پلانے والی موجود نہیں۔ پہلا شوہر مجبور ہو کہ میری خوشامد کرے گا اور جو معاوضہ مانگوں گی وہ مجبور آدے گا اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فیصلہ فرمادیا کہ ماں دوسری تک بچہ کو دودھ پلائیں اور باپ کے ذمہ اس کے معاوضہ میں اس کا کھانا اور پہنانا واجب ہو گا ایک دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے اور نہ کسی کا حق کاٹے۔

ف (۲) دستِ رضا مت جہور کے نزدیک دو سال ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک ڈھائی سال یعنی تیس مہینے ہیں جیسا کہ حاشیہ ۱ و ۲ فصلۃ ثلاثون مہینہ میں مذکور ہے تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جائے۔

ف (۳) یہ آیت اگرچہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی مگر بیوی بھی اس حکم میں داخل ہے اور اگر بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے بیوی کو کچھ دیا جائے تو حقِ زوجیت اس کے لیے مانع نہیں۔

ف (۴) ماں اگر معذور نہ ہو تو دینا نہ اس کے ذمہ بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور حکم کے لیے یا اس مطلقہ کے لیے جو ابھی تک عدت میں ہو اُجرت لینا جائز نہیں البتہ عدت گزرنے کے بعد اُجرت دینا واجب ہوگی۔

ف (۵) ماں کا دودھ اگر بچہ کے لیے مضر ہو تو ایسی صورت میں کسی اور عورت سے دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔



وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ سر جائیں تم میں اور چھوڑ جائیں عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

وہ انتظار کروادیں اپنے تنہیں چار مہینے اور دس دن

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

پھر جب پہنچ چکیں اپنی مدت کو تو تم پر نہیں گناہ

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

جو وہ اپنے حق میں کریں موافق دستور کے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

حکم سی ام = عدت و فوات زوج

قال تعالى: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا... وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا... (ربطاً گزشتہ آیات میں عدتِ حیات یعنی عدتِ طلاق کو بیان فرمایا اور اسی کے ساتھ اثنا عشر عدت میں عدتِ رضاعت اور اجرتِ رضاعت کا حکم بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں عدتِ حیات کے بعد عدت و فوات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عدت و فوات اور عدتِ حیات الگ الگ ہیں اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر کو پوری کر کے دنیا سے چلے جائیں اور بیویوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں جب تک یہ مدت نہ گزر جائے کہیں نکاح نہ کریں پس جب کہ وہ اپنی مدت اور عدت پوری کریں تو اسے در ثانی میت تم پر اب کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو وہ اپنی ذات کے لیے دستور کے مطابق کریں اب ان کو زینت کرنے کی اور نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اگر تم نے کسی امر مشروع پر ان کو ملامت کی یا ان کی کسی بات میں مارج اور مزاحم ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی سزا دے گا۔

ف (۱) یہ عدت اُس بیوہ کی ہے کہ جو حاملہ نہ ہو اس لیے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہے۔ کمال قال تعالیٰ۔ وَ اُولٰٓئِكَ اَزْوَاجٌ لَّيْسَ فِيْهِنَّ اَكْرَهٌ يَّغْنُوْنَ كَحُلَّتْ

ف (۲) آئندہ ایک آیت میں آئے گا کہ عدت وفات ایک سال ہے وہ حکم پہلے تھا جو اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے۔

ف (۳) شریعت نے عدت کا حکم پہلے نکاح کی عزت و حرمت اور نسب و رخص کی حفاظت کے لیے دیا۔



وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمُوهٖ مِنْ خُطْبَةٍ

اور گناہ نہیں تم پر جو پردے میں کہو پیغام نکاح عورت

النِّسَاءِ اَوْ اَكُنْتُمْ فِيْ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنْكُمْ

کو یا چھپا رکھو اپنے دل میں معلوم ہے اللہ کو کہ تم

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّا

البتہ ان کا دھیان کر دگے لیکن وعدہ نہ کرو ان سے چھپ کر مگر

اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا

یہی کہ کہہ دو ایک بات جس کا رواج ہے اور نہ بانڈھو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰی يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهُ ط

گرہ نکاح کی جب تک پہنچ چکے حکم اللہ کا اپنی مدت کو

وَ اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ

اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے

فَاَحْذَرُوْهُ ۚ وَ اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

تو اس سے ڈرنے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشتا ہے فصالح والا -



حکم سی و یکم متعلق پیغام نکاح و اشاعت

قال تعالى: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

(رابطہ) گزشتہ آیات میں عدت کے بعد نکاح کی اجازت مذکور تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے کہ عدت کے اندر اندر نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں البتہ نکاح کا اشارہ اور کناہہ جائز ہے اس لیے کہ کسی کے مرتے ہی اس کی بیوہ سے نکاح کا پیغام دینا بے مردی ہے گویا کہ پیغام دینے والا اس کی موت کا منتظر ہی تھا خصوصاً جب کہ بیوہ صاحب کمال اور صاحب جمال بھی ہو تو پیغام والے اور بھی جلدی کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا عدت کے اندر عورت کا نکاح کے متعلق گفتگو کرنا بے وفائی پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے شوہر کے مرتے ہی اس کے حق رفاقت کو بھول گئی اور سابق نکاح کی عزت اور حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا کہ جس کے گھر میں عدت گزار رہی ہے اور جس کی میراث تقسیم کر رہی ہے اس کے مرتے ہی نکاح کی بات چیت کر رہی ہے۔ گویا کہ یہ بے وفا عورت اپنے شوہر کے مرنے کی ہی منتظر تھی۔ اس لیے ان آیات میں اس کی بابت حکم فرمایا۔ اور جس طرح عدت کے بعد نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں اسی طرح تم پر اس بار سے میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ عدت و فوات کے اندر عورتوں کے پیغام کے متعلق بطور تعریض اور کناہہ کچھ اشارہ کرو۔ مثلاً یہ کہو کہ مجھے ایک نیک عورت کی ضرورت ہے یا نکاح کے خیال کو بالکل دل میں مضمر رکھو اور کسی طرح اس کا ذکر نہ کرو نہ صراحتاً اور نہ تعریضاً اور نہ کناہہ، اس کی طرف کوئی اشارہ کرو اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم عدت کے بعد ان سے صراحتاً اس کا ذکر کرو گے اور بغیر ذکر کے تم صبر نہ کر سکو گے اس لیے تم کو تعریض اور کناہہ کی اجازت دے دی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو بہتر ہے یہ بھی ایک قسم کا عتاب ہے لیکن تم کو چاہیے کہ اجازت سے آگے نہ بڑھو یعنی عدت کے اندر ایک دوسرے سے مخفی طور پر نکاح کا صریح وعدہ نہ کرو کہ عدت کے بعد ضرور نکاح کر لیں گے مگر اتنی بات کہو کہ جو قانون شہری کے مطابق ہے یعنی بطور تعریض اور کناہہ کچھ کہہ سکتے ہو صراحتاً کہنے کی اجازت نہیں اور جب تک عدت اپنی پوری مدت تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک عقد نکاح کا عزم مصمم بھی نہ کرو۔ یعنی یہ انادہ اور عزم کہ عدت گزرنے کے بعد ضرور نکاح کریں گے یہ بھی مسموح ہے بسا اوقات عزم کر لینے کے بعد صبر نہیں ہوتا، در عدت کے اندر ہی نکاح کر بیٹھتا ہے، اس سے بطور سند ذرائع اس ارادہ کی بھی مانعت کر دی گئی اگرچہ یہ مانعت تحریم کے درجہ میں نہیں بلکہ تنزیہ کے درجہ میں ہے جیسے وَلَا تَقْرَبُوا الزَّيْنَةَ میں زنا کے قریب جانے کی مانعت فرمائی اور حدیث میں ہے کہ جو چرگاہ کے گرد گھومتا ہے عجیب نہیں کہ وہ کسی وقت چرگاہ کے اندر گھس بھی جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں عدت کے اندر نکاح کا میلان چھپا ہوا ہے بس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ

بڑ بختیے والا ہے کہ میلان اور رغبت پر مواخذہ نہیں فرماتا اور جو قصداً ارادہ کے بعد اللہ کے خوف کی وجہ سے
 نہ کرے اس کو معاف کر دیتا ہے اور بڑ کھل دیتا ہے کہ خلاف حکم کرنے والوں پر مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ

گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو عورتوں کو،

مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً

جب تک یہ نہیں کر ان کو اتھ لگایا ہو یا مقرر کیا ہو ان کا کچھ حق

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ

اور ان کو خرچ دو وسعت دے پر اس کے موافق ہے اور تنگی دے

قَدَرُهُ مَتَاعًا يَالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾

پر اس کے موافق جو خرچ دستور ہے لازم ہے نیکی والوں کو۔

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ

اور اگر طلاق دو ان کو اتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا

فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

چکے ہو ان کا حق تو لازم ہو آدھا جو کچھ ٹھہرایا تھا۔

إِلَّا أَنْ يَعْفُوَنَّ أَوْ يُعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ

مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے جس کے ہاتھ گره ہے

النِّكَاحِ ط وَ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ط وَلَا تَنْسُوا

نکاح کی در تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پر ہیزگاری سے اور نہ بھلا دو

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۸﴾

بھلائی رکھنی آپس میں۔ تحقیق اللہ جو کرتے ہو سودیکھتا ہے۔

حکم سی و دوم۔ بابت ہر

قال تعالى: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مِنْ أَمَرٍ مُتَعَسِّقٍ هُنَّ... إلخ۔ وَاَنْتُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ بِصُيُورِهِ (در ربط) گزشتہ آیات میں عورت کے اعتبار سے مطلقہ کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں مطلقہ کے احکام باعتبار لزوم مہر کے ذکر کرتے ہیں اس لیے کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر معین ہوا تھا اور پھر خلوت کے بعد ان کو طلاق دی گئی تو اس صورت میں شوہر کو تمام مہر دینا ہوگا جو نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا دوم یہ کہ مہر تو معین ہوا تھا مگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو اس صورت میں شوہر کو آدھا مہر دینا لازم ہوگا۔ شوم یہ کہ نہ مہر معین ہوا تھا اور نہ خلوت کی نوبت آئی تھی خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی اس صورت میں مہر نہیں بلکہ دستور کے مطابق خرچہ اور جوڑا دینا پڑے گا۔ چہاں م یہ کہ مہر تو مقرر نہ ہوا تھا مگر خلوت یا صحبت کے بعد طلاق دی ایسی صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اس خاندان کی عورتوں کا جو مہر رائج ہے وہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دے دو کہ ابھی تک تم نے ان کو بچھا اور ہاتھ تک نہیں لگایا اور ان کے لیے تم نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر کیا ایسی حالت میں اگر تم ان کو طلاق دے دو تو نہ تو کوئی گناہ ہے ورنہ تم سے کوئی مہر کا مطالبہ ہے اور البتہ اس سے جدائی اور مفارقت کے وقت ان کو کچھ نفع اور فائدہ پہنچا دو یعنی پہننے کا کرٹی جوڑا اور کچھ خرچہ دے دو وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حالت کے بقدر واجب ہے اور یہ فائدہ پہنچانا خوش غوی اور خوبصورتی کے ساتھ چاہیے حاکم کی زبردستی سے نہ بویہ فائدہ پہنچانا نیکو کاروں پر حق واجب ہے جن کی نظر اللہ پر رہتی ہے وہ خلق خدا کو نصیب پہنچانے میں دیرینہ نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ در امام احمدؒ کے نزدیک یہ جوڑ دینا واجب ہے اور قائم مقام مہر کے ہے جیسا کہ صنفہؒ امر اور صفہ علیؒ اور حقا سے وجوب ظاہر ہوتا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے وجوب نہیں اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو ورنہ حاکم تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو ایسی صورت میں تم کو اس مہر کا نصف دینا پڑے گا جو تم نے نکاح کے وقت مقرر کیا تھا اور نصف تم سے معاف ہو جائے گا۔ مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ عورتیں اپنا حق (نصف مہر) معاف کر دیں اور شوہر سے کچھ نہ دیں۔ یا یہ کہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اپنا حق معاف کر دے۔ یعنی بھائے نصف مہر دینے کے پورا مہر دے دے اور اگر شوہر پورا مہر دے چکا ہے تو نصف مہر عورت سے واپس نہ لے اور تمہارا اپنے اپنے حق کو معاف کر دینا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے۔ یہ خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو ہے اور تم باہمی احسان اور نیکوئی کو نہ بھولو ہر ایک

کو چاہیے کہ اس کی کوشش کرے کہ فضل و احسان میرے ہاتھ سے سرزد ہو دوسرے کے احسان پر نظر کرنا فضل اور فضیلت کے خلاف ہے تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں وہ اس کو بھی دیکھتے ہیں کہ کون احسان کی طرف بہت کرتا ہے اور کون دوسرے کے احسان کی طرف نظر کرتا ہے۔

فائدہ چار صورتیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان آیات میں صرف دو کا حکم مذکور ہے یک یہ کہ مہر نہیں ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ دوسرے یہ کہ مہر ٹھہر تھا مگر طلاق ہاتھ لگانے سے پہلے ہی دے دی اور دو صورتیں باقی رہ گئیں جن کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ایک یہ کہ مہر مقرر ہوا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو پورا مہر لازم ہوگا۔ یہ حکم سورۃ نسا میں مذکور ہے۔ دوسرے یہ کہ مہر نہیں ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو اس صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اس عورت کے خاندان میں جو رواج ہے اس کے مطابق مہر دینا ہوگا۔

حُفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ قَوْ

خبردار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور

قَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينَ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ

کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ پڑھو یا

رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم

سوار۔ پھر جس وقت چین پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جیسا تم کو سکھایا

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

حکم سی سوم۔ محافظتِ صلوات عموماً و صلوة وسطیٰ خصوصاً

قال تعالى: حُفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ ... الے ... كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔
(رہط) دوسرے سلسلہ کلام، احکام معاشرت کے بارے میں چل رہا ہے اس کے ضمن میں محافظتِ صلوة کا حکم اس لیے ذکر کیا کہ اکثر و بیشتر اہل و عیال میں مشغولی نماز اور نیاز سے غفلت کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے۔

رہو اللہ کے سامنے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ نماز میں نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو کسی سے کوئی بات نہ کرو۔ نگاہ نیچی رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو۔ دنیاوی خیالات سے قلب کو محفوظ رکھو۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (ابتداء میں) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز میں بات چیت بھی کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ بیت مازل ہوئی دَقُّوا مَوَاقِدَ قِنْدِیْنِ تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم ہو گیا۔ اور نماز میں باتیں کرنے سے ہم کو منع کر دیا گیا (بخاری و مسلم وغیرہ) اس سے کہ نماز کی حقیقت مناجاتِ خداوندی ہے آپس میں باتیں کرنے سے خدا تعالیٰ سے مناجات باقی نہیں رہ سکتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ اس نماز میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ نماز تو وہ ہے کہ جس میں دل سے بھی باتیں نہ ہوں چہ جائیکہ زبان سے باتیں اور لہجوں سے اشارے ہوں پس اگر تم کو کسی دشمن وغیرہ کا خوف ہو جس کی وجہ سے تم نماز کے آداب اور سنن کی پوری حفاظت نہ کر سکو تو پھر جس طرح بھی ممکن ہو پیادہ یا سوار نماز پڑھ لو اور اس طرح اصل نماز کی حفاظت کر لو۔ اگرچہ اس خوف کی حالت میں رکوع اور سجود اور خشوع اور خضوع اور استقبال قبلہ کی پوری رعایت اور حفاظت نہ کر سکو تو پھر جب تم کو امن اور سکون حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو پورے سکون اور اطمینان اور آداب کے ساتھ یاد کرو جس طرح اس نے تم کو اپنی بندگی اور یاد کے طریقے سکھائے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے بخوف کی حالت مجبوری کی حالت ہے اس سے حق تعالیٰ نے اس حالت میں بغیر رکوع و سجود کے اشارہ سے نماز کی اجازت دے دی اگرچہ تمہارا منہ بھی قبلہ کی طرف نہ ہو۔

(۱) **ف** صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں اقوال مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح مراد ہے۔ جو رات کی نماز یعنی عشاء و رات کی نماز یعنی ظہر کے درمیان ہے ابو قیس بن زید کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ نماز ثلاثی ہے (تین رکعت والی ہے) ثلاثی اور رباعی کے درمیان ہے یعنی دو رکعت والی سے زائد اور چار رکعت والی نماز سے کم ہے۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ پنج نمازوں میں سے ایک نماز بلا تعیین کے صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ اسم اعظم اور شب قدر اور ساعت جمعہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو پوشیدہ رکھا ہے جمہور علماء کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسری امام ابو حنیفہ کے نزدیک مختار ہے۔

(۲) **ف** عصر کی تخصیص، تاکید اور اہتمام کے لیے کی گئی کیونکہ یہ وقت لوگوں کے بازاروں میں مشغول رہنے کا ہے۔ اس سے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فوت نہ ہو جائے یا بغیر جماعت کے ادا کی جائے یا تاخیر سے پڑھی جائے۔

۳۱۰ ف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خوف کی حالت میں نماز پیروں پر کھڑے ہو کر یا سواری پر جائز ہے مگر چلتے چلتے نماز جائز نہیں کیے کہ رجا لا۔ راجل کی جمع ہے اور راجل کے معنی لغت میں چلتے والے کے نہیں بلکہ لغت میں راجل پیروں پر کھڑے ہونے والے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں راجل کو مقابلہ میں رکب کے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجل سے مراد وہ شخص ہے کہ جو سوار نہ ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دشمن کا خوف شدید ہو تو چلتے چلتے بھی نماز درست ہے جس طرح بن ہرے سے نماز پڑھ لے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف اتنا شدید ہے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو پھر نماز کو مؤخر کرے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں نماز کو مؤخر فرمایا اور چلتے چلتے نمازیں نہیں پڑھیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ تم میں مرجاویں اور چھوڑ جاویں عورتیں

وَصِيَّةٌ لِّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا عَالِيَ الْاُحْوَالِ غَيْرَ اُخْرَاجٍ

وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے فرج دینا ایک برس نہ نکال دینا

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

پھر اگر وہ نکل جاویں تو گناہ نہیں تم پر، جو کچھ

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

کریں اپنے حق میں دستور کی بات اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

برداشت ہے حکمت والا۔

حکم سی و چہارم ۳۲۷ وصیت برائے سکونت بیوہ

قال تعلق۔ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا۔ الی۔ واللہ عزیز حکیم۔
(رابطہ) احکام معاشرت کے ضمن میں محافظت صوات پر تنبیہ فرمایا۔ اب اس تنبیہ کے بعد پھر

کچھ احکام بیان فراتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں مطلقات کے متعہ کا ذکر فرمایا اب اس آیت میں بیوہ کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر پوری کر کے دایر دنیا سے دایر آخرت کی طرف انتقال کر جائیں اور عورتوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان پر یہ شرعاً واجب ہے کہ وہ بیویوں کے لیے ایک سال تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں، اس طرح ہر کہ وہ عورتیں، نہیں کے مکان میں رہیں اور ایک سال تک ان کو نان و نفقہ ملتا رہے بغیر اس کے کہ ان کو ایک سال کے اندر گھر سے نکال دیا جائے۔ شوہر کو چاہیے کہ وصیت نامہ میں اس کی بھی تصریح کر دے کہ ان عورتوں کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اگر وہ عورتیں ایک سال پر سیکے بغیر ہی چار ماہ اور دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد خود بخود ہی کسی ضرورت کی وجہ سے بغیر وارثوں کے نکالے ہوئے نکل جائیں تو لے وارثوں اس چیز پر کہ جو یہ عورتیں شریعت کے دستور کے مطابق اپنے بارے میں کریں۔ مثلاً کریب و زینت کریں یا نکاح کریں تو تم کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ درشہ کو یہ حق ہے کہ گھر سے چلے جانے کے بعد عورت کا خرچ اگر بند کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اللہ غالب ہے خلاف حکم کرنے والوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ حکمت والا ہے مروت اور مصلحت کے مطابق حکم دیتا ہے۔

فائدہ عورتوں کے لیے ایک سال کی وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جب وارثوں کے حصے مقرر نہ تھے اور آیت میراث ابھی نازل نہ ہوئی تھی بلکہ مردہ کے اختیار پر تھا کہ وہ جس قدر وارثوں کو دوانا چاہے اس کے مطابق وصیت کر جائے۔ شروع اسلام میں والدین اور اقارب کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ مرنے والے پر وصیت واجب تھی۔ لہذا قال تعالیٰ کُتِبَ عَلَيْكَ إِذَا حَضَرَكَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلَّذِينَ كَانُوا مِنْكُمْ وَالْأَقْرَبُونَ بِمَا مَعْرُوفٍ فِي الْآيَةِ اسی طرح مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا واجب تھا کہ وہ ایک سال تک ان کے مال میں سے کھانے پینے کا فائدہ اٹھاتی رہیں اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لیے اس کو اختیار تھا کہ چاہے سال بھر شوہر کے گھر میں رہ کر درشہ سے اپنا حق وصول کرے یا چار مہینہ اور دس دن پر سیکر کے چلی جائے اور اپنا حق چھوڑ دے عورت کے لیے اپنے اختیار سے چلا جانا جائز تھا مگر وارثوں کو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا۔ غرض یہ کہ اس آیت کی مد سے مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے نفقہ اور سکنی کی وصیت واجب تھی بعد میں جب آیت میراث نازل ہوئی اور والدین اور اقارب اور بیوی کا حصہ میراث میں مقرر ہو گیا تو بیوی وغیرہ کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا۔

إِلَّا لَوَصِيَّةً لِّوَارِثَتٍ - آگاہ ہو جاؤ وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔

غرض یہ کہ شروع اسلام میں عورت کی عدت ایک سال تھی اور عورت کے لیے کوئی میراث نہ تھی صرف یہی ایک سال کا نان و نفقہ تھا۔ آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد نان و نفقہ کی وصیت

کا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت یَتَوَقَّعَنَّ بِأَنْتُمْ بَعْدَ أَشْهُرٍ ذَرْبُكُمْ لَكُمْ جہاں تک اس سے پہلے گذر چکی ہے ایک سارہ عدت کا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں مؤخر ہے جیسا کہ آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ الْإِنِّ تَوَدَّتْ فِي مَقْدَمٍ ہے اور آیت قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی مَتَاعًا إِلَى الْخَوَلِ غَيْرِ اخْرَاجِ حُكْمِ ہے منسوخ نہیں۔۔۔ صل عدت تو چار مہینے اور دس دن ہے۔ اس عدت کا پورا کرنا واجب اور لازم ہے اور ایک سال کی عدت کا حکم استعجابی اور اختیاری ہے۔ چار ماہ اور دس دن کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ چاہے ساں بھر پورا کرے یا نہ کرے اس لیے کہ اس آیت سے عورت پر ایک سال کی عدت کا واجب ہونا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ شوہر دس ہر ایک سال کی وصیت کا موجب مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں تریس (عدت نشینی) کا ذکر نہیں جیسا کہ آیت عدت میں ہے اس آیت میں تو صرف وصیت کا ذکر ہے اور شوہر دس کو حکم ہے کہ تم مرتے وقت بیویوں کے لیے ایک سال کی وصیت کر جاؤ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہے اس وصیت کے موافق ایک سال تک رہیں اور چاہیں تو چار مہینے اور دس دن پورا کر کے چلی جائیں پس مجاہدؒ کے اس قول پر عدت کی دو معادیں ہوں گی، ایک ضروری اور حتمی جو اقل میعاد ہے یعنی چار مہینے اور دس دن۔ اور دوسری اختیاری میعاد جو زائد اور اکثر ہے یعنی ایک سال لہذا اس صورت میں نہ اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے اور نہ اس آیت کو اَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا والی آیت سے نزول میں مقدم ماننے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب دو آیتوں کو دو حالتوں پر محمول کر لیا تو تعارض ہی نہ رہا تو پھر نسخ کی کیا ضرورت رہی امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بتدار اسلام میں عدت ایک سال تھی جو بعد میں چار مہینے اور دس دن کی آیت سے منسوخ ہوئی۔ اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے اور اسی پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے۔ اور کسی امام اور فقیہ نے مجاہدؒ کی موافقت نہیں کی اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے مجاہدؒ کے موافق منقول نہیں بلکہ ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے جہور کے مطابق ایک قول نقل کیا ہے۔ پس الحمد للہ کہ اجماع مکمل ہوا اور خلاف مرتفع ہوا (احکام القرآن للامام القرطبی ص ۲۲۶ ج ۲)

وَلَمَّا طَلَّقْتَ مَتًّا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾

اور طلاق والیوں کو فریح دینا ہے موافق دستور کے لازم پر ہیز گاروں کو۔

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنی آیتیں شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم سی و پنجم - متعہ برائے مطلقات

قال تعالى: وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِمَا مَعْرُوفٍ... اے... كَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔
 (رابطہ) گزشتہ آیات میں ان مطلقات کے متعہ (جوڑا) کا ذکر تھا جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور ہاتھ لگانے سے پہلے ان کو طلاق دے دی ہو۔ اب اس آیت میں عام طلاق والی عورتوں کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں اور تمام طلاق دایوں کے لیے دستور کے مطابق کچھ نہ کچھ نفع پہنچانا ہے من جانب اللہ یہ حق گردانا گیا ہے۔ پرہیز گاروں پر یعنی تمام مسلمانوں پر جو کفر اور شرک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور اس کے احکام کی حکمتوں میں غور و فکر کرو کہ اس کے احکام کیسی کیسی حکمتوں اور مسطحتوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں تک نکاح اور طلاق کے احکام تمام ہوئے۔
 فَلِللَّهِ الْحَمْدُ۔

(۱) جس عورت کا کوئی مہر نہ ٹھہرا اور ہاتھ لگانے سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزرا۔ باقی اور طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اس لیے کہ جو عورت مستحق مہر کی ہے وہ مستحق متعہ کی نہیں جس کے لیے پورا مہر یا آدھا مہر واجب ہے اس کے لیے متعہ واجب نہیں۔

(۲) اس آیت میں تمام مطلقات کے متعہ کا ذکر ہے جو واجب اور غیر واجب سب کو شامل ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ”لِلْمُطَلَّقاتِ“ میں ”الف لام“ حید کا ہے اس سے وہی مطلقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور غلوت سے پہلے ان کو طلاق دے دی گئی ہو ان کے لیے متعہ واجب ہے۔ اب یہ آیت عام نہ ہوگی بلکہ پہلی ہی آیت کے حکم کی تاکید ہوگی اس لیے کہ پہلی آیت کے اخیر میں یہ تھا مَتَاعًا بِمَا مَعْرُوفٍ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ جس سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ یہ متعہ دنیا محض احسان اور تبرع ہے واجب در لازم نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِمَا مَعْرُوفٍ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ جس میں حق لازم ہونے کی عام مومنین پر تصریح فرمادی۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

تَرَنے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے۔ اور وہ

أَلَوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ

ہزاروں تھے۔ موت کے ڈر سے۔ پھر کہا ان کو اللہ نے مر جاؤ پیچھے

أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

ان کو جلایا اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر اور لیکن

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۲۲﴾

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

خاتمہ احکام معاشرت برتذکیر آخرت

حکایت قصہ گریزندگان از موت و باہر اے تنبیہ شیفتگان حیات دنیا

و تہیہ تشجیع بر جہاد و قتال و ترغیب انفاق مال

قال تعالى. أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ... إِلَى... لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

(رہبط) یہاں تک ابوب ابرو والصلہ کے متعلق مختلف انواع اور مختلف اقسام احکام مذکور ہوئے مگر ان احکام میں سب سے زیادہ اہم اور مہتمم بالشان اور نفس پریشان اور گراں دو حکم ہیں ایک جہاد و قتال کا اور دوسرا انفاق مال کا۔ چنانچہ اصول پر کے بیان میں وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ اور الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسِ سَارِدَ الْفِتْنِ آوَى حِينَئِذٍ النَّبَأُ سِرِّ کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ انسان کو خداوند ذوالجلال کی اطاعت سے روکنے والی زیادہ تر وہی چیزیں ہوتی ہیں ایک صبر دنیا و دیکھ کر اہست موت بلکہ بھی دو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں محل اور مزاحم ہوتی ہیں اس لیے حق جل شانہ نے اولاً بنی اسرائیل کا ایک قصہ ذکر فرمایا جو موت اور دبا کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور غضب خداوندی سے سب ہلاک ہوئے اور پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے تاکہ اس بلا سبب موت اور بلا سبب حیات کے مشاہدہ سے یہ یقین کر لیں کہ موت اور حیات کسی ظاہری سبب پر موقوف نہیں۔ موت اور حیات کا خالق اور مالک صرف خدا تعالیٰ ہے وہ بغیر دبار اور طاغون کے اور بغیر میدان کارزار کے بھی موت دے سکتا ہے ہند موت کے خوف سے بھاگتا بے سود ہے۔ نیز اس بلا سبب موت اور بلا سبب دوبارہ زندگی کے مشاہدہ سے گویا کہ آخرت

اور حشر و نشر اور قیامت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جس سے آخرت کے بارے میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور اب تک آخرت اور قیامت کے بارے میں جو ایمان استدلالی اور بُردانی تھا اب وہ اس دوبارہ زندگی کے مشاہدہ کے بعد بمنزلہ شہودی اور عیانی کے ہو گیا جس میں ارتداد کا احتمال نہیں۔ استدلال میں احتمال کی گنجائش ہے مشاہدہ اور عیانہ میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے

پائے استدلیساں چو میں بود پائے چو میں سخت بے تمکین بود

پس یہ قصہ اُن دو حکموں کی تہید ہے جو آئندہ آیات میں مذکور ہوں گے۔ ایک جہاد و قتال کا حکم جو اس قصہ کے متصل مذکور ہے یعنی وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ احْلُصُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ دوسرے حکم نفاقِ مال کا ہے جس کو مَن ذَاكَ الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۖ اِنْ سَبَّحْتُمْ بِحَمْدِ اللَّهِ فَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ کے بعد اذلا جہاد و قتال کی ترغیب اور تاکید کے یہ قصہ طاہر و جہالت ذکر فرمایا اور ثانیاً خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کے احکام اور فضائل بیان فرمائے جو دور تک پہنچے گئے اور پھر احکام صدقات سے فراغت کے بعد ربا اور سود کے احکام بیان فرمائے اس لیے کر ربا اور سود صدقہ اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے اور پھر اس سورت کو ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔ اس سورت کا آغاز بھی ایمان اور ہدایت اور تقویٰ اور فلاح سے ہوا تھا هٰذِي لِمَثَقَاتِ الْوَدَّيْنِ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ - اَلَمْ - وَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَعِلِّخُونَ اور خاتمہ بھی ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت پر ہوا جو کہ عین فلاح اور عین ہدایت اور عین سعادت ہے۔

بیانِ رابطہ بطریقِ دیگر | دوسرے نکاح اور طلاق کے احکام کا سلسلہ چلا آ رہا تھا یہاں اگر احکام معاشرت پر سے ہوتے۔ اس لیے اب احکام

معاشرت کے بعد ایک قصہ تذکیرِ آخرت کے لیے ذکر فرمایا جس کو عدت و دفات کے احکام سے خاص مناسبت ہے یعنی اگر تم بے کس عورتوں کا عرصہ حیات تنگ کر دو گے اور اُن کے مہر اور منقہ کے دینے میں کوتاہی کر دو گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عدول حکمی کی سزا میں تمہارے اموال اور ذخائر کو اور تمہاری مستعار حیات کو تم سے واپس لے لے جیسا کہ پہلی آیتوں میں اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے دیکھنے والے اور سنے والے تو نے بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا مگر کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے بطور سزا اور تہذیب یہ حکم دیا کہ سرچاؤ یہ حکم تکوینی تھا اسی وقت سب مر گئے۔ درجی موت کے ڈر سے بھل گئے تھے اسی میں اچانک پکڑے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک نبی کی درخواست اور استدعا پر دوبارہ زندہ کر دیا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ طاعون سے بھاگ کر نکلے تھے۔

ایک بیابان میں جا کر اترے اور یہ گمان کیا کہ اب ہم سلامتی اور تندستی کی جگہ پہنچ گئے تب حکیم خداوندی سب کے سب وہیں مَر گئے۔ اور ایک ہفتہ یا کچھ عرصہ بعد حزقیل علیہ السلام جو ابیابا بنی اسرائیل میں سے تھے وہاں سے گزرے اور یہ منظر دیکھا کہ ہزاروں ہزار آدمی مار پڑا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرائی اور اُن سب کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

ضحاکؓ اور مقاتلؓ اور کبھی سے یہ منقول ہے کہ یہ لوگ جہاد سے بھاگے تھے کہ غنیم سے لڑنا نہ پڑے موت کے ڈر سے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ بھاگ کر جہاں پہنچے اللہ کے حکم سے موت بھی وہیں پہنچ گئی اور سب کا کام تمام کیا۔ پھر بعد چند سے اُس زمانہ کے پیغمبرؐ کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

نکۃ تاضی ابوبکر بن العربیؓ فرماتے ہیں کہ یہ موت موت عقوبت تھی یعنی بطور سزا اور تنبیہ تھی۔ موت اجل نہ تھی جو کہ عمر پوری ہونے کے بعد آتی ہے اس لیے سزا اور تنبیہ کے بعد دوبارہ حیات عطا کر دی گئی تاکہ اپنی عمروں کو پورا کر لیں اور اگر یہ موت موت اجل ہوتی یعنی عمری پوری کر چکے ہوتے تو پھر حیات واپس نہ ہوتی اس لیے کہ موت اجل کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۲، ۳۳)

اللہ کے یہاں عام قاعدہ تو یہی ہے کہ کوئی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دنیا میں زندہ نہیں آتا لیکن بطور خرق عادت کبھی اچانک اللہ تعالیٰ مردہ کو دنیا میں زندہ کرتے ہیں تاکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ظاہر ہو اور منکرین قیامت پر حجت تمام ہو۔

اور تحقیق بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے کہ اس طرح دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ در قیامت کا نمونہ ایک نبیؐ کی نبوت کی دلیل اور معجزہ لوگوں کو دکھلایا تاکہ ملاحظہ اور منکرین قیامت اور کذبین نبوت و رسالت عبرت حاصل کریں اور سمجھ جائیں کہ نہ تو مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا محال ہے اور نہ خدا تعالیٰ کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر کسی غارق عادت کرشمہ کا ظاہر ہونا ناممکن ہے۔ اور ایمان کے اصل اصول بھی یہی تین اسرہ ہیں۔ یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت جو اس واقعہ سے ثابت ہوئے اور اِنَّ اللّٰهَ يَافِئُكُمْ اَنْ تَشْكُرُوْا بَقَرۃٍ ذٰلِکَ جو قصہ ذکر کیا گیا وہ بھی اسی طرح ان تین امور کی دلیل تھا اور آئندہ پارہ میں حضرت ابراہیمؑ کا جو قصہ آئے والا ہے وہ بھی ان ہی تین امور کی دلیل و منہج ہے اب دیکھ لو کہ کس طرح سے سورۃ کا اول اور آخر اور اوسط باہم متناسب اور مرتبط ہیں۔ ملاحظہ کو چاہیے تھا کہ اس واقعہ کو سامان ہدایت سمجھتے اور اس کو خدا کی نعمت جان کر شکر ادا کرنے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور ایسے واقعات سے عبرت اور ہدایت حاصل کرنے واسطے بہت کم ہیں۔ یہ واقعہ کوئی معمولی نعمت نہ تھا کہ ایمان بالغیب کو شہودی اور عیانی بنا دیا۔ اور ارتداد کے خطرہ سے نکال دیا اس نعمت پر تو اگر ماکھوں اور کروڑوں جانیں بھی قربان ہو جائیں

تو بہت کم ہیں۔ اور اُن نبی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں جن کی توجہ اور دعا سے یہ نعمت ظہور میں آئی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ جمیع امانبیاء والمرسلین وعلیٰ سیدنا و مولانا محمد فاتمہ النبیین وعلیٰ کہ واصلی بہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین۔

ف اَلَسَوْ تَرَ کَے معنی ”کیا تو نے نہیں دیکھا“ مگر عاودہ میں اس کے معنی اَلَسَوْ تَعْلَمُوْا کے ہیں کیا تم کو معلوم نہیں۔ ظاہراً چونکہ روایت بصری علم کا ذریعہ ہے اس لیے لفظ روایت بول کر علم کے معنی مراد لیے گئے۔ لہذا اور بغض کے نزدیک یہ لفظ تنبیہ اور تشویش کے لیے مستعمل ہوتا ہے یعنی متنبہ کرنے اور شوق دلانے کے لیے یہ غلط بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سیبویہ سے منقول ہے کہ اَلَسَوْ تَرَ کے معنی تَنْبِیْہٌ الیٰ امرا الذین کے ہیں (تفسیر قرطبی ص ۲۳۵) یعنی یہ واقعہ عجیب و غریب ہے اس قابل ہے کہ اس کو شوق اور رغبت کے ساتھ سنا جائے یہ چیز قابلِ دیدنی۔ درجوں کہ یہ واقعہ شہرت اور تواتر کی وجہ سے بمنزلہ عکس اور مشاہد کے تھا اس لیے سبائے اَلَسَوْ تَعْلَمُوْا کے لفظ اَلَسَوْ تَرَ لایا گیا۔ جیسا کہ حضرات فقہاء اور محدثین نے لکھا ہے کہ خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بمنزلہ مشاہدہ اور روایت بصری کے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو امور خبر متواتر سے ثابت تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اُن کو اَلَسَوْ تَرَ سے تعبیر کیا ہے۔

ف (۲) یہ بھاگنے والے بنی اسرائیل میں سے ایک قوم تھی جو واسطہ کے قریب قصبہ داؤد بن میں رہتی تھی۔

ف (۳) دَھُمُ الْوُفِّ۔ اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار تھے بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چار ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین ہزار تھے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

والصحيح انهم زادوا عشرة آلاف
لقولہ تعالیٰ وھم الوف وھو جمع
الکثرة ولا یقال فی عشرة فما
دونها الوف۔
صحیح ہے کہ دس ہزار سے زیادہ تھے۔
اس لیے کہ لوف جمع کثرت ہے۔ اس
کا اطلاق دس اور دس سے کم پر نہیں آتا۔
(تفسیر قرطبی ص ۲۳۶ ج ۳)

ف (۴) حدیث میں ہے کہ جب تم یہ سُنو کہ فلاں زمین میں دبا اور طاعون ہے تو تم اس زمین میں داخل نہ ہونا اور اگر دبا اور طاعون اُس زمین میں پھیل جائے جس میں تم رہتے ہو تو تم اس سے بھاگ کر نہ نکلا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو مقام سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شام میں طاعون اور دبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ یہ حدیث سُن کر سرخ سے واپس آ گئے ابو عبیدہؓ نے کہا۔

اے امیر المؤمنین کیا اللہ کی قضا و قدر سے بھاگتے ہیں۔

اُفساراً من قدر اللہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو غیرک قالہا یا ابا

عبیدۃ، نعم نفس من

قدر اللہ اے قدر اللہ -

کاش! تیرے سوا کوئی یہ شبہ کرتا۔

(یعنی یہ کلمہ تیری شان کے مناسب نہیں)

ہاں ہم اللہ کی ایک قضا و قدر سے خدا کی

دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگ رہے ہیں

جس طرح بیماری میں علاج کرنا ایک قضا و قدر سے دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگنا ہے اس

یے کہ بیماری بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے اور علاج اور دوا بھی اللہ کی قضا و قدر سے اسی طرح ہمار

و بائی زمین میں داخل نہ ہونا اور وطن کی طرف لوٹ جانا ایک قدر سے دوسری قدر کی طرف جانے ہے۔

(۵) یہ آیت معاد جسمانی کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہے۔ معاد جسمانی کا اقرار اصول

ایمان میں سے ہے اور معاد جسمانی کا منکر باجماع امت بنا شبہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اللہ جان لو کہ اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾

سنتا ہے جانتا۔

تشجيع شاکرین بر جہاد و قتال کافرین

قال تعالیٰ: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

گزشتہ آیت میں حکم جہاد کی تمہید تھی۔ اس آیت میں اصل مقصود کو بیان کرتے ہیں۔ نیز

گزشتہ آیت شاکرین اور غیر شاکرین کے بیان پر مشتمل تھی اب اس آیت میں شکر گزاروں کو ناشکروں

سے جہاد و قتال کرے کا حکم دیتے ہیں اور اب تو تم نے دیکھ لیا کہ موت سے بھاگنا کچھ فائدہ نہیں

دیتا۔ لہذا خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر لڑو۔ خدا کی راہ میں اگر موت بھی آتی ہے تو حقیقت

اس کی حیات ہوتی ہے اور جان و کر اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جہاں میں جاننے اور نہ جاننے کی بابت جو باتیں کرتے ہو وہ سب سنتا ہے اور جو نیت دس میں چھپائے ہو اس کو جانتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ

کون شخص ہے ایسا؟ کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، کردہ اس کو دونا

لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ

کر دے بکثرت برابر؟ اور اللہ تنگی کرتا ہے اور کشائش

وَالِيَهُ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴﴾

وہ اسی پاس اُٹے جاؤ گے۔

ترغیب انفاق مال در راہ خداوند ذوالجلال

قال تعالى: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ

گزشتہ آیت میں خدا کی راہ میں جان دینے کا بیان تھا اب اس آیت میں ماں دینے کا بیان ہے کون شخص ہے جو اللہ کو نہایت عمدہ اور اچھا قرض دے یعنی حلال مال سے اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ دے پس اللہ تعالیٰ اس کو گونا گوں بڑھا کر دیں گے۔ دنیا کی طرح برابر برابر نہ دیا جائے گا خداوند ذوالجلال معاذ اللہ حاجت کی بنا پر قرض نہیں مانگتا بلکہ تم سے اس لیے قرض مانگتا ہے کہ تم سے ایک لے کر بے شمار اس کے عوض عطا کرے۔ باپ کبھی اپنے خور و مال بچے کو ایک پیسہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ بیٹا یہ پیسہ ہم کو قرض دے دو۔ جب وہ بچہ باپ کے ہاتھ پر وہ رکھ دیتا ہے تو باپ بصد ہزار محبت و پیار اس کے ہاتھ پر ایک دینار رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور مالک مطلق ہے اس کو کسی کے قرض کی ذرہ برابر حاجت نہیں وہ اپنے خزانہ سے جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے دست اور کشائش کے ساتھ دیتا ہے اور جس طرح تم دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے اسی طرح تم خالی ہاتھ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے قرض کے نام سے بھی نہ مانگتا اور نہ کسی معاوضہ کا وعدہ فرماتا تب بھی تم کو تمام مال اس کے لیے حاضر کر دیتا تھا۔ یہ مال اور جان اور یہ وجود سب اسی کا عطیہ ہے۔

ف خدا کی راہ میں دینے کو مجازاً قرض کہا گیا اس لیے کہ قرض دینے کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنا مال اس شرط پر دے کہ پھر وہ برابر برابر اس کے پاس واپس آجائے اور بندہ حقیقتہً کسی چیز کا مالک نہیں سب چیز اللہ کی ہے۔ آقا کو غلام سے قرض مانگنے کی کیا ضرورت۔ خود غلام اس کا مملوک ہے۔

محض تطف اور اظہار عنایت کے لیے اس کا نام قرض رکھ دیا کہ خدا کی راہ میں جو خرچ کرو گے من جانب اللہ اس کا معاوضہ ملے گا جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْرٰى مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةَ۔ ہیں نفوس اور اموال کے عوض میں جنت دینے کا نام بیع و شراء رکھا۔ حالانکہ مال اور مال اور جنت سب کے وہی مالک ہیں۔ بیع و شراء کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی ملک علیحدہ علیحدہ ہو۔ پس جس طرح اس آیت میں درحقیقت وہی بائع اور وہی مشتری ہیں محض ظاہر کے اعتبار سے بندہ کو بائع اور اپنے کو مشتری مجازاً قرار دیا اسی طرح اس آیت میں سمجھ کر لینے والے اور دینے والے سب وہی ہیں مجازاً اس کو قرض سے تعبیر کر دیا تاکہ اس ظہور و جہول کا دوسرا غرض ہو جائے اور اگر کچھ غفل ہے تو غیرت سے زمین میں گڑ جائے کہ اللہ اکبر خود اپنے فضل و کرم سے مال و دولت ہم کو دیتے ہیں اور پھر ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ راستے ہیں کہ لاؤ اس میں سے کچھ ہم کو قرض دے دو اور حکم بھی بصورت امر نہیں بلکہ استفہام کی صورت میں ہے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو قرض دے یہود ہے۔ یہود بڑے ہی نادان تھے کہ اس تطف اور عنایت کو تو نہ سمجھے بلکہ الٹا یہ سمجھے کہ معاذ اللہ خدا حاجت مند ہے۔ اس لیے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الْكَافِرِيْنَ قَالُوْا اِذَا دَانَ اللّٰهُ فَيَقْيِيْرُ وَاَنْحُنُّ اَغْنٰى كَافِرًا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مضاف مقدر ہے۔ اسی من ذالذی یقرض عباد اللہ یعنی کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض دے اللہ کو قرض دینے سے اس کے بندوں کو قرض دینا مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھ کو کھانا نہیں دیا۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھ کو پانی نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! آپ کو کیسے پلانا آپ تو تمام عالم کے مربی اور کھلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے کھانا نہیں

یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی واستطعتک فلم تطعننی و استقیئتک فلم تسقنی قال یارب کیف اسقیئت و انت رب العالمین قال مستقیئت عبدی فلان فلم تسقہ اما انتک لو سقیته وجدت ذلک عندی الحدیث اخرجه

مسموع البخاری کذا فی تفسیر القرطبی ص ۲۴ ج ۳۔
 دیا اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو ضرر دیر سے
 پاس پاتا لی آخر الحمد للہ۔

(۲) حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا نَّانِ
 ہوئی تو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے (بطور مسرت اور لذت) عرض کیا۔

یا رسول اللہ! وان اللہ تعالیٰ یرید منا القرض قال نعم یا
 یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض
 چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں سے
 ابو الدرداء۔

ابو الدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس دو باغ ہیں ایک عایدہ میں اور ایک سانفہ میں اور
 خدا کی قسم ان دو باغوں کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ دونوں باغوں کو خدا تعالیٰ کے لیے قرض دیتا ہوں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک باغ خدا کے لیے دیدے اور ایک باغ اپنے بل و عیال کے گندان
 معاش کے لیے رہنے دے۔ ابو الدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ ان
 دو باغوں میں جو سب سے بہتر باغ ہے جس میں چھ تو کھجور کے درخت ہیں وہ اللہ کے لیے دیتا ہوں۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا يَخْزِيكَ اللَّهُ بِمِ
 الْجَنَّةِ
 اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کے عوض میں جنت
 میں باغ دے گا۔

ابو الدرداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر اپنے اس بڑے درمیدہ باغ میں پہنچے جیسے
 خدا تعالیٰ کی نذر کر آئے تھے۔ ابو الدرداء کی بیوی ام ددراء اور بچے اُسی باغ میں تھے اور پھل کھا رہے
 تھے اور درختوں کے سایہ میں کھیل رہے تھے ابو الدرداء باغ میں داخل ہوئے اور بیوی و ام ددراء سامنے
 آئیں۔ ابو الدرداء نے یہ شعر پڑھنے شروع کیا۔

هَذَا لِي رِبِّيْ سُبُلُ الزَّشَاذِ إِلَى سَبِيلِ الْخَيْرِ وَالسَّدَادِ

اللہ تعالیٰ تجھ کو رشد اور ہدایت اور خیر اور صواب کے راستے پر چلائے۔

وَبِشْنِي مِنَ الْخَطِئِ بِأَلْوَدَادِ فَقَدْ مَضَى قَرْضًا إِلَى التَّنَادِ

اس باغ سے فرصت اور مسرت کے ساتھ بھی عیدہ ہو جاؤ اور باہر چلی جاؤ۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ

کو قیامت تک کے لیے قرض دیدیا ہے۔

أَقْرَضَهُ اللَّهُ عَلَى اهْتِمَادٍ بِالْقَوَاعِ لَا مَنْ قَدْ لَا اِرْتِدَادِ

یہ باغ میں نے اللہ تعالیٰ کو نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ قرض دیا ہے جس کا نہ کوئی صانع

ہے اور جس کو واپس لینا ہے۔

إِنَّ رَجَاءَ الْفَقْرِ فِي الْمَعَادِ فَارْتَحِلْ بِالنَّفْسِ وَالْأَدَا

صرف اعضا مضافاً ہر اور ثواب کی امید پر قرض دیا ہے لہذا اسی وقت تو خود مع بچوں کے باغ سے باہر نکل جا اب یہ باغ خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے ہمارا نہیں رہا۔
 وَالْأَيْمُ لَا شَكَّ فَنَحْنُ زَادَ قَدْ مَتَّه الْمَرْءُ إِلَى الْمَعَادِ
 اور آخرت کا بہترین توشہ وہ خدا کی راہ میں نیکوئی ہے یعنی اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں دے دینا ہے کما قال تعالیٰ لَنْ يَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔
 ام دھارچہ شے شوہر کا یہ کلام سننے ہی اذل تو مبارک باد دی اور یہ کہا۔

رَبِّحَ بِبَيْعِكَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ تَبَرَّيْ تَبَارَكَ نَفْعُ مَنْدِ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى
 فِيمَا اشْتَرَيْتَ برکت دے اُس میں جو تو نے خریدا ہے۔

بعد ازاں شوہر کی نغم کا جواب نظم میں دیا اور یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔
 بَشَّرَكَ اللَّهُ بِخَيْرٍ وَفَرَحَ بِشَرِّكَ أَذَى مَا لَدَيْهِ وَنَصَحَ
 تجھ کو خیر در فرحت کی بشارت ہو تجھ جیسا ہی ایسے حرص کے کام کرتا ہے
 قَدْ كَثُرَ اللَّهُ هَيْبَتِي وَنَصَحَ لَعَجُوزَ السُّودِ أَيْ وَاللَّهِ الْبَلَّحُ
 اللہ تعالیٰ نے میرے بچوں کو قسم قسم کی کھجوریں دی ہیں۔ اگر ایک باغ خدا کو دے دیا تو
 کیا ہوا۔

وَلَعَبْدُ يُسْعَىٰ وَلَهُ مَا قَدْ كَذَخَ طُولَ النَّيَالِي وَعَلَيْهِ مَا اجْتَرَحَ
 بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی ہی منفعت اور آخرت کی درستگی کے لیے کرتا ہے
 یعنی خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں نیکی سے بندہ کو ثواب ملتا ہے اور گناہ کا وبال اس پر پڑتا ہے۔

بعد ازاں ام دھارچہ بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں بچے جو پھل دامنوں میں لے رہے تھے وہ دامن جھٹک دیئے اور جو کھجوریں بچوں کے منہ میں تھیں وہ انگلی ڈال کر نکال دیں اور بچوں سے کہا کہ اس باغ سے نکلو اور اسی وقت دوسرے باغ میں منتقل ہو گئیں۔

اں حضرت صل اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔

كَوْنُ مِنْ عِدَّتِي رَدَاخَ وَكَأَنَّيَاخَ نَدَّ مَعُومُ ابْنِ لَدَحَاخَ كَيْلَ عَزَّتِ مِي
 لَا بِي الدَّهْدَاخَ (تفسیر قرطبی) کتنے بے شمار کھجور کے لمبے لمبے درخت
 ہیں اور کتنے وسیع اور کشادہ مکان ہیں۔ ص ۲۳ ج ۳

(۳) قرض دینے میں بڑا اجر عظیم ہے مسلمان کی پریشانی اُس سے دور ہوتی ہے۔ یمن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا۔

الصدقة بعشر امثالها والقرض صدقہ کا جزدس گونہ ہے اور قرض کا
بشمانستہ عشر۔
میں نے جبریل سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ قرض کو صدقہ سے افضل قرار دیا گیا۔ جبریل نے کہا سائل
سوال کرتا ہے اور اس کے پاس کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض مانگنے والا بغیر حاجت کے قرض نہیں مانگتا۔
(تفسیر قرطبی ص ۲۴۲)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ

ترنے نہ دیکھی ایک جماعت بنی اسرائیل میں

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ

موسیٰ کے بعد ؟ جب کہا اپنے نبی کو اٹھڑا

اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ

کر دے ہم کو ایک بادشاہ، کہ ہم لڑائی کریں اللہ کی

اللَّهِ قَالَهُ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

رہ میں، وہ بولا کہ یہ بھی توقع ہے تم سے، کہ اگر حکم ہو تم کو

الْقِتَالُ اَلَّا تَقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ

لڑائی کا تب نہ لڑو۔ بولے ہم کو کیا ہوا ہم نہ لڑیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ اخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

اللہ کی راہ میں، اور ہم کو نکال دیا ہے۔ ہمارے گھر سے اللہ

اَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا

بیٹوں سے۔ پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا پھر گئے مگر

قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۴۶﴾ وَقَالَ

تھوڑے ان میں سے۔ اور اللہ کو معلوم ہیں گنہ گار۔ در کہا

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

ان کو ان کے نبی نے اللہ نے کھڑا کر دیا تم کو طالوت بادشاہ - بولے

قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ

کہاں ہو گی اس کو سلطنت ہمارے اوپر اور ہمارا حق زیادہ

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُوتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۖ قَالَ

ہے سلطنت میں اس سے اور اس کو ملی نہیں کشائش مال کی کہ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي

اللہ نے اس نے اس کو پسند کیا تم سے اور زیادہ کشائش دی عقل

الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۗ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ

میں اور بدن میں اور اللہ دیتا ہے اپنی سلطنت جس کو چاہے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳۹ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا - اور کہا ان کو اُن کے نئی نشانی ان

مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ

کی سلطنت کا یہ کہ آوے تم کو صندوق جس میں ہے دل جمعی تمہارے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

رب کی طرف سے اور کچھ بچی چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰ اور ہارون کی اولاد

تَحْمِلُهَا الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ

اٹھا لادیں اس کو فرشتے اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر یقین

مُؤْمِنِينَ ۝۴۰ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ قَالَ إِنَّ

رکھتے ہو - پھر جب باہر ہوا طالوت فوجیں لے کر کہا اللہ تم



اللَّهُ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

کو آزماتا ہے ایک نہر سے۔ پھر جس نے پانی پیا اس کا وہ میرا نہیں

وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ

اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ ہے میرا۔ مگر جو کوئی بھرے

غُرْفَةً يُبَدِّهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھرنی گئے اس کا پانی مگر تھوڑے ان میں۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا

پھر جب پار ہو وہ اور ایمان والے اس کے ساتھ کہنے لگے

طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ

قوت نہیں ہم کو آج جالوت کی اور اس کے لشکروں کی بولے جن کو

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ لَكُمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

خیال تھا کہ اُن کو ملتا ہے اللہ سے بہت جگہ جماعت تھوڑی

غَلَبَتْ فِئَةُ كَثِيرَةٍ يُأْذِنُ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ

غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ

الصَّابِرِينَ ﴿۳۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا

ہے ٹھہرنے والوں کے۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے بولے

رَبَّنَا آفِرْغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا

اے رب ہمارے ڈال دے ہم میں جتنی مضبوطی ہے اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مرد

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ فَهَزَمُوهُمْ يُأْذِنُ اللَّهُ تَو

کہ ہماری اس کافر قوم پر پھر شکست دی ان کو اللہ کے حکم سے اور

قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

ہمارا داؤد نے جالوت کو اور دی اس کو اللہ نے سلطنت اور تدبیر

وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

اور سکھایا اس کو جو چاہا ۔ اور اگر دفع نہ کروادے اللہ لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ

ایک کو ایک سے تر خراب ہو جاوے ملک یسکن اللہ

ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ تَتْلُوهَا

فضل رکھتا ہے جہاں کے لوگوں پر ۔ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ

عَلَيْكَ يَا حَقُّ ۖ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

کو سناتے ہیں۔ تحقیق اور تو بے شک رسولوں میں سے ۔

قصہ طالوت و جالوت

برائے ترغیب جہاد و قتال و رعایت آداب جہاد

قال تعالى: أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَكِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى... وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (ربط) حق جل شانہ ان آیات میں بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ بیان فرماتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تنجینا اور اندازاً گیارہ سو سال پہلے گذرا ہے۔ اس قصہ سے جہاد و قتال کی ترغیب اور آداب جہاد کی تعلیم اور مہر و تحمل کی تلقین مقصود ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا قابض اور باسط ہونا مذکور ہوا وَاقْضِ يَوْمَئِذٍ الدَّيْنَ وَابْطِطْ وَالْيَوْمَ تَرَوْهُم مُّجْعُونَ۔ اب ان آیات اور اس قصہ میں جو یہاں مذکور ہوا اس کے قبض اور بسط کی دلیل ہے کہ وہ مالک الملک الیسا قابض اور باسط ہے کہ جب چاہتا ہے فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو فقیر بنا دیتا ہے۔ بادشاہت کا دینا اور چھیننا سب اس

سہ کافی التفسیر الحقانی

کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا آئے مخاطب! تو نے بنی اسرائیل کے سربراہ اور وہ اور اشرف لوگوں کی جماعت کو نہیں دیکھا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ایک زمانہ بعد اپنے زمانہ کے ایک نبی جن کا نام شموئیل تھا یہ کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کے ساتھ ہو کر ہم راہ خداوندی میں جہاد و قتال کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک مدت تک بنی اسرائیل کا حال درست رہا اور ان کا کام بنانا رہا۔ رفتہ رفتہ جب وہ احکام و قورات سے دور ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ان پر تسلط کیا اور علاقہ ان پر غاصب آگئے اور جاہلیت جو کافر بادشاہ تھا اُس نے بنی اسرائیل کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا اور سینکڑوں بچوں کو پکڑ کر لے گیا اور ان کو غلام اور ونڈی بنایا۔ اور بنی اسرائیل سے توبیت بھی پھین کر لے گئے۔ جب ذلت اور رسوائی یہاں تک پہنچ گئی تو بنی اسرائیل کے اشراف اور سرداروں کو خیال پیدا ہوا کہ اس ذلت کا کوئی مداوی ہو اس لیے اپنے نبی سے جن کا نام شموئیل تھا بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی حضرت شموئیل نے ان کو یہ جواب دیا کہ کیا تم سے اس کی توقع ہے کہ اگر تم کو جہاد و قتال کا حکم ہو جائے تو نہ لڑو یعنی تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد و قتال فرض ہو جائے تو تم بادشاہ کے ساتھ ہو کر جہاد و قتال کرو۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا کہ خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کریں اور حالانکہ جہاد کے لیے اس وقت ایک خاص داعیہ اور سبب بھی موجود ہے وہ یہ کہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے، دراپنے بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ غرض یہ کہ اس طرح لوگوں نے جہاد پر اپنی پختگی اور آمادگی کو ظاہر کیا پس جب ان کے اصرار اور اظہار پختگی کے بعد ان پر جہاد و قتال فرض کیا گیا تو سوائے چند آدمیوں کے سب بھر گئے اور وہ چند آدمی وہ تھے کہ جو نہر سے پار اترے جس کا بیان عنقریب آئے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں اور متکبران کو غروب جانتا ہے ظلم اور معصیت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔ اور ظلم و ستم کی اصل جڑ نبی پر اعتراض کرنا ہے جس نے نبی کی بات کو سبے چون و چرا قبول کیا اس نے اپنی جان پر رحم کیا اور جس نے نبی کی بات پر اعتراض کیا اس نے اپنی جان پر ظلم عظیم کیا۔ چنانچہ جس وقت ان کے نبی نے ان کے جواب میں کہا کہ (اول) تو یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یعنی تمہاری عزت اور سرداری کے حصول کے لیے طاوت بادشاہ مقرر کیا ہے سننے ہی نبی پر اعتراضات شروع کیے اور یہ کہا کہ طاوت کو ہم پر حکومت اور سلطنت کا کیا حق حاصل ہے۔ طاوت ایک فقیر آدمی ہے قوم کا ستار یا

یہ ترجمہ لفظ ملا کا ہے اس لیے کہ طاعت میں اشراف و سرداروں کی جماعت کو کہتے ہیں جو اپنی عظمت اور ہیبت سے مجلس کو بھردے۔ سہ جہود کا قول یہی ہے کہ ان کا نام شموئیل تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی شموئیل تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یوشع بن نون تھا، اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے۔ در یوشع بن نون حضرت موسیٰ کے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے تھے ۱۳۔

رنگیز ہے۔ شاہی خاندان سے نہیں۔ اور ہم سلطنت کے اُس سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم شاہی خاندان سے ہیں اس لیے کہ ہم یہود کی اولاد میں سے ہیں جس میں بادشاہت چلی آرہی ہے اور عہدہ ان کی طاقت کو مال و دولت کی فراخی اور فراوانی بھی حاصل نہیں اور ہم دولت مند اور اصحاب ثروت ہیں۔ لہذا ایسے شخص کو کہ جس کو نہ عزت ملی نہ جابست حاصل ہو اور نہ مالی عزت حاصل ہو بادشاہ بنانا کسی طرح مناسب نہیں۔ اللہ کے نبی نے ان کے اعتراض کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے یہ اعتراض سب مہیں اور لایعنی ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے طاقت کو ہمیں تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے پسند کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جس کو سلطنت کے لیے پسند فرمائیں گے اُس سے بڑھ کر کوئی شخص سلطنت و حکمرانی کا ہل نہیں ہوسکتا اور خصوصاً جب کہ ارادہ خداوندی تمہارے نفع اور خیر کا ہے جیسا کہ لفظ **لَا تُكْذِرُ** سے صاف ظاہر ہے تو ایسی صورت میں تو کسی شر اور فساد کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ معلوم ہو کہ طاقت کی سلطنت تمہارے لیے سراپا خیر و برکت ہوگی اور دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے تمہارے لیے باعث عزت ہوگی۔

حق جل شانہ جب کسی قوم کی تباہی اور بربادی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر ظالموں اور ستمگاریوں کو حاکم بناتے ہیں اور جب کسی قوم کی نلاح اور بہبودی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پاکیزہ اور پسندیدہ حکمران اُن کے لیے مقرر فرماتے ہیں۔ غرض یہ کہ طاقت کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خیر اور نفع اور مصیبت کے لیے پسند کیا ہے اور تم اپنی مصیبتوں کو کا حقہ نہیں سمجھ سکتے اس لیے اس انتخاب خداوندی میں تم کو خدشہ اور دوسوہ نہ کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ سلطنت اور بادشاہت کا اصل دروہ دار عقل سلیم اور جسم سلیم پر ہے حسب و نسب اور مال و دولت پر نہیں جس شخص کے فوائے عقلیہ اور اکیہ اور قوتے جسمانیہ صحیح اور تندرست ہوں وہی بادشاہ بنائے جانے کا مستحق ہے اور یہ دونوں صفیں اللہ تعالیٰ نے طاقت کو عطا کی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و فہم اور عقل و دانش میں وسعت اور فراخی عطا کی ہے اور قوت جسمانیہ اور بدنیہ میں بھی اس کو زیادتی عطا فرمائی ہے اور بادشاہ ہونے کے لیے انہی دو صفیوں کی ضرورت ہے علم اور فہم سے ملکی انتظام پر قدرت ہوگی اور بدنی قوت اور جسمانت شجاعت اور بہادری کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ جب فہم و فراست کے ساتھ شجاعت بھی مل جائے گی تو کارخانہ سلطنت نہایت خیر و خوبی کے ساتھ چلے گا۔ اس لیے کہ سلطنت چلانے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بادشاہ کی عظمت اور ہیبت لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو۔ گرجوں میں بادشاہ کی عظمت اور ہیبت نہ ہو تو لوگ اطاعت اور فرمانبرداری نہ کریں گے اور کارخانہ سلطنت نہ چلے گا اور حقیقی عظمت اور ہیبت کا دار فہم و فراست اور قوت و شجاعت پر ہے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ نے طاقت کو عطا کی ہیں طاقت علم اور فہم میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور قوت جسمانیہ کا یہ حال تھا کہ طاقت تمام بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ خوبتر اور قدآور اور بہادر تھے اور اِنَّ اَذٰہُ الصُّلَیْمٰہُ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاقت **مِنْہُمْ** اذہ

بھی تھے یعنی صاحب اہام بھی تھے اس لیے کہ قرآن کریم میں جس کسی کو شانِ اصطفا سے حصہ ملا ہے وہ ضرور صاحب اہام اور صاحب کشف کرامت ہو ہے۔ درنی العلم کا لفظ اپنے علوم و احاط کی بنا پر علم ظاہری اور علم باطنی اور علم شریعت اور علم سلطنت اور علم میامت سب کو شامل ہے کیونکہ ایسی سلطنت جس سے دین اور دنیا دونوں ہی درست ہوں وہ جب ہو سکتی ہے کہ جب بادشاہ اوصاف مذکورہ کا حامل ہو۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اس کی عطا اور بخشش کے لیے کسی اہلیت اور قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اہلیت اور قابلیت کے لیے اس کی عطا شرط ہے کسی کی مجال کیا ہے جو اس خداوند ذابجلاں سے سوال کرے کہ وہ مالک مطلق ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں بادشاہی عطا کرتے ہیں اور اگر وہ شخص بادشاہت کی ذرہ برابر لیاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کو سلطنت کی لیاقت اور قابلیت عطا فرمادیتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور کشائش دے رہے ہیں اس کے خزانہ کی کون حد اور مہایت نہیں انہیں کسی فقیر کو امیر بنا دینا کیا مشکل ہے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے۔ اور کون اس کے لائق نہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں طاوت کی بادشاہی کے چار سبب بیان کیے اول اس کی خرد و صلاحیتیں جس کو اصطفا سے تعبیر کیا دوام وسعت علم جس پر حکمرانی اور تدبیر کی کار و بار ہے سوّم توانائی جسم جو شجاعت اور بہمت اور قدرت علی المدافعت کا موجب ہے چہارم تاثیر غیبی جس کو دلتہ یؤتی ذلک من یشاء اور ان ایہ کلہ الخ سے ظاہر فرمایا۔

چونکہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے طاوت کے بادشاہ بنانے کو بہت بعید سمجھا اس لیے ان کے رد میں قدرے تفصیل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کہ بادشاہت کا اصل اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش اور اس کا اصطفا اور پسندیدگی ہے خدا تعالیٰ جس کو بادشاہت کے لیے پسند فرمائے وہی بادشاہ ہے اور خدا تعالیٰ جس کو پسند فرمائے وہ کبھی ناپسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اور اگر تمہاری نظر ظاہری اسباب پر ہے تو سمجھ لو کہ سلطنت کا مدار حسب ونسب اور مال و دولت پر نہیں اس لیے کہ ماں آنے جلنے والی چیز ہے صبح آتا ہے اور شام جاتا ہے۔ بلکہ سلطنت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ علم اور فہم ہو اور اس کے ساتھ قوت بدنیہ ہو تاکہ اس قوت جسمانیہ سے علم اور فہم کے موافق عمل کرنے کی قدرت حاصل ہو سکے ورنہ علم بغیر قدرت اور قوت کے بیکار ہے خصوصاً کار خد سلطنت محض علم سے بدون قدرت کے نہیں چلتا۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو مجال دم زدنی نہیں۔ وہ تمام مصلحتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے وہ تم پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔ اس لیے اب تم کو طاوت کی بادشاہت میں کوئی حجت نہ نکالنا روا اور نہ بیانہیں مگر یہ نظام کب خاموش ہونے والے تھے اللہ کے نبی نے ان ظالموں کے اعتراض کا نہایت

علہ۔ اس لفظ ظالم میں گزشتہ آیت **وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ** کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۷۷۔

شافی اور کافی جواب دے دیا لیکن یہ لوگ اپنے دوسروں کی دہی تیرہ میں بھٹکتے رہے اور باخبر لوگوں نے حضرت شمول سے یہ کہا کہ اچھا ہمیں طاوت کی بادشاہت اور ان کے برگزیدہ ہونے کی کوئی ظاہری نشانی بتلائیے جسے دیکھ کر ہمیں ان کے بادشاہ ہونے کا بالبداهت یقین آجائے اور قیاس ہو جائے اس وقت ان کے پیغمبر نے یہ فرمایا کہ تحقیق طاوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس بلا کسی ظاہری سبب کے وہ صندوق آجائے گا جو تم سے چھن گیا تھا۔ اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری دل جمعی اور سکون قلب اور آرام دل کا سامان ہوگا اور اس صندوق میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے خاندان کے کچھ تبرکات بھی ہوں گے جنکو وہ چھوٹ گئے ہیں، ان تبرکات کا تمہیں مل جانا صد ہزار خیرات و برکات کا موجب ہوگا۔ بنی اسرائیل اور قادیان اور عکرمہ اور ریح بن انس اور ابو صالح سے مروی ہے کہ اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے عصا اور ان کے عمامے اور جو تے وغیرہ تھے۔ اور اس صندوق کی آمد بھی عجیب شان سے ہوگی۔ وہ یہ کہ فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر مائیں گے اور طاوت کے سامنے لا کر رکھ دیں گے تحقیق اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے لیے ایک نشانی ہوگی جو طاوت کی بادشاہت اور میری نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ اگر تم باور کرو۔ صندوق کا اس خارق عادت طریق پر آنا جس طرح طاوت کی بادشاہت کی دلیل ہوگا۔ اسی طرح حضرت شمول کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہوگا کہ اللہ کے نبی نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح ظہور ہوا اور فرشتوں نے وہ تابوت لا کر طاوت کے سامنے رکھ دیا۔ بنی اسرائیل خوش ہو گئے اور ان کو بادشاہ مان لیا اور سب کے سب جہاد کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ پس جب طاوت ان فرجوں کو نے کو شہر سے باہر نکلا تو فوجوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارے صبر اور تحمل کی آزمائش فرمائیں گے ان لوگوں نے اللہ کے نبی پر اعتراضات کیے اور طاوت کی بادشاہت کی نشانی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک آزمائش میں مبتلا کیا۔ بظاہر یہ ابتلا اور آزمائش کا حکم بذریعہ وحی حضرت شمول پر نازل ہوا اور پھر حضرت شمول کی ہدایت کے مطابق طاوت نے اس حکم کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت طاوت کو اس کا الہام ہوا ہو اس لیے کہ حضرت طاوت خدا کے پسندیدہ تھے اگرچہ نبی نہ تھے۔ مگر دلی ضرورت تھی۔ الہام یا طوایب کے ذریعہ سے اس کا انعام ہونا کوئی مستبعد نہیں اور ولی کا الہام اگرچہ فی حد ذاتہ ظنی ہے مگر جب نبی اس کی تصدیق کر دے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ایسے عظیم شان امر کے متعلق طاوت کو کوئی الہام ہو اور وہ اپنے اس الہام کا بغیر حضرت شمول کی تصویب اور اجازت کے اعلان کریں۔ نبی کی تصدیق اور تصویب تو بہت بڑی چیز ہے کسی چیز کو ہوتے دیکھ کر نبی کا انکار نہ کرنا یہ بھی اس امر کے جائز ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس کو تقریر نبوی کہتے ہیں، یعنی نبی کے سکوت اور عدم انکار نے اس امر کو جائز اور درست قرار دیا جو باجماع امت

محبت ہے۔ اب آئندہ آیت میں اس امتحان کی تفصیل ہے۔ پس جو شخص اس نہر سے سیر ہو کر پانی پی لے گا اس کا میسر ہو سکے گا کوئی تعلق نہیں یعنی میرے گروہ سے نہیں رہا اور جس شخص نے اس کا مزہ بھی نہ چکھا یعنی پینا تو درکنار منہ سے بھی نہ لگایا تو وہ بلاشبہ میرے سے وابستہ ہے اور میرے خاص رفقا اور ساتھیوں میں سے ہے مگر وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے سودہ میرے گروہ سے خارج نہ ہوگا۔ عزیمت اور اصل حکم تو یہی تھا کہ پانی کو بالکل نہ چکھتا۔ بمقدار ایک چلو کے رخصت ہے یعنی جس نے سیر ہو کر تو پانی نہیں پیا اور صرف جان بچانے کے لیے ہی برائے نام پی لیا تو وہ بھی فی الجملہ مقبول ہے اور غنیمت ہے پس جب اس نہر پر پہنچے تو سب نے بے تحاشا اس نہر سے منہ لگا کر پانی پی لیا مگر تھوڑے آدمیوں نے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی انہوں نے عزیمت اور رخصت پر عمل کیا اور اجازت سے تیس وزنہ کیا جن لوگوں نے چلو سے پانی پیا ان کی پیاس بجھ گئی اور ان کا دل قوی ہو گیا اور جن لوگوں نے زیادہ پیا وہ بزدل اور نامرد ہو گئے اور نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہو سکیں پس جب طلوٹ اور ن کے رفقا مومنین نہر سے پار ہو گئے اور دیکھا کہ ہم ایک ٹھہری بھر جماعت ہیں اور جالوت کا لشکر ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے اس لیے بعض ضعیف القلب یہ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ دشمن کی طاقت بہت ہے اور ہم بہت تھوڑے ہیں البتہ ان میں کے جو لوگ اولوالعزم اور اہل ہمت تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک دن خدا سے مناسبت ہے، اور اس کو منہ دکھانا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ ان لوگوں نے کمزوروں کو ہمت دلائی اور یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں فتح و نصرت کا دار و مدار قلت و کثرت پر نہیں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بہت تھوڑی اور چھوٹی سی جماعت بڑی سے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور جب جالوت اور اس کی فوج کے مقابلے کے لیے میدان میں نکلے تو اپنی ہمت اور شجاعت پر نظر نہیں کی بلکہ خداوند ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعا مانگنی شروع کی اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کو پانی کی طرح بہا دے کہ سر سے پیر تک صبر کے پانی میں نہا جائیں اور صبر کی بردست اور سکینت ہمارے ظاہر اور باطن میں سرایت کر جائے اور کافروں کے مقابلے میں ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہم کو فتح دے۔ پس اس صبر اور تحمل اور اللہ پر اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تھوڑے آدمیوں نے جالوت کی فوجوں اور لشکروں کو اللہ کی تائید سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جو

عنه اشاره اس طرف ہے کہ اُفْرِغْ عَلَيْنَا مِنْ اسْتَعْدَہ ہے۔ افراغ اصل میں پانی پیادینے کو کہتے ہیں اور کلمہ علی حلینا میں استعلاء کے یہ ہے یعنی وہ صبر ہماری کمزوری پر غالب آجائے ۲

اس وقت مع اپنے والد اور چھ بھائیوں کے طاوت کے لشکر میں تھے اور ابھی تک اُن کو نبوت نہیں ملی تھی جانوت کو قتل کر ڈالا۔ داؤد علیہ السلام اپنے سب بھائیوں میں چھوٹے تھے جب میدان کارزار سامنے آیا اور جانوت نہایت کزدنر کے ساتھ زرہ اور خود پہن کر میدان میں آیا اور بنی اسرائیل سے مبارزہ اور مقابل طلب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بغیر تلوار اور بغیر ہتھیار کے صرف تین پتھر سے اس کے مقابلہ کو نکلے۔ جب سامنے آئے تو اُن پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر جانوت کی پیشانی پر مارا۔ وہ پتھر جانوت کی گڈی کی جانب سے نکل گئے۔ اور جانوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا فوراً اس کی تلوار نکال کر اس کا سر قلم کیا۔

کہا جاتا ہے کہ راستہ میں داؤد علیہ السلام کو ایک پتھر نے آواز دی۔

يَا دَاوُدُ خُذْ نَاقَتِي تَقْتُلْ
لِسَعْدِ دَاوُدَ : مجھ کو اٹھاؤ میرے ذریعہ
جانوت سے تم جانوت کو مارو گے۔

پھر اسی طرح ایک اور پتھر نے آواز دی۔ اور پتھر نے آواز دی داؤد علیہ السلام نے تینوں پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور روانہ ہوئے۔ جب جانوت گھوڑے پر سوار ہو کر اور زرہ اور تلوار لگا کر میدان میں نکلا تو داؤد علیہ السلام فقط یہ تین پتھر لے کر آگے بڑھے اور یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ کرے تو تلوار اور گھوڑا اور ہتھیار بھی بے کار ہے۔ جانوت نے داؤد علیہ السلام سے کہا کہ تم تو فقط پتھر لے کر میرے سامنے آرہے ہو جیسے کوئی کتے کے مارنے کے لیے نکلتا ہے۔ فرمایا تو کتے سے بھی بدتر ہے اور اللہ کا نام لے کر وہ تینوں پتھر جانوت کے سر سے جو ماتھے میں لگے اور گڈی کے پیچھے سے نکل گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵ ج ۳)

طاوت نے اس خوشی میں اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دے دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے طاوت کے مرنے کے بعد داؤد علیہ السلام کو سلطنت عطا کی اور طاوت کے مرنے کے بعد بائناقی بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام بادشاہ مقرر ہوئے۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کسی کی بادشاہت پر اتنے مجتمع نہیں ہوئے جتنا کہ داؤد علیہ السلام کی بادشاہت پر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت اور بادشاہت کے ساتھ علم اور حکمت یعنی نبوت بھی عطا کی اور داؤد علیہ السلام سے پہلے کبھی کسی آدمی میں سلطنت اور نبوت جمع نہیں ہوئیں۔ سلطنت شاہی خاندان میں رہتی تھی اور نبوت نبی کے خاندان میں رہتی تھی اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو جو امور چاہے سکھائے۔ جیسے بغیر آواز کے زہر بنانا سکھایا اور لوہے کو مثل موم کے اُن کے لیے نرم کر دیا پس اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور اس کی مزدوری سے کھاتے اور پرندوں اور چوٹیوں کی بولی اور زبان سکھائی اور خوش آوازی عطا کی۔

ف) بنی اسرائیل اگرچہ نبی ہونے سے پہلے نبی نہیں ہوتا مگر دلی ضرور ہوتا ہے اور اولیاء کی کرامتیں

حق ہیں۔ جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ در اجماع امت سے ثابت ہے۔ بعض تین پتھروں سے جاوڑت کو مارنا یہ داؤد علیہ السلام کی کرامت تھی اور آئندہ نبوت کا اڑا ہوا یعنی پیش خیمہ تھی اور حضرت داؤد کی یہ کرامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا نمونہ تھی جو حضور سے جنگِ حنین میں ظاہر ہوا کہ ایک شیش خاک سے ہوازن سراسیمہ ہو گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵۸ ج ۳) اور اسی صبرِ استقلال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صائبہ کرام کو ایک عظیم الشان سلطنت عطا کی جو داؤد کی سلطنت کا نمونہ تھی۔

بیانِ حکمتِ مشروعیتِ جہاد

اب اس واقعہ جہاد کے ذکر کے بعد جہاد کی عام حکمت اور صلحت کو بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں یعنی کافروں کے شر اور فساد کو اپنے بعض خاص رندوں یعنی مومنین کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے اور کفر اور شرک غالب آجائے اور مسجدیں ویران ہو جائیں اور کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم سے ہیں تمام لوگوں پر۔ اس لیے اس نے تم پر جہاد فرض کیا تاکہ کفر کا فتنہ اور فساد دفع ہو اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں جہاد سے اسی فساد کو دفع کرنا اور اسی شر اور فتنہ کا ازالہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سناؤں گا کافروں سے جہاد کا حکم نہ دیتے تو بڑا فساد پھیل جاتا۔ جہاد اسی فساد کی اصلاح اور انسداد کے لیے مقرر ہوا ہے۔ اس لیے جہاد کو اللہ کا بڑا فضل سمجھو۔

اثباتِ رسالتِ محمدیہ

یہ واقعات جن کا ذکر کیا اللہ کی آیتیں ہیں جن کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر ہم آپ کو سناتے ہیں جس میں ذہر بربر شک نہیں۔ یہ واقعات جس طرح ہم نے بیان کیے اسی طرح حق اور صدق ہیں اہل کتاب بھی طرح بیان کرتے ہیں وہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ تمام واقعات اللہ کی قدرت و بھراپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ ایسے قدیم زمانہ کے واقعات کا بغیر کسی سے پڑھے، در بغیر کسی سے سنے صحیح صحیح بیان کرنا بغیر وحی خداوندی کے ممکن نہیں۔ وراپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں سے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے دشمنوں سے جہاد کا حکم دیا اور باوجود سبے سردانی کے کافروں کے بڑے بڑے لشکروں کو ان کے خدام اور غلاموں کے ہاتھ سے تہ و بالا کر دیا۔ جہاد انبیاء کی سنت ہے اور وہ لوگ نادان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد قتال نہیں کام نہیں جہاد ہمیشہ رہا ہے اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو دیران کر دیں۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔ والصلوٰۃ والسلام

عے سید الموجدات و خلاصۃ الکائنات و عے اللہ

وامحبہ وازواجه الطاهرات المظهرات

۳ جمادی الاول ۱۳۷۴ھ بعد صلاۃ المغرب جامعہ شریفیہ لاہور



تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ

سب رسول بڑائی دی ہم نے ان میں ایک کو ایک سے کوئی ہے کہ

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا

کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کیے بعضوں کے درجے اور دی ہم نے

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں صریح اور زور دیا اُس کو روح پاک سے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مَنْ

اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے ان کے پچھلے بعد اس کے کہ پہنچے

بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ

ان کو صاف حکم لیکن وہ بحث گئے پھر کوئی

مَنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلُوا

ان میں یقین لایا اور کوئی منکر ہوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۸۲﴾

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے

ذکر فضائلِ رسل بیانِ حالِ ام

قال تعالیٰ: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ... اَلِی... وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝
 (ربط) گزشتہ آیت (وَإِنَّا لَنَرَاهُمْ لَفِي سَكْنَةٍ) میں انبیاء و رسل کا اور ان کی امتوں کے معاملات کا ذکر فرمایا اور کافروں سے ان کے جہاد اور قتال کے واقعے اور ان کی بے مثال اور غارتی عادت فتح و نصرت اور تائید غیبی کا ذکر کیا۔ اسی طرح اس آئندہ آیات میں رسل کے فضائل و درجات اور ان کے کمالات اور معجزات کے ساتھ ان کی امتوں کے احوال اور انہما ر و رسل کے ساتھ ان کے اختلاف

کو بیان فرماتے ہیں کہ باوجود آیات بنیات اور دھائل وضاحت کے دیکھ لیئے کے پھر بھی ایمان نہ لائے اور حق سے اختلاف کیا اور انبیاء و رسل کی مخالفت کی اور حق کی دعوت اور تبلیغ میں مزاحم ہوئے اور اس لیے حق تعالیٰ نے اُن کا شر اور فساد دفع کرنے کے لیے حضرات سرسلین کو جہاد کا حکم دیا۔ اہل باطل کی طرف سے حضرات انبیاء کی مخالفت جہاد و قتال کی مشروعیت کا سبب بنی۔ حضرات انبیاء اور اُن کے اصحاب نے دین حق اور ہدایت کی بقا اور حفاظت کے لیے اور متقی اور پرہیزگاروں اور خدا کے پرستاروں کے تحفظ کے لیے جہاد کیا تاکہ اللہ کی اندری جوئی کتاب اور اس کی نازل فرمودہ ہدیٰ یعنی ہدایت اور اس کی ہدایت پر چلنے والے متقی اور پرہیزگار اور نماز گزار بندے کے کفار و ناجہار کی مزاحمت سے محفوظ اور مومن ہو جاویں اور کفر کی یہ مجال نہ رہے کہ وہ دین حق کی طرف نظر اٹھا سکے۔

خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں کافروں سے جہاد و قتال کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں کافروں سے جہاد و قتال کا سبب بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ انبیاء کرام کی مخالفت اور اُن کی بے چون و چرا اطاعت سے سرکشی اور گردن کشی کی وجہ سے کافروں کی سرکوبی اور گردن کشی کا حکم نازل ہوا۔ اس فقرہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ان آیات کا سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات (ذَلِكُمْ الَّذِي نَبْذِيهِ هَذِهِ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يَتَّقُونَ بِالْغَيْبِ يَتَّقُونَ الصَّلَاةَ) کے ساتھ بھی ربط قائم ہو جائے گا۔ جو مزید غور و فکر کا بھی محتاج نہیں۔ اور آئندہ آیات یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَفْقَهُوا مَعًا زُقُوتُکُمْ میں چونکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ہے جس میں جہاد میں مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اس لیے ان آئندہ آیات کو بھی جس طرح گزشتہ آیات جہاد و قتال سے ربط ہے۔ اسی طرح ان آیات کو سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات و مَعًا زُقُوتُکُمْ سے بھی ربط ہے۔

اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَفْقَهُوا مَعًا زُقُوتُکُمْ سے دو رنگ صدقات اور راہِ خداوندی میں خرچ کرنے کی ترغیبات کا سلسلہ چلا گیا ہے اور اس کے بعد حق تعالیٰ نے ربا (سود) کے احکام ذکر فرمائے چونکہ سود صدقہ اور خیرات کی ضد ہے اس لیے صدقات اور خیرات کے بعد سود کے احکام بیان فرمائے اور سودی کاروبار کرنے کو خدا اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اس لیے عجیب نہیں کہ سود خواری کا انجیم دلوں پر مہر لگ جانا ہو کہ جس سے حق اور باطل اور حلال اور حرام کا فرق اس کو نظر نہ آئے پس جس طرح آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَفْقَهُوا مَعًا زُقُوتُکُمْ سورہ بقرہ کی اس ابتدائی آیت یعنی و مَعًا زُقُوتُکُمْ سے مرتبط ہے اسی طرح عجیب نہیں کہ اَمَّا الَّذِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّيِّئِ اُولَٰئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَلْفَاظُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَلْاٰیٰتُ عَلٰی اَبْصَارِهِمْ کے ساتھ کوئی خاص ربط ہو اور تجربہ اور مشاہدہ بھی کچھ اسی کا شاہد ہے اس لیے دیکھا یہ گیا ہے کہ سود خواروں کو کوئی نصیحت کا اگر نہیں ہوتی اُن کی مات مسو آئے عَلَیْهِمْ وَاَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَلْفَاظُ تَنْذِرًا ہوتا ہے ع بد و زدمع دیدہ ہوشمند

نیز اول پارہ میں زیادہ تر یہود بے یہود کی شناختوں کا بیان تھا۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ یہود کے ملعون اور مفسوب ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ان کی سود خواری بھی ہے کما قال تعالیٰ **وَاصْلِحُوا لِيَتَرَبَّوْا وَاَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تُلْقُونَ لِلنَّاسِ حُرْمَتَ**۔ در حرام مال آدمی کو قسی القلب، سنگ دل اور بے رحم بنا دیتا ہے اور قسارت قلب سے بڑھ کر دین دنیا کو تباہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو سود سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ خدا نخواستہ یہود کی طرح قسی القلب اور سنگ دل نہ ہو جائیں اور اس اعتبار سے آیات ربکا تعلق **فَمَنْ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ يَكْفُرْ مَتَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَمِیْ كَافٍ جَارٍ لَّآ اَشَدُّ قَسْوَةً** سے بھی کوئی بعید نہیں۔ الحمد للہ کہ ان آیات کا ربط گزشتہ آیات سے بھی ظاہر ہو گیا اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتوں سے بھی مرتبط ہونا معلوم ہو گیا۔

ربط دیگر | گزشتہ آیت (وَ اَنَّا لَمُنْذِرٌ لِّمَنْ سَلَیٰنَ) میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا کہ آپ اللہ کے بلاشبہ رسول ہیں۔ مگر معاندین باوجود دلائل نبوت اور شواہد رسالت کے مشاہدہ کے آپ کی رسالت کو نہیں مانتے۔ ان آیات میں آپ کی قسی کا مضمون مذکور ہے کہ آپ ان معاندین کی تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں۔ پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو قسم قسم کے دلائل نبوت اور شواہد رسالت دینے گئے مگر پھر بھی سب ایمان نہیں لائے۔ آپ کا انکار کوئی نئی بات اور کوئی قبل تعجب امر نہیں۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گورا کہ جس پر سب ایمان لے آئے ہوں لہذا آپ معاندین کی تکذیب اور کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ آپ کی رسالت کا تصور نہیں۔ یہ تقدیر خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اسی طرح ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کوئی کفر کرے۔

در کار خاندان عشق از کفر نازگزی راست دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

باقی را یہ امر کہ اس میں حکمت اور مصلحت کیا ہے سودہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قضا و قدر کا امر ہے۔ راز ہے جو آج تک کسی پر منکشف نہیں ہوا۔ وہ مالک مطلق ہے جس کو چاہے بینائی (ہدایت) دے اور جس کو چاہے نابینا (گمراہ) بنائے۔ **لَا یُشَلِّعُ عَمَیَّا یَفْعَلُ وَ هُوَ یُسْئِلُونَ**

کہ از صرۃ آں کہ از ہم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن با قرآن تو ینگیختن علت از کای تو

یہ سوال کرنا کہ اس کو تو من اور اس کو کافر کیوں بنایا یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اس کو بینا اور اس کو نابینا کیوں بنایا جو جواب اس کا ہے وہی اس کا ہے۔

اب آئندہ آیت میں خبر دیتے ہیں کہ ہم نے بعض رسل کو بعض پر فضیلت دی تاکہ خدا کی قدرت کا کرشمہ اور ہر رسول کی شان اجماع کا ایک نیا نمونہ دنیا کو نظر آئے۔ **وَ**
ہر گلے را رنگ دیوے دیگر است

یہ پیغمبروں کی جماعت جن کا ہم نے ابھی **وَأَنْتَ لَمَنِ الْمُسْلِمِينَ** میں ذکر کیا جن میں آپ بھی داخل ہیں اگرچہ وصف نبوت و رسالت میں سب مشترک ہیں لیکن ہم نے علاوہ نبوت و رسالت بعض کو بعض پر ایک خاص فضیلت دی ہے یعنی ہر رسول کو کسی خاص خصوصیت اور خاص فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جو دوسرے میں نہ پائی جائے تاکہ ہر ایک کا فضل و کمال الگ الگ نظر آئے کما قال تعالیٰ **وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ** اَشَيْنَا دَاوُدَ زُلُفًا ورمیہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں آسمانوں پر انبیاء کرام کو درجہ بدرجہ دیکھا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ نفس نبوت کی حیثیت سے برابر ہیں مگر مدارج اور مراتب کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان کے درجات جدا جدا ہیں۔ فضائل و کمالات میں تمام انبیاء برابر نہیں چنانچہ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ فرشتہ کے کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے بلا واسطہ فرشتوں کے کلام فرمایا جیسا کہ **يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاسْمَائِهِمْ** گزرا اور اخیر میں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں بلا واسطہ کلام فرمایا اور بعضوں کو اپنی ہم کلامی کا شرف تو نہیں عطا کیا لیکن ان کو دوسرا شرف عطا کیا کہ اور طرح طرح سے ان کے درجے بلند کیے جیسے داؤد علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے ساتھ بے مثال بادشاہت بھی عطا کی۔

ف بعض علماء کا قول ہے کہ **رَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ** میں۔ بعض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا اور مقام خلقت سے ان کو سرفراز فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اور ایسے علیہ السلام مراد ہیں کما قال تعالیٰ **وَرَفَعْنَا ذَاكِرَ تَعَالٰی** اور ابن عباس اور شعبی اور مجاہد سے منقول ہے کہ بعض سے سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء پر ایک درجہ میں نہیں تمام درجات اور فضائل و کمالات میں بلند اور برتر کیا۔ (۱) آپ کو تمام انبیاء کا امام اور خطیب اور سردار بنایا (۲) اور تمام امتوں کا شفاعت کرنے والا۔ (۳) اور تمام نبیوں کا خاتم اور آخر بنایا (۴) اور آپ کو سب سے انفس اور اکمل کتاب عطا کی (۵) اور آپ کی شریعت کو سب شریعتوں سے زیادہ جامع بنایا (۶) اور تمام انبیاء سے بڑھ کر آپ کو معجزات عطا کیے۔ (۷) اور آپ کو تمام عالم جن اور انس کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا (۸) اور آپ کے پیرو تمام انبیاء کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے (۹) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لئے کر پھر اٹھ کر گزریں گے (۱۰) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لئے کر جنت میں داخل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو ان کی نبوت و رسالت کی صریح اور واضح نشانیاں عطا کیں تاکہ ان کی نبوت و رسالت میں کسی کو شبہ نہ رہے اور روح القدس یعنی جبریل امین کو ان کی تائید اور تعزیت کے لیے

عَلَيْهِ لَعْنَةُ الْمَرْسَلِ کا اشارہ تائید جماعت رسل کی طرف ہے۔

مقرر کیا کہ ہر وقت یہود سے اُن کی حفاظت کریں تاکہ مُردوں کے زندہ کرنے اور باورِ زاد نابینا اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے سے کسی کو اُن کی الوہیت (خدائی) کا شبہ نہ ہو اس لیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو اَوّل تو دشمنوں سے کیوں ڈرتے؟ دوم یہ کہ اُن کو جبریل امینؑ کی حفاظت کی کیا ضرورت ہوتی معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی کی حفاظت کا محتاج ہوتا ہے؟ چونکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اور نصاریٰ اُن کی الوہیت کے قائل تھے اس لیے پہلے جملہ قَاتِلُنَا عِیْسٰی بُنِیٰ قَتَرِیْمَ الْبَیِّنَاتِ میں یہود کے رد کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور دوسرے جملہ قَاتِلُنَا عِیْسٰی بُنِیٰ قَتَرِیْمَ الْبَیِّنَاتِ میں اُن کی الوہیت کا رد کیا جس کے نصاریٰ قائل تھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو دین حق پر متفق کر دیتا اور پھر لوگ پیغمبروں کے بعد دین میں اختلاف نہ کرتے اور نہ آپس میں لڑتے خصوصاً دلائل واضحہ کے بعد تو اختلاف کا نام و نشان بھی نہ رہتا اس لیے کہ دلائل واضحہ کا اقتضایہ یہ تھا کہ سب حق پر متفق ہو جاتے۔ لیکن باوجود دلائل واضحہ کے پھر حق کے قبول کرنے میں اختلاف کیا سو بعض ان میں سے ایمان لائے اور بعضوں نے کفر اختیار کیا اور نبوت قتل و قتل اور جنگ و جدال نکمے پہنچی اور اگر اللہ چاہتا تو باوجود ایمان اور کفر کے اختلاف کے پھر بھی یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ باوجود اختلاف مذہب کے ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں لیکن اللہ کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ یہ دنیا حق اور باطل کا میدان کا زندہ بنی رہے وہ حکیم مطلق حاکم مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس پر اعتراض کرے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟

اس تمام کلام سے مقصود اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ انبیاء سابقین کی طرح آپ کی نبوت و رسالت بھی دلائل اور براہین اور آیات بینات سے ثابت ہے اور جس طرح بہت سے لوگ انبیاء سابقین پر باوجود آیات بینات ایمان نہیں لائے اسی طرح اگر بہت سے معاندین آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق نہ کریں تو تعجب نہ کیجئے ایمان عام کسی امت میں نہیں ہوا کسی نے تصدیق کی اور کسی نے تکذیب اور اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں جس کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔ وَكُوشَاۤءُ رَبِّكَ لَا مَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جُنُوعٌ (تفسیر عزا شب البیان للنبیسا بوری ص ۲۴۰)

ف ۳۱ | شروع آیت وَكُوشَاۤءُ رَبِّكَ مَا أَفْتَتَحُوا فَرَايَا مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت تاکید کے لیے مکرر لائی گئی ہے اور شیخ الاسلام ابو السعود فرماتے ہیں کہ یہ تکرار تاکید کے لیے نہیں بلکہ

معنی والی ما قال النبیا بوری ثلاث النرس - الخ - وایدنا بروج القدس - و مع ذلك قدرنا لهم من قومهم ما ذكرنا ذلك بعد مشاهدۃ المعجزات وانت رسوں مثلهم فلا تحزن علی ماتری من قومك و لو شاء الله لم یختلف ام اولئك و لك ما قضاه الله فهو كائن وما قدره فهو واقع. تفسیر نبیسا بوری ص ۲۴۰

اس تنبیہ کے لیے اس آیت کو کمر لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا اختلاف اور باہمی قتل و قتال سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کوئی شئی بغیر اللہ کی مشیت کے نہیں ہو سکتی۔

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ پیغمبروں کے درمیان تفضیل اور مفاضلہ نہ کرو اس سے مراد اس تفضیل کی مانعت ہے جو محض عصیبت اور قومی حمیت کی بناء پر ہو یا ایسی تفضیل کی مانعت مراد ہے جو دوسرے نبی کی تنقیص اور تحقیر کا سبب بنے اس طرح بحمدہ تعالیٰ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہ رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اے ایمان دالو خرچ کرو کچھ ہمارا دیا پہلے اس دن

يَأْتِي يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

کے آنے سے جس میں نہ بیکنہ ہے اور نہ آشنائی ہے اور نہ سفارش۔

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۸۳﴾

اور جو منکر ہیں وہی ہیں گنہ گار۔

ترغیبات و ترہیبات دربارہ صدقات و نفقات

قال تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا..... اے.... هُمُ الظَّالِمُونَ ہ (ربط) دورِ کوع پیشتر حق تعالیٰ شانہ نے دو حکم دیئے تھے ایک جہاد اور دوسرا خدا تعالیٰ کو قرض دینے کا پہلے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے غارت اور جاوت کا قعر ذکر فرمایا۔ اب دوسرے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیبات اور ترہیبات کو بیان فرماتے ہیں۔ یہ بیان دور تک چلا گیا ہے۔

نیز گزشتہ آیت فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ میں مکلفین کو دو قسموں پر منقسم فرمایا۔ مومن اور کافر۔ اب اس آیت میں اہل ایمان کو اپنے خطاب سے عزت دی اور ان کو

لَهُ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۖ

اہل ایمان کے عقب سے مخاطب فرمایا اے ایمان والو! اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ کچھ ہماری راہ میں بھی خرچ کر لو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں قصور کے تلافی کی کوئی سبیل نہیں یعنی مرنے کے بعد اس لیے کہ قیامت میں نہ کوئی خرید و فروخت ہے اور نہ کوئی دوستی کا راز ہے۔ اور نہ کوئی سفارش کا راز ہے اور کافر ہی ظالم ہیں کہ جان اور مال سب بے موقع صرف کر رہے ہیں۔ پس اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح اپنی جائز اور مالوں پر ظلم نہ کرنا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ

اللہ! اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ جیتا ہے سب کا تھامنے والا ہے نہیں پڑتی اس کو

وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ

اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ کون

ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ

ایسا ہے کہ سفارش کہے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے جانتا ہے جو خلق

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ

کے رو برو ہے اور پیٹھ پیچھے اور یہ نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں

عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَ

کے کچھ گم جو وہ چاہے گنہائش ہے اس کی کرسی میں آسمان اور

الْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۱۰۰﴾

زمین کو اور تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے اوپر سب سے بڑا۔

اثبات توحید ذات و کمال صفات

(آیت الکرسی)

قَالَ تَعَالَى - اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

گزشتہ رکوع کی آیت کَرِهُوا لِمَا كُفِّرَتْ عَنْكُمْ لَمَّا كُنْتُمْ مِلًّا میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور اس آیت میں اثبات توحید کا بیان ہے نیز کَلِمَاتُ اللَّهِ وَمَا أَفْتَتْنَا لَمَّا كُنْتُمْ مِلًّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ میں حق تعالیٰ کی قدرت اور شیت کا ذکر تھا اور اس کا بیان تھا کہ قیامت کے دن کوئی سفارشیں اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی جس سے خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت مفہوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کسی کو مجال دم نہ دن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور کمال معاشی بیان فرماتے ہیں۔ نیز گزشتہ آیت وَ الْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ میں کافروں کو ظالم بتلایا تھا۔ اب اس آیت میں ان کے ظلم کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ کافر اور مشرک اس لیے ظالم ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ توحید کو بیان فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی طرح شرک کر کے ظالم نہ بنو بلکہ عقیدہ توحید کو مزاجان بنلو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں صرف وہی عبادت کا مستحق ہے استحقاق عبادت میں کوئی اس کا شریک اور ہمیم نہیں اس لیے کہ صرف خدا تعالیٰ اپنی ذات سے خود بخود زندہ اور موجود ہے اس کی حیات اور بقا ذاتی اور ابدی ہے اس کی حیات کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا اور اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات سے مژدہ و معدوم ہے اور اس کی حیات مستعار کی ابتدا رہی ہے اور انتہا رہی۔ اس لیے کہ کوئی شے اپنی ذات سے قائم نہیں خدا تعالیٰ ہی ہر شے کا قائم رکھنے والا ہے۔ ہر شے اپنی حیات اور بقا اور وجود میں اس کی محتاج ہے جیسے سایہ اپنی اصل کا محتاج ہوتا ہے ممکنات اپنے وجود اور بقا میں اس سے کہیں نائد خدا کے محتاج ہیں۔ ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

کُلُّ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَرْجُوْا اِلَيْهِ يَوْمَ الدِّیْنِ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں اس لیے کہ اس کو ادنگہ اور نیند نہیں پکڑتی اس لیے کہ نیند ایک قسم کا تغیر ہے جو جوہر کے منافی ہے اور حیات کو ضعیف اور کمزور بناتا ہے پس جس کو ادنگہ اور نیند آئے گی اس کی حیات بھی ناقص اور کمزور ہوگی اور دوسروں کی تدبیر بھی نہیں کر سکے گا کیونکہ نیند موت کی جہن ہے لہذا نیند کی وجہ سے اس کی حیات بھی ناقص ٹھہرے گی اور اس کی شان قومیت میں بھی قصور اور نقصان لازم آئے گا اور چونکہ وہی سب کے وجود اور حیات کا قائم رکھنے والا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور پورے لے کر بچے تک اسی کی حکومت اور بادشاہی ہے اس لیے کہ اصل الٰہک وہ ہے جو وجود اور حیات کا مالک ہو اور اس کی عظمت اور جلال اور شان کبریائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کر سکے۔ چہ جائیکہ کوئی اس کے حکم کو ہٹائے یا ٹکائے۔ یہ تو اس کی عظمت اور جلال کا حال ہوا اور اس کے

علم کی یہ شان ہے کہ وہی مخلوقات کے تمام اگلے اور پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے تمام عقلاً عالم بل کر بھی معونات خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے۔ فقط اتنی مقدار تم اس چیز کو جان لیتے ہو اصل کُنْہ اور حقیقت کا علم اور اس کا علمی اسطرہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَمَا أَوْفَيْنَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

عرض یہ کہ خداوند ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت اور قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناقص بلکہ برائے نام ہے بندہ ہر دن اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال اور کیفیات اور جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک حال کو جان پاتا ہے تو مو حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس علم ناقص کے ساتھ اس بارگاہ میں شفاعت کرنا جس کا علم ذاتی اور تام ہو اور تمام اشیا کی حقیقت، درکنہ اور تمام احوال کو محیط ہو بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں، اس لیے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کو عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو اور بارگاہ خداوندی میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شے کا علم نہ ہو اور اس کی مالکیت تمام کائنات کو محیط ہے اس لیے کہ اس کی کرسی جو اس کے عرش سے کم ہے وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے جس طرح ہمارے زمین اور آسمان میں تصرف کرتا ہے کسی کی مجال کیا ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارشیں کا کلمہ زبان سے نکال سکے شافع اور شافع لا سب اسی کی ملک میں اور اس کی قدرت اور قیومیت کا یہ حال ہے کہ آسمانوں و زمینوں کی حفاظت اور نگہبانی اس پر ذرہ برابر مشق اور گراں نہیں اور کیسے اس پر گراں ہو سکتی ہے۔ وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ ہے۔ ذات اور صفات میں کوئی بھی کسی طرح اس کے برابر نہیں وہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ اس کی شان کے مطابق کوئی حمد و ثنا بھی نہیں کر سکتا۔ بڑی عظمت والا ہے کہ ہر چیز اس کے سوا حقیر اور قبیح ہے۔ وہ اپنے افعال میں کسی کا محتاج نہیں عظمت و جلال کی وجہ سے سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے پس جس ذات پاک کی یہ صفات ہوں کیا اس کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا ظلم عظیم نہ ہو گا کما قال تعالیٰ فی الآیۃ اولیٰ وَ لَا تُكْفِرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَظِيمًا

فوائد و لطائف

اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ شانہ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا ذکر ہے۔ توحیدیت اور انجیل اور کتب سابقہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی کہاں ذات اور

کمال صفات کے متعلق جیسا اس آیت میں ذکر ہے اس کا شمرہ بھی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔
اس آیت میں سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنی توصیف ذاتی کو بیان فرمایا۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔
بعد ازاں ان صفات کو بیان فرمایا۔

(۱) الْحَيُّ

کائنات وجودیہ میں سب سے پہلا حیات ہے۔ ”حی“ لغت میں اس زندہ شے کو کہتے ہیں جو واقف ہو اور مستقام اور دیکھنا اور قادر ہو پس صفت حیات تمام صفات کمال کا مبدیہ ہے۔

(۲) الْقَيُّوْمُ

یعنی کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا۔ ”حی“ سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا اور قیوم سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا یعنی بذاتہ اور بنفسہ وہ واجب الوجود ہے اور دوسروں کو وجود اور حیات بہرہ اور عطا کرنے والا ہے ممکن میں جو وجود بھی ہے وہ اسی واجب الوجود کا بہرہ اور عطیہ ہے۔ صفت حیات کو ذکر کر کے کمال وجود کو بیان فرمایا۔ اور صفت قیومیت کو ذکر کر کے کمال ایجاد کو بیان فرمایا۔

(۳) لَا تَاْخُذُ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ

اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اس سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث اور خصائص ممکنات سے پاک اور بری ہونا بیان فرمایا۔ یہ جملہ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تاکید ہے کیونکہ اونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے اس لیے کہ نیند موت کی بہن ہے اور خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ علاوہ ازیں جس کی حیات ناقص ہوگی اس کی قیومیت یعنی حفاظت اور نگرانی بھی ناقص اور کمزور ہوگی لہذا لَا تَاْخُذُ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ کا مطلب یہ ہو کہ وہ ایسا قیوم اور مدبر ہے کہ ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی قیومیت میں بہو اور تسبیح اور غفلت اور سستی سے پاک اور منزہ ہے۔

(۴) لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

اس جملہ سے صفت مالکیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اس لیے کہ مالک حقیقی وہ ہے جو وجود عطا کرے پس جس نے آسمانوں اور زمینوں کو وجود عطا کیا اور جہان کے وجود کا قائم رکھنے والا اور تنہا مٰننے والا ہے وہی ان کا مالک حقیقی ہے۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَكُمْ إِلَّا بِإِذْنِهِ

اس جملہ سے اس کی مالکیت اور جلال اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے لب کثلی کر سکے۔

(۶) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اس جملہ میں اس کے علم محیط کو بیان فرمایا کہ اس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے۔

(۷) وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِ الْإِيمَانِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

اس جملہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح مخلوقات کا وجود عطیہ خداوندی ہے اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیہ خداوندی ہے۔ بندے فقط اتنی مقدار جان سکتے ہیں۔ جتنا وہ چاہے بندوں کا علم اس کی مشیت کے تابع ہے۔ بندہ کا علم نہایت ہی قلیل اور محدود ہے۔ اور اس کا جہل بالفعل غیر محدود اور غرقناہی ہے۔

(۸) وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اس جملہ میں یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی مالکیت اور مالکیت آسمانوں اور زمینوں سے بھی متجاوز ہے۔ جہاں کسے مندوں کا دہم و خیال بھی نہیں۔

فائدہ

(۱) احادیث نبویہ اور اہل اہل حق و تابعین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرسی ایک جسم ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے اور عرش سے چھوٹا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے اندر ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں کرسی کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہے جیسے عرش اللہ اور بیت اللہ کی نسبت ہے بظاہر یہ کوئی خاص قسم کی تجل ہے اور جس طرح تجلیات کی انواع اور اقسام میں ہر شے کی تجلی عینہ ہے اسی طرح عجب نہیں کہ کرسی اور عرش کی تجلیات علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے متمازن ہوں۔ جہور سلف کے نزدیک آیت میں کرسی سے ظاہری اور متبادر معنی مراد ہیں۔ اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ کرسی اس کی عظمت اور سلطنت کی تصویر اور بعض ایک مثال ہے درندہ در حقیقت نہ کوئی کرسی ہے اور نہ وہاں کوئی بیٹھے والا ہے اور یہ ضروری ہیں کہ ہر جگہ لفظ سے حقیقی ہی معنی مراد لیے جائیں قرآن کریم میں صمد ہا جگہ مجازی اور کنائی معنی مراد لیے گئے ہیں۔

(۹) وَلَا يَقُوْدُ مَا حَفِظَ مَا

اور اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی حفاظت ذرہ برابر گراں نہیں۔ اس جملہ سے یہ بتلانا ہے کہ اس کی

صفت قدرت اور قیومیت ضعف اور نقصان سے پاک اور منزہ ہے۔

(۱۰) وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

اس جملہ میں اللہ کی صفت علو اور عظمت کو بیان فرمایا۔

۳۱ | مستدرک حاکم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سورة البقرة فيها آية سيد آدم
القرآن لا تقر في بيت فيه
شيطان الا خرج منها۔
(آية الكرسي)
سورة بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام
آیات قرآن کی سردار ہے وہ آیت، کرسی
ہے جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان
اُس سے نکل جاتا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوامندثر قرآن میں سب سے اعظم یعنی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ میں نے کہا اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اُنْ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُننے ہی میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابوامندثر علم تمہیں مبارک ہو۔

اور اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت، آیت الکرسی ہے۔ (درغشور ص ۳۲۵ ۱۶)

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مُردوں کے زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھ کر دعا فرماتے۔ اور آصف بن برخیاؓ نے جب بقیں کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یَا حَيُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھ کر دعا مانگی (تفسیر قرطبی ص ۲۶ ج ۳)

۳۲ | حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیت الکرسی سورۃ بقرہ کا قلب ہے اور اَلْحَيُّ الْقَیُّوْمُ بمنزہ روح اور جان کے ہے اور باقی آیات

بمنزلہ اعضاء، درجہ روح کے ہیں اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے گرد گھومتے ہیں۔ جس طرح اعضاء درجہ روح جان کے شئون اور مظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس سورت کی تمام آیتیں اَلْحَيُّ الْقَیُّوْمُ کے شئون اور مظاہر ہیں۔ سورہ بقدرہ کے کل چالیس رکوع ہیں۔ کوئی ایسا نہیں کہ جس میں حیات اور قیومیت اور

لے حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں یٰ اہل المنذر ۱۲۔

ہمیشہ کی زندگی کا مضمون مذکور نہ ہو، گویا کہ یہ تمام صورت الٰہی القیوم کی شہد اور بسط اور حیات در قیومیت ہی کی توضیح اور تلویح ہے۔ ابتداء صورت میں ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے قرآن کریم کا آج حیات ہونا بیان فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور تقویٰ سے حیات ابدی حاصل ہوتی ہے اور کفر اور نفاق سے دنی ہلاکت۔ پھر تیسرے رکوع میں انعام انسانی کی ذرا ذرا حیات کا ذکر فرمایا كُنْضُ امْسُوَاتٍ فَاَحْيَا كُنْزُ اور زمین و آسمان کی پیدائش اور دنیا کی نعمتوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو دیوی حیات کا ذریعہ ہیں اور پھر اپنی حیات کا حکم دیا جو انسان کی حیات اخروی اور قیام ابدی کا ذریعہ ہے۔ بعد ازاں ابوالہ بشر کی حیات اور منصب خلافت اور مائیکہ پر ان کی فضیلت کو ذکر فرمایا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً بعد ازاں پانچویں رکوع سے ایک خاص خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا یعنی بنی اسرائیل کی حیات ورنہ پرانے ظاہری اور باطنی انعامات کا بیان شروع کیا جو تقریباً غیر پارے تک چلا گیا جس میں ان کو جانوں پر فضیلت دینا اور من و سلویٰ کا ان کے لیے نازل کرنا در ان کی ہدایت کے لیے توحید کا عطا کرنا اور اس خاندان میں ہزاروں پیغمبروں کو ہدایت کے لیے مبعوث کرنا بیان فرمایا۔ چودھویں رکوع تک جب اس خاندان کی حیات کا قصہ تمام ہوا تو پندرھویں رکوع سے ایک دوسرے خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کہ ان کی اقامت اور توصل کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی یہ جگہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ اور یہ قبلہ آخری قبلہ ہے۔ دوسرے سلسلہ کلام چلا گیا جب ان دونوں خاندانوں کی حیات اور قاضی سے فارغ ہوئے تو پھر اس کے بعد چند اقسام حیات کو ذکر فرمایا کہ جو ہر حیات کے ضاف معلوم ہوتے ہیں من جسد ان کے شہادت فی سبیل اللہ اور مصائب پر صبر کرنا اور قصاص کو جاری کرنا اور وصیت کو بغیر تغیر تبدیل کے جاری کرنا اور روح کو زندہ رکھنے کے لیے روزہ رکھنا اور دین کی بقا کے لیے جہاد کرنا اور شاعر ملت کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے حج اور عمرہ کرنا اور مال اور آبرو کی حیات قائم رکھنے کے لیے شرب اور جوئے سے پرہیز کرنا اور حق نکل اور زنجیر کے زندہ اور قائم رکھنے کے لیے ایلاد اور طلع اور طلاق اور عدت اور حالت حیض میں مباشرت اور اجرت رضا عت وغیرہ کی حدود کی پوری پوری رعایت رکھنا تاکہ خاندانی اور معاشرتی حیات قائم رہے اور اس کا شیرازہ منتشر نہ ہو۔

پھر جب ان اقسام حیات کے بیان سے فراغت ہوئی تو اَكْمَرْنَا اِلٰی الْمَذِیْنِ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اَلْوَفَّ حَذَرَ الْمَوْتِ سے چند عجیب و غریب قصے بیان فرمائے جن میں خدا نے حق و قیوم کی طرف سے بلا اسباب ظاہری حیات غیبیہ کا عطا ہونا بیان فرمایا، تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ اس کے سوا کوئی حق اور قیوم نہیں۔ جو بھی زندہ اور قائم ہے وہ اس کی وی ہوئی حیات سے قائم ہے حق تعالیٰ نے دو قصے اس کلمہ حی و قیوم سے پہلے ذکر فرمائے اور تین قصے، اسی مدعا کے اثبات کے لیے آہستہ آہستہ کے بعد ذکر فرمائے۔

پہلا قصہ حیات بنی اسرائیل کی اس جماعت کا ذکر فرمایا کہ جو دہائے ڈر کر بھاگے آمد پھر ایک نبی کی مدد سے زندہ ہوئے۔

دوسرا قصہ طاووت اور جالوت اور تالوت سکینہ کا ذکر فرمایا جس سے اس خاندان کی گم شدہ حیات پھر واپس آئی۔

اس کے بعد آیت الکرسی کو ذکر فرمایا جس میں حق جن شہادت کی حیات، در قیومت اور مالکیت اور عظمت اور ہیبت اور قدرت کا علم اور علم محیط کا ذکر فرمایا۔ اور یہ بتلادیا کہ اسلام اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ خدا کو وحدہ لا شریک مانا جائے۔ حق واضح ہے جس کا جی چاہے قبول کرے کسی پر زبردستی نہیں۔

اس کے بعد پھر اپنی حیات اور قیومت کے ثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے جس سے حیات اخروی کا نمونہ معلوم ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ وہ جی وقیم مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے تاکہ لوگ قیامت کے بارے میں شک نہ کریں۔ پھر اس کے بعد صدقات و فیرات کے احکام بیان فرمائے جو انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کے قیام کا سبب ہیں اور سود سے مانعت فرمائی کہ جو انسان کی دینی اور دنیوی حیات کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ پھر اس سورت کو ﴿ثُمَّ مَآ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ آیات سے ایمانیات اور اعتقادات اور دعا اور استغفار کے مضمون پر ختم فرمایا۔ اس لیے کہ ایمان اور توبہ اور استغفار ہی سے مردہ دلوں کو حیات و جادوانی حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام سورت حق تعالیٰ کے اسم جی وقیم کی شرح اور تفصیل ہے اور آیت الکرسی اس سورت کے لیے بمنزلہ دل کے ہے اور یہ اسم جی وقیم بمنزلہ جان کے ہے اور باقی آیتیں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَا اَكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

زور نہیں دین کی بات میں کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لادے اللہ پر اس نے

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ

پکڑی گہ مضبوط جو ٹٹنے والی نہیں اور

اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ

اللہ سنتا ہے جانتا - اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ

اندھیروں سے اُجالے میں اور وہ جو کفر میں ان کے رفیق

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ

ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو اُجالے سے اندھیروں میں ۔

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵۸﴾

وہ ہیں دوزخ والے، وہ اسی میں رہ رہے ۔

حق اور باطل نور اور ظلمت کا فرق واضح ہے

کسی پر کوئی زبردستی نہیں جو چاہے اختیار کرے،

قال تعالى: كَلَّا إِنَّكَ لَمِنَ الَّذِينَ... اُلے... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(ربط) گزشتہ آیت وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُتَرَدِّدِينَ میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور آیت اُمری میں اثباتِ توحید کا ذکر تھا اور یہی دو باتیں دین اسلام کا اصل الاصول ہیں جو دلائل واضح سے ثابت ہیں جس سے کافروں کے لیے کوئی عذر اور گنجائش باقی نہیں جس کا جی چاہے حق کو قبول کرے دین کے بارے میں کوئی نہ زبردستی نہیں۔ تحقیق ہدایت گمراہی سے بالکل جدا اور ممتاز ہو چکی ہے۔ حق کا حسن و جمال اور باطل کا قبح خوب ظاہر اور نمایاں ہو چکا ہے اور نہ زبردستی اس امر پر ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہو اور نہ کرنے والے کا دل اس سے خوش نہ ہو اور اسلام کا حسن و جمال ایسا بے مثال ہے کہ عقل سلیم اس پر عاشق اور فریفتہ ہے البتہ نفس پر اسلام کے احکام شائق اور گراں ہیں نفس تو نجاست خور اور شہوت پرست ہے اس کی گرائی اور تاگوری کا اعتبار نہیں کئے کوئے اور گند اپانی ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے مگر سلیم الطبع کو اس تصور سے بھی تکدر اور انقباض ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام میں اکراہ اور زبردستی ممکن ہی نہیں اس لیے کہ اسلام کے لیے تصدیق قلبی اور دلی اذعان کا اعتبار ہے اور دس پر کسی کی زبردستی چل نہیں سکتی۔

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ دین کے بارے میں تم کسی پر زبردستی نہ کرو کیونکہ یہ دنیا دار ابتلا اور دار امتحان ہے۔ مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں۔ اس لیے کہ جزاء و سزا کا مدار اختیار ہی افعال پر ہے۔

اس صورت میں یہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہوگا یعنی لَا اِکْرَاهَ کی نفی معنی میں نہیں کے ہوگی اور لَا اِکْرَاهَ معنی میں لَا تُکْرَہُ مَنَّا کے ہوگا۔ جیسا کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت خَصِیْنِ انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی خَصِیْنِ انصاریؓ کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ ایک روز حصین انصاریؓ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ پر ان کا نصرانی ہونا بہت گراں ہے اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اُن کو اسلام پر مجبور کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنی کسی پر اسلام میں داخل ہونے کے لیے جبر اور نہ ہمدستی نہ کرو ہم نے ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح کر دیا ہے اس لوگوں کو اختیار ہے جس کا بی چاہے ایمان مانے اور جس کا بی چاہے کفر کرے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس قسم کی آیات اُن آیات کے معارض نہیں جن میں کافروں سے جہاد و قتال کا حکم آیا ہے اس لیے کہ جہاد شر اور فساد کے رفع اور دفع کرنے کے لیے ہے۔ کفار چونکہ خدا کی زمین میں فساد مچاتے ہیں اور خدا کی نازل فرمودہ ہدایت اور شریعت کے جوار اور نفاذ میں عارِج اور مزاحم ہوتے ہیں اور بدنگاہانِ خدا کو عبادت سے روکتے ہیں اس لیے جہاد کا حکم نازل ہوا۔ جہاد سے مقصود احکم الحاکمین کے دینِ شین کی حکومت قائم کرنا ہے جو کسی کو مسلمان بنانا مقصود نہیں۔ اگر اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہے تو جزیہ دے کر بھی اپنے مذہب پر رہ سکتا ہے اور چونکہ جہاد دفعِ فساد کے لیے ہے اس لیے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور راہبوں کے قتل کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس لیے کہ ان لوگوں سے فتنہ اور فساد کی امید نہیں اور جس طرح موذی جانوروں سانپ اور بچھو کا یذاذ رسانی کے بعد قتل کرنا جائز ہے اسی طرح سانپ اور بچھو کو ڈنگ مارنے سے پہلے ہی ختم کر دینا عقل اور دانائی ہے اس لیے اگر مسلمانوں کو کسی کا فر حکومت سے کوئی خطرہ ہو تو پہلے ہی سے اس کا خاتمہ کر دینا عین تدبیر اور عین سیاست ہے اصطلاح شریعت میں اس کا نام جہاد اقدامی ہے۔

علامہ ابنِ حنبلہؓ نے اس طرح انسانِ یمان اور کفر کے قبول کرنے میں مختار ہے مجبور نہیں اسی طرح تمام اعمال خیر اور اعمال شر کے کرنے اور نہ کرنے میں بھی مختار ہے مجبور نہیں لیکن اچھے اور بُرے افعال پر ان کے مناسب جزا اور سزا کا مرتب ہونا جبر و اکراہ کو مستلزم نہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا جانا اور زانی محض کا سنگسار کیا جانا اور خون ناحق کا قصاص لیا جانا یہ تمام تر اس کے افعال اختیار کی سزا ہے جبر اور اکراہ نہیں۔ اس شخص نے اپنے اختیار سے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا اس لیے یہ سزا بھگتنی پڑی یہ اس طرح جبر مسلمان مرتد اور سزا سے ارتداد میں قتل کیا گیا تو یہ جبر اور اکراہ نہیں بلکہ اس کے فعل اختیار (ارتداد) کی

سزا ہے اور کافروں سے جہاد و قتال اُن کے لعلِ اختیاری یعنی کفر کی جزا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ قانونی سزائیں تو عینِ مصلحت اور عینِ ہمدردی و عینِ سیاست بن جائیں اور شرعی حدود و قتل مرتد اور رجم زانی وغیرہ وغیرہ یہ سزائیں جبر اور اکراہ قرار دی جائیں اور وحشیانہ سزائیں کہائیں قتل مرتد کے مسئلہ میں اشکال ہے اور مارشل لا میں کوئی اشکال نہیں۔ کیا قانونِ مارشل لا میں دوث کی قائم شدہ حکومت کے مرتدین کا قتل نہیں؟ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ مجازی اور جعلی حکم کے مرتدین کا قتل تو عینِ تہذیب اور عینِ تمدن ہو اور خدائے اعظم الٰہی کے مرتدین کے قتل پر ناک بھوں چڑھائیں اور اس کو وحشیانہ فعل قرار دیں۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ ہماری بغاوت تو جرم ہے اور خدا تعالیٰ کی بغاوت جرم نہیں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو عقل دے جو بندوں پر اپنا حق خدا تعالیٰ سے زیادہ سمجھتے ہیں

پس حق اور ہدایت کے روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد جو شخص طغیان اور ضلال کی طرف بلائے دینی چیزوں سے تعلق قطع کرے اور ایمان لا کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرے تو اس نے ہدایت مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا البتہ غفلت کی وجہ سے ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر کے دعوتوں کو سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا کار ساز ہے جو ایمان لائے اور خدا سے وابستہ ہوئے انکو وہ اپنی خاص ہدایت اور توفیق کے ذریعہ شکوک اور شبہات اور وسوسوں اور خطرات کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے جاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا اُن کے دوست اور رفیق جن در انس کے شیاطین ہیں جو ان کو نورِ ہدایت اور نورِ دلائل سے نکال کر شبہات اور نفسانی خواہشات کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جو انبیاء و در علماء اور صحابہ اور دلائل عقل سے بھاگتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ دوزخ کے باشندے ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

حق تعالیٰ نے کافروں کے حق میں دوزخ کی وعید کو ذکر فرمایا اور اس کے مقابل میں اہل ایمان کے لیے کسی خاص وعدہ اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ اللہ کی ولایت اور محبت اور کار سازی ہر وعدہ اور بشارت کو متحقق ہے۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ

تو نے نہ دیکھا وہ شخص جو بھگڑا ابراہیم سے اس کے رب پر؟ واسطہ بیکردی

اللَّهُ الْمَلِكُ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي

تھی اس کو اللہ نے سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے

وَيُمِيتُ ۚ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ

اور مارتا ہے، بولا میں ہوں جلاتا اور مارتا، کہا ابراہیم نے اللہ

اللَّهُ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ

تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو

الْمَغْرِبِ ۚ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

مغرب سے، تب حیران رہ گیا وہ منکر اللہ ہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾

بے انصاف لوگوں کو۔

ذکر مبدء و معاد

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو بیان فرمایا اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب ذکر فرمائے ہیں اول قصہ وجودی کے اثبات کے لیے ہے اور دوسرا اور تیسرا قصہ اثبات حشر و نشر یعنی اثبات قیامت کے لیے ہے تاکہ مبدا و معاد کی معرفت مکمل ہو جائے۔ درخداے ذوالجلال کی حیات اور قیومیت خوب واضح ہو جائے اور نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کا نمود نظر آجائے کہ خدا تعالیٰ کس طرح ہدایت دیتا ہے۔ اور کس طرح گمراہ کرتا ہے اور جہاد و قتال کی مشروریت کی وجہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کفار ناہنجار خدا سے کردگار کی صحیح معرفت کو مٹانا چاہتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ سے باغی بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان سے جہاد و قتال کا حکم دیا گیا اور اگر خود جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو مالی امداد کریں۔



قصہ اول (در بارہ اثبات وجود باری عز اسمہ)

قَالَ تَعَالَى. اَلَمْ نَكُنْ اِلٰى الَّذِیْ حَآجًّا اَبَدًا ۚ وَ اَلَمْ یَكُنْ لِّیَ الْفُتُوْرُ الْظَّالِمِیْنَ .
 ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کا نمود بن کعبان سے مناظرہ اور مکالمہ بیان کرتے ہیں نمود
 دھری تھا یعنی وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا اور اپنے آپ کو ملک کاریٹ اور خدا اور مالک بتاتا تھا۔
 (اسے منی طلب کیا تو نے اُس طاغوت کو نہیں دیکھا جس نے خدا کے ولی، ابراہیم سے اپنے پروردگار کے وجود
 کے بارے میں مباحثہ اور مجادلہ کیا۔ یہ جھگڑنے والا شخص نمود تھا جس نے سب سے پہلے سر پر تاج رکھا
 اور بادشاہت کے گھنڈے میں خدائی کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نمود کا خدا کے بارے میں یہ مجادلہ محض
 اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت اور بادشاہی عطا کی اس نعمت عظیمہ کے شکر کا ادنیٰ
 درجہ یہ تھا کہ جس خدا نے یہ سلطنت بخشی تھی اس کے وجود کا تو اقرار کرتا مگر اس نے برعکس اُس منعم کے وجود
 ہی کا انکار کر دیا۔ شکر تو رکنا جس وقت کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمود سے کہا کہ خدا نے پروردگار پر ایمان
 لا کر دوسلے کہا وہ کون سا خدا ہے جس کی طرف منکرت ہمیں بلاتے ہو اس کا وصف بیان کرو؟ ابراہیم علیہ السلام
 نے فرمایا میرا پروردگار جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں اُس کی شان یہ ہے کہ وہ موت اور حیات کا مالک
 ہے جس کو چاہتا ہے زندہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مارتا ہے اور تو زندہ کرنے اور موت دینے سے
 عاجز ہے۔ لہذا تو مستحق ربوبیت کا نہیں ہو سکتا نمود نے اسی وقت دو آدمیوں کو بلایا اور ایک کو قتل
 کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور بولیں بھی چلاتا اور مارتا ہوں یعنی مارنے اور زندہ کرنے سے عاجز نہیں۔ ابراہیم
 نے دیکھا کہ یہ تو بڑا ہی کوڑ سفیر ہے کہ اچھا اور امانت کے معنی بھی نہیں سمجھتا اچھا اور امانت کے معنی
 جسم میں جان ڈالنے اور جان نکالنے کے ہیں اور یہ سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔ اس نادان
 نے فقط گردن اڑا دینے اور چھوڑ دینے اور حلق پر چھری چلانے اور منہ چلانے کا نام اچھا اور امانت رکھا۔
 ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تو اچھا اور امانت یعنی جسم میں جان ڈالنے اور نکالنے پر تو کیا قادر ہوتا تو تو اچھا
 اور امانت کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا اچھا ایک بات اور اُن اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو اپنے راہ اور اقیانوسے شرق
 سے نکالتا ہے، حالانکہ وہ اگر چاہے تو مغرب اور شمال اور جنوب سے بھی نکال سکتا ہے ہر اُن اور ہر نقطہ اس
 کی قدرت کے اعتبار سے یکساں ہے پس اگر تجھ کو دعوائے ربوبیت ہے تو آفتاب کو مغرب سے نکال کر دکھا تا کہ
 تیری قوت اور قدرت کا اندازہ ہو تو اچھا اور امانت، مارنے اور چلانے پر تو کیا قادر ہوتا۔ تیرے عجز اور دانگی
 کا تو یہ عالم ہے کہ تو ایک جسم کی حرکت کے تغیر پر بھی قادر نہیں۔ حالانکہ حرکت، حیات کا ایک نہایت معمول
 سا اثر ہے پس جو شخص ایک جسم کی حرکت میں تغیر کرنے سے عاجز ہو گا وہ اچھا اور امانت سے بدرجہ اولیٰ

عاجز ہوگا پس خدا کا منکر اس روشن اور نودانی دلیل کو سن کر حیران، درجہ بچکاں رہ گیا اور کسی قسم کی کوئی تاویل اور تمبیس بھی نہ کر سکا اور ایسا مدہوش ہو گیا کہ کچھ بھی نہ بول سکا مطلب یہ کہ نمرود حضرت ابراہیمؑ کی سس روشن دلیل کو سن کر جھٹکا بٹکارہ گیا اور بطور معارضہ یہ نہ کہہ سکا کہ اگر تیرا معبود ایسا زبردست ہے تو اس سے کہو کہ وہ آفتاب کو کسی دن بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دے اس لیے کہ اس نے خوب سمجھ لیا کہ اگر ابراہیمؑ اپنے خدا سے یہ دعا مانگیں کہ اے خدا اس آفتاب کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دیکھتے تو یقیناً ایسا ہی ہو جائے گا۔ ابراہیمؑ کا خدا جس طرح آگ کو برد اور سلام بنا سکتا ہے اسی طرح ابراہیمؑ کا خدا سورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے بھی نکال سکتا ہے لیکن نمرود باوجود اس نورانی اور روشن دلیل کے کفر کی غلٹ اور تاریکی سے نہ نکلا اس لیے اپنے عناد پر قائم رہا اور ایمان نہ لایا اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہی کی غلطیوں سے نکال کر لوہہ ہدایت کی طرف نہیں لے جاتے معاند کہنے ہی معجزات اور نشانات دیکھو وہ عظمت سے نودہایت کی طرف نہیں آتا چنانچہ نمرود کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ غر پشہ کارش کفایت ساختہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے بعد کا ہے اور بعض

فائدہ کہتے ہیں کہ بتوں کے توڑنے کے بعد کا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ وہ اپنے تئیں سجدہ کرنا تھا سلطنت کے ضرور سے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُس کو سجدہ نہ کیا۔ اُس نے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں۔ اُس نے کہا رب تو میں ہوں۔ انہوں نے کہا میں رب عالم کو نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے دو قیدی بلائے جس کو جلانا پہنچتا تھا ماد ڈالا اور جس کو مار ڈالنا پہنچتا تھا چھوڑ دیا تب انہوں نے آفتاب کی دلیل سے اُس کو لا جواب کیا (۱۲ منہ) اور حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر بے اختیار نمرود کے دل میں یہ بات آگئی کہ خدا ضرور ہے اور آفتاب کا مشرق سے نکالنا اس کا فعل ہے اور وہ خدا مغرب سے بھی نکال سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ شخص اسی خدا کا پیغمبر ہے اور اس کے کہنے سے نمرود ایسا ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو عالم میں انقلاب برپا ہو جائے گا اور ساری دنیا اسی کی راہ پر ہولے گی اور میرے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہے گی۔

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ

یا جیسے وہ شخص، کہ گذرا ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی

سلہ اس عبارت میں اس آیت کا ترجمہ آیت اللہ ولیؑ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يَغْرِبُهُمُ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِنَّ النُّجُومَ كَسَ سَاقِطَةٍ رَّطَبٍ اَشَارَہ ہے۔

عُرُوشَهَا ۚ قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ

چھتوں پر ۔ بولا کہاں جلاوے گا اس کو اللہ مر گئے

مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ

ہیچے ! پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس ، پھر اٹھایا ۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ

کہا تو کتنی دیر رہا ؟ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم ۔

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ

کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ کھانا اپنا

وَشَرَابِكَ ۖ لَمْ يَتَسَنَّه ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

اور پینا ، مٹ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعُظَامِ

اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے ، اور دیکھ ہڈیاں کس طرح

كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ

ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت ۔ پھر جب اس پر ظاہر

لَهُ ۚ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵۹﴾

ہوا ، بولا ، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

قصہ دوم

برائے اثبات معاد یعنی برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالیٰ . اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ الخ رَاَتْ اِلٰهًا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا

یا اے مخاطب کیا تو نے اُس جیسے شخص کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کا ایک بستی پر گزر ہوا۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ وہ گزر لے والے حضرت ارمیا بنی تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ عزیر تھے۔ اور مجاہد سے منقول ہے کہ نمرود کے ساتھ ذکر کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ گزرنے والا شخص کا فر تھا۔ جس کو بعثت میں شک اور تردد تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ کافر ایسی عزت اور کرامت کا مستحق نہیں جس کا بیت میں ذکر ہے اور قریہ سے بیت المقدس مراد ہے جس کو بعثت نصر لے دیران اور برباد کیا، اور بنی اسرائیل کو قتل کیا اور بہت سول کو قید کر کے لے گیا۔ ان میں حضرت عزیرؑ بھی تھے حضرت عزیرؑ جب قید سے چھوٹ آئے اور اس دیران بستی پر گزر ہوا جس کے تمام آدمی مرے ہوئے ہیں اور عمارت بھی سب گر چکی ہوئی ہے اور اس وقت وہ بستی ایسی حالت میں تھی کہ وہ اپنی چھتوں پر گر چکی ہوئی پڑی تھی یعنی اس کی چھتیں گر کر پھر ان پر دیواریں گر گئی تھیں اس دیرانی کو دیکھ کر بطور حسرت اور تعجب یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو مرے پیچھے کس طرح زندہ کرے گا۔ مقصود اس کہنے سے بستی کے دوبارہ زندہ اور آباد ہونے کی طلب اور تمنا تھی مگر چونکہ عداۃً ایسا ہونا بعید تھا اس لیے یہ خیال گذرا کہ کیا میری یہ دعا قبول ہوگی۔ معاذ اللہ خدا کی قدرت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا بعثت کا یقین کامل تھا۔ لیکن تمنا یہ تھی کہ کاش میں بھی اس کا نمونہ دیکھ لوں۔ پس حق تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر کے ان کو سو برس تک مردہ رکھا۔ اور اس عرصہ میں بخت نصر بھی مر گیا اور بنی اسرائیل کو اس کے ظلم و ستم سے رہائی ملی اور شہر بیت المقدس از سر نو آباد ہو گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور پھر سو برس کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا تاکہ واضح ہو جائے کہ جو خدا سو برس کے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے وہ سو ہزار برس کے مردہ کو بھی زندہ کر سکتا ہے اس کی قدرت کے لیے کوئی خاص مدت شرط نہیں جس وقت اچھے سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود یا بذریعہ فرشتہ کے پوچھا کہ کتنی دیر ٹھہرا؟ اور اس حالت میں کتنی مدت تک رہا۔ بولے کہ میں اس حالت میں ایک دن رہا یا ایک دن سے کچھ کم اگر جہاں کل اسی وقت آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو ایک دن سے بھی کم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ تم اس حالت میں سو سال ٹھہرے ہو یعنی تم حقیقتہً سو برس تھے۔ سو سال کی موت کے بعد تم نے تم کو اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے یہ طویل مدت خواب میں نہیں گزری اور تم خواب سے بیدار نہیں ہوئے بلکہ موت سے دوبارہ زندہ ہوئے ہو پس اگر تم کو یہ شہد ہو کہ باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے میرے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھو کہ باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے اس میں ذرہ برابر تغیر نہیں آیا حالانکہ کھانے پینے کی چیز میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے اور موسم گرما میں تو صبح کا کھانا شام ہی تک خراب ہو جاتا ہے پس جو خدا کھانے پینے کی چیز کو اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہی خدا تمہارے جسم کو بھی اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کے مقابل اپنی سواری کے گدھے کی طرف نظر کیجئے کہ وہ کل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اس کی ہڈیاں اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہیں کہ ہاتھ لگانے کی بھی تاب

نہیں رکھتیں۔ گدھے کی یہ حالت ایک دن میں نہیں ہو سکتی۔ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے لیے ایک مدت مدید چاہیئے اور اب ہم غنقریب تمہارے سامنے ہی اس مردہ گدھے کو زندہ کریں گے۔ اور دوبارہ اس کو گوشت اور پوست عطا کریں گے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے مردہ کو زندہ ہوتا ہوا دیکھ لو اور ہم نے تم کو سو برس کی موت کے بعد اس بے زندہ کیا تاکہ ہم تم کو تمہارے طعام اور شراب میں اور تمہاری سواری (حمل) میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں اور تمہارے تعجب اور استبعاد ظاہری (اَنی یُحْیِیْ ہٰذِہُ اللّٰہُ بَقْیَہُ مَوْتِہُمَا) کو دور کریں اور تاکہ ہم تم کو لوگوں کے لیے قیامت کی ایک نشانی بنائیں کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اللہ کی قدرت سے مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے اور لوگ جب تم کو دیکھیں تو قیامت کی ایک مجسم دلیل اور برہان سمجھیں اور یقین کریں کہ قیامت میں بھی مردے اسی طرح جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنی ذات کے علاوہ اجزاء موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرو تو اس سرے ہوئے گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ کس طرح ہم اُن کو جھڑتے ہیں اور پھر کس طرح ان پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر کس طرح ان میں جان ڈالتے ہیں اسی طرح وہ گدھا زندہ ہو کر ان کے بندرود کھڑا ہو گیا اور گدھوں کی طرح بولنے لگا۔ پس جب مردہ کا زندہ ہونا مشاہدہ سے ظاہر اور واضح ہو گیا تو یہ اختیار جو جس مسرت میں یہ بولے کہ یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مردہ کے زندہ ہونے کا علم یقین تو پہلے ہی تھا لیکن اس مشاہدہ اور معاینہ کے بعد عین یقین کا درجہ حاصل ہو گیا یعنی مجھ کو پہلے ہی سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پس جس چیز کو پہلے سے جانتا تھا اب اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ اور جو چیز پہلے سے یقینی تھی اب وہ مشاہدہ عینی بن کر سامنے آگئی حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا کرشمہ مجھ کو میری آنکھوں سے دکھا دیا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو چار نشانیاں دکھلائیں۔ دو اُن کی ذات میں اور دو خارجی ۱۱) سو سال مردہ رکھ کر ان کو دوبارہ زندہ کرنا (۲) سو سال تک ان کے جسم کا صحیح سالم محفوظ رہنا۔ حدیث میں ہے۔

ان اللّٰہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کا کھانا حرام کر دیا ہے

اور خارجی دونوں نشانیاں یہ تھیں ایک طعام و شراب کی کہ سو سال میں تغیر نہ آیا جس طرح حضرت عزیرؑ کے جسم مبارک میں کوئی تغیر نہ آیا اور دوسری نشانی ہمارے گدھے کی کہ سرکہ ہڈیوں کا ڈھیر نہ لگ گیا، اس کو دوبارہ زندہ کر کے دکھایا تاکہ کیفیت اجزاء موتی کی معلوم ہو جائے راکب اور مرکوب دونوں سو سال کے بعد زندہ ہوئے۔ حضرت عزیرؑ یہاں سے اُٹھ کر اسی حمل پر سوار ہو کر بیت المقدس واپس ہوئے اور شہر کو آباد پایا اور اپنے محلہ اور گھر پہنچے تو کسی نے نہ پہچانا اس لیے کہ بچے تو بڑھے ہو چکے تھے اور حضرت عزیرؑ علیہ السلام جوان رہے اللہ تعالیٰ نے اُن کی حیات اور جمالی کو محفوظ رکھا۔ پھر

علامتیں دیکھ کر سب نے پہچانا اور یقین کیا کہ یہ عزیز ہمارے باپ ہیں تفصیل کے لیے امام قرطبی کی تفسیر ص ۲۹۴ ج ۳ کو دیکھئے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب! دکھا مجھ کو کیونکر جلا دے گا تو مردے؟

قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُنِي قَال بَلَىٰ وَلَكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا

فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں: لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ

فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑتے پھر ان کو ہلا اپنے ساتھ سے، پھر

اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ اُدْعُهُنَّ

ٹال ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا، پھر ان کو پکار،

يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمَنَّ أَنَّهُ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۲۶

کر آویں تیرے پاس ددڑتے، اور جان لے کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا

قصہ سوم

نیز برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالى: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ

اور اسی گزرنے والے شخص کے قصہ کے مانند حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر کیجئے جس وقت کہ ابراہیم نے

کہا کہ اے پروردگار! آپ مجھ کو یہ دکھا دیجئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں تاکہ مجھ کو معلوم ہو جائے

کہ آپ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے۔ آپ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں آپ جس کیفیت

کیساتھ چاہیں مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں آپ کے زندہ کرنا کی مثلاً بیشمار کیفیاتیں ممکن ہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن مردوں کے زندہ

کر نیکی کیا کیفیت ہوگی اس سے سنی نہیں چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ کس کیفیت کے ساتھ مردے زندہ ہوں گے۔

کیونکہ کیفیت کے ذریعے سے جو سوال کیا جاتا ہے، اگرچہ اکثر وہ بیشتر وہ کیفیت دریافت کرنے کے لیے ہوتا ہے اصل شئی تو یقینی ہوتی ہے فقط کیفیت کی تعیین مطلوب ہوتی ہے لیکن بعض مرتبہ کیفیت کا استعمال انکار اور تعجب کے موقع پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ بوجھ اور وزن اٹھا سکتا ہوں اور تمہارا گمان یہ ہو کہ یہ شخص اس وزن کے اٹھانے سے قاصر ہے تو ایسے موقع پر اس سے یہ کہتے ہو۔

ادنیٰ کیف تحمل هذا بھ کو دکھاؤ کہ تم اس بوجھ کو کس طرح

اٹھاؤ گے۔

اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم نہیں اٹھا سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم اس احتمال کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اس لیے سوال فرمایا اَوَ كُنْتَ تَقْوِيْمُن لِّعِبَادِ اِبْرٰهِيْمَ كَمَا تَم اس پر یقین نہیں رکھتے تاکہ ابراہیم علیہ السلام جب اس سوال کا جواب دیں تو ان کی مراد اور ان کا مقام اور مرتبہ معلوم ہو جائے اور کسی کم عقل کو خلیں اللہ کی مراد کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ پیش آئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا اے پروردگار کیوں نہیں مجھے آپ کے کمال قدرت کا یقین کامل ہے آخر بھ کو بھی تو آپ نے اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے و لیکن یہ درخواست یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں کی بلکہ اس لیے کی ہے تاکہ میرے قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے اس لیے کہ جب یہ مشاہدہ گوشہ اذعان اور ایقان کے ساتھ مل جائے گا تو مزید اطمینان کا موجب ہو گا اور مشاہدہ سے احیاء کی کیفیت بھی متعین ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ خبر مشاہدہ اور معاہدہ کے برابر ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسل علیہ السلام کو کہ وہ طور پر خبر دی کہ آپ کی قوم کو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس اطلاع پانے پر اوارح توراۃ یعنی توریت کی تختیوں کو ہاتھ سے نہیں پھینکا اور جب پھر میں واپس آکر ان کی گو سالہ پرستی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آکر تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کما رواہ احمد والطبرانی بسند صحیح۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ وَ الْفٰی اٰلَکُلُوْا ح

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال شک اور تردد کی بنا پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ اور معاہدہ کے ساتھ خاص اطمینان اور سکون کا حاصل کرنا مقصود تھا کیونکہ جو سکون اور اطمینان مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر اور استدلال سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یعنی تمہیں یقین میں خواہم واللہ اعلم یعنی برآی العین مجھ کو احیاء۔ موتی کی کیفیت دکھا دے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے

وَلٰکِنْ لِلْعِيَانِ لَطِیْفٌ مَعْنٰی لَسَّ سَأَلَ الْمَشَاهِدَ الْخَلِیْلُ

یا درجہ کہ بارگاہِ خداوندی میں اس قسم کا سوال وہی کر سکتا ہے کہ جس کو اُس بارگاہ میں خاص تقرب حاصل ہو جو شش محبت اور مقام اُنس اور مقام ناز اس کو اس عرض دنیا زہد آمادہ کرے۔ باقی

جس شخص کو خدا کی قدرت ہی میں شک اور شبہ ہو اس کا اس بارگاہ عالی میں گورہی ممکن نہیں تو اس
را چہ مجال۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا پس چار پرندے لے لو اور پھر ان کو اپنے نزدیک کر لو یعنی ان
کی صورت پہچان کر اپنے پاس کر لو اور اپنے سے ہلاو تاکہ ان کی خوب شناخت ہو جائے اور وہ بھی
زندہ ہونے کے بعد تم کو پہچان لیں اور تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں۔ بعد ازاں
ان کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت اور پوست کو غلط ملط کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا کر دو
پھر ان کو ملاؤ سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے۔ اس طرح سے تم اپنا اطمینان
کر لو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور زبردست ہے کوئی اس کی مشیت اور ارادہ کو روک
نہیں سکتا یعنی جس طرح خدا تعالیٰ ان جانوروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت و
پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع
کر کے ان میں روح ڈال سکتا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ کوئی اس کے افعال کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔
اس کی حکمت کہ اس نے چار پرندوں کے ذبح کر کے پہاڑوں پر رکھنے کا کیوں حکم دیا اسی کو معلوم ہے کہ
اس میں کیا حکمت ہے۔

فوائد و لطائف

۱۔ یہ قصہ اور گوشتہ قصہ قریب قریب ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں حضرت ابراہیم کے نام کی
تصریح فرمائی اور پہلے قصہ میں گذرے واسطے کا نام نہیں ذکر فرمایا۔ بظاہر وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے
سوال میں ادب کو خاص طور پر ملحوظ رکھا۔ اور گوشتہ سوال آئی یحییٰ ھٰذِیْہِ الْاَنْفُ بَعْدَ مَوْتِھِمْ میں
ایہام اور شبہ۔ نکار اور تعجب کا ہوتا تھا۔ اس لیے ان کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ نیز جواب میں امتحان اور
تجربہ خود ان پر ہوا۔ اور سو سال مردہ رکھنے کے بعد سوال کا جواب دیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو فدیہ جواب دیا گیا۔

۲۔ یہ دونوں واقعے یعنی حضرت عزیر کا واقعہ اور حضرت ابراہیم کا واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ

۱۔ یہ ترجمہ فقہر ھٰنِ اِکْبَل کا ہے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ہم آدم اور ہمارے نزدیک خود
۲۔ وفی الاکیۃ دلیل لمن ذہب الی ان احیاء ملوئی یوم القیامۃ۔ مجموع الاجزاء المتفرقة
وارسال السروح ایہا بعد ترکیبہا و لیس ھو من باب اعادۃ المعدوم الصروح لانہ سمعہ
وتعالیٰ بین الکلیفۃ بالتفریق ثم الجمع واعادۃ السروح ولم یقدم ہنالك سوى الجزء الصوری
والھیئۃ التركیبیۃ دون الاجزاء المادیۃ ۱۲ روح المعانی ص ۲۶ ج ۳۔

قیامت کے دن احیاء موتی اس طرح سے ہوگا کہ اجسام کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ان میں ان کی روح ڈال دی جائے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معاد جسمانی ہوگی نہ کہ فقط روحانی۔ اور جو لوگ معاد جسمانی کے منکر ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے منکر ہیں اور دائرۃ اسلام سے خارج ہیں جیسا کہ امام غزالی نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۔ میزانِ مردوں تقویٰ سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کبھی کبھی بطور غرقِ عبادت اور بطور معجزہ دنیا میں بھی مردوں کو زندہ فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے مزاحمتِ دنیا میں مردوں کا زندہ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی ایک مرتبہ ہاک کر کے دوبارہ زندہ کرنا: **وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلٰنَا جَهَنَّمَ نَارًا فَاَخَذْنَا مِمَّا كَفَرْتُمْ الصَّعِیْرَةَ** **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُ بِعَدِ مَوْتٰی تَكْفُرْ كَفَلْتُمْ تَشْكُرُوْنَ** میں ذکر فرمایا۔

اور علیٰ ہذا بنی اسرائیل کے اُن ہزاروں آدمیوں کا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے مار کر دوبارہ زندہ کرنا اَلَمْ نَرِ الْاٰلِیْنَ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اَلْوَفَّ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا ثُمَّ اَحْيَاہُمْ مِّنْ مَّرَاحَۃٍ ذَکَرُہِے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا وَ اِذْ تَخٰجِی الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ قرآن کریم میں متعدد جگہ مَرَّحَۃً ذَکَرُہِے ۔

مرزا قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دیکھا کہ مسیح بن مریم کی طرح میں تو مردوں کو زندہ کر کے دکھانے سے عاجز ہوں اس لیے اس نے اپنی فرضی نبوت کے قائم رکھنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرامؑ کے اس قسم کے تمام معجزات کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو ایک دفعہ مگر دوبارہ دیا میں بھیجے۔ اگر یہ اللہ کی عام عادت ہوتی تو لوگ قیامت کے منکر نہ ہوتے۔ بیشک اللہ کا یہ عام قانون ہے مگر ناممکن اور محال نہیں۔ حق تعالیٰ بطور اعجاز اور اکرام سمی بھی دنیا میں بھی کسی مردہ کو اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی دعا سے دوبارہ زندہ فرما دیتے ہیں تاکہ خدا کی قدرت اور اس نبی کی نبوت اور قیامت کی حقیقت ثابت ہو جائے۔

معد اور بے دین لوگ جو حضرات انبیاء کے معجزات اور خوارق عادات کے منکر ہیں وہ اس قسم کے واقعات میں طرح طرح کی تحریفات کیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

۴۔ ان چار پرندوں کے نام اگرچہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مگر ابن عباسؓ اور علماء تابعین سے منقول ہے کہ ان کے نام یہ تھے تور اور کبوتر اور سرخ اور کوا اور بعض نے بجائے کوئے کے عذوق کو ذکر کیا ہے۔

انسان چونکہ عناصرِ اربعہ سے مرکب ہے اس لیے عجیب نہیں کہ اس کے مناسب چار پرند مختلف الطباع یعنی کا حکم دیا گیا ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اجزاءِ عنصریہ متفرق اور جدا ہونے کے بعد پھر آپس میں مل جائیں گے اور روحِ ذالِ کُرد زندہ کر دیئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ فَصْنُ هُنَّ اِثْلَثٌ کی جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے کہ چار پرندے لے کر ان کو ذبح کر دو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور چار مختلف پہاڑوں پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو اور پھر ان کو آواز دو بحکم خداوندی سب زندہ ہو کر تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے یہی تفسیر علامہ صاحبہ اور تابعین سے منقول ہے۔ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ اور حکمرہؓ اور ابوالکلت اور ابوالاسودؓ ذولی اور دحبہ بن منبہؓ اور حسن بصریؓ اور سدیؓ وغیرہم سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۲) اور یہی معنی مجاہدؓ اور ابو عبیدہؓ اور ابن ابی باریؓ اور زجاجؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴۰ ج ۲) امام قرطبیؒ نے رازیؒ اس تفسیر کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی تفسیر پر تمام مفسرین کا اجماع ہے اور یہی ظاہر قرآن کا مدلول ہے۔ صرف ایک ابو مسلم اصہبانی سے منقول ہے کہ وہ اس قصہ کا منکر تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قصہ کوئی حقیقت اور واقعہ نہیں بلکہ محض تشبیہ و تمثیل ہے اور مرد یہ ہے کہ چار پرندے لے کر پال لو اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو اور دانہ ڈال کر ان کو پنہ سے ایسا ہلا کر اگر وہ پہاڑ پر بھی بیٹھے ہوں اور تم ان کو آواز دو تو وہ فوراً تمہاری آواز پر دوڑے چلے آئیں۔ اسی طرح لے کر ابراہیمؑ تم لوگوں کو اپنے سے اتنا مانوس بناؤ کہ جب تم ان کو حق کی طرف بلاؤ تو سب دوڑے چلے آئیں۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول، مفسرین کی اجماعی تفسیر کے خلاف ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ وہ پرندے ذبح کیے گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے لہذا ذبح اور قطع سے انکار کرنا اجماع سے انکار کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اگر آیت کا یہ مطلب ہو جو ابو مسلم نے بیان کیا ہے تو پھر احیاء موتی کا کیا معجزہ ظاہر ہو۔ پرندوں کو دانہ ڈال کر اپنے سے ہلا لینا یہ کام تو وہ لوگ بہت زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں جو سرخ اور غیر پالتے ہیں اس میں ابراہیمؑ خلیل اللہؑ کی کیا خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ کی کیا کیفیت ظاہر ہوئی چند جانوروں کو پال لینا اور ہلا لینا اس کا نام احیاء موتی کیسے ہو سکتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ، درخواست کی تھی کہ مجھ کو یہ امر دکھا دیا جائے کہ مردے کس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ ابو مسلم کے قول پر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی حالانکہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا درجہ اجابت کو پہنچی اور ابو مسلم کے قول پر دعا کا اجابت کو پہنچنا نہیں پایا جاتا۔ نیز اس آیت میں تَعْرِىٰ مَجْعَلٍ عَلٰى كُلِّ مَجْعَلٍ مِّنْهُمْ جَزْءًا کا جو لفظ آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان پرندوں کے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ زندہ پرندوں کا ہلا لینا مراد نہیں (تفسیر کبیر ص ۲۶۹ ج ۲) تفسیر نسیا پوری ص ۳۷۰ ج ۲) علامہ آلوسیؒ ابو مسلم کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وَلَا يَخْفٰى اَنْ هٰذَا خِلَافُ اٰجِمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرْبُ مِنَ الْهٰذِيَانِ لَا يَرْكَنُ اِلَيْهِ اَرْبَابُ الْمَدِيْنِ وَعَدْوَلٌ عَمَّا يَقْتَضِيهِ ظَاهِرُ الْاٰيَةِ	اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور ایک قسم کا ہڈیاں اور کبواں ہے جس کی طرف اہل دین بھی مائل نہ ہوں گے۔ نیز
---	--

المؤید بالاحیاء
الصحيحة والا ناس
المراجعة الخ ما
تسجد الاسماع
ولا يدعوا اليه داع
قال حق اتباع الجماعة
و يد الله تعالى معهم
(روح المعاني ص ۲۷۳ ج ۳)

اس معنی پر آیت کے ظاہری مدلول سے بے چہ
عدول اور انحراف کرنا ہے اور اخبار صحیحہ اور
آثار معتبرہ اس ظاہر کی موئد ہیں۔ لہذا ایسے
ظاہر اور صریح کو چھوڑ کر ایسے معنی کی طرف
مائل ہونا جس کے سننے سے بھی کافروں کو گرائی
ہوتی ہے کوئی وجہ نہیں کر سکتا کسی دھرم اور بلا کسی
داعی کے اس معنی کی طرف رجوع کیا جائے۔
لہذا حق یہ ہے کہ جماعت مفسرین نے آیت
کے جو معنی بیان کیے ہیں اسی کا اتباع کیا جائے
اور اللہ کا ہاتھ جماعت کے سر پر ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو اعلیٰ علیہ السلام
حکایت **عَنْ رَبِّكَ نَحْنُ السَّامِعُونَ** پر غم فرمایا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اے ابراہیم تم نے ہم سے
رَبِّ اَدْنِي كَيْفَ تُعْبِدُ الْمُؤْتَىٰ كِي دخواست کی ہم نے اس کو منظور کیا۔ ایک وقت آنے والا ہے
کہ ہم تم سے یہ کہیں گے کہ عِبْد اَرَبِي كَيْفَ تُمْنِتُ اَلْاَحْيَاء اے میرے بندے تو مجھ کو یہ دکھا کہ
تو میرے لیے زندہ کو کس طرح موت دیتا ہے یعنی زندہ بیٹے کو کس طرح میرے لیے قربان کرتا ہے۔
(روح المعانی ص ۲۷۳ ج ۳)

رجوع باحکام صدقات

ابتداء پارہ میں اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ وقت کو غنیمت سمجھیں اور موت اور قیامت کے آنے
سے پیشتر جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر سکیں اُس سے دریغ نہ کریں۔ بعد ازاں اس کے مناسب مہد اور
معاد کے اثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے اب پھر خدا کی راہ میں خرچ کر لے کا ذکر فرماتے ہیں کہ لے
اہل ایمان جب قیامت کا حق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر آخرت کے لیے کوئی توشہ بھی تیار نہ کرو جو قیامت
کے دن تمہیں کام آئے۔ نیز نفس پر آخرت کے لیے خرچ کرنا بہت شاق اور گراں ہوتا ہے۔ اور جب
قیامت اور آخرت کا یقین ہو جائے تو پھر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اس لیے اثبات قیامت اور
آخرت کے بعد عالم آخرت کے لیے سازد سامان تیار کرنے کی ترغیب دی جس کا سلسلہ بعد تک چلا گیا ہے۔

لَقَدْ قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَفَغَفَوْتُمْ مِمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْيَوْمَ الْآخِرَةُ

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ

جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بائیں ہر ماں میں سو

مِائَةِ حَبَّةٍ ط وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ

سو دانے۔ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي

کنٹنش والا ہے سب جانتا جو دگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مِمَّا انْفَقَوْا مَنًّا وَلَا

اللہ کی راہ میں پھر پیچھے خرچ کر کر نہ احسان رکھتے ہیں نہ

أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ستاتے ہیں انہیں کو ہے ثواب ان کا اپنے رب کے ہاں اور نہ ڈر ہے ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ

اور نہ وہ غم کھا دیں گے۔ بات کہنی معقول اور درگزر کرنی

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذَى ط وَاللَّهُ غَنِيٌّ

بہتر اس خیرات سے جس کے پیچھے ستانا ، اور اللہ بے پروا ہے

حَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ

شکل والا اے ایمان والو: مت ضائع کرو اپنی خیرات،

بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ

احسان رکھ کر اور ستا کر ، جیسے وہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ

کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ سو اس کی

کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ

مثال جیسے صاف پتھر، اس پر بڑی ہے مٹی، پھر اس پر برس زدراکامینہ

فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا

تو اس کو کرکھا سخت کچھ ہاتھ لگتی نہیں ان کو اپنی کمائی

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو

فَضِيلَتِ انْفَاقٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذِكْرُ بَعْضِ شُرَاطِ قَبُولِ ﴿۳۸﴾

قال تعالى: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - الْإِنْفَاقُ لَا يَكُونُ فِي الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ هـ
ان آیات میں عالم آخرت کے لیے ساندوسلمان تیار کرنے کی ترغیب کے لیے ایک مثال بیان
فرماتے ہیں جو ضمناً اثباتِ قیامت کی بھی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو ذات پاک زمین میں ایک دانہ ڈالنے
اور سات سو دانے اگلانے پر قادر ہے، وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں جو
لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈال جائے
جو کہ سات بائیس اگلے اور ہر مال میں سودا لے ہوں اسی طرح صدقہ دینے والا بمنزلہ مزارع کے ہے
اور مال بمنزلہ تخم اور دانہ کے ہے، اور سبیل اللہ بمنزلہ زمین زراعت کے ہے جو خدا کی راہ میں مال خرچ
کرے گا۔ اور سات سو گونہ کی کوئی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ بقدر اخلاص اور بقدر نیت و در مشقت کے
جس کے لیے جس قدر چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا ہے اسکی عطا و بخشش کی کوئی حد
اور نہایت نہیں۔ دینے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور اخلاص اور نیت اور اس کی مقدار اور
کیفیت کو بھی خوب جاننے والے ہیں اس کے مطابق بڑھاتے ہیں اور جس طرح پیداوار کے لیے یہ شرط
ہے کہ تخم اور دانہ خراب نہ ہو اور زمین تخم ریزی کے قابل ہو اور آئندہ چل کر بھی کھیتی آفتوں سے محفوظ
اور مامون رہے جب پیداوار ہوگی اسی طرح صدقہ کے لیے یہ شرط ہے کہ مال حلال ہو اور جس راہ میں خرچ

کیا جارہا ہے وہ بھی خیر اور نیکی کی راہ ہو یعنی صحیح ہو اور آئندہ چل کر وہ صدقہ احسان جتانے اور ایذا رسانی کی آفت سے بھی محفوظ اور مامون رہے تب اس صدقہ کا سات سو گونہ بدل ملے گا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ارشاد فرماتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو زبان سے احسان جتانے ہیں اور نہ کسی اپنے عمل اور برتاؤ سے اس کو ایذا پہنچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو ان کے پروردگار کے یہاں صدقہ کا اجر انعاماً مضاعف ملے گا اور ان کو آئندہ ڈر ہے کہ ہمارا صدقہ کسی آفت سادیر سے ہلاک ہو جائے اور نہ قیامت کے دن غلگین ہوں گے کہ ہمارا صدقہ بیکار گیا اس لیے کہ صدقہ کی حقیقی سادہی آفتوں سے تباہ اور برباد نہیں ہوتی۔ بلکہ خرچ کرنے والے کے نفس کی طرف سے جو ”مَن“ اور ”اذی“ اور ”ریاء“ کی آفتیں آتی ہیں ان سے تباہ اور برباد ہوتی ہے۔ اور صدقہ دینے کے بعد مَن اور اذی یعنی احسان جتانے اور ستانے سے اس لیے منع کیا گیا کہ سائل کو معقول اور مناسب طریقہ سے جواب دے دینا در نری کے ساتھ اپنی ناداری اور نہ دینے کا عذر کر دینا اور اگر سائل اصرار کرے اور کچھ سخت اور سُست کہے تو اُس سے در گذر کرنا اس خیرات سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کے بعد ستایا جاوے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے محتاج اور سائل کی تکلیف کو دور کرنا تھا پس جب وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ صدقہ بیکار ہی گیا۔ ایسی سخاوت سے تو بخل بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کو ذیل در حقیر کیا جائے سائل کی ایک تکلیف دور کی اور پھر دوسری تکلیف اُس کو پہنچائی۔ یہ ایسا ہے کہ ایک کا نشانہ کالا اور دوسرا کا نشانہ چھو دیا در اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں ان کو کسی کے مال اور خیرات کی ذرہ برابر حاجت نہیں۔ جو خیرات کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور گردبار اور تحمل والے ہیں۔ احسان جتانے والے اور ستانے والے کو جلدی سزا نہیں دیتے۔ ان آیات میں مَن اور اذی کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں ریا کا بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ کی قبولیت کے لیے اخلاص اور نیت شرط ہے اگر دکھاوے کی نیت سے خرچ کیا تو بیکار ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس پتھر پر دانہ ڈالنے جس پر کچھ مٹی نظر آتی ہو اور ظاہر نظر میں یہ لگان ہو کہ یہ جگہ قابلِ زراعت ہے اور جب اس پر بارش پڑی تو سب بہہ گیا اور کوئی چیز بھی اُس کے قبضہ میں نہ رہی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان دارو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور ایذا پہنچانے سے منالغ مت کر دو۔ احسان جتانے احسان کرنے کے معنی ہیں اور نیکی کرنا اور تکلیف پہنچانا ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ خیرات کر کے احسان جتانے والا اور ایذا پہنچانے والا اس شخص کے مشابہ ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور یومِ آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ذخیرہ کے لیے خیرات نہیں کرتا بلکہ محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے خیرات کرتا ہے جو مومن کی شان نہیں بلکہ منافق کی خصلت ہے پس ریا اور نمود کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے کہ ایک صاف پتھر ہو۔ جس پر کوئی چیز نہیں آگئی اور اس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہو۔ اس کو دیکھ کر اس میں دانہ ڈالے اور یہ لگان کرے کہ اس میں سات دانے

پیدا ہوں گے۔ پھر اس پر ایک سخت بارش پڑی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا اور مٹی اور دانہ کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ ظاہر ہے کہ اب اس میں کیا اگے گا۔ اسی طرح نفاق اور ریاہ صدقہ اور خیرات کو ہمارے لئے جاتا ہے پس قیامت کے دن ریاہ اور نفاق سے خرچ کرنے والے اور خرچ کر کے احسان جتانے والے اور ستانے والے اپنی کئی میں سے کسی چیز کا ثواب حاصل کرنے پر ذرہ برابر قادر نہ ہوں گے۔ کوئی چیز اُن کے ہاتھ نہ لگے گی۔ اس لیے کہ ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ دیا ہو۔ پس جس نے ریاہ اور نفاق سے کچھ خیرات کیا اُس کی مثال تو ایسی ہے کہ جس نے پتھر پر داؤ ڈالا اور بارش اُس کو ہوا کر لے گئی اور جس نے اخلاص سے دیا اور بعد میں احسان جتایا اور ایذا پہنچائی اُس کی مثال ایسی ہے کہ پودا لگایا اور پھر خود ہی اُس کو لپٹے اُتھ سے اکھاڑ پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کا فوٹ کو اپنی توفیق اور عنایت سے سرفراز ہیں فرماتے اشارہ اس طرف ہے کہ ریا اور دکھلاوے کے لیے خرچ کرنا اور احسان جتانا اور ستانا یہ کافروں کی صفات ہیں۔ مومن کی شان نہیں کہ ایسا کرے۔

فائدہ جس طرح نماز کے لیے دو قسم کی شرائط ہیں۔ ایک شرائط صحت جیسے وضو اور طہارت اور دوسری شرائط بقا جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی ذکر سے تو سرے ہی سے نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر وضو اور طہارت کے بعد نماز شروع کی، مگر ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد نماز میں کھانا اور پینا مد بولنا شروع کر دیا تو اس کی نماز باقی نہ رہے گی۔

اسی طرح صدقات اور خیرات کے لیے بھی دو قسم کی شرطیں ہیں۔ ایک شرائط صحت اور دوسری شرائط بقا۔ اخلاص شرط صحت ہے۔ بغیر اخلاص کے صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا۔ لہذا جو صدقہ ریاہ اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت میں معتبر نہیں اور سن اور اذی سے پرہیز شرط بقا ہے یعنی صدقہ اور خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ سائل کو کسی قسم کی ایذا پہنچائی جائے۔ اگر صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا یا ستایا تو وہ صدقہ ضائع اور باطل ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں صدقہ اور خیرات کے مضامین میں سے ہیں جیسے کھانے اور پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح سن اور اذی سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ جو صدقہ نفاق اور ریاہ سے دیا جائے اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے اس صدقہ کو جو سن اور اذی کی وجہ سے باطل ہو اُس کو اس صدقہ کے ساتھ تشبیہ دی جو کہ ریاہ اور نفاق کی وجہ سے باطل ہو اس لیے کہ صدقہ ریاہ اور نفاق ابتداء ہی سے باطل ہے کیونکہ شرط صحت مفقود ہے اور صدقہ سن اور اذی اصل سے صحیح تھا۔ بعد میں سن اور اذی کی وجہ سے باطل ہوا اس لیے کہ شرط بقا کی منتفی ہوئی اب اس تقریر کے بعد معتزلہ کا یہ شبہ کا فور ہو گیا کہ جس طرح کفر اور تہذیب سے تمام اعمال جہاں جاتے ہیں اسی طرح ہر چیز اور ہر معصیت کے ارتکاب سے گزشتہ تمام طاعات جہاں جاتی ہیں اس لیے کہ صدقہ سن اور اذی سے اس لیے باطل ہو کہ صدقہ جو کہ ایک طاعت تھا اس کی شرط بقا

نہیں پائی گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً ہر سیئہ کے ارتکاب سے گزشتہ حسنت بھی جط ہو جائیں۔ درجن آیات اور احادیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ معاصی اور سیئات سے گزشتہ طاعات اور حسنت جط ہو جاتے ہیں اُن کا مطلب یہ نہیں کہ معاصی اور سیئات کے ارتکاب سے گزشتہ طاعات باطل ہو جاتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے اِذَا زَنِی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ۔ یعنی جب بندہ زنا کرتا ہے تو اُس سے ایمان کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ در یہ مطلب نہیں کہ زنا کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءً

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے اللہ کی

مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشِيئًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

خوشی چاہ کر۔ اور اپنا دل ثابت کر جیسے ایک باغ

جَنَّتْ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا

ہے بندی پر، اس پر پڑا مینہ تو مایا اپنا پھل

ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ

دوہا پھر اگر نہ پڑا اُس پر مینہ تو اس بی پڑی اور اللہ

يَمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۶۵﴾

تمہارے کام دیکھتا ہے۔

مثال نفقات مقبولہ

قال تعالى۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءً مَرْضَاتِ اللَّهِ۔ الی۔ وَاللَّهُ يَمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (رابطہ) گزشتہ آیات میں صدقات غیر مقبولہ کی مثال بیان فرمائی۔ اب ان آیات میں صدقات مقبولہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ

کی رضا مندی اور خوشنودی طلب کرنے کے لیے اور دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر یعنی اُن کو یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صدقات پر جزا اور ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور اُن کے دلوں کو یقین اور اطمینان ہے کہ قیامت کے دن اُن کو پورا بدلہ ملے گا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ من صام رمضان ایصاناً واحتساباً بفضلہ ما تقدم من ذنبہ۔

پس ان لوگوں کے صدقات اور خیرات کی مثال اُس باغ کی مانند ہے جو بلندی پر واقع ہو۔ جو دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہو بلند جگہ پر جو درخت ہوتے ہیں وہ دیکھنے میں نہایت اچھے معلوم ہوتے ہیں اور بلند جگہ کی آب و ہوا بھی بہت لطیف ہوتی ہے اور اس پر زور کی بارشیں پڑتی ہیں۔ پس لایا ہو وہ باغ اپنا دونا پھل اور اگر اس باغ کو زور کی بارشیں نہ پہنچے تو شبنم اور اوس ہی اس کو کفایت کرتی ہے۔ کیونکہ زمین عمدہ ہے۔ اور آب و ہوا نہایت لطیف ہے۔ اس لیے تھوڑا پانی بھی اس کے لیے کافی ہوتا ہے بہر حال وہ باغ ایسی عمدہ جگہ پر ہے کہ اُس کو تھوڑا پانی پہنچے یا زیادہ وہ باغ خراب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے کہ وہ ضائع و برباد نہیں ہوتی۔ بقدر اخص اور بقدر نیت اور بقدر اس کے خرچ کے اُس کو ثواب ملے گا زور کی بارشیں سے بہت مال خرچ کرنا مراد ہے اور شبنم اور اوس سے تھوڑا مال خرچ کرنا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں کہ کون اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دیتا ہے اور کون ریا اور نفق سے دیتا ہے اور کون دینے کے بعد احسان جلتا ہے۔ اور عاقل مثال یہ ہے کہ اہل اخلاص کا عمل ضرور نافع اور مفید ہوتا ہے۔ خواہ اہل اخلاص سابقین اور مقررین میں سے ہوں یا اصحابِ حسین میں سے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ اور شعبیؓ اور قتادہؓ اور ابو صالحؓ اور ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ **ف** تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال اُن مومنین کی ہے جو اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں تاکہ اُن کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے یہ معنی ہیں کہ اُن کو دل سے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان

سے یہ ترجمہ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کا ہے جو ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور شعبیؓ اور سدیؓ سے منقول ہے اور اسی کو زجاجؒ نے اختیار کیا ہے ائمہ فہم فی ترمذیؒ ہیں۔ قیل معناه تصدیقاً و یقیناً قال ابن عباسؓ و قال ابن عباسؓ ایضاً قتادہؓ معناه واحتساباً من انفسهم (تفسیر قرطبی ص ۳۱۳) و قال الزجاج تصدیقاً للاسلام و تحقیقاً للبحر من اصل، نفسهم جازمین بان اللہ لا یضیع ثرا بہم فمن علی ہذا لا یبتدر و جز مہم بالثواب ہوا لمراد بالتثبیت۔ تفسیر نسیا بوری ص ۵۲۔ ۳۶۔ و تفسیر کبیر ص ۲۵۳۔ ۲۶۔ اور اسی معنی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۳ مزید تفصیل آئندہ فوائد کے ذیل میں نیکی انشاء اللہ تعالیٰ ہے شاہ ولی اللہؒ سے روایت ہے کہ: حاصل اس مثل آنست کہ عمل اہل اخلاص۔ فائزہ می دہد از سابقین یا شد یا اصحابِ حسین

کی اس خیرات کی کامل جزا عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے۔ من صام رمضان ایما نا واحتمسابا۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ نے یہ روزے فرض کیے ہیں اور احتسابا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ثواب کی توقع اور امید رکھے اور اسی معنی کو ام ابن جریر نے اختیار فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۳ ج ۲)

اس تفسیر پر من انفسہم کا من ابتدا یہ ہے۔ اسی تثبیتا ناشا من نفوسہم یعنی ایسی تصدیق اور ایسا یقین کہ جو ان کے دلوں سے نکلا ہو۔ اس بنا پر ہم نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ (دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر) شاہ ولی اللہ تثبیتا من انفسہم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
”و بسبب اعتقاد ناشی از دل خویش“

(۲) مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ تثبیت سے احتیاط کے معنی مراد ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں
معنا انہم یثبتون این یضعون صدقاتہم۔ یعنی وہ احتیاط کرتے ہیں کہ اپنا صدقہ اور خیرات کس جگہ خرچ کریں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۱۵ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۳ ج ۲)

(۳) اور بعض ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ تثبیتا کے معنی نفس کو مقام عبودیت اور منزل ایمان میں ایسا ثابت قدم بنادینا کہ اُس کے پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہ آئے اور حرص اور طمع اور مال کی محبت اُس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اور من اس تفسیر پر تبیضہ ہے اور تثبیتا کا مفعول ہے یعنی تثبیتا بعض انفسہم اور معنی یہ ہیں کہ جس نے اپنا مال خدا کے لیے خرچ کیا اُس نے اپنے نفس کو ایمان پر جمالیاد اور جس نے جان اور مال دونوں خدا کے لیے خرچ کیے اس نے اپنے سارے نفس کو ایمان پر ثابت اور قائم کر دیا اور اس آیت شریفہ یعنی تَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ میں یہی مراد ہے یعنی کل نفس کو ایمان پر ثابت و ر قائم کر دینا مراد ہے امام فخر الدین لازمی اس وجہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

هذا الوجه ذكره صاحب الكشاف
وهو كلام حسن وتفسير لطيف
اس وجہ کو صاحب کشاف یعنی علامہ زنجیزی
نے ذکر کیا ہے اور یہ کام بہت خوب ہے
اور نہایت لطیف تفسیر ہے۔
(تفسیر کبیر ص ۳۵۳)

أَيُّوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلِ

بھلا خوش گنا ہے تم میں کسی کو؟ کہ ہو دے اس کا ایک باغ کھجور

وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ

اور انگور کا، نیچے اس کے بہتی ہیں ندیاں، اس کو وہاں حاصل



كُلِّ الشَّارِبِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ

سب طرح کامیوہ اور اس پر بڑھاپا پڑا اور اس کے اولاد میں ضعیف ،

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

تب بڑا اس باغ پر گولا جس میں آگ تھی تو وہ جل گیا۔ یوں سمجھا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾

اللہ تم کو آیتیں ، شاید تم دھیان کرو ۔

مثال نفقات و طاعات غیر مقبولہ

قَالَ تَعَالَى - أَيُّ ذَا أَحَدِكُمْ أَنَّ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ - اے ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ

کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک ایسا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا کہ اس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے اس کے بے ہر قسم کے پھل اور میوے ہوں اور اس کو بڑھاپا آپہنچا کہ جس وقت میں چل پھر کر کمانے پر قدرت نہیں رہی اور بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے ضرورت اور لاچارگی بڑھ گئی اور اس کی اولاد میں ضعیف اور ناتواں جو کمانے پر قادر نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ بوڑھے باپ کی خدمت کریں خود محتاج خدمت ہیں۔ یہ وقت باپ کے لیے بڑی پریشانی کا ہے کہ خود بھی عاجز اور مجبور اور بچے بھی کمزور اور ناتواں۔ پس اچانک ایسی حالت میں اس باغ کو ایک گولا آگ ، جس میں آگ تھی۔ پس وہ باغ جل کر خاک ہو گیا۔ اسی طرح قیامت کے دن جو انتہائی ضرورت اور پریشانی کا وقت ہوگا صدقات و خیرات کے وہ تمام باغات جن کو سن اور ذی کا بگور پہنچا جس میں غضب خداوندی کی آگ پنہاں تھی جل کر خاک ہو جائیں گے اور کف افسوس کتا ہوا رہ جائے گا۔ اور تمام میدان پر پانی پھر جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضع فرماتا ہے تاکہ تم فکر کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں۔

حاصل مثال کا یہ ہے کہ احسان جتانے
دائے اور دیار سے صدقہ دینے والے کے اعمال
شدید احتیاج کے وقت ضبط ہو جائیں گے جیسے

حاصل میں مثل آنست کہ عمل متانہ
مراۓ در وقت شدت احتیاج ضبط شود۔
چنانچہ بوستان این شخص در وقت شدت

مسیح ہوخت۔
 اس شخص کا باغ شدید احتیاج کے وقت جل کر
 خاک ہو گیا۔
 یعنی یہ اشار ہے ن رنگوں کی جو احسان رکھ کر اپنی خیریت کو ضائع کرتے ہیں۔ جیسے کسی نے جوانی
 کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں کام آئے اور اس سے میوہ کھائے۔ پس جب بڑھا پا
 اور ضرورت کا وقت آیا تو عین ضرورت کے وقت وہ باغ جل گیا۔
 اسی طرح صدقہ اور خیرات مثل میوہ دار باغ کے ہیں کہ ان کا میوہ آخرت میں کام آتا ہے جب
 کسی کی نیت بُری ہو یا احسان جتانے یا ستانے تو وہ باغ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا میوہ جو کہ
 ثواب ہے وہ کیونکر نصیب ہو؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

سے ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی

كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا

کمان میں سے اور جو ہم نے نکال دیا تم کو زمین میں سے اور نیت

تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ

نہ رکھو گندی چیز پر کہ خرچ کرو اور تم آپ وہ نہ لوگے

إِلَّا أَنْ تَغْيِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

مگر جو آنکھیں موند لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پردا ہے

حَمِيدٌ ۝ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

غریبوں والا۔ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا

بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا۔ دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَ

جس کو سمجھ میں بہت خوبی ملی

مَا يَذْكُرُ إِلَّا أَوْلُوا الْأَلْبَابِ ۚ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ

دہی سمجھیں جن کو عقل ہے ۔ اور جو خرچ کر دے

نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا ۚ وَ

کوئی خیرات یا قبول کر دے کوئی سنت ۔ سو اللہ کو معلوم ہے اور

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۚ إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ

گنہگاروں کا کوئی نہیں مددگار ۔ اگر کھلی دو خیرات تو

فَنِعْمَ هِيَ ۚ وَإِنْ تُخَفُّوْهَا وَتَوْتُوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهِيَ

کیا اچھی بات ، اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۚ وَاللَّهُ

بہتر ہے ۔ اور اتارنا ہے کچھ گناہ تمہارے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ هُدَاهُمْ وَلَكِنْ

تمہارے کام سے دائق ہے ۔ تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا لیکن

اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

اللہ راہ پر لادے جس کو چاہے اور مال جو خرچ کر دے سو

فَلَا أَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ

اپنے واسطے جب تک خرچ کر دے مگر اللہ کی خوشی چاہ کر

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا

اور جو خرچ کر دے خیرات ہوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ

تُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ يَلْفُقَرَاءَ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ

رہے گا دینا ہے ان مفلسوں کو جو انک رسے ہیں اللہ کی راہ

اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

میں چل چہر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءُ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ

بے خبر محظوظ ان کے نہ اگنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

سے نہیں مانگتے لوگوں سے پست کر اور جو خرچ کر دے کام کی چیز وہ

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۶۲﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

اللہ کو معلوم ہے جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

بِالْئِيلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپے اور کھلے تو ان کو ہے مزدوری

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۶۳﴾

ان کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھا دیں گے۔

بیان بقیہ آداب صدقات ذکر مصارف خیر

قَالَ تَعَالَى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَفْنَقُوا مِنْ طَبَقَتِ مَا كَسَبْتُمْ - إِلَى - وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ -

(ربط) اب ان آیات میں ان امور کو بین فرماتے ہیں کہ جن کی صدقہ اور خیرات میں رعایت فردری ہے اور بعد ازاں یہ بیان فرماتے ہیں کہ کن لوگوں کو صدقہ دینا جائز ہے اور صدقہ اور خیرات کے اصل مستحق کون لوگ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

لِأَيِّمَانِ دُلُوا، اِيْمَانِ كَاتَمَتْنِي، اِيْهَ كَبُوْجِيْزَتْمُ نَمُ اِيْهِيْ تِجَارَتِ يَاصْنَعَتِ دَحْرَفَتِ سَمُ كَمَاتِيْ هَمُ۔

اس میں سے پاکیزہ یعنی حلال اور عمدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور علیٰ ہذا ہم نے جو چیز تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اس میں سے بھی پاکیزہ اور عمدہ ہی چیز خرچ کرو۔ اور خراب اور گندی چیز کا ارادہ بھی نہ کرو اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ خدا کی راہ میں خبیث اور ناپاک مال خرچ کا ارادہ اور نیت بھی گستاخی ہے البتہ اگر بلا قصد اور بلا ارادہ تمہاری غیرت میں کوئی خراب چیز مل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ حالانکہ تمہارا دل یہ ہے کہ اگر تمہارا حق کسی کے ذمہ چاہتا ہو درودہ تم کو کوئی خراب چیز دینے لگے تو اس خراب کو لینے دے نہیں مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی کرو۔ پس جبکہ تم اپنے حقوق میں خراب چیز مینا پسند نہیں کرتے تو خدا کی راہ میں خراب چیز دینے کو کیسے پسند کرتے ہو اور تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمہارا یہ چشم پوشی کرنا حاجت اور ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو سبے نیاز اور بے پروا ہے۔ اسے تو پسندیدہ اور پاکیزہ کی بھی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی خوبیوں والا ہے۔ خوب سے خوب کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔

شیطان کبھی تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے کہ اگر تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے یا عمدہ مال خیرات کرو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے۔ اگر دینا ہی ہے تو خراب اور ردی چیزیں خیرات کرو اور کبھی شیطان تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے کہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یا ربا اور دھوکا دے کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے خرچ کرنے پر اور خصوصاً پاکیزہ کمائی سے خرچ کرنے پر اپنی جانب سے بخشش اور فضل اور احسان کا وعدہ کرتا ہے۔ یعنی جو شے ہماری راہ میں خرچ کرو گے اس پر ہم تمہاری مغفرت کریں گے اور دنیا اور آخرت میں اس سے کہیں زائد اضعافاً مضاعفہ تم کو عطا کریں گے جو تمہارے درہم و گمان سے بھی کہیں بالا اور برتر ہو گا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا أَكْفَأُنَا مِن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الْمُتَرَكِّينَ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشائش والا ہے۔ اس کے خزانہ میں کوئی کمی اور تنگی نہیں۔ اور بڑا دانا ہے۔ تمہارے اخلاص اور نیت کے بمقدار انعام دے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو حکمت اور دانائی یعنی صحیح فہم عطا فرماتے ہیں۔ جس سے وہ القادر رحمانی اور خیالی شیطانی میں فرق کرنے لگتا ہے۔ مثلاً جب اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا۔ تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ دوسرا شیطانی ہے۔ شیطان مجھ کو خیرات سے روکنا چاہتا ہے اور جب یہ خیال آتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور دنیا میں خرچ کیا ہوا آخرت میں کام آئے گا اور خدا کی راہ میں دینے سے کمی نہیں آتی تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ القادر رحمانی ہے باقی ایسا صدقہ اور خیرات کہ جس سے ظاہر اسباب میں یقیناً یا بظن غالب مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے خود ایسے مدقات اور تبرعات کو ممنوع قرار دیا ہے۔ البتہ بخیلانہ خیال است اور دوسو سوں کے اتباع سے منع کیا ہے آج کل کے متمہل بخیلوں نے اپنے بخل کا نام "اقتصاد" رکھ لیا ہے تاکہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا بہانہ بن جائے اور جس کو من جانب اللہ حکمت اور دانائی عنایت ہو گئی۔ بلاشبہ اس کو بڑی خیر اور بھلائی ملی گئی۔ اس لیے کہ دنیا اور آخرت کے سب کام حکمت اور دانائی سے درست و درحیک ہوتے ہیں اور ہمیں نصیحت قبول

کرتے مگر وہی لوگ جو خاص عقل والے ہیں۔ یعنی جن کی عقلیں وہموں اور شیطانوں و وسوسوں اور نفسانی خطرات سے محفوظ اور مومن ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی خواہشوں کو اللہ کی اطاعت اور رضامندی میں فنا کر چکے ہیں اور جو کچھ تم خرچ کر دگے تھوڑا ہو یا بہت، پوشیدہ ہو یا ظاہر، حق میں یا باطل میں۔ یا کوئی منت اور نذرناں دے گئے تو اللہ تعالیٰ اس کو غوب جانتا ہے اس کے موافق تم کو جزا دے گا۔ اور ظالم اور ستمگاریوں کے لیے کہ جو اپنا مال نہ زراہ موسلے میں خرچ کرتے ہیں اور نہ اپنی فتنیں پوری کرتے ہیں یا دکھلاوے اور معصیت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب الہی سے بچا سکے۔

ف یہاں تک صدقہ کے آداب اور شرائط کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں یہ بیان دیا ہے کہ صدقہ علانیہ بہتر ہے یا پوشیدہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اگر تم اپنے صدقات اور خیرات کو ظاہر کر دینے سب کے سامنے دو لیکن قصد دکھلانے کا نہ ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ تمہارا یہ نیک عمل دیکھ کر دوسرے بھی اتباع کریں گے۔ اور نیک دل لوگ تمہاری اس سخاوت کو دیکھ کر تمہارے لیے دعا کریں گے کہ اے اللہ ایسے سخی کو زندہ رکھ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے۔ نیز دوسرے مستحقین کو جب تمہاری اعانت اور امداد کا علم ہو تو وہ بھی تمہارے وجود اور جود کو اپنے لیے سہارا سمجھیں گے اور تمہارے لیے دعا کریں گے۔ اور اگر تم اپنے صدقات کو چھپاؤ اور پوشیدہ طور پر فقیروں کو دے دو تو وہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ تمہارا صدقہ ریا اور نمود سے محفوظ رہا۔ اور غیر مذمت اور شرمندگی سے محفوظ رہا اور چونکہ تم نے پوشیدہ دے کر فقیروں کی پردہ پوشی کی اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اس پوشیدہ صدقہ کے صلہ میں تمہارے کچھ گناہوں اور برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ اور واقف ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ کا اظہار اور اخفا دونوں ہی بہتر ہیں مگر صدقہ کا اخفا بہت بہتر ہے۔ اہمہ بعض حالات میں صدقہ کا اظہار زیادہ نافع ہوتا ہے یہ عارضی امر ہے۔

بن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کو مکروہ سمجھ کر اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو آپؐ نے ان کو اجازت دی اور اس بارہ میں یہ آئندہ آیت نازل ہوئی یعنی کَيْسَ عَيْنِكَ هَذَا هُمْ نَارُ هُوَ النَّسَافُ طِبْرَانِي وَ بَزَار وَ غَيْرُهُ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ تم اپنے ہی دین کے لوگوں کو صدقہ دیا کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا راہ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں۔ جس کے لیے آپ اتنا اہتمام کریں اور یہ خیال کریں کہ شاید اس تدبیر سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور لیکن اللہ ہی راہ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ بھی تم خرچ کر دگے تو وہ تمہارے ہی نفع کے لیے ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ مسلمان کو ملے یا کافر کو صدقہ اور انسانی ہمدردی کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔

اور تم خود خدا کے۔ ایسے مخلص ہو کہ کوئی چیز بھی فروغ نہیں کرتے مگر محض اللہ کی رضا مندی اور غرضوں کی کے لیے اور جو مال بھی تم خدا کی رضا مندی کے لیے خرچ کر دو گے اس کا پورا پورا اجر تم تک پہنچا دیا جائے گا۔ اور تمہارے اجر میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔ لہذا اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ اور خیرات مسلمان ہی کو ملے اور کافر کو نہ ملے شیخ سعدیؒ کا ارشاد ہے جو گویا اس آیت کی تفسیر ہے

گر آدمی برد بيش آتش سجود تو واپس چرامی کشی دست بخود

ایک عالم بڑی خیرات کیا کرتے تھے اور کوئی پوچھتا تو قسم کھاتے کہ خدا کی قسم میں **حکایت** نے کسی کے ساتھ کوئی خیر نہیں کی۔ کسی نے اس عالم سے دریافت کیا کہ آپ خیرات کرتے ہیں اور پھر یہ قسم کھاتے ہیں تو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں کسی کے ساتھ خیر نہیں کرتا۔ جو خیر کرتا ہوں وہ اپنے ہی لیے کرتا ہوں اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدُكُمْ یعنی تم جو بھی خیر کرتے ہو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتے ہو۔

ان آیات میں صدقات نافذہ در عام خیرات کا بیان ہے اور نفلی صدقہ اور خیرات **فائدہ** دینا کافر کو بھی جائز ہے۔ البتہ زکوٰۃ سوائے مسلمان کے کسی اور کو دینا جائز نہیں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو من کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ فرمایا کہ وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور جب اسلام قبول کر لیں تو ان کو یہ بتا دینا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو انہی مسلمان امیروں سے لے جائے گی اور انہی کے غریبوں کو دی جائے گی۔ پس جس طرح زکوٰۃ مسلمانوں ہی کے امیروں پر فرض ہے اسی طرح ان سے لے کر مسلمان فقیروں ہی پر تقسیم کی جائے گی۔ کافر فقیروں پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ صدقہ اور خیرات مومن کے ساتھ مخصوص نہیں کافر کو بھی خیرات دینا جائز ہے اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ صدقات اور خیرات کے کون کون لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ صدقات کا اصل استحقاق۔ ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں مقید اور پابند ہیں۔ یعنی دین کی خدمت اور علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری اور باطنی دشمنوں کے جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے جس طرح کافروں کی گردن کٹی کے لیے جہاد و قتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کے لیے مجاہدات اور ریاضات بھی عظیم ترین عبادت ہے۔ حدیث میں ہے المجاہد من جاهد نفسه اور ایک ضعیف روایت میں جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے جیسے اصحاب صفہ تجارت اور زراعت کو چھوڑ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب جو ایک صفہ (چوڑا اور سائبان تھا) وہاں لیل و نہار بسر کرتے تھے تاکہ حضور کی صحبت میں علم سیکھیں اور جب جہاد کا موقع آئے تو جہاد میں جائیں۔ غرض یہ کہ صدقات کے اصل

مستحق وہ فقراء اور حاجت مند لوگ ہیں کہ جو علوم دینیہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور علم اور جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے ملک میں تجارت اور مزدوری کے لیے چل پھر نہیں سکتے اس لیے کہ ایک آدمی سے دو کام نہیں ہو سکتے۔

ف مسلمانوں کو چاہیے کہ صدقات اور غیرات میں ان حاجت مند طالب علموں کا خاص طور پر خیال رکھیں جو علم دین کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں اگر دنیا میں یہ گروہ نہ رہے تو دنیا سے عمم دین اور دین سب رخصت ہو جائے اور لوگ بے دین اور گمراہ ہو جائیں اس لیے کہ کسی چیز کا باقی رہنا اس شے کے علم کے باقی رہنے پر موقوف ہے۔ طب جہانی کی اگر تعلیم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی درس گاہ ہو تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا بیماریوں سے پُر ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی یعنی علم دین کی کوئی درس گاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر اور الحاد اور معصیت کے روحانی بیماروں سے بھری ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ہوگا یعنی ایمان اور کفر اور اطاعت اور معصیت کا فرق بتلانے والا کوئی نہ ملے گا۔ باقی جو شخص کفر اور معصیت کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو اس سے ہمارا خطاب نہیں اور انجان آدمی جو ان کے حال سے ناواقف اور بے خبر ہے وہ نا کو نہ مانگنے کی وجہ سے مالدار اور دولت مند سمجھتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ اس لیے عام طور پر ان کی طبیعت

کا علم نہیں ہوتا البتہ تم ان کی حاجت اور تنگی کو کسی وقت ان کے چہرے کی حالت اور قیاد سے پہچان سکتے ہو اس لیے کہ بعض مرتبہ بھوک اور تنگی کے باعث چہرہ پر پڑمردگی اور بدن پر لباس شکستہ ہوتا ہے اس لیے ان کی تنگی کا علم ہو جاتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے اول تو یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے اور اگر شاذ و نادر کبھی مجبور ہو کر سوال کرتے ہیں تو لوگوں سے پھٹ کر نہیں مانگتے یعنی کسی کے سر نہیں ہوتے اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ وہ لوگ سوالی ہو لیا بے سوالی ان کی حاجت اور تنگی کم ہو یا زیادہ تو اللہ تعالیٰ تم کو بقدر استحقاق کے اس کی جزا دے گا اس لیے کہ اس کو تمہاری نیت خوب معلوم ہے۔

غلام کلام یہ کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کسی زمان اور مکان اور وقت اور مال کی قید نہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں جس میں مستحق کا پورا پورا نہیں چل سکتا یا دن میں جس میں ربا کا اندیشہ ہے اور علیٰ ہذا نہ کسی حال کی تخصیص ہے ظاہر خرچ کریں یا تو پوشیدہ پس ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے ہر درگاہ کے یہاں جس ہر درگاہ نے ان کے صدقات کی تربیت کی ہے اور ان کو بڑھایا ہے اور نہ ان پر کوئی خوف و خطر ہے اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے بلکہ صدقات کے انعامات کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش خدا کی راہ میں سارا ہی گھر لٹا دیا ہوتا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ انھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے

الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

جس کے حواس کھو دیئے جن نے پٹ کر یہ اس واسطے کہ

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

انہوں نے کہا سود کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا سود لینا، اور اللہ نے حلال کیا

وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ

سود اور حرام کیا سود۔ پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی اور

فَأْتَتْهُ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ

بار آیا تو اس کا ہے جو آگے ہو چکا اور اس کا حکم اللہ کے اختیار اور جو

عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

کوئی پھر کرے وہی ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا

كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کسی ناشکر گنہگار کو جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیئے،

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

اور قائم رکھی نماز اور دی زکوٰۃ ان کو ہے بدلہ ان کا

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا

پنے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غم کھائیں گے۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۸۸﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

اگر تم کو یقین ہے ۔ پھر اگر نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ

يَحْرِبُ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر تو بہ کرتے ہو تو تم

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸۹﴾ وَ

کو پہنچتے ہیں صل ماں تمہارے نہ تم کسی پر ظلم کرو ورنہ کوئی تم بدلہ

إِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ

اگر ایک شخص ہے تنگی والا تو فرصت دینی چاہیئے جب تک کٹناش پاوے اور

تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۹۰﴾ وَاتَّقُوا

اگر خیرت کرو تو تمہارا بھلا ہے اگر تم کو سمجھ ہو اور ڈرتے

يَوْمًا تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ

رہو اس دن سے جس میں اٹے جاؤ گے اللہ کے پاس پھر پورا ملے گا ہر شخص کو

مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۹۱﴾

جو اس نے کمایا ورنہ ظلم نہ ہو گا ۔

احکامِ ربا (سود)

قَالَ تَعَالَى: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَلْفًا وَ... وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں خیرات اور صدقات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں سود کے احکام ذکر فرماتے ہیں جو کہ صدقات اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے اخلاق و مروت اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں ترقی ہوتی ہے اور سود میں سراسر بے مروتی اور ضرر رسانی ہے۔ صدقہ اور خیرت میں صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد ہوتی ہے اور سود میں سخت دلی اور غریبوں

پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس لیے صدقہ کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور حرمت کا بیان نہایت مناسب ہوا تاکہ سود کی مذمت اور حرمت سے صدقہ کی فضیلت اور بخت ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ جس درجہ سود میں بُرائی ہے اسی درجہ خیرات میں بھلائی ہے۔ ایک ضد کی قہاحت سے دوسری ضد کا حسن و جہاں واضح ہوتا ہے۔ نیز صدقہ سے مال ظاہر میں گھٹتا ہے اور حقیقت میں بڑھتا ہے۔ اور سود میں مال ظاہر میں تو بڑھتا ہے اور حقیقت میں گھٹتا ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صدقہ کر لے، لوں کا حال بیان فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں ان کو خیرات کا عوض اور ثواب ملے گا اور آخرت میں ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔ اب آئندہ آیات میں سود خواروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ وہ قبروں سے مدہوش اور وحشت زدہ اٹھیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے حلال اور حرام کو یکساں کر دیا اور سود اور خرید و فروخت کو برابر سمجھا اور ظاہر ہے کہ حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو یکساں کر دینا مخطوط الحواس آدمی کا کام ہے اس لیے سود خواروں کی سزا یہ تجویز ہوئی کہ قیامت کے دن قبروں سے آسیب زدہ اور مجنوں کی طرح اٹھیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو جنات نے جھٹل اور بدحواس بنا دیا ہو لپٹ کر سود خوار مال کے عشق اور غیبت میں گرفتار رہا اور اسی غیبت اور خیال میں مرا اور اسی غیبت کی حالت میں اس کا حشر ہو گا یہ سزا اس لیے تجویز ہوئی کہ یہ سود خوار حلال اور حرام کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور سود کے حلال کرنے کے لیے استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ بیع یعنی خرید و فروخت اور سود اگر ہی بھی تو مثل سود کے ہے جس طرح بیع میں زیادتی اور نفع ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی زیادتی اور نفع ہوتا ہے دونوں میں فرق نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ بیع تو جائز ہو اور سود حرام ہو۔

اصل کلام اس طرح تھا کہ اَنْعَمَ السَّبِيحُ مِثْلُ الْبَيْعِ یعنی سود مثل سود اگر ہی کے ہے **ف** لیکن کفار نے حرمت ربوہ کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لیے اصل کلام کا عکس کر دیا۔ اور یہ کہا اَنْعَمَ الْبَيْعُ مِثْلُ السَّبِيحِ یعنی بیع مثل سود کے ہے گویا کہ صحت یعنی حلال ہونے میں سود اصل ہے اور بیع حلال ہونے میں مثل سود کے ہے گویا کہ صحت یعنی حلال ہونے میں سود کے مشابہ ہے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے فقط اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے۔ دونوں کو حلال سمجھ لیا حالانکہ بیع اور ربوہ میں بڑا فرق ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدير کوئی فرق بھی نہ ہوتا تو فرق کے لیے اتنا کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالک مطلق اور ہاکم مطلق ہے اس نے بیع اور تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے اور جب حق تعالیٰ مالک مطلق ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ کسی کو دریافت کرنے کا بھی حق نہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا فَعَلَ دُكُّهُ يَوْمَ يُسْئَلُونَ۔ دوست سلطان آں چہ خبر ہر آں کند

بیع اور سود میں فرق

بیع میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ مال کے مقابلہ اور عوض میں ہوتی ہے۔ اور سود میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ بلا عوض کے ہوتی ہے۔ مثلاً کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم میں فروخت کیا تو یہ دونوں درہم کپڑے کے عوض اور مقابلہ سمجھے جائیں گے۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو ایک درہم تو ایک درہم کے مقابلہ میں ہو جائے گا اور دوسرا درہم بلا عوض اور کسی مقابلہ کے ہوگا، کیونکہ سب درہم ایک جنس ہیں اور کپڑا اور درہم علیحدہ علیحدہ قسم ہیں۔ ہر ایک کا نفع اور ہر ایک کی غرض بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ پس لیے کپڑے اور درہم میں فی نفسہ موازنہ اور مقابلہ ناممکن درمیان ہے۔ خرید و فروخت میں مقابلہ حاجت اور ضرورت اور رغبت کا ہوتا ہے۔ کسی کی ضرورت اور رغبت کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس روپیہ کا کپڑا اس کی نظر میں کچھ نہیں ہوتا، اور کسی کو ایک کپڑے کی جس کی قیمت بازار میں ایک درہم ہے اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس درہم کی اس کو اتنی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا اگر ایسی صورت میں کوئی ایک درہم کے کپڑے کو ایک ہزار درہم میں بھی خریدے تو وہ سود نہ ہوگا یعنی یہ نفع خالی از عوض نہ ہوگا کیونکہ کپڑے اور روپیہ میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات ممکن نہیں اس لیے کہ جنس مختلف ہے لہذا معیار و پیمانہ اپنی اپنی ضرورت اور رغبت ہوگی۔ اور ضرورتوں اور رغبتوں میں بے انتہا تفاوت ہے پس اگر ایک روپیہ کی قیمت کا کپڑا دس روپیہ میں فروخت کیا تو مجموع قیمت کا مجموع مال سے مقابلہ کیا جائے گا، جزا کا جزا سے مقابلہ نہ ہوگا۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو یہاں مقابلہ مجموعہ کا مجموعہ سے نہ ہوگا بلکہ جزا کا جزا سے مقابلہ ہوگا۔ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اجزاء میں مساوات و موازنہ ممکن ہے۔ لہذا ایک درہم ایک درہم کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا درہم خالی از عوض ہو کر سود ہو جائے گا جس کو شریعت نے حرم کیا ہے۔ بیع میں قابل معاوضہ چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے اور با اصل قرض پر کچھ زیادہ لینے کہتے ہیں جو مہلت اور تاخیر وقت کے عوض میں زیادتی کی جاتی ہے اور تاخیر وقت اور مہلت نہ علقاً کوئی ماں ہے اور نہ عرفاً کوئی ایسی چیز ہے کہ جس پر قبضہ کیا جاسکے اور عوض اور مقابلہ بن سکے اور جو چیز بلا عوض و بدلہ حاصل کی جائے وہ باطل اور ناحق ہے۔ پس جس شخص نے بیع اور سود کو برابر قرار دیا اور اس نے مقابلہ و معاوضہ میں ضبط اور بدحواسی سے کام لیا اس لیے اس کا، نجوم یہ ہو کہ سود خوار قبر سے دیوانہ اور مغبولہ الحاس بنا کر اٹھایا جائے گا۔ ہر عمل کی جزا اس کے مناسب ہوتی ہے۔

اسلئے یہ تمام تر قوال مردہ کی کلام کی تشریح ہے جس کو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ص ۳۶۲ جلد دوم میں ذکر کیا ہے۔

سود خوار کے استدلال کی ایک مثال | سود خوار کا اپنے استدلال میں یہ کہنا کہ جس طرح بیع میں نفع اور زیاتی ہوتی ہے اسی طرح سود میں بھی نفع اور زیاتی ہوتی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں اس استدلال کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ جیسے یوی عورت ہے اسی طرح ماں بھی عورت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یوی تو حلال ہے اور ماں حرام ہے۔

یاریوں کہے کرتا بھی بکری کی طرح ایک جانور ہے کیا وجہ ہے کہ ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے؟ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربانسیئہ۔ اور ایک ربا الفضل۔ ربانسیئہ تو وہ سود ہے جو قرض اور ادھار میں ہو۔ زمانہ جاہلیت میں اسی قسم کا ربو شائع تھا۔ وہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کو معین میعاد پر قرض دیتا اور اس پر کچھ ماہوار مقرر کر دیتا۔ پھر جب میعاد معین پر وہ ربا یہ ادا نہ ہوتا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر اس کو ہملت دے دیتا اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگانا یہاں تک کہ سود اصل قرض سے اخلاقاً مضاعفہ دو چند و سہ چند اور چہار چند ہو جاتا۔ اور ربا الفضل وہ سود ہے کہ جو ایک جنس کی چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ مبادلہ کرنے میں ہو۔ مثلاً ایک سیر گہوں کو ڈیڑھ سیر گہوں کے معاوضہ میں فروخت کیا جائے۔ یہ ربا الفضل ہے۔

آیت قرآنی کا اصل نزول باجماع مفسرین ربا کی قسم اول میں ہوا۔ مگر آیت اپنے عموم کی وجہ سے ربا کی قسم ثانی کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ جس کی تفصیل احادیث متواترہ سے معلوم ہوئی۔ اور مزید تفصیل اقوال صحابہ و تابعین سے معلوم ہوئی۔ اور احادیث میں ربا کی جس قدر صد تین مذکور ہیں آیت قرآنی اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہے۔

سود کے حرام ہونے کی وجہ | تمام عقلمدار کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت مند کی اعانت اور امداد عین شریعت اور کمال انسانیت ہے اور غریب اور فقیر کی ضرورت اور حاجت کو تحصیلِ زرا اور حصولِ منفعت کا ذریعہ بنانا کمالِ دنارت اور غایتِ خست ہے۔ سوائے بخیلوں اور خود غرضوں کے کسی کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں۔

(۱) سود خوار بلا کسی عوض کے اپنے روپیہ سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب اصل روپیہ بعینہ اور بتمامہ واپس آ گیا تو یہ زائد روپیہ کس چیز کا معاوضہ ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہ معاوضہ اس مہلت اور تاخیر کا ہے کہ جو قرض خواہ کی طرف سے مقرض کو ملی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ اور مدت کوئی مال نہیں کہ جس کے معاوضہ میں روپیہ لیا جائے۔

(۲) نیز سود آدمی کو بے رحم بنا دیتا ہے اور بے ایمانی اور فریب دہی کے عجیب عجیب طریقے اس کے نفس میں افکار کرتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو آدمیت سے خارج کر دیتا ہے۔

(۳) نیز سود سے ملک کی ترقی پر اثر پڑتا ہے اس لیے کہ جب مال دار سود کے ذریعہ سے اپنا

ماں بڑھائیں گے تو تجارت اور زراعت اور صنعت اور حرفت پر روپیہ نہیں لگائیں گے جس پر ملک کی ترقی کا مدد ہے۔ اس شخص کو بلا مشقت اور بلا محنت اگرچہ فائدہ ہو جائے گا مگر یہ فائدہ انفرادی اور شخصی ہوگا اجتماعی نہ ہوگا۔

(۴) سود خواری سے صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی اور سروت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۵) سود خواری کی وجہ سے دل اور دنیا کی محبت قلب میں اس درجہ راسخ ہو جاتی ہے کہ طبع اور حرص اس کو برعیب اور معصیت سے اندھا بنا دیتی ہے۔
(۶) نیز تجارت کا دار و مدار باہمی رضامندی پر ہے کما قال تعالیٰ اَلَا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً مِّنْ تَوْضِیْئِکُمْ اور اسی رضامندی کی تکمیل کے لیے شریعت نے خرید و فروخت میں خیاریعیب اور خیاری شرط در خیاری ذیت کو مشروع کیا۔

تجارت میں جو شخص مثلاً غنہ خریدتا ہے تو وہ اپنے کھانے کے لیے یا کاشت کے لیے یا فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے اور یہ سب حقیقی منافع اور واقعی فوائد ہیں جن کے حصول کے لیے روپیہ خرچ کیا جاتا اور بائع اور مشتری کے اختیار اور اُن کی رضا و رغبت سے یہ معاملہ ہوتا ہے اور سود کا جو بھی معاملہ ہوتا ہے وہ مجبوری اور ناگوری کے ساتھ ہوتا ہے جو شخص بھی سو روپیہ لے کر ایک سو دس دینے کا معاملہ کرتا ہے وہ ہرگز ہرگز خوشی سے نہیں کرتا بلکہ مجبوراً اور لاچار ہو کر بصد تلخی و ناگوری کرتا ہے اور دل سے یقین رکھتا ہے کہ اس سودی معاملہ سے مجھ کو حقیقی اور واقعی فوائد حاصل نہیں ہوئے آئندہ کے موہوم منافع کی امید پر سودی قرض لیتا ہے عرض یہ کہ سود خواری انسانی ہمدردی اور قریب کے بھی خلاف ہے اور صحت عامہ کے بھی خلاف ہے اور اصول تجارت کے بھی خلاف ہے کہ معاملہ کی بنا مجبوری اور لاچاری و تلخی اور ناگوری پر ہے اس معاملہ میں دل بجائے شادمانی کے پریشانی محسوس کرتا ہے اور اس سودی قرض کو اپنی گردن پر ایک بوجھ سمجھتا ہے اور اس کے اظہار سے شرماتا ہے اور خیر میں پھنستا ہے اور اجتماع تمدن کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور روحانی اور اخلاقی مفاسد کا ذریعہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں نہایت سخت اور باطل ہی ناقابل درگزر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ربا کو حرام کیا جو کماں ترحم اور کمال مصلحت پر مبنی ہے۔

(۷) نیز سودی کاروبار حکمت کے خلاف ہے اور درہم و دینار کے اصل وضع کے منافی ہے اس بارہ میں ہم امام غزالی قدس سرہ کے کلام معرفت التیام کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو غایت درجہ لطیف اور لذیذ ہے۔

امام غزالی حیار العلوم کی کتاب الشکر ص ۴۲ میں فرماتے ہیں کہ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ روپیہ کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا جائے اور روپیہ کی روپیہ سے تجارت کرنا اس کی اصل وضع کے خلاف ہے اس لیے کہ درہم و دینار (سونا و چاندی) مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات زندگی کے حصول کا

دریہ اور وسیلہ ہیں۔ اور وسیلہ اور غیر مقصود کو اس کی حد سے نکال کر اس کو مقصود بالذات تک پہنچانا یہ سراسر اس کی وضع کے خلاف ہے جب روپیہ کی روپیہ سے تجارت ہونے لگے تو وسیلہ وسیلہ نہ رہا بلکہ مقصود بن گیا سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں فقط سونے اور چاندی سے انسان کی زندگی نہیں گذر سکتی جب تک سونے اور چاندی کو کھالے اور پیٹنے اور رہنے پہنے کا ذریعہ نہ بنائے محض سونے اور چاندی سے دنیا کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ سونا اور چاندی اپنی ذات سے ایک قسم کے پتھر ہیں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ملہ سے سونے اور چاندی کو ایک میزان (توزن) بنایا ہے۔ جس سے اشیاء عامہ کی قیمتوں کا وزن ہوتا ہے اور یہ سونا اور چاندی خدا کی پیدا کردہ عجیب تر و ہے جو شخص اس کا مالک ہو گیا وہ دراصل سب چیزوں کا مالک ہو گیا جو چاہے وہ سونے اور چاندی کے ذریعہ خرید سکتا ہے کپڑے سے کھانے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی اور کھانے سے کپڑے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی مگر روپیہ سے ہر قسم کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے مگر ایاں ہمہ محض سونے اور چاندی کی ذات سے نہ بھوک اور پیاس دفع ہو سکتی ہے اور نہ سردی اور گرمی دور ہو سکتی ہے معلوم ہوا کہ سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات مقصودہ کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں درہم و دینار۔ نحویں کے حرف کی طرح ہیں کہ معنی فی نفسہ کے یہ وضع نہیں ہوتے بلکہ معنی فی غیرہ کے لیے وضع ہوئے ہیں۔ آئندہ کی طرح ہیں کہ جس طرح آئندہ دوسری اشیاء کے اوان (رنگتوں) کے دیکھنے کا آدھ ہے خود مقصود نہیں اسی طرح درہم و دینار اشیاء عامہ کی قیمتوں اور سرتوں کے اندازہ کرنے کا ایک آدھ ہے خود مقصود نہیں سونا اور چاندی ظاہر میں سب کچھ ہے مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کا ٹکڑا اور پھٹے ہوئے کپڑے کا چیتھڑا کام دے جاتا ہے مگر سونے کا ٹکڑا کام نہیں دیتا تندرستی میں غذا مقصود ہے اور بیماری میں دوا مقصود ہے اور سونا اور چاندی اس مقصود کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی کو حاصل کر دے۔ پس جس شخص نے روپیہ کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا اُس نے اُس کی اصل وضع کے بالکل خلاف کیا اور بڑا ہی ظلم کیا۔ اور کسی شئی کو بے عمل رکھنا اور خلاف وضع استعمال کرنے ہی کا نام ظلم ہے دیکھو جہاں العلوم کتاب الشکر ص ۴۹ اور دیکھو اشعار شریح اعیان المعادۃ الزمیدی، ص ۶۳ تا ۶۴ ص ۹۴

سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سود تمام شریعتوں اور آسمانی دینوں میں حرام رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود کی مذمت میں یہ فرمایا ہے وَ آخِذْهُمْ اَلْسِنُوبَا وَ قَدْ نَجَّوْا اَعْنَہُ کہ یہود سود لیتے ہیں حالانکہ توریت میں ان کو سود سے منع کیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی۔ ص ۳۹۶ تا ۳۹۷)

تو ریت سفر خروج باب ۲۲ درس ۲۵ میں ہے۔
 ”گر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا؟“
 اور علی ہذا انجیل لوقا باب ششم درس ۳۵ میں بغیر سود کے قرض دینے کی ترغیب مذکور ہے۔

سود ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تنزل کا ذریعہ ہے

لوگوں کی زبان پر ہے کہ مسلمان سُنّتے جاتے ہیں حالانکہ سود خواری مسلمانوں میں بڑھ رہی ہے اور دن بدن تنزل ہے۔ مسلمانوں کا جو ترقی کا زمانہ گزر رہا ہے اس میں سود کا نام و نشان نہ تھا باقی مغربی اقوام کی ترقی ان کی صنعت اور حرفت کی وجہ سے ہے نہ کہ سود کی وجہ سے بارہ سو سال تک مسلمانوں کی مسطنت عروج اور ترقی پر رہی اور کبھی سود کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی جب سے مسلمان امیروں اور وزیروں نے دین سے مُڑ موڑا اور عیش و نشاط اور رقص و سرود میں مبتلا ہوئے تب سے نوال شروع ہوا اور پھر ہوا جو ہوا۔

رہا یہ سوال کہ اس زمانہ میں بغیر سود کے کام کیسے چلے؟ جواب یہ ہے کہ جیسے پہلے چلتا تھا اور خوب چلتا تھا۔ رشوت خور بھی رشوت کے جواز کے لیے یہی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ بغیر رشوت کے کام نہیں چلتا۔ پس جس کو پہنچ گئی نصیحت اس کے پروردگار کی جانب سے یعنی ربوہ کی حرمت اور اس کی ممنوعیت اس کو پہنچ گئی پس باز آگیا اس فعل حرام اور قول کفر سے یعنی سود لینا بھی چھوڑ دیا اور اِنْعَمَ الْبَنِيُّ عَلٰی رَیْسِ الْبَنُوْا کہنا بھی چھوڑ دیا، تو اس کے لیے ہے جو کچھ اس حکم کے آنے سے پہلے لے چکا ہے۔ یعنی سود حرام ہونے سے پہلے جس قدر لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہ لیا جائے گا وہ سب اس کی ملک ہے ورنہ اس پر عند اللہ کوئی مواخذہ ہو گا۔ اور دل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر صدق نیت سے باز آیا ہے تو اللہ اس کی جزا دے گا۔ اور اگر کسی دنیاوی مصلحت اور ظاہر داری کی بنا پر توبہ کی ہے تو اس کے مطابق معاملہ ہو گا۔

اور جو شخص اس نصیحت کے بعد پھر اُسی فعل حرام اور قول کفر کی طرف رجوع کرے یعنی حکم تحریم کے بعد بھی سود سے باز نہ آئے بلکہ سود لیتا رہے اور حسب سابق اِنْعَمَ الْبَنِيُّ عَلٰی رَیْسِ الْبَنُوْا کہتا رہے یعنی سود کے حلال ثابت کرنے کے لیے تفرقہ کو کرتا رہے یا مضمون لکھتا رہے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے جو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے۔

اور سود میں اگرچہ فی الحال ماں بڑھتا نظر آتا ہے لیکن ماں اور انجم اس کا تباہی اور بربادی ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ کی عادت یہ ہے کہ سود کو مٹاتے ہیں اس میں برکت نہیں ہوتی۔ سود خوار پر کبھی تو دنیا ہی میں بربادی آجاتی ہے۔ اور اگر دنیا میں اللہ سے ڈھیل دی تو آخرت میں تو تباہی اور بربادی یقینی ہے۔

ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ يَمْشَقْ اَدْلُهُ الزُّبُو کے معنی یہ ہیں کہ سود کے مال میں سے نہ کوئی صدقہ اور خیرات مقبول ہے اور نہ حج اور جہاد اور کوئی صلہ رحمی مقبول ہے۔ یہ دنیا کی بربادی ہوئی کہ سود کے روپیہ کا کوئی عمل مقبول نہ ہوا۔ اور اہل عقل کی نظر میں بھی حرام مال کے ہدیہ کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں۔ اور خداوندِ قدوس کے یہاں اگر پاک اور طلال بھی قبول ہو جائے تو اس کا فضل اور احسان ہے۔

اور صدقہ اور خیرات میں گرجہ مال گھٹتا ہے۔ لیکن حقیقت میں مال بڑھتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقات اور خیرات کو بڑھاتا ہے صدقہ اور خیرات سے جس قدر نکلتا ہے اس سے کہیں زیادہ، لہذا اس میں برکت دے دیتا ہے۔ غافل ماس کی غاہری کثرت کو دیکھتا ہے۔ اور عاقل اور دانا مال کی باطنی طہارت اور نظافت کو دیکھتا ہے۔ حق تعالیٰ شائد کا ارشاد ہے۔

قُلْ مَن يَكْسِبْهُ الْغَيْبُ وَالطَّيِّبُ
وَكُلٌّ مِّنْ غَيْبِ كَثْرَةِ الْغَيْبِ
آپ کہہ دیجئے کہ پاک اور ناپاک برابر
نہیں ہوتے۔ اگرچہ (سے نادان) تجھ کو
ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔

ایک پرہیزگار ملازم اپنے سورد پیہ پر قناعت کرتا ہے۔ اور دوسرا سورد پیہ کا رشوت خوار ملازم ایک مہینہ میں سو کے ایک ہزار کر لیتا ہے۔ اول کے سورد پیہ اور گلاب ہیں اور وہ دوسرے کے ایک ہزار پیشاب ہیں۔

صدقہ اور خیرات کی مثال مسہل کی سی ہے کہ مسہل سے بدن دبلا اور پتہا تو ہو جاتا ہے مگر طیب و روا کر جاتا ہے کہ یہ تندرستی ہے۔ بدن سے فاسد مادہ نکل گیا۔ اور سود اور رشوت کی مثال درم کی سی ہے اگر کسی کے منہ اور ہاتھ اور پیروں پر درم آجائے تو نادان اس کو مٹا پاتا سمجھتا ہے اور طیب اور درم اس درم کو دیکھ کر پیغام موت سمجھتا ہے۔

در لہ تعالیٰ کسی ناشکری سے اور گنہ گار سے راضی نہیں ہو گناہوں میں منہک ہو۔ اس سود خور کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی کہ خدا نے اس کو مال دیا اور مال دار ہونے کے بعد جو اس سے اتنا نہ ہو کہ اس نعمت کے شکر میں کسی محتاج کو کچھ صدقہ اور خیرات دے دیتا۔ اور اگر صدقہ اور خیرات پر اس کا دل آمادہ نہ ہوا تھا تو کم از کم بد سود کے اس کو قرض ہی دے دیتا بھلا اس سے بڑھ کر خدا کی نعمت کی کیا ناشکری ہوگی۔ ایسے ناسپاسوں اور ناشکروں کے مال میں اللہ برکت نہیں دیتا۔ اور صدقات اور

خیرات میں جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان مانے یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانا اور جس چیز کو خدا نے حلال و حرام کیا اسی کے مطابق اس کو حلال اور حرم سمجھا اور نیک عمل کیے۔ در نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ، داکا کی ایسے لوگوں کے ماں میں اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے ان کو اپنے اعمال اور خیرات کا بدلہ اور ثواب ملے گا اپنے پروردگار کے پاس یعنی آخرت میں اور قیامت کے دن ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے حلال اور حرم میں فسق نہ کیا تھا وہ طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوں گے۔

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو ایک نہ بناؤ در جو سود تمہارا لوگوں کے ذمہ بقایا رہ گیا ہے اس کو چھوڑو اگر تم اللہ تعالیٰ کے او مر اور نواہی پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہو۔ یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے وہ لے چکے، اب ممانعت کے بعد جو سود بقایا رہ گیا ہے اس کے لینے اور مانگنے کی اجازت نہیں۔ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت کر دی جائے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر تم اس حکم کے بعد ایسا نہ کرو یعنی بقایا سود کو نہ چھوڑو تو خبردار ہو جاؤ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑنے کو یعنی اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو تو سمجھ لو کہ خدا اور اس کے رسول کے وفاداروں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ گیا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمہاری گرفتاری کے احکام جاری ہوں گے اور گرفتاری کے بعد تم کو حسبِ توجہ شریعت اور حسبِ احکام قتل کیا جائے گا یا قید میں رکھا جائے گا اور اسلامی عدالت ان احکام کو تم پر جاری کرے گی۔ اور اگر تم تو بہ کرتے ہو تو تمہارے اصل مال اور اصل رقم تم کو مل جائے گی اس حکم کے بعد نہ تم کسی پر ظلم اور زیادتی کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم اور زیادتی کی جائے۔ یعنی جو سود تم پہلے لے چکے ہو اگر اس کو تمہارے اصل مال میں محسوب کر لیا جائے تو وہ تم پر ظلم ہے۔ اور ممانعت کے بعد جو سود چڑھا ہے وہ اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے اور تمہارا قرض دار اگر مفلس اور تنگ دست ہے تو اس کو فرخی کے زائد نہ تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم اس کو بالکل معاف کر دو تو تمہارا یہ صدقہ کرنا تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہوگا کہ سود تو کیا لینے اصل ہی معاف کر دیا۔ اگر تم جانتے ہو کہ مہلت دینا اور صدقہ کو دینا اور معاف کر دینا کیا فضیلت ہے۔ جس فضیلت کو تم حاصل کر سکو اس میں دریغ نہ کرو اور اس دن کی پیشی سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ کی طرف دمانے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی اور ان پر کسی قسم کا ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ لہذا جو شخص دنیا میں مقروض کے ساتھ چشم پوشی اور نرمی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ اپنے حقوق میں چشم پوشی اور نرمی فرمائیں گے۔

فوائد و لطائف

۱۔ جو شخص سود کو حلال سمجھے وہ باجماع امت کافر اور مرتد ہے۔ در اگر سود کو حلال تو نہیں سمجھتا

مگر چھوڑنا بھی نہیں تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسے شخص کا قید کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور اگر کوئی اس قسم کی جماعت اور جتھا ہے جن کا قید کرنا مشکل ہے تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسی جماعت سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو فرائض کو چھوڑ دے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کو یا علیٰ اعلان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اس پر اڑا رہے۔ تفصیل کے لیے ابو بکر رازی جصاص کی احکام القرآن ص ۴۳ ج ۱ کی مراجعت کریں یا تفسیر مظہری دیکھیں۔

(۲) قال جعفر الصادق رحمہ اللہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ السربا لیستراض الناس۔
نئے سود کو اس لیے حرام فرمایا تاکہ قرض سے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

وعن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرضٌ مرتین بعد ل صدقہ مرۃ اخرجه البزار (تفسیر قرطبی ص ۲۵۹ ج ۳)
عبد اللہ بن مسعود راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کو دو مرتبہ قرض دینا ایک مرتبہ صدقہ دینے کے برابر ہے۔

(۳) حرام مال سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سود اور رشوت کا جو پیسہ اس کے پاس ہے وہ صاحب حق کو واپس کرے یا اس سے معاف کر لے۔ اور اگر اس شخص کو تلاش کر سکے اور نہ کہیں اس کو پاسکے تو اس کی طرف سے خیرات کرے اور ایسے مصرف میں اس کو خرچ کرے جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور فائدہ ہو۔ اور اگر کسی کی کل آمدنی حرام ہو تو سب کا خیرات کرنا واجب اور فرض ہے۔ سوائے ستر عورت کے کپڑے کے کسی شے کا اپنی ملک میں رکھنا جائز نہیں۔ جو کیا ہے اس کو بھگتنا پڑے گا۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۳۶۲ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

(۴) فقہاء نے تعزیر کی ہے کہ حرام مال پر زکوٰۃ نہیں۔ لہذا جس شخص کے پاس سود یا رشوت کا کرڈر وہ پیسہ بھی جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے۔ جو مال سود یا رشوت یا خیانت یا چوری سے حاصل کیا جائے وہ دوسروں کا حق ہے اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو؟ جو شخص حرام مال کا صدقہ کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو انعمیشہ کفر کا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں ناپاک اور گندی چیز پیش کرنا اور پھر اس پر اس کی رضا اور خوشنودی کی امید رکھنا کمال بے دہی اور گتہ فحی ہے۔

اہل احکام ربو کو کوا تقوا لیوم ما تنزعون فیہ الی اللہ پر ختم فرمایا تاکہ دنیا اور مافیہا کا شمار اور زوال اور آخرت کی طرف سب کا رجوع کرنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا نظروں میں گھوم جائے اور دنیا کے حریفوں اور دلدادہ بوشش میں آجائیں۔ دنیا کے محبوظ الخواس کا علاج سونے آخرت کی یاد کے کچھ نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَى

لے ایمان والو ! جس وقت معاملت کرو ادھار کی کسی

أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ

دعدہ مقررہ تک ، تو اس کو لکھو۔ اور چاہیے لکھ دے تمہارے

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ

درمیان کوئی لکھنے والا، انصاف سے، اور نہ کنارہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیے

كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَبِمِلِّ الَّذِي

جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو وہ لکھے اور بتا دے جس پر

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلَيُتَّقِ اللَّهُ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسُ مِنْهُ

حق دینا ہے در ذرے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور ناقص نہ کرے

شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ

اس میں سے کچھ۔ پھر اگر جس شخص پر دینا آیا ہے بے عقل ہے ، یا

ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ

ضعیف ہے یا آپ نہیں بتا سکتا تو بتا دے اس کا اختیار

وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَأَسْشَهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ

والا انصاف سے دو شاہد کرد دو شاہد اپنے

رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد ، تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

جن کو پسند رکھتے ہو شاہدوں میں ، کہ بھول جاوے ایک عورت

فَتَذَكَّرَ أَحَدَهُمَا الْأُخْرَىٰ ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ

تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری اور کفارہ نہ کریں شاید

إِذَا مَا دُعُوا ۖ وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

جس وقت بلائے جاویں اور کاپی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو یا

كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۖ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

بڑا ، اس کے وعدہ تک اس میں خوب انصاف ہے اللہ کے ہاں دردمست

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ إِلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

رہتی ہے گواہی اور گنا کہ تم کو شبہ نہ پڑے ، مگر ایسا کہ سودا ہو روبرو

حَاضِرَةً تُدْيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کا پھر بدل کرتے ہو آپس میں تو گناہ نہیں تم پر کہ

إِلَّا تَكْتُبُوهَا ۖ وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارُّ

نہ لکھو اس کو ، اور شاید کرو جب سود کرو اور نقصان نہ کیا

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۖ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ

جدا سے لکھنے والا نہ شاہد ، اور اگر ایسا کرو ، تو یہ گناہ کی بات

بِكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہے تمہارے اندر اور دُرستے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ سب چیز سے

عَلِيمٌ ﴿۸۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا

واقف ہے ، در اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرد ہاتھ

فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً ۖ فَإِنْ آمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا

میں رکھنی پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو پاسیے

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُؤْتِمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

پورا کرے جس پر اعتبار کیا اپنے اعتبار کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اِثْمٌ

ہے اس کا اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو کوئی وہ چھپا دے تو گنہگار ہے

قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

دل اس کا۔ اور اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

احکام قرض و رہن

تَاللّٰہِ یَاۤئِہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا تَدٰیۡنُہُمْ بِدَیۡنِہِیۡنَ۔ اے ۔۔ اللہ! ہمیں تمہارے قرضوں کے بارے میں (ربط) حق تعالیٰ نے صدقہ اور خیرات کے فضائل کے بعد سود کی مذمت بیان فرمائی اور چونکہ سود کی ضرورت کثر قرض اور ادھار کی حالت میں پیش آتی ہے۔ اس لیے سود کے بعد قرض اور ادھار کے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ سود سے بچ جائیں اور مال بھی محفوظ رہے۔ نیز صدقہ اور رہا اور دین تینوں مالی معاملات میں پہلا محض رحمت ہے اور مقتضائے شفقت ہے اور دوسرا محض ظلم ہے اور مقتضائے حرص و ہوا ہے اور تیسرا محض عدل اور انصاف ہے اور مقتضائے مردت ہے اس لیے آئندہ آیات میں دین کے احکام بیان کیے تاکہ عاجتمذکی ضرورت پوری ہو جائے اور قرض دینے والے کا مال ضائع نہ ہو جائے اور محفوظ ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جب تم کسی سے ایک معین مدت تک ادھار کا معاملہ کیا کرو۔ خواہ قیمت ادھار ہو یا وہ چیز ادھار ہو، جس کا خریدنا مقصود ہے جیسے بیع سلم میں تو اس کو مکھ یا کرو، تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیش نہ آئے۔ جہو رہ فقہار کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ لہذا اگر نہ لکھے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے۔

بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع الدین بالدین یعنی بیع اور قیمت دونوں ادھار فائدہ ہوں۔ یعنی ادھار کو ادھار کے بدلے میں فروخت کرنا یہ بیع بالاجماع باطل ہے (۲) بیع الدین بالدین یعنی بیع نقد ہو اور قیمت ادھار ہو۔ یہ صورت بالاجماع جائز ہے (۳) بیع الدین بالنعین یعنی قیمت نقد ہو، اور بیع ادھار ہو، سی کو بیع سکم کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور لے قال ابن عباسؓ ہذا الآية نزلت فی اسم خاصہ کذا فی تفسیر القرطبی ص ۳۷۷۔

پر بیع مسلم کی جائزیت کے لیے نازل ہوئی۔ مگر بیع مسلم کے لیے یہ شرط ہے کہ معاملہ کے وقت مدت اور بیع کی نفع اور قسم اور اس کی مقدار اور نرخ سب مقرر کر لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی نزاع پیش نہ آئے۔ (۴) بیع العین یا عین یعنی بیع اور قیمت دونوں نقد ہوں۔ حق جل شانه نے بیع کی اس قسم کو آئندہ آیت میں تجارت حاضرہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ قَالَ تَعَالَى اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدْرِكُهَا يَدُكَ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَكْتُبُوْهَا۔ جس کا حکم یہ فرمایا کہ تجارت حاضرہ میں بیع مسلم کی طرح دستاویز لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ دو گواہوں کی گواہی کرالینی چاہیے کہ کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان یہ دستاویز نہایت انصاف سے لکھے کہ نہ اس میں کوئی کمی کرے اور نہ زیادتی اور نہ کسی کی رعایت کرے۔ اور جو شخص لکھنا جانتا ہو اس کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھایا۔ پس اس نعمت کے شکر یہ میں چاہیے کہ دوسروں کو اپنی کتابت سے نفع پہنچائے۔ احسن کما احسن اللہ المیلک لہذا اور جو شخص اس سے ذیقہ اور دستاویز لکھنا چاہے تو اس کا تب کو چاہیے کہ لکھ دے۔ اور اس دستاویز در ذیقہ کا اطار وہ شخص کر لے کہ جس کے ذمہ حق واجب ہے۔ یعنی جس کے ذمہ دین اور قرض ہے وہ خود لکھوائے تاکہ اس کا اقرار آئندہ خود اس پر حجت ہو۔ بخلاف قرض خواہ کے کہ اس کے قول کا اعتبار نہیں، جب تک خود قرض دار یعنی مقروض اور مدیون اقرار نہ کرے یا ثبوت شرعی کے بعد حاکم حکم نہ کرے۔ اور چاہیے کہ لکھوانے والا یا لکھنے والا اپنے پروردگار سے ڈرے اور لکھوانے اور لکھنے میں حق سے ذمہ دینا آتا ہے وہ کم عقل ہو۔ یعنی دیوانہ یا دل چلا ہو کہ آئندہ دھند فروع کرتا ہو اور انبیام نہ سوچتا ہو، جیسے مُبَذَّر (بے جا صرف کرنے والا) یا ضعیف البدن ہو یعنی کم عمر ہو یا بہت بڑھا ہو کہ اس کی عقل میں فتور آگیا ہو یا کسی اور وجہ سے خود نہ لکھوا سکتا ہو مثلاً گونا گویا زبان نہ جانتا ہو یا قید میں ہو یا بیمار زیادہ ہو یا ایسی جگہ ہو کہ جہاں کا تب نہ ہو یا پردہ نشین عورت ہو کہ وہ کا تب کے سامنے نہیں آسکتی، تو ایسے حالات میں اس کا مختار اور کارگذار ٹھیک طور پر لکھوادے۔ اور لکھوانے اور معاملہ کے قہمند ہو جانے کے بعد احتیاطاً اپنے مردوں میں سے دو گواہ بھی بناو یعنی دو آزاد مسلمان بالغوں کو گواہ بناؤ۔ غلام اور کافر اور بچہ کو گواہ نہ بناؤ۔ کیونکہ جب کتابت کے ساتھ شہادت بھی مل جائے گی تو نزاع درمخاصیت کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے گا اور اگر گواہی کے لیے دو مرد میسر نہ آئیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لیے کافی ہیں۔ بشرطیکہ یہ سب ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم گواہ بنانے کے لیے پسند کرتے ہو۔ یعنی ثقہ اور امین ہوں۔ فسق و فجور اور بے مروتی سے متہم نہ ہوں اور نہ دونوں میں کوئی ایسی قرابت ہو جو کہ شبہ اور تہمت کا باعث ہو۔ اور ایک مرد کی بجائے دو عورتیں کا ہونا اس لیے شرط کیا گیا کہ شاید ایک عورت اپنی فطری غفلت اور ذاتی قصور عقلی کی وجہ سے واقعہ شہادت کے کسی جز کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلادے۔ اور اس طرح شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے

حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں عجب نہیں کہ مجموعہ بنی آدم میں من اولہم
الحی آخرہم دو تہائی عمر میں اور ایک تہائی مرد ہوں اور حکم ازلی نے باعتبار جہت تقابل کے بھی وہی
حساب للذکر مثل حظ الانثیین بٹھا کر ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا ہو اور گواہوں کو جب
گواہی دینے کے لیے یا گواہ بنانے کے لیے بلایا جائے تو ان کو چاہیے کہ انکار نہ کریں۔ کیونکہ گواہ بننے میں
پنے بھائی کے حق کی حفاظت اور اعانت ہے اور گواہ بننے کے بعد گواہی نہ دینے میں اپنے بھائی کی حق تلفی
ہے۔ اور حق کے لکھنے میں کاپی نہ کرو۔ خواہ وہ حق پھوٹا ہو یا بڑا۔ شروع وقت سے سے کراخیر میعاد تک
اس کو لکھ یا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک نہایت منصفانہ اور عادلانہ ہے۔ اور نیز شہادت کے قائم ور
محفوظ رکھنے میں نہایت معین اور مددگار ہے نیز اس بات کے بہت قریب ہے کہ تم گواہی دینے کے وقت
کسی شک اور شبہ میں نہ پڑو۔ نہ قرض کی مقدار میں اور نہ اس کی مجلس اور نوع میں اور نہ اس کی مدت وغیرہ میں۔
ان وجوہ کی بناء پر ہر حالت میں لکھ لینا نہایت بہتر ہے۔ مگر اس وقت کہ جب معاملہ دست بدست ہو
جس کا تم آپس میں نقد لین دین کر رہے ہو۔ بیع بھی نقد ہو اور دام بھی نقد ہو۔ تو ایسی صورت میں تم پر کوئی
گناہ نہیں کہ اس معاملہ کو نہ لکھو کیونکہ جب معاملہ نقد ہے اور بیع اور قیمت کوئی شے ادھر نہیں تو ایسی
صورت میں بظاہر کسی نزاع اور خصومت کا احتمال بعید ہے اس لیے لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن مستحب یہ
ہے کہ جب کبھی تم کوئی خرید و فروخت کیا کرو تو حتماً گواہ بنایا کرو۔ اگرچہ عوضین نقد ہوں۔ یعنی گرچہ
سودا دست بدست ہو۔ تب بھی بہتر ہے کہ اس پر گواہ بنایے جائیں تاکہ نزاع اور خصومت کا بالکل
سد باب ہو جائے۔ اور جس طرح ہم نے کاتب اور شاہد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کتابت اور شہادت سے
انکار نہ کرے۔ اسی طرح تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ لکھنے والے اور گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً
کاتب اور شاہد اپنے کسی ضروری کام میں مشغول ہوں یا بیمار اور نا طاقت ہوں ایسی حالت میں ان کو لکھنے
اور گواہی دینے کی تکلیف نہ دی جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو سمجھو کہ یہ تمہارے لیے اللہ کی اطاعت سے
خروج کرنا ہوگا۔ جو کسی طرح تمہارے لیے لائق نہیں در تم کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں
اطاعت سے نکلنے پر پکڑ نہ ہو جائے۔ اور تم اللہ کی اطاعت سے کیسے خارج ہوتے ہو اور اللہ تو تم کو دین
اور دنیا کی مصلحتیں سکھاتا اور بتاتا رہتا ہے۔ لہذا تم کو اللہ کی اطاعت سے خارج نہ ہونا چاہیے اور اگر
کسی حکم کی مصلحت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے جو حکم دے
اس کی اطاعت کرو خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ پہلے جملہ میں تقویٰ کی ترغیب دی اور دوسرے
جملہ میں اپنی نعمت تعلیم کو ذکر فرمایا اور اس تیسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت شان کو بیان فرمایا

لے قال احسن جمعت ہذہ الآیۃ ذی ولایۃ الشہادۃ اذا ما دعوا۔ امرین وہما ان لا یابی اذا دعیت الی التحویل
الشہادۃ ولا اذا دعیت الی اداۃھا قال ابن عباسؓ ۛ تفسیر قرطبی ص ۳۹۵ ۳۶۔

اور اگر سفر کی حالت میں قرض و رادعہ کا معاملہ کرو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی لکھنے والا تم کو میسر نہ آئے۔ تو تم کو لازم ہے کہ جس کا تم نے قرض اور رادعہ لیا ہے، قرض کے عوض میں کوئی شے اس کے پاس رہن رکھ دو کہ جو اس کے قبضہ میں دے دی جائے۔

ف (۱) سفر کی قید احترازی نہیں کہ قیام کی حالت میں رہن جائز نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہے کہ نسبت حضر کے سفر میں رہن کی زیادہ حاجت پیش آتی ہے اس لیے آیت میں سفر کا خاص طور پر ذکر فرمایا، ورنہ رہن سفر اور حضر دونوں حالتوں میں بالاجتماع جائز ہے اور یہ رہن رکھنے کا حکم اس وقت ہے کہ جب ایک کو دوسرے پر اطمینان نہ ہو۔ اور اگر ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو اور ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو اور رہن اور لکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھتا ہو۔ پس اس شخص کو چاہیے کہ جس کا اعتبار کیا گیا اور بلا رہن اور بلا لکھے اس کو قرض دے دیا گیا وہ اپنی امانت یعنی اپنے قرضہ کو پورا پورا ادا کر دے۔ یعنی جس نے اس کا اعتبار کیا ہے، اس کا حق پورا ادا کر دے۔

ف (۲) امانت سے قرضہ مراد ہے۔ قرضہ کو امانت سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مومن ہونے کی وجہ سے بغیر تحریک اور بغیر رہن کے اس کو قرض دے دیا۔ اور اس کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرے کہ نہ خیانت کرے اور نہ حق کا انکار کرے اور نہ لے گا ہو! جس وقت تمہاری شہادت کی ضرورت ہو اور بغیر تمہاری شہادت دیئے کسی کے حق کے ضائع اور تلف ہونے کا اندیشہ ہو، خصوصاً جس وقت بغیر کسی رہن اور بغیر کسی تحریر کے کسی کو کوئی قرض دیا گیا ہو، تو اس وقت تم اپنی شہادت کو مت چھپانا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شہادت کو دل میں چھپا کر رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت زبان سے اس کو ظاہر نہیں کرتا تو بلاشبہ اس کا قلب بالذات اند بلا واسطہ گنہ گار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کتمان شہادت بلا واسطہ قلب کا فعل ہے جس میں کسی عضو اور جارحہ کو بالکل دخل نہیں۔ اور قلب چونکہ رئیس الاعضاء ہے، اس لیے اس کی معصیت بھی رأس المعاصی ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس وقت تک وہ درست رہتا ہے، تو سارا بدن درست رہتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ وہ ٹکڑا دل ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ اور واقف ہے۔ تمہارے گواہی دینے اور نہ دینے اور شہادت کے چھپانے اور ظاہر کرنے کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ جو شہادت تم نے دے دی ہے چھپائی ہے اگرچہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

وَأَسْتَشْهِدُكُمْ وَأَشْهَدُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
مستلزم ۱۔ ہے۔

مستلزم ۲۔ سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لیے دو ثقہ آدمیوں کی گواہی کافی

ہے۔ البتہ زنا کی شہادت کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ زنا کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے اس لیے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہونی کہ گویا دو گواہ مرد کے زنا کے لیے اور دو گواہ عورت کے زنا کے لیے۔ نیز شریعت کا مقصود پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔

پھر سوائے زنا کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے مگر بشرط یہ ہے کہ اس کوئی گواہ عورت نہ ہو۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہری سے منقول ہے مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفین بعدہ ان لا شہادۃ للنساء فی الحدود یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ائمہ کبارہ اور علمائے کرام کے زمانہ سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

باقی ان کے سوا اور تمام معاملات میں خود مالی ہو یا غیر مالی دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔

يَلٰٓهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔

وَ اِنْ تَبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ

اور اگر کھو گئے اپنے جی کی بات یا پھپھان گئے۔

يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ ۙ اللّٰهُ ۙ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

حساب لے گا تم سے اللہ پھر بخشنے گا جس کو چاہے۔

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ

اور عذاب کرے گا جس کو چاہے، اور اللہ سب چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۲۸۲﴾ اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

قادر ہے۔ انا رسول نے جو کچھ اُنزا اس کو اس کے رب کی طرف

وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ

سے اور مسلمانوں نے۔ سب نے انا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو

وَرُسُلِهِ قَفْ لَا تَفْرِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا

اور رسولوں کو ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں اور بولے

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ

ہم نے سنا اور قبول کیا، تیری بخشش چاہیئے اے رب ہمارے؛ اور تجھی تک رجوع ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو، مگر جو اس کی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو کیا

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تَأْخُذْنَا إِن تَبِينَا

اور اسی پر پڑنا ہے جو کیا، اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں

أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا

یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا

حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا

رکھا تھا تو نے لوگوں پر، اے رب ہمارے اور نہ ٹھوہا ہم سے

لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

جس کی طاقت نہیں ہم کو اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۷﴾

تو ہمارا صاحب ہے، مدد کر ہماری قوم کافروں پر۔



خاتمہ سورۃ

مشتمل بر تذکیر حلال خداوندی و عظمت و تجرید از محاسبہ آخرت و تلقین ایمان
و سماع و طاعت و تعلیم عافلاج درین و آخرت عفو و مغفرت و دنیا فتح و نصرت

قال تعالى مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ... ۱۷ ... فَأَنقَضُوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمُ الذُّلْمَ
رابطہ یہ رکوع، سورۃ بقرہ کا آخری رکوع ہے جس پر سورۃ بقرہ ختم ہو رہی ہے۔ یہ عجیب خاتمہ
ہے جس کو اول سورت سے بھی خاص ربط ہے اور آخر سورت سے بھی اور درمیان سورت سے بھی
اور مجموعہ سورت سے بھی۔

ان آیات سے پہلے جو آیتیں گذریں ان میں کتمان شہادت کو دل کا گناہ بتلایا تھا۔ اب ان آیات
میں اس مرکوبیان فرماتے ہیں کہ قلب کے کن افعال پر مواخذہ ہے اور کن پر نہیں۔ نیز گزشتہ آیات
میں یہ حکم دیا تھا کہ امانت میں خیانت نہ کرو اور اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اُس کے عذاب اور مواخذہ
سے ڈرتے رہو۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور اس کی قدرت اور اُس کے محاسبہ اور
مواخذہ کو بیان فرماتے ہیں۔ اور بتدار سورت سے یہ منہ بہت ہے کہ ابتدا سورت میں متقین کی
صفات کا ذکر تھا کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور مَا أُنْزِلَ إِلَّا نَزْلًا اور مَا أُنْزِلَ إِلَّا نَزْلًا
سب کی طاقت فرما کے تصدیق کرتے ہیں اور آخرت کا خاص طور پر یقین رکھتے ہیں اور عبادات بدنیہ اور
مالیہ کو دل و جان سے سجالاتے ہیں۔ اب اس سورت کے آخری رکوع میں پھر انہی متقین کی مدح ہے۔
اور ان کی سماع و طاعت اور بارگاہ خداوندی میں اُن کی دالہانہ دعا اور مناجات کا تذکرہ ہے۔ نیز ابتدا
سورت میں ایمان بالغیب کا ذکر تھا کہ یہ پرہیزگاروں کا گروہ محض خدا اور رسول کے اعتماد پر بلے دیکھی
چیزوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس غیب کی تفسیر مذکور نہ تھی کہ غیب سے کون کون سی چیزیں مرد نہیں۔ اب
اس آخری رکوع میں اُس غیب کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ غیب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے
فرشتے اور اُس کے نازل فرمودہ صحیفے اور کتابیں اور تمام پیغمبر مراد ہیں۔ گویا کہ کَلَّا أَمَّا بِنَدَائِهِ
وَمَا يَكْتُمُكُمْ وَكَتُبُهُمْ وَرُسُلِهِمُ اللَّهُ يُفْثِنُ مَثُوقَاتِ الْغَيْبِ کی تفسیر ہے۔ یعنی یُفْثِنُ مَثُوقَاتِ الْغَيْبِ
میں لفظ غیب سے ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ
کے شروع میں اس کی توضیح گذر چکی ہے و دوبارہ دہاں دیکھ لیا جائے اور فَأَنقَضُوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمُ الذُّلْمَ

در فعال نفسانہ اور جسمانیہ خواہ سفاک ہوں یا پاک نہ سب پر محاسبہ حق ہے اور جہاد اور سزا سب اللہ کے اختیار ہیں کوئی شئی اُس پر واجب نہیں۔

جب یہ آیت یعنی وَإِنْ تَبْذُرُوا مَارْفُتٌ أَفْتَضِرُّكُمْ أَوْ تَخْفَوْا يَحْسِبْكُمُ اللّٰهُ تَائِبِينَ سوئی تو صحابہ کرام الفاظ کے ظاہری عموم کو دیکھ کر گھبر گئے۔ اس لیے کہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دس کے خیالات پر بھی حساب ہوگا۔ اس لیے صحابہ نے حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم سخت مشکل ہے اختیار میں مور سے توبہ کیج سکتے ہیں مگر خطرات قلبیہ اور غیر افتیاری دوسروں سے بچنا مشکل ہے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس قول کو سن کر یہ فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل و جان سے اس کے حکم کو قبول کر دو۔ یعنی اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَآمَنَّا کہو بلکہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانُكَ رَبَّنَا وَإِنَّكَ لَمُصِيبُ الْبُرْهَانِ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار وحی میں از خود سیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہؓ کو ادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ صحابہؓ نے فوراً ہی سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہا اور کلمات ایمان دل و جان سے کہے۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ بات پسند آئی۔ اس پر آمندہ آیتیں یعنی آمَنَ الْمَسْئُولُ الْخِزَانِ لَمْ يَزَلْ يَنْزِلُ بَيْنَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فرمائی تاکہ اُن کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عشاق اور محبین کے دلوں میں جو غم و اضطراب تھا وہ دور ہو جائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد اُن کے اس غم و اضطراب اور اشکوں کا جواب جو اُن کو پیش آیا تھا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ فِتْنًا لَّنَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ لہذا دل میں جو گمراہی کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مؤخر غصہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ اور علیٰ ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، البتہ جو باتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

مسح اہل ایمان

ایمان لائے پیغمبر تمام اس چیز پر جو ان کے رب کی طرف سے اُن کی جانب تباری گئی اور آپ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ کے تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے سب کے سب یعنی رسول و تمام مؤمنین ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے تمام فرشتوں پر اور اُس کی تمام کتابوں پر اور اُس کے تمام پیغمبروں پر جن کے واسطے سے ہم تک اللہ کے احکام پہنچے۔۔۔ اللہ کی کتابیں اور اس کے پیغمبروں کی شریعتیں اگرچہ فردی اور وقتی مسائل میں کچھ مختلف ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں پیغمبروں کے درمیان

تفریق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ یہود کا شیوہ رہا کہ بعض کو نہ مانا۔ اور جو احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اُن کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرے احکام کو سنا اور دل و جان سے اُن کو قبول کیا۔ اور اسے پروردگار چونکہ ہم سرِ پا تفسیر ہیں یہود لسیان ہمارے غیر میں پڑا ہے اس لیے اسے پروردگار تیری مغفرت، درخشش کے طلب گار ہیں۔ ہمارا کوئی عمل بھی کوتاہی سے خالی نہیں۔ اور کیسے تجھ سے مغفرت کی درخواست نہ کریں کیونکہ مرنے کے بعد آپ ہی کی طرف لوٹنا اور آپ ہی کے سامنے پیش ہونا ہے۔

بیان مدارِ تکلیف بعد از بیان مَح و توصیف

مَا يَكُفُّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسَّهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

صحابہؓ کی مدح، درتوصیف کے بعد تکلیفِ شرعی کے دار و مدار کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان کا شبہ اور غلبان دور ہو۔ صحابہؓ کو شبہ یہ تھا کہ کیا نفوس اور قلوب کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا كَسَبَتْ اَنْفُسُكُمْ سے نفوس کے اختیاری افعال مراد ہیں غیر اختیاری افعال مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کا کسی کو مکلف اور پابند نہیں بناتے مگر بقدر اس کی طاقت اور گنجائش کے اس لیے کہ جس چیز کا مادہ ہی مکلف میں نہ ہو اس کی تکلیف خدا تعالیٰ کی طرف سے منظور نہیں ورنہ پھر انسان معذور تھا کون نہیں جانتا کہ کان سے آگے کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر نفس کو ثواب و عذاب، نفع اور ضرر اس کے مطابق ہوگا جو اس نے اپنی قدرت اور اختیار سے کیا اور کیا ہے۔ لہذا جو باتیں تمہارے دلوں میں بے اختیار گزرتی ہیں ان پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جس چیز کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس پر نہ ثواب ہے اور نہ عذاب۔

لبتہ وہ امور بذیلہ جو تم نے اپنے دلوں میں اپنے اختیار سے چھپا رکھے ہیں جیسے تکبر اور حسد اور کینہ اور حرص و رطب اور ریا اور نفاق اُن پر محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ اور جو اخلاق پسندیدہ ہیں مثلاً اخلاص اور صبر اور توکل اور شکر اور قناعت وغیرہ وغیرہ قیامت کے دن اُن پر اجر ملے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کی تشفی ہو گئی اور پہلی آیت سن کر جو صدمہ ہوا تھا وہ دور ہو گیا اور غلبان مذکور کا فور ہو گیا۔

تعلیم دعا جامع متضمن لفلاح دارین

گزشتہ آیت میں حق جل شانه نے یہ ارشاد فرمایا کہ مومن کی شان سمع و طاعت ہے اور

اپنی تقصیرات پر طلب مغفرت ہے۔ در بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طاقت اور مقدور سے زیادہ کسی کو اپنے احکام کا تکلف اور پابند نہیں بناتے اور قیامت کے دن محاسبہ اور مواخذہ انہی افعال پر ہوگا جو اختیاری ہیں غیر اختیاری امور پر محاسبہ اور مواخذہ نہ ہوگا۔

اب آئندہ آیت میں ایک جامع دعا کی تعلیم فرماتے ہیں۔ جس میں خطا اور نسیان کے حکم کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ خطا و نسیان اگرچہ بظاہر غیر اختیاری ہیں اور داخل تکلیف نہیں لیکن من وجہ اختیاری بھی ہیں، اس لیے کہ بسا اوقات خطا و نسیان غفلت اور کوتاہی اور بے توجہی اور بے احتیاطی کی بنا پر پیش آتا ہے اور بے توجہی اور لاپرواہی انسان کا اختیاری فعل ہے، اس لیے عقلاً اور شرعاً خطا و نسیان پر بھی مواخذہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر خادم سے کسی غفلت اور بے توجہی کی بنا پر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ اور باز پرس ہوتی ہے کہ یہ غلطی کیوں ہوئی اور حضرت آدمؑ کے قصہ میں حق جل شتٰ نہ لایہ ارشاد فَتَسْمِعُ لَكَ عَزْمًا بِمِثْلِ هَذَا کہ عَزْمًا بھی اس کا مؤید ہے۔ اور اسی وجہ سے شریعت نے بہت سے موضع خطا میں دیت اور ضمان کو واجب قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ خطا انسان کے تساہل اور عدم احتیاط کی بنا پر پیش آئی ہے جو انسان کا فعل اختیاری ہے اور داخل تکلیف ہے اور قابل مواخذہ ہے۔ اس لیے حق جل شتٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی کہ اپنی تقصیرات کو پیش نظر رکھ کر اس طرح دعا مانگا کر دے۔ اے ہمارے پروردگار تیرا حق عبودیت اور حق ربوبیت ہم سے کہاں ادا ہو سکتا ہے۔ بھول چوک ساتھ لگی ہوئی ہے اس لیے تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اگر ہم تیرے کسی حکم یعنی مردہی کو بھول جائیں اور بھولے سے اُس کی تعمیل نہ کر سکیں یا کسی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر چوک جائیں کہ اس کو نہی اور نہی کو امر سمجھ جائیں یا ٹھیک عمل کرنے میں غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ اور دار و گیر نہ فرما۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خطا و نسیان پر مواخذہ عقلاً و شرعاً متعین نہیں۔

فائدہ نشہ آور چیزوں کے استعمال سے غیر اختیاری طور پر افعال کا صدور ہوتا ہے۔ مگر عقلاً و شرعاً شراب پینے واما مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ افعال اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر غیر اختیاری افعال کا سبب تو فعل اختیاری ہے یعنی نشہ آور چیز کا استعمال۔ اس شخص نے اپنے اختیار کے بے عمل استعمال سے حفاظت کموں نہیں کی اس لیے قابل مواخذہ ہے۔ نسیان اگرچہ بابت اختیار ہے مگر اس کا سبب عموماً اختیاری ہوتا ہے اسی وجہ سے بسا اوقات بھولنے والے پر لا اباست اور بے پروائی کا لازم عائد کرتے ہیں اور خطا کار پر سہل انگاری اور بے احتیاطی اور بے توجہی کا الزام رکھتے ہیں۔

عارفِ رومی قدس سرہ اسامی فرماتے ہیں۔

لا تو بخند ان نسیان شد گواہ کہ بود نسیان بود بھم گناہ
زانکہ استکمال تعظیم او نکرد ورنہ نسیان در دنیا در دے نبرد

گرچہ نسیاں لا بدونا چارہ بود
چوں تہا دون کرد در تعظیمہا
گوید اور معذور بودم من ز خود
از تو بد در رفتن آن اختیار
بخودی نامہ بخود تشش خواندہ
اختیار از خود نشد تشش ماندہ
(شعری دفتر پنجم ص ۲۱۴)

اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر احکام شافہ کا بار گراں جیسا کہ آپ نے رکھا تھا ہم سے
پیسے لوگوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے پہلی امتوں کے شکریں اور سرکشوں پر شدید
اور سخت احکام اتارے تھے۔ اسے سخت احکام کے متعلق درخواست ہے کہ اے اللہ ہم پر پہلی امتوں
کی طرح سخت احکام نہ نازل فرما کہ بجالانا ہم کو دشوار ہو۔ اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر وہ
بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ یعنی ہماری طاقت اور قوت سے بڑھ کر ہم کو مصیبتوں اور
بلاؤں میں مبتلا نہ فرما۔

ف (۱) پہلی دعا یعنی لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا شَرِيعَاتِ کے متعلق تھی ہم کو تکالیف شافہ
کا مکلف نہ بناد۔ در پہلی مثنوی کی طرح ہم پر سخت احکام نازل نہ فرما اور یہ دوسری دعا یعنی
وَمَا تُحْمِلُنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ یہ دعا تکوینیات کے متعلق ہے یعنی تکوینی اور تقدیری طور پر ہم
پر ایسی مصیبتیں اور بلائیں نازل نہ فرما جو کہ ہماری طاقت اور تحمل سے باہر ہوں۔

تشریعیات و تکوینیات میں فسرک یہ ہے کہ انسان تشریعیات کا مکلف ہے اور تکوینیات کا مکلف
نہیں مگر دعا کی تعلیم دونوں کے لیے کی گئی۔ اور اے پروردگار چونکہ احکام شافہ اور ناقابل برداشت
مصائب کے نزول کا سبب بھی ہمارے ہی گناہ ہیں۔ اس لیے تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے
گناہوں کو معاف فرما اور ہماری پردہ پوشی فرما۔ دنیا اور آخرت کی ذلت سے ہم کو سچا اور عفو اور مغفرت
کے بعد آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی اور احسان بھی فرما۔ آپ ہی ہمارے آقا اور ولی
نعمت اور دوست ہیں۔ اور ہم آپ کے غلام اور مہربان اور محب اور عاشق ہیں۔ وقال تعالیٰ ذلک
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوَافِقَ لَهُ فِي الْحَدِيثِ الشَّرِيفِ اللَّهُ مَوْلَانَا
وَلَا مَوَافِقَ لَهُمْ۔

پس آپ ہماری اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں خاص مدد کیجیے یعنی کافر قوم کے مقابلہ میں ہم کو فتح و
نصرت عطا فرمائیے۔ کافروں کی قوم آپ کی اور آپ کے دین کی اور آپ کے پیغمبروں کی در آپ کے
دوستوں کی دشمن ہے اور مولے اور آقا اپنے غلاموں کا در محبوب اپنے عاشقوں کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔
لہذا آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنے دوستوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمائیے۔ تاکہ بلے کھٹے تیری

عبادت کر سکیں اور ہر کسی دغدغہ کے تیر سے قانون کو جاری کر سکیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔

ف اَلْوَلَعُ قُرْدٌ نَّيْلٌ مَا نُوْجُوْ وَنُطْلِبُہُ وَنُفِضُ جُوْدَکَ مَا عَلَقْنَا الطُّبَا

اگر ہماری سس درخوست کے منظور کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو ہم کو درخوست کرنا ہی نہ سکھاتے اور نہ درخوست کرنے کا حکم دیتے۔

ایں دعا، ز نو اجابت ہم ز تو لطف تو برا نوشتہ صد نگو

معاذ بن جبل سے منقول ہے کہ جب سورۃ بقرہ ختم کرتے تو آمین کہتے۔

نحمدہ آج ۱۰ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ یوم دو شنبہ بوقت چاشت مقام لاہور میں سورۃ بقرہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تمیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ

اَنْتَ الشَّوْکَبُ السَّرْحِیْمُ۔ اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِرَحْمَتِکَ

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ یا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

الحمد للہ آج ۱۱ محرم الحرام یوم مہ شنبہ ۱۳۸۳ھ کو نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد والممنۃ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر سورۃ آل عمران

۲۰۰ آیاتہا ۳ : سورۃ آل عمران مکیہ ۸۹ رکوعا ۲۰

یہ سورت مدنیہ ہے جس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ اس سورت میں آل عمران کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ آل عمران ہے اور اس سورت کا نام مجادل بھی ہے اس لیے کہ یہ سورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مجادلہ اور مباحثہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عنقریب شان نزول سے واضح ہوگا

(رابط) اس سورت کو سورۃ بقرہ کے ساتھ متعدد وجوہ سے ربط ہے۔

وجہ اول

سورۃ بقرہ کی ابتداء کتاب الہی کے ذکر سے ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا کہ کس نے کتاب الہی سے ہدایت حاصل کی اور کس نے اُس سے اعراض کیا۔ اسی طرح اس سورت کا آغاز بھی کتاب الہی کے ذکر سے ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ سلیم اسطیع لوگوں نے اُس کی ہدایت کو قبول کیا اور زانفین اور کج طبیعتوں نے بجائے حکمت کے مشابہات کی پیروی کی اور اپنے مطلب اور خواہش اور غرض کے مطابق آیات الہیہ کی تاویل میں کیں اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ایسے لوگ اصطلاح شریعت میں محمد اور زندقہ کہلاتے ہیں اور محمد اور زندقہ شریعت میں منافی کے حکم میں ہے۔ سورۃ بقرہ کے شروع میں منافقین کا ذکر تھا اور اس سورت میں محمدین اور زندقین کا ذکر ہے جس کو حق جل شانہ نے زانفین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

زنیغ کے معنی میلان اور انحراف کے ہیں اور محمد وہ شخص ہے جو دین میں ٹیڑھی راہ چلتا ہو۔ صراط مستقیم یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ سے ہٹا ہوا اور صحابہ اور تابعین کے خلاف آیات کے نئے نئے معنی بیان کرتا ہو جو شخص آیات قرآنیہ کے ایسے معانی بیان کرے جو الذین انقضت یعنی صحابہ و تابعین کے سمجھے ہوئے کے خلاف ہوں اور اس زمانہ کے معصوب علیہم اور ضالکین یعنی یہود اور نصاریٰ کے تہذیب اور تمدن کے مطابق ہوں تو یقین کر لو کہ یہ شخص بلاشبہ صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور حسب ارشاد باری وَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْنٌ مِّنْ دَاخِلٍ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا چاہیے۔ یعنی ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پرہیز کرو۔

وجہ دوم

ربط کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں زیادہ تر محاجہ اور مباحثہ یہود سے تھا اور سورۃ آل عمران میں محاجہ اور مباحثہ زیادہ تر نصاریٰ سے ہے اور یہود چونکہ نصاریٰ سے مقدم ہیں اس لیے سورۃ بقرہ کو سورۃ آل عمران سے پہلے لایا گیا۔

وجہ سوم

سورۃ بقرہ میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر ہے۔ وَقَالَ تَعَالَى إِنِّي مَتَّلٌ مِّثْلُ عِيسَىٰ عَنِ الدِّمِ كَمَثَلِ الْخَمِ۔

وجہ چہارم

ہر سورۃ کا خاتمہ ایک خاص دُعا پر ہوا سورۃ بقرہ کا خاتمہ کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا پر ہوا جو دین کی ابتدائی حالت کے مناسب ہے اور سورۃ آل عمران کا خاتمہ دُعا حسن ثواب اور جزاء اعمال اور ایفاء مواہب کی درخواست پر ہوا جو مومنین متقین کے مناسب ہے جن کا ذکر سورۃ بقرہ کے شروع میں تھا۔

وجہ پنجم

سورۃ بقرہ کی بتدریج متقین اور مغضبین کے ذکر سے ہوئی اور اس سورۃ کا خاتمہ متقین اور مغضبین کے ذکر پر ہوا کما قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اسی طرح سے اس سورت کی نہایت پہلی سورت کی ہدایت میں مندرج ہو گئی اور سورۃ آل عمران کا اختتام سورۃ بقرہ کے اختتام میں مندرج ہو گیا قرآن کریم جس طرح علوم و معارف اور فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اسی طرح باعتبار ربط کے بھی حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔

نکتہ

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا نام احادیث میں زُہرِ اَوْنِ آیا ہے جس کے معنی دو روشن سورتوں کے ہیں، سورتیں زہری ہی روشن ہیں مگر گمان یہ ہے کہ شاید سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کے انوار اور تسبیحات باہم ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام زُہرِ اَوْنِ رکھا گیا ہو اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سورۃ بقرہ اور آل عمران کے قرأت اور تلاوت پر قاری کو ایک نور تام عطا کیا جائے گا۔ نیز سفین بنی داؤد وغیرہ میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے سورۃ بقرہ کی یہ آیت خَالِكُمْ إِلَهُ فَاجِدْ لَهُ الْإِلَهَ الْأَوَّلَ الْعَاقِبَ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ اور سورۃ آل عمران کی یہ آیت لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفْلًا

لَا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ نیز اس سورت کا آغاز آیۃ الکرسی سے ملتا جلتا ہے جو قرآن کا دل ہے پس عجب نہیں کہ اس اشترک کی وجہ سے بھی ان دونوں سورتوں کو زہرا دین کہا گیا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان ہے رحم والا

اَلَمْ يَلَمْ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا تَدْرِي الْيَوْمَ ۝ نَزَّلَ

اللہ! اس کے سوا کسی کی ہندگی نہیں جیتا ہے۔ سب کا تھامنے والا۔ اتاری

عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

تجھ پر کتاب تحقیق، ثابت کرتی اگلے کتاب کو

وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى

اور اتاری تھی توریت اور انجیل۔ اس سے پہلے لوگوں کی

لِلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہدایت کو، اور اتارا انصاف جو لوگ منکر ہیں

بِاٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو

اللہ کی آیتوں سے ان کو سخت عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست ہے

اِنْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ

بدل لینے والا۔ اللہ اس پر بھی نہیں کوئی چیز زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ

اور نہ آسمان میں ۔ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں،

كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

جس طرح چاہے۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، زبردست حکمت والا۔

اثبات توحید و بیان محکم در ابطال الوہیت عیسیٰ بن
مریم و مناظرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالنصائے نجران

قال الله تعالى لا اله الا هو الحي القيوم... الى.. هو العزيز الحكيم.. محمد بن اسحاق وغيره سے منقول ہے کہ سورہ آل عمران کے شروع کی ترسی آیتیں نصائے نجران کے بارے میں نازل ہوئیں۔ نجران، علاقہ یمن میں ایک شہر کا نام ہے جو اس زمانہ میں عیسائیوں کا علمی مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی خبر جب اہراف اور اکناف میں پہنچی تو یہ خبر من کر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مناظرہ اور مباحثہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اس وفد میں ساتھی سوار تھے جن میں سے چودہ آدمی خاص طور پر بڑے شریف اور معزز تھے اور ان چودہ آدمیوں میں تین شخص ایسے تھے جو ان کا مزاج الامر تھے یعنی سب کا آدمی اور لمبا تھے تمام کام انہیں تین کے مشورہ سے ہوتے تھے۔

ایک ان کا امیر اور سردار تھا جس کا نام عبدالمسیح تھا جو بڑا زیرک اور ہوشیار اور ذی رائے تھا۔ اور دوسرا اس کا وزیر و مشیر جن کا نام ایہنم تھا۔ اور تیسرا ان میں کا سب سے بڑا عالم اور پادری تھا۔ جس کو وہ جزر و سفت کہتے تھے اس کا نام ابو عارثہ بن علقمہ تھا شاہان روم اس پادری کی اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی توقیر و تعظیم کرتے تھے۔ در عیسائی بادشاہوں اور امیروں کی طرف سے اس کو بڑی جاگیریں ملتی تھیں۔ یہ لوگ حضرت مسیح کی الوہیت اور اہلیت کے قائل تھے اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے جب مدینہ منورہ حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عیسیٰ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی گفتگو کر نیوالے

یہی تین آدمی تھے عبدالمسیح، ایٹم، البرحارثہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے استدلال میں یہ کہا کہ

- ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔
- ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔
- ۳۔ عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے۔
- ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورتیں بناتے اور پھر ان میں پھونک مارتے اور زندہ ہو کر وہ پرند بن جاتے۔

اور ان تمام چیزوں کا قرآن کریم نے اقرار کیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ خدا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر اس طرح استدلال کیا کہ

- ۱۔ وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔
- ۲۔ نیز حضرت عیسیٰ نے گہوارہ میں کلام کیا اُن سے پیشتر کسی نے گہوارہ میں کلام نہیں کیا۔ یہ بھی خدا کے بیٹا ہونے کی دلیل ہے۔

اور مسئلہ تثلیث یعنی حضرت عیسیٰ کے ثلاث ثلاثہ ہونے پر یہ استدلال کیا کہ حق تعالیٰ جا بجا یہ فرماتے ہیں فَعَلَّمَا وَآمَرْنَا وَخَلَقْنَا وَقَضَيْنَا ہم نے یہ حکم دیا ہم نے یہ پیدا کیا ہم نے یہ مقدر کیا یہ تمام صیغے جمع کے ہیں اور جمع کا اول درجہ تین ہے پس اگر خدا تعالیٰ ایک ہوتا تو صیغہ جمع کا استعمال نہ ہوتا بلکہ بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال ہوتا اور یوں کہا جاتا فَخَلَّصْتُ وَأَمَرْتُ وَخَلَقْتُ وَقَضَيْتُ میں نے کیا۔ میں نے حکم دیا۔ میں نے پیدا کیا۔ میں نے مقدر کیا یہ اس مایہ نازہ وفد کے استدلالات تھے جس کو اپنے علم پر فخر اور ناز تھا جن کی حقیقت اہل عقل اور اہل فہم کی نظر میں ادھام اور خیالات سے زیادہ نہیں اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات اور ارشادات کو سنئے۔

- ۱۔ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ وَلَدُ الْإِلَهِ وَهُوَ يُشَبِّهُ أَبَاهُ قَالُوا بَلَىٰ
 - ۲۔ قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ إِنَّ رَبَّنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَإِنْ عِيسَى يَأْتِي عَلَيْهِ الْفَنَاءُ قَالُوا بَلَىٰ
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے وفد نے کہا کیوں نہیں۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چگون ہے کوئی شے اس کے مشابہ نہیں۔
- بعد ازاں آپ نے وفد سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے کبھی بھی اس کو موت نہیں آسکتی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ضرور موت اور فنا آنے والی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے۔

دند نے اقرار کیا کہ بے شک یہ صحیح ہے ایک نہ ایک وقت ان پر موت اور فناء ضرور آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ پر موت اور فناء کا طاری ہونا ناممکن اور محال ہے۔

تنبیہ

نصاری کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہو کر مر چکے ہیں لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے الزام کے لیے یہ نہیں کہا کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو موت آپہنچی ہے اس لیے کہ یہ امر خلاف واقعہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور چند روز کے بعد وفات پائیں گے۔ جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے واضح ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے وہی کلمہ نکلا جو واقع کے موافق تھا۔ خلاف واقع چیز کا نبی برحق کی زبان سے نکالنا مناسب نہیں اگرچہ اس چیز کا ذکر محض بطور الزام ہو اور عجب نہیں کہ نصاریٰ نے اس کا اقرار اس لیے کیا ہو کہ وہ اتنی بات کو غنیمت سمجھے اور یہ خیال کیا ہو کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق ہم پر الزام اور جنت اور بھی پوری ہو جائے گی۔ نیز نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں ایک فرقہ کا عقیدہ یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد وفات پائیں گے۔ پس ممکن ہے کہ اس دند کے لوگ اسی عقیدہ کے ہوں جو اسلام کے مطابق ہے۔

۳۔ قال الستمو لعلمون ان ربنا
قتیو علی کل
شیئ یکلؤہ و یحفظہ
و یرزقہ قالو بلی قال
فهل یملک عیسی من
ذلک شیئا قالوا لا۔

پھر آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حق
قائل ہی ہر چیز کے وجود کو تحاشے دالے
اور اس کے محافظ اور نگہبان اور رزق رسان
ہیں انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ
بتلاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز
کے مالک اور قادر ہیں یعنی کیا عیسیٰ علیہ السلام
نے بھی مخلوقات کو وجود عطا کیا ہے اور اپنی قدرت
سے ان کے لیے سامان بقا پیدا کیا ہے انہوں نے
کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان چیزوں پر قادر نہیں۔
پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ
اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز

۴۔ قال افلستم تعلمون ان
اللہ لا یخفی علیہ شیئ

محقق نہیں انہوں نے کہا بے شک آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کون میں سے ہے جس کے چیز کے جس کا خدا تعالیٰ نے ان کو علم دے دیا تھا کوئی اور شے بھی جانتے تھے انہوں نے کہا کہ نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے عیسیٰ علیہ السلام کی مریم کے رحم میں اپنی مرضی کے موافق صورت بنائی۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نہ کھاتا ہے اور نہ پیلتا ہے اور نہ باخانہ اور پیشاب کرتا ہے انہوں نے کہا بے شک۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی طرح حاملہ ہوئیں جس طرح ایک عورت اپنے بچہ کو پیٹ میں رکھتی ہے اور پھر اس کو جنتی ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور بچوں کی طرح ان کو غذائی گئی اور پھر بڑے ہوئے اور وہ کھاتے تھے اور پییتے تھے اور پیشاب اور پاخانہ کرتے تھے انہوں نے کہا بے شک ایسے ہی تھے۔

آپ نے فرمایا کہ جب تم کو ان سب باتوں کا اقرار ہے تو بتاؤ کہ کیا ہو کر عیسیٰ خدا کیسے ہوئے جیسا تمہارا گمان ہے پس آپ کے اس ارشاد سے ان لوگوں نے حق کو خوب پہچان لیا۔ مگر جان بوجھ کر انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۱۶

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ
قَالُوا بَلٰى قَالَ فَمَلِ يَعْلَمُ
عِيسٰى مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا
اِلَّا مَا عَلَّمَ قَالُوا لَاۤ

۵۔ قَالَ فَاَلَمْ يَلِدْ رِبْنَا صَوْرَ
عِيسٰى فِي الرَّحْمِ كَيْفَ
شَاءَ

۶۔ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ اَنْ رِبْنَا لَا
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَلَا يَشْرَبُ
الْشَّرَابَ وَلَا يَمُوتُ لِمُحَدِّثِ الْقَوْلِ بَلٰى
۷۔ قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ اَنْ رِبْنَا لَا

عِيسٰى حَمَلَتْهُ اَمْرًا كَمَا تَحْمِلُ
الْمَرْءَةُ شَيْئًا وَضَعَتْهُ كَمَا
تَضَعُ الْمَرْءَةُ وَلَدَهَا شَيْئًا
غَذِيَ كَمَا تَغْذِي الْمَرْءَةُ
الصَّبِيَّ شَيْئًا كَانَ يَأْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ الشَّرَابَ
وَيَمُوتُ لِمُحَدِّثِ الْقَوْلِ بَلٰى

۸۔ قَالَ فَكَيْفَ يَكُنْ هٰذَا كَمَا نَعْتَمُ
فَعَرَفُوْهُ اَشْهُرَ الْاَلْوَا اِلَّا جَمْعًا
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ - اَللّٰهُمَّ اَللّٰهُ لَا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ - اَعْنِ
اِبْنَ جَرِيْرٍ وَابْنَ اَبِي حَاتِمٍ عَنْ
الْبَيْهَقِيِّ (تفسير در مشور ص ۲ ج ۲)

اَللّٰهُ - اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

الوہیت اور خدائی اسی کے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ (۱) وہ بذاتہ زندہ ہے اور اس کی حیات ازل سے ابدی ہے موت اور فنا کا اس کی ذات اور صفات میں کہیں امکان نہیں (۲) اور وہی تمام کائنات کے وجود اور حیات کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔

پناہ بندی دہستی توئی ہر نیستند آنچہ ہستی توئی
قرار ہر ہست بر نیستی توئی آنکہ یک برقرار نیستی

اور عیسٰی علیہ السلام کی حیات نہ ذاتی ہے اور نہ ازلی اور ابدی۔ اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے سے وہ زندہ ہوئے ان کی حیات اور ان کی زندگی بلاشبہ حادث اور فانی ہے اور جس کا وجود اور جس کی حیات حادث اور فانی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا عیسٰی علیہ السلام نے نہ تو مخلوقات کو کوئی وجود اور حیات عطا کی اور نہ ان کے لیے کوئی سامان حیات پیدا کیا اور نہ وہ کائنات کے وجود کے تھامنے اور قائم رکھنے پر قادر ہیں لہذا خدا کیسے ہو سکتے ہیں (۳) نیز حق تعالیٰ اعلم الحاکمین ہیں۔ جس نے بندوں کی ہدایت کے لیے آپ پر ایک کتاب اتاری جو حق اور سچائی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔ جو اس کی صفۃ کرام کا آئینہ ہے اور اس کے احکام اور قوانین کا ایک مجموعہ ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق و توثیق کرتے والی ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اس قرآن سے پہلے توریت اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اتارا اور اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر کتابوں کا اتارنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ رب العالمین اعلم الحاکمین ہے اور انبیاء و مرسلین خدا نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جو احکام خداوندی کے پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اگر خدا ہوتے تو ان پر اللہ کی وحی اور اس کی کتاب نازل نہ ہوتی۔ وحی کا نزول بندہ پر ہوتا ہے خدا پر نہ وحی نازل نہیں ہوتی۔

نیز کتب الہیہ در صحف سماویہ سب کی سب توحید پر متفق ہیں کما قال تعالیٰ
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي لِهَذَا تَشْلِيَتْ
اور اہمیت کا عقیدہ تمام کتب الہیہ کے خلاف ہے۔ (۴) اور اتارے اللہ تعالیٰ نے جو کتاب
تا کہ حق اور باطل کا خوب فرق ظاہر ہو اور دشمنان حق اس کے مقابلے سے عاجز ہو کر حق تعالیٰ کی
قدرت اور انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کا یقین کریں معجزات اور خوارق عادت ایک طرف
خداوند یکتا کی وحدانیت اور قدرت کی دلیل ہیں اور ایک طرف انبیاء کرام کی نبوت و رسالت
کی برہان ہیں۔

لہذا تحقیق جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا اور خوارق عادت کو دیکھ کر خدا
تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل نہ ہوئے یعنی ان کو خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ
بندہ اور فرستادہ خداوندی نہ مانا ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ

عزّت والا اور زبردست اور صاحب انتقام ہے۔ جو شخص اس کے مقابلہ کے لیے سر اٹھاتا ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس عزیز مقدر کے پنجہ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور نہ اس عزیز منتقم کے انتقام سے بچ کر بھاگ سکتا ہے۔ اس جملہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابطال الوہیت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت یسوع صلیب پر لٹکائے گئے در اہلی، بی بی کہتے جان دے دی، در اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ ظلم سے بچھڑائے اور نہ ان سے کوئی انتقام لے سکے پس ایک عاجز اور مظلوم اور مغلوب کو جس پر اس کے دشمن غالب آگئے ہوں خدا کہنا یا خداوند قادر مطلق کا بیٹا کہنا کیا کھلی ہوئی نادانی نہیں عقلاء عالم کے نزدیک خدائی اور ذلت کا جمع ہونا نامکن اور محال ہے۔ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عزیز مقدر ہو البتہ نصاریٰ کے نزدیک خدا کا دشمنوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونا ممکن ہے۔ (۶) تحقیق اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ کے اقتدارِ کامل اور اختیارِ کامل کو بیان فرمایا اب اس آیت میں اس کے علمِ کامل کو بیان فرماتے ہیں یعنی جس طرح اس کی قدرتِ الہیہ تمام ممکنات کو محیط ہے کی طرح اس کا علم بھی محیط ہے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز اس کے علم سے غائب اور پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا علم محید حاصل نہ تھا صرف اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ سے ان کو بتلا دیتا تھا اور نصاریٰ نے نجران نے خود اس کا اقرار کیا اور موجودہ ناجیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے بہت سی چیزیں ان پر مخفی رہتی تھیں۔ اللہ کی دہی اور روح القدس کے سنہانی سے معلوم ہوتی تھیں۔ (۷) وہی خدا جوں میں تمہاری صورتیں اور نقشے جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔ کسی کو مرد اور کسی کو عورت کسی کو خوبصورت اور کسی کو بدصورت پس کیا جس کی صورت اور نقشہ رحم مادر میں بنا ہو اور بطنِ مادر کی تاریکیوں سے نکل کر وہ اس دار فانی میں آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھانا اور پیتا اور پاخانہ اور پیشاب کرتا ہو معاذ اللہ وہ کس طرح خدائے قدوس اور خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے خدا وہ ہے کہ جو اپنے ارادہ اور مشیت سے رحم مادر میں صورتیں اور نقشے بنائے اور جو نقشہ اور صورت رحم مادر میں بنا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو صورت بنتی ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوتا اس لیے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک اور ہم نہیں لہذا وہی سرورِ اربوبیت اور شایانِ عبودیت ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ خداوندِ قدوس ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے جس کی قدرت اور حکمت کی کوئی انتہا نہیں اس نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت یسوع کو بدن

باپ کے اور حضرت عواذ کو بدون ماں کے اور حضرت آدم کو بدون باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ جس مخلوق کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ اس کی ممکنات کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ کس کسٹور و نمکشت ید بحکمت اس معمار

فوائد و لطائف

۱۔ امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا آغاز نہایت عجیب و مغریب ہے۔ جو اثبات توحید اور اثبات رسالت دونوں پر مشتمل ہے۔

اثبات توحید تو اس اعتبار سے ہیں کہ صفات خداوندی کے بیان پر مشتمل ہے کہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حی اور قیوم اور عالم الغیب اور عزیز متقہم ہو۔ اور رحم مادر میں اولاد کی تصویر بنانے پر قادر ہو اور عیسٰی علیہ السلام میں یہ صفات موجود نہ تھیں لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ خدا نہ تھے۔ (جیسا کہ تفصیل پہلے گذر چکی ہے)۔

اور اثبات رسالت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا نبی اور رسول ہونا اور توریت اور انجیل ان پر نازل ہونا تم کو بھی تسلیم ہے اب تلاؤ کہ توریت اور انجیل کے کتاب الہی ہونے کی کیا دلیل ہے جو دلیل ان کے لیے ہے۔ قرآن کے لیے اس سے ہزار درجہ بڑھ کر دلائل موجود ہیں اور جس دلیل سے تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہو اسی طرح کی دلیل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ ناچیز کہتا ہے اثبات توحید اور اثبات رسالت کے علاوہ اثبات قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ اثبات قیامت کی دلیل ہے کہ جو خدا اپنی قدرت کا مد سے پہلی مرتبہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اس طرح اس سورت کے مطلع میں اسلام کے اصول ثلاثہ توحید اور رسالت اور قیامت کے اثبات کے دلائل کی طرف اجمال اشارہ ہو گیا۔

۲۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانوں کی صورتوں اور شکلوں کا مختلف ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضار نہیں اور نہ محض اتفاق سے ہے بلکہ یہ اختلاف حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے بلکہ یہ تمام قادر عظیم اور عزیز عظیم کی کارگیری ہے۔

۳۔ اَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ میں فرقان کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرقان سے معجزات مراد لیے۔ اور بعضوں نے زبور مراد لی ہے اور بعض نے قرآن کریم مراد لیا ہے امام رازی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ

اس آیت میں فرقان سے سجزات مراد لیے جائیں جیسا کہ ہم نے تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پکی ہیں۔

هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرُ مُتَشَبِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ

سو جڑ ہیں کتاب کی، اور دوسری ہیں کئی طرف یعنی، سو جن کے دل

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ

بھڑے ہوئے ہیں، وہ لگتے ہیں ان کی دُصیب والیوں سے، تلاش

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا

کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں کئی کل بٹھانی، اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوا

اللَّهِ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ

اللہ کے، اور جو مضبوط علم والے ہیں، سو کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے، سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ٥

کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور بھائے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

اے رب ہمارے دل نہ پھیر، جب ہم کو ہدایت دے چکا، اور دے ہم کو اپنے ہاں

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ٦ رَبَّنَا

سے مہربانی، تو ہی ہے سب دینے والا۔ اے رب!

إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ

تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں شبہ نہیں۔ بیشک اللہ

لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۙ

خلاف نہیں کرتا وعدہ -

تقسیم آیات بسوئے محکمات و متشابہات
مع تقسیم سامعین بسوئے لغین فہم و راہن علم

قال الله تعالى هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ اَللّٰهُ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ -
جب دلائل واضح سے توحید کا اثبات اور تثلیث اور اہمیت کا رد اور ابطال ہو گیا تو نصاریٰ
نے عاجز ہو کر بطور معارضہ یہ کہا کہ آخر آپ بھی حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ مانتے ہیں۔ پس یہی
اظہار ہمارے مدعا کے، ثبات کے لیے کافی ہیں۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کا جواب ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کے شکل میں
دیا جس کے سچے پلٹے کے بعد صواب اور ہزارہا شبہات اور اشکالات اور نزاعات اور مناقشات کا خاتمہ
ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الہیہ میں آیات خداوندی کی دو قسمیں ہیں ایک محکمات کہ
جن کی مراد واضح اور متعین ہو اور بدعتیت ان کے مفہوم اور معانی میں الٹ پھیر کر کے اور ان آیات
کے ظاہری الفاظ کو اپنی غرض پر نہ ڈھال سکتا ہو یہ آیتیں اُمّ الکتاب اور اصل کتاب کہلاتی ہیں جو کتاب
الہی اور شریعت اور تمام تعلیمات کی جڑ ہوتی ہیں۔ انہی پر دین اور شریعت کا دار و مدار ہوتا ہے جیسے آیات
توحید و تنزیہ وغیرہ۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں ایک گونہ خفا اور ابہام ہوتا ہے اور مراد پوری واضح اور
متعین نہیں ہوتی دوسرے معنی کا بھی ان میں احتمال ہوتا ہے۔ ان آیات کا حکم یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی
طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے جو معنی، محکمات کے مطابق ہوں ان کو لیا جائے اور جو معنی آیات محکمات
کے خلاف ہوں ان کو نہ لیا جائے۔

بعض آیات کو حق جل شانہ نے قعداً مجمل اور متشابہ ناز فرمایا ہے تاکہ بندوں کا امتحان کریں کہ
کون صریح اور واضح المراد یعنی آیات محکمات کا اتباع کرتا ہے اور کون کج رد ان مجملات اور متشابہات
کو اپنی غرض پر ڈھالتا ہے اور محکمات اور آیات واضحات سے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک حکمت آیات
متشابہات کے نازل کرنے میں یہ ہے کہ جب باوجود جدوجہد کے متکلم کی مراد متعین نہ کر سکیں تو اپنے
تصور علم کا اقرار کریں اور بزبان حق جو ہمدانی کے دعوے سے در بنے ہوئے تھے اس سے توبہ کریں اور

جس طرح قصور علم اور قصور فہم کی وجہ سے اور دیگر بے شمار حقائق پر دسترس نہیں اسی طرح آیات مشابہات کو بھی ان کی فہرست میں شامل کر لیں مگر ایسی تاویلات سے پرہیز کریں کہ جو آیات بیانات اور حکمت اور اسلام کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔

پس جن آیات اور عبارات سے نصاریٰ نے نجران نے استدلال کیا ہے مثلاً روح اللہ اور کلمہ اللہ کے الفاظ سے وہ سب کے سب اقسام تشابہات سے ہیں اور جن آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ اور بھرا ہونا صاف اور واضح طور پر بیان کیا ہے وہ آیات حکمت ہیں مثلاً قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تصریح کر دی۔ اِنَّ هُوَ اَلْاَعْبُدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ يٰ مَعْزُومُ اِنَّ مَثَلِ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنٰهُ مِنْ تُرَابٍ يٰ مَثَلُ ذٰلِكَ عِيسٰى مِنْ مَرْيَمَ قَوْلِ الْحَقِّ الَّذِي فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ يٰ مَثَلُ جن بے شمار آیات میں حق تعالیٰ نے یہ امر واضح طور پر بیان فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے کوئی بیٹا ہے مَآ كَا تَدْعُوْا اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ لَّكَ يَدُّوْا وَلٰكِنْ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔

پس آیات حکمت میں صاف طور پر غیر اللہ کی اہمیت اور ابنیت کا رد کیا گیا ہے ان سے ترانہیں بند کر لینا اور کلمہ اَللّٰہُ اَكْبَرُ اَللّٰہُ اَكْبَرُ جیسی آیات تشابہات کو لے دوڑا۔ اور ان کی ایسی تاویل کرنا جو صریح بیانات اور آیات حکمت کے منافی ہوں یہ کج روی اور گمراہ لوگوں کا طریق ہے کہ جو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے اور سید راستہ سے ہٹانے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عزیز و حکیم وہی ذات ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے آپ پر ایک جامع اور کامل کتاب اتاری جس کی کچھ آیتیں حکم ہیں یعنی ظاہر المراد اور واضح المعنی ہیں جن کے معنی اور مفہوم میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس نہیں جو شخص ان کو سنے اور زبان سے اور اصطلاحات شریعت سے واقف ہو اس پر ان کا مفہوم مشتبہ نہیں رہتا۔ یہی آیتیں کتاب الہی کی اصل اور جڑ ہیں انہی پر ساری تعلیم کا دار و مدار ہے اور یہی آیتیں قرآن کا مغز ہیں۔

اور کچھ آیتیں اس کی مشابہ ہیں جن کی مراد میں کچھ خفا اور اشتباہ ہے سامع کو باوجود زبان دان ہونے کے اور باوجود غور و تامل کے اور باوجود اصول شریعت کے واقف ہونے کے ان کی پوری پوری مراد واضح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے بندوں کو جتنا بتلانا چاہتے ہیں اتنی مقدار واضح فرما دیتے ہیں اور جس قدر نہیں بتلانا چاہتے اتنی مقدار اس میں خفا اور ابہام رکھ دیتے ہیں اور اس عزیز حکیم کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کو ہم نے ظاہر اور واضح کر دیا اس کا اتباع کرو اور کتاب الہی کی جو چیز تم پر مخفی در مشتبہ رہے اس پر بے چون و چرا ایمان لاؤ اور اس قسم کی آیات کی تفسیر میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھو کہ ان آیات کے کوئی معنی ایسے ہرگز ہرگز نہ میان کیے جائیں جو آیات حکمت اور شریعت کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔ تشابہات کو حکمت کی طرف راجع کرو۔ امام ابو منصور مازیدیؒ

فرماتے ہیں کہ آیت محکم کی مراد عقل سے معلوم ہوتی ہے اور آیت متشابہ میں بدون نقل اور روایت کی مدد کے وضو دینا ممکن نہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ طبعی طور پر کسی کفر اور بدعت کی طرف مائل ہیں نام کے مسلمان ہیں دل میں اپنے خیالات اور مزعومات چھپائے ہوئے ہیں سو یہ لوگ کتاب الہی میں سے صرف آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ حق اور باطل کو مشتبہ بنا سکیں اتباع متشابہات سے کبھی تو ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو الحاد اور بدعت کے فتنہ میں مبتلا کریں اور لوگوں کے دلوں میں دین کی طرف سے شکوک اور شبہات ڈالیں اور اس طرح مفاطلہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور کبھی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان آیات متشابہات کی کوئی ایسی تاویل تلاش کی جائے جو ان کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اور کھینچ تان کر کے آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جو ان کی رائے اور ہوسے نفسانی کے موافق ہو ایسے لوگ اپنی مطلب برتری کے لیے آیات محکمات اور احادیث واضحات کی طرف نظر نہیں کرتے اور ہوائے نفسانی کی وجہ سے آیات متشابہات کا پیچھا کرتے ہیں تاکہ ان کے خفا اور ابہام کی وجہ سے ان میں کھینچ تان کر کے اپنا مطلب نکال سکیں اور عوام کو دھوکہ دے سکیں حالانکہ ان متشابہات کی صحیح حقیقت اور یقینی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس نے اپنے لطف و کرم سے جس قدر حصہ پر آکاہ کرنا چاہا کر دیا اور جتنا حصہ اپنی حکمت سے مخفی رکھنا چاہا وہ مخفی اور مشتبہ رکھا اور جو لوگ علم میں پختہ اور ثابت قدم ہیں۔ جب وہ آیات متشابہات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں متعدد معانی کا احتمال ہے تو اپنی نفسانی خواہش اور طبعی میدان کا ذرہ برابر بھی لحاظ نہیں کرتے بلکہ متشابہات کو محکمات کے ساتھ ملا کر معنی بیان کرتے ہیں جتنا سمجھ میں آگیا اس کو سمجھ گئے ورنہ سمجھ میں آیا اس کو اللہ پر چھوڑ دیا واللہ اعلم اللہ ہی بہتر جاننے والا، ہم کو تو ایمان سے مطلب ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان متشابہات پر اللہ کی مراد کے مطابق ایمان لائے سب کچھ یعنی محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ جس کی مراد ہم کو معلوم ہے اور جس کی مراد ہم کو معلوم نہیں یہ سب ہمارے پردہ و کار کی طرف سے ہیں محکم اور متشابہ سب سے ہماری تربیت مقصود ہے محکمات کو اس لیے نازل فرمایا کہ اس کے مطابق اعتقاد رکھیں اور عمل کریں۔ ورنہ متشابہات کو اس لیے نازل کیا کہ اپنی قصور استعداد اور تصور علم کا اعتراف کریں اور ایسے مواقع پر آیات محکمات کا اتباع کریں۔ نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر وہی لوگ کہ جن کی عقل سیم اور خالص ہے نفسانی خواہشوں کے رنگ سے پاک اور صاف ہے جس بات کا مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آتا اس کو مشکل علم و حکیم کے حوالہ کرتے ہیں اور لادری اور ما اعلم کہہ کر نصف علم حاصل کر لیتے ہیں اور باوجود اس کے وہ غافل رہتے ہیں اور دڑتے ہیں کہ مبادا کسی پوشیدہ نفسانی خواہش کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بعد اس کے کہ تو نے کتاب نازل فرما کہ ہم کو ہدایت دی اور اس کتاب کے محکم اور متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا کی اب اس لطف و عنایت اور اس توفیق

اور ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو حق اور ہدایت سے کج اور منحرف مت فرما ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں۔ دلوں کا ہدایت پانا اور حق کو قبول کرنا سب آپ کی توفیق سے ہے اور دے ڈال ہم کو اپنے پاس سے ہم کو خاص الخاص رحمت اور مہربانی یعنی توفیق اور فہم صحیح بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا اور دے ڈالنے والا ہے۔ جس طرح ظاہری نعمتیں تیری بارگاہ سے ملتی ہیں اسی طرح علم صحیح اور فہم صحیح ورتاویل صحیح کی نعمت بھی تیری ہی بارگاہ سے ملتی ہے اور یہ سب تیری رحمت اور مہربانی ہے۔ سمجھ پر کوئی شے واجب نہیں اور اسے پروردگار چند علوم اور معارف اور متفرق ادبیت کا کسی کے سینہ میں جمع کر دینا تیرے لیے کوئی دشوار نہیں اس لیے کہ تحقیق تو تمام لوگوں کو اکثاف عالم سے اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ ہی نہیں۔ پس اگر آپ اپنی رحمت سے ہم نابکاروں کے سینہ میں صحیح علوم اور صحیح تادیلات کو جمع فرمادیں تو بعید از رحمت نہیں ہم اگرچہ اس کے اہل اور لائق نہیں مگر آپ کا اہل انابت اور اہل مجاہدہ سے یہ وعدہ ہے کہ جو ہماری طرف رجوع کرتا ہے اُس کو اپنی خاص ہدایت اور توفیق سے سرفراز کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِينَ خَافُوا هَٰذَا هَٰذَا نَشْهَدُ بِسُوءِهِمْ سُبُلَنَا۔ وَيَهْدِي إِلَى الْبِرِّ هُنَّ يُنِيدُ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر کے نزاعی مسائل کا وہ ٹوک فیصلہ فرمائے گا۔ جس میں زانہیں اور راسخین فی العلم کے اختلاف کا فیصلہ بھی داخل ہے۔ اس لیے ہمیں ڈر ہے کہ ہم زانہیں اور مجرمین کا راستہ نہ اختیار کر لیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں اس لیے آپ ہی سے استقامت اور کجی سے محفوظ رہنے کی درخواست کرتے ہیں باوجود راسخین فی العلم ہونے کے اپنے علم پر مغرور نہ ہونا یہ بھی ان کے راسخ فی العلم ہونے کی ایک علامت ہے۔

لطائف معارف

۱۔ محکم اور متشابہ کی تفسیر میں سلف سے مختلف تعبیرات منقول ہیں۔ سب کا خلاصہ اور لبِ باب یہ ہے کہ محکمت وہ آیتیں ہیں کہ جن کے معنی ظاہر ہوں اور اُن کی مراد معلوم اور متعین ہو خواہ نفس لغت کے اعتبار سے اُن کے معنی ظاہر ہوں یا شریعت کے بیان کر دینے سے اُن کی مراد متعین ہو یعنی ان کی مراد یا تو اس لیے متعین ہے کہ لغت اور ترکیب اور سیاق و سباق کے اعتبار سے نظم قرآنی میں کوئی بہام اور اجمال نہیں اور یا شریعت کے اعتبار سے اس کی مراد متعین ہے مثلاً لفظ صلوة اور لفظ زکوٰۃ اگرچہ لغت کے اعتبار سے دھار اور پاکیزگی کے معنی میں ہیں جس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن شریعت کے بیان اور نصوص

قطعیہ اور اسلام کے اصول مسلمہ اور اجماع امت سے یہ قطعاً متعین ہو چکا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے متکلم کی مراد مخصوص طریقہ پر بدنی اور مالی عبادت بجا لانا ہے۔ شریعت کے بیان سے ان آیات کی مراد اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کوئی بدذہنیت سے بدذہنیت بھی ان کے مفہوم اور معنی میں الٹ پھیر نہیں کر سکتا ایسی آیات کو محکمت کہتے ہیں۔

اور مشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد اور معنی کے معلوم اور متعین کرنے میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس واقع ہو جائے اور چونکہ اشتباہ اور تشابہ ایک مرضی ہے جس کے درجات اور مراتب ہیں اس لیے تشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک تشابہ تو وہ ہے جس کی مراد معلوم ہونے کی نہ تو امید ہی باقی رہی ہو اور نہ اس کی مراد معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ اور امکان ہو جیسے مقطعات قرآنیہ التھ۔ التھ۔ طسٹو وغیرہ نہ لغت سے ان کے معنی معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ شریعت نے ان کے معنی بیان کیے ہیں اور دوسری قسم تشابہ کی یہ ہے کہ آیت میں اجمال اور ابہام یا اشتراک لفظی کی وجہ سے اُس کی مراد میں اشتباہ پیش آگیا ہو۔ تشابہ کے یہ اصطلاحی معنی مجمل اور متوہن کو بھی شامل ہیں۔ پس اگر آیت میں مشابہات سے پہلے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو تشابہ کی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور اگر مشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو مشابہات کے معنی اور تاویل۔ راسخین فی العلم کو بھی بقدر اپنے علم اور فہم کے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اصل کُنہ اور حقیقت اور پوری کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن راسخین فی العلم جب محکمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور غرور و علم اور فہم سے ان میں غور و فکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جتنی تاویل اور معنی ان پر وضع کرنا چاہتے ہیں اتنی تاویل اور معنی ان پر واضح فرما دیتے ہیں اور تشابہ کی قسم اول کو اصطلاح میں تشابہ حقیقی کہتے ہیں اور تشابہ کی قسم ثانی کو تشابہ اضافی کہتے ہیں۔

۲۔ سلف صالحین سے آیات مشابہات کی تاویل میں دو قول منقول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ مشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ ابی بن کعبؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ اور اکثر سلف سے یہی منقول ہے اور ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ مشابہات کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور ربیع بن انسؓ وغیرہم سے منقول ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں جن سلف کا یہ قول ہے کہ مشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم اول ہے جیسے مقطعات قرآنیہ اور جن سلف سے یہ منقول ہے کہ مشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم ثانی ہے۔

جو مجمل اور موزول اور محتمل سب کو شامل ہے۔
۳۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالشَّارِحُونَ فِي الْعِلْمِ الْخَمِيسِ قُرْآنُ اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ اَلَا اِنَّہُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اور الشَّارِحُونَ نے الْعِلْمِ جملہ متانفہ یعنی کلام جدید سے ماقبل پر عطف نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور راسخین فی العلم مشابہات کی تاویل اور حقیقت کو محض اللہ پر چھوڑتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کی مراد ہے اس پر ایمان لاتے ہیں ان کا مسلک محض تفویض تسلیم ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ اَلَا اِنَّہُ پر وقف جائز ہے ضروری اور لازم نہیں یعنی یہ بھی جائز ہے کہ اَلَا اِنَّہُ پر وقف کیا جائے اور الشَّارِحُونَ نے الْعِلْمِ کو کلام جدید قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ اَلَا اِنَّہُ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ وَالشَّارِحُونَ کا لفظ اَللّٰہ پر عطف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد راسخین فی العلم بھی مشابہات کی تاویل اور معنی کو جانتے ہیں۔ سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے
اَنَا مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ اَنَا اَعْلَمُ تَاْوِيلَهُ۔
میں راسخین فی العلم سے ہوں اور میں مشابہہ کی تاویل کو جانتا ہوں۔

غرض یہ کہ وقف اور عطف کے بارہ میں سلف کے یہ دو قول ہیں اور سلف کا یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے جن لوگوں نے مشابہہ کے پہلے معنی مراد لیے ان کے نزدیک اَلَا اِنَّہُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اس لیے کہ مقطعات قرآنیہ جیسے مشابہات کی تاویل سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور جن لوگوں نے مشابہہ کے دوسرے معنی مراد لیے جو مجمل اور محتمل اور موزول کو بھی شامل ہیں ان کے نزدیک وَالشَّارِحُونَ کا عطف لفظ اللہ پر جائز ہے اس لیے کہ ایسے مشابہات کی تاویل اور معنی خود و خوض کرنے اور محکمات کی طرف رجوع کرنے سے راسخین فی العلم کو بھی بقدر ان کے علم اور فہم ان پر مشکف ہو جاتے ہیں اگرچہ اصل حقیقت اور اصل کتبہ اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے مگر بقدر علم راسخین فی العلم بھی اُس کی تاویل کو جانتے اور سمجھتے ہیں اور مشابہہ کے دوسرے معنی لے کر یہ بھی جائز ہے کہ اَلَا اِنَّہُ پر وقف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ مشابہات کی اصل تاویل اور صحیح کتبہ اور پوری حقیقت سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر مشابہات کے اول معنی مراد لیے جائیں تو اَلَا اِنَّہُ پر وقف ضروری اور لازم ہوگا اور اگر آیت میں مشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو آیت میں وقف اور عطف دونوں

جائز ہیں جس نے وقف کو ضروری قرار دیا اُس نے مشابہ کے پہلے معنی مراد لیے اور آیت میں وقف اور عطف کی جو قرأتیں آئی ہیں وہ دونوں حق اور صحیح ہیں جس قرارت میں غیر اللہ سے مشابہ کی تاویل کی نفی کی گئی ہے وہاں مشابہ کے اول معنی مراد ہیں اور جس قرارت میں غیر اللہ یعنی رسخین کے یہ مشابہات کی تاویل کے علم کو ثابت کیا گیا ہے وہاں مشابہ کے دوسرے معنی مراد ہیں خوب سمجھ لو اور جس نے عطف جائز قرار دیا اس نے مشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے اس لیے عرض کیا گیا کہ یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے۔

۴۔ لفظ تاویل متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے تفسیر ابن جریر میں حاجب تاویل کا لفظ تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور متأخرین کی اصطلاح میں کسی قرینہ دلیل کی بنا پر نہ ہر سے غیر ظاہر کی طرف پھرنے کا نام تاویل ہے اور ہر ایک دلیل اور ہر ایک قرینہ کے ظاہر سے پھرنے کا نام تحریف ہے لیکن تاویل کے یہ دونوں معنی اصطلاحی ہیں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں تاویل سے محقق حقیقت و مصداق اور آل اور انجام اور نتیجہ اور حکمت اور کلام کی غرض اور غایت کے معنی مراد لیے گئے ہیں لفظ تاویل اصل میں اول سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں مثلاً هُنَّ يَنْظُرُونَ اِلَّا تَاْوِيْلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَاْوِيْلَهُ سِ يَوْمِ اٰخِرَتِ مراد ہے جس دن وعدہ اور وعید کا مصداق ظاہر ہوگا اور جزاء اور سزا کی حقیقت واضح ہوگی۔

اور بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِيهِمْ تَاْوِيْلُهُ مِنْ تَاْوِيلِ سِ خبر خداوندی کے مصداق کا ظہور مراد ہے یا عاقبت اور انجام کے معنی مراد ہیں ہر خبر کا ایک لفظی مفہوم اور اور مدلول ہوتا ہے اور ایک اس کا خارجی اور واقعی مصداق ہوتا ہے جو وقوع کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی اِنِّیْۤ اَنْزَلْتُ الْقُرْآنَ وَنُفُوْتُ لَعْنَةُ الْقُرْآنِ کَرِیْمُ نے خبر کے اس خارجی اور واقعی مصداق کو تاویل سے تعبیر کیا ہے۔ بسا اوقات خبر کا لفظی مدلول اور مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور اس کا خارجی مصداق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ راسخین فی العلم اس خبر کے لفظی اور ظاہری مفہوم کو جانتے ہیں اور اس کے خارجی مصداق کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہذا تاویل روای میں تاویل سے تعبیر مراد ہے جو خواب کا آل اور انجام اور خارجی مصداق ہے۔ وَرَبُّنَا یُنَزِّلُ الْاَسْطَقْمِرَ ذُرِّۃًۢ ذَرِّۃً اَوْۤ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا مِنْ تَاْوِيلِ سِ آل اور انجام کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اور ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَشْعُرْ بِهٖ عَلَیْکُمْ صَبْرًا۔ میں تاویل سے مصداق اور خارجی حقیقت اور حکمت کے معنی مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْ فِی السِّدِّیْنِ وَعِلْمَهُ سے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرما۔ الت دلیل۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے محقق حقیقت اور پوشیدہ حکمت کا منکشف کرنا اور آل اور انجام کا ظاہر کرنا مراد ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه وسجوده سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اغفر لي يتأول القرآن
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ سبحانک اللہ ربنا وبحمدک اللہ اغفر لی گویا کہ آپ اس دعا کے ذریعہ سے فسبح بحمد ربک واستغفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ سبحانک اللہ ربنا وبحمدک اللہ اغفر لی گویا کہ آپ اس دعا کے ذریعہ سے فسبج بحمد ربک واستغفرہ کی تاویل ظاہر فرماتے ہیں اس آیت کا عمل

مصدق بیان فرماتے کہ آیت قرآنی میں تسبیح و تحمید اور استغفار کی تادیل یہ ہے کہ رکوع میں اس طرح تسبیح اور استغفار پڑھی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ حدیث میں تاویل سے کلام کا ظاہر سے پھیرنا مرد نہیں بلکہ اس کے خارجی مصداق کا

تعیین مراد سے۔

۵۔ اس سورت میں آیات قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک محکم اور ایک متشابہ۔ اور سورۃ ہود کے شروع میں یعنی کُتِبَ الْحُكْمُ اٰیۃ میں قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم بتلایا گیا۔ اور سورۃ زمر کی اس آیت۔ اٰمَدْنٰکَ اَحْسَنَ الْخَبْرِ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا میں سارے قرآن کو متشابہ بتلایا گیا۔

سوان آبات میں محکم اور مشابہ کے دوسرے معنی مرد ہیں محکم کے معنی لغت میں مضبوط اور مستحکم کے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم نظم اور معنی کے اعتبار سے نہایت مستحکم اور سزا سزا حق اور سزا پا حکمت ہے کہیں جائے انگشت نہیں اس لیے سارے قرآن کو محکم کہا گیا۔ اور مشابہ کے معنی لغت میں مشابہ اور ملتے جلتے کے ہیں اور چونکہ قرآن کی تمام آیتیں حسن اور خوبی۔ اور ہدایت اور نصاحت اور بلاغت میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اختلاف اور تناقض سے پاک ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ
وَلَوْلَا مِنْ عِنْدِ عَزِيزٍ لَوْجَدُوكُمْ فِي خِلَافٍ اٰیٰتِنَا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
اس لیے تمام قرآن کو کتابتاً بالمشابہ فرمایا۔

پس جس جگہ قرآن کی بعض آیتوں کو محکم اور بعض کو تشابہ کہا گیا وہاں محکم اور تشابہ کہے اور معنی مراد ہیں اور جہاں سارے قرآن کو محکم یا تشابہ کہا گیا وہاں اور معنی مراد ہیں۔ پس جب ہر جگہ معنی جدا ہوئے تو آیات میں کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔

۶۔ آیت کو راسخین فی العلم سے شروع فرمایا اور اَلْأُولَآئِیْنَ سَابِ پر ختم فرمایا۔ معلوم ہو اگر راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جن کو عقل نفسانی خواہشوں سے کج اور خراب نہ ہو گئی ہو جب تک عقل سے نفسانی خواہشوں کا رنگ دور نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک راسخین فی العلم میں سے نہیں۔

قال ابن ابی حاتم ثنا محمد بن عوف الحمصي ثنا فعيه بن حماد ثنا فياض الرقي ثنا عبيد الله ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بیان کیا کہ عبید اللہ بن یزید ذکر جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا اور انس بن مالک اور ابوامامہ اور ابوالدرداء

من یزید وکان قد ادرك صحاب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انسا
وابا امامۃ و ابا الدرہاء ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سئل عن الراسخین فی العلم فقال
من بروت یمینہ وصدق لسانہ و
استقام قلبہ و من عفا بطنہ ورجہ فذلک
من الراسخین فی العلم (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴)

کو دیکھا، وہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ راسخین فی العلم جن کا آیت میں ذکر ہے وہ کون لوگ ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی قسم اور نذر میں پورا ہو اور زبان کا سچا ہو اور دل اس کا جادہ محبت و دنیا پر قائم اور مستقیم ہو اور اس کا فکرم اور اس کی مشرگاہ حرام اور مشتبہ سے عظیم اور پاک ہو پس ایسا شخص راسخین فی العلم میں سے ہے۔

یعنی علم میں پختہ اور ثابت قدم وہی شخص ہے جس کا حال اور حال یہ ہو جو بیان کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ حال اور یہ حال انہیں لوگوں کا ہو سکتا ہے جن کے دل نفسان خواہشوں کے رنگ سے صیقل ہو چکے ہوں۔ در انوار تجلیات کے عکس قبول کرنے کے لیے صاف و شفاف آئینہ بن چکے ہوں۔ اور راسخین نے اعلم کے مقابل زائفین کا گردہ ہے جو نفسانی خواہشوں کی وجہ سے کج اور خراب ہو چکے ہیں۔ حق بات ان کے دل میں نہیں اترتی۔

لمحہ اور زندیق رافضی اور خارجی اور تمام بدعتی فرقے میں داخل ہیں جس طرح تمام اہل حق راسخین فی العلم میں داخل ہیں جس کا صحیح مصداق اہل سنت و الجماعت ہیں جو کتاب و سنت کے حکومات کو مضبوط پکڑتے ہیں اور تشابہات کو محکاست کے ساتھ لماکر آیات کے معنی بیان کرتے ہیں یا اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر چلتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا پس جس شخص کا علم اور فہم خلفاء راشدین اور صحابہ اور تابعین کے جماع سے مکمل نہ ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص زائفین میں سے ہے اس سے بچتے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

جو لوگ کفر میں ہرگز کام نہ آدیں گے ان کے مال

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ - وہی ہیں پھٹیاں

وَقَوْمُ النَّارِ ۚ كَذَٰبٌ إِلٰهٍ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ

(ایندھن) دوزخ کی - جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ

سے پہلے تھے ۔ جھٹلاتے ہماری آیتیں ، پھر پکڑا ان کو اللہ نے

يَذُوبُهُمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِلَّذِينَ

ان کے گناہوں پر ، اور اللہ کی ہمارے سخت ہے ۔ کہہ دے مکروں

كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ

کو کہ اب تم مغلوب ہو گئے اور بانجھے جاؤ گے دوزخ کو ۔

وَيَبِئْسَ الْيِهَادُ ۝۱۲ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي

اور کیا بُری تیری ہے ۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ ۔ دو

فِئْتَيْنِ التَّقَاتُ فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

فوجوں میں جو بھڑی تھیں ۔ ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں ، اور

أُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ وَ

دوسری منکر ہے یہ ان کو دیکھتے ہیں اپنے دو برابر ، صرف آنگھوں سے اور

اللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً

اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے ۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو

لِلأُولَى الْأَبْصَارِ ۝۱۳

آنکھ سے ۔

مالِ اولاد کے نشہ میں حق سے استغنا پر وعید اور تہدید

قَالَ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ لَعِبْرَةٌ لِلَّذِينَ

(رابط) یہ آیتیں بھی نصارائے نجران کے بارہ میں نازل ہوئیں دلائل اور براہین سے حق ان پر واضح ہو چکا تھا مگر مال و دوست کے غرور اور نشہ نے ان کو قبول حق اور قبول ہدایت سے باز رکھا اس لیے ان ارباب غرور کی وعید اور تہدید کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آخرت میں مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اب ان کا فرد سے یہ کہہ دیں کہ یہ لوگ عنقریب دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر واقعہ بدر کو ان کی عبرت کے لیے ذکر فرمایا۔ محمد بن اسحاق کی سیرت میں ہے کہ نصارائے نجران کا وفد جب بغرض مناظرہ مدینہ منورہ روانہ ہوا تو راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ان کا بڑا عالم ابو عمار بن علقمہ غیر پر سوار تھا ایک ایک خچر کو ٹھوک لگی اور وہ عالم سواری سے گرا تو اس کے بھائی کُرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا قِصَصُ الْاَبْعَدُ یعنی ہلاک ہو وہ شخص جس کے پاس ہم جا رہے ہیں اُس نے اَلْاَبْعَدُ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا۔ العیا ذباللہ۔

ابو عمار نے کہا۔

كَيْفَ تَعِشْتَ اَنْتَ الَّذِي
رَجُلًا مِنْ الْمُرْسَلِينَ
اِنَّهُ اَدَّى بِشَرِّهِ عَيْسَى
وَ اِنَّهُ لَفِي التَّوْرَةِ وَ
وَاللّٰهُ اِنَّهُ السَّابِقُ
الَّذِي نَنْتَظِرُ

بلکہ تو ہلاک ہو کیا تو ایسے شخص کی شان
میں تازیبا الفاظ کہتا ہے جو رسولوں میں
سے ہے تحقیق بلاشبہ آپ وہی نبی ہیں
جن کی عیسیٰ بن مریمؑ نے بشارت دی
ہے اور جن کا تذکرہ توریت میں ہے اور
خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اخیر زمانہ
میں ظہور کے ہم سب منتظر ہیں۔

اس پر ابو عمار نے کہا۔

فَمَا يَمْنَعُكَ هٰذَا
وَ اَنْتَ تَعْلَمُ
هٰذَا۔

کہ جب تم کو ان کی نبوت و رسالت کا
اس درجہ علم اور یقین ہے تو پھر ایمان لانے
کے کیا چیز مانع ہے۔

ابو عمار نے جواب دیا۔

لَا اَنْ هُوَ لَعَلَّ الْمُلُوكَ اعْطَوْا
مَوْلَا كَثِيرَةً وَاَكْرَمَوْا
فَلَوْ اَمْنًا بَدَلًا لَخَذُوا مِنَّا
كُلَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ۔

کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان عیسائی
بادشاہوں نے جو بے شمار اموال ہم کو دے
رکھے ہیں اور ہمارا اعزاز و اکرام کرتے ہیں اگر
ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہ سب ہم سے
چھین لیں گے۔

بہ کلمہ کر کے دل میں اتر گیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم جب تک مدینہ پہنچ کر ایمان نہ سے آؤں گا اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ درگزر اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا اونٹنی کو تیز کیا اور بطور جزئیہ پڑھتا جاتا تھا۔

إِلَيْكَ تَعُدُّ قَلْبًا وَصَيْتُهَا مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا بِجَنِينِهَا
آپ ہی کی طرف یہ اونٹنی چل رہی ہے دریاں حایکہ اس کا تنگ حرکت کر رہا ہے اور اس کے پیٹ میں اس کا جنین حرکت کر رہا ہے۔
مُخَالَفًا دِينَ النَّصَارَى دِينُهَا

اب اس اونٹنی کا (یعنی اس کے سوار کا) دین۔ نصاریٰ کے دین کے خلاف ہے۔

یہاں تک کہ گزر دند سے پہلے مدینہ منورہ پہنچا اور مشرف باسلام ہو اور دند بعد میں پہنچا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۸۸ وروض المائف ص ۴۵ وصابہ ص ۲۹۲ ترجمہ کریم بن علقمہ) اور مشرف باسلام ہونے کے بعد گزرنے سے بھی کیا۔

خلاصہ کلام

یہ کہ یہ آیتیں اسی وفد کے بارہ میں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس مال کے لالچ میں تم نے ایمان سے روگردانی کی ہے وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گا اور جن سلاطین اور امراء پر تم کو بھروسہ ہے وہ عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب اور مغلوب ہوں گے اور تمہارا تو ذکر ہی کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر اور انکار کی راہ اختیار کی اللہ کے مقابلہ میں ان کے مال اور ان کی اولاد جس پر ان کو ناز اور فخر ہے ہرگز کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ البتہ مسلمانوں کے مال اور اولاد آخرت میں کام آئیں گے اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کیے اور اولاد کو اللہ کی عبادت اور دین کی تعلیم میں لگایا۔ اور ایسے کافر تو مع مال اور اولاد کے دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور ان کا حال اور مال تو فرعونوں جیسا ہے کہ جس طرح دنیا میں فرعون کو ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ کے تہرے سے نہ بچا سکے ان کی بھی ایسی ہی گت بنے گی اور کچھ کام نہ آئے گا۔ اور جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے یعنی قوم عاد اور ثمود اور قوم نوح نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس اللہ نے ان کو ان کے جرائم کی بنا پر پکڑا اور ہلاک کیا ان کا سلا مال و متاع اور اولاد دھری رہ گئی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو سمجھ لو کہ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے جس کے مقابلہ میں مال اور اولاد کچھ کام نہیں دیتا۔ لے نہ کریم آپ ان کافروں سے جو اپنے مال و دوست اور قوت اور کثرت پر نازاں ہیں یہ کہہ دیجئے کہ تم عنقریب اسی دار دنیا میں ہمارے دوستوں کے ہاتھ سے مغلوب اور مغلوب ہوؤ گے

اشارہ اس طرف ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر جلاءِ وطن کبے جا میں گئے اور خیبر اور مکہ فتح ہو گا یہ ذلتیں تو اس منکرین کو دنیا میں پہنچیں گی اور آخرت کی بابت یہ فرما دیجئے کہ تم جہنم کی طرف جانوروں کی طرح ہانکے جاؤ گے اور دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس سے محفوظ رکھے۔ چونکہ کفار اپنے ماں و راہ یعنی قوت اور کثرت اور ثروت پر نازاں تھے اور یہ کہتے تھے کہ نَحْنُ أَكْثَرُ اَمْوَالًا وَاَوْلَادًا فَاِذَا مَا نَحْنُ بِمُعَذِّبَيْنِ اور یہ خیال کرتے تھے کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی ماں و اولاد کام آئیں گے کما قال تعالیٰ حکایۃ عنہم اَفَرَأَيْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِآیَاتِنَا وَقَالَ لَآؤْتِیْنِیْ مَا لَآؤَ وَلَدَاۤ اِیْیَہِ اللّٰہُ تَعَالٰی نَعْنٰ اُنْ کَرَانَ اَیْتِ مِیْنِ مَّتَغٰہِ فَرَمٰ اِکْرٰہُ مٰلِ دَوْلَتِ حَرْفِ اَخِرَتِ حٰی مِیْنِ بے سود نہ ہوگی بلکہ بسا اوقات وہ دنیا میں بھی سود مند اور کارآمد نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ جس کو غلبہ دینا چاہتے ہیں اس کے مقابلہ میں ساری قوت اور ثروت اور کثرت دھری رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی چند روز کے بعد وہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کو مغلوب اور مغلوب کیا اور خیبر اور مکہ ابھی فخراءِ مسلمین کے ہاتھوں پر فتح ہوا جن کو یہ غیر سمجھتے تھے۔

ذکرِ استشہاد برائے دفعِ استبعاد

حق جس شانہ نے جب گزشتہ آیت (قُلْ لِلّٰہِ یُنْ کَفَرُوْا اَسْتَغْلِبُوْنَ اِیْمًا) میں مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی تو منافقین نے اس کو مستبعد سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے استبعاد دفع کرنے کے لیے بظہورِ استشہاد واقعہ بدر کو ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق تمہارے لیے دو جماعتوں کے بارہ میں ایک عبرت اور عجیب نمونہ قدرت ہے کہ جو باہم ایک دوسرے سے لڑیں اس معرکہ درڑائی میں ایک جماعت تو وہ تھی کہ جو خدا کی راہ میں لڑتی تھی یعنی مسلمانوں کی جماعت تھی جن کی تعداد میں سوتیرہ تھی اور بے مرد سامان تھی اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جن کی تعداد نو سو پچاس تھی جو جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور جس کو اپنی قوت اور شوکت اور کثرت اور ثروت پر ناز تھا ہر کے میدان میں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا عین مقابلہ اور مقابلہ کے وقت یہ کافر کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دو چند دیکھتے تھے یعنی مسلمان کافروں کو دو چند (تقریباً دو ہزار) دکھائی دیتے تھے جس سے کافروں کے دل مرعوب و درخوردہ ہو گئے اور یہ اس طرح کا دیکھنا صریح اور کھلی آنکھوں سے تھا کوئی خواب و خیال نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کر کے دکھائے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کا طرے آخول (بھینگے) کو ایک کے دو دکھلاتا ہے نہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح خود بین اور دور بین سے چھوٹی چیز بڑی نظر آنے لگتی ہے تو یہ جھوٹ نہیں بلکہ کارگیری اور صنعت کا کمال ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ جو بعد میں مشرک باسلام ہوئے انہوں نے یہ بیان کیا کہ مسلمان ہم کو تعداد میں بہت

نظر آئے اسی طرح سمجھو کہ اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنے دشمنوں کو وقتی طور پر دو درجہ کا بھیج دے بنا دے کہ بھائے ایک کے تین نظر آئے لگیں تو یہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔

فائدہ

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمان کافروں کی نظر میں تھوڑے دکھائی دیتے تھے جیسا کہ سورہ انفال میں ہے **وَيَقِلُّكُمْ فِيهِ أَغْيَظُكُمْ** یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو کافروں کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلاتا تھا۔ لیکن جب اس کے بعد گھسان کی لڑائی شروع ہوئی تو کافر مسلمانوں کو خود اپنے سے بھی دو چند دیکھنے لگے پس اس آیت میں عین جنگ کے وقت کا ذکر ہے اور سورہ انفال میں جنگ چھڑنے سے پہلے کا ذکر تھا۔ لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں رہا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں اور فتح اور غلبہ کا اصل مدار تائید خداوندی پر ہے تائید خداوندی کے مقابلہ میں کوئی طاقت اور قوت غالب نہیں آسکتی جیسا کہ تم نے ہدر کے معرکہ میں اس کا مشاہدہ کر لیا تحقیق اس ہدر کے واقعہ میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت ہے کہ کس طرح ایک کمزور اور بے مرد سامان گروہ ایک پوری قوت اور شوکت والے گروہ پر غالب آگیا وجہ اس کی یہ تھی کہ تائید خداوندی اور امداد غیبی مسلمانوں کے ساتھ تھی اور خدا کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے تم کو چاہیے کہ تم اپنے ال و دوست کے عجز و بے تابہ ہو کر اس جماعت میں داخل ہو جاؤ کہ جن کے ساتھ تائید خداوندی ہے۔

فائدہ

آیت **يَذُوقْنَهُمْ مِثْلَهُمْ** کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں پہلا قول یہ ہے کہ بیرون کے ضمیر فاعل **فِتْنَةٍ** کا فرقہ کی طرف راجع ہے جو قریب ہے اور **هُمْ** کی ضمیر مفعول مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور مثلیہم کی ضمیر مجرور کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنے سے دو چند دیکھتا تھا۔ تفسیر میں ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ بیرون کی ضمیر توحید سابق **فِتْنَةٍ** کا فرقہ کی طرف راجع ہو اور **هُمْ** کی ضمیر مفعول بھی مسلمانوں کی طرف راجع ہو لیکن مثلیہم کی ضمیر مجرور سبائے کافروں کے مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہو کہ کافر مسلمانوں کو مسلمانوں کے اعتبار سے دو چند دیکھتے تھے یعنی مسلمان کافروں کی نظر میں سبائے تین سو تیرہ کے چھ سو چھپیس دکھائی دیتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ کافر جب مسلمانوں کی ایک عظیم تعداد دیکھیں گے تو مرعوب ہو جائیں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یَزِدُنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور مُمْ کی ضمیر مفعول کا زِدُنَ کی طرف راجع ہو اور مُمِ کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان کافروں کو اپنے سے دو چند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کی نظریں چھ سوچھیں دکھائی دینے لگا کہ اگرچہ فی الواقع مسلمانوں سے سرچند تھے مگر مسلمان اُن کو اپنے سے صرف دو چند دیکھتے اور سمجھتے تھے کیونکہ بہادر اور جری طبیعتیں اپنے سے دو چند سے مقابلہ کرنے کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن دو چند سے زیادہ کا مقابلہ باعث تشویش اور پریشانی ہوتا ہے۔ چوتھا قول اور یہ درحقیقت قول نہیں بلکہ محض احتمال ہے وہ یہ کہ یَزِدُنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور مُمْ اور مُمِ کی دونوں ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہوں اور معنی یہ ہوں کہ مسلمان کافروں کو کافروں سے دو چند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کو تقریباً دو ہزار دکھائی دیتے تھے اس قول کا کوئی قائل نہیں محض احتمال عقلی ہے جو غیر معقول بھی ہے اس لیے کہ جب مسلمان کافروں کو دو ہزار کی تعداد میں دیکھیں گے تو طبعی طور پر مرعوب ہو جائیں گے۔ تفہیل کے لیے تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

رجھا ہوا ہے لوگوں کو مزدوں کی محبت پر اور عورتیں اور

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ مِنَ الذَّهَبِ

بیٹے اور دھیر جوڑے ہونے سونے کے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

اور روپے کے اور گھوڑے پٹے ہونے اور مویشی اور کھیتی

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ

یہ برتن ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ جو ہے اسی پاس

حُسْنُ الْمَاءِ ۝۱۲

ہے اچھا ٹھکانہ

بیانِ حقارتِ لذاتِ دنیویہ

قَالَ تَعَالَى زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ... الخ... وَاللَّهُ عِنْدَكَ حَسْبُ الْمَنَاصِدِ (ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں چور ہیں اس لیے حق کو قبول نہیں کرتے۔ اب ان آیات میں دنیوی لذات کا بیج اور فانی ہونا بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں اور عالم جاودانی کے مقابلہ میں بمنزلہ خوب کے ہیں پھر اس کے بعد آئندہ آیات میں حق تعالیٰ نے آخرت کی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں کو ذکر فرمایا جو آخرت میں اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو عنایت ہوں گی۔

ان تمام آیات میں وفدِ نجران کی طرف اشارہ ہے کہ مال و جاہ کی محبت نے حق کے اتباع سے باز رکھا اور نصاریٰ کا سب سے بڑا عام۔ ابو حارثہ۔ باوجود اعتراف اور اقرار کے اسی مال و دولت کی بدولت۔ ایمان و ہدایت کی لازوال دولت سے محروم رہا۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ ان آیات میں لذات کے اصول اور شہوات کے انواع اور اقسام کو بیان فرمایا کہ جن پر تمام دنیا کے تمتع اور فائدہ کا دار و مدار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ آراستہ اور خوشنما کردی گئی ہے عام طور پر لوگوں کے لیے محبت۔ خواہشوں اور نفس کی آرزوؤں کی لوگ شہوات و نفسانی خواہشات پر استغنیہ ہوئے کہ ان کا عیب اور نقصان بھی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ان شہوات کی ظاہری زیب و زینت تو نظر آتی ہے اور باطنی قبیح اُن کا نظر نہیں آتا اسی وجہ سے کبھی ان سے کنارہ کشی کا خیال بھی دس میں نہیں آتا۔ بے شک شہوات کی محبت آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ البتہ جو اولیٰ الابصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے دل کی بینائی عطا کی ہے وہ شہوات اور خواہشات کے پیچھے اندھے نہیں بن جاتے۔ نفس کے مقابلہ میں عقل کا اتباع کرتے ہیں اور اپنی اَبصار کو مابینا ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں اور دنیا کے ساز و سامان پر مغفون اور فریفتہ نہیں ہو جاتے بلکہ ان سے عبرت پکڑتے ہیں گزشتہ آیت یعنی ذٰلِكَ نَجْوَیْ لِّلْأُولَىٰ اَلْأَبْصَارِ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر تھا اب اس کے بعد ان شہوات اور خواہشات کے انواع اور اقسام کو ذکر فرماتے ہیں جن کی دُھن میں ساری دنیا سرگردان اور حیراں ہے یعنی اُن شہوات اور خواہشات میں کہ جن میں آدمی پھنس کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے ان میں سے سب سے اول عورتیں ہیں کہ دنیوی لذتوں اور شہوتوں کا منتہی ہیں متاعِ دنیا میں سے کسی چیز کی محبت عورتوں کی محبت کو نہیں

علمہ اس عبارت سے زین للناس حب الشهوات کا گزشتہ آیت ان فی ذٰلک لعبرة لِّأُولَىٰ الابصار کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۷ منہ عفا اللہ عنہ۔

پہنچتی اسی وجہ سے حدیث میں ہے مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةٌ اَوْ ضَرَّ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النَّسَاءِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں جو مردوں کے لیے ضرر رساں ہو۔

اور دوسرے درجہ میں بیٹوں کی محبت ہے اور تیسرے درجہ میں سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی محبت ہے کہ جو تمام خواہشوں اور لذتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور چوتھے درجہ میں خوبصورت اور فریب گھوڑوں کی محبت ہے جو سفر اور سیر و تفریح کا ذریعہ ہیں در ظاہری شان و شوکت اور عزت ووجاہت اور فخر و مباہات کا سبب ہیں اور پانچویں درجہ میں جو پاؤں اور مولیٰ کی محبت ہے یعنی اونٹ اور گائے اور بیل اور بھیڑ اور بکری کی محبت ہے جو انسان کا ذریعہ معاش ہیں گوشت اور دودھ کی غذا انہیں سے ہی ہوتی ہے اور اون اور کھان اور چھڑا بھی انہی جو پاؤں سے حاصل ہوتا ہے جس سے کھل اور جو تے وغیرہ بنتے ہیں اور چھٹے درجہ میں کھیتی کی محبت ہے جس پر انسان کی حیات کا دار و مدار ہے زراعت اگرچہ ضرورت کے لحاظ سے سب سے اول ہے لیکن شہوت اور لذت کے لحاظ سے سب سے آخر ہے۔ اس لیے اس کو سب سے آخر میں ذکر فرمایا۔ شہوات کی یہ انواع ستہ جو بیان ہوئیں بس ہی چند روزہ دنیا کی زندگانی کا کل سامان ہے جس کا تسخیر اور انتفاع عنقریب ختم ہو جائے گا اور اللہ کے نزدیک نہایت عمدہ ٹھکانہ ہے جس کی لذت اور نفاست کی کوئی مدد نہیں اور اس کی بقا اور دوام کی کوئی انتہا نہیں عاقل کا کام یہ ہے کہ اپنی تمام تر ہمت اور توجہ اس متاعِ آخرت کے حصول میں لگا دے اور چند روزہ متاع کے پیچھے لگ کر حقیقی اور دائمی متاع سے غافل نہ ہو جائے۔

لطائف و معارف

(۱) شہوات۔ شہوت کی جمع ہے جس کے معنی خواہش اور رغبت کے ہیں لیکن اس جگہ شہوات سے مراد خواہش اور رغبت کی چیزیں ہیں۔ محض خواہش اور رغبت مراد نہیں اس لیے کہ محبوب اور مرزی حقیقتہً وہ مرغوبات اور مشتهیات ہیں خود شہوت اور رغبت محبوب اور مرزی نہیں لیکن حق جل شانہ نے تو بیخ ہدایت میں مبالغہ کرنے کے لیے قابل شہوت اور قابل رغبت چیزوں کو شہوات سے تعبیر فرمایا ہے کہ تم ان اشیاء کی محبت میں اس درجہ مستغرق ہو گئے ہو کہ ان شہوات اور خواہشات کی محبت ہی تمہاری نظروں میں محبوب اور مرزی بن گئی ہے اور سب اشیائے مرغوبہ کے اُن کی رغبت ہی تمہاری مرغوب خاطر ہو گئی در قابل اشتہاء چیزوں کی شہوت کی محبت ہی تمہاری محبوب اور مطلوب بن گئی ہے یہ عشق کا آخری

علہ یہ ترجمہ من النساء الذین سے لفظ من کا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ من ہی بیانیر ہے۔

درجہ ہے کہ محبوب کی محبت خود مستقل محبوب بن جائے اسی طرح قابل شہوت چیزوں کی شہوت کا محبوب بن جانا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص لذت اور شہوات کے عشق میں آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے اور اس کی نفیر قرآن کریم میں یہ ہے اَحْبَبْتُ حُبَّ الْفُحْشِ اور حدیث میں یہ ہے اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبْلًا وَحُبًّا مِنْ مَحْبُوكٍ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ اِلٰی حُبْلٍ۔ نیز خواہش اور رغبت کی چیزوں کو شہوات سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ان اشیاء سے نفرت دانا مقصود ہے اس سے شہوات کا مفہوم ہی خست اور ذلت پر دلالت کرتا ہے اور شہوتوں کا اتباع بہائم کا کام ہے۔

(۲۱) خیل مستور کے معنی میں عدا کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ خیل مستور سے وہ گھوڑے مراد ہیں جن پر نمبر یا نشان لگا ہوا ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مستور کے معنی مٹے تاز سے خوبصورت گھوڑے کے ہیں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مستور سے چرنے والے گھوڑے مراد ہیں یعنی جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہوں اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ علاءہ سواری کے جو گھوڑے چراگاہ میں چرتے ہوں ان پر زکوٰۃ ہے جیسے انعام (چرنے والے) مویشی میں زکوٰۃ ہے اسی طرح خیل سائہ چرنے والے گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ ہے۔ تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی مشروح کو دیکھا جائے۔

(۲۲) ذہب ذہاب سے مشتق ہے جس کے معنی زواں اور فناء کے ہیں اور نفعہ انفعاض سے مشتق ہے جس کے معنی تفرق اور جدا ہونے کے ہیں ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہی ان کے فناء اور زوال کا خبر دیتا ہے اسی لیے آیت کو ذلک مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا پر ختم فرمایا یعنی یہ ساری چیزیں محض چند روزہ نفع کا ہیں اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَالْهَمُّ اٰخِرُ هَذَا الدَّرَجَةِ الْمَجَارِی
مُعَذِّبُ الْقَلْبِ بَيْنَ الْهَمِّ وَالنَّارِ

النَّارُ اٰخِرُ دِنَارٍ نَطَقَتْ بِهِ
وَالْمَرَدُ بَيْنَهُمَا اِنْ كَانَ ذَاوَعٍ

قُلْ اَوْنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِیْنَ

تو کہہ میں بتاؤں تم کو اس سے بہتر ؟ پرہیزگاروں کو

اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجَرِّیْ مِنْ

اپنے رب کے ہاں باغ میں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

ہیں ندیاں ، رہ رہتے انہیں میں ، اور عورتیں ہیں ستھری ،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۵

اور رضامندی اللہ کی ۔ اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ۔ وہ جو

يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمَتَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

کہتے ہیں اے رب ہمارے ! ہم یقین لائے ہیں، سو بخش ہم کو گناہ ہمارے اور

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ

بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ۔ وہ محنت اٹھانے والے اور سچے ۔

وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۷

اور بندگی میں لگے رہنے والے اور فرج کرتے اور گناہ بخشواتے ، پچھلی رات کو۔

بیانِ نفاستِ نعماءِ اخرویہ مستحقینِ انہا

قُلْ أَفُؤْبِتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذِكْرِ آلِهِ..... وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں لذاتِ دنیویہ کی حقارت اور خُصاستِ کربان فرمایا اب ن آیات میں اخروی نعمتوں کی نفاست کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان نفیس اور لازوال نعمتوں کے اہل اور مستحق کون لوگ ہیں۔

نیز گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ دنیا کے سامان سے فقط دنیا کی چند روزہ زندگی میں نفع اٹھایا جاسکتا ہے۔ اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مستقل اور پائیدار فائدہ اور دائمی فلاح کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے جو شہواتِ در لذات کی محبت میں گرفتار ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اذکیں تم کو اس چیز کی خبر دوں جو اس متارح دنیا اور اس کی تمام شہوات اور لذات سے کہیں بہتر اور برتر ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں اور اپنے آپ کو شہوات و لذات کی محبت اور پیروی سے بچا کر چلتے ہیں جیسے اہل صفہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات صوفیہ اے لوگوں کے یہ اُن کے پروردگار کے نزدیک عجیب و غریب قسم کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے داخل ہونے کے بعد کبھی بھی ان سے نہیں نکلیں گے اور ان کے لیے ایسی بیبیاں ہوں گی جو ظاہر اور باطن اور صورت و سیرت ہر اعتبار سے صاف

اور ستھری ہوں گی اور ظاہری اور باطنی گندگی سے بالکل پاک ہوں گی اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ان کو یہ نعمت ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو رضامندی اور خوشنودی کا پر دانہ عطا ہو گا۔ اور جنت ہی فی الحقیقت اسی وجہ سے مطلوب ہے کہ وہ رضا و خداوندی کا محل ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے خاص بندوں پر خاص نظر عنایت ہے۔

نکتہ | اس آیت میں جنات (یعنی باغات) کا ذکر ان تمام شہوات اور خواہشات کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ جنت کے متعلق ارشاد خداوندی ہے **وَفِيهَا مَا تَشْتَهُيهِ الْأَنْفُسُ ذَلِكُمْ أَلاَ يَعْلَمُونَ** یعنی جنت میں نفس کی تمام خواہش پوری ہوں گی اس آیت میں صن النصار کے مقابلہ میں ازواج مطہرات کو ذکر فرمایا کہ جو حسن و جمال میں آفتاب اور مانتاب سے بھی بڑھ کر ہوں گی اور حیض و نفاس وغیرہ کی آفتابوں سے بالکل پاک و صاف ہوں گی اور جنت میں بنین یعنی بیٹے اور سب رشتے دار بھی جمع ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ **الْحَقَابِيحُ ذُرِّيَّتُهُمْ وَمَا أَلْنَا لَهُمْ مِنْ غَمَلٍ لَهُمْ مِنْ شَيْءٍ** رہے قن طیر مقنطرہ سو جنت کے مکانات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوں گے وہاں ایک اینٹ سونے کی ہوگی اور ایک چاندی کی اور گارہ مشک کا ہوگا اور جنت کے برتن اور اس کا سامان بھی سونے اور چاندی کا ہوگا۔ اور موتیوں کے نیچے ہوں گے اور سواری کے لیے حقیقتہً برق رفتار گھوڑے ہوں گے اور لیلہ اور پیشاب سے پاک ہوں گے اور جنت میں انعام اور حرث بھی ہوں گے غرض یہ کہ اس آیت میں جنت کا ذکر ان تمام شہوات اور مستاع الحیوة اور دنیا کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

خلاصہ کلام | یہ کہ اہل ایمان کو آخرت میں یہ چیزیں ملیں گی۔ (۱) اپنے مالک خداوند کریم کا قرب نصیب ہو گا۔ (۲) رہنے کے لیے باغات ہوں گے۔ (۳) ہر دم ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (۴) ایسی بیویاں ملیں گی جو ظاہری اور باطنی آفتابوں سے پاک ہوں گی۔ (۵) سب سے مٹی اور عمدہ نعمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ان سے راضی ہو جائے گا۔ بھلا کہاں یہ نعمتیں اور لذتیں اور کہاں وہ دنیوی آلائشیں۔

صفات متقین

اور جن عباد متقین کے لیے حق تعالیٰ نے سابق الذکر نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خاص طور پر یہ دُعا ضرور مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے یہ دروگاہ۔ ہم دل و جان سے ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارے پاس اگر ایمان کے سوا کوئی بھی عمل صانع نہ ہو تو تیری بارگاہ میں تنہا ایمان ہی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے پس تو اپنی رحمت سے فقط ایمان ہی کو کافی قرار دے کہ ہمارے تمام گناہوں کو بخش

دسے اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچالے اور یہ متقی لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں خدا کی راہ میں شہداء اور مصائب کا تحمل کرنے والے ہیں اور شہوات اور خواہشات سے مغلوب ہونے والے نہیں اور سچے اور راست باز ہیں اپنے اقوال اور افعال اور احوال اور نیتوں اور ارادوں سب میں سچے ہیں اور خشوع اور خضوع پر قائم رہنے والے ہیں اور خشوع اور خضوع ہی تمام عبادتوں کی روح ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت پر بالدرام قائم ہیں۔

ف) قنوت کے معنی خشوع اور خضوع کے بھی آتے ہیں اور اطاعت پر قائم و دائم رہنے کے آتے ہیں۔ آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی دولت کو خدا کے حکم کے مطابق خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی راست میں ہتھ کرا استفادہ کرنے والے ہیں یعنی ہر دو اس اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے اپنی تفصیلات اور کوتاہیوں سے سحر میں دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ اپنے فضل سے ہم کو معاف فرما۔

(۷) | آخر شب کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ آخر شب کی نیند نفس کے لیے فائیت درجہ نذید ہے۔ ایسے وقت میں اُٹھ کر دعا مانگنا شہواتِ نفس کا پیرا مقابلہ کرنا ہے جو کمال ایمان کی دلیل ہے۔ نیز یہ وقت دعا کی قبولیت کا بھی ہے اور خدا سے ذوالجلال کی بے چوں و بچگون اور بے مثال نزولِ اہلال کا وقت ہے۔ یہ وقت دعا کے لیے غنیمتِ بکریا ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے ، اور علم

الْعِلْمُ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

دالوں نے ۔ وہی حاکم انصاف کو۔ کسی کو بندگی نہیں سوا اُنکے، زبردست حکمت والا ۔

رجوع بسوئے مضمون توحید

قال تعالى شَهِدَ امَّةٌ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ اے ... هُوَ الْغَرِيزُ الْحَكِيمُ

(درابط) ابتداء سورت میں نصارائے نجران سے خطاب تھا جس میں توحید کا اثبات، درابہیت مسیح کا ابطال تھا درمیان میں اور منسب مضامین کا ذکر فرمایا اب پھر اصل مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ جو، اصل ایمان ہے کیونکہ توحید کی شہادت ایمان کی اصل الاصول ہے اور توحید ہی پر خدا تعالیٰ کی رضامندی

در خوشنودی کا دار و مدار ہے گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام کتابوں اور صحیفوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا اور صحیفہ کائنات کا ایک ایک ورق اس کی توحید کی شہادت دے رہا ہے۔

و فی کل شیء لہ شہاد ید علی اللہ واحد

ہر گیا ہے کہ از زمین روید وحدہ لا شریک نہ گوید

اور فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دی فرشتوں کی کوئی نسیج اور تمجید اللہ کی توحید کے ذکر سے خالی نہیں اور علم والوں نے بھی ہر زمانہ میں توحید کی گواہی دی۔ عمار ہمیشہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کرتے رہے اور شرک کو باطل کرتے رہے یہاں تک کہ توحید کا مسئلہ اس درجہ واضح ہو گیا کہ مشرکین بھی اپنے کو مشرک کہنے سے عار کرنے لگے اور وہ معبود بھی اس شان کا ہے کہ ہر تدبیر کو انصاف اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے اس کی کوئی تدبیر عدل و انصاف سے باہر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جو چاہے تعرف کرے ظلم وہ ہے جو دوسرے کی ملک میں تصرف ہوا اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر کا عین عدل اور عین حکمت ہونا یہ بھی اس کی توحید کی ایک مستقل دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں اس لیے کہ الّا یعنی معبود کے لیے عزت اور حکمت کا ہونا ضروری ہے اور وہی عزت والا ہے اور وہی حکمت والا ہے اسکی عزت اور غلبہ کا یہ عالم ہے کہ کوئی اس کے عدل اور تدبیر کو تو نہیں سکتا اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ اس کی کوئی شے مقتضائے حکمت کے خلاف نہیں۔

نکتہ | عجب نہیں کہ لفظ قائماً بالقسط میں جیسا ٹیڑوں کے مسئلہ کفارہ کے ابطال کی طرف اشارہ ہو کہ یہ کون سا عدل اور انصاف ہے کہ ساری دنیا کے جرائم تنہا ایک شخص پر لاد دینے جائیں اور پھر اس ایک شخص کو بے قصور پھانسی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ معصوم شخص سارے گنہگاروں کے لیے کفارہ بن جائے۔ خدا نے عادل و قس اس قسم کی گستاخیوں سے پاک اور منزه ہے۔ سُبْحَانَہُ وَبِکَآلِہُ عَمَّا یَصِفُونَ۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

دین جو ہے اللہ کے ہاں، سو یہی مسلمانی حکم برداری، اور مختلف نہیں ہوئے

أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

کتاب دے، مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد سے، اور جو

بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ

کوئی منکر ہو اللہ کے حکموں سے، تو اللہ سب سے

الْحِسَابِ ۱۹ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

لینے والا ہے حساب۔ پھر جو تجھ سے جھگڑیں، تو کہہ، میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے

وَمِنْ أَتْبَعَنُ وَ قُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ

مکملوں پر ۔ اور جو کوئی میرے ساتھ ہے اور کہہ دے کتاب دانوں کو اور

ءَاسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا

ان بڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو؟ پھر اگر تابع ہوئے تو راہ پر آئے۔ اور اگر ہٹ رہے، تو

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۖ وَاللَّهُ بِصِرِّ الْعِبَادِ ۲۰

تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا۔ اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

بیان حقایق اسلام و جواب مجادلہ مخالفین اسلام

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْأَشْكُرُ إلخ وَاللَّهُ بِصِرِّ الْعِبَادِ ۲۰ (ربط) گزشتہ آیت میں توحید کی شہادت کو ذکر فرمایا جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین۔ صرف دین اسلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق وہ دین کہ جو اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے وہ صرف اسلام ہے۔ نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ اس لیے کہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں اور مسلم اور مسلمان اس بندہ کو کہتے ہیں جس نے ہمت تن اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہو اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دی ہو۔ اور بالفاظ دیگر اسلام نام اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے اور مسلم اس بندہ کا نام ہے کہ جو خدائے واحد کا فرمانبردار اور اطاعت شدہ رہو شروع سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا ہے کہ ایک خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بات ہے پس جو لوگ حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مسیح اور مریم کی تصویروں کو پوجتے ہیں یا جو بے وقوف درختوں اور پتھروں اور چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتے ہیں اُن کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں توحید اور اخلاص و اطاعت کے لحاظ سے تمام انبیاء اور تمام ادیان سماویہ متفق رہے۔ کما قال تعالى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاَعْبُدُونِ غرض یہ کہ اسلام اور توحید ایک واضح اور مسلم حقیقت تھی اس میں ذرہ برابر اختلاف کی گنجائش نہ تھی مگر شہوات اور لذات کی محبت نے خود غرضوں اور شہوت پرستوں کو اختلاف پر آمادہ کیا کوئی حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا قائل ہوا اور کوئی ان کی ابنیت اور فرزندیت کا قائل ہوا اور کوئی حلول کا قائل ہوا کہ معاذ اللہ خداوند قدوس حضرت مسیحؑ میں حلول کر آیا ہے اور کوئی انسداد کا قائل ہوا کہ خدا تعالیٰ اور مسیح بن مریمؑ ایک ہیں اور اہل کتب نے اس بارہ میں لاطمی کی بنا پر اختلاف نہیں کیا مگر صحیح علم آنے کے بعد جان بوجہ کہ اختلاف کیا اہل کتاب کو اس بات کا خوب علم تھا کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے کیونکہ توریت اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور یہ ان کا اختلاف استنباط اور خفا کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض باہمی عداوت اور آپس کی ضد سے تھا۔ ابن جریرؒ نے محمد بن جعفرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کو کسی نے نہیں جانا اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندہ اور رسول ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جو اختلاف ہر وہودیوں کی عداوت کی بنا پر ہوا یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا اور حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اس لیے نصاریٰ ضد میں حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت کے قائل ہو گئے کہ معاذ اللہ یہ خدا کے بیٹے ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اختلاف سے اسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اختلاف کرنا مراد ہے اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار یا اللہ کے حکموں سے انحراف کرے اور اسلام اور توحید کو نہ مانے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ان لوگوں سے اس افتخار پر محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا پس جب کہ دلائل اور براہین سے اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اس کے بعد بھی اگر اہل کتاب آپس کے کٹ جھتی اور محاصمہ کریں اور اس صریح اور واضح امر میں آپس سے جھگڑیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے متبعین نے تو اپنا چہرہ خالص اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور اسلام اور توحید کی راہ اختیار کر لی ہے یعنی میں نے اور میرے متبعین نے تو انبیاء کرام کا دین اختیار کر لیا ہے پس اگر تم تمام انبیاء کرام کی تعلیم کے برخلاف کسی کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے ہو تو بناؤ میں اور میرے متبعین اس سے بری ہیں اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ سے اور ان پڑھوں سے یعنی مشرکین عرب سے بھی جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ان سب سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم بھی ہماری طرح اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں پس اگر یہ لوگ تمہاری طرح اسلام لے آئیں تو وہ تمہاری طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح اسلام لانے سے منہ موڑیں در الوہیت اور ابنیت مسیح کے عقیدہ پر اڑے رہیں تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ آپ کے ذمہ فقط حق کا پہنچا دینا اور دلائل اور براہین سے واضح کر دینا ہے سودہ آپ کر چکے اور اللہ کی نگاہ میں میں تمام ہند ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

ف جو شخص دلائل اور براہین کو نہ مانے اور مزید عناد پر اتر آئے تو ایسے شخص کے سامنے بحث کرنا فضول ہے۔ اور ناحق اپنے وقت کا ضائع کرنا ہے اس لیے اتمام حجت کے لیے یہ بات کہہ کر کلام ختم کر دینا مناسب ہے کہ ہم تو خالص اللہ کے فرمانبردار بندے بن چکے ہیں اب تم اپنی جانو۔ ہم کسی ہرزبردستی نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے اور مار ڈالتے ہیں نبیوں

بَغْيٍ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ

کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں جو کوئی کہے انصاف کو

مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

لوگوں میں سے ۔ سو ان کو خوشخبری سناؤ دکھ دہی مار کی ۔ وہی ہیں جن کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

محنت ضائع ہوئی ۔ دنیا میں اور آخرت میں ۔ اور کوئی نہیں ان کا

نَصِيرِينَ ۚ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنْ

مددگار ۔ تو نے نہ دیکھے ۔ وہ لوگ جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ

الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کتاب کا اُن کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پر کہ ان میں حکم کرے پھر ہٹ

يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۚ ذَٰلِكَ

رہتے ہیں بعض ان میں تفاسیر کر کے ۔ یہ اس واسطے

بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً

کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ بجے گی آگ ۔ مگر کئی دن گنتی کے ۔

وَاَعْرَضُوا عَنْ دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ

اور بکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ۔ پھر کیسا ہوگا !

اِذَا جُمِعْتُمْ يَوْمَ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن جس میں شبہ نہیں ۔ اور پورا پادے گا ہر

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

کوئی اپنا کیس ۔ اور ان کا حق نہ رہے گا ۔

ذکر بعض احوال شیعہ یہود بے بہود

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّنَ اے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

شروع سورت میں روئے سخن زیدہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اور گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے عنوان سے یہود اور نصاریٰ دونوں کو خطاب تھا اب ان آیات میں خاص یہود کے بعض افعال شیعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی امت کے علماء کو قتل کرنا یہود کا خاص شیوہ ہے قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہود کا قاتل انبیاء ہونا بیان ہوا ہے اس لیے اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ یہود کو خطاب شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ناحق قتل کرتے ہیں یعنی خود بھی جانتے ہیں کہ ہمارا یہ فعل سراسر ناحق ہے مگر حق کی عداوت اور دنیا کی محبت میں اتنے اندھے بنے کہ جو برگزیدہ صفات حضرت حق اور ہدایت کو لے کر آتے تھے ان کو قتل کرنے لگے۔ اور انبیاء کے بعد ان کی امت کے علماء اور صلیٰ کو بھی قتل کرتے ہیں جو ان کو عدل اور انصاف اور حکمت کی باتوں کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ آج کل یہود آپ کے قتل کے درپے ہیں اور آپ کے صحابہ کے قتل سے ان کو دریغ نہیں یہی ان کے اسلاف کا طریقہ تھا جس پر یہ گامزن ہیں۔ سو ایسے قسب لوگوں کو آپ دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے یہی وہ گروہ ہے جس کے اعمال حسد دنیا اور آخرت میں ضائع اور بے کار گئے یعنی دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہوئے اور دنیا اور آخرت کی ذلتیں سرپڑیں اور کوئی ان کا مددگار نہیں کہ ان کے اعمال کو جھڑپ ہونے سے بچائے اور دنیا اور آخرت کی کسی ذلت اور مصیبت کو ان سے دفع کر سکے۔

فوائد

- ۱۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ عذاب اُس شخص کو ہوگا جس نے خدا کے کسی نبی کو قتل کیا یا اُس شخص کو قتل کیا جس نے اچھی بات کا حکم کیا اور بری بات سے منع کیا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ سَے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ تک اور یہ ارشاد فرمایا اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے مشرک دن میں تینتالیس نبیوں کو ایک گھڑی میں قتل کیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایک سوستر عابد و زاہد اور صوفی لوگ کھڑے ہوئے اور ان ناہنجاروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ بنی اسرائیل نے اخیر دن میں ان تمام نصیحت کر لے والوں کو بھی قتل کر دیا (اخر ابن جریر)
- ۲۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں اور اُن کا مرتبہ انبیاء کے بعد ہے اس لیے علماء کے قتل کا جرم انبیاء کے قتل کے بعد دوسرے درجہ میں ہے۔
- ۳۔ آیت میں انبیاء اور علماء کے قاتلین کی دوسرائیں ذکر کی گئیں ایک جسطا اعمال دوسرے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ انبیاء کرام چونکہ منبع ہدایت تھے اس لیے اُن کے قتل پر جسطا اعمال کی سزا ملی۔ اور علماء چونکہ انبیاء کرام کے اخوان اور انصار اور معین و مددگار تھے اس لیے علماء کے قتل کی سزائیں وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرٍ فرمایا یعنی ان کو خدا کی سزا سے کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

استعجاب بر اعراض اہل کتاب

گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت کو دلائل اور براہین سے واضح فرمایا اور اہل کتاب کو خاص طور پر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی مگر ان لوگوں نے اعراض کیا اب آئندہ آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا اسلام سے اعراض کرنا نہایت عجیب ہے کہ تو ریت اور انجیل کے عالم ہیں اور نبی کریمؐ کی بشارت اور صفت جو توریت اور انجیل میں مذکور ہے اس سے واقف ہیں مگر پھر بھی اعراض کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیت المقدس (یہودیوں کے مدرسہ میں) تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اُن کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ نعیم بن عمرو اور

حضرت انبیاء کے انتساب پر اعتماد کیے ہوئے ہیں اور اپنی نجات کا اعتقاد کیے ہوئے ہیں اس لیے آخرت کی عقوبت کو سہل اور خفیف سمجھتے ہیں اور ایمان اور عمل صالح کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ تمام انبیاء کرامؑ اس بات کو بیان کرتے چلے آئے کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ پر ہے۔ بدون ایمان کے انتساب کچھ کام نہیں آئے گا اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کو دین کے بارہ میں ان اعتقادات اور خیالات نے جو یہ اپنی طرف سے بنائے رہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں اور اس کے نبیوں کی امداد ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی اولاد کو عذاب نہ دے گا مگر بڑے نام اور نصاریٰ نے کفارہ کا مسئلہ نکال رکھا ہے کہ سارے عالم کے گنہگاروں کا حساب ایک اکلوٹے بیٹے کے صلیب پر چڑھ جانے سے برباق ہو گیا پس یہ لوگ اپنی ان افواہ پر دانیوں پر آج دنیا میں اپنا دل خوش کر لیتے ہیں مگر یہ تو سوچیں کہ کس وقت ان کا کیا حال ہو گا کہ جب ہم سب کو حساب و کتاب کے لیے ایک دن جمع کریں گے جس کے بارہ میں ذرہ برابر کوئی شک و شبہ نہیں اور وہ دن ایسا ہو گا کہ ہر شخص کو اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا اور ذرہ برابر ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا کہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ ان کو سزا دے دی جائے یا ان کی کوئی حق تلفی ہو جائے یعنی ٹیکوں کا بدلہ نہ دیا جائے یا کم دیا جائے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ

تَوَكَّلْ يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ سُلْطَنُ الْمُلْكِ تَوَكَّلْ دُورِے جس کو چاہے اور

تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ

سُلْطَنُ پھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل

مَنْ تَشَاءُ طِبِيدُ الْخَيْرِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

کرے جس کو چاہے، تیرے ہاتھ سب خوبی، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قَدِيرٌ ۲۷ تَوَلَّيْهِ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّيْهِ النَّهَارُ فِي

توے آوے رست کو دن میں اور تو لے آوے دن کو

الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

رات میں اور تو نکالے جیتا مردے سے اور تو نکالے مردہ

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۵

جیتے سے اور تو رزق دیوے جس کو چاہے بے شمار۔

بشارتِ غلبہ مومنین بر اعداء بعنوان مناجات و دعا

قال تعالیٰ قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ..... اے..... وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(ربط، کفار، دنیا، اور سامان دنیا پر مغرور تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب اور احباب کو فقر و فاقہ کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھتے تھے اس آیت میں اسی کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ سلطنت اور دولت کا عروج اور نزول اور عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اس طرح دعا مانگو ہم تم کو بے مثال سلطنت عطا کریں گے جس کو یہ مذاق اڑانے والے بھی دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جائیں گے گویا کہ یہ دعا ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کڑا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ سبے سرد سامان مسلمان قوم عزتوں اور سلطنتوں کی ایک بنے گا اور جو بادشاہت کر رہے ہیں وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت کے گڑھے میں گرائے جائیں گے اور یہ مادی سلطنت کیا چیز ہے جس خداوند ذوالجلال نے نبوت رسالت کے منصب جلیل کو بنی اسرائیل سے نبی اسماعیل کی طرف منتقل کر دیا تو اسے روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔

شانِ نزول

غزوہ احزاب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو خندق کھودنے کا حکم دیا ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کھودنے کے لیے مقرر کیا صحابہ نے خندق کھودنا شروع کیا اس درمیان میں ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی جس پر کدال کچھ کام نہ کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ اس جگہ پر نفس نفیس تشریف لائے اور سلمان رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ چٹان شق ہوئی اور اس سے ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی جس سے تمام مدینہ روشن ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرے میں چراغ روشن ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی یعنی اللہ اکبر کہا اور صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرت کے مہلات دکھائے گئے پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اس سے بھی ایک روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں روم کے سرخ مہلات دکھائے گئے یہ کہہ کر آپ نے پھر تیسری بار کدال ماری جس سے پھر ویسی ہی روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں صنعا میں جو ملک میں کانر سلطنت ہے، کے مہلات دکھائے گئے اور مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ عنقریب ان سب ممالک پر میری امت کا تسلط اور غلبہ ہوگا جب کافروں اور منافقوں نے یہ سنا تو کہنے لگے اے مسلمانو تمہارا نبی بھی خوب ہے کیسی عجیب باتیں کرتا ہے شرب سے اس کو مدائن اور حیرہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں اور خوف کا حال یہ ہے کہ ایک معمولی دشمن کے ڈر سے تم سے خذقیں کھدوا رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار ناانجانہ کے تمسخر اور استہزاء کی طرف ذرہ برابر التفات نہ کریں۔ یعنی اس طرح ہم سے دعا مانگو ہم آپ کے غلاموں اور غلاموں کو سلطنت عطا کریں گے۔ اس طرح دعا مانگو اے اللہ مالک بادشاہی اور سلطنت کے ہم کو بادشاہی اور عزت عطا فرما تاکہ کوئی کافر تیرے دین اور تیرے نام لیواؤں کو ذلیل نہ کر سکے اور شان و شوکت کے ساتھ تیرے دین کے احکام جاری ہوں ہم اگرچہ قلیل اور ظاہر میں ذلیل ہیں مگر آپ کو سب کچھ قدرت ہے اس لیے کہ آپ مالک مطلق اور تادیر مطلق ہیں جس کو چاہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائیں اور جس سے چاہیں سلطنت چھین لیں تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں اور عزت کو ذلت سے اور ذلت کو عزت سے بدلنا ایسا ہی آپ کی قدرت میں ہے جیسا کہ نور کو ظلمت سے اور ظلمت کو نور سے بدلنا آپ کی قدرت میں ہے اس لیے کہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ رات کے ایک حصہ کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑھ جاتا ہے اور کسی فصل میں دن کے کسی حصہ کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے مثلاً کسی موسم میں رات چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے اور دن دس گھنٹہ کا پھر چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیئے جاتے ہیں جس دن چودہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور رات دس گھنٹہ کی رہ جاتی ہے اور تو ہی نکالتا ہے جاننا کو بے جان سے اور تو ہی نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے جیسے بیضہ سے چوڑہ اور چوڑہ سے بچہ اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور مؤمن سے کافر اور کافر سے مؤمن اور تو ہی روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار یہ آپ کی قدرت کا ملہ اور جو د و کرم کے چند نمونے ہیں اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو ایمان و تقویٰ کے نور سے منور فرما اور ہم کو حکومت و سلطنت عطا فرما تاکہ تیرے اتارے ہوئے دستور اور قانون کو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں جاری کر سکیں۔

فوائد

۱۔ طبرانی کی معجم صغیر میں ہے کہ ایک جمعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو نماز میں

نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا اے معاذ کیا بات ہے آج میں نے تم کو نہیں دیکھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) قرض تھا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے نکلا راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دے کر دے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ قُوَّتِي الْمُلْكِ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلِّقُ مَنْ تَشَاءُ بِسْمِكَ الْخَضِرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تَوَلَّجَ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارُ فِي الْيَلِّ وَخَرَجَ الْحَيُّ مِنَ الْمَمِيَّتِ وَخَرَجَ الْمَمِيَّتُ مِنَ الْحَيِّ وَتَرَدَّدَ مَنْ تَشَاءُ بَيْنَ حِسَابِ رَحْمَتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِمَهُمَا تُعْطِي مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ وَتَنْقُصُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ اِنْ خِئْتِ رَحْمَةً فَتُخَيِّرْ بَعَا عَنْ رَحْمَةٍ مِنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اَنْصِرْ عَنِ الدِّينِ وَاعْنِي مِنَ الْفَقْرِ وَكَوْنِي لِيْ عِبَادَتِكَ وَرَحْمَةً لِّيْ سَبِيلَكَ (تفسیر قرطبی ص ۵۲ ج ۱ و درمنثور و شرح حصن حصین ص ۲۹)

۲۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس آیت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس پر مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے سبکدوش فرماتا ہے۔

۳۔ بعض بزرگوں نے یہ تخصیص بھی کی ہے کہ ہر نماز کے بعد سات سات بار پڑھے اور بزرگوں نے اس عمل کو مجرب لکھا ہے۔

۴۔ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم جس کے ذریعہ سے دعا قبول ہوتی ہے وہ آل عمران کی اس آیت میں ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ قُوَّتِي الْمُلْكِ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلِّقُ مَنْ تَشَاءُ بِسْمِكَ الْخَضِرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۱)

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

نہ پڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ

الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ

کر اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اللہ کا کوئی نہیں۔

فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَةً وَيُحَذِّرُكُمْ

مگر یہ کہ تم پڑا بھانوں سے بچاؤ اور اللہ

اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تَخَفُوا

تم کو ڈراتا ہے آپ سے۔ اور اللہ ہی نکتہ پتہ ہے، ترکبہ، اگر تم پھپھاؤ

مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمَهُ اللَّهُ ۖ وَيَعْلَمُ

جسے اپنے جی کی بات، یا ظاہر کر دے گئے، وہ اللہ کو معلوم ہے اور سکو معلوم ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

پر قادر ہے۔ جس دن پاوے گا ہر شخص جو کی ہے نیکی

مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ

رد برد۔ اور جو کی ہے برائی۔ آرزو کرے گا

أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ

کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جائے دور کا۔ اور اللہ ڈراتا ہے تم کو

نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

آپ سے۔ اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر۔

ممانعتِ دوستان از دوستی دشمنان

قال تعالى لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ اے وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

(رابطہ) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا کہ عزت اور ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں یعنی اہل اسلام کو حکم دیتا ہے کہ تم مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمنان خدا کی سوا لا ست اور دوستی کی طرف کوئی قدم نہ اٹھانا اور کافروں کی ظاہری اور دینی شان و شوکت کو دیکھ کر

یہ گمان نہ کرنا کہ شاید ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے کوئی دنیوی عزت و درجاست مل جائے گی۔ حاشا دکلاء اَیْبَتْنَعُوْكَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا۔ کافروں کے پاس جو عزت نظر آتی ہے وہ حقیقی عزت نہیں محض صورت ہے حقیقی عزت اللہ کے پاس سے ملتی ہے البتہ اگر کسی وقت بحالت مجبوری دشمنوں کے شر اور فساد سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر ان کی موافقت کر لو تو اس کی ممانعت نہیں۔ تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے اس قسم کی ظاہر داری بشرط ضرورت اور بقدر حاجت موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ یہ موالات کی حقیقت نہیں بلکہ محض صورت ہے۔

شان نزول

حضرت بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجاج بن عمرو اور ابن ابی الحقیق و رقیس بن زید اس قسم کے چند یہودی چند انصار سے کچھ خلا ملا رکھتے تھے تاکہ موقع پا کر ان کو دین اسلام سے برگشتہ کر دیں اکثر مسلمانوں کو ان کی اس بڑی کاحال معلوم نہ تھا مگر جو صاحب نظر تھے وہ پہچان گئے کہ یہود کا کیا مقصد ہے، چنانچہ رفاعہ بن منذرؓ اور عبداللہ بن جبیرؓ و سعد بن خیشمؓ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم یہود کی اس جماعت سے بچتے رہنا کہیں تم کو دین سے برگشتہ نہ کر دیں ان انصار یوں نے ان کی اس بات کو نہ مانا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمان کو چھوڑ کر یعنی سوائے مسلمانوں کے کسی کو ظاہراً اور باطناً دوست نہ بنائیں اس لیے کہ ایمان نور ہدایت ہے اور کفر ظلمت و ضلالت ہے اور نور اور ظلمت اور ہدایت اور ضلالت اور حق اور باطل میں دوستی ممکن نہیں اجتماع ضدین۔ عقلاً و نقلاً محال ہے اور جو کوئی یہ کام کرے یعنی کافروں کو دوست بنائے تو ایسے شخص کو اللہ سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ کافر اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے اور مومن اللہ کے دوست ہیں۔ پس مومن رہتے ہوئے کافر کے ساتھ دوستی رکھنا ممکن نہیں۔ مگر ایک صورت میں محض تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے ظاہری دوستی کی اجازت ہے۔ وہ یہ کہ تم کافروں کے شر سے بچنا چاہو کسی خاص بچاؤ کے ذریعہ سے یعنی محض اُن کے شر اور ضرر سے بچنے کے لیے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں اُن سے فقط بقدر ضرورت محض ظاہری تعلق پیدا کرنا جائز ہے۔ باقی دلی تعلق اور قلبی محبت کسی حال میں بھی جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس سلسلہ میں کسی معصیت کا مرتکب ہو یا پڑے یا مسلمانوں کی جاسوسی کرنی پڑے اور مسلمانوں کے راز اور خبریں کافروں کو دینے لگے۔ فقط دفع شر اور دفع ضرر کیلئے بقدر ضرورت قواعد شریعت کے ماتحت کافروں سے فقط اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لیے تعلق رکھنے کی اجازت ہے باقی کافروں سے ایسا تعلق جو مسلمانوں کے لیے یا مسلمانوں کی حکومت کے لیے سفر ہو یہ کسی

طرح اور کسی حالت میں جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اپنے ذاتی جلال و
قہر سے ڈراتا ہے کہ جو کافروں سے دوستی کرنے پر مرتب ہوگا اشدہ اس طرف ہے کہ کافروں کی دوستی
پر فدائے تبار کا جو ہر مرتب ہوتا ہے وہ قبر ذاتی ہے قہر فعلی نہیں اور لہذا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم کافروں کی
محبت خورہ اپنے سینوں میں چھپا دیا اُسے اپنے کسی قول یا فعل سے نہ ہر کرد تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس
کو خوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کے سامنے ظاہر اور باطن سینہ اور زبان سب برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یعنی اُس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قادر ہے علم کی طرح اس کی قدرت بھی محیط ہے لہذا تم کو چاہیے کہ اس عظیم و قدیر کے دوستوں سے
دوستی کرو اور اس کے دشمنوں کی دوستی سے ظاہر و باطن میں احتیاط رکھو اور اس دن کے حساب و کتاب
سے ڈرو کہ جس دن ہر نفس اپنے اعمال نیک و بد کو اپنی اصلی شکلوں میں حاضر کیا ہوا پائے گا اس وقت جب کہ
اعمال اپنی اصلی شکلوں میں نمودار ہوں گے اس وقت اُن اعمال کا حسن و قبح نظروں کے سامنے آجائے گا اور
اس وقت یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور میرے بڑے اعمال کے درمیان ایک طویل اور در دراز مسافت
حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے قہر و جلال سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہندوں پر مڑا مہربان ہے کہ
ن کو پہلے ہی بتا دیا کہ دنیا میں کن سے دوستی جائز ہے اور کن سے دوستی ناجائز ہے۔

فوائد

۱۔ کافروں سے مولاۃ یعنی محبت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو دینی حیثیت سے محبوب
رکھا جائے یہ قطعاً کفر ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دل سے اُن کے مذہب اور دین کو
بڑا سمجھے مگر معاملات دنیویہ میں اُن سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آئے یہ بالا جماع جائز ہے
ایک درجہ میں مستحسن ہے تیسری صورت ان دونوں صورتوں کے بین بین ہے وہ یہ کہ دل سے
تو ان کے مذہب کو بڑا سمجھے مگر کسی قرابت یا دوستی یا دنیوی غرض کی وجہ سے اُن سے دوستانہ
لغات رکھے اور ان کی اعانت اور امداد کرے یا کسی وقت مسلمانوں کی جاسوسی کرے یہ صورت
کفر تو نہیں مگر سخت گناہ ہے حاطب ابن ابی بلتعہ کے قلعہ میں یہی صورت پیش آئی کہ انہوں نے اپنی
قرابت کی وجہ سے کفار کی مدد کی اور اُن کے ساتھ ایک قسم کا سلوک اور احسان کیا سورۃ ممتحنہ کا نزول
اسی قسم کی موامات کی مانعت کے لیے ہوا ہے (تفسیر کبیر)

۲۔ کافروں کی سی وضع قطع، اختیار کرنا یہ علامت ہے کہ اس شخص کو کافروں کی وضع پسند ہے اور اسلام
کی وضع اس کو ناپسند ہے اس لیے کہ تمام عقلا ر کے نزدیک ظاہری حرکات و سکنات۔ قلبی

کیفیات کی ترجمان ہوتی ہیں۔

۳۔ تَقَاتُ سے آیت میں کہ فردوں اور دشمنوں کے شر سے بچنے کی تدبیر مراد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ باقی رہا شیعوں کا تفسیر سو آیت قرآنیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

تو کہہ، اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی، تو میری راہ چلو کہ اللہ تم

اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۱

کو چاہے، اور بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

تو کہہ، حکم مانو اللہ کا اور رسول کا، پھر اگر وہ ہٹ رہیں تو اللہ

لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝۳۲

نہیں چاہتا منکروں کو۔

آغاز مضمون رسالت

وبیان آنکہ معیار محبت خداوندی اتباع رسول است

قال تعالیٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي اے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

(رابطہ) ۱۔ گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ سے موالات کا حکم مذکور تھا اب ان آیات میں

یہود اور نصاریٰ کے اس قول کی طرف تعریف ہے کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں۔

نَحْنُ أَوْلَىٰ بِاللَّهِ مِنْكُمْ وَأَحِبُّوا اللَّهَ ان آیات میں حق جس شانہ نے ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ

تم اللہ کی محبت اور دوستی کے دعوے دار ہو تو ہمارے نبی کا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا

یعنی اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کر دے گے تو اس کا صلہ یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبت کے درجہ سے جوین

کے درجہ تک پہنچا دے گا اور اس طرح تم محب سے محبوب بن جاؤ گے اور طالب سے مطلوب ہو جاؤ گے۔
۴۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں دشمنانِ خدا سے موالات اور محبت کی ممانعت کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں انبیاء و رسل کی محبت اور متابعت کا ذکر ہے اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی۔ عزتِ حضراتِ انبیاء و کرامؑ کی اتباع میں ہے۔

عزیز یکہ از در گہش سر یافت
بہر در کہ شد بیج عزت نیافت

۵۔ یایوں کہو کہ شروعِ سورت سے اب تک توحید کا بیان تھا اب یہاں سے نبوت و رسالت کا بیان شروع ہوتا ہے سب سے پہلے پیغمبرِ آفرانِ زمان کی اطاعت کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے بعد دلی آیتوں میں (یعنی اِنَّ اَدْنٰى اَصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمرٰنَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ۱۶) میں ان مقبول اور محبوب اور پسندیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کا ذکر فرمایا کہ جن کی اطاعت اور متابعت اپنے اپنے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی محبت کا معیار بھی اور سب نبی آفرانِ زمان کی نبوت و رسالت کا دودِ دودہ ہے جو بلاشبہ خداوندِ ذوالجلال کے حبیب اور خلیل ہیں لہذا اب جو شخص اللہ کی محبت اور دوستی کا دعویٰ کرے تو اس کا معیار یہ ہے کہ وہ حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے چون و چرا اتباع کرے ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنائے گا اور تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا جس درجہ ہمارے نبیؐ کا اتباع کر دے گا اسی درجہ خدا کے محبوب بن جائے گا۔
۶۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں خدا کے دشمنوں سے محبت کی ممانعت تھی اب اس آیت میں خدا تعالیٰ کے بزرگ ترین حبیب اور خلیل کی محبت اور متابعت کا حکم ہے۔

۵۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں تخیلف اور تہدید تھی تاکہ معصیت پر جری اور دیر نہ ہو جائیں اور اس آیت میں تبشیر اور تسلی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں چنانچہ فرماتے ہیں۔
اے ہمارے نبیؐ آپ لوگوں سے یہ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے زلم میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو یعنی میری راہ پر چلو کیونکہ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی اور خوشی کی تلاش ہو اور جن چیزوں سے محبوب کو نفرت ہے ان سے محب بھی نفرت کرے اور یہ بات آپ کے اتباع اور پیروی ہی سے ممکن ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا پتہ عقل سے نہیں چلتا بلکہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے اور حضراتِ انبیاء و رسل ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور اس کے ادا امر اور نواہی کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے اور محب اپنے محبوب کی معرفت اور طریقہ اطاعت کے علم کا حریص اور مشتاق ہوتا ہے تاکہ اس کی محبت کا اہل اور اس کے تقرب کا مستحق ہو سکے پس اگر تم

اللہ کی محبت کے مدئی ہو تو میری راہ پر میرے پیچھے میرے نقش قدم پر چلے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب اور مقرب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ محض محبت پر مغرور نہ ہو جاؤ بلکہ اس اللہ کی اطاعت کرو جس کی محبت کے لئے تم مدئی ہو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے محبوب کا محبوب بھی محبوب اور واجب اطاعت ہوتا ہے۔ پس اگر یہ لوگ آپ کی اطاعت اور اتباع سے منہ موڑیں اور یہ گمان کریں کہ ہمیں رسول کی اتباع کی ضرورت نہیں تو خوب سمجھ لیں کہ خدا کے فرستادہ اور محبوب کی اطاعت اور اتباع سے اعراض (گمراہ کرنا کفر ہے اور تحقیق اللہ کا فرد کو محبوب نہیں رکھتا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے عَنِ الْكَافِرِينَ وَالْمُشْرِكِينَ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ کافر خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ خدا کا محبوب وہی شخص ہو سکتا ہے جو خدا کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کرے۔

نکتہ ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ لَا تَجْعَلُوهُمْ سَوَاءً لیکن بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لائے اور یہ فرمایا لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی کی اتباع اور اطاعت سے اعراض کفر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ

اللہ نے پسند کیا آدم کو، اور نوح کو، اور ابراہیم کے گھر کو اور

عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ط

عمران کے گھر کو۔ سارے جہان سے ۳۲۔ کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾

اور اللہ سنتا جانتا ہے ۳۳۔

ذَكَرَ اصْطَفَا بَعْضَ بَرَزِيدِ كَانِ خَدَاوندِ نَامِ عَلِيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ الخ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی محبت و اس کے معیار کا بیان تھا اب اس آیت میں

اللہ تعالیٰ اپنے چند برگزیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی محب اور محبوب تھے تاکہ ان کے حالات و واقعات سن کر ان کے اتباع اور محبت کا شوق دل میں پیدا ہو، در یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت بدون ان حضرات کی اتباع اور پیروی کے ناممکن ہے اور ان چند مجبین اور محبوبین خدا کا ذکر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی تمہید ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔ بہر حال مقصود اس تذکرہ سے یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں وصول بدون حضرات انبیاء کرام کے ناممکن اور محال ہے انہی حضرات کے اتباع سے حق تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے جس نے دنیا کو خدا تعالیٰ کی محبت کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ بتلایا وہ ہمارے محترم ترین باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو خداوند ذوالجلال کے خلیفہ ہیں اور علم اور معرفت میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور سب سے پہلے خدا کے نبی اور رسول مکرم ہیں۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر آل عمران اور پھر سب سے اخیر میں ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی بے چون و چرا متابعت اور اطاعت محبت خداوندی کا معیار ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا کہ اپنی خلافت کا تاج اُن کے سر پر رکھا اور سجود ملائک بنایا اور جس نے اُن کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ان کی ہمسری کا مدعی بنا اس کو ملعون اور مخطوب بنا کر اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا اور اُن کے ایک عرصہ دراز کے بعد خاص طور پر نوح کو برگزیدہ بنایا کہ اُن کی اتباع کرنے والوں کو نجات دی اور ان کی اطاعت و اتباع سے اعراض کرنے والوں کو کیقت غرق کیا اور ابراہیم کی اولاد میں سے بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو دونوں کے یہ برکت کا وعدہ فرمایا اور علی ہذا خاندان عمران میں سے بھی بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ ذل عمران علیہ السلام میں عمران سے کون سے عمران مراد ہیں آیا عمران بن ماثان سرور ہیں جو حضرت مریم کے والد ہیں اور حضرت مسیح کے جد ہیں یا عمران بن یصہر بن قاہث بن لادی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ہیں اور آیت کے سیاق اور سابق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں عمران بن ماثان حضرت مریم کے والد مراد ہیں اس لیے کہ ان آیات کا نزول نعلانی نبی نجران کے بارہ میں ہوا جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے الوہیت کے قائل تھے بہر حال اس عمران سے اگر حضرت موسیٰ کے والد مراد ہیں تو اولاد عمران سے حضرت موسیٰ اور ہارون مراد ہوں گے اور اگر عمران سے حضرت مریم کے والد مراد ہیں تو آل عمران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں گے غرض یہ کہ ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا اور تمام جہانوں میں سے ان کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ در آنجا یکہ یہ جماعت ایک نسل میں جو ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہیں ایک طینت اور ایک خیمہ ہیں جو

اصطفاء اور اجتہاد کے یکے بعد دیگر سے وارث ہوئے ہیں ورنہ تعالیٰ سب اقوال کے خوب سننے والے اور سب ظاہری اور باطنی احوال کے خوب جاننے والے ہیں کہ کون شخص اصطفاء اور برگزیدگی کے لائق ہے اللہ کا اصطفاء علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

فائدہ

اس آیت میں صراحۃً اسمعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں دجہ یہ ہے کہ ان آیتوں کا نزول ان لوگوں کے مقابلہ میں ہوا ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کی نبوت اور برگزیدگی کو سنتے تھے ان پر محنت پورا کرنے کے لیے ان حضرات کا ذکر کیا گیا جن کی محبت کے وہ دعوت دہ تھے اس لیے اس الزام اور توبیخ میں ان افراد کا ذکر نہیں کیا گیا جن کی نبوت و بعثت کے وہ قائل نہ تھے نیز آیت میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں کہ اصطفاء انہی حضرات میں منحصر ہے لہذا اگر حضرت اسمعیلؑ کے اصطفاء کا اس آیت میں ذکر نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں دوسری آیتوں میں ان کا اور دوسرے حضرات انبیاء کا ذکر مفصل آیا ہے جن کا اس آیت میں ذکر نہیں فرمایا۔

ان احذہ اضطفی کے لفظ میں اس طرٹ اشارہ ہے کہ آل ابراہیم اور آل عمران مثلاً عیسیٰ علیہ السلام سے جو خوارق اور معجزات ظہور میں آئے وہ ان کی برگزیدگی اور نبوت کی دلیل ہیں۔ نادانی سے ان کو الوہیت کی دلیل نہ سمجھ جانا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ

جب بولی عورت عمران کی کہ میں نے نذر کیا

لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

تیرا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد سو تو مجھ سے قبول

مِیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا

کر تو ہے اصل سنتا جانتا پھر جب اُس کو جانی

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

بولی میں نے یہ لڑکی جانی اور اللہ کو بہتر معلوم

وَضَعْتُ وَلَيْسَ الذِّكْرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا

ہے جو کچھ جینی اور بیٹا نہ ہو جیسے وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام

مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُس کو اور اسکی اولاد کو شیطان مردود

الرَّجِيمِ ﴿۳۷﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا

سے ... پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول کرنا اور بڑھایا

نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سہر کی زکریا کو جس وقت آتا اُس پاس

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرُؤُ

زکریا حجرے میں پاتا اُس پاس کچھ کھانا بولا سے مریم!

أَنِّي لَكَ هَذَا طَرَفٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ

کہاں سے آیا سمجھ کو یہ؟ کہنے لگی، یہ اللہ کے پاس سے۔ اللہ

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس سے۔

قصہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام

قال تعالى إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ ... اٹے بِغَيْرِ حِسَابٍ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے چند محبوب اور محبوبہ بندوں کا اجمالاً ذکر تھا اب

اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے آل عمران کا قصہ ذکر فرمایا جس سے مقصود

یہ ہے کہ اہل کتاب کے دو بڑے گروہ یہود اور نصاریٰ دونوں کے خیالات اور منہ عوامتِ فاسدہ کا

اور ان کی اخراجیہ دائروں کا فیصلہ کر دیا جیسے یہود، مسیحی، عیسائی علیہ السلام کے حق میں غایت درجہ تفریط کی اُن کو اُن کی شان عالی سے گھٹایا، اور اُن کو کاہن اور جادوگر بتلایا اور نصاریٰ نے اخراجیہ کی یعنی ان کی تعلیم میں غلو اور مبالغہ کیا کہ ان کی ابنیت اور الوہیت کے قائل ہوئے اس لیے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور ان کی کہولیت اور ان کے بشری احوال کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنس بشر سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔ معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہیں اس لیے کہ احوال بشریت اور اطوار انسانیت کے گزرنے اور ابنیت اور ابنیت کے قطعاً منافی ہے حق تعالیٰ احوال اور تقریرات سے پاک در منزلہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو ان کے پیٹ سے پیدا نہ ہوتے اور نہ ماں کی گود میں پرورش پاتے۔ ان فرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور کہولیت کو نصارائے نجران کے عقیدہ اور ابنیت کے ابطال کے لیے ذکر فرمایا۔

بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اُن کے فضائل اور معجزات اور رفع الی السما کو یہود کے رد کے لیے بیان فرمایا تاکہ یہود بے جہود یہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں کو عزت دیتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کرتا ہے اور ماں اور اُماد کی کثرت اُن کے کچھ کام نہیں آتی۔ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ اپنے کسی دوست کو دشمنوں کے نزعہ سے نکال کر آسمان پر لے جائے اور دشمنوں ہی میں سے کسی کو اپنے دوست کے ہمنسل بنا کر پھانسی پر لٹکوا دے اور تاکہ ان باتوں سے یہود یہ سمجھ جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے کاہن اور ساحر نہ تھے عرض یہ کہ اس طریق سے یہود اور نصاریٰ دونوں کا خوب رد ہو گیا اور دونوں گروہ کے عقیدہ کا فاسد اور باطل ہونا خوب واضح ہو گیا۔

یاد رکھو کہ ان حضرات انبیاء و مرسلین کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ان حضرات کا اتباع اور اطاعت ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ نبی کی اطاعت ہے۔ فَلَا تَمْنُون بَهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ اور صحیح دین بھی وہی ہے جو ان حضرات کا تھا اور وہی دین اسلام ہے اور جو دین تم نے اختیار کیا ہوا ہے وہ نبیاء و مرسلین کا دین نہیں۔ انبیاء و مرسلین کا دین بھی دین اسلام ہے جس کی طرف تم کو نبی آخر الزمان بلا رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ عمران کی بی بی نے جن کا نام خنہ بنت ناولہ تھا اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق حالت حمل میں یہ منت مانی کہ میرے پروردگار میں سے آپ کے لیے نذر کیا رہے بچہ جو میرے شکم میں ہے تیری عبادت کے لیے اور تیرے گھر کی خدمت کے لیے آزاد ہوگا۔ ماں باپ اُس سے اپنی کوئی خدمت نہ لیں گے۔ باقی تمام دنیوی مشاغل سے آزاد ہو کر فقط تیری عبادت اور تیرے گھر کی خدمت میں لگا رہے گا پس تو اپنی رحمت سے میری اس نذر کو قبول فرمائیے۔

تحقیق تو میری عرض و معروض کو سن رہا ہے وہ میری نیت اور اخلاص کو جاننے والا ہے اس لطیف اور پاکیزہ عنوان سے دعا مانگنے میں اشارہ اس طرف تھا کہ مجھ کو فرزند عطا فرما کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کیلئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ پس جب خلاف توقع لڑکی جتنی تو نہایت حسرت سے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو اس حمل کو لڑکی کبھی میری نذر تو اب کیا پوری ہوگی اس لیے کہ لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔ امراۃ عمران تو حسرت کر رہی تھیں اور اللہ کو بہتر معلوم ہے جو کچھ اُس نے جنا۔ ورنہ فرزند جس کی وہ خواہش کرتی تھیں اس دختر کے برابر نہیں جو منجانب اللہ ان کو دی گئی۔

ف یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ قول خداوندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمران کی بیوی کی حسرت اس بنا پر ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ لڑکی کس شان اور مرتبہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لڑکی کیسی مبارک اور سعید ہے اور اس کے وجود میں ایک ایسے عظیم الشان فرزند ارجمند کا وجود مخفی اور مضمر ہے جو فیروہ برکت میں اس کے وہم و گمان سے کہیں بالا اور برتر ہے یہاں تک بطور جملہ معترضہ کلام خداوندی تھا اب آگے پھر عمران کی بانی کا قول ہے در تحقیق میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا۔ مریم کے معنی اُن کی زبان میں عابدہ یعنی عبادت کرنے والی کے تھے حضرت خنہ کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو اسم باسمنی بنادے اور یہ عرض کیا کہ بار اہا میں مریم کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو رکے کے عوض قبول فرمایا نہایت عمدہ قبول کے ساتھ یعنی رکوں سے بڑھ کر اس لڑکی کو قبول فرمایا اور مجاورین بیت المقدس نے بھی باوجود خلاف دستور ہونے کے اس لڑکی کو قبول کر لیا اور مریم علیہا السلام کا لڑکی ہونا قبولیت کے لیے مانع نہ ہوا اور بڑھایا اللہ تعالیٰ نے اُس لڑکی کو چھی طرح بڑھاتا یعنی اُن کی ظاہر اور باطنی تربیت فرمائی اور اُن کی بالیدگی کو ایسا مکمل کیا کہ کوئی چیز اُن کو بگاڑ نہ سکے اور اُن کی قبولیت اور انبات حسن یعنی اُن کی تربیت کی ایک صورت یہ پیدا فرمائی کہ اپنے ایک مقبول اور برگزیدہ بندہ یعنی حضرت زکریا کو ان کا کفیل اور فرگیر بنادیا اور جب حضرت مریم کچھ سیانی ہو گئیں تو حضرت زکریا نے اُن کے لیے مسجد کے قریب ایک حجرہ مخصوص کر دیا جو محراب کے قریب تھا جس میں رہ کر دن بھر اللہ کی عبادت کرتیں جب کبھی حضرت زکریا مریم کے پاس محراب یعنی حجرہ میں آتے تو ان کے نزدیک کچھ کھانا رکھا ہوا پاتے جس کا خاہر میں کوئی سبب نہ تھا کیونکہ وہ کھانا نہ تو اُن کے گھر کا تھا اور نہ باہر کا اس لیے کہ حضرت زکریا جب چلے جاتے تھے تو حجرہ کا دروازہ بند کر دیتے تھے اور پھر تعجب یہ تھا کہ ان کے سامنے غیر موسم کا پھل رکھا ہوا دیکھتے سردیوں کا میوہ گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردی میں اس لیے حضرت زکریا نے تعجب سے کہا اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے آیا مریم بولی یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے اللہ جس کو چاہے بغیر قیاس اور بغیر نذرانہ اور بغیر دہم و گمان کے روزی دے اس کے رزق دینے کے لیے کسی ظاہری سبب کی ضرورت نہیں۔

فوائد

۱۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدا ہوتے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چھوتا ہے جس سے وہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو یہ دونوں اس سے مستثنیٰ رہے اور چونکہ امراۃ عمران کی یہ دعا استعاذہ عین ولادت کے ساتھ تھی اس لیے اس وقت تک شیطان کا مس واقع نہ ہوا تھا اگرچہ قرآن کریم میں امراۃ عمران کی اس دعا استعاذہ کا ذکر بعد ولادت کے واقع ہوا لیکن وہ ترتیب و قوعی پر دلالت نہیں کرتا لہذا اسب یہ اشکال نہیں رہا کہ امراۃ عمران کی یہ دعا تو ولادت کے بعد ہوئی اور مس شیطان اس سے پہلے عین وضع حمل اور ولادت کے وقت ہوتا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ دعا تو عین ولادت کے وقت تھی مگر قرآن کریم میں ذکر اس دعا کا بعد میں ہے یہ دعا ذکر میں مؤخر ہے اور وقوع میں مقدم ہے۔

۲۔ ولادت کے وقت شیطان ہر بچہ کو مس کرتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ لیکن عباد مخلصین کو یہ مس شیطانی کوئی ضرر نہیں پہنچاتا اور نہ اس مس سے ان کی عصمت اور نراہت میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ اس ایک خاص خصوصیت کی بنا پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء کرام پر افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ حضرت مریم۔ شان اور رتبہ میں ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ سے اعلیٰ اور افضل نہیں اس لیے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ شیطان نے ان کو مس نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو غلبت اور تکلیف سے سزا فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو مس شیطانی سے مستثنیٰ فرمایا اور دوسرے حضرات انبیاء جو خدا کے مقدس اور معصوم بندے ہیں اگرچہ وہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لیے کہ ان عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی حرکت کاگر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جس راستہ پر عمر چلتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے کیا کوئی خوفِ نعم اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے اور معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ مجھ سے بھی افضل ہیں بلکہ اس سے مقصود حضرت عمرؓ کی ایک خاص فضیلت اور خاص خصوصیت بیان کرنی تھی الغرض اس قسم کے خصوصی امتیازات سے فضیلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن افضلیت ثابت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کوئی خاص خصوصیت دی ہے۔

هٰذَا لَكَ دَعَا زَكِيًّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ

وہاں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر

لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ

مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تُو

سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

سننے والا ہے دعا ۳۸ پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑا تھا

يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بَيَحْيٰى مُصَدِّقًا

نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ

دے گا اللہ کے حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت پاس نہ جاوے گا اور نبی ہوگا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنۡىٰ يَكُوْنُ لِيْ غُلَمٌۢ وَقَدْ

نیکیوں میں ۳۹ بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھے کو لڑکا؟ اور مجھ پر

بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌۭ قَالَ كَذٰلِكَ

آیا بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح

اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰیَةً

اللہ کرتا ہے جو چاہے ۴۰ بولا اے رب مجھ کو دے کوئی نشان

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا

کہا نشان تیری یہ کہ نہ بات کرے تو لوگوں سے تین دن مگر اشارت سے



وَ اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعِشِيِّ وَالْاَبْكَارِ ۝

اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح

قصہ دعا رزکریا علیہ السلام برائے فرزند ارجمند

قال الله تعالى هَذَا لَكَ دُعَاءُ كَرِيماً رُبِّكَ اے وَ تَبْتَغِ بِالْعِشِيِّ وَالْاَبْكَارِ

حضرت زکریا علیہ السلام بڑے سے ہو چکے تھے اور اولاد سے ناامید ہو چکے تھے جب حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پہل دیکھے تو یکایک دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ مجھ کو بھی بے موسم میوہ مل جائے (یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو جائے) کیونکہ مرد پر اور زن عاقر سے اولاد کا پیدا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ گرمی میں جاٹوں کے پھلوں کا مہیا ہو جانا۔ اس لیے کہ خدا کی قدرت اور ارادہ کے لیے کسی سبب کا پایا جانا شرط نہیں ہیں اس وقت اور موقع کو دیکھ کر حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ اے پروردگار جس طرح مریمؑ پر تیری رحمت کی بارش ہوئی ہے اور قدرت کے کرشمے نمودار ہو رہے ہیں مجھ کو اپنے پاس سے بلا کسی سبب ظاہری کے پاکیزہ اولاد عطا فرما جو نفسانی اور شہوانی خیالات سے پاک اور منزہ ہو درجہ جانی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے میرا فرزند ہو جو میرے بعد ظاہراً اور باطناً میرا قائم مقام اور جانشین ہو تحقیق آپ بڑے دعا کے سننے والے ہیں۔ یعنی قبول کرنے والے ہیں پس آواز دی ان کو فرشتوں نے در انجا لیکے حضرت زکریا محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں کہ آپ کے ایک لڑکا ہو گا جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ جن میں خاص طور پر یہ پانچ صفتیں ہوں گی۔

۱۔ پہلی صفت یہ ہوگی کہ وہ کلمہ اللہ یعنی حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ کو کلمہ اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کلمہ کن یعنی حکم خداوندی سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے ان کو کلمہ اللہ کہنے لگے۔ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے یمن سال یا چھ ماہ بڑے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت یحییٰ تھے حضرت یحییٰ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے تھے کہ حضرت مسیحؑ پیدا ہونے والے ہیں۔

۲۔ دوسری صفت اس مولود میں یہ ہوگی کہ وہ اپنی قوم کا سردار ہوگا یعنی اپنی قوم میں علم اور علم اور کرم اور تقویٰ اور زہد اور عبادت اور تمام عمدہ خصلتوں میں سب سے بڑے ہونے ہوں گے۔

۳۔ تیسری صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ عورتوں سے بے رغبت ہوں گے یعنی لذتوں سے اتنے

دور ہوں گے کہ جو لذتیں شرعاً و عقلاً جائز اور مباح ہیں مثلاً نکاح ان سے بھی عظیمہ اور یکسو ہوں گے۔
۴۔ چوتھی صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ نبی ہوں گے۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہوگی کہ وہ نیکو کاروں میں سے ہوں گے یعنی اس گروہ سے ہوں گے جو سرتاپا صلاح، درنیک تھے اور صغیرہ اور کبیرہ سے معصوم تھے۔ جانتا چاہیے کہ یہاں صلاح سے وہ معمولی درجہ کی صلاح مراد نہیں جو عام مؤمنین صالحین کو حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاح مراد ہے جو منصب نبوت کے شایانِ شان ہو اور زجاج سے منقول ہے کہ صلاح وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرتا ہو۔ (تفسیر قرطبی ص ۶۹)
در بعض نے من الصالحین کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ صالحین سے انبیاء مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اولادِ انبیاء سے ہوں گے۔

الغرض جب فرشتوں نے حضرت زکریا کو یہ مشرودہ سنایا تو حضرت زکریا نے فرط مسرت سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا اور تحقیق میری حالت تو یہ ہے کہ مجھ پر تو بڑھاپا آچکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ میری عمر اکیس سو بیس سال کی ہے اور بیوی کی عمر ٹھانٹھے سال کی ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا نے دریافت کرنے کے طور پر یہ عرض کیا اور مقصود یہ تھا کہ فرزند کے پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی کیا مجھ کو اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا یا دوسری بیوی سے یہ بچہ عنایت ہوگا یا ہم دونوں کو اسی پیرائے سال کی حالت میں رکھ کر بچہ عنایت ہوگا حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کرنا ہے جو چاہتا ہے اس کی قدرت و مشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں وہ بغیر اسباب کے بھی جو چاہتا ہے کرتا ہے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ حمل قرار پا گیا تاکہ آثار ولادت دیکھ کر تیری نعمت کے شکر میں مشغول ہو جاؤں اور شکر کی بدولت اور مزید نعمت کا مستحق ہو سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر اشارہ سے اور اس وقت اگر یہ لوگوں سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی سو اس وقت تم منز کو کھڑت سے باہر کو نا اور صبح و شام اُس کی تسبیح میں لگے رہنا سبحان اللہ کیا نشانی ہے نشانی کی نشانی بھی ہے اور نشانی سے جو عرض تھی یعنی شکر نعمت، وہ بھی پوری حاصل ہے اور پھر اس پر لطف یہ کہ ذکر اور تسبیح کو تو اختیار ہی رکھا اور لوگوں سے بات کرنے کی

علیہ واصلح صفة تنظم الخیر کہ والمراد به هنا ما فوق اصلاح الذی لا بد منه فی منصب النبوة البتہ من اقصی مراتبہ کذا فی روح البیان ص ۳۳ ودرج المعانی ص ۱۳۱ و تفسیر کبیر ص ۲۶۲۔
علیہ قال المزاج اصلاح الذی یؤدی دلتہ ما افترض علیہ والیہ الشاس حقوقہم
(تفسیر قرطبی ص ۶۹)

قدرت ہی نہ رہی۔ تاکہ سوائے خدا کے ذکر و شکر کے کچھ کر ہی نہ سکیں پس ایک ہی چیز دونوں مغضوبوں کی عداوت بن گئی حصول دہد اور شکر نعمت۔

ف حضرت زکریا کو حق جل شانہ کی قدرت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا اُن کو یقین کمال تھا کہ حق تعالیٰ بڑھاپے میں بھی ادما و عطا فرما سکتے ہیں لیکن بڑھاپے میں بانجھ عورت سے اولاد کا ہونا خارق عادت ہے، اس لیے بارگاہِ خداوندی میں خارق عادت امر کی درخواست کو خلاف ادب سمجھ کر سکوت کیا مگر جب حضرت مریم کی خارق عادت احوال کا مشاہدہ کیا تو اس نوع کی درخواست کی دل میں ہمت پیدا ہوئی اور عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ کو ایک ولد صالح عطا فرما میں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی تو فرط مسرت سے عرض کیا اِنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ۔ معاذ اللہ حضرت زکریا کو قدرت خداوندی میں کوئی شک نہ تھا بلکہ چونکہ ناامیدی کے بعد ایک خارق عادت امر کی بشارت ملی اس لیے اس مسرت میں اُس کی کیفیت دریافت کرنے لگے تاکہ اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے اور نیز اس سوال کے جواب میں جب اس کیفیت کو ملایا جائیگا تو حصولِ ولد کی بشارت اس کو ریان سے اور بخیر ہو جائیگی۔ بادشاہ اگر کسی شخص کو کوئی بشارت دے گا وہ شخص خوش مسرت میں بادشاہ سے یہ سوال کرے کہ حضور کے اس انعام پر کیا کلام کی کیا صورت ہوگی تو اس کا یہ سوال بادشاہ کی قدرت میں شک کی بنا پر نہیں بلکہ بطور لذت و فرحت ہے نیز جو چیز انسان کو نسا اور آرزو کے بعد بحالت ناامیدی مانی ہے اسکو سزا بخشی میں مدہوش ہو جاتا ہے اور مختلف عزائم سے اسکو دریافت کرتا ہے تاکہ قلب کو خوب اطمینان ہو جائے اسی طرح حضرت زکریا کے سوال کو سمجھے۔

ف (۲۰) بعض کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام عقیق تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عقیق نہ تھے اور اس لیے کہ حضور ببالغہ کا صیغہ ہے حضور کے مشتق ہے جو فعل متعدی ہے جس کے معنی اپنے اختیار سے روکنے کے ہیں اور حضرت یحییٰ کو حضور اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو شہوات اور لذات کے اتباع سے روکنے والے تھے دوم شہرہ کہ حق تعالیٰ نے حضور کی صفت کو مقام مدح و ثناء میں ذکر کیا ہے اور قابلِ تعریف۔ فعل اختیار ہی ہوتا ہے نہ کہ فعل اضطراری اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے بھی یہی منقول ہے کہ حضور وہ شخص ہے کہ جو باوجود قدرت کے عورت کے قریب نہ جاتا ہو (تفسیر قرطبی ص ۵۸)

ف (۲۱) نکاح نہ کرنا غالباً یہ حضرت یحییٰ کی خصوصیت تھی ورنہ تمام انبیاء و شریعتوں میں نکاح کرنا افضل ہے کما قال تعالیٰ وَكَفَدْنَا لَكُنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لِكُلِّ نَجَسٍ ذُرِّيَّةً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اگرچہ رفع الی اسماء سے پہلے نکاح نہیں فرمایا لیکن نساء من السماء کے بعد نکاح فرامیں گے جیسا کہ احادیث میں مقرر ہے۔

نکمت بعض ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ مریم اُس عورت کو کہتے ہیں جس کو مردوں کی حاجت نہ ہو ہذا

عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ جَبْرِ وَقَتَادَةُ وَعَطَّارٌ وَابُو اشْعَثَارٌ وَالْحَسَنُ وَالتَّبَّاحِيُّ وَابْنُ زَيْدٍ الْحَصَوْرِيُّ هُوَ الَّذِي يَكْفَى عَنِ النَّسَاءِ لَا يَقْرَبُهُنَّ مِنَ الْقُدْرَةِ وَهَذَا مِمَّا يُوْجِهُنَّ اَحَدُهُمَا اِنَّهُ مَدْحٌ وَثَنَاءٌ عَلَيْهِ وَالثَّنَاءُ اَفْضَلُ يَكُونُ عَنِ الْفِعْلِ لِمَنْ يَكْتَسِبُ بِهِ عَنِ الْجَهْلَةِ فِي الْغَالِبِ وَالثَّنَاءُ اَنْ تَقُولَ فِي الْعَمَلِ مِنْ صِيَمِ الْفَاعِلِينَ فَالْمَعْنَى اِنَّهُ يَحْصُرُ بِنَفْسِهِ عَنِ الشَّهَوَاتِ (تفسیر قرطبی ص ۵۸ ج ۱)

گمان یہ ہے کہ چونکہ حضرت زکریا نے فرزند کی یہ دعا حضرت مریم کے زمانہ تربیت میں مانگی اس لیے انہیں جیسا ایک فرزند حضور عطا کیا گیا کہ جس کو عورتوں کی ضرورت نہ ہو واسطہ علم۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ

اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا،

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾

اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں کے

يَمْرُؤُا أَقْنِي يَرْبِّكِ وَأَسْجُدِي وَأَرْكَعِي مَعَ

اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ

الرَّكْعِينَ ﴿۳۷﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ

رکوع کرنے والوں کے یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ

اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پا

يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۸﴾

اے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے

إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک

مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي

اپنے حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبہ والا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنَ الْمُقَرَّرِينَ ﴿۳۹﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ

دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں اور باتیں کرے گا لوگوں

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

اے جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا اور نیک بنجیوں میں ہے۔ یوں اے رب:

أَنِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ

کہاں سے ہوگا مجھ کو بچہ اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگا: کسی آدمی نے کہا

كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب حکم کرتا ہے ایک کام کو

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ

تو یہی کہتا ہے اُس کو ہو وہ ہوتا ہے اور سکھادے گا اس کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۳۸﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ

اور کام کی باتیں اور توریت اور انجیل اور رسول ہوگا

بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ أَنِّي قَدْ جَعَلْتُكُمْ بَايَةَ مِّن رَّبِّكُمْ

بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تم باس، نشان سے کر تمہارے رب کا

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

کہ میں بنادیتا ہوں تم کو مٹی کی صورت جانور کی پھر اس میں

فَأَنْفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ

پھونک دیتا ہوں تو وہ ہو جائے اُڑتا جانور اللہ کے حکم سے اور چنگا کرتا

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُجِّي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

ہوں جو اندھا پیدا ہو اور کوڑھی اور چلتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي

اور بتا دیتا ہوں تم کو، جو کھا کر آؤ اور رکھیاؤ اپنے گھر

بُيُوتِكُمْ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

میں ۔ اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین

مُؤْمِنِينَ ۴۹ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ

رکھتے ہو ۴۹۔ اور سچ بتاتا ہوں تو راست کر، جو مجھ سے پہلے

التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

کی ہے اور اسی واسطے کہ حلال کردوں تم کو بعض چیز جو حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

تھی تم پر، اور آیا ہوں تم پاس نشانی سے کہ تمہارے رب کی سوڈرو اللہ سے

وَاطِيعُونَ ۵۰ إِنَّ اللَّهَ رَءِىٌّ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ

اور میرا کہا، تو ۵۰۔ بے شک اللہ ہے رب میر اور رب تمہارے سو اس کی بندگی کرو۔

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۵۱

یہ سیدھی راہ ہے ۵۱۔

تمتہ قصہ حضرت مریم علیہا السلام

قال الله تعالى وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ... ۱۰۰... هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۵۱

یہاں تک حق جل شانہ نے آل عمران اور آل ابراہیم کے اصطفاء اور ان پر اپنی ترجیحات و عنایات کے دلائل ذکر فرمائے، اب آگے ایک اور قصہ اسی سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں جو درحقیقت حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ تمہر ہے اس لیے کہ سلسلہ کلام کا آغاز حضرت مریم کے

قصہ سے ہوا تھا۔ درمیان میں مناسبت کی وجہ سے ضمناً حضرت زکریا کا قصہ ذکر فرمایا اب آگے پھر حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ ذکر فراتے ہیں اور وہ دوسرا قصہ یہ ہے کہ جب فرشتوں کے ایک گروہ نے بالمشافہ حضرت مریم سے کہا کہ اے مریم! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تجھ کو برگزیدہ کیا کہ اپنی کرامت و عنایات کا مودد بنایا۔ اور ابتدا میں باوجود لڑکی ہونے کے تجھ کو اپنی نیازی میں قبول فرمایا اور اب اخیر میں تجھ کو فرشتوں کے کلام اور خطاب سے عزت، بخشی اور تجھ کو ظاہری اور باطنی عید سے پاک اور منزہ کیا اور اپنے پاک گھر یعنی مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لائق بنایا۔ ظاہری پاک یہ عطا کی کہ حیض و نفاس سے پاک کیا اور باطنی طہارت و نزاہت یہ عطا کی کہ سس شیطانی سے تجھ کو محفوظ رکھا اور تمام جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو بعض خصوصی فضائل اور امتیازات عطا کیے بلا میں بشر کے حضرت مسیح جیسا مبارک در اول العزم پیغمبر فرزند تم کو عطا کیا جو تمہارے سوا اور کسی عورت کو نہیں عطا ہوا لہذا اے مریم! ان نعمتوں کے شکر میں اپنے پروردگار کی بندگی میں لگی رہو اور اپنی نماز میں قیام کو طویل کرو اور سجدہ کرتی رہو تاکہ تم کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ **وَاسْتَجِبْ وَاقْتَرِبْ** اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو اس لیے کہ رکوع اگرچہ رتبہ میں سجدہ سے کم ہے لیکن رکعت کی معیت کی وجہ سے جب رکعتیں کے انوار و برکات بھی اس کے ساتھ مل جائیں گے تو یہ رکوع قریب قریب سجود ہی کے قرب خداوندی میں معین اور مددگار ہوگا اور حضرت مریم کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم یا تو اس بنا پر تھا کہ اس زمانہ کی شریعت میں عورتوں کو نماز جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی یا حضرت مریم کی شخصیت تھی۔

جماعت میں شریک ہونے کے لیے غالباً رکوع کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا اُس نے رکعت کو پایا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فقہاء امت کا اجماع ہے اور بعض علماء نے **وَازْكُفُوا مَعَ السَّائِكِينَ** کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اے مریم! جس طرح رکوع کرنے والے رکوع کرتے ہیں اسی طرح تم بھی رکوع کیا کرو یعنی رکوع میں مسلمانوں کی موافقت کرو اور جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح تم بھی پڑھا کرو۔

اب حق جل شانہ ان مضامین کے ضمن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل ذکر فرماتے ہیں جو ان واقعات کے بیان سے ترشح ہوتی ہے یہ باتیں اور یہ قصے جو حضرت حق اور مریم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کے ہم نے ذکر کیے تہجد طیبی خبروں کے ہیں جن کی دلی ہم آہنگی تک پہنچ رہے ہیں یہ دلیل ہے آپ کے نبی برحق ہونے کی اس لیے کہ کسی شے کے جاننے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ عقل یا خبر کا سننا یا مشاہدہ کرنا قصص و واقعات میں عقل کو دخل نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ گزشتہ واقعات کو عقل سے معلوم کر لینا یا جماع عقل و محال ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو کسی سے سنا بھی نہیں اور اگر کسی کو یہ گمان ہے کہ تو ریت اور انجیل کے فلاں عالم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے تو اس کو چاہیے کہ اُس عالم کو سامنے لائے یا خود اُس سے پوچھ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ

اُمی تھے اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ نے کسی کتاب میں دیکھ کر یہ واقعات بیان فرمائے وہ کون سی کتاب اور کون سا دفتر ہے جس میں یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے ہوں اور وہ کتاب اور دفتر کہاں ہے اور کس کتب خانہ میں ہے جسے حضور پُر نور دیکھ کر یہ واقعات بیان کرتے ہیں۔ معترضین خود جاکر اس کتاب اور دفتر کو دیکھ لیں اور دیکھ کر وہ بھی اسی طرح ان واقعات کو بیان کر دیں بس صرف تیسری صورت مشاہدہ کی رہ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا ہو تو کسی ذی عقل اور ذی ہوش کو اس کا دوسوہ بھی نہیں آسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان واقعات کے وقت موجود تھے۔ پس جب کہ آپ نے ان واقعات کا نہ بچشم خود مشاہدہ کیا اور نہ کسی خارجی طریقہ و ذریعہ سے آپ کو ان کا علم حاصل ہوا پس متعین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم بذریعہ وحی کے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے رحق نبی ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور بذریعہ وحی کے آپ کو انباء الغیب سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور آپ ان کے نزدیک نہ تھے جب وہ قرعہ کے لیے اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون شخص مریم کی پردریش کا کفیل اور خبر گیر ہو جائے اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ مریم کی پردریش کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے۔ حق جل شانہ نے جب حضرت مریم کو نذر میں قبول فرمایا تو مسجد کے مجاہدین میں جھگڑا ہوا کہ مریم کو کس کی پردریش میں رکھا جائے حضرت مریم چونکہ سردار کی لڑکی تھیں اس لیے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پردریش میں رہے حضرت ذکر یائے فرمایا میں زیادہ مستحق ہوں میری بانی اس لڑکی کی خالہ ہے وہ نہایت محبت سے اس کی پردریش کرے گی فیصلہ اس پر ہوا کہ ہر ایک اپنا قلم جس سے توریث لکھتے تھے بہتے ہوئے پانی میں ڈالے جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا ہے وہ حضرت مریم کا حق دار سمجھا جائے۔ اس میں قرعہ حضرت ذکر یائے کے نام کا نکلا اور حق حق دار کو پہنچ گیا۔ پس جب آپ ان واقعات اور حالات کے وقت موجود نہ تھے تو معلوم ہوا کہ ان امور کا علم آپ کو بذریعہ وحی کے ہوا ہے۔ اور جس پر اللہ کی وحی کا نزول ہو وہ خدا کا نبی ہے۔

آغاز قصہ عیسیٰ علیہ السلام

اس وقت کو یاد کرو جب کہ فرشتوں نے حضرت مریم سے یہ بھی کہا اے مریم تحقیق اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جو من جانب اللہ ہو گا یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے جو بلا باب کے تم سے پیدا ہو گا اور بلا باب کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ کلمہ اللہ کہلائے گا اور اللہ کی طرف اس نسبت اور اضافت سے اس کو ایک خاص شرف اور عزت حاصل ہو گی جس کا نام اور لقب مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ مسیح اصل میں مشیحا تھا عبرانی زبان میں اس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر مسیح ہو گیا جیسے موسیٰ

موشا کا مقرب ہے باقی دجاں کو مجروح کہا جاتا ہے وہ باجماع عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسیح کے معنی پونچھ دینے اور نائل کر دینے کے ہیں چونکہ دجاں سے تمام عمدہ خصلتیں پونچھ دی گئی ہیں اس لیے اس کو مسیح دجال کہتے ہیں اور عیسیٰ اصل میں ایشور تھا یہ بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے عبرانی میں ایشور کے معنی سردار کے ہیں عیسیٰ ایشور کا مقرب ہے۔

نکستہ | حضرت عیسیٰ کو بن مریم (یعنی مریم کا بیٹا) اس لیے فرمایا حالانکہ خطاب خود حضرت مریم کو ہے تاکہ اس پر تشبیہ ہو جائے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے ماں کی طرف منسوب نہیں ہوتی اب آگے اُس مولود مسعود کے کچھ اوصاف بیان کرتے ہیں کہ وہ مولود مسعود دنیا اور آخرت میں باعزت اور آبرو والا ہوگا اہل دنیا اور اہل آخرت دونوں ہی کی نظروں میں معظم و محترم اور مرتبہ والے ہوں گے اس صفت کے ذکر سے حضرت مریم کی تسلی مقصود ہے اس لیے کہ جب حضرت مریم کو بغیر باپ کے فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو ممکن ہے کہ حضرت مریم بمقتضائے بشریت تشویش میں پڑ جائیں کہ دنیا میں کون اس کو باور کرے گا کہ بظاہر باپ کے پیدا ہوا۔ ناچار لوگ بھی یہ تو ہمت رکھیں گے اور بچہ کو ہمیشہ بڑے نام سے مشہور کریں گے میں کس طرح اپنی برأت ظاہر کروں گی حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم گھبراؤ نہیں ہم نے برأت اور نزاہت کا انتظام کر دیا ہے حق تعالیٰ نے خصوصی طور پر تم کو تمام بڑے ازام اور تہمتوں سے بری کرے گا چنانچہ پہلی مرتبہ وجاہت کا ظہور اس طرح سے ہوا کہ پیدا ہونے کے بعد شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا اور یہ کلام اتنا انوکھا تھا کہ کتاب و جہان ہی نہیں سمجھ سکتے تھے اس کلام کو سنتے ہی دونوں سے تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں اور سمجھ گئے کہ یہ مولود مسعود نہایت مبارک ہے بعض خدا کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت مریم کو بتلادیا کہ جب کوئی اس بارہ میں تم سے کچھ سوال کرے تو تم اس بچہ کی طرف اشارہ کر دینا وہ خود اپنی طہارت و نزاہت کو بیان کر دے گا جس کی تفصیل سورہ مریم میں آنے لگی دوسری بار وجاہت اس وقت ظاہر ہوئی جب دشمنوں نے پکڑ لے اور قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے زندہ اور صحیح و سالم آسمان پر اٹھایا اور دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ باقی دنیاوی وجاہت کی پوری پوری تکمیل۔ نزدل من السما کے بعد ہوگی جیسا کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اور وہ مولود مسعود فقط باعزت اور با آبرو ہی نہ ہوگا بلکہ حق جل شانہ کے خاص، خاص مقربین میں سے ہوگا۔ یعنی بارگاہ ایزدی کے ان مقربین میں سے ہوگا جو قرب ذاتی اور صفاتی سے مستصف ہوں گے اور تجلیات ربانیہ کے مورد اور منظر ہوں گے امدان کے مقرب ہونے پر وہ ارحامات اور خوارق عادت دلاست کریں گے جو ان سے قبل از نبوت ظہور میں آئیں گے۔ مثلاً وہ بچہ لوگوں سے ایسا حکیمانہ کلام کرے گا جیسا کہ انبیاء کا کلام ہوتا ہے حالانکہ وہ بچہ اس وقت ماں کی گود میں ہوگا اور اس کی یہ حالت مستر اور دائم رہے گی یہی تک کہ وہ معمر اور بڑی عمر کا ہوگا اور اس حالت میں بھی ایسا ہی کلام کرے گا۔ جہد طفولیت اور جہد کھولت کے کلاموں

میں کوئی تفاوت نہ ہوگا ان احوال کے مشاہدہ کے بعد کسی کو وہم بھی نہ ہوگا کہ گہوارہ اور ماں کی گود میں جو کلام سرزد ہوا تھا وہ کسی شیطان یا جن کا اثر تھا اور وہاں شیطان کا اثر یا گزند کہاں ہو سکتا ہے وہ تو نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بختوں میں سے ہوں گے اور شیطان کا اثر ناسق اور فاجر اور بدکار لوگوں پر ہوتا ہے اور کسی نقصان اور دینی خصل اور فساد کا گذر عباد صالحین پر نہیں ہو سکتا۔

حضرت مریمؑ کا تعجب اور اس کا جواب

یہ بشارت سن کر حضرت مریمؑ سمجھ گئیں کہ وہ لڑکا بلے باپ کے پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے وہ کلمۃ اللہ اور ابن مریمؑ کہلائے گا یعنی میری طرف منسوب ہوگا اس لیے حضرت مریمؑ نے اس بشارت کو سن کر بطور تعجب یہ کہہ لے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور بچہ عادتاً بغیر مرد کے تعلق کے پیدا نہیں ہوتا پس معلوم نہیں میرے جو بچہ ہوگا وہ کس طرح ہوگا آیا محض قدرتِ خداوندی سے بغیر باپ کے بچہ پیدا ہوگا یا مجھ کو نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطے سے جواب میں فرمایا کہ ویسے ہی بلا باپ کے پیدا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یعنی وہ کسی چیز کے پیدا کرنے میں کسی سبب کا محتاج نہیں حق جل شانہ اس پر قادر ہے کہ وہ شیا کو بتدریج قانونِ عادت کے موافق اداہ اور سبب سے پیدا کرے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دفعۃً بغیر اداہ اور بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کر دے آخر اسی نے تو اپنی قدرت کا ہر سے اسباب کو باسباب کے اور اداہ کو بغیر اداہ کے پیدا کیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ تو ہو جا پس وہ چیز فوراً ہوتی ہے لہذا اتم اس بچہ کے بدن میں بشر کے پیدا ہونے پر تعجب نہ کر وہ لڑکا اسی طرح ہوگا خدا کی غیر محدود قدرت کسی سبب اور اداہ کی محتاج اور پابند نہیں۔

خوارقِ عادات کے متعلق فلاسفہ اور ملاحدہ کے

شبہات کے جوابات

جو لوگ پابند اسباب ہیں اور اپنی محدود معلومات اور مخصوص نزعات کے موافق دنیا کی ہر چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس قسم کی آیات قدرت کا اکثر و بیشتر انکار کر بیٹھتے ہیں انہی آیات قدرت میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی ہے یہ لوگ اس کے بھی منکر ہیں حالانکہ ان کے پاس

کوئی ایسی عقل دلیل نہیں کہ جس سے وہ اس کو محال ثابت کر سکیں سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے سو خوب سمجھ لین چاہیے کہ خلاف عادت ہونے سے کسی چیز کا حال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

درد مرہ کا شات میں ایسے عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے جو پہلے سے ہرگز مادی اور معدنی نہ تھے بلکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھے جن عجائب و غرائب کے اسباب و علل معلوم ہو جاتے ہیں ان کو آج کل کی اصطلاح میں اکتشاف اور اختراع کہتے ہیں اور جن کے اسباب و علل تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکی ان کو فطرت طبعیہ سے تعبیر کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یعنی جو چیزیں طبعی اور فطری طور پر ناگہانی اور چانک طریقہ سے بلا کسی سبب اور علت کے ظہور میں آگئی ہیں ان کو فطرت طبعیہ کہتے ہیں جس کا عقلی ترجمہ ہے (عالم کائنات کے اتفاقی کرشمے) جب اس قسم کی چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں تو ان کے غیر عادی اور فطری عادت وجود سے تو انکار ہو نہیں سکتا تو ان کو فطرت طبعیہ کے نام سے موسوم کر کے خاموش بیٹھ جاتے ہیں کہ عقل اور تجربہ نے ان کے اسباب و علل بتلانے سے جواب دے دیا ہے اب ہم ان منکرین بحجرات سے انہیں فطرت طبعیہ کے متعلق سواں کرتے ہیں کہ جب ان فطرت طبعیہ کے ظاہری اور معلوم اسباب تو ہوتے نہیں تو وہ حال سے غالی نہیں یا تو یوں کہہ کر ظاہری اسباب اگرچہ نہیں مگر ان کا ظہور اسباب خفیہ کے بنا پر ہوا ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے یا یوں کہہ کر ان فطرت طبعیہ کے لیے اسباب ظاہرہ و اسباب معلومہ کی طرح اسباب خفیہ بھی نہیں مطلقاً بلا کسی ظاہر اور خفی سبب کے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اگر منکرین بحجرات شق اول کو اختیار کرتے ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح فطرت طبعیہ بلا کسی ظاہری اور معلوم سبب کے ظہور میں آسکتے ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اگرچہ ظاہر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ ان کا کوئی خفی سبب ہو جو اب تک ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہو جائیں اور اس طرح کی ولادت کا کوئی خفی سبب ہو جو ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو پس کیا وہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو تو آپ محال اور ناممکن بتائیں اور فطرت طبعیہ کو ممکن بلکہ ان کے واقع ہونے کے قائل ہوں۔

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ فطرت طبعیہ مطلقاً بلا کسی سبب کے ظہور میں آئے ہیں جس طرح ظاہر میں ان کے وجود کا کوئی سبب نہیں اسی طرح باطن میں بھی کوئی خفی سبب ان کے وجود کا نہیں تو اس صددت میں تو ان گرفتارانِ عادت کو درجہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ اسباب عادیہ لازم اور مسطر نہیں ان اسباب عادیہ کے بغیر بھی کائنات ظہور پذیر ہو سکتی ہیں لہذا اس اقرار و اعتراف کے بعد آیات قدرت اور خوارق عادت کا محض اس بنا پر انکار کرنا کہ یہ اسباب عادیہ کے خلاف ہیں انتہائی نادانی اور کمالِ ابلہی سمجھا جائے گا۔

نگلے لوگوں نے اگر اس قسم کی چیزوں کا انکار کیا تو ان کو کچھ معذرت سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ چیزیں اس

دقت غیر مروت اور غیر مانوس تھیں مگر اس زمانہ والوں کے لیے کیا غدر ہے جبکہ وہ سائنس کے حیرت انگیز تجربوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

آج کل تمام مغربی حکماء نے بالاتفاق تولد ذاتی کے امکان کو تسلیم کر لیا ہے کہ حیوان کا بدن حیوان کے محض جمادات سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور دن رات اس کے تجربے ہو رہے ہیں۔

پس جب کہ حیوان کا بدن حیوان کے پیدا ہونا ممکن ہے تو پھر کسی حیوان کا ایک حیوان سے پیدا ہونا کیوں محال ہے یہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے اس لیے کہ یہ ازب الی اصول ہے۔

آئے دن کوئی نہ کوئی نئی بات دریافت ہوتی رہتی ہے جو اب تک سر بستہ راز تھی اسی طرح ممکن ہے کہ خوارقِ عادات بھی ایک سر بستہ راز ہوں جو آئندہ حل کر کچھ منکشف ہو جائیں محض اپنے عدم علم کی بنا پر کسی چیز کا انکار کر دینا یا اس کو محال بتانا سرسری عقلی ہے انسانوں کا علم اور تجربہ ظاہر کتنا ہی وسیع ہو جائے ہر حال محدود اور متناہی ہے اس محدود درمتناہی علم اور تجربہ کی بنا پر خدا کے قدوس کی غیر محدود کائنات پر حکم لگانا کمالی ہوئی منافیت اور غبارت ہے اور جب انسان کا علم ہی محض نہ ہو تو اس کی لاعلمی اور بے خبری کہاں سے محض ہو جائے گی۔

ملاحظہ اور زنادقہ یہ چاہتے ہیں کہ جو چیز کتاب و سنت کے نصوص اور انبیاء کرام کے اجماع سے ثابت ہے اور جس کو تمام امتیں بطریق تواریف نقل کرتی آئی ہیں۔ اس کو محض اپنی لاعلمی کی بنا پر رد کر دیں۔ آئے دن ہم ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو ہمارے معلوم شدہ قوانین کے خلاف ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کے اعضا عادات اور ہماری مقررہ تعداد سے زیادہ ہوتے ہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات اپنی جنس کے علاوہ غیر جنس سے پیدا ہوتے ہیں۔ درجہ گدان کے مشاہدہ سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے حکماء اور فلاسفہ اس قسم کے امور کو فطرت طبعیہ (عام کائنات کے اتفاقی کرشمے) کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے وقوع کا قانون ہماری عقل اور ادراک سے بالا اور برتر ہے ہمیں صرف چند روزمرہ پیش آنے والے امور کے متعلق کچھ تصور بہت کوئی قاعدہ اور قانون معلوم ہے باقی اس قسم کے شاذ و نادر واقعات کے وقوع کے متعلق خداوند ذوالجلال کا کیا قانون ہے وہ کسی کو معلوم نہیں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بھی اسی پر قیاس کر دے کہ یہ بھی منجملہ انجی خافذ اور واقعات میں سے ہے جن کا قانون سوائے خدا کے کسی حکیم اور فلسفی کو معلوم نہیں جدید اکتشافات کے ذریعہ ہم صرف چند ظاہری باتوں کو جان لیتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں مگر اس کی رم دور حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اور یہی حق ہے۔

ہم انسان میں حس و منطق کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر اس کے تعلق اور رابطہ کو نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ دانہ سے گیہوں پیدا ہوتا ہے لیکن کس طرح اگتا ہے اور اس کی ڈڈی سیدھی ہونے

اور پتوں کے جھکنے میں کیا تناسب اور ربط ہے اور اس کی کیا حقیقت اور کیا علت ہے اس کے کچھ خبر نہیں عرض یہ کہ دانی کا تو یہ عالم کہ کائنات کے ایک ذرہ کے حقیقت اور علت سمجھنے سے قاصر اور خالق کائنات کی خبروں پر نکتہ چینی کے لیے تیار نہ رہے۔ بریں عقل و دانش بباہر گریست۔

فضائل و کمالات عیسیٰ علیہ السلام

اود سے مریم تم اس بچہ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے یہ خیال مت کرو کہ ولادت کے بعد لوگ طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے بلکہ وہ مولود تمہاری عزت و دجاہت کا سبب بنے گا اس لیے کہ وہ مولود مسعود عجیب و غریب فضائل و کمالات کا معدن اور مخزن ہوگا جس کو دیکھتے ہی اہل فہم سمجھ جائیں گے کہ یہ پیکر فضائل و شمائل معاذ اللہ ولد ازنا نہیں ہو سکتا بلکہ نمونہ روح القدس ہے کہ جس کے پھونک مارنے سے مژدے زندہ ہو رہے ہیں اور اس کے مبارک ہاتھ پھیرنے سے کوڑھی اور نابینا چنگے اور سمکھے بن رہے ہیں اس مولود مسعود کی صفات یہ ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بلا کسی معلم اور بغیر اساذ کے آسمانی کتابوں کے علوم اور دانائی اور حکمت کی باتیں سکھائے گا۔ اور بالخصوص اُن کو توریت اور انجیل کا علم عطا کرے گا اور بنی اسرائیل کی طرف ایک عظیم الشان رسول بنا کر بھیجے گا جو صاحب معجزات ہوگا اور توحید کے ساتھ ان سے یہ کہے گا کہ میں تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کی ایک روشن نشانی لے کر آیا ہوں یعنی ایسے معجزات ظاہر ہوں گے کہ آیا ہوں جو میری رسالت کی روشن دلیلیں ہیں جن کو دیکھ کر تم بدھتے یہ جان لو گے کہ یہ معجزات بلاشبہ من ربکم یعنی تمہارے رب کی جانب سے ہیں اس لیے کہ اس زمانہ کے تمام حکماء اور اطباء اُن کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہوں گے اور وہ معجزات یہ ہیں کہ میں تمہارے لیے اور تمہارے اہلینان کے لیے گارے سے بدندہ جیسی ایک صورت اور شکل بناؤں گا اور پھر اس مصنوعی صورت اور شکل میں پھونک ماروں گا پس وہ ظاہری صورت و شکل اللہ تعالیٰ کے حکم سے حقیقتاً زندہ پرندہ بن جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرا معجزہ میرا یہ ہوگا کہ میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دوں گا اور مردوں کو زندہ کر دوں گا۔ اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہوگا۔ ظاہراً اگرچہ میرا ہاتھ ہوگا مگر در پردہ اللہ کا حکم ہوگا اور مادر زاد اندھا ہونا اور کوڑھی ہونا یہ وہ بیماریاں ہیں جن سے تمام اطباء اور حکماء عاجز ہیں۔ بالخصوص مردہ کو زندہ کرنا یہ سب ہی سے بڑھ کر اعجاز ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ طب کا چرچا تھا اس لیے حضرت عیسیٰ کو اس قسم کے معجزات دینے گئے تاکہ اطباء اور حکماء کا عجز ظاہر ہو۔

نکتہ | لفظ باذن اللہ کا تکرار الوہیت کا شبہ رفع کرنے کے سے کہ مردہ کو زندہ کرنا بندہ کا کام نہیں بلکہ خدا کا کام اور اس کا حکم ہے۔ بسمک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزات

کا ذکر ہوا۔ اَوَّلُ خَلْقِ کَبِیْئَۃِ اَسْطَر۔ دُثْمُ اِبْرَارِ اَمَک۔ سُوْمُ اِبْرَارِ اَبْرَص چہارم چاروں معجزات
 فعلی تھے اب آگے پانچویں معجزہ کو ذکر کرتے ہیں جو علمی اور قولی معجزہ تھا وہ یہ کہ میں تم کو خبر دوں گا
 اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو یعنی بذریعہ دہی کے بعض منیبات پر
 تم کو مطیع کروں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار علمی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر فرمایا۔ تحقیق ان
 تمام علمی اور علمی معجزات میں میری صداقت کی پوری پوری نشانی اور علامت ہے تمہارے لیے یعنی تمہاری
 ہدایت کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو تو ایمان سے آؤ میرے دعوائے نبوت کی صداقت۔ ورائے قاہرہ
 اور معجزات باہرہ سے تم پر واضح اور روشن ہو چکی ہے اور یہ پانچ معجزے میری نبوت و رسالت کے ثابت
 کرنے کے لیے کافی ہیں اور مجھ سے پہلے جو توریت نازل ہو چکی ہے میں اس کی تصدیق کے لیے آیا ہوں کہ
 بیشک وہ خدا کی کتاب تھی اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتے ہیں اور ایک نبی
 دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ حلال کردوں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو جو تم پر حرام تھیں یعنی
 وہ بعض چیزیں جو تم پر توریت میں حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اس کی حرمت کو نسخ کر دینا اور شکار ہفتہ کے دن جو
 بھلی کے شکار کی ممانعت تھی اسکو بھی نسخ کر دینا اور حاصل کلام یہ ہے کہ میری نبی اور رسول ہونا تم پر خوب واضح ہو چکا ہے۔ کیوں کہ میں
 اپنی نبوت کی نشانی خدا کی طرف سے تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں سبب اللہ سے ڈرو یعنی میری مخالفت
 اور تکذیب میں اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بے چون و چرا میری فرمانبرداری کرو یعنی جو کہتا ہوں اس کو مانو
 تحقیق اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار ہے یعنی ان معجزات کی وجہ سے مجھ کو اپنا رب
 اور خدا نہ سمجھنا رب میرا اور تمہارا وہی ایک خدا ہے جس کی ہم سب عبادت کرتے ہیں اور میں اس خدا سے
 پروردگار کا برگزیدہ بندہ اور رسول ہوں معاذ اللہ اس کا بیٹا نہیں۔ یہ تین باتیں جو میں نے تم کو بتائیں
 خدا تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے یعنی توحید اور تقویٰ اور اطاعت رسول اور توحید اور تقویٰ وہی معتبر
 ہے جو نبی و رسول کی ہدایت اور تلقین کے مطابق ہو خود ساختہ توحید اور تقویٰ یہ سچ ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ

پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے انہی اسرائیل کا کفر ۔ بولا ۔

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِثُونَ

کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں ؟ کہا ۔ خاریوں نے ۔

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ

ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے ۔ ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ

يَا أَيُّهَا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا أَمَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

کر ہم نے حکم قبول کیا ۔۔۔ اے رب! ہم نے یقین کیا جو تو نے نازل کیا، اور ہم تابع

الرَّسُولِ فَآكُتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَكْرُؤًا وَّ

ہوئے رسول کے، سو لکھ لے ہم کو ان سے دلوں میں ۔۔۔ اور فریب کیا ان کا زلوں

مَكْرًا لِلَّهِ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِيرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ

نے، اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا واسطہ سب سے بہتر ہے ۔۔۔ جس وقت کہا اللہ نے

يَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ

اے عیسیٰ میں تجھ کو بھروں گا اور اٹھاؤں گا اپنی طرف، اور پاک کردوں گا

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

کافروں کے، اور رکھوں گا تیرے تابعوں کو

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ؕ ثُمَّ إِلَىٰ

اوپر منکروں سے، قیامت کے دن تم ۔۔۔ پھر میری طرف

مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

ہے تم کو پھر آنا، پھر فیصلہ کروں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑاتے تھے ۔۔۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعَذُّهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

سو وہ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٥٦﴾ وَ

دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۔۔۔ اور

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

وہ جو یقین لائے، اور عمل نیک کیے، سو ان کو پورا دے گا

أَجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٥﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ

ان کا حق ۔ اور اللہ سرخوش نہیں آتے بے انصاف ۔ یہ پڑھ ساتے ہیں

عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ

ہم تجھ کو آیتیں، اور مذکور تحقیق عیسیٰ کی مثال

عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال آدم بنایا، اُس کو مٹی سے پھر کہا اس کو

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنْ

ہو جا رہ ہو گیا ۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے پھر تو مت رہ

الْمُتَرَدِّينَ ﴿٦٠﴾

شک میں

ذِكْرُ عَدَاوَةِ يَهُودٍ بِعِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحِفَاظَتِ خُدُونِهَا

وَبَشَارَتِ رَفْعِ إِلَى السَّمَاءِ وَمَحْفُوظِيَّتِ أَرْكَانِهَا

قَالَ تَعَالَى فَلَمَّا أَحْسَسَ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ ... رَافِي ... فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُتَرَدِّينَ

حسب بشارت جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر نبی ہوئے اور لوگوں کو توحید اور تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور سیدھی راہ کی طرف بلایا اور معجزات اور نشانات اُن کو دکھائے تو یہود بے یہود نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کے ایذا اور قتل کے درپے ہوئے۔
حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کی عداوت کا ذکر کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے قتل کی کیا کیا

تدبیریں کر رہے تھے در پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے اُن کی حفاظت کی کیا تدبیر کی وہ یہ کہ ہم نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور دشمنوں کی ساری تدبیریں اور اسیدیں خاک میں ملا دیں اصل مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دینا ہے کہ آپ دشمنوں سے بالکل امون اور محفوظ رہیں گے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی جانب سے کفر اور نکار کو محسوس کر لیا اور دیکھ لیا کہ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں تو اپنے مخصوص اصحاب سے جو حواریین کہلاتے تھے یہ کہا کہ کون ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کرے اللہ کی طرف ہو کر حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے ہم آپ ہی کی دعوت اور تبلیغ سے اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں گے کہ ہم اللہ کے اور آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے بعد حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے ایمان کی پختگی اور استقامت کے لیے یہ دعا کی اسے پروردگار ہم ایمان لائے ان تمام چیزوں پر جو آپ سے نازل فرمائیں اور دل و جان سے رسوں کے تابع ہوئے پس ہم کو اپنے دین کے شاہدوں کے زمرہ میں لکھ دیجئے یعنی کاسین کے زمرہ میں ہمارا نام لکھ دیجئے مقصود یہ تھا کہ جب ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا تو گویا کہ ہمارا ایمان رجسٹری ہو جائے گا کہ پھر روٹنے کا احتمال نہ رہے گا اور یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے اور قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت اور بچاؤ کی ابھی پوشیدہ تدبیر فرمائی جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر تھی وہ یہ کہ انہی میں سے ایک شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہمشکل بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا یہودی اسی ہمشکل کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ کر لے گئے اور جیسے سمجھ کر اس کو قتل کیا اور ٹولی پر چڑھایا اور خوش ہو گئے اور دھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریلؑ گھر کے روشن دان سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے گئے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی اُس وقت جبکہ دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زغہ میں لیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پریشانی دور کرنے کے لیے پانچ بشارتیں دیں۔

فرمایا اے عیسیٰ تم کھراؤ نہیں تحقیق میں تم کو ن دشمنوں کے زغہ سے بلکہ اس جہان ہی سے تم کو پورا پورا سہ لوں گا اور تمہارا کوئی جزاں میں باقی نہ چھوڑوں گا کہ جس کو یہ ہاتھ بھی لگا سکیں پکڑنا اور صلیب پر چڑھانا تو کجا تیرا سایہ بھی ان کو نہ ملے گا۔

بشارت دوم دران کافروں سے پورا پورا ایسے لینے کے بعد تجھ کو اپنی طرف اٹھاوں گا یعنی آسمان پر بلانوں گا جو ملائکہ کی قرار گاہ ہے حق تعالیٰ نے اول توفی کی بشارت دی کہ دشمنوں کے زغہ سے پورے پورے اور صحیح دسام نکال لیے جاؤ گے۔ اور پھر دشمنوں سے نجات پانے کے بعد رفیع الی السما کی بشارت دی کہ فقط دشمنوں سے نجات اور رہائی نہ ہوگی بلکہ رفیع آسمانی اور مزاج جسمانی سے مرفراز کیے جاؤ گے۔

بشارت سوم | اور میں تجھ کو ان ناپاک اور گندوں یعنی کافروں کے متعفن اور بدبودار پردوں سے پاک کروں گا اور ایسی پاک وصاف اور مطہر اور معطر جگہ میں پہنچا دوں گا جہاں کفر اور عدوت کی نیجاست کا رائحہ کربہ بھی محسوس نہ ہو سکے بلکہ ہر دم فرشتوں کی تسبیح و تہلیل کی خوشبو میں سونگھتے رہو گے۔

بشارت چہارم | اور تا ہنجا یہ چاہتے ہیں کہ تجھ کو بے عزت کر کے تیرے دین کے اتباع سے لوگوں کو روک دیں سو میں اس کے بالمقابل تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غالب اور فائق رکھوں گا کہ ہمیشہ ہمیشہ تیرے خادم اور غلام۔ تیرے مخالفوں اور لشکروں پر عکران ہوں گے اور یہ نالائق و ناہنجا تیرے پیروؤں کے محکوم اور باج گزار ہوں گے۔ قیامت تک یوں ہی سلسلہ چلتا رہے گا کہ نصاریٰ ہر جگہ یہود پر غالب اور عکران رہیں گے چنانچہ اس وقت تک سنا بھی نہیں گیا کہ یہود کو نصاریٰ نے پر کبھی غلبہ نصیب ہوا ہو اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا جہاں تک کہ جب قیامت قریب آجائے گی اور دجال کو جو ایک جزیرہ میں محبوس ہے جس خانہ سے جھوٹ دبا جائے گا تو یہود بے یہود اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور یہ کوشش کریں گے کہ اس کی سرکردگی میں اپنی حکومت قائم کریں اس لیے کہ دجال قوم یہود سے ہو گا اس وجہ سے تمام یہودی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ اس وقت پکا ایک عیسیٰ علیہ السلام بصد جاہ و جہاں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو جو یہود کا بادشاہ بنا ہوا ہو گا۔ اس کو خود اپنے دست سیمائی سے قتل فرمائیں گے اور باقی یہود کے لشکر کا قتل و قتال اور اس گروہ کا بالکلہ استیصال امام مہدی کے سپرد ہو گا امام مہدی مسلمانوں کے لشکر کو ساتھ لے کر۔ دجاں کے متبعین کو چن چن کر قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کے نزول سے پہلے اگرچہ یہود۔ حضرت مسیح کے پیروؤں کے غلام اور محکوم تھے مگر زندہ رہنے کی تو اجازت تھی مگر حضرت مسیح کے نزول کے بعد زندہ رہنے کی بھی اجازت نہ رہے گی یہاں لے آؤ یا اپنے وجود سے دست بردار ہو جاؤ۔ اور نصاریٰ کو یہ حکم ہو گا کہ میری الوہیت اور ابنیت کے عقیدہ سے توبہ کرو۔ در مسلمانوں کی طرح مجھ کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھو اور صلیب کو توڑیں گے جو نصاریٰ کا نشان ہے اور شریک کو قتل کریں گے جو یہودیوں کا خاص شعار ہے سی طرح نصاریت اور یہودیت کو ختم کریں گے اور سوائے دین اسلام کے کوئی دین قبول نہ کریں گے حتیٰ کہ کسی کافر سے جزیہ بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جزیہ کا حکم اس وقت تھا جب تک کافر کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت تھی اب وہ اجازت اور مہلت ختم ہو چکی ہے اب سوائے اسلام کے کسی دین کا وجود برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

بشارت پنجم | انحضرت عیسیٰ۔ نزول سن الساعہ کے بعد اس طرح تمام اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں **شَمَاءُ آتَتْ** **مَرْجُعُكُمْ** **فَاِخْتَلَفْتُمْ** **فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**۔ پھر تم سب کا میری طرف لوٹنا ہے پس

اس وقت میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا۔ وہ فیصلہ یہ ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزل سے سے یہود کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کر دیا۔ **حَسْبَا قَالِ تَعَالٰی وَقَوْلُهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسٰی بْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللَّهِ** اور نصاریٰ کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے ہیں اور حیات مسیح کے مسئلہ کا بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ میں گئے تو روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کیے گئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب عرصہ دراز کے بعد اسی جسم کے ساتھ آسمان سے نزل ہو رہا ہے۔

اب آئندہ آیت میں اس حکم کی قدر سے تفصیل فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے پس جو لوگ کافر ہوئے ان کو سخت عذاب دیا گیا اور آخرت میں دنیا میں قتل ہوں گے اور اسیر ہوں گے اور ان پر جزیہ مقرر ہو گا اور طرح طرح سے ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کا دائمی عذاب ہو گا اور کوئی نہیں ان کا مددگار جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے سو اللہ تعالیٰ ان کو پورا حق دے گا اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا بے انصافی کرنے والوں کو یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کا حق ادا نہ کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسولوں کا حق ایمان لانا ہے۔

استدلال بر نبوت محمدیہ بقصہ مذکورہ

چونکہ یہ قصہ بھی منجملہ انباء الغیب کے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتلایا اس لیے اس سے آپ کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یہ قصہ ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں۔ جو جملہ آپ کی دلائل نبوت سے ہے اور نصیحت اور حکمت کی باتوں میں سے ہے جو ہر طرح سے موجب بصیرت ہے۔

نصاریٰ کے ایک استدلال یا شبہ کا جواب

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ .

اس آیت میں حق جل شانہ نے نصاریٰ کے نجران کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے جس کو وہ حضرت عیسیٰ کے انبیت کے لیے بطور استدلال ذکر کرتے تھے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے تھے حق تعالیٰ نے ان کے جواب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کچھ تعجب انگیز نہیں ہم نے آدم کو اپنی قدرت سے بغیر ماں اور باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ اگرچہ

بغیر باپ کے پیدا ہونے لیکن اپنی جنس کے ایک فرد سے تو پیدا ہوئے مگر آدم علیہ السلام تو بالکل ہی غیر جنس سے پیدا ہوئے پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الہیت ہے تو آدم علیہ السلام اس کے زیادہ سزاوار ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی مثال ہے آدم کی تصویر کو مٹی سے بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور اس قالب کو حکم دیا کہ زندہ آدمی ہو جاؤ فوراً اسی طرح ہو گیا۔ جس طرح حکم ہوا تھا یہی بات حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں بتلا دی گئی پس اسے مخاطب تو ان لوگوں میں سے مت بن جو حضرت عیسیٰ کے بارہ میں شک اور تردیدیں پڑے ہوئے ہیں۔ یہود کی طرح نہ ان کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگا اور نہ نصاریٰ کی طرح اُن کو بن اللہ سمجھ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بتلادیا ہے اس کے مطابق ایمان لاؤ یہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے برگزیدہ بندہ تھے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا۔

نکتہ | روح الامین کی طرح ان کا لقب بھی روح اللہ ہوا تو معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ صورت انسان اور بشر تھے مگر حقیقتہً جنس ملائکہ سے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھایا تاکہ اپنے ہم جنس فرشتوں میں زندگی بسر کریں اور حضرت عیسیٰ کو جو معجزات دیتے گئے ان کو بھی رفع الی السماء سے خاص مناسبت تھی وہ یہ کہ مٹی کا پتلا پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اڑنے لگتا تھا اشارہ اس طرف تھا کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح اڑ کر آسمان پر چلے جائیں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں۔ اس لیے حضرت عیسیٰ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے جیسے آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر اترے تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا نزول۔ حضرت آدم کے صبوط کے مشابہ ہو گا اور جس طرح آدم علیہ السلام کا صبوط مس السماء جہانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء بھی جہانی ہو گا۔

لطائف و معارف

۱۔ حواری۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ یار کا لقب تھا حواری اصل میں دھوبی کو کہتے ہیں۔ پہلے وہ شخص جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہوئے وہ دھوبی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ کپڑے کھا دھوئے ہو نہیں تم کو دل دھونے سکھا دوں وہ ان کے ساتھ ہو گئے پھر اسی طرح سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا (کنزانی موضح القرآن) غرض کہ حواری میں سے حضرت مسیح کے انصار اور خاص اصحاب مراد ہیں۔ قاموس میں ہے کہ حواری کے معنی دھوبی یا خالص دوست یا نبی کے مددگار کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص امی ب۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاون ہونے کی وجہ سے حواری میں کے نام سے موسوم ہو گئے صحیحین

میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں تینوں مرتبہ آواز دی۔ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔
۲۔ کمر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے مفسرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ کمر اصل لغت میں اس جیلہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے نقصان کا سبب ہو۔ اور یہ بظاہر تبلیغ اور مذہب ہے۔ اس لیے یہ لفظ کمر۔ منکرین عیسائی کے حق میں تو بطور حقیقت استعمال ہوا ہے اور مکر اللہ میں جو کمر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ وہ بطریق مجاز ہے یعنی مقابلہ اور ازدواج کے طور پر استعمال ہوا ہے اس لیے کہ کمر ایک برا فعل ہے جس سے ذات باری تعالیٰ کو منزہ ہونا چاہیئے اس لیے زبائج کا قول ہے کہ مکر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اُن کے کمر کا بدلہ دیا جیسے جزاء و سبب سبب و مثلاً میں برائی کے بدلہ اور سزا کو بطور مقابلہ برائی سے تعبیر کیا گیا ہے اور جیسے قرآن کریم میں جزاء خدا کا اور جزاء استہزاء کو خدا کا استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ کمر اصل لغت میں کسی بُرے معنی پر دلالت نہیں کرتا تا کہ بغرض تنزیہ و تکر اللہ میں معنی مجازی مراد لیے جائیں کیونکہ اصل میں کمر کے معنی تدبیر یعنی تدبیر حقیقی کے ہیں جو ایسے نامعلوم طریقہ سے کی جائے کہ دوسرے کو اس کا خیال بھی نہ ہو پس اگر یہ تدبیر کسی محمود اور مستحسن عرض کے لیے کی جائے تو یہ تدبیر بھی محمود اور مستحسن ہوگی اور اگر کسی عرض فاسد کے لیے کی جائے تو قبیح اور مذموم ہوگی۔ حرف میں اگرچہ لفظ کمر بری تدبیروں ہی کے لیے بولا جاتا ہے مگر حقیقت اور اصل لغت میں اچھی اور بُری دونوں ہی قسم کی تدبیریں کمر کے مفہوم میں داخل ہیں یعنی اگر کسی حکمت اور مصلحت سے کسی کے حق میں بھلائی کی تدبیر چکے چکے کی جائے تو وہ کمر محمود ہوگا اور اگر کسی عرض فاسد سے کسی کی برائی کے لیے غفیر تدبیر کی جائے تو وہ کمر مذموم ہوگا اور ذلایحقیق المکر اللہ لیسیتی الا باہلہ میں کمر کے ساتھ عیسائی کی قید لگانا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کمر اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی اب اس تحقیق کی بناء پر لفظ کمر و مکر اللہ میں اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں اگرچہ آیت میں معنی مجازی بھی صحیح اور درست ہو سکتے ہیں تاہم بہتر یہی ہے کہ معنی حقیقی مراد لیے جائیں۔ اصل لغت کے اعتبار سے کمر کے معنی میں کوئی برائی نہیں تاکہ بغرض تنزیہ اس کو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور ذوق اور دہان بھی ہی کہتا ہے کہ اللہ کا کمر محمود تھا اور نبی اسرائیل کا کمر مذموم تھا اس لیے کہ و مکر اللہ کو اقبل پر بطور عطف ذکر فرمایا ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

بعض اولیاء اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کیسے کمر کرتا ہے تو ایک شیخ ماری اور یہ کہا کہ اللہ کے فعل کے لیے کسی علت اور سبب کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے بعد

و قد سئل بعضهم
حکایت کیف یکر اللہ ناصح
وقال لا علة یصنعه والنشلم
یقول۔

استعمال العامة، الاستيفاء و اخذ الحق وعليه استعمال السلفاء اھ۔ یعنی توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور روح قبض کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک استيفاء یعنی کسی چیز کے پورا پورے لینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ توفی کے اصل معنی توفی کا استعمال کے ہیں اور موت پر جو لفظ توفی کا اطلاق آتا ہے وہ بھی اسی درجہ سے آتا ہے کہ اس میں جان پوری پوری سے لی جاتی ہے۔ یا یہ کہ عمر پوری کر دی جاتی ہے پس اگر فقط جان پوری سے لی جائے تو بھی توفی ہے اور اگر جان اور جسم دونوں کو پورا پورے سے لیا جائے تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی بلکہ اعلیٰ درجہ کی توفی ہوگی کیونکہ جن ائمہ نعت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فقط قبض روح کو توفی کہتے ہیں اور اگر قبض روح مع البدن ہو تو اس کو توفی نہیں کہتے بلکہ ظاہر ہے کہ اگر قبض روح کے ساتھ قبض بدن بھی ہو تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی۔

عرض یہ کہ اصل نعت کے اعتبار سے توفی کے معنی استيفاء اور قبض کے ہیں جو اپنی معنی اصلی اور جنسی کے لحاظ سے نوم (نہند) اور موت اور رفع جہانی سب پر صادق آتا ہے۔

دیکھیے حق جل شانہ نے اپنے اس ارشاد اَدْنٰهُ يَسُوْفُ فِیْ اَلْاَنْفُسِ حٰیۃً مُّوْتَہَا وَ اَتٰتٰہُ لَمَرَدٍ ثُمَّ فِیْ مَمَّا مِہَا میں توفی نفس کی دو صورتیں بتائی ہیں ایک موت اور دوسری نوم یعنی نہند۔ اور حین موتہا کی قید لگا کر یہ بتلادیا کہ کبھی توفی موت کے وقت ہوتی ہے عین موت میں در نہ شئی کا خود اپنے سے ظرف ہونا لازم آئے گا۔ اور وَ هُوَ الَّذِیْ یَسُوْفُ فَاَکْفُرْ بِاَیْسِلِ میں بھی توفی کا استعمال نہند کے موقع پر کیا گیا ہے۔

توفی کے اصلی معنی تو پورا پورا وصول کر لینے کے ہیں محاورہ عرب میں لفظ توفی نوم اور موت کے لیے مستعمل نہیں ہوتا تھا لیکن قرآن کریم نے لفظ توفی کو نوم اور موت کے معنی میں اس لیے استعمال کرنا شروع کیا تاکہ اہل عرب پر موت اور نوم کی حقیقت واضح ہو جائے کہ انسان کے بدن میں کوئی چیز بوسلیمہ ہے جس کو حق تعالیٰ نوم اور موت کی حالت میں بندہ سے لے لیتے ہیں عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان مر کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ موت کو فنا اور عدم کے مرادف سمجھتے تھے اسی سے وہ بعثت یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اور یہ کہتے تھے۔ اَیْذَا صَلَّیْنَا فِیْ اَلْاَنْفُسِ حٰیۃً مُّوْتَہَا وَ اَتٰتٰہُ لَمَرَدٍ ثُمَّ فِیْ مَمَّا مِہَا میں توفی نفس کی دو صورتیں بتائی ہیں ایک موت اور دوسری نوم یعنی نہند۔ اور حین موتہا کی قید لگا کر یہ بتلادیا کہ کبھی توفی موت کے وقت ہوتی ہے عین موت میں در نہ شئی کا خود اپنے سے ظرف ہونا لازم آئے گا۔ اور وَ هُوَ الَّذِیْ یَسُوْفُ فَاَکْفُرْ بِاَیْسِلِ میں بھی توفی کا استعمال نہند کے موقع پر کیا گیا ہے۔

۵۔ تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حبشی علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے

اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے سلف اور خلف میں سے نہ کوئی حضرت عیسیٰ کے رفع الے السام کا منکر ہے۔ ورنہ نزول من السام کا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تلخیص جبر ص ۲۱۹ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے احادیث نزول کو متواتر کہلے تفصیل کے لیے کلمۃ اللہ فی حیۃ روح اللہ کو دیکھئے۔

اختلاف صرف اس میں ہے کہ رفع الے السام سے پہلے کچھ دیر کے لیے موت طاری ہوئی یا نہیں یا حالت نوم میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

جمہور صحابہ و تابعین اور عامہ سلف صالحین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد نہیں بلکہ توفی کے اصلی و حقیقی معنی مراد ہیں یعنی کسی شے کا پورا پورا سے لینا کیونکہ دشمنوں کے ہجوم اور زرعہ کے وقت توفی کی بشارت حضرت عیسیٰ کی تسلی اور تسکین کے لیے ہے کہ الے عیسیٰ تم دشمنوں کے ہجوم اور زرعہ سے گھبراتا نہیں۔ میں تم کو پورا پورا روح اور جسم سمیت ان نابکاروں سے چھین لوں گا تیرا وجود۔ ان کے لیے میری ایک عظیم نعمت تھا ان کے کردار سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ نابکار اور ناہنجار اس قابل نہیں کہ تیرے وجود کی نعمت کو ان کے لیے باقی رکھا جائے ان کی ناقدری اور ناسپاسی کی سزا یہ ہے کہ ان سے یہ نعمت پوری پوری واپس لے لی جائے۔ حضرت مولانا سید اندر شاہ قدس سرہ اس بارہ میں فرماتے ہیں۔

فَجُودًا لَمْ تَكُنْ أَهْلًا لِخَلْقِهِ ... فَيَأْخُذُ مِنْهُمْ عِيسَى رَأْسَهُ
یہ چہرے کسی غیر کے قابل نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچ لیا
وَيَزْفُفُهُ وَلَا يُبْقِيهِمْ فِيهِمْ ۚ كَاخُذَ الشَّيْءِ لَوْ يُشْكِرُ عَلَيْهِ
اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا اور ان میں باقی نہ چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ
نے عیسیٰ کو ان سے ایسا لے لیا جیسا کہ اُس شے کو لے لیا جاتا ہے جس کی ناقدری کی جائے۔
وَجِئْزَكُمْ مَا يُحَازُّ الشَّيْءُ حِفْظًا ۚ كَاذًا لِّمَا دَوَّىٰ لَذِيهِمْ
اور ان سے چھین کر اپنے پاس ان کو خاص طور سے محفوظ رکھا اور اپنے قریب میں ان کو
ٹھکانہ دیا۔

غرض یہ کہ آیت میں توفی سے پورا پورا لینے کے معنی مراد ہیں۔ موت کے معنی مراد نہیں اور نہ اس مقام کے مناسب ہیں اس لیے کہ جب ہر طرف سے خون کے پیاسے، درجان کے یوا کھڑے ہونے تو اس وقت تسلی اور تسکین خاطر کے لیے موت کی خبر دینا کہ میں سمجھ کو موت دوں گا مناسب نہیں دشمنوں کا تو مقصود ہی جان لینا ہے اس وقت تو مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ تم گھبرو نہیں تم کو تمہارے دشمنوں کے زرعہ سے پورا پورا اور صحیح و سالم نکال لے جائیں گے کہ دشمنوں کو تمہارا سایہ بھی نہ مل سکے گا پس اگر آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی تو نہ ہوگی البتہ یہود کی تسلی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ اسے یہود تم بالکل نہ گھبرائو اور نہ مسیح کے مثل کی فکر کرو میں خود ہی ان کو موت دوں گا۔

گاہ اور پھر آخری زمانہ میں تہارے نازل ہونے کے بعد تم کو موت دوں گا۔

اس تفسیر کی رو سے رفع۔ توفی پر مقدم ٹھہرتا ہے اور آیت میں تقدیم و تاخیر کا قائل ہونا لازم آتا ہے لیکن یہ اعتراض قابل التفات نہیں اس لیے کہ دائرہ ترتیب کے لیے وضع نہیں ہوا اور تقدیم و تاخیر نہ قواعد تربیت کے خلاف ہے اور نہ نصاحت و بلاغت میں محفل ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

و مشدہ من التقدير والتأخير

کشمیں فی القرآن (تفسیر کبیر ص ۶۶)

جاتی ہے سو اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن کریم

میں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

اور قرآن کریم میں تقدیم و تاخیر کے نغمات اور شواہد ہم نے اپنے رسالہ۔ کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ میں لکھ دیئے ہیں وہاں دیکھ لے جائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باسانید صحیح منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اور آیت اِنَّمَا مَتَّوْفٰیكَ مِیْن تُوْنِ سے توفی موت مراد ہے لیکن یہ اخیر زمانہ میں ہوگی۔

اخرج اسحاق بن بشر و بن عساكر
من طریق جوهر عن الضحاك عن
ابن عباس في قوله تعالى اني متوفيك
ورافعك الی یعنی رافعك ثم متوفيك
في آخر الزمان (تفسیر درمنثور ص ۲۵)

پس اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متوفیک کی تفسیر جینک کے ساتھ منقول ہے تو انہی ابن عباس سے باسانید صحیح و جیدہ یہ بھی منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تو پھر ان کے نصف قول کو ماننا در نصف کا انکار کر دینا کوئی عقل اور کونسی دیانت ہے قادیان کے دہقان ابن عباسؓ کے اس نصف قول کو قبول کرتے ہیں جو ان کی ہوائے نفسانی اور عرض کے موافق ہے۔ اور دوسرا نصف جو ان کی عرض کے خلاف ہے اس سے گریز کرتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تارک صلوٰۃ۔ لَا تَقْرَأُوا الصَّلَاةَ سے حجت پکڑتے ہیں اور اَنْتُمْ سَكَّارٌ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

نکتہ | اِنَّمَا اَنْتُمْ سَكَّارٌ اس تقدیم و تاخیر میں نکتہ کیا ہے سو نکتہ یہ ہے کہ اِنَّمَا مُتَّوْفٰیكَ وَ رَافَعُكَ کے درپے ہیں اور آپ کی جان لینا چاہتے ہیں یہ ہرگز آپ کے قتل کرنے اور سولی دینے پر قادر نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وقت مقدس پر طبعی موت سے وفات دیں گے اور فی الحال آپ کو اپنی طرف

اٹھائیں گے آپ بالکل مطمئن رہیں کہ دشمن آپ کی جان نہیں سے سکیں گے۔ غرض یہ کہ دشمن جہان لینا چاہتے تھے اس لیے توفی کا ذکر مقدم (رایا جس سے مقصود دشمنوں سے محفوظ رہنے کی بشارت دینا ہے کہ موت ان کے قبضہ میں نہیں وہ ہمارے ہاتھ میں ہے جو ہمارے حکم سے اپنے وقت پر ہوگی۔ نیز توفی کی تقدیم میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بیک وقت اور بیک لفظ یہود اور نصاریٰ دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہود کی تردید اس طرح ہوئی کہ یہود اُن کے ماننے میں کامیاب نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ خود ان کو وقت مقرر پر وفات دے گا۔

اور نصاریٰ کی تردید اس طرح ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں کیونکہ ان پر ایک وقت آنے والا ہے کہ اس وقت ان پر موت اور فناء آئے گی۔ اور فانی خدا نہیں ہو سکتا۔

۴۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وعدہ توفی کا جس کی تفصیل گذر گئی۔

دوسرا وعدہ رفع الی السماء کما قال تعالیٰ ذَکَا فَعُلْتَ اِنِّیْ اے عیسیٰ میں تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا جہاں میرے فرشتے رہتے ہیں وہاں تم کو رکھوں گا اس آیت میں رفع سے جہانی رفع مراد ہے اس لیے کہ ۱) ذَکَا فَعُلْتَ اِنِّیْ میں خطاب عیسیٰ علیہ السلام کو ہے جو مجبوراً ہے جسم اور روح کا ۲) اور یہاں رفع درجات اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے حاصل تھا اور رفع جسمانی میں تو اور بھی رفع درجات حاصل ہو جاتا ہے رفع جسمانی۔ رفع درجات کے معنی نہیں اور فقط رفع روحانی اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ رفع روحانی ہر مرد صالح کو بوقت موت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو خاص طور پر بطور وعدہ ذکر کرنا بے معنی ہے۔

نیز باتفاق محدثین و مفسرین و مؤرخین یہ آیتیں نصاراتے نجران کے حق میں اُن سے مناظرہ اور ان کے عقائد کی اصلاح کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول اور مصلوب ہوئے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر اٹھائے گئے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عقیدہ ابنیت اور عقیدہ قتل و صلب کی صریح لفظوں میں تردید اور نفی فرمائی کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ خدا کے بندہ اور رسول تھے اور یہود کا یہ زعم کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِیْسٰی بَنَی مَرْیَمَ وَرَسُولَ اللّٰہِ کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ اور نصاریٰ کے تیسرے عقیدہ یعنی رفع الی السماء کی تصویب اللہ تعالیٰ فرمائی اور وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ (یعنی دشمنوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی) میں قتل اور صلب کی نفی کرنے کے بعد متصل یہ فرمایا اِنِّیْ اَنْزَلْنٰہُ بِالْغَیْظِ اِلٰی سِدْرٍ مَّجْدٍ وَّمَا نَزَّلْنٰہُ اِلَّا سِدْرًا مَّجْدٍ وَّمَا نَزَّلْنٰہُ اِلَّا سِدْرًا مَّجْدٍ وَّمَا نَزَّلْنٰہُ اِلَّا سِدْرًا مَّجْدٍ اگر عقیدہ قتل و صلب کی طرح عقیدہ رفع الی السماء بھی غلط تھا تو جس طرح وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ کہہ کر عقیدہ قتل و صلب کی صراحت تردید فرمائی اسی طرح بجائے اِنِّیْ اَنْزَلْنٰہُ اِلٰی سِدْرٍ مَّجْدٍ کے مَا نَزَّلْنٰہُ اِلَّا سِدْرًا مَّجْدٍ کی صراحت تردید فرمائی۔

فرما کر عقیدہ رفع الی السماء کی تردید فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں اٹھایا۔
تیسرا وعدہ۔ وَ مُطَهِّرَاتٍ مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا کَمَا هُوَ تَقْدِيرُ رَبِّهِمْ سُبْحَانَ رَبِّهِمْ عَنِ السَّمِیِّمِ
اور ناپاک قرب و جوار سے الگ کر کے تم کو آسمان پر بلا لوں گا۔

چوتھا وعدہ۔ یہ ہے کہ تیرے قبیلین کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔ اور تیرے دشمنوں کو
کبھی ماکانہ اقتدار نصیب نہ ہوگا۔ جہاں قال تعالیٰ فَجَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا بِكَ فَقَالَ الَّذِينَ
كَفَرُوا آتِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ جَانًا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ کے
تبیع اور پیرو نصاریٰ تھے جو حضرت عیسیٰ کے دین پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح پیرو مسلمان ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں
اور حضرت عیسیٰ کی وصیت مَحْشَرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَأْتِیْهِمْ مِّنْ بَعْدِی اُسْمُهُ اَحْمَدُ پر عمل کرنے والے ہیں۔
پس حاصل یہ نکلا کہ امت محمدیہ اور نصاریٰ۔ ہمیشہ یہودیہ پر غالب اور حاکم رہیں گے چنانچہ یہ وعدہ جلد
ہی پورا ہوا کہ یہودی ذلیل اور غلام ہوئے اور سلطنت ان کی ختم ہوئی اور پھر آج تک یہودی جہاں کہیں بھی ہیں
یا تو نصاریٰ کی رعایا ہیں یا اہل اسلام کی اور اس وقت فلسطین میں جو یہودیوں کی برائے نام حکومت قائم ہوئی
ہے وہ درحقیقت نصاریٰ (امریکہ و برطانیہ) کی ہے نام یہودی کا ہے اس برائے نام سلطنت کا وجود تمام تر
نصاریٰ کے رحم و کرم اور اعانت اور عداوت کا مرہون منت ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا صرف
چالیس دن کے لیے دجال کا شور و غوغا ہوگا اور یہودی اس کے ساتھ ہوں گے سو اس چند روزہ شور و غوغا
کو سلطنت نہیں کہا جاسکتا اور عجیب نہیں کہ فلسطین میں یہ برائے نام حکومت اس لیے قائم ہوئی ہو کہ
یہودی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ کو نزدوں اور ظہور کے بعد قتل میں
سہولت ہو کہ سب ایک جگہ جمع ہیں قتل کے لیے تلاش نہ کرنا پڑے۔

پانچواں وعدہ۔ فیصلہ اختلاف ہے شَرَّ اِلٰی مَرَجٍ لَّکُمْ فَاِذَا کُنْتُمْ فِیْہِ فَخَسِرْتُمْ وَاَنْتُمْ
یہ پانچواں وعدہ ہے کہ جو اختلافات کے فیصلے سے متعلق ہے تمام اختلافات کا آخری فیصلہ تو آخرت اور
قیامت کے دن ہوگا لیکن یہودی اور نصاریٰ اور اہل اسلام کے اختلافات کا ایک فیصلہ قیامت قائم
ہونے سے کچھ روز پہلے ہی ہو جائے گا اور وہ مبارک وقت ہوگا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے
نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کر دیں گے اور یہودی کہیں کہیں گے کوئی یہودی اس وقت اپنی جان
نہ بچا سکے گا۔ حدیث میں ہے کہ اس وقت اگر کوئی یہودی جان بچانے کے لیے کسی شجرہ حجر کے پیچھے چھپ
جائے گا تو شجرہ اور حجر میں سے آواز آئے گی ہذا یہودی و ذی فاقئلہ یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا
ہے اس کو قتل کیجئے غرض یہ کہ اس طرح کی تیغ بے دریغ سے تو یہودیت کا فیصلہ اور خاتمہ ہو جائے گا۔ اور
حضرت عیسیٰؑ نزول کے بعد صلیب کو جو کہ انصاریت کا نشان ہے توڑیں گے جس سے نصرانیت کا فیصلہ اور
خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہودی اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان سے آئیں گے اور یہودی

عقیدہ قتل و صلب سے تائب ہو جائیں گے اور نصاریٰ عقیدہ اہلبیت سے تائب ہو جائیں گے۔ اور مسلمان تو پہلے ہی سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں صحیح عقیدہ رکھتے تھے اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے تھے مسلمان نزول کے بعد جب ان تمام چیزوں کا مستحکم سے مشاہدہ کریں گے تو مسلمانوں کا ایمان بالغیب، ایمان شہودی بن جائے گا جس کے بعد ارتداد کا اندیشہ نہیں رہتا اور چونکہ مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں باطل صحیح ہو گا اس لیے حضرت عیسیٰ کا نزول مسلمانوں ہی کی ایک مسجد کے مندرہ پر ہو گا اور مسلمان ہی آپ کے گرد و پیش، در آپ کے معین و مددگار ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دین اسلام ہی کی تجدید کے لیے ہو گا۔

غرض یہ کہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ کا یہ آخری وعدہ دنیا کے اخیر میں پورا ہو گا۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر زندہ رہیں گے اور اس کے بعد وفات پائیں گے اور حجرہ نبوی میں مدفون ہوں گے اس طرح وفات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوگی۔ (کذا فی عقیدۃ الاسلام ص ۲۱)

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ

پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ

علم، تو تڑ کہہ آؤ! بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے

وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ

اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان۔ پھر دُعا

نَبْتَهُلُ فَتَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝۱۱ إِنَّ

کریں۔ اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔ یہ جو

هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ

یہ سو ہی ہے بیان حقیق، اور کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ

اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا ۔۔۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۲﴾

اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ۔

دعوت مباہلہ برائے اتمام حجت براہل مجادلہ

قال تعالى فَمَنْ حَاجَلْتُمْ فِيهِ مِنْكُمْ فَعَلُوا مَا جَاءَكُمْ مِنْ أَنْبَاءِ اللَّهِ... اے... فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۔
(ربط) یہاں تک حق کو دلائل اور براہین سے ایسا واضح کر دیا گیا کہ جس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن جو شخص یا جو گروہ معاند اور منکر ہو اور باطل پر مصر ہو اس سے کہا معاملہ کیا جائے آئندہ آیات میں اُس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساکت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کو مباہلہ کی دعوت دی جائے اور معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے ایسے لوگوں پر اتمام حجت کا یہ طریقہ ہے اور یہ امر ہم شروعاً سورت ہی میں لکھ آئے ہیں کہ سورۃ آل عمران کی سترہ دہ کی تراسی آیتیں نبیوں کے نصرائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں اس آیت میں بھی انہی کو خطاب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بارہ میں حق واضح ہو چکا ہے ان واضح اور روشن دلائل کے بعد بھی اگر یہ جھگڑا کریں۔ تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں سمیت حاضر ہو جاؤ اور ہم بھی اسی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کو لے آئیں۔ اور سب مل کر خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو جب جھوٹے پر حق تعالیٰ کا تہر آئے گا تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا چنانچہ فرماتے ہیں پس جب کہ یہ بتلا دیا گیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور وہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے اور نہ خدا لڑنا تھے بلکہ وہ اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اس پر بھی اگر آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کوئی جھگڑا کرے اور کسی طرح حق کو نہ ملے بعد اس کے کہ پہنچ چکا ہے آپ کے پاس اس بارہ میں علم قطعی اور یقینی تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ ب مناظرہ اور مباحثہ تو ختم ہوا تمہاری ضد اور عناد کے ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آؤ مباہلہ کریں اس طرح سے کہ ہم سب مل کر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو پھر ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر عجز و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کریں پس یہ دعا کریں کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو جھوٹوں پر پس جو جھوٹا ہو گا اس پر اللہ کا تہر آئے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور

کون جھوٹا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط اور تفریط کرتے ہیں اور کسی طرح امر حق کو ملتے ہی نہیں اور کسی دلیل و برہان پر کان دھرتے ہی نہیں تو ایسے معاندین سے احقاق حق کی تدبیر اور فیصلہ کی آخری صورت یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنے آدمیوں کی ایک جماعت لے آؤ اور ہم مؤمنین کی ایک جماعت اپنے ساتھ لاتے ہیں اور پھر دونوں فریق مل کر دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت اور عذاب ہو۔ اللہ تعالیٰ خود غیب سے جھوٹے پر کوئی قہر نازل فرمائے گا جس سے راست باز کی راستی اور صداقت ظاہر ہو جائے گی اور جب اس بددعا کا اثر ظاہر ہوگا تو عام لوگ خود ہی صادق اور کاذب کی تعین کریں گے۔

چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے وفد کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر ان کو سنائی اور مباہلہ کی ان کو دعوت دی انہوں نے یہ کہا کہ ذرا صبر کیجئے ہم ذرا غور کر لیں اور باہم مشورہ کر لیں۔ کل آپ کے پاس آئیں گے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ کہا کہ آپ ہم کو تین دن کی مہلت دیجئے اور یہ کہہ کر چلے گئے اور باہم مشورہ کیا۔

مشورہ میں ان کے سردار نے عاقب سے کہا کہ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ مرد نبی مرسل ہے اور اگر تم نے اس سے مباہلہ کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور واللہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا اور پھر ان کے بڑے زندہ رہے ہوں اور چھوٹے جوان ہوئے ہوں یعنی سب ہلاک ہوئے پس اگر تم ان کے اتباع اور پیروی کو زمانو اور پنے ہی دین پر قائم رہنا چاہو تو اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ۔

قال السيد للعاقب قد
والله علمتم ان الرجل
نبی مرسل ولسن لا عنتموه
انه ليست اصلكم و ما لا من
قوم نبيا قط فبقی کبیرهم
ولا ثبت صغیرهم فان ابیتهم
ان تتبعوه وایبیتهم الا الفحش
فوادعوه وارجعوا الی بلادکم
(در منثور ص ۳۹ ج ۲)

.. ..
.. ..
.. ..

یہ تجویز ہے کہ حضور پید نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور دھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے اور امام حسنؑ کی انگلی پکڑے ہوئے اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لیے ہوئے تشریف لارہے تھے اور ان سے یہ فرما رہے تھے کہ میں دعا کروں تو تم آئین کہنا دے نجران کے بڑے پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ خدا کی قسم آج مجھ کو ایسے چہرے نظر آتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کریں کہ یہ پہاڑ اس جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی درخواست قبول کرے گا لہذا تم ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک اور برباد نہ کرو۔ ورنہ

روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مباہلہ اور مقابلہ سے گریز کیا اور آپ سے صلح کر کے واپس ہو گئے۔ صلح اس پر ہوئی کہ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہزار محضے (ٹنگی اور چادر) ایک ہزار صغریں اور ایک ہزار حب میں دیا کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُر نورؐ نے جب وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے آپ سے تین دن کی مہلت مانگی۔ مہلت ملنے کے بعد مشورہ کے لیے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے مشورہ لیا۔

فأشاروا عليهم أن يصالحوه
ولا يلا عنوه وهو النسبي الذي
نجد في التوراة فصالحوا النبي
صلى الله عليه وسلم
على أن حللة في صفر
والغني في حجب ودرهم.
(درمنثور ص ۳۹، ۲۷)

یہود نے بالاتفاق یہ مشورہ دیا کہ آپ سے صلح کریں اور آپ سے مباہلہ اور مقابلہ نہ کریں آپ وہی بنی ہیں جن کو ہم تو ریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں پس نصاریٰ نجران نے آپ سے صلح کر لی کہ ایک ہزار محضہ آپ کو صغریں دیا کریں گے و ایک ہزار حب میں اور کچھ دلائم بھی۔

عرض یہ کہ نصاریٰ میں جو لوگ دانا اور سمجھدار تھے اُن کے مشورہ سے وفد نے مقابلہ اور مباہلہ سے گریز کیا اور جزیہ دینا قبول کیا تحقیق یہ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بیان کیا گیا یہی بیان تحقیق اور سچا بیان ہے اور سوائے اللہ کے کوئی بھی معبود نہیں تثلیث اور ابنیت کا عقیدہ بالکل غلط ہے اور تحقیق اللہ ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ سچوں کو عزت دیتا ہے اور اپنے دست قدرت اور پنی حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کرتا ہے پس اگر اس کے بعد اہل کتاب کلمہ عدل سے روگردانی کریں نہ دلائل کو انہیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ تحقیق حق مقصود نہیں اور مذہب میں اپنی صداقت پر وثوق اور اطمینان ہے مباہلہ سے انکار اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ اپنے عقائد میں متزلزل ہیں اپنے عقائد کی محنت پر ان کے پاس دلائل نہیں جس سے اُن کو اپنے دعوئے حقانیت کا یقین ہو سکے محض شبہات کی بنا پر اپنے عقائد پر اڑے ہوئے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مقصود محض فتنہ اور فساد ہی ہے تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتے والا ہے اگر ان کو اپنے عقائد کی حقانیت پر یقین ہے تو پھر ایک جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس دعا اور التجا کر کے کہ اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے۔ کیوں تردید ہے۔

روافض۔ اس آیت سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے

فائدہ

ہیں کہ اس آیت میں اٰیۃنا سے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور اٰیۃنا سے حضرت فاطمہؑ اور اٰیۃنا سے حضرت علیؑ مراد ہیں تو ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ عین رسول اور رسول اللہ کی طرح

مسلمانوں کے جان و مال میں تصرف کے حقدار ہیں۔ کما قال تعالیٰ اَلْبَيْعُ اَرْسَلْنَا بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ در جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ تصرف کا حقدار ہو وہی ان کا امام اور خلیفہ ہے۔

یہ ہے کہ اَنْفُسَنَا سے خاص حضرت امیر سراد نہیں بلکہ جماعت مؤمنین مراد ہے جو دین و ملت میں آپ کے رفیق ہیں۔ جیسا کہ وَ اَنْفُسُكُمْ سے کافروں کی جماعت

جواب

مراد ہے اور یہ مطلب نہیں کہ سب نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے عین ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک دین اور ایک ملت میں سب شریک ہیں اور قریب اور شریک دین اور رفیق ملت کے لیے لفظ نفس کا استعمال قرآن میں شائع اور ذائع ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ شُرَاۡئِكُمْ هُوَ لَا يَفْقَهُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ وَقَالَ تَعَالٰی اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رُسُلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ چونکہ حضرت امیر کو نسب اور قرابت اور مصاہرت اور اتحادی الدین و ملت کی وجہ سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اتصال تھا۔ اس لیے لفظ نفس سے تعبیر کر دیا گیا اس تعبیر سے اتحاد اور حقیقت اور مساوات کا گمان کرنا خیال باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت علی تمام صفات میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو جائیں اور یہ امر فریقین کے نزدیک باطل ہے اس لیے کہ اگر اَنْفُسَنَا کا یہ مطلب ہو کہ حضرت علی سر عین رسول ہیں اور تمام صفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت علی نبی اور رسول بھی ہوں اور خاتم النبیین اور تمام جن و انس کی طرف مبعوث بھی ہوں اور تمام انبیاء و مرسلین کے سردار بھی ہوں۔ نیز لازم آئے گا کہ معاذ اللہ جناب سیدہ کا حضرت علی سے نکاح بھی درست نہ ہو غرض یہ کہ اَنْفُسَنَا کے لفظ سے تمام صفات میں مساوی ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صفات میں شرکت اور موافقت مفہوم ہوتی ہے اور بعض صفات میں شرکت مفید مدعا نہیں اس لیے محققین شیعہ بھی اس کے قائل ہوتے ہیں کہ یہ آیت حضرت امیر کی محض ایک گونہ تفضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ افضلیت اور امامت اور خلافت بلا فصل سے آیت کا ذرہ برابر تعلق نہیں ادیہی اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔

اور نساء کے معنی عورتوں کے ہیں اس کا اطلاق عام طور پر زوجہ ربوبی، پر ہوتا ہے جیسا کہ یا نساء اِثْنِیْیْنِ میں بالاتفاق زوجہ کے معنی مراد ہیں۔ لہذا نساء کے لفظ سے بیٹی کے معنی مراد لینا، اور یہ کہنا کہ نساء عونا سے حضرت فاطمہ مراد ہیں لغت اور عرف کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں اور علی ہذا اِثْنَا عَنَا سے نواسوں کا مراد ہونا معنی حقیقی نہیں بلکہ معنی مجازی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِنْ رِجَالٍ لِّکُوْنِیْ۔ اور معنی مجازی کے لحاظ سے لفظ اِثْنَا عَنَا حنین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بیٹیوں اور بھائیوں کو بھی شامل ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا

ترکہ لے کتاب والو ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے

وَبَيْنَكُمْ إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ

درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز اور

لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ

نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ کے

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں، تو کہہ، شاہد ہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

دعوتِ اہل کتاب بلطفِ عنایات

قال تعالى قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمته سواء بيننا

وہم (ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک نصاریٰ نبیوں سے عاجز اور مناظرہ کا اور پھر مباحثہ کا بیان تھا عاجز اور مناظرہ سے نصاریٰ پر دلیل اور برہان کے اعتبار سے حجت قائم کی اور مباحثہ کی دعوت سے ضمیر اور وجدان کے اعتبار سے ان پر حجت قائم کی اور ظاہر ہے کہ مباحثہ انتہائی اور آخری حجت ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس آخری حجت کے بعد ان سے خطاب ہی چھوڑ دیا جاتا اس لیے کہ خطاب اس سے کیا جاتا ہے جو حق کا طالب ہو اور جو معاند اور فاسد ہے اس سے روگردانی ہی مناسب ہے لیکن باقتضای رحمت و رأفت پھر ان کو مخاطب بناتے ہیں کہ اگر تمہاری ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ چکی ہے مگر ہم اپنی بے پایاں رحمت سے پھر تم کو حق دیتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کو نرمی اور ملامت کے ساتھ حق اور توحید کی دعوت دی جاتی ہے۔

نیز گزشتہ آیات میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اب آئندہ آیات میں خطاب عام ہے جو یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے۔ نیز زبان سے یہود اور نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی تھے کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اس پر یہ کہیں تائید نہیں کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے اور تمام انبیاء و مرثیہ اس کی دعوت دیتے چلے آئے تو اس متفقہ اصول کا اقتضای یہ ہے کہ سوائے خدا

کے کسی کی عبادت نہ کی جائے اور نہ کسی کو رب ٹھہرایا جائے اور نہ کسی کو خدا کا بیٹا اور پوتا بنایا جائے اہل کتاب بے شک زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ خدا بے شک وعدہ لاشریک را ہے مگر بایں اقرار طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو پھر ایک دفعہ حق کی دعوت دیجئے اور ان کے اُن مسلمات سے ان پر محبت قائم کیجئے جن کے تسلیم کیے بغیر ان کو چاروں نہیں تاکہ اس قدر لاچار اور معقول ہو جانے کے بعد شاید کسی کو اتباع حق کا خیال پیدا ہو جائے اور وہ حق کو قبول کر لے اس لیے فرماتے ہیں قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ لَّيْسَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہیے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر مسلم ہے جس پر قرآن اور توریت اور انجیل اور تمام انبیاء کی شریعتیں متفق ہیں کسی کا اس میں اختلاف نہیں وہ تو جحد ہے کہ جس کا زبان سے سب اقرار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائیں آپس میں ایک دوسرے کو رب اور پروردگار خدا کو چھوڑ کر یہود اور نصاریٰ قولاً ان تینوں باتوں کو تسلیم کرتے تھے مگر عمل ان تینوں باتوں کے برخلاف تھا۔ حضرت عیسیٰ اور عزیز کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے اور نصاریٰ تو حکم کھلا تثلیث کے قائل تھے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس بل کہ ایک خدا ہوتے ہیں اور اپنے احبار اور رہبان یعنی پادریوں اور راہبوں کو رب اور پروردگار کے مرتبہ میں مانتے تھے یعنی احبار اور رہبان کا ہر امر اور ہر نبی حق تعالیٰ کے حکم کی طرح بے چون و چرا واجب اطاعت ہے اور ان کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حرام کریں اور آیت میں ایک دوسرے کو رب بنانے سے یہی مراد ہے کہ اس کا ہر امر اور ہر نبی بے چون و چرا واجب اطاعت ہو اور اس کو تشریع اور تحلیل اور تحریم کا کلی اختیار حاصل ہو اور یہی حقیقت شرک کی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات مختصہ یا حقوق مختصہ میں کسی کو شریک گردانا جائے چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت رَاٰ خِيَادَهُمْ وَرُفْعَانَهُمْ ذُو الْكِبَارَةِ مُنًى دُونَ اَدْنَاهُ نَادَىٰ هُوَ تُوعدی بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بلئ انهم حرموا عليهم الحلال
واحلوا لهم الحرام في تبعوهم
فذلك عبادتهم اياهم (اخرجه
الترمذی واحمد)

کیدوں نہیں انہوں نے ان لوگوں کے پیے
حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا اور لوگوں
نے اُن کی پیروی کی پس یہی اُن کو مہبود
اور رب بنانا ہے۔

یعنی غیر اللہ اور مخلوق کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے کہنے سے خدا کے حلال کردہ چیز کو حرام مان لیا جائے اور خدا کی حرام کردہ چیز کو کسی کے حکم سے حلال ٹھہر لیا جائے ایسی ہی تقلید باشبہ حرام بلکہ کفر اور شرک ہے اور من دون اللہ کا معصداق ہے کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر غیر اللہ کے حکم کو مانا جائے

اور رؤسا دین جو احکام چاہیں اپنی طرف سے مقرر کریں اور پھر ان کے احکام کی احکام منتر من اللہ کی طرح سبجاً وری لازم اور ضروری سمجھی جائے یہ ہے اجبار اور رہبان کو رب بنانا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اللہ کی اطاعت اس کا مصداق نہیں بلکہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے کما قال تعالیٰ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله اس لیے کہ رسول کا ہر امر دینی۔ وحی خداوندی ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُضَيِّعُ اور اسی طرح علماء اور اولیاء اور سلاطین اور حکام کی اطاعت بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو وہ بھی درپردہ اللہ ہی کی اطاعت ہے چنانچہ حکم خداوندی ہے۔ اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولیہ الا مفسر منکون۔ آیت میں اولیہ الامر سے علماء اور امراء مراد ہیں۔

بال اگر کسی عالم اور حاکم کی اطاعت خلاف شریع ہو تو وہ بے شک بَعْضًا اَزِیَّایَا مِنْ دُوْنِ الْغَیْبِ میں داخل ہوگی۔

تنبیہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہے معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے ائمہ مجتہدین کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کر دیں اور نہ معاذ اللہ کسی امام نے خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا اور نہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال بنایا۔ بلکہ ائمہ مجتہدین تو قانون شریعت کے بہترین شارح اور مفسر ہیں اور چونکہ امت میں ائمہ مجتہدین کا علم اور فہم اور ورع اور تقویٰ مسلم ہے اس لیے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور اپنے ناقص اور ناتمام علم اور کم عقل اور کم فہم اور صلاح اور تقویٰ سے دوری کی وجہ سے اپنے سمجھے ہوئے پر اعتماد کو رد نہیں سمجھتے رأی العلیل علیل۔ نبی کریم اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں اسی طرح فقہاء کرام کے اقوال احادیث نبویہ کی تفسیر ہیں۔

قاصی ثناء اللہ پانی پتی قدس اللہ سرہ تفسیر منظری میں لکھتے ہیں۔ انا اهل السنة والجماعة اختلفت بعد لقرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق في فروع المسائل سوى هذا المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قرون يخالف كلهم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يتختم امتي على ضلالة وقال الله تعالى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُنْذَرِينَ قَوْلِهِ مَا تَوْفَىٰ وَ تَصْلِيهِ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيرًا۔

یعنی قرون ثلاثہ یا اربعہ کے بعد اہل سنت والجماعت ان چار مذہبوں (حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی) پر منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان چار کے سوا کوئی پانچویں مذہب باقی نہیں رہا پس جو قول ان چاروں مذہب کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور ارشاد خداوندی ہے کہ سبیل مومنین یعنی مسلمانوں کے اجماعی مسلک سے انحراف بڑے انجام کا ذریعہ ہے۔

و قال ابن الہمام فی التقریر انعقد الإجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة للایمة الاربعة۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عقد مجید میں، ائمہ اربعہ کی تقلید کو سواد اعظم کا اتباع قرار دیا ہے اور ہندوستان میں خاص امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے جس کا جی چاہے اصل کتاب کو دیکھ لے، پس اگر اصل مسلم کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں، اور اس صاف اور سچی بات کو قبول نہ کریں جس پر تمام اسمانی کتابوں اور تمام پیغمبروں کا اتفاق ہے تو اے مسلمانو تم یہ کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یعنی اللہ کے فرما بردار اور اس کے حکم کے تابعدار ہیں حدیث میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفد نجران سے کہا اسلموا مسلمان ہو جاؤ تو کہنے لگے کہ سلما ہم تو مسلمان ہیں اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نصاریٰ نجران جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں وہ غلط ہے اس لیے کہ جب توحید ہی کے قائل نہیں جو تمام شریعتوں کا مسلم اصول ہے تو پھر دعوائے اسلام بالکل غلط ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ

اے کتاب والو کیوں جھگڑاتے ہو ابراہیم پر ؟

وَمَا أُنزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ

اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے

بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾ هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ

بعد ، کیا تم کو عقل نہیں ؟ سنے ہو تم لوگ

حَاجَّتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ

جھگڑا پچھ ، جس بات میں تم کو خبر تھی ، اب کیوں جھگڑاتے ہو

فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

جس بات میں تم کو خبر نہیں ؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا

جانتے ۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی ،

وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ

اور لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار ۔ اور نہ تھا مشرک

الْمُشْرِكِينَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ

وہا ۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی ،

اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ

جو ساتھ اس کے تھے ، اور اس نبی کو اور ایمان والوں کو ۔ در اللہ والی

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾

سے مسلمانوں کا ۔

ابطال دعوائے اہل کتاب در بارہ ملت ابراہیم علیہ السلام

قال تعالى يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ ... وَلِلَّهِ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ هـ

(ربط) جس طرح دعوائے توحید میں سب مشرک تھے اسی طرح حضرت ابراہیم کی تعظیم و تکریم میں سب مشرک تھے اور یہود اور نصاریٰ ہر ایک فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضرت ابراہیم ہمارے دین پر تھے جیسا کہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں اور یہودی یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان کی ملت پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں ۔ یہود اور نصاریٰ کے اس دعویٰ کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تم سب غلط کہتے ہو تم کو ابراہیم سے کیا واسطہ تم سب مشرک ہو اور ابراہیم علیہ السلام مومنہ و مسلم یعنی خدا کے فرمانبردار بندہ تھے ابراہیم سے محبت کرنے والے اور ان کے طریقہ پر چلنے والے یہ نبی اور مسلمان ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو وہ ان کو یہودی یا نصرانی بتلاتے ہو اور حالانکہ توریت اور انجیل حضرت ابراہیم کی ایک مذمت و تائید کے بعد نازل ہوئیں اور یہودیت اور نصاریت توریت در

انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی اس لیے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار سال
مقدم تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام انسان کی امت
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور شریعت سے مقدم تھی تو پھر حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی طرف یہودیت اور نصرانیت کی نسبت کیسے ممکن ہو سکتی ہے پس کیا تم کو اپنی عقل نہیں کہ
ایسی باطل بات زبان سے نکالتے ہو کہ جو جو طریقہ (یہودیت اور نصرانیت) حضرت ابراہیمؑ کے ایک ہزار یا
دو ہزار برس بعد ظاہر ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے وجود سے پہلے کیسے اس کے متبع تھے آگاہ ہو
جاؤ تم ہی وہ لوگ ہو جو اس چیز میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا اور اس کے متعلق
تمہیں کچھ شہادت تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات۔ درہنہ آخر زمان
کی بشارت وغیرہ کی تمہیں کچھ خبر تھی حالانکہ عقل کا مستغنی یہ ہے کہ جب تک آدمی کو پورا علم نہ ہو اس بارہ میں
بحث اور مناظرہ نہ کرے پس اسے احتواس چیزیں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ
کا کیا مذہب اور مسلک تھا اور آج دنیا میں کون سی جماعت ان کے مسلک کے قریب ہے اور اللہ ہی جانتا
ہے اور تم نہیں جانتے اور جس چیز کو آدمی نہ جانتا ہو اس کو چاہیے کہ اس کے علم کو خدا کے سپرد کرے اللہ ہی
کو معلوم ہے کہ ابراہیمؑ کا کیا طریقہ تھا سنا ان کا طریقہ یہ تھا کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی دیکھیں حنیف تھے
یعنی سب طرف سے ہزار ہو کر صرف ایک خدا کے فرمانبردار اور تابعدار تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے
بلکہ موجد اور حنیف اور مسلم تھے حنیف کے معنی ہیں کہ سب باطل رہوں کو چھوڑ کر راہ حق پکڑے اور سب طرف
سے بہت کر یک طرف (یعنی خدا کا) ہو جائے اور مسلم کے معنی فرمانبردار اور تابعدار کے ہیں اور سے اہل کتاب
تم نہ موجد ہو اور نہ حنیف ہو اور نہ مسلم ہو شرک میں مبتلا ہو نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہوا احکام
خداوندی کو پس پشت ڈالے ہوئے ہو اور ثالث ثالثہ کا عقیدہ رکھتے ہو اور حضرت عزیر اور حضرت یسح
کو ان لہ کہتے ہو تو پھر تم کیسے دم بھرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں تحقیق تمام لوگوں میں سے ملت اور مذہب
کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اور خصوصیت رکھنے والے امت اول تو وہ لوگ
تھے جنہوں نے ان کے وقت میں حضرت ابراہیمؑ کا اتباع اور پیروی کی وہ آپ کی امت کے آدمی تھے اور
علاوہ آپ کے دین پر تھے اور پھر اس غیر زمانہ میں یہ نبی اور مسلمان حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ نزدیک ہیں
کہ جن کی شریعت کے اکثر احکام ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اللہ کو ایک مانتے ہیں اور قربانی اور غنہ کرتے
ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور حج اور عمرہ بجالاتے ہیں اور غسل جنابت کرتے
ہیں اور جن باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں پورے
ترے مسلمان ان کو پوری طرح ادا کرتے ہیں اور اللہ مسلمانوں کا والی اور کارساز ہے اور جس کا خدا والی ہو
اس پر کسی کا داؤد نہیں چل سکتا اور نہ اس کو کوئی راہ حق سے ہٹا سکتا ہے خلاصہ جواب خداوندی یہ ہے کہ
تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی یا نصرانی تھے اگر اس معنی کہتے ہو کہ

وہ توریت یا نبیل پر عمل کرتے تھے تو یہ صریح بے عقلی ہے تو ریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت ابراہیم سے ایک ہزار برس بعد ہوئے اور انبیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس بعد ہوئے تو حضرت ابراہیم کو دین یہودیہ دین یسعی کا پیرو تسلیم کرنا صریح بے عقلی ہے اور اگر حضرت ابراہیم کو یہودی یا نصرانی بنانے کا یہ مطلب کہ اس زمانہ میں اہل ہدایت اور اچھے دینداروں کا نام یہودی یا نصرانی تھا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو حنیف اور مسلم کہا ہے اور حنیف کے معنی یہ ہیں کہ جس نے تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر ایک حق کی راہ پکڑ لی ہو اور مسلم کے معنی حکم بردار اور تابع دار کے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہو۔ تب تم خود غور کرو کہ یہ صفت تم میں ہے یا مسلمانوں میں اور اگر حضرت ابراہیم کے یہودی یا نصرانی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب دینوں میں یہودی یا نصرانی کے دین کو حضرت ابراہیم کے دین سے زیادہ مناسبت ہے تو یہ بات بھی غلط ہے۔ حضرت ابراہیم سے سب سے زیادہ مناسبت اُس وقت کی امت کو تھی اور پچھلی امتوں میں سب سے زیادہ مناسبت امت محمدیہ کو ہے کہ جس کا پیغمبر خَلَقَ وَخَلَقَ وَصُورَةَ دَمِيرَةٍ حضرت ابراہیم کے مشابہ ہے اور اُن کی خاص دعا ہے۔ رَبَّنَا قَدْ اَنْفَسْنَا فَيَسِّرْ لَنَا رِسْوَةً وَتَهْنِئَةً يَسْلُوكُا عَلَيْهِمْ اَيُّهَا النَّاسُ اَلَا تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَاكَ اَوَّلَ نَبِيٍّ اَتَاكُمْ مِنْ دُونِنَا اَمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اَوَّلَ نَبِيٍّ اَتَاكُمْ مِنْ دُونِنَا اَمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اور آپ کی امت کا بھی وہی نام ہے جو حضرت ابراہیم نے اپنی دعائیں فرمایا تھا وَمِنْ دُونِنَا اَمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اور آپ کی شریعت کے قواعد کلیہ وہی ہیں جو امت ابراہیمی کے تھے اور غالباً اسی مناسبت کی وجہ سے درود شریف میں کما صلیت علی ابراہیم فرمایا۔ تشبیہ میں کسی اور نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

ضروری تنبیہ

یاد رہے کہ وَذِكْرُنْ کَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا میں ابراہیم علیہ السلام کے مسلم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ آپ شریعت اسلامیہ کو مانتے تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی کیونکہ اس صورت میں بھی وہی اعتراض وارد ہوگا کہ یہ شریعت بھی تو توریت اور انبیل کی طرح ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں نازل ہوئی پھر ابراہیم علیہ السلام اس شریعت کے کیونکر متبع ہو سکتے ہیں بلکہ اس آیت میں سلام سے معنی لغوی یعنی تقویض اور تسلیم اور اخص فی العمل اور فرمانبرداری کے معنی مراد ہیں جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے اس نام اور صفت کو روشن کیا۔ اِذْ قَالَ لَوْ رَبِّهِ اَسْلَمْتُ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَا لِلْجَبِينِ۔ اور یہی تقویض اور تسلیم اور توحید اور اخص فی العمل۔ اصل حقیقت ہے شریعت محمدیہ یعنی اسلام کی اور اس سے اہل کتاب بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین باطنی معنی اسلام تھا کیونکہ خود اُن کی کتابوں میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ بالکل اسی معنی پر منطبق ہے اور تمام انبیاء اپنے اپنے وقت میں اسی معنی کو اسلام کی دعوت دیتے چلے آئے یعنی توحید اور اخلاص فی العمل اور یہی لفظ اسلام اسی معنی اور حقیقت کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین اور مذہب کا نام ہو گیا ہے پس اگر اس نام اور صفت اور اس معنی اور حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلمان ہی ابراہیم علیہ السلام

سے اقرب اور اشہ ہوں گے۔ یہود اور نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ سے کیا نسبت۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نُو

آرزو ہے بعض کتاب دالوں کو، کس طرح تم کو

يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾

راہ بھلا دیں، اور راہ بھلاتے نہیں مگر آپ کو اور نہیں سمجھتے :-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ

اے کتاب دالو! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور تم

تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ

قائل ہو :- اے کتاب دالو! کیوں ملاتے ہو صحیح میں

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ

غلط؟ اور چھپاتے ہو سچی بات کو جان کر :- اور کہا

طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَىٰ

ایک لوگوں نے اہل کتاب میں، کہ مان کر جو کچھ اترا

الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا آخِرَهُ لَعَنَهُمُ

سمانوں پر دن چڑھے، اور منکر ہو جاؤ آخر دن، شاید وہ

يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا يَمَنُ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ

پھر جاویں :- اور یقین نہ کرو مگر اسی کا جو پہلے تمہارے دین پر، تو کہہ

إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا

ہدایت دہی جو ہدایت کرے اللہ، اس واسطے کہ کسی کو جیسا کچھ تم

أَوْتِيْتُمْ أَوْ يَحْجُوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ

کو ملا تھا ۔ یا مقابلہ کیا تم سے تمہارے رب کے آگے۔ تو کہہ بڑائی اللہ

بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے ۔ اور اللہ گنجائش والا ہے خبردار ۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے ۔ اور اللہ کا فضل

الْعَظِيمُ ۝ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ

بڑا ہے ۔ اور بعض اہل کتاب میں وہ ہے کہ اگر تو اس پاس امانت

يَقِطَّارِ يُؤَدِّيْهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِيَدٍ

رکھے دھیرال کا ادا کرے تجھ کو ۔ اور بعض ان میں وہ ہے اگر تو اس پاس امانت رکھے ایک

لَا يُؤَدِّيْهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ

اثرنی ادا نہ کرے تجھ کو مگر جب تک تو رہے اس کے سر پر کھڑا ۔ یہ اس واسطے کہ انہوں

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّمِينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ

لے کہہ رکھا ہے نہیں ہم پر جاہلوں کے حق کا گناہ ۔ اور جھوٹ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَى مَنْ

بولتے ہیں اللہ پر جانتے (جان بوجھ کر) ۔ کیوں نہیں

أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

جو کوئی پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار ہے تو اللہ چاہتا ہے پرہیزگاروں کو ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ عَهْدَ اللَّهِ وَآيْمَانِهِمْ

جو لوگ خرید کرتے ہیں اللہ کے اقرار پر اور اپنی قسموں پر

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

تھوڑا سول، اُن کو کچھ حصہ نہیں آسمان میں،

وَلَا يَكْفِيهِمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا اُن کی طرف قیامت کے دن

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ مِنْهُمْ

اور نہ سنوارے گا ان کو، اور ان کو دُکھ کی مار ہے اور ان میں

فَرِيقًا يَلُونِ السِّنْتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ

ایک لوگ ہیں، کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب، کہ تم جانو

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ

وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں۔ اور کہتے ہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۝ وَ

وہ اللہ کا کہا ہے، اور وہ نہیں اللہ کا کہہ اور

يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

کسی بشر کا کام نہیں، کہ اللہ اسکو دیوے کتاب اور حکم

وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ

اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو

مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ

اللہ کو چھوڑ کر، لیکن تم ربی ہو جاؤ جیسے تھے تم

تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۹﴾ وَ

کتاب سکھاتے، اور جیسے تھے تم پڑھتے ہو اور

لَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ اَرْبَابًا

نہ یہ کہے تم کو، کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۱۰﴾

کہا تم کو کفر سکھا دے گا؛ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

یہودی شرارتوں اور خیانتوں اور افترا پر دازیوں کا بیان

قَالَ تَعْلٰی وَذٰلِكَ ظَلٰیغَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوِ يُفْلِحُوْا كُنْتُمْ اٰلِهَ... اَلَمْ تَرَ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے مناظرہ اور مباہلہ کا بیان تھا کہ یہ لوگ نہ تو کسی دلیل کو مانتے

ہیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ حق کی تحقیق مقصود نہیں بلکہ مقصود شرارت اور فتنہ پر دازی

ہے اس لیے آئندہ آیات میں یہودی کچھ شرارتوں اور عداوتوں اور دغا بازیوں اور فریب کاریوں

کو بیان کرتے ہیں کہ کس کس طرح سے یہ لوگ حق اور باطل کو غلط لٹھ کرنے میں مکر اور فریب سے کام

لیتے ہیں یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ تم حق پر اور سید راستہ پر ہو مگر یہ لوگ تم کو دھوکہ دے کر گمراہ

کرنا چاہتے ہیں۔ دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت دس

سے آزد رہ سکتی ہے کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں یعنی صحیح راستہ سے تم کو ہٹا دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں

کر رہے ہیں مگر اپنے آپ کو اور وہ سمجھتے بھی نہیں کہ اس کا وبال ان ہی کے سر ہے۔ یعنی ان پر دگن عذاب

ہو گا ورنہ خود تو پہلے ہی سے گمراہ ہیں گمراہ کو گمراہ کرنا مراد نہیں بلکہ گمراہ کر دینے کا وبال مراد ہے۔

یہودی دس دھار مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور اپنی چالوں سے مسلمانوں

کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے در توریت کی ان آیات بینات کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے جو حضور پر نورؐ کے نبی برحق ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور علیٰ ہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے جو آپؐ کی نبوت کے دلائل اور شواہد ہیں پس یہود کی یہ کوشش دوسروں کی تغلیل نہیں بلکہ درحقیقت خود اپنی ہی تغلیل ہے مگر ان کو اس کا شعور اور احساس بھی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اس کا کیا انجام ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان داروں کو ہوشیار کرنے کے لیے اہل کتاب کے چند کمرہ ذکر کرتے ہیں۔ (اول) یہ کہ اہل کتاب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو سحر بتاتے ہیں اور آپؐ کی جو بشارتیں کتب سابقہ میں مذکور ہیں باوجود شہادت دینے کے ان کو چھپاتے ہیں اور طرح طرح سے ان کی تادیب کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا دیدہ و دانستہ اور حالانکہ تم اپنی زبان سے اس کے قائل اور گواہ ہو کہ یہ آیتیں حق ہیں۔

ف آیات اللہ سے یا تو توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن عظیم کے متعلق جو بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور ہیں تم خود اپنی خلوتوں میں ان کا اقرار کرتے ہو پس ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے خوب سمجھ لو کہ آپؐ کی نبوت کا انکار کرنا توریت اور انجیل اور تمام کتب سابقہ کا انکار کرنا ہے یا آیات اللہ سے قرآن کی آیتیں مراد ہیں یعنی تم خود بھی جانتے ہو کہ یہ اللہ کی آیتیں ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لانے یا آیات اللہ سے نشانیاں یعنی معجزات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ معجزات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نبی برحق ہیں پھر کیوں آپؐ کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ یہ تو طاعت ہوئی خود ان کی ضلالت یعنی خود ان کی گمراہی پر اب آئندہ آیت میں اضلال یعنی دوسروں کے گمراہ کرنے پر طاعت فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہو اور یح کے ساتھ کیوں جھوٹ کو ملائے ہو اور کیوں حق اور سچی بات کو چھپاتے ہو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے اور یہ باطل اور یہ بھی جانتے ہو کہ حق کو چھپانا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا کتنا بڑا جرم ہے۔ قانون حکومت میں ایک حرف کا تغیر و تبدل بھی جرم عظیم ہے۔ اہل کتاب توریت کے بعض احکام کو تو دینیوی اغراض کی خاطر بالکل بر وزن ہی کوڑا لیتے تھے اور بعض آیات میں لفظی تحریف کرتے اور بعض آیات کے معنی پھیر ڈالتے یعنی تادیب فاسد کرتے اور بعض چیزوں کو چھپا کر رکھتے ہر کسی کو خبر نہ دیتے جیسے پیغمبر آفرانہ کی بشارتیں پس باطل سے یہ تمام تحریفات اور تادیبات فاسدہ مراد ہیں کہ ان کو حق کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے تاکہ حقیقت واضح نہ ہو غرض یہ کہ لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور تادیب فاسدہ کے دریدہ سے معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور کبھی حق بات کو چھپ کر رکھتے یہ تحریف کا نرالا طریق تھا کہ تحریف کا نام بھی نہ ہو اور تحریف کا مقصد حاصل ہو جائے جیسے لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ فَذَكَرَ كَذِبًا اور ذَا نَتَشَرُّ سَكَارًا کو چھپا لینا یہ بھی تحریف ہی ہے۔

اب آئندہ آیت میں یہود کی مسلمانوں کو دین حق سے گمراہ کرنے کی ایک عجیب و غریب سازش اور مکر و فریب کو ظاہر کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن صیفت اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے چند لوگ صبح کے وقت چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر مظاہراً ایمان لے آئیں اور پھر شام کو اس کا انکار کر دیں تاکہ لوگ شک اور تردید میں پڑ جائیں کہ یہ لوگ عمار اہل کتاب ہیں انہوں نے دین اسلام میں مزور کوئی عجیب اور نقصان کی بات دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے شاید دوسرے لوگ بھی ہم کو اس طرح دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مکر سے مطلع کر دیا اور بتا دیا کہ وہ اس قسم کے مکر اور فریب سے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے مشورہ کر کے یہ کہا کہ جو کتاب مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اس پر شروع دل میں ظاہراً ایمان لے آؤ اور پھر آفریقہ میں اس سے منکر ہو جاؤ شاید مسلمان بھی شک میں پڑ جائیں اور اپنے دین سے پھر جائیں کہ یہ لوگ علم دلتے ہیں اور بے تعصب ہیں کہ اسلام میں داخل ہو گئے ان لوگوں نے دین اسلام میں مزور کوئی خرابی دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صرف مسلمانوں کے دکھانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمانوں کی کتاب پر ایمان لاؤ اور صدق دل سے کسی کے قول کی تصدیق نہ کرو یعنی سچا ایمان جس میں دل اور زبان موافق ہوتے ہیں وہ کسی کے لیے بھی نہ لاؤ مگر جو شخص تمہارے دین کا پیرو ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو یہود مسلمانوں کے پاس جا کر شروع دن میں ظاہراً ان کی کتاب پر ایمان لائیں اور بطور نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کریں ان کو یہ بات برابر ملحوظ رہے کہ وہ اس ظاہری ایمان کی وجہ سے اپنے کو مسلمان نہ سمجھیں بلکہ صدق داسے اپنے کو یہودی ہی سمجھیں اور سچے دل سے اسی شخص کی بات کو قبول کریں جو ان کے دین کا پیرو ہو سوائے اپنے مذہب والوں کے کسی کی بات کا یقین نہ کریں اس صورت میں یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اور بعض نے وَلَا تَقُوْا مَثٰوِلَ الَّذِیْنَ تَبِعُوْا کُمْ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تمہارا صبح کے وقت ظاہری طور پر ایمان لانا بھی محض اُن لوگوں کے دین کی حفاظت کے لیے ہو جو تمہارے ہم مذہب اور تمہارے دین کے پیرو ہیں اس صورت میں مِّنْ قَبْلِہٖ کَلَامٌ انتفاع کے لیے ہو گا یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیے کہ وہ آئندہ چل کر مسلمان نہ ہو جائیں یا جو ہمارے ہم مذہب مسلمان ہو چکے ہیں وہ اس تدبیر سے پھر واپس آجائیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود کے ان علماء اور رؤسا

علہ اشارہ اس طرف ہے کہ وَلَا تَقُوْا مَثٰوِلَ الَّذِیْنَ تَبِعُوْا کُمْ کا عطف اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا پر ہے۔ یہ جزء آیت کلام یہود کا بقیہ ہے اور اُن کے کلام سابق پر معلوم ہے کہ کَذٰلٰکَ قَالَ اٰیْن عَطِیۃ لَا خِلَافَ بَیْنِ اَہْلِ التَّوَابِلِ اِنْ هٰذَا الْقَوْلُ مِنْ کَلَامِ الطَّائِفَةِ، تہی۔

سے کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ کمرد فریب سب بیکار ہے تحقیق ہدایت وہ ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت ہو جس کے دل میں اللہ ہدایت کا نور ڈال دے اُس کو کسی کا کمرد فریب گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور تمہارا یہ کمرد فریب ہدایت نہیں۔ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوتی اور اللہ جس کو چاہے تمہاری طرح کتاب الدین دے کہ ہدایت کر سکتا ہے کوئی وجہ انکار نہیں اور تم مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ چال بازیں درمکاریاں اس لیے کر رہے ہو کہ تمہیں اس بات پر حسد ہے کہ کسی اور کو بھی تم جیسا دین اور کتاب اور حکمت دیا جائے جیسا پہلے تمہیں دیا گیا یہود کا یہ گمان تھا کہ نبوت و شریعت اور علم و حکمت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ عرب کے اُمیین کو اس فضیلت اور نعمت سے کیا واسطہ یا یہ کمزور تدبیر تم نے اس حسد اور جہن میں کی ہے کہ دین کی مددگاری میں رہت کے سامنے تم پر کوئی غالب نہ آجائے کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں نہ کہ تم یعنی اس حسد نے تم کو اس کمزور مجبور کیا تم کو حسد یہ ہے کہ دین کی مددگاری میں ہمارا مقابل کوئی اور کیوں ہو یا یہ معنی ہیں کہ یہ حسد اس بنا پر ہے کہ تم کو یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان تم کو خدا کے رو برو ملازم نہ ٹھہرائیں کہ تو بیت اور انجیل میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی بشارتیں مذکور تھیں اور یہ لوگ اس کا اقرار بھی کرتے تھے مگر باوجود اس اقرار اور اعتراف کے آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ آپ ان رؤسا یہود سے یہ کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ حسد اور یہ تدبیر اس صورت میں کارگر ہو سکتی ہے کہ جب فضل و انعام تمہارے ہاتھ میں ہو لیکن تحقیق فضل و نعمت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں وہ ملک الملک ہے جس کو چاہے عطا کرے اور تم اس کے انعام میں کسی قسم کی کمی اور سستی بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ اللہ تمہارے بڑی گنجائش والا ہے یعنی اس کا فضل نہایت وسیع ہے اور خوب جاننے والا ہے کہ کون اُس فضل و انعام کے لائق ہے وہ اپنی سہرابانی اور بنشائش سے جس کو چاہتا ہے خاص کرنا ہے اور اس وقت اس نے اپنی رحمت سے مسلمانوں کو خاص فرمایا ہے اور غلام و بردہ لجمال کی رحمت پر حسد کرنا فغول بلکہ حماقت ہے اور اللہ تمہارے بڑے فضل والا ہے اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

عنه اشاره اس طرف ہے کہ اُنی یحاجو کھو کا عطف یوئی پر ہے اور اُن کی وجہ سے مغرب ہے اور یحاجو کھو کی ضمیر مرفوع احد کی طرف راجع ہے اور لفظ احد اگرچہ مفرد ہے مگر بمحاذ معنی جمع ہے اور ان یوئی اسلے آخره بتقدیر لام فعل محذوف کی علت ہے۔ ای لاہل ان یوئی احد مثل ما او تیتم او یحاجو کھو عند ربکم قلتم ذلک القول و دہرتم نذک المکیدۃ ای فعلتم ذلک حسدا و خوفا من ان تذهب ایامکم و یشارکم احد فیما او تیتم من فضل العمر او یحاجکم عند ربکم ای یقیمون الحجۃ علیکم عند اللہ اذ حکتا بکھو طافہ بنبوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ملزم لکم ان تو مساویہ و تتبعوۃ کذا فی البحر المحیط۔

اہل کتاب میں اہل امانت کی ملح اور اہل خیانت کی مذمت

گزشتہ آیت میں اہل کتاب کی تبلیہ اور کتمان حق کا بیان تھا اب اس آیت میں ان کی خیانت فی المال کا ذکر ہے کہ ان لوگوں میں امانت داری اور خدا ترسی نہیں چند بیسوں کے لیے خیانت سے دریغ نہیں کرتے۔ دین اور آخرت کے معاملہ میں ان پر کیسے بھروسہ کیا جائے البتہ ان میں بعض بعض اب بھی امین ہیں جن کو حق کے قبول کرنے میں دریغ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض اہل کتاب سے ایسے امین ہیں کہ اے مخاطب اگر تو اس کے پاس کوئی خزانہ اور مال کا ڈھیر بھی امانت رکھ دے تو وہ تیری امانت سمجھ کر وہاں سے دے دیں گے اگرچہ تو ان سے اپنی امانت کا مطالبہ بھی نہ کرے پس جو شخص مخلوق کے معاملہ میں اس درجہ امین ہوگا تو وہ خالق کے معاملہ میں بدرجہ اولیٰ امین ہوگا ایسا شخص تو ریت کے حکام میں اور نبی آخر الزمان کی بشارتوں میں ذرہ برابر خیانت نہ کرے گا اس لیے کہ وہ اللہ کی امانت ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار اور دو سو اوقیہ سونا امانت رکھا آپ نے بعینہ اُس کی امانت ادا کر دی۔ یہ آیت ان کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اس کے پاس اگر ایک اشرفی امانت رکھ دو تو وہ بھی سمجھ کر ادا نہ کرے گا مگر جب تک رہے تو اس کے سر پر کھڑا۔ یعنی جب مجبور ہو جائے تب امانت ادا کرے یہ آیت فحاص بن عازر و رابیعہ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کے پاس کسی شخص نے ایک اشرفی امانت رکھی تھی۔ اور اس نے اس میں بھی خیانت کی اور ان کی یہ خیانت اس درجہ سے ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ناخواندوں اور ان پڑھوں یعنی عربوں کے مال میں ہم پر کوئی راہ نہیں یعنی ہم پر خدا کے یہاں عربوں کے مال میں کوئی مواخذہ اور مطالبہ نہیں عربوں کے مال ہمارے لیے حلال ہیں۔ اہل کتاب کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں، ورساری دنیا جاہل ہے اور غیر اہل کتاب مثلاً قریش وغیرہ کے مال میں خیانت کرنے میں ہم پر مذہباً کوئی گناہ نہیں جیسے برہمنوں نے ہندوؤں کے ہمارے کے لیے بہت سی باتیں بنا رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تکذیب میں فرماتے ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ پر دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی مخالفت اور دشمن کے مال میں چوری اور خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی ان لوگوں نے پرایاں کھانے کے لیے یہ مسئلہ بنایا کہ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت جائز ہے جان بدجہ کر جھوٹ بنالیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے امانت میں خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی اور شریعت اسلام کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ مسلمان ہو یا کافر۔ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں اور یہ خود بھی جانتے ہیں کہ تو ریت میں کوئی ایسا حکم نہیں در آج کل یورپین اقوام کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً اور ایشیائی اقوام کے ساتھ عموماً عہد و میثاق کا پورا کرنا ضروری

نہیں وقت کا جو تقاضا ہو اس پر چلتے ہیں کیوں نہیں ضرور خیانت پر ممانعہ ہوگا کیونکہ اس کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنے عہد کی وفا کرے خواہ وہ عہد خالق سے ہو یا مخلوق سے ہو اور پھر گاری کرے یعنی اللہ سے دُرسے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو جائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ کا دوسرا قانون یہ ہے کہ تحقیق جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلہ میں دنیا کا تھوڑا سا مول یعنی حقیر معاوضہ خرید کرتے ہیں۔ یعنی معمولی نفع اور معمولی فائدہ کے لیے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا بیٹھتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں اور قیمت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے نہ کوئی بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک و صاف کرے گا یعنی ان کے گناہوں کو نہیں بخشے گا اس لیے کہ خیانت حقوق العباد میں سے ہے اور ان میں لامحالہ قصاص یعنی بدلہ ہے اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا آگ بھی ہوگی اور خطاب تہدید و تنبیہ بھی ہوگا۔ ورنہ غرضب بھی ہوگی اور کفر و شرک کی سہاستوں اور گندگیوں سے پاک بھی نہ کیئے جائیں گے اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہو تحقیق ان اہل کتاب میں سے ایک ایسا گروہ ہے جو کتاب کو زبان مردہ کر پڑھتے ہیں اور اس میں کچھ اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور کتاب ہی کے بھج میں اُس کو پڑھتے ہیں تاکہ تم اس ملائے ہوئے کو کتاب کا جز سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی طرف سے ہوتا ہے یہ لوگ چال کی سے آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے گھٹا بڑھا کر ایسے انداز اور بھج میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف آدمی سن کر دھوکہ میں آجاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ الفاظ اور یہ عبارت بھی آسمانی کتاب کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہود اور نصاریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی اور اضافہ کر دیتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر ص ۲۳ ج ۳)

صحیح بخاری میں طرق متعددہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں۔

یا معشر المسلمین کیف تساکون	اے گروہ مسلمین تم اہل کتاب سے کیسے
اہل الکتاب عن شیء و کتاب اللہ	پوچھتے ہو حالانکہ اللہ کی وہ کتاب جو اس
الذی انزلہ علی نبیہ احدث	نے اپنے نبی پر اتاری ہے وہ سب سے
اخبار اللہ تقرؤونہ خضالمیشب	نئی اور آخری کتاب ہے جس کو تم قرونہ
وقد حدثکم اللہ تعالیٰ ان اہل الکتاب	پڑھتے ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کا ذرہ

علہ روى الصحاح عن ابن عباس ان الآية نزلت في اليهود والنصارى جميعا وذلك انهم حرفوا التوراة والانجيل والحقوا بكتاب الله ما ليس منه (كذا في روح المعاني ص ۱۵ ج ۳) واخرج ابن جرير وابن ابی حاتم من طريق العوفي عن ابن عباس في قوله وان منهم لفرقتا يلوون السننهم بالكتاب قال هم اليهود كانوا يزيدون في كتاب الله ما لم ينزل الله (درمثور ص ۴۶ ج ۳)

قد بدلوا کتاب اللہ و غیر وہ و کتبوا بایديهم الکتاب و قالوا هو من عند اللہ لیستروا به ثمنًا قليلًا افلا ينہاکم ما جاءکم من العلم عن مسألتهم ولا دانتم ما رأینا منهم احدا قط سألکم عن الذی انزل علیکم کذا فی تفسیر ابن کثیر تحت تفسیر قولہ تعالیٰ فَوَیْلٌ لِّلَّذِینَ یُکَذِّبُونَ اَلْکِتَابَ بِاَیْدِیْهِمْ ۱۲ (طبع بیروت ص ۱۶)

برابر شائبہ بھی نہیں یعنی بعینہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہو اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو بتلا دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں یعنی توریت وغیرہ میں تغیر و تبدل کر دیا ہے اور بہت سی چیزیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس میں شامل کر دی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ دنیا کا فائدہ حاصل کریں کیا جو صحیح و دروازہ علم تمہارے پاس آیا ہے وہ تم کو اہل کتاب سے سوال اور استفادہ سے منع نہیں کرتا یعنی صحیح علم کے ہوتے ہوئے قرآن کتاب کی طرف کیوں نظر کرتے ہو علاوہ ازیں تمہارا اہل کتاب سے سوال کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ خدا کی قسم ہم نے تو اہل کتاب کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن کے متعلق تم سے کچھ سوال کرتے ہوں پھر تم کیوں ان سے سوال کرتے ہو۔ (رداء بخاری)

اور تفسیر کبیر ص ۲۶۵ و تفسیر نیسابوری ص ۲۲۵ ج ۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت ان یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو کعب بن اشرف یہودی کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے کر آئے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ان صفات اور علامات کو بدل دیا تھا جو توریت میں آئی تھیں بنی قریظہ نے ان کی لکھی ہوئی کتاب کو لیا اور اپنی کتاب میں اس کو ملایا۔ اور قتال مردیٰ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں لَیْسَ اَبَا لَسْتِیْہُمْ سے یہ مراد ہے کہ یہود بعض اختلاف کی حرکات اعرابہ کو زبان مؤد کر اس طرح پڑھتے تھے کہ جس سے لفظ کے معنی کچھ کے کچھ ہو جاتے تھے جیسے راعنا کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت فرمائیے لیکن یہود جب اس لفظ کو زبان مؤد کر پڑھتے تو یہ لفظ راعینا بن جاتا جس کے معنی ہمارے چمکا ہے کے ہیں جو سراسر تمقیر ہے یا یہ کہ بعینہ ہی لفظ عبرانی اور سریانی زبان میں گالی کا تھا۔

عنه نقل عن ابن عباس انه قال ان التفر الذين لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم كتبوا كتب شقوا فيه نعمت محمد صلى الله عليه وسلم وخطوه بالكتاب الذي كان فيه نعمت محمد صلى الله عليه وسلم ثم قالوا هذا من عند الله (تفسیر کبیر ص ۲۶۵)

دہب بن منبہ سے منقول ہے کہ توریت و انجیل اسی طرح محفوظ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتارا تھا لیکن یہود تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے گمراہ کرتے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) علماء محققین سب اس طرف ہیں کہ توریت و انجیل میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے اور تحریف معنوی بھی اور اہل کتاب نے فقط تراجم میں نہیں بلکہ اصل کتاب میں تغیر اور تبدل کیا ہے کی بھی ہے اور زیادتی بھی علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ دہب بن منبہ کا یہ قول اگر اُن سے صحیح اور ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ان کی رائے اور گمان ہے جو ناقص استقراء اور ناقص تتبع سے ناشی ہوا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ کتب الہیہ میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہوا ہے اور آج وہ اس طرح موجود نہیں جیسا کہ نزول کے وقت تھیں اور پھر علامہ آلوسی نے اس کے دلائل اور شواہد بیان کئے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) حافظ ابن کثیر و دہب بن منبہ کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ دہب بن منبہ کے اس قول میں سے کہ اللہ کی کتاب میں محفوظ ہیں ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کیا مراد ہے اگر ان کتابوں سے وہ کتابیں مراد ہیں جو فی الحال اُن کے ہاتھ میں موجود ہیں تو ان میں تو بلاشبہ تحریف اور تبدل درکنار زیادتی سب موجود ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور اگر ان کتابوں کے تراجم مرد ہیں تو ان میں جو غلطیاں اور زیادتی اور کمی اور دھام فاحشہ موجود ہیں تو وہ اس قدر کثیر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں بلکہ اکثر بلکہ سب کا فہم اُن تراجم کے بارہ میں فاسد اور کاسد ہے اور اگر اس سے اللہ کی وہ کتابیں مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں تو بے شک اُن کو محفوظ کہا جاسکتا ہے مگر اب ان کا کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ان میں کلام ہے انتہی کلام ابن کثیر محض ص ۱۵۳ ج ۱

اخرج ابن جریر عن عثمان بن عطاء	حضرت عثمان غنی سے مروی ہے کہ
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
لَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ نُوِيْلٌ تَهْمٌ مِمَّا كُتِبَتْ اَيْدِيهِمْ	اَلَهُمْ قَوْلُهُ نُوِيْلٌ تَهْمٌ مِمَّا كُتِبَتْ اَيْدِيهِمْ
قَالَ الْوَيْلُ جَلَّ فِي النَّارِ وَهُوَ الَّذِي	دیل جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور یہ فرمایا کہ یہ
انزل في اليهود لا نهوهم عن التوراة	آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی اس لیے
زادوا فيها ما احبوا ومحو منها ما	کہ یہود نے توریت میں تحریف کی توریت
يكروهون ومحو اسر محمد صلى الله	میں جس چیز کا اضافہ پسند کیا اُس کو توریت

عَنْ قَالَ دَهْبُ بْنُ مَنْبَهٍ أَنَّ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ كَمَا أَنْزَلَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَغْيِرْ مِنْهَا حَرْفٌ وَلَكِنْهُمْ يَضِلُّونَ بِالتَّحْرِيفِ وَالتَّوِيلِ وَكُتِبَ كَأَنَّا يَكْتُبُونَهَا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَا كُتِبَ اللَّهُ فَاَنَّهُمْ مَحْفُوظَةٌ وَلَا تَحْوِيلَ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ - (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) و تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۲ ج ۳

عَنْ صَلِّ عِبَادَتِ يَهُوَّهِ وَامَّا كِتَابُ اللَّهِ فَاَنَّهُمْ مَحْفُوظَةٌ وَلَا تَحْوِيلَ (ابن کثیر ص ۱۸۲ ج ۳)

عليه وسلم من التوراة

(تفسیر درمنثور ص ۸۲ ج ۱)

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ ج ۱)

اور ایک اور حدیث میں ہے۔

لا تصدقوا اهل الکتاب ولا

تکذبوهم وقولوا امنا بالله

وما نزل الہیۃ (بخاری)

میں زبیدہ کر دیا اور جو چیز توریت میں ناپسند

ہوئی اُس کو توریت سے مٹا دیا اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کا نام بھی توریت سے مٹا دیا۔

اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب

در یہ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز

پر جو اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر اتاری گئی۔

اس لیے کہ اُن کی کتاب محرف ہے اور حق اور باطل مخلوط ہے یہ متعین نہیں کر سکتا حصہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور کون سا حصہ ان محرفین کی طرف سے ملایا ہوا ہے لہذا اہل کتاب کی مطلقاً تصدیق مست کر دے مباد کہ اس سے ان کی تحریف اور طاوٹ کی تصدیق ہو جائے اور نہ مطلقاً اس کی تکذیب کرو ممکن ہے کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہو تو اس تکذیب سے اللہ کی بات کی تکذیب لازم آئے گی اجمالی طور پر یہ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسٹھنے جو اپنے پیغمبروں پر اتارا اس پر ایمان رکھتے ہیں اگر وہ حق ہو گا تو مَآئِزُ اللہ میں داخل ہو گا ورنہ نہیں باقی جو کتابیں اہل کتاب کے ہاتھ میں موجود ہیں ان میں چونکہ کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے اور حق و باطل کا کوئی تمیز نہیں اس لیے ہم نہ اُن کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب اس لیے تمام علماء محققین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ موجودہ توریت درانجیل محرف ہے جس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے کسی بھی ہوئی ہے اور زیادتی بھی ہوئی اور خود علماء توریت و انجیل کو بھی اس کا اعتراف اور اقرار ہے۔ قرآن کریم میں مراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت اور نعمت توریت اور انجیل میں مذکور ہے اور اسی طرح صحابہ کرام کے متعلق قرآن کریم میں منصوص ہے کہ ان کی صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں حکما قال تعالیٰ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰۤی الْکُفَّارِ رَحْمَآءٌ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُکْعًا سَجْدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِيْ رُجُوْهُمْ مِّنْ اَثَرِ الشُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ حَقِّ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ صحابہ کرام کی یہ صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں مگر موجودہ توریت و انجیل میں اس کا کہیں ذکر نہیں پس اگر توریت و انجیل کو تحریف لفظی سے محفوظ مانا جائے تو ان آیات قرآنیہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور قرآن کریم میں جابجا کتب سابقہ میں تحریف کی خبر دی گئی رہاں سب جگہ تحریف لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن کریم میں بھی ہوئی ہے بلکہ لامحدہ اور زائد قرآن کی تاویلات باطلہ میں یہود اور نصاریٰ سے بھی سبقت لے گئے۔ سرسید علی گڑھی اور علامہ احمد قادیانی کی تحریفات اور تاویلات کو دیکھ لیجئے یہود اور نصاریٰ کے بھی کان گزریے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَحْنُ الْغَاثِرُ

وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ الحمد للہ قرآن کریم جس طرح تحریف لفظی سے محفوظ ہے اسی طرح تحریف معنوی سے بھی محفوظ ہے اس لیے کہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین کے بعد قرآن کریم کی مراد اس درجہ واضح ہو گئی ہے کہ اب اس میں کسی محد زندقہ کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی للہ الحمد والمنة

جس شخص کو کتب سابقہ کی تحریف لفظی و معنوی کی پوری تفصیل درکار ہو تو وہ
اطلاع ازالۃ الشکوک اور ازالۃ الامداد اور اظہار الحق ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ

کیرانویؒ کی مراجعت کرے۔

عبداللہ بن عباسؓ اور امام بخاریؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ تحریف
ایک ضروری تنبیہ معنوی کے قائل ہیں اس لیے کہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال ابن عباس یحرفون ویزیلون
ولیس احد یزیل لفظ کتاب
من کتب اللہ و لکنهم یحرفونہ
و یتأولونہ علی غیر تأویلہم۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما یحرفون انکبوت عن
مؤاویہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہودیہ و تحریف
کرتے ہیں اور کتاب الہی کے الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا
دیتے ہیں اور کسی مخلوق کی یہ مجال نہیں کہ اللہ کی کسی

کتاب کے کسی لفظ کو زائل و ردنا کر دے لیکن کتاب الہی میں تحریف اور اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔

اس عبارت سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ عبداللہ بن عباسؓ تحریف لفظی کے منکر ہیں اور
اسی کو امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔

یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے بطریق کثیرہ یہ منقول ہے کہ اہل کتاب نے توریت
میں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مذکور تھیں ان میں بڑا تغیر اور تبدل اور رد و بدل کر دیا تھا یہ
روایتیں تفسیر درمنثور ص ۸۲، ۱۲۰ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہاں دیکھ لی جائیں۔

لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کتب سماویہ میں تحریف لفظی کے منکر ہیں خصوصاً
جب کہ صحیح بخاری میں متعدد جگہ ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ لے کر وہ سببیں تم اہل کتاب سے
کیوں دریافت کرتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) ابھی خدا کی طرف سے تازہ بتا رہا نازل ہوئی ہے
در خالص ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی آمیزش نہیں ہوئی، و تحقیق اللہ نے تم کو خبر دے دی ہے کہ
اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ
کی طرف سے ہے۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں بہت سی چیزیں ملاوٹ کی ہیں اور قرآن کریم
خالص و دودھ ہے جس میں ذرہ برابر کسی قسم کی ملاوٹ نہیں۔

امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کے قول کو ایک دوسری غرض سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کا کلام
قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق سے اس کا نزول کرنا اور فنا کرنا ممکن نہیں البتہ بندہ اس میں تاویل اور

تحریف کر سکتا ہے اور بندہ کا یہ فعل تاویل اور عمل تحریف حادث اور مخلوق ہے اس لیے کہ بندہ کے تمام افعال مخلوق اور حادث ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں اسی غرض کے لیے متعدد تراجم اور ابواب رکھے ہیں سب سے مقصد یہی ہے کہ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا جو فعل کلام خداوندی سے متعلق ہو یعنی بندہ کا تلفظ اور اس کی قرأت اور اس کی تلاوت اور اس کی کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں۔ یعنی کلام محفوظ اور مقررہ اور کلام متکو قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا تلفظ اور قرأت اور کتابت سب حادث ہے اسی طرح بندہ کا یہ عمل یعنی تحریف اور تاویل ناسد بھی مخلوق اور حادث ہوگا۔

اہل کتاب کا حضرت انبیاء پر افتراء اور اس کی تردید

گزشتہ آیت میں یہ ذکر تھا کہ اہل کتاب اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اب اس آیت میں حضرات انبیاء پر ان کی افتراء پر دازی کا بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب یہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ حضرات انبیاء نے انبیست اور الوہیت کے عقیدہ کی تعلیم دی ہے چنانچہ عیسائی الوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلہ میں جب دلیل اور برہان کے پیش کرنے سے عاجز ہوتے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم کو ایسا ہی حکم دے گئے ہیں خود حضرت مسیحؑ نے اپنے کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور اس قسم کے اور کلمات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ اور روح القدس کا شریک الوہیت ہونا ثابت کرتے ہیں آئندہ آیت یعنی مَا كُنَّا لِنُبَشِّرَ أَنْ يَأْتِيَنَا اللَّهُ الْكِتَابَ بِالْآيَاتِ ان کی تردید اور جواب میں نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کتاب اور حکمت دے کر بھیجتے ہیں وہ خدا پرستی ہی کی دعوت دیتا ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی لوگوں کو اپنی ہندگی کی طرف بلائے اور توریت اور انجیل میں صدامقامات پر خدا پرستی کی صریح تعلیم موجود ہے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے صریح کذب اور افتراء ہے اور ان کی تصریحات کے صریح خلاف ہے بلکہ حضرت مسیحؑ نے توحید کے بعد تم سے اس بات کا بھی عہد اور اقرار لیا تھا کہ جب تم نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالظہور ان کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت اور اعانت کرنا اور ان کا وہی دین ہوگا جو تمام انبیاء و مرسلین کا دین ہے یعنی دین اسلام چنانچہ فرماتے ہیں کسی بشر کے لیے بشر ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور شریعت اور نبوت عطا فرمائیں باوجود اس کے پھر وہ لوگوں سے کہے اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اس لیے کہ بشر کے سامنے اپنی بشریت کی عاجزی اور دراندگی ظاہر ہوگی اور عاجزی

اور در ماندگی کے ہوتے ہوئے دنیٰ عقل والا بھی اپنی اور بیت کائنات تک نہیں کر سکتا۔ اور پھر جس کو کتاب و حکمت اور نبوت عطا ہوگی وہ رہی شخص ہوگا جو لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دے بہشت کا مقصد ہی توحید و تفرید ہے جس کا امر بالشرک کے ساتھ جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور لیکن وہ نبی تو یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ یعنی ایک خدا کی محبت اور اطاعت میں ننا ہو جاؤ اس لیے کہ تم دوسروں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس وجہ سے بھی کہ تم خود بھی اس کتاب الہی کو پڑھتے رہتے ہو جو توحید و تفرید کی تعلیم سے بھری پڑی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ نبی تم کو ربانیت کے حکم کے بعد یہ حکم دے کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو پروردگار ٹھہراؤ۔ فرشتے اور پیغمبر معاذ اللہ خدا اور پروردگار نہیں بلکہ پروردگار تک پہنچنے کا واسطہ اور راستہ ہیں اور انبیاء کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کیا وہ نبی تم کو کفر و شرک کی طرف لوٹنے کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسی کی تعلیم و تلقین سے مسلمان اور موحّد ہو چکے ہو۔ ابن اسحاقؒ اور بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب وفد نجران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ایسی ہی پرستش کرنے لگیں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ اور اس پر مَا كَانُ لِبَشَرٍ مِّنْكُمْ أَنْ يُدْعَىٰ لِلْعِبَادَةِ

شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارا نبی ہم کو کہتا ہے کہ بندگی کرو اللہ کی ہم تو اگے سے اسی کی بندگی کرتے ہیں مگر وہ (یعنی تمہارا نبی) چاہتا ہے کہ میری بندگی کرو سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نبی کرے اور وہ لوگوں کو کفر سے (یعنی غیر اللہ کی عبادت سے) نکال کر مسلمان میں لاوے پھر اُن کو کیونکر کفر سکھا دے مگر تم کو (اے الی کتاب) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ (اب تم میں باقی) نہیں رہی اب میری صحبت میں وہی کمال حاصل کرو۔ انتہی یعنی اب میری صحبت میں قرآن پڑھو اور پڑھاؤ اور سیکھو اور سکھاؤ اور عام ربانی اور عارف یزدانی بنو۔

ف عبادت اور بندگی تو اللہ ہی کی ہے مگر اطاعت اور پیروی نبی کی بھی ضروری اور لازم ہے شاید اُس معترض نے عبادت اور اطاعت میں فرق نہ کیا اور اعتراض کر دیا کہ معاذ اللہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں یہ اعتراض بالکل لغو اور بھل تھا عبادت اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے عبادت خالص اللہ کا حق ہے اور بے چون و چسرا اطاعت اور پیروی نبی کا حق ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ

اور جب یا اللہ نے اقسرار نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا

مِّنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ

کتاب اور علم پھر آدے تم پاس کوئی رسول کو حج بتا دے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ

تمہارے پاس والی کو تو اس پر ایمان لائے اور اس کی مدد کر دے۔ فرمایا

أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ أَصْرِي ط قَالُوا

کہ تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر یا میرا ذمہ؟ بولے ہم

أَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

نے قرار کیا۔ فرمایا تو اب شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ

الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

شاہد ہوں۔ پھر جو کوئی پھر جادے اس کے بعد، تو وہی لوگ

الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾

ہیں بے حکم۔

تذکیر ميثاق انبياء و توبیخ برائے کفار ازاں

قَالَ تَعَالَىٰ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ.... اے... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ عبادت و بندگی خاص اللہ کا حق ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی

نبی اپنی بندگی کی تعلیم دے اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر

ایمان لائیں اور سب سے پہلے ان کی اطاعت کریں درجہ ۱ کی ان کی مدد کریں ہر نبی کے زمانہ میں

ہر امت سے یہی عہد لیا گیا ہے جس سے اہل کتاب اعراض اور روگردانی کر رہے ہیں اور پختہ عہد کے بعد روگردانی کرنا صریح فسق ہے اور اس آیت کے اخیر میں فَمَنْ قَوَّيْنَا بِعَهْدِكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ میں فسق سے یہی بے عہدی مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے عہد و پیمان لیا پیغمبروں سے کہ البتہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت یعنی شریعت کا علم دوں اور پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جس کے ساتھ دلائل نبوت اور شواہد رسالت ہوں اور وہ رسول تصدیق کرنے والا ہو تمہاری اس کتاب اور شریعت کی جو تمہارے ساتھ ہے تو البتہ تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور فقط ایمان اور تصدیق پر اکتفا نہ کرنا بلکہ جان و مال سے اس کی پوری پوری مدد بھی کرنا اور اس کے دین اور شریعت کی تبلیغ اور ترویج میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھنا پھر اس عہد کے بعد مزید تاکید اور توثیق کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس کام پر میرے پختہ عہد و پیمان کو قبول کر لیا سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب شاہد اور گواہ رہو ایک دوسرے کے اقرار پر اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں میں سے گواہ ہوں۔ یہ تمام الفاظ عہد و پیمان کی تاکید و توثیق کے لیے فرمائے کہ جس عہد اور پیمان پر حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی گواہی ہو اور مدعا علیہ کا اقرار و شہادت بھی اس کے ساتھ مقرون ہو تو اس دستاویز کے پختہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے پس جو شخص پھر جائے ایسے پختہ عہد سے بھی جس پر خدا تعالیٰ کی اور اس کے تمام پیغمبروں کی گواہی ہو اور باوجود عہد و اقرار کے نہ اس رسول پر ایمان لاوے اور نہ اس کی مدد کرے تو ایسے ہی لوگ پرے درجہ کے بد عہد دربدکار اور نافرمان ہیں جو ایسے پختہ عہد و پیمان کی بھی پرواہ نہیں کرتے جتنا چاہیے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرات صحابہ و تابعین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ثُمَّ جَاءَ كُفْرُ رَسُولٍ میں رسول سے عام رسول اور عام نبی مراد ہے دوسرے قول یہ ہے کہ ثُمَّ جَاءَ كُفْرُ رَسُولٍ میں رسول سے خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

تشریح قول اول اگر ثُمَّ جَاءَ كُفْرُ رَسُولٍ میں رسول سے عام نبی اور پیغمبر کے معنی مراد ہوں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر نبی سے جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آئے یہ عہد لیا کہ جس کو ہم کتاب و حکمت دے کر بھیجیں اور اس کے بعد دوسرا نبی آئے جو پہلے انبیاء کی نبوت اور ان کی کتابوں اور حکمت کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرنے والا ہو تو ضروری ہے کہ پہلا نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے اور اس کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے یہ نہ ہو کہ پہلے نبی کا علم اور حکمت دوسرے نبی کی تصدیق اور نصرت سے مانع ہو اور اگر خود اس دوسرے نبی کا زمانہ نہ پائے تو اپنی امت کو اس کی پوری پوری ہدایت اور وصیت کر جائے کہ اگر بعد میں آنے والے پیغمبر کا زمانہ پاؤ تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ ایسی وصیت بھی آنے والے نبی کی نصرت اور اعانت میں داخل ہے۔

اور اس عموم میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہوں گے کیونکہ جب عام طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ

عہد سے چکا کر جو نبی اپنے سے پہلی کتاب و حکمت کا مُصدق ہو اسکی تصدیق اور نصرت ضروری ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و نصرت بھی بطریق عموم اس عہد میں داخل ہوگی کیونکہ آپ بھی دلائل و شواہد کے ساتھ اللہ کے رسول ہیں اور سابقہ کتاب اور حکمت تو ریت و انبیل کے مُصدق ہیں۔ لہذا یہود و نصاریٰ کو اپنے انبیاء کے عہد و پیمان کی بنا پر آپ پر ایمان لاکر آپ کی مدد کرنی چاہیے مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو انبیاء سابقین کا عہد و پیمان یاد دلا کر ان کو معقول کیا جائے تاکہ معقول پسند طبیعتیں کفر اور انکار سے باز آکر آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔

اور اگر شَرَحُ جَاءَ كُفْرًا سُوْدٌ میں رسول سے خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات مراد ہو تو آیت کے یہ معنی ہوں گے

کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور انبیاء نے اپنی قوموں اور امتوں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں اور تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور با ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے آیت کے یہی معنی منقول ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آیات سابقہ سے لے کر آیت محولہ بالانکس برابر سلسلہ کلام آپ ہی کی نبوت کے اثبات میں چلا آ رہا ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کے نزدیک مختار اور راجح ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ شَرَحُ جَاءَ كُفْرًا سُوْدٌ میں حضرت علی اور ابن عباس کے قول کے مطابق خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں لفظ رسول اگر چہ نکرہ ہے مگر اشارہ معین اور مخصوص کی طرف ہے جیسے حق تعالیٰ کے قول حَتَّابُ اللَّهِ مُلْكًا قَرْنِيَةً كَانَتْ آيَةً اَلَيْسَ قَوْلُهُ - وَلَشَذَّ جَاءَ كُفْرًا سُوْدٌ فَكُذِّبُوا میں رسول سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے (تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ۱۲۶)

ان دونوں تفسیروں میں فرق یہ ہے کہ اگر رسول سے عام نبی کے

دونوں قولوں میں فرق

معنی مراد ہوں تو اس سے مقصود یہ ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام باہم متحد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مُصدق اور معین و مددگار ہوتے ہیں جیسا کہ ایک بادشاہ ایک وقت میں دو عامل دو مستقل ولایتوں میں بھیجے تو ہر عامل پر دوسرے عامل کے عمل اور ولایت کی تصدیق اور عند الضرورت اس کی نصرت اور اعانت ضروری ہے اگرچہ دونوں ولایتوں کے قوانین اور احکام جزئیں میں کچھ اختلاف ہو لیکن حکومت کے دستور اساسی میں دونوں متفق ہوتے ہیں البتہ صوبہ اور ولایت کے حالات مختلف ہونے کی وجہ سے بالیہ ورمی اصل اور نیکیس کے احکام ہر صوبہ کے الگ ہوتے ہیں۔

سے قال علی ابن ابی طالب و ابن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہما ما بعث اللہ نبیا من الانبیاء والا اخذ علیہ الميثاق لئن بعث اللہ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم و هو حی لیؤمنن بہ و لینصرنہ و امرنا ان یاخذ الميثاق علی امتہ لئن بعث محمد و هم ارجاء بیؤمنن بہ و لینصرنہ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۳)

ہاں اگر در رسول بیک وقت ایک قوم میں بھیجے جائیں تو وہ دونوں شریعت کی ہر بات میں متفق ہوں گے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کی شریعت کے احکام بالکل ایک تھے اور اگر ایک نبی اور در رسول دوسرے نبی اور در رسول کے بعد آئے تو جائز ہے کہ بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے بہت سے احکام کو منسوخ کر دے مگر اصول دین میں تمام انبیاء و رسل اقل سے آخر تک متفق رہے ہیں اور دوسرے قول کی بنا پر اگر رسول سے خاص خصوصیت نور کی ذات بامہکات مراد لی جائے تو مقصود آیت سے آپ کی سیادت اور خاتمیت کو بیان کرنا ہوگا کہ آپ تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں کہ آپ کے اتباع اور نعمت کا عہد تمام انبیاء سے لیا گیا جیسا کہ شب معراج میں آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی اور قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے مقام میں آپ ہی کھڑے ہوں گے اور تمام بنی آدم آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے یہ تو دلیل ہوئی آپ کی سیادت عامہ اور امامت کبریٰ کی۔ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کا تمام انبیاء سے یہ فرمان تھا جَاءَ كُورِ سُؤْلِ كَوْمِ سَبْ كِے بعد ایک عظیم الشان رسول آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد سب کے بعد ہوگی۔ اور اس کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ یہی معنی خاتم النبیین کے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پہلے نبی بن چکے ہیں۔ البتہ عمر ان کی طویل ہے اگر زمانہ میں آپ کی امت کی مدد کے لیے آپ کی شریعت کے تابع ہو کر آسمان سے نازل ہوں گے۔

ف یہ عہد یا تو عالم ارواح میں لیا گیا یا جس وقت حضرت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا گیا۔ اور پھر عالم شہادت میں ہر نبی کے زمانہ میں اس عہد کی تجدید ہوئی اور عہد الست کی طرح حضرات انبیاء نے اس عہد کو یاد دلایا تاکہ یاد کے بعد اس عہد کا ایفا کریں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ

اب کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں سوئے ہیں اللہ کے، اور اسی حکم میں ہے جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا قَدْ

کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا زور سے اور

اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۸۳ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ

اسی کی طرف پھر جا دیں گے ۸۳۔ تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور جو کچھ اُترا

عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ

ہم پر اور جو کچھ اُترا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

اسحق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جوطا موسیٰ کو

وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور عیسیٰ کو اور جو سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے

أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾ وَ مَنْ

ان میں کسی کو اور اسی کے حکم پر ہیں ۔ اور جو

يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ

کوئی چاہے سوا حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا، اور

هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

وہ آخرت میں غائب ہے ۔ کیونکر راہ دے گا

اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا

اللہ ایسے لوگوں کو کہ مکر ہو گئے ان کے، اور بتا چکے کہ

أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَاللَّهُ

رسول سچا ہے ، اور پہنچ چکے ان کو نشان ۔ اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ

راہ نہیں دیتا بے اعصاف لوگوں کو ۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ

أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ

ہے کہ ان پر لعنت اللہ کی، اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب

أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

کی ۔۔۔ پڑے رہیں اس میں نہ ہلکا ہو اُن پر

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے ۔۔۔ مگر جنہوں نے

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ

توبہ کی اس کے بعد اور سنوار پکڑی تو اہستہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ

بخشنے والا ہرمان ہے ۔۔۔ جو لوگ منکر ہوئے ان کو پھر

ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ

بڑھتے رہے انکار میں ۔۔۔ ہرگز قبول نہ ہوگی اُن کی توبہ اور

أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

وہی لوگ ہیں راہ بھولے ۔۔۔ جو لوگ منکر ہوئے اور

مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

مر گئے منکر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا ایسے کسی سے

مِلُّ الْأَرْضِ ذَهَبًا ۚ وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ

زمین بھر کر سونا اگرچہ بدلہ دیوے یہ کچھ ۔۔۔ ان کو

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۹۱﴾

دکھ کی مار ہے ، در کوئی نہیں ان کا مددگار ہے

خلاصہ حقیقت اسلام وعدم قبول غیر دین اسلام

قَالَ تَعَالَى أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ ۱۷۰ ... وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۹۱

توحید اور رسالت کے بعد دین اسلام کی حقیقت کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ اسلام اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین ہے اور اسلام ہی تمام کائنات کا دین ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے چلے آئے آخرت کی نجات کا دار و مدار یہی دین اسلام ہے اس کے سوا اللہ کے یہاں کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرماتے ہیں :

کیا یہ لوگ آنے والے رسول پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کا پختہ عہد اور پیمانہ کرنے کے بعد بھی اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی اور دین کو ڈھونڈتے ہیں اور اپنے عہد و پیمانہ کا پاس نہیں کرتے کہ جس دین کی وہ رسول دعوت دے رہا ہے اس کو قبول کریں حالانکہ زمین و آسمان کے کل باشندے حق تعالیٰ ہی کے سامنے سر تسلیم دیبا زخم کئے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے یعنی زبردستی سے اور قیامت کے دن سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ف احکام کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی جیسے نماز درودزہ جن میں ہند سے کے اختیار کو دخل ہے اور دوسرے تکوینی جیسے جلانا اور مارنا اور بیمار کرنا۔ احکام تکوینیہ کے تو سب مسخر ہیں کوئی اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا۔ کرتھا سے یہی تغیری طاعت مراد ہے اور طوعاً سے احکام تشریعی کی اختیاری طاعت مراد ہے اور خوشی سے طاعت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن اور انس میں ایماندار لوگ ہیں کہہ دیجئے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں وہی تمام انبیاء کا دین ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم پر یعنی قرآن پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اسحاق کی

علیہ اشارہ اس طرف ہے کہ آیت میں ہمزہ استفہام انکار اور توہین کے لیے ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ایتوں لون بعد میثاق الایمان والنصرۃ فغیر دین اللہ یبغون یا تقدیر اس طرح ہے ایتوں فغیر دین اللہ یبغون۔

اولاد پر جن کو خدا نے نبی بنایا اور جن پر خدا کی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے اور اس پر بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمام پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی اور ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کا حال ہے کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کی تکذیب سب خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ تھے اور سب دین حق پر تھے۔ دین سب کا ایک تھا اور ان کی شریعتوں کے قوانین اور احکام میں جو اختلاف تھا وہ وقتی طور اسی زمانہ اور اس ملک اور اس کے باشندوں کے لحاظ سے تھا اور ہم سب اسی ایک خدا کے خالص فرمانبردار ہیں خالص خدا کی بندگی یہ دین اسلام کا خلاصہ ہے اور ہر شخص اسلام کے سوا یعنی اللہ کی خالص زندگی کے سوا کوئی اور دین طلب کرے تو وہ دوسرا دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس لیے کہ یہ دین وہ دین نہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہو اور اس کو پسند کیا ہو اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا یعنی اُس کی نجات نہ ہوگی اللہ کے حکم کے سامنے گردن ڈال دینے کا نام اسلام ہے اور یہی تمام انبیاء کرام کا دین اور مذہب ہے اس کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں۔

بیان حکم مرتدین اب تک ان لوگوں کا بیان تھا جنہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے اعراض کیا اب آئندہ آیت میں اُن لوگوں کا بیان ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر گئے ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں پھر یہ مرتدین دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے کفر اور ارتداد پر قائم رہے اور ایک قسم وہ ہے جو تائب ہو کر پھر صدق دل سے اسلام میں واپس آگئے آئندہ آیات میں دونوں کا بیان آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت اور توفیق اور عنایت سے نوازے جو دل سے ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور زبان سے اس شہادت اور اس اقرار کے بعد کہ یہ رسول اللہ کے برحق پیغمبر ہیں اور بعد اس بات کے کہ ان کے پاس آپ کی نبوت اور اسلام کی حقیقت کی واضح دلیلیں اور روشن نشان پہنچ چکے ہیں اسلام سے پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ اقرار کرنے کے بعد پھر جائیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم اور ضدی ہیں ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ہوتی ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور تمام فرشتوں کی وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے اور ان پر تمام لوگوں کی لعنت ہے مومنین تو صراحتہ کفار پر لعنت بھیجتے ہیں اور کفار بھی حق بات نہ ماننے والے پر لعنت کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس لعنت کا معداۓ رہ خود نہیں ہمیشہ رہیں گے اُس لعنت میں اور عذاب لعنت میں داخل ہونے کے بعد نہ تو عذاب ہیں ان سے کوئی تخفیف کی جملے گی اور دُعا کو مہلت دی جائے گی مگر جن لوگوں نے اس کفر اور ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور اپنے ایمان کی اور اعمال کی اور نفس کی اصلاح کر لی اور غرانی کے بعد اُس کو درست کر لیا تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول

فراکر اُن کے جرم سے درگزر کرے گا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص تھا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا پھر نادم ہو کر اپنی قوم سے استغفار کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کرو کہ میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے اس پر یہ آیت کیُنْفَ يَهْدِيْ اٰتِهٖ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ فَتَلَغَفُوْا رِجْلَهُمْ نازل ہوئی چنانچہ اس کی قوم نے اس کو بلوایا اور وہ پھر اسلام لایا۔ (نسائی وابن حبان وحاکم)

تحقیق جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھتے گئے اور ترقی کرتے رہے کہ مسلمانوں کے شانے اور حق کے شانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جان بوجھ کر اسلام کی دشمنی پر شے رہے ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اس لیے کہ سمجھ بوجھ کر حق کی دشمنی کرنے والوں کو اول تو توبہ ہی نصیب نہ ہوگی جو قبول ہوا اگر مرنے کے وقت یا اور کسی وقت کسی مصلحت سے ظاہری طور پر رسمی الفاظ توبہ کے محض زبان سے کہہ بھی دے مگر دل حق کی عداوت سے صاف نہ ہوا تو ایسی توبہ کہاں قابل قبول ہو سکتی ہے اور ایسے ہی لوگ کامل اور پورے گمراہ ہیں جن کے دل حق کی عداوت سے برہنہ ہیں اور اگر کسی وقت زبان سے کوئی لفظ توبہ کا نکلتا ہے تو وہ کسی مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے جیسے آج کل کی سیاسی توبہ۔ یہی کمال گمراہی ہے کہ اس گمراہی کے مقابلہ میں گویا کوئی گمراہی نہیں کیونکہ یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں جن کی گمراہی سے نکلنے کی کوئی امید نہیں جیسے وہ۔ یا جس کے اچھے ہونے کی امید ہو وہ اس بیمار کے مقابلہ میں کیا بیمار ہے جس کے شفا پانے کی امید ہی نہ ہو تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور بدو توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ایسے کسی شخص سے روئے زمین کے برابر سونا اگرچہ وہ سونے کی اتنی مقدار کو عذاب کے فدیہ اور معاوضہ میں لاکر پیش بھی کر دے اور یہ کہہ کر مجھ کو عذاب سے چھوڑ دے تب بھی قبول کیا جائے گا اور بدو توبہ پیش کیے تو پوچھتا ہی کون ہے یعنی اگر بالفرض والتقدیر کا فرسے پاس روئے زمین کے برابر سونا موجود بھی ہو اور بطور فدیہ کے عذاب سے رہائی کے لیے پیش بھی کرنا چاہے تب بھی قبول نہیں چہ جائیکہ خالی ہاتھ ہو اور ایک ذرہ کا بھی مالک نہ ہو تو ایسے کو کون پوچھتا ہے ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہو گا جو ان کو عذاب خداوندی سے بچا سکے۔

ف کا لڑل کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو کفر سے صحیح توبہ کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ایسے لوگوں کی توبہ قبول ہے اور اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ اَعْدَائِهِمْ اُولٰٓئِكَ لَا يُلَاحِظُ اِلٰهٌ اِلَّا اللهُ عَزَّوَجَلَّ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے دوسرے وہ جو کفر سے توبہ تو کرتے ہیں مگر ان کی توبہ صحیح نہیں ہوتی بلکہ ان کی توبہ فاسد ہوتی ہے مثلاً یہ کہ دل سے توبہ نہ کریں محض زبان سے کسی مصلحت سے الفاظ توبہ کے کہ دیں یا دقت نکلنے کے بعد توبہ کریں جیسے فرعون نے بالکل ڈوبتے وقت توبہ کی اسی طرح یہ لوگ ایسے وقت توبہ کریں جب موت بالکل سامنے آگئی تو ایسے لوگوں کی توبہ مقبول نہیں اس لیے کہ توبہ کی شرط مفقود ہے۔

دل میں ایمان نہیں۔ دل حق کی صداقت اور باطل کی محبت سے بریز رہے محض زبان سے یا کسی معلومت سے توبہ کی جارہی ہے یا توبہ کا وقت نکل چکا ہے اور وقت نکلنے کے بعد مجبور ہو کر توبہ کر رہے ہیں۔ اس آیت یعنی لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ زُودَتْهُمْ هُمْ الظَّالِمُونَ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے اور تیسرے وہ کہ جو تمام عمر کفر پر قائم رہے اور دن بدن کفر میں ترقی کرتے رہے اور بالآخر بغیر توبہ کے مر گئے اس آخری آیت یعنی فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِنَ الْأَرْضِ ذَهِبًا ۱۶ میں یہی لوگ مراد ہیں پہلی آیت میں پہلی قسم کے کافروں کا حکم بیان ہوا اور دوسری آیت میں دوسری قسم کے کافروں کا اور اس آطری آیت میں تیسری قسم کے کافروں کا کہ ایسے لوگ اگر بالفرض والتقدير قیامت کے دن روئے زمین کے برابر سونا بھی عذاب کے فدیہ میں دینا چاہیں تو وہ قبول نہ ہوگا اس لیے کہ آخرت میں ایمان اور اعمال صالحہ قبول ہوں گے مال و زر کی اس دن کوئی حقیقت نہیں۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ ۱۱ شوال ۱۴۲۸ھ بوقت چاشت شہر لاہور میں تیسرے پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ اَللّٰهُمَّ وَنَقْلًا تَامَرَ التَّفْسِيرِ وَتَقْبِلُهُ مِنَّا وَلَوْ بِعَلَيْنَا فَانْتَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَانْتَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ آمین



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبہ المعارف دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور کی مطبوعہ
تفسیر "معارف القرآن"، مصنفہ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی
کی جلد اول از سورۃ الفاتحہ تا انتہاء پارہ سوم کے متن قرآن کریم
مطبوعہ پڑھا۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں
کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔
واللہ اعلم۔

علیم الدین شہدادپور
۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ

